

وَأَتَّبِعُوا الْحَقَّ

حدیث

اور اہل تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

جلد اول

مؤلف

ابوصہیب محمد بن یزید

مرکز احادیث

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر

تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

وَأَن تَلْبَسُوا عَلَى الْحَقِّ الْبَاطِلَ وَالْكُفْرَ الْمُنِزِلَ وَالزُّنُوفَ وَالزُّنُوفَ

حدیث اور اہل تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

جلد اول

مؤلف

ابوصہیب محمد داؤد آرشد

وَلِحَدِّ تَقْسِيمِ كَارِ

صُهَيْبِ اَكِيدْمِي

کوٹلی وڑکان نزد نارنگ سڑکی ضلع شیخوپورہ

ناشر

مکتبہ اہل حدیث

امین پور، بازار فیصل آباد

Ph:041-2624007



نام کتاب ----- حدیث اور اہل تقلید بحجاب حدیث اور اہل حدیث
 تالیف ----- ابو صہیب محمد زاؤد ارشد
 تعداد ----- 1100
 ناشر ----- مکتبہ اہل حدیث
 قیمت ----- 1/- روپے

طیبر قرآن محل، مکہ سنٹر گلی نمبر 5 نئی محلہ امین پور بازار، فیصل آباد
 Ph.: 041-2629292, 2624007

اسٹاکسٹ

مکتبہ محمدیہ الفضل مارکیٹ قذافی سٹریٹ اردو بازار لاہور
 Mob.: 0300-4826023

ملنے کے پتے

مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ 7244973 © دارالکتب السلفیہ شیش محل روڈ 7237184
 اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ فون نمبر: 7357587 © مکتبہ قدوسیہ رحمن مارکیٹ - غزنی سٹریٹ -
 نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ فون: 7321865 © محمدی پبلشنگ ہاؤس ایوان علم پلازہ 7223046
 دارالفرقان الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور فون 7231602 © کتاب سرائے احمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ

اردو بازار
لاہور

مکتبہ اسلامیہ - بیرون امین پور بازار بالحقابل شیل چرول پمپ © رحمانیہ دارالکتب امین پور بازار
 مکتبہ اہل حدیث، بالحقابل مرکز جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار © مکتبہ قدوسیہ امین پور بازار

فیصل آباد

والی کتاب گھر اردو بازار 055-4441613 © مکتبہ نعمانیہ اردو بازار

گوجرانوالہ

فاروقی کتب خانہ بیرون بوہرگیٹ 061-4541809

ملتان

مکتبہ تعہیم السہیر بانی ٹاؤن - غازی روڈ 044-2528621

اوکاڑہ

اسلامی کتب خانہ ڈاکخانہ بازار نزدیکی والی نیکی ہدیج وطنی شعبہ مایبول 0301-4085081

چیچہ وطنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست حدیث اور اہل تقلید جلد اول

۱۷	تقریظ
۲۹	عرض مؤلف
۳۲	حدیث اور اہل تقلید
۳۲	چند ابتدائی اصول
۳۲	اصول اول: مرسل روایات سے احتجاج
۳۵	اصول دوم: حدیث رسول ﷺ کے خلاف جب صحابی کا فتویٰ ہو
۳۸	اصول سوم: جب صحابہ کرام میں کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو
۳۹	اصول چہارم: تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں
۳۹	اصول پنجم: علمائے امت کے اقوال
۴۱	اصول ششم: عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہوتا
۴۲	اصول ہفتم: ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے
۴۳	مقدمہ حدیث اور اہل تقلید
۴۳	فصل اول
۴۳	دیوبندی عقائد
۴۳	عقیدہ وحدت الوجود
۴۴	غیر اللہ سے استعانت
۴۵	مرنے کے بعد دنیا میں آنا
۴۷	ارواح سے مدد حاصل کرنا
۴۹	علم فی الاصلاح
۴۹	علم فی الارحام
۵۰	سینے کا راز معلوم
۵۱	موت و حیات کا اختیار
۵۳	دیوبند کا بہشتی مقبرہ

۵۴	نفع و نقصان کا علم
۵۴	تقدیر پر اختیار
۵۵	فوق الاسباب قدرت
۵۶	یہ لوٹا کس مٹی کا ہے
۵۶	شفاء پر قدرت
۵۷	طے الارض
۵۸	علم غیب
۶۰	بارش کب ہوگی
۶۱	ایک ہی وقت پر متعدد مقامات پر حاضر
۶۲	دو بجے جہاز کو بچا لیا
۶۲	عین حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات
۶۳	کشف قبور
۶۳	تصرف فی الامور
۶۴	قبر پرستی
۶۶	کون کب اور کہاں مرے گا؟
۶۸	مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں
۶۸	بھنی ہوئی مچھلی زندہ کر دی
۶۹	جہنم میں جلتا ہوا دیکھانے کی قدرت
۶۹	انکار ختم نبوت
۷۱	رسول اللہ ﷺ کی گستاخیاں
۷۲	دیوبندی نماز
۷۳	دیوبندی روزہ
۷۴	فصل دوم
۷۴	مناقب امام ابوحنیفہ
۸۱	سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معراج
۸۲	حنفی مذہب کی حالت

۸۳	امام ابوحنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور علم حدیث
۸۴	قلت کے اسباب
۸۴	سبب اول عدم تحصیل حدیث
۸۵	سبب دوئم عدم سفر در تلاش احادیث
۸۶	سبب سوئم عدم تدوین احادیث
۸۷	سبب چہارم قلت عربیت
۸۷	ابن خلدون کی عبارت
۹۲	امام عبد اللہ بن مبارک کا قول
۹۳	تحصیل علم کی روایت
۹۴	علامہ شبلی کی عبارت
۹۴	امام ابوحنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور اجماع صحابہ
۹۷	حضرت امام ابوحنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> پر جرح
۱۰۰	مقلد انوار صاحب کے اعتراضات
۱۰۲	، کیا حنفیہ میں کوئی ولی ہوا ہے،
۱۰۲	کذاب کون؟ مولانا جے پوری یا مقلد انوار خورشید
۱۰۶	مسائل حقیقت الفقہ
۱۰۸	مقلد انوار خورشید کی لاعلمی
۱۱۵	احادیث رسول اللہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور حنفی
۱۲۵	مقلدین کے بارے تحقیقین کا نظریہ
۱۲۷	امام ابوحنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور مقلدین کے اصول اجتہاد
۱۲۹	کیا حنفی اہل حدیث ہیں
۱۳۰	کیا حنفی تقلید کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں
۱۳۱	پہلا مسئلہ
۱۳۳	دوسرا مسئلہ
۱۳۴	تیسرا مسئلہ
۱۳۴	چوتھا مسئلہ

- ۱۳۵ پانچواں مسئلہ
- ۱۳۷ چھٹا مسئلہ
- ۱۳۷ ساتواں مسئلہ
- ۱۳۸ آٹھواں مسئلہ
- ۱۳۹ نواں مسئلہ
- ۱۴۰ دسواں مسئلہ
- ۱۴۱ گیارھواں مسئلہ
- ۱۴۲ کیا احناف پر انکار حدیث کا انزام غلط ہے
- ۱۴۳ عبارات علمائے اہل حدیث
- ۱۴۵ فتویٰ تکفیر کی ابتدا کس طرف سے ہوئی
- ۱۴۶ بخاری شریف آگ میں العیاذ باللہ
- ۱۴۹ مقلد انوار خورشید کی آپ
- ۱۴۹ امام طحاوی کی امام مزنی سے ناراضگی
- ۱۵۰ تحریر اہل حدیث کا مقصد
- ۱۵۳ نواہل روایت
- ۱۵۴ حق مہر کی مقدار
- ۱۵۵ مقلد انوار خورشید صاحب کے سپارے واپس نہ لئے
- ۱۵۵ مسائل اہل حدیث
- ۱۵۶ ایام قربانی
- ۱۵۷ اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت
- ۱۵۸ ایک مجلس کی تین طلاقیں
- ۱۵۸ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا
- ۱۵۹ اتحاد امت کا قاتل کون؟
- ۱۶۱ خدمت حدیث کے پردہ میں
- ۱۶۲ کیا اہل حدیث کے فقط یہی بزرگ ہیں
- ۱۶۵ (۱) باب پانی کی طہارت

۱۶۵	فصل اول
۱۶۷	فصل دوم
۱۶۹	افترا کی بدترین مثال
۱۷۱	(۲) باب منی کی طہارت
۱۷۱	فصل اول
۱۷۴	فصل دوم
۱۷۹	(۳) باب شراب کی نجاست
۱۷۹	فصل اول
۱۷۹	شراب کی حرمت
۱۸۴	فصل دوم
۱۹۰	(۴) باب مردہ جانور، خون اور خنزیر کی نجاست
۱۹۰	فصل اول
۱۹۰	مردہ جانور کی نجاست
۱۹۲	خون کی نجاست
۱۹۳	خنزیر کی نجاست
۱۹۴	فصل دوم
۲۰۳	فصل سوم
۲۰۳	کتے کے جوٹھے کی طہارت و نجاست
۲۱۱	(۵) باب جو جانور حلال ہے ان کا پیشاب نجس نہیں
۲۱۱	فصل اول
۲۱۳	فصل دوم
۲۱۸	(۶) باب گپڑی پر مسح کرنا
۲۱۸	فصل اول
۲۲۱	فصل دوم
۲۲۵	(۷) باب کیا وضو میں پاؤں کا دھونا فرض نہیں
۲۲۹	(۸) باب بسم اللہ پڑھے بغیر وضو نہیں ہوتا

۲۲۹	فصل اول
۲۳۰	فصل دوم
۲۳۶	اجماع کا جھوٹا دعویٰ
۲۳۷	(۹) باب گردن کا مسح ثابت نہیں
۲۳۷	فصل اول
۲۳۸	فصل دوم
۲۴۴	(۱۰) باب جسم سے خون نکلنے پر وضو نہیں ٹوٹتا
۲۴۴	فصل اول
۲۴۴	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار
۲۴۵	فقہائے مدینہ کا عمل
۲۴۶	تعال خیر القرون
۲۴۶	فصل دوم
۲۵۰	(۱۱) باب چند نئی دریاہتیں
۲۵۲	(۱۲) باب قے اور نکیہ سے وضو ٹوٹنے کے دلائل کی حقیقت
۲۵۵	(۱۳) باب نماز میں قہتہ لگانے سے وضو ٹوٹنے کے دلائل کی حقیقت
۲۵۶	انوار خورشید کی عالمانہ بددیانتی
۲۵۹	فقہاء احناف کی بے بسی
۲۶۰	(۱۴) باب شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے
۲۶۰	فصل اول
۲۶۳	آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۲۶۴	تعال امت مرحومہ
۲۶۴	مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم رضی اللہ عنہ کا اعتراف حقیقت
۲۶۵	فصل دوم
۲۷۳	حنفیہ کا تناقض
۲۷۴	(۱۵) باب اگر ناخن پالش لگی ہو تو کیا وضو ہو جاتا ہے
۲۷۵	(۱) صاحب فقہ السنہ سید محمد سابق کا فتویٰ

۲۷۵

(۲) شیخ محمد بن صالح العثیمین کا فتویٰ رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۶

(۳) فضیلۃ شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۷

(۴) حضرت شیخ ابوالبرکات احمد البنارسی کا فتویٰ رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۸

(۱۶) باب قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیچھے کرنا

۲۷۸

فصل اول

۲۷۹

مذہب فقہاء

۲۸۰

محاکمہ مذاہب

۲۸۲

فصل دوم

۲۸۸

(۱۷) باب جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے

۲۸۸

فصل اول

۲۹۱

حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے

۲۹۲

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۲۹۳

فصل دوم

۳۰۴

فضول بھرتی

۳۰۴

فتہ وحید الزمان یا فتہ حنفی

۳۰۷

(۱۸) باب تیمم میں صرف ایک ہی ضرب ہے

۳۰۷

فصل اول

۳۱۰

فصل دوم

۳۱۹

(۱۹) باب حیض کی مدت عادت اور خون اسود وغیرہ کی پہچان ہے

۳۱۹

فصل اول

۳۲۲

فصل دوم

۳۲۵

(۲۰) باب قرآن کریم کو چھونے کے لیے وضو شرط نہیں

۳۲۵

فصل اول

۳۲۶

فصل دوم

۳۳۲

(۲۱) باب حنفیہ کی شرائط نماز

۳۳۲

فصل اول

۳۳۲

شرائط نماز

۳۳۲

جگہ و بدن اور کپڑوں کی طہارت

۳۳۲

فصل دوم

(انوار صاحب کے دلائل کا تجزیہ)

۳۳۷

(۲۲) باب فجر کی نماز کو غلّس (اندھیرے) میں ادا کرنا

۳۳۷

فصل اول

۳۴۰

فصل دوم

اسفروا، کا معنی و مفہوم

۳۵۰

مقلد انوار خورشید کی غلط بیانی

۳۵۲

(۲۳) باب ظہر کی نماز کو اول وقت پڑھنا ہی افضل ہے

۳۵۲

فصل اول

۳۵۶

فصل دوم

۳۵۹

(۲۴) باب طلوع آفتاب اور غروب شمس کے وقت نماز ادا کرنا

۳۵۹

فصل اول

۳۶۳

فصل دوم

۳۶۵

جمعہ کے دن زوال کے وقت نوافل پڑھنا

۳۶۶

(۲۵) باب عذر کی وجہ سے دو نمازیں جمع کرنا

۳۶۶

فصل اول

۳۷۲

فصل دوم

۳۸۳

(۲۶) باب اکہری اقامت

۳۸۳

فصل اول

۳۸۷

دعوت فکر

۳۸۸

فصل دوم

۴۰۱

(۲۷) باب تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کس جگہ تک اٹھائیں جائیں

۴۰۱

فصل اول

۴۰۷

امام زہری کی روایت کی کیفیت

۴۰۹	فصل دوم
۴۱۸	(۲۸) باب سینہ پر ہاتھ باندھنا
۴۱۸	فصل اول
۴۲۱	تفسیر قرآن کی تائید
۴۲۱	علمائے امت کا عمل
۴۲۲	فصل دوم
۴۲۵	المصنف لابن ابی شیبہ میں تحریف
۴۳۲	گل دیگر شگفت
۴۳۳	عذر گناہ بدتر از گناہ
۴۳۵	گل دیگر شگفت
۴۳۶	مزید عرض ہے
۴۶۱	(۲۹) باب تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعائیں
۴۶۱	فصل اول
۴۶۲	فصل دوم
۴۷۱	(۳۰) باب نماز میں بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھنے کا جواز
۴۷۱	فصل اول
۴۷۲	حصہ اول
۴۷۲	بسم اللہ الرحمن الرحیم، سورہ فاتحہ کی آیت ہے
	دوسرا حصہ
۴۷۶	بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند پڑھنے کے دلائل
۴۸۲	فصل دوم
۴۸۹	(۳۱) باب سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی
۴۸۹	فصل اول
۴۸۹	قرآن سے ثبوت
۴۹۰	مرفوع احادیث
۵۱۲	آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

- ۵۱۲ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
- ۵۱۲ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- ۵۱۳ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
- ۵۱۳ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
- ۵۱۴ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
- ۵۱۴ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
- ۵۱۵ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ
- ۵۱۵ سیدنا انس رضی اللہ عنہ
- ۵۱۵ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
- ۵۱۶ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
- ۵۱۶ سیدنا ابو دارود رضی اللہ عنہ
- ۵۱۷ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ
- ۵۱۸ سیدنا ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ
- ۵۱۸ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ
- ۵۱۹ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا
- ۵۱۹ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
- ۵۲۱ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ
- ۵۲۱ آثار تالیفین عظام
- ۵۲۱ امام سعید بن جبیر کا اثر
- ۵۲۲ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا اثر
- ۵۲۲ امام مکحول دمشقی کا اثر
- ۵۲۳ امام حسن بصری کا اثر
- ۵۲۳ امام عروہ بن زبیر کا اثر
- ۵۲۴ امام شععی کا اثر
- ۵۲۴ امام مجاہد کا اثر
- ۵۲۵ امام عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کا اثر

- ۵۲۵ امام قاسم بن محمد کا اثر
- ۵۲۵ امام ابوالمنجلیح کا اثر
- ۵۲۶ امام زہری کا اثر
- ۵۲۶ امام سعید بن مسیب کا اثر
- ۵۲۶ امام حکم بن عتبہ کا اثر
- ۵۲۷ امام اوزاعی کا اثر
- ۵۲۷ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام عطاء بن ابی رباح کا اثر
- ۵۲۹ اکابر احناف کی تصریحات
- ۵۳۰ فصل دوم
- ۵۳۵ شان نزول کی روایات
- ۵۳۵ شان نزول کے متعلق دعویٰ اجماع
- ۵۳۷ مرفوع روایات
- ۵۴۲ مسلکی حمایت میں بددیانتی
- ۵۵۱ لطیفہ
- ۵۷۹ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء
- ۵۸۵ خلفائے راشدین کے آثار
- ۵۸۶ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان
- ۵۸۸ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان
- ۵۹۱ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول
- ۵۹۵ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل
- ۵۹۷ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول
- ۶۰۰ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فرمان
- ۶۰۱ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان
- ۶۰۵ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول
- ۶۰۷ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فرمان
- ۶۰۷ تابعین کے اقوال

۶۰۷	عائشہ بن قیس
۶۰۸	عمر بن میمون
۶۰۹	اسود بن یزید
۶۰۹	سویہ بن غفلہ
۶۰۹	سعید بن مسیب
۶۱۰	سعید بن جبیر
۶۱۰	ابراہیم نخعی
۶۱۲	خلاصہ کلام
۶۱۳	(۳۲) باب رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی
۶۱۳	فصل اول
۶۱۴	فصل دوم
۶۲۱	(۳۳) باب آخری دو رکعتوں میں قرأت
۶۲۱	فصل اول
۶۲۸	فصل دوم
۶۳۵	(۳۴) باب اونچی آواز سے آمین کہنا
۶۳۵	فصل اول
۶۴۵	آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۶۴۷	فصل دوم
	احادیث سے استدلال
۶۵۸	آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۶۶۳	(۳۵) باب مسئلہ رفع الیدین
۶۶۳	فصل اول
۶۹۳	آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۶۹۳	سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما
۶۹۴	سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ
۶۹۴	سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

- ۶۹۴ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
- ۶۹۵ سیدنا عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ
- ۶۹۵ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
- ۶۹۵ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ
- ۶۹۶ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رفع الیدین کرنا
- ۶۹۶ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ
- ۶۹۶ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
- ۶۹۷ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
- ۶۹۷ آثار تابعین عظام
- ۶۹۷ امام ابو قلابہ تابعی
- ۶۹۷ امام محمد بن سیرین تابعی
- ۶۹۸ امام وہب بن منبہ تابعی
- ۶۹۸ امام سالم بن عبد اللہ امام قاسم بن محمد امام عطاء امام مکحول
- ۶۹۸ نعمان بن ابی عیاش
- ۶۹۹ امام طاؤس
- ۶۹۹ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ
- ۶۹۹ سعید بن جبیر
- ۷۰۰ مذکورہ احادیث و آثار کا خلاصہ
- ۷۰۱ مذکورہ احادیث و آثار کا نتیجہ
- ۷۰۱ مکہ مکرم
- ۷۰۲ مدینہ طیبہ
- ۷۰۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رفع الیدین کرتے رہے
- ۷۰۷ ائمہ کرام اور رفع الیدین
- ۷۰۹ مسئلہ رفع الیدین پر آئمہ محدثین کی کتب
- ۷۰۹ دیوبندی و بریلوی علماء کے پیر طریقت ابن عربی کا فیصلہ
- ۷۱۰ فصل دوم

- ۷۱۰ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث
- ۷۲۲ قارئین کرام
- ۷۲۵ ایک اعتراض
- ۷۲۸ اکابر احناف اور امام سفیان ثوری کی تدریس
- ۷۳۸ حنفی علماء کی تصریحات
- ۷۴۹ آثار صحابہ کرام
- ۷۴۹ خلفاء راشدین کے آثار
- ۷۵۱ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر
- ۷۵۲ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر
- ۷۵۲ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر
- ۷۵۳ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر
- ۷۵۴ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر اعتراض
- ۷۵۵ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر
- ۷۵۷ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر میمون کمی کا اعتراض
- ۷۵۸ اقوال تابعین
- ۷۵۸ عباد بن عبد اللہ بن زبیر کا فرمان
- ۷۵۸ اصحاب ابن مسعود اور علی کا عمل
- ۷۵۹ امام شععی امام ابو اسحاق اور ابراہیم کا عمل
- ۷۵۹ اسود اور علقمہ کا عمل
- ۷۶۰ قیس بن ابی حازم کا عمل
- ۷۶۰ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ
- ۷۶۰ خیشمہ کا عمل
- ۷۶۱ عدم رفع الیدین اور علماء امت
- ۷۶۲ ملحوظ
- ۷۶۲ ایک کفریہ مطالبہ
- ۷۶۳ رفع الیدین کرنا ضروری ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

شارح ترمذی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے تو دین مکمل ہو چکا تھا اور آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین تویم اور منج سدید صراط مستقیم پر چھوڑ کر گئے تھے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن تھی، لیلہا کنہارہا جس میں کوئی زلیغ اور ٹیڑھا پن نہیں تھا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی منج کو لازم پکڑے رکھا اور اسے چھوڑا نہیں۔

اسلام ایک کامل دین ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ امت میں سے ہر کوئی شخص ان تمام نصوص کا احاطہ رکھتا ہو جو اسلام کی وسیع تر تعلیم میں پائے جاتے ہیں خصوصاً جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایک جگہ پر اجتماعی زندگی نہیں گزارتے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی مختلف بلاد علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور بعد از وفات تو اس پھیلاؤ میں مزید وسعت پیدا ہوتی چلی گئی جیسے جیسے فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہو گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح ان مفتوحہ علاقوں میں آباد ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرف صحابیت کی بنا پر انتہائی قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لوگوں میں جو دینی مسائل پیدا ہوتے ان کے حل کے لیے ان کی طرف ہی رجوع کیا جاتا، بسا اوقات کوئی صحابی اپنے علم کے مطابق ایک فتویٰ دیتا تو دوسرا صحابی اس کے برعکس فتویٰ دے دیتا، جس سے ایک نوع کا اختلاف پیدا ہو جاتا لیکن یہ اختلاف محض عارضی ہوتا جب اس مسئلہ کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جاتی تو اختلاف ختم ہو جاتا جس کی کتب حدیث میں درجنوں مثالیں موجود ہیں، ان میں سے چند ایک کا ہم ذکر کرتے ہیں تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی نوعیت اور کیفیت واضح ہو جائے۔

ہزیرل بن شریبل فرماتے ہیں: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ میت کے ترکہ میں اس کی ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک بہن ہے ترکہ کی تقسیم کیسے ہوگی؟ ابو موسیٰ نے فرمایا کل ترکہ کا نصف بیٹی کو اور باقی نصف بہن کو ملے گا پوتی محروم رہے گی اور سائل سے فرمایا تم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ وہ بھی میری

تائید کرے گا (وہ سائل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا) اور ان سے دریافت کیا اور جو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا وہ بھی بتا دیا۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں ابو موسیٰ کی تائید کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا، میں تو وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، بیٹی کو نصف ملے گا۔ اور پوتی کو ”سدس“ (چھٹا حصہ) ملے گا جو دو ٹکٹ کا تکملہ ہوگا۔ اور جو باقی بچے گا وہ بہن کو ملے گا، سائل کہتا ہے ہم ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا وہ انہیں بتایا تو وہ فرمانے لگے (لاتسالونی مادام هذا الحبر فیکم) (بخاری مع فتح الباری ص ۱۷ ج ۱۲)۔

تم مجھ سے سوال نہ کیا کرو جب تک یہ بڑا عالم (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) تم میں موجود ہے۔ ایک بار امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے نبی اکرم ﷺ سے جنین کے بارہ میں کچھ سنا ہو؟ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا، جناب عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پھر پوچھا تو جس شخص کے بارہ میں فیصلہ ہوا تھا وہ خود کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ ہاں نبی کرام ﷺ نے ایک غلام یا لونڈی کے آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے (لولا ما بلغنی من قضاء النبی ﷺ لجعلته دية بين دیتین) اگر مجھے اس بارہ میں نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ نہ پہنچتا تو میں اس کی دیت دو دیتوں کے درمیان کرتا۔ (دارمی ص ۱۲۲ ج ۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہم بسا اوقات ایک رائے رکھتے تو پھر اس رائے کو ترک کر دیتے (دارمی ص ۱۲۲ ج ۱) ان آثار سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے موقف کے خلاف حدیث مل جانے پر اس پر عمل کرتے اور اپنے عمل اور فتوے کو ترک کر دیتے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اختلاف کو عارضی سمجھتے تھے اور اسے مستقل حیثیت نہ دیتے تھے۔

اپنے فتویٰ کے بارہ میں موقف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے کے بارہ میں بڑے محتاط تھے رائے اور قیاس سے فتویٰ دینے سے اجتناب کرتے اگر بوقت حاجت کوئی فتویٰ رائے سے دے بھی دیتے تو فرماتے یہ ہماری رائے ہے جو دوسروں پر لازم نہیں ہے۔ خلیفہ راشد ثالث عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (انی قدر ایت فی الجدر ایاً فان رايتم ان تتبعوه فاتبعوه) (دارمی ص ۱۲۲ ج ۱)۔ میں دادا کی وراثت کے بارہ میں ایک رائے رکھتا ہوں اگر تم چاہو تو اس کی پیروی کر لو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ مفوضہ (وہ عورت جس کا نکاح کے وقت حق مہر مقرر نہ کیا جائے) کے بارہ میں فرماتے تھے۔ اقول فیہا برائی فان یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطاء فمنی ومن الشیطان

والله ورسوله بری منه) (اعلام الموقعین ص ۴۶ ج ۱)۔

میں اس بارہ میں ایک رائے رکھتا ہوں اگر وہ رائے درست ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر وہ غلط ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور رسول اس سے بری ہیں۔

امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک قوم کے پاس آئے تو انہوں نے جناب زید رضی اللہ عنہ سے چند چیزیں دریافت کیں جسے انہوں نے لکھ لیا پھر وہ لوگ آپس میں کہنے لگے ہمیں زید رضی اللہ عنہ کو خبر دینی چاہئے کہ جو آپ نے جوابات دیئے ہیں ہم نے انہیں لکھ لیا ہے چنانچہ انہوں نے ان کو بتا دیا تو سیدنا زید نے عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا ہو سکتا ہے کہ جو میں نے تم سے بیان کیا ہے وہ خطا ہو میں نے تمہاری خاطر اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کیا ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۴۷ ج ۱)

یہ آثار اور اس معنی میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول آثار سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ میں جس میں انہوں نے اجتہاد کیا تھا اسے حتمی نہیں سمجھتے تھے اور نہ سائل پر اپنی رائے کو مسلط کرتے تھے۔ کہ میری اس رائے پر تم ضرور عمل کرو۔

گروہی اختلاف:

دور صحابہ اور تابعین میں جن مسائل میں اختلاف ہوا وہ محض احکام کے مسائل میں تھا۔ عقائد میں نہیں تھا ہاں البتہ بصرہ کے چند لوگوں نے تقدیر کے بارہ میں کتاب و سنت سے الگ ایک اپنی نئی رائے پیدا کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو اہل بدعت کہا اور ان سے علیک سلیک تک ختم کر دی نافع فرماتے ہیں ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو ابن عمر نے فرمایا ”مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے تو میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا“ (ابوداؤد ترمذی)

صحابہ اور تابعین کے دور میں احکام میں اختلاف کو قطعاً گروہی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ اس کی نوعیت عارضی تھی جو دلیل ملنے پر ختم ہو جاتی ہے، تا آنکہ امت مسلمہ پر تقلید نے اپنے بچے گاڑ دیے پس پھر کیا تھا ”کل حزب بما لدیہ فرحون“ اختلاف کا ایک طوفان اٹھا جو آناً فاناً امت مسلمہ کو بہا کر لے گیا اس طوفان سے صرف ایک ہی جماعت جسے طائفہ منصورہ (اہل حدیث) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، محفوظ رہی باقی جو بھی تھے وہ تقلید کی لہر میں بہہ گئے، اور انہوں نے اپنے الگ الگ گروہ قائم کر لئے۔ عقائد میں تو پہلے ہی کئی قسم کی خرابیاں پیدا کی جا چکی تھیں۔ اب وہی خرابیاں بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ احکام میں بھی پیدا کی گئیں۔ اہل تشیع تو ایک طرف رہے جو خود کو اہل سنت باور کراتے تھے تو ان کے نظریات اصولاً اہل سنت سے مختلف صورت اختیار کر چکے تھے۔ وہ بھی کئی گروہوں میں تقسیم ہوئے۔

تقلیدی مذہب مستقل مذہب:

اور ہر ایک تقلیدی گروہ نے کتاب و سنت کو بالاطاق رکھتے ہوئے اپنے امام اور پیشوا کے قول کو حتیٰ اور حق سمجھا اور مخالف کے قول کو خواہ وہ قول کتاب و سنت کی دلیل سے مرصع تھا اس کو باطل قرار دیا اور اس مخالف قول کی تائید میں آنے والے نصوص قطعیہ کو ہر ممکن رد کرنے کی جسارت اور جرأت کی گئی۔

احناف کی روش:

اس معاملہ میں علماء احناف نے جو روش اختیار کی وہ انتہائی باکانہ ہے احناف کے وہ مسائل جو اہل حدیث کے خلاف ہیں ان مسائل میں احناف کے پاس کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے دلیل نہیں ہے اور بجز اللہ ان تمام اختلافی مسائل میں اہل حدیث کا موقف کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے عین موافق ہے لہذا انہوں نے ان نصوص کو رد کرنے کے لئے بہت سے اصول وضع کئے جن کے ذریعے انہوں نے بزعم خویش ان نصوص کو رد کر کے اقوال حنفیہ کا دفاع کیا اور خود کو یا پھر اپنے پیروکار کو مطمئن کر لیا کہ ہم نے اصولوں کی بنا پر کتاب و سنت کے نصوص کو رد کر کے ایک بڑا علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی تفصیل ہم نے ”مقلدین آئمہ کی عدالت میں“، باحوالہ دی ہے۔

چونکہ مقصد کتاب و سنت کی ترویج نہ تھا بلکہ اقوال حنفیہ کی تائید اور ترویج تھا لہذا ایسا انداز اپنایا گیا جس سے امام صاحب کو شارع کی حیثیت دی گئی اور کتاب و سنت کو ان کے اقوال کے تابع مہمل بنایا گیا، اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے ہم نے ان کے چند اقوال ذکر کئے ہیں۔ جن سے ہمارے موقف کی تصدیق آفتاب نصف النہار کی طرح نظر آئے گی۔

علامہ کرنی جو متقدمین و اکابرین احناف میں سے تھے۔ انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں یہ احناف کا ایک اصول بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر آیت جو ہمارے اصحاب (آئمہ احناف) کے خلاف ہو تو اس کو سمجھا جائے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ یا اسے ترجیح پر محمول کیا جائے گا بہتر یہ ہے کہ تطبیق کی صورت پیدا کر کے اس کی کوئی تاویل کر دی جائے۔

اور حدیث کے بارہ میں اصول بیان کیا کہ ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اس حدیث کو منسوخ سمجھا جائے یا کہ یہ حدیث کسی اپنی ہم مثل حدیث کے معارض اور مخالف ہے۔ تو پھر کسی دوسری دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جس سے ہمارے اصحاب نے دلیل پکڑی ہے اگر نسخ کی دلیل مل گئی تو بہتر ہے ورنہ کسی دوسری دلیل کو اپنایا جائے گا۔ (اصول کرنی ص ۱۴ ملخصاً)

اس اصول کی ضرورت تب ہی پیش آتی ہے جب اقوال کو درجہ اولیٰ سمجھا جائے اور کتاب و سنت

ثانوی درجہ پر ورنہ تصور ہی محال ہے کہ امام کا جب قول کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے خلاف ہو تو کتاب و سنت کو رد کرنے کی وجہ اختیار کی جائیں اور قول امام کو مقدم رکھا جائے۔

قارئین کرام! یہ محض اس لئے ہے کہ مقلدین کے ہاں ہر صورت ان کے امام کا قول مقدم ہے یہ کتاب و سنت پر عمل نہ کرنے سے تو خود کو معذور تصور کرتے ہیں لیکن اپنے امام کے قول کے ترک کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں اس لئے تو فرماتے ہیں۔

فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفہ

(در مختار ص ۵)

اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی ریت کے ذرات کے برابر لعنت ہو جس نے ابی حنیفہ کے قول کو رد کیا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک: (و جب علی مقلد ابی حنیفہ ان یعمل بہ ولا یجوز لہ العمل لبقول غیرہ) معیار الحق ص ۲۰۱) ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد پر واجب ہے کہ وہ ابو حنیفہ کے قول پر عمل کرے اور اس کے لئے غیر کے قول پر عمل کرنا واجب نہیں۔ اس کی توضیح ہمارے اس دور کے ایک بڑے بزرگ طائفہ دیوبندیہ حنیفہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

لکھتے ہیں! عامی ایسا نہیں ہوتا جو دلائل کو پرکھ سکے۔ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آجائے جو بظاہر اس کے امام کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام اور مجتہد کے مسلک پر عمل کرے اور حدیث کے بارہ میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا صحیح مطلب میں نہیں سمجھ سکا یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اس کے معارض کوئی قوی دلیل ہوگی۔ چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پا کر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۷، مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۲۳۸)۔

برصغیر میں احناف کی دوسری بڑی شاخ کے قائد اعلیٰ جناب احمد رضا صاحب بریلوی کا بھی نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں۔

من قال ان قیاس ابی حنیفہ لیس بحجة یكفر (البریلویہ بحوالہ الفتاویٰ الرضویہ ص ۷۰)

جو شخص کہتا ہے کہ ابو حنیفہ کا قیاس حق نہیں اس کی تکفیر کی جائے گی!۔

اس لیے کہ ان کے ہاں مجتہد امام کا قول رسول اللہ کا ہی قول ہے (تعزیرات ترمذی از مولانا محمود

حسن دیوبندی)۔

مقلدین کے پاس اس انداز فکر کو آئمہ سلف نے ہمیشہ غلط قرار دیا ہے اور اسے قرآن و حدیث کے خلاف ایک سنگین سازش قرار دیا ہے، اس لئے کہ ان کے اسی انداز فکر کی وجہ سے لاتعداد صحیح احادیث کا انکار کیا گیا یا ان کی ایسی تاویلیں کی گئیں جن کی شریعت متحمل نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم النظر شخص نے ان کے اسی طرز فکر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے

ونجد كثير من الناس ممن يخالف الحديث الصحيح من اصحاب ابى حنيفة او غيرهم يقول هذا منسوخ وقد اتخذوا هذا محنة، كل حديث لا يوافق مذهبهم يقولون هو منسوخ من غير ان يعلموا انه منسوخ ولا يشبوا ما الذى نسخه (مجموع الفتاوى ص ۱۵۰ ج ۲۱)

ہم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب اور دیگر لوگوں کو پاتے ہیں جو صحیح حدیث کی مخالفت کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے یہ حدیث منسوخ ہے انہوں نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ وہ ہر اس حدیث کے بارہ میں کہہ دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف آتی ہے یہ حدیث منسوخ ہے حالانکہ انہیں اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ناخ دلیل کو ثابت کر سکتے ہیں۔

امام عز الدین بن عبد السلام فرماتے ہیں:

ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف ماخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه - ويترك من شهد الكتاب والسنة والا قيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد امامه بل يتخيل لرفع ظاهر الكتاب والسنة ويتاولها بالتاويلات الباطلة نضالا عن مقلده (حجة اللہ ص ۱۵۵ ج ۱)۔

عجیب ترین بات یہ ہے کہ فقہاء مقلد اپنے امام کے کمزور موقف کو جان لینے کے باوجود بھی اس کمزور موقف کی تقلید کرتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں ہے حالانکہ وہ اس کمزور موقف کے دفاع میں کوئی دلیل اور چارہ بھی نہیں پاتا، کتاب و سنت اور قیاس صحیح کو تقلید کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اور کتاب و سنت کے ظاہر کے رد کرنے کے لئے ناروا اور دور کی تاویلیں کرتا ہے تاکہ وہ اپنے امام کا دفاع کر سکے۔

ان کی ایسی حالت کو علامہ رازی نے تفسیر کبیر ص ۳۶ ج ۱۶ میں ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ فرماتے ہیں (میں نے مقلدین کی ایک جماعت کا مشاہدہ کیا اور ان کے بعض مسائل جو کتاب و سنت کے منافی تھے ان کے رد میں آیات تلاوت کیں لیکن انہوں نے نہ ان آیات کو قبول کیا اور نہ ان کی طرف توجہ دی ان کے پاس ایک ہی جواب تھا جب ہمارے سلف نے ان آیات پر عمل نہیں کیا تو ہم ظاہری مطالب کو کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مقلدین کے بارہ میں صحیح تحقیق کرے تو وہ ضرور

پائے گا کہ یہ مرض اکثر اہل دنیا کے رگ و ریشہ میں سراپت کر چکا ہے۔ (مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۵۷)۔

علامہ محمد حیات سندھی حنفی نے بھی مقلدین کا جو تجزیہ کیا ہے ہم ان کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

و اذا بلغهم حدیث یخالف قول من یقلدونه اجتهدوا فی تاویلہ القریب والبعید وسعوا فی

محااملہ النائیة والدائیة وربما حرفوا الکلم عن مواضعه (ایفاظ ہم اولی ابصار ص ۷)

جب مقلدین کو ایسی حدیث ملتی ہے جو اس کے امام کے قول کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی قریب با بعید تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس سے بسا اوقات تحریف کا بھی ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، بلاشبہ تقلید نے کتاب و سنت کے رد کا ایک دروازہ کھولا ہے خصوصاً وہ احادیث جو حنفی اقوال کے خلاف آتی ہیں جن کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ وہ کتنی ہیں کو پس پشت ڈال کر اقوال رجال کو واجب عمل قرار دیا گیا جس سے یہ باور ہوتا ہے کہ اسلام میں سنت کی حیثیت اقوال و رجال کے مقابلہ میں ثانوی ہے وہ حدیث تو قابل قبول ہے جو ان کے اقوال کے موافق ہے اور جو حدیث ان کے آئمہ کے اقوال کے خلاف ہے وہ قابل قبول نہیں۔

علامہ محمد حیات سندھی رقمطراز ہیں

(اذا مر علیہم حدیث یوافق قول من قلدوه انبسطوا واذا مر علیہم حدیث قال اللہ فلا)

وربک لا یؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما

قضیت ویسلموا تسلیماً (ایفاظ ہم اولی ابصار ص ۷)۔

جب ان کو کوئی حدیث ملتی ہے جو ان کے اماموں کے قول موافق ہوتی ہے تو بڑے خوش ہوتے ہیں اور جب کوئی مخالف حدیث آجاتی ہے تو بسا اوقات انقباض کا شکار ہو جاتے ہیں، اور اس آیت کریمہ کی پرواہ بھی کرتے کہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (مجھے قسم ہے تیرے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تجھ کو اپنے اختلافات میں فیصل اور ثالث تسلیم نہ کریں پھر تو نے جو فیصلہ دیا ہے اس کے قبول کرنے میں اپنے نفسوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اسے پوری طرح تسلیم کریں۔

احناف کی متدل روایات:

ان حضرات کا ان احادیث کے بارہ میں جو ان کے اقوال کے خلاف ہیں آپ نے ان کا رویہ ملاحظہ فرمایا ہے۔ جس سے عیاں ہے کہ ان کے ہاں وہی حدیث قابل قبول ہے جو ان کے اقوال کے

مطابق ہے ورنہ مخالف حدیث ہر حیلے اور بہانے قابل ترک ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات بھی تو اپنے موقف میں احادیث پیش کرتے ہیں تو گویا کہ وہ بھی حدیث پر عمل کرتے ہیں جس سے احادیث کے ترک کا تو نظریہ درست قرار نہیں پاتا۔ لہذا ان پر یہ الزام غلط ہے کہ یہ حضرات احادیث کو رد کرتے ہیں۔

اصل حقیقت:

اصل حقیقت یہ نہیں بظاہر تو عمل بالحدیث کا ہی داعیہ ہے لیکن مسائل اختلافی میں عملاً اس کی صورت مفقود ہے اس لئے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ احادیث سند کے اعتبار سے صحیح ہیں یا ضعیف ہیں صحیح تو ہر صورت قابل عمل ہے بشرطیکہ منسوخ نہ ہو، اور ضعیف کی جب تک توثیق نہیں ہو جاتی قابل رد ہے۔ آئمہ احناف میں حدیث دانی کا ذوق ہمیشہ سے قلیل رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیاس اور رائے سے زیادہ کام لیتے تھے جس بنا پر اہل علم میں ان کا نام ہی اہل الرائے پڑھ گیا۔ اور جو ان میں حدیث کا قدرے ذوق رکھتے ہیں ان میں اکثر حضرات محدثین کے اصولوں کے مطابق قابل اعتماد ہی نہ تھے جیسے محمد بن حسن شیبانی، حسن بن زیاد اور دیگر بہت سے امام صاحب کے تلامذہ ہیں حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے قابل اعتماد معقول محدث نے بھی ان کے بارہ میں فرمایا ہوا ہے اصحاب ابی حنیفہ لیس لهم بصر بشی من الحدیث ما ہوا الا الجراة (قیام اللیل مروزی ص ۲۱۲ طبع سائنگھ ہل) ابو حنیفہ کے شاگردوں کو حدیث میں کسی قسم کی بصیرت نہیں۔ ان کی حدیث کے بارہ میں دخل (محض جرات ہے۔

ماخذاحناف:

یہی وجہ ہے کہ مسائل اختلافیہ میں ان کا ماخذ صحیح حدیث نہیں بلکہ طبقہ ثالثہ یا رابعہ کی کتب ہیں جن میں کثیر تعداد میں ضعیف بلکہ موضوع روایات ہیں، جب کہ بہت سے اس فقہ شریف کے مسائل ایسے ہیں جن کی تاسید طبقہ ثالثہ اور رابعہ کی کتب سے بھی نہیں ہوتی ہے۔ بلاشبہ وہ مسائل جن میں یہ اہل حدیث کے خلاف ہیں ان میں ان کے پاس کسی مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے بلکہ یا تو مرسل ہیں یا معصل یا سندا ضعیف ہیں یا موضوع اور من گھڑت ہیں خصوصاً متاخرین کی کتب جیسا کہ ہدایہ اور اس کی بعض شروحات ہیں میں خود ساختہ اور من گھڑت روایات کا ایک جم غفیر ہے جس کا اعتراف محققین احناف نے بھی کھلے دل سے کیا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں ”لا عبرة بنقل النہایة ولا بقیة شراح الہدایہ فانہم لیسوا من

المحدثین“ (الموضوعات الکبیر ص ۱۲۵)۔

صاحب نہایہ شرح ہدایہ اور اسی طرح ہدایہ کی دوسری شروحات کا کسی حدیث کو نقل کرنا قابل اعتماد نہیں اس لئے کہ وہ محدثین نہیں تھے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں (فکم من کتاب معتمد اعتمد علیہ اجلة الفقهاء مملوءة من الاحادیث الموضوعة (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر ص ۳۱)۔

کتنی ہی قابل اعتماد کتب ہیں جن پر بڑے بڑے فقہانے اعتماد کیا ہے وہ من گھڑت روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں۔

فقہ کی کتابوں میں جو احادیث لکھی ہوئی ہیں ان پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ان کتابوں میں کتنی احادیث لکھی ہوئی ہیں جو من گھڑت اور بناوٹی ہیں (عمدہ الرایہ ص ۱۳ ج ۱)۔

ان اقوال محققین کی تائید مقصود ہو تو صرف ہدایہ پر ہی ایک نظر دوڑا کر دیکھ لیں آپ کو ان گنت روایات ایسی ملیں گیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کا کوئی معتبر ماخذ معلوم نہیں۔

موقف اہل حدیث:

عمل بالکتاب والسنہ میں اہل حدیث کا موقف بڑا واضح صاف ستھرا اور حزبی و گروہی تعصب سے بالا ہے۔ صحیح حدیث کسی بھی کتاب سے مل جائے خواہ وہ کسی ایک کے اپنے موقف کے خلاف ہو اہل حدیث صحابہ کرام کے منہج کے مطابق اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے صحیح حدیث کو اپنائے گا اور یہی آئمہ ہدیٰ کا موقف ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

اجمع المسلمون علی ان من استبانت له سنة رسول الله ﷺ لم يحل له ان يدعها بقول احد (مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۱۱۲)۔

تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب سنت کا علم ہو جائے تو کسی ایک کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس سنت کو کسی کے قول کی وجہ سے ترک کرے۔

اسی کے ہم معنی بات ان سے بہت پہلے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں ارشاد فرمائی تھی۔

اطيعونى ما اطعت الله ورسوله فاطيعوه فاذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لى عليكم۔ (سیرت ابن ہشام ۳۱۱ ج ۴)

اگر میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے اور اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں ہے۔
بس یہی وہ موقف ہے جسے اہل حدیث حق سمجھتے ہیں اور عملاً اسی موقف پر گامزن ہیں۔

وجہ نزاع:

تقلیدی جمود کے تسلط کے بعد چونکہ یہ موقف لابی کا شکار ہو گیا تھا۔ مقلدین نے اس مبارک موقف کو ترک کر کے ”وجہ علینا تقلید امامنا“ کی رٹ شروع کر دی تھی تو مقلدین کے اس موقف کے خلاف اہل حدیث نے بھرپور مزاحمت کی اور اس کے خلاف آواز احتجاج بلند کی، جس کی وجہ سے مقلدین اور اہل حدیث کے درمیان نزاع پیدا ہوا۔ اس نزاع کی رو میں بہہ کر مقلدین نے اہل حدیث پر ہر قسم کے طعن کئیے اور ایسے الزام لگائے جس سے الحمد للہ اہل حدیث بری ہیں۔ کبھی ان کو فقہ کا منکر کہا جاتا ہے کبھی آئمہ کی گستاخی کا الزام لگا کر ان کے خلاف لوگوں میں نفرت کا بیج بویا گیا لیکن ان کے یہ تمام حربے صدائے صحرا ثابت ہوئے تو انہوں نے ایک نیا پینترا بدلا کہ اہل حدیث کے خلاف ضعیف قسم کی روایات کو جمع کیا گیا اور پھر بھی کام نہ بنا تو فقیہ مرغینانی نے ہدایہ میں بہت سے مقامات پر کسی غیر کے قول کو قولہ علیہ السلام کہہ کر خود کو تسکین پہنچانے کی کوشش کی، پھر اسی روش کو آج تک برقرار رکھا گیا ہے۔ اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ صحیح حدیث نبوی کے رد کرنے کے لئے بسا اوقات ضعیف الاسناد اقوال صحابہ کا سہارا لیا گیا۔

حدیث اور اہل حدیث:

ہمارے دور کے احتاف کی اہل حدیث کے خلاف ایک تلیسانہ کوشش ہے جس میں ضعیف اور مرسل بلکہ بسا اوقات من گھڑت روایات کا سہارا لے کر اہل حدیث کے قوی اور مبنی برحق موقف کو باطل قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے اور اہل حدیث کے موقف پر نصوص قطعیہ جو حدیث کی مسلمہ اور معتبر کتب جیسا کہ صحیحین اور دیگر کتب صحاح میں روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہیں کو رد کرنے کے لئے اس میں ناقابل اعتماد روایات کا سہارا لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے مؤلف کو بھی حقیقت کا پوری طرح علم تھا کہ اہل حدیث کے دلائل بڑے مضبوط اور قوی ہیں جن کا رد اصول کے تحت ناممکن ہے ہاں صرف تقلیدی حربہ کہ ہم نے وہی عمل کرنا ہے جو ہمارے امام نے عمل کیا ہے اور اسی حدیث کو قبول کرنا ہے جسے ہمارے امام نے قبول کیا ہے کے ذریعے ممکن ہے۔

حدیث اور اہل تقلید:

حدیث اور اہل حدیث کا علمی جواب ہے جس میں فاضل مؤلف مولانا داؤد ارشد حفظہ اللہ نے علمی اصولوں کے تحت اس کتاب کا جائزہ لیا ہے اور اپنی علمی حیثیت سے اسے ہدیہ قارئین کیا ہے اور اس کے ساتھ ان کا احادیث کے بارہ میں جو رویہ ہے اسے طشت از بام کیا ہے۔

مولانا محمد داؤد ارشد حفظہ اللہ نوجوان پختہ کار اہل حدیث عالم ہیں کتاب و سنت کے دفاع میں ہمہ وقت چوکس چوبند اور مصروف رہتے ہیں مقلدین کی طرف سے تقلید کے دفاع اور حدیث کے رد میں جب بھی کوئی کتاب سامنے آتی ہے اس کا جواب دینے کے لئے مضطرب ہو جاتے ہیں اور جب تک فاسد اور باطل اراء کا قلع قمع نہیں کر دیتے آرام و سکون سے نہیں بیٹھتے قبل ازیں بھی انہوں نے تحریفات اور مغالطات سے پردہ اٹھایا ہے۔ تحفہ حنفیہ اور دین الحق ان کی اس قسم کی کاوش کا بہترین نمونہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی کتاب و سنت کے دفاع میں کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کی اس کاوش کو بھی ماقبل کی کاوشوں کی طرح وفاق حق اور دماغ باطل کے لئے سنگ میل بنائے، آمین الہ العالمین۔

کتبہ ابوالانس محمد یحییٰ گوندلوی

شارح ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی

مدیر جامعہ تعلیم القرآن و الحدیث - ساہوالہ سیالکوٹ

۲۹-۸-۲۰۰۶

عرض مؤلف

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمد عبده ورسوله۔

ياايهاالذنين امنوا اتقوالله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون، ياايهاالناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا الله الذى تساءلون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبا، ياايهاالذنين امنوا اتقوا الله وقلوا قولا سديدا يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما، اما بعد فان اصدق الحديث كتاب الله واحسن الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الامور محدثا تها وكل محدثه بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار۔

حضرات محترم آج سے چند برس قبل مکتبہ قاسمیہ (لاہور) کے مالک مولوی محمد نعیم الدین صاحب نے اہل حدیث کے رد میں ایک مبسوط کتاب "حدیث اور اہل حدیث، تالیف کی اور قلمی نام انوار خورشید کے نام سے شائع کی، جس میں طہارت کے ابواب سے لے کر جنازہ تک کے بعض مسائل ہیں۔ مقدمہ کے علاوہ ۷۹ مسائل اور سوانہ صفحات پر محیط ہے، کتاب کا اسلوب کچھ اس طرح ہے کہ ہر مسئلہ کا الگ باب ہے، اور ہر باب کے تحت متعدد احادیث و آثار نقل کرتے ہیں، تابعین عظام اور فقہاء امت کے اقوال کو بھی درج کرتے ہیں۔ پھر بزعم خود ان کے خلاف اہل حدیث کا اختلاف ثابت کرتے ہوئے قارئین کو دعوت فکر دیتے ہیں، ان کا یہ انداز سادہ عام فہم اور پرکشش ہے، قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ انہوں نے کتاب خالص دعوتی نقطہ نظر سے تحریر کی ہے۔

بازاری زبان سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے۔ چند مقامات کے علاوہ پوری کتاب میں زبان نہایت سلیجی ہوئی ہے، کتاب میں صحیح و حسن احادیث کے علاوہ ضعیف و منکر شاذ اور موضوع و من گھڑت روایات کی بھر مار ہے۔ معنوی تحریفات کے علاوہ خلط بحث اور قیاسات فاسدہ اور استدلالات کا سدہ بھی ہیں، اور ان کے خلاف بعض مقامات پر علمائے اہل حدیث کے شاذ اقوال نقل کر کے ہمیں مطعون کیا ہے، بعض جگہوں پر صریحاً جھوٹ بھی بولا گیا ہے۔ مثلاً وضو میں پاؤں کو دھونے کی بجائے مسح کرنے کے فرض ہونے پر فتاویٰ ابراہیمیہ سے عبارت نقل کی ہے، حالانکہ یہ فتاویٰ کسی بھی سلفی کا نہیں یہ آج سے سو سال قبل مبتدعین دیابنہ کے اکابر نے جھوٹ بولا تھا، جس پر ان کی معنوی ذریت شرمندگی کی

بجائے ہمیں مطعون کر رہی ہے، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ کتاب ”حدیث اور اہل حدیث“ سنت نبوی علیہ التحیۃ والسلام اور اس کی امین جماعت کے خلاف نہایت درجہ کی سم قاتل ہے، جو بیٹھے کے رنگ میں دیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ مسائل ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف کا سبب نہیں بلکہ ان کا شمار ثانوی درجہ میں ہوتا ہے۔ اختلاف کا سبب اہل تقلید کے بعض عقائد ہیں، جن میں سرے فہرست عقیدہ توحید اور مسئلہ تقلید کے علاوہ مبتدعین دیانہ کے اکابرین کا توہین انبیاء اور انکار ختم نبوت جیسے اہم مسائل ہیں۔ حق و باطل کے اس معرکہ میں اہل تقلید نے ہمیشہ میدان جنگ کا رخ بدلنے کی کوشش کی ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس ان چند مسائل کو ہی اختلاف کا سبب سمجھ لے، اور عقائد فاسدہ پر حجاب پڑا رہے، ظاہر ہے کہ جب اصل مرض کا علاج تو کجا اس کی تشخیص کو ہی گناہ کبیرہ سمجھ لیا جائے تو فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل تقلید کی بھرپور مزاحمت کے باوجود عمل بالحدیث کی تحریک اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور اہل تقلید اپنی بقاء کی جنگ لڑنے پر مجبور ہیں۔ جس میں شکست ان کا مقدر ہے، غور کیجئے کبھی زمانہ تھا کہ ہمارے خلاف کفر کے فتوے شائع ہوتے تھے۔ مساجد میں نماز پڑھنے سے منع کیا جاتا تھا، عام آدمی کو ترجمہ قرآن پڑھنے سے منع کیا جاتا تھا۔

(ملاحظہ ہو اشرف الجواب ص ۱۸۵ فقہ ۴۶)۔

مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ یہ خود قرآن و حدیث کے غلط تراجم کر کے عوام الناس کی عدالت میں پیش کر چکے ہیں، گو ان تراجم میں معنوی تحریفات کر کے عمل بالحدیث کے سامنے ریت کی دیوار کھڑی کی گئی ہے، لیکن جمود ٹوٹ گیا ہے۔ تقلید کا محض نام رہ گیا ہے، ان کے فتاویٰ کفر اپنی موت مر چکے ہیں، مساجد سے وہابی کے نماز نہ پڑھنے کے پوسٹر اتر چکے ہیں طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں اہل حدیث کی طرف رجوع کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ جرابوں پر مسح کرنے والے بھی نظر آتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح کے بعد ان کی مساجد کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔ رفع سبابہ پر مناظروں کا دور گزر چکا ہے، بلکہ اسے بدعت کہنے والے کی مذمت کی جاتی ہے، خلاصہ کیدانی کا تو نام لے کر تردید کرنے کا دور آ گیا ہے، دیہاتوں میں جمعہ و عیدین قائم کر چکے ہیں۔ عقیقہ کو زمانہ جاہلیت کی رسم کہنے والے خود عقیقہ کرنے لگے ہیں، الغرض ان جیسے بیسیوں مسائل میں تقلید پرست غیر مقلد ہو چکے ہیں، قرآن و سنت کا مطالعہ تقلید پر عدم اعتماد کا کھلا اظہار ہے، ہاں ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے لوگ اب بھی جمود کا شکار ہیں اور اپنے ناخواندہ حواریوں کو مطمئن کرنے کے لئے چند اختلافی مسائل پر تھوڑا بہت لکھتے رہتے ہیں جس سے ان کے تین مقصود ہوتے ہیں، الف، اصل بنیادی مسائل سے توجہ ہٹانا، ب، اپنے تقلیدی حواریوں کو مطمئن کرنا، ج، فریق مخالف کو بدنام کرنا، ان تین مقاصد کے لیے یہ ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ کذب و افتراء تو بہت معمولی چیزیں ہیں، رد اہل حدیث کے لیے اگر انہیں کتاب و سنت میں تحریف بھی کرنی

پڑے تو دروغ نہیں کرتے، یہ محض الزام تراشی نہیں بلکہ حقیقت الامر ہے بطور دلیل صرف ایک مثال عرض کی جاتی ہے پوری امت مرحومہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جھوٹی حدیث وضع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن مبتدعین دیابنہ کی رد اہل حدیث میں سرگرم آج کی ٹیم میں اکثریت اس مرض کا شکار ہے، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ پاک و ہند کے پورے خطے سے شاید ہی کوئی اس گروپ سے ایسا فرد مل سکے جس نے اہل حدیث کے رد میں حدیث وضع نہ کی ہو، یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں ہم بفضلہ تعالیٰ تحفہ حنفیہ میں اسکی متعدد مثالیں عرض کر چکے ہیں، یہاں پر مزید مثالیں عرض کر دی جاتی ہیں، مؤلف حدیث اور اہل حدیث فرماتے ہیں۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے وقت حضرت ابو بکر سورہ فاتحہ کے بعد سورہ شروع کر چکے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نماز بغیر فاتحہ کے پڑھائی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۵)۔

مسند احمد تو کجا حدیث کی کسی کتاب میں یہ صراحت نہیں کہ مرض الموت میں جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ مکمل کر کے اگلی سورت شروع کر چکے تھے۔

امین اوکاڑوی ایک جگہ لکھتا ہے۔

رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: لا جمعة الا بخطبه

خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا

(سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۷ و مجموعہ رسائل ص ۱۶۹ ج ۲)۔

دوسری جگہ لکھتا ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: کہ لا یقرؤا خلف الامام، کہ امام کے پیچھے کوئی شخص

قرأت نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۶ ج ۱)، تجلیات صفحہ ص ۸۴ ج ۲)۔

تیسری جگہ لکھتا ہے۔

اہل حدیث کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ نے ہمارا نام اہل سنت والجماعت رکھا

(مجموعہ رسائل ص ۳۶ ج ۲)۔

یہ تینوں روایات امین اوکاڑوی کی وضع کردہ ہیں، کتب احادیث میں ان کا نام و نشان تک نہیں، گو جز اولہ میں ایک دیوبندی مناظر اعظم پیر مشتاق علی ہے۔ جو آئے دن اہل حدیث کے خلاف کوئی نہ کوئی کتابچہ تحریر کرتا رہتا ہے، یہ نالائق بھی وضع احادیث سے متمہم ہے، راقم نے ضمیمہ (سبیل الرسول ص ۲۴۸، ۲۲۲) میں اس کی وضع کردہ دو روایات کی نشان دہی کر دی ہے۔

بات لمبی ہوگئی گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ رد اہل حدیث میں سرگرم آج کی پوری دیوبندی پارٹی بالخصوص حیاتی گروپ میں اکثریت وضع احادیث سے متمہم افراد کی ہے۔ حدیث نبوی میں معنوی تحریف

اور الفاظ رسول ﷺ میں حک و اضافہ کرتے ہوئے بھی ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا، پھر اعتراف گناہ کی بجائے ہمیشہ اس پر اڑ جانا ان کا طرہ امتیاز ہے۔ جس کی واضح مثال ان کے عقائد فاسدہ ہیں کہ ان کو غلط تسلیم کرنے کی بجائے اپنی صلاحیتوں کو ان کے دفاع پر لگائے ہوئے ہیں، جس کی مفصل بحث تو حصہ سوم میں بفضلہ تعالیٰ آئے گی، قارئین کرام کی تسلی و تشفی کے لئے مقدمہ کی فصل اول میں تھوڑی سی جھلکی موجود ہے۔

حدیث اور اہل تقلید:

گو اس سے پہلے بھی انوار صاحب کی کتاب کے جواب میں دو کتابیں شائع شدہ ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے اس کے جواب میں قلم کیوں اٹھایا ہے؟ اس لئے کہ خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب، حدیث اور غیر اہل حدیث، انتہائی مختصر ہے اور محبی و انہی شیخ زبیر علی زئی محدث حضور کی کتاب صرف مسئلہ رفع الیدین کے متعلق ہے، جیسا کہ نور القمرین فی اثبات رفع الیدین، نام سے ظاہر ہے، پہلے ارادہ تھا کہ مسئلہ رفع الیدین کا جواب نہ لکھا جائے بلکہ شیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی تالیف کو ہی شامل اشاعت کیا جائے مگر یہ بھی بوجہ رہ گیا، الغرض انوار صاحب کی کتاب کا مفصل و مکمل جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے تیسری جلد تحریر کرنے کا ارادہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو انشاء اللہ وہ بھی ضرور لکھی جائے گی، فی الحال اس کی دو جلدیں آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ جواب میں راقم کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ ہر مسئلے کے لیے الگ باب ہے، پہلی فصل میں اپنے دلائل ہیں اور دوسری میں انوار صاحب کے شبہات و دلائل کا محاسبہ ہے، گو راقم کے نزدیک ضعیف روایات ناقابل حجت ہیں، لیکن انوار صاحب نے ضعیف و منکر بلکہ موضوع تک کو بھی دلیل بنایا ہے، اور ایک ہی حدیث کو مکرر سہ مکرر نقل کر کے زیادہ دلائل دینے کی کوشش کی ہے، اس لئے فصل اول میں صحیح و حسن احادیث کے ساتھ ضعیف روایات کو درج کرنے کے علاوہ احادیث مکررات ہیں، کیونکہ ہماری کاروائی جوابی ہے، ہاں البتہ بنیادی استدلال کسی ضعیف روایت سے نہیں کیا، بعض مقامات پر راقم نے ان پر حکم بھی لگایا ہے، مگر یہ بوجہ التزام نہ ہو سکا، امید ہے کہ صاحب علم حضرات اس سے درگزر فرما کر نفس مسئلہ پر توجہ رکھیں گے۔ ابتدا میں مختصر پروگرام تھا، لیکن چند ابواب کے بعد یہ ارادہ بھی بدل دیا، اس لئے قارئین کو اول و آخر کے درمیان قدرے فرق نظر آئے گا۔

حتی المقدور کتاب کو ہر لحاظ سے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے، پھر بھی اس میں اغلب غلطیوں کا امکان ہے، لہذا علمی طور پر ہماری خطاؤں پر مطلع کرنے والوں کا ہم دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کریں گے، اور قابل اصلاح غلطیوں کا ضرور ازالہ کیا جائے گا، باقی رہے وہ حضرات جو گالیاں

دے کر اپنے کلیجہ کا ٹھنڈا کرنے کے عادی ہیں ان کی طرف ہم نے نہ پہلے بھی دھیان دیا ہے نہ آئندہ ارادہ ہے۔

پہلے حدیث اور اہل حدیث کے ساز (۱۶-۳۶-۲۳) پر شائع کرنے کا پروگرام بنا گو اس سے خرچہ پندرہ بیس فی صد کم ہو جاتا ہے، مگر کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے اسے (۸-۲۶-۲۰) کے ساز پر شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ ہم سب کو معاف فرمائے اور اپنی مرضیات بجالانے کی توفیق دے۔

امین یا الہ العالمین

اخو کم فی الدین

ابوصہیب محمد داؤد ارشد

خطیب جامع مسجد محمدی کوٹلی ورکاں۔ نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ۔

چند ابتدائی اصول

اصول اول: مرسل روایات سے احتیاج:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں بدعتی فرقے عالم وجود میں آئے اور انہوں نے اپنی تائید و حمایت میں احادیث بھی وضع کیں، اسی دور میں ضعفاء اور مجہول راویوں کا گینگ بھی موجود تھا، دجال و کذاب راویوں کی بھی کمی نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ۔

میں نے اکثر مراسیل کی تحقیق کی تو انہیں غیر عادل راویوں سے پایا بلکہ جب ان سے ان کے شیوخ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے ان کا نام لیا جو مجروح و متکلم فیہ تھے۔ (النکت ص ۵۰۰ ج ۲)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے، حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۲۶ ج ۱ میں اس سے ملتے جلتے الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا ہے۔ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اگر ہم مرسل روایات کی مصیبتیں اور بلائیں جمع کریں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ (الاحکام ص ۶ ج ۲)۔

بلکہ انہوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ مرسل کی حجت کے قائلین دراصل اپنے قول کو رائج کرنے کے لئے مرسل کا سہارا لیتے ہیں؟ ورنہ جب مرسل روایت ان کے مذہب کے خلاف آجائے تو وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مرسل کو ترک کرنے والے ہیں، انہوں نے یہ طعن بھی دیا ہے کہ احناف و مالکیہ نے فلاں فلاں مرسل کا انکار محض اس لئے کیا ہے کہ وہ ان کے مسلک و مذہب کے خلاف ہے۔ فرماتے ہیں اگر ہم ان مراسیل کا تتبع کریں جن کو ان دونوں گروہوں نے ترک کر دیا ہے۔ تو وہ بلاشبہ دو ہزار سے بھی زیادہ ہو جائیں، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو انشاء اللہ اس پر ہم ایک مستقل رسالہ لکھیں گے۔ (الاحکام ص ۵ ج ۲)۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

والمرسل من الروایات فی اصل قولنا وقول اهل علم بالاخبار لیس بحجت
یعنی مرسل روایات ہمارے اور احادیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک حجت نہیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۲)

امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

والحدیث اذا کان مرسلًا فانہ لا یصح عند اکثر اهل حدیث قد ضعفاء غیر واحد

منہم۔

یعنی جب حدیث مرسل ہوگی تو وہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک صحیح نہ ہوگی، متعدد اہل علم نے اسے ضعیف فرمایا۔ (العلل مع شرح شفاء العلل ص ۳۹۷ ج ۴)۔
امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والمرسل واهية عند جماعة اهل الحديث من فقهاء الحجاز غير محتج بها وهو قول سعيد بن المسيب ومحمد بن مسلم الزهري ومالك بن انس وعبد الرحمن الاوزاعي ومحمد بن ادریس الشافعی و احمد بن حنبل ومن بعدهم فقهاء المدينة وحتهم فيه كتاب الله وسنة نبیه۔

یعنی مرسل احادیث اہل حجاز کے فقہاء اہل حدیث کی جماعت کے نزدیک واہی اور ناقابل احتجاج ہیں۔ یہی قول امام سعید بن مسیب امام زہری امام شافعی امام احمد امام مالک امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے فقہاء مدینہ کا ہے اور اس پر ان کے نزدیک کتاب و سنت کے دلائل ہیں۔ (المدخل ص ۱۲)۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قال سعيد بن المسيب وهو من كبار التابعين ان المرسل ليس بحجة نقله عنه الحاكم وكذا تقدم عن محمد بن سيرين وعن الزهري وكذا كان يعيبه شعبه واقراؤه والاخرون عنه كیحی القطان و عبدالرحمن بن مہدی وغير واحد وكل هؤلاء قبل الشافعی۔

یعنی سعید بن مسیب رحمۃ اللہ جو کبار تابعین سے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مرسل حجت نہیں جیسا کہ امام حاکم نے ان سے نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح ان سے پہلے یہی قول امام محمد بن سیرین امام زہری سے گزر چکا ہے، اسی طرح امام شععی اور ان کے معاصرین و تلامذہ مثلاً یحییٰ قطان اور عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ مرسل کو رد کرتے تھے۔ اور یہ تمام امام شافعی سے پہلے ہوئے ہیں۔ (النکت ص ۵۶۸ ج ۲)۔

اصول دوم: حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جب صحابی کا فتویٰ ہو:

مرفوع (حدیث نبوی) کے خلاف جب موقوف (صحابی کا قول) ہو تو تب موقوف روایت بالاتفاق حجت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے، اور اختلاف کی صورت میں اللہ ورسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ یہی موقوف و مذہب اکابرین احناف کا ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قصر کر کے نماز ادا کرتے تھے جب کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پوری نماز پڑھا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی سفر میں نماز قصر کرنے میں عزیمت کی بجائے رخصت کی قائل تھیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تاویل ان کی

ذات تک محدود ہے۔ (خزائن السنن ص ۱۸۶ ج ۲)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد تقی عثمانی مقلد فرماتے ہیں، یہ روایت موقوف ہے۔ فلا جتہ فیہ (اس میں دلیل نہیں)

(درس ترمذی ص ۱۲۰ ج ۲)۔

مولوی عبد الماجد دریا آبادی مقلد فرماتے ہیں: کوئی بزرگ کیسا ہی کامل ہو معصوم وغیر خاطی بہر حال نہیں، مشاہدہ بھی یہی ہے کہ تجربہ کی، عمل کی، لغزشوں اور کوتاہیوں سے یکسر محفوظ کوئی بھی بشر نہیں۔ زلات اور خطا اجتہادی سے صحابہ تک خالی نہیں۔ چہ جائیکہ کہ دوسرے بزرگ جو ان سے ہر صورت کم تر ہیں۔ (حکیم الامت ص ۲۷۰)۔

مولوی محمد انور شاہ کاشمیری مقلد سابقہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے مقدمہ بہاولپور میں عدالت کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ قول صحابی کا حجت نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کا قول ہوتا ہے۔

(روداد مقدمہ مرزا سید بہاولپور ص ۲۳۵ ج ۱)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ

قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفعه شئى اخر من السنة۔

یعنی ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے جب تک سنت سے کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔

(فتح القدیر ص ۳۷ ج ۲)، (ابن عابدین نے فتاویٰ شامی ص ۱۰۸ ج ۲) میں ملا علی قاری نے، (مرقاۃ ص ۲۶۹ ج ۳) میں فتح القدیر سے مذکورہ عبارت نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے، نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی مقلد فرماتے ہیں کہ لہذا قول صحابہ بھی حجت ہے اور ہمارے نزدیک اس کی تقلید واجب ہے اگر سنت سے منقول کوئی چیز اس کے معارض نہ ہو۔ (مظاہر حق جدید ص ۸۸۷ ج ۱)۔

مولوی ظفر احمد تھانوی مقلد فرماتے ہیں کہ، قول الصحابی حجة عندنا اذا لم يخالفه مرفوع، یعنی صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے جب وہ مرفوع حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(اعلاء السنن ص ۱۲۶ ج ۱)۔

تھانوی صاحب نے ان الفاظ میں اس کا تذکرہ (اعلاء السنن ص ۱۴۰ ج ۱)۔

میں بھی کیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

ولا حجة في قول الصحابي في معارضة المرفوع لاسيما اذا كانت المسألة مختلف

فيها بين الصحابة۔

یعنی صحابی کا قول جب مرفوع حدیث کے معارض ہو تو تب حجت نہیں ہوتا بالخصوص جب وہ مسئلہ

صحابہ کرام میں اختلافی ہو۔ (اعلاء السنن ص ۴۳۸ ج ۱)۔

مولوی سرفراز خاں صفدر مقلد مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی سے نقل کرتے ہوئے اس پر سکوت کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو بہت دور کی چیز ہیں اگر حدیث رسول کے خلاف صحابہ بھی کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا الی قولہ ممکن ہے آپ کے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کافی ہو لیکن ہم دامن رسالت کو چھوڑ کر کہاں جائیں؟ اور جا بھی کہا سکتے ہیں۔ (ذکر بالجہد ص ۱۲۰)۔

نیز لکھتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ان کی علمی وسعت اور زہد تقویٰ اپنی جگہ پر یہ تمام امور مسلم ہیں لیکن جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو شونوائی نہیں ہوگی۔ (ص ۱۰۷) نیز تحریر کرتے ہیں کہ یاد رکھئے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہوا اس کے معارض اور مخالف کتاب و سنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب یہ اصول ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو سوچئے جس حدیث کے خلاف صحابہ کی بات نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد میں کسی بزرگ یا ماوشما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ (۱۰۵)۔ (اتمام البرہان حصہ سوم ص ۴۰۱)۔

اہل حدیث سے اچھتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں
حضرت عبادہ بن الصامت نے صحیح سمجھایا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہ مسلک و مذہب تھا۔ مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے۔ (احسن الکلام ص ۱۰۶ ج ۲)۔

ان عبارات سے نصف النہار کی طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ خود اکابر دیوبند کے نزدیک بھی آثار صحابہ کرام علی الاطلاق حجت نہیں بلکہ بعض شروط کے تحت موقوف روایات حجت ہیں، ان میں سرفہرست دو شرطیں ہیں کہ پہلی یہ کہ موقوف روایت مرفوع کے خلاف نہ ہو اور دوسری یہ کہ وہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ نہ ہو، الغرض آثار صحابہ کرام حجت ہیں لیکن مرفوع احادیث کے خلاف ہوں یا وہ مسئلہ خود صحابہ کرام میں اختلافی ہو، ان دونوں صورتوں میں موقوف روایت ناقابل حجت ہے، امام ابن ہمام کے علاوہ مولانا ظفر احمد اور انور شاہ کاشمیری وغیرہ جید و نامور اکابر دیوبند نے یہ اصول تسلیم کیا ہے۔ اور یہی ہمارا موقف ہے۔

اصول سوم: جب صحابہ کرام میں کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو:

اعلاء السنن ص ۴۳۸ ج ۱ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو تب آثار صحابہ کرام حجت نہیں ہوتے۔

مولوی محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ: یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل اور اجتہاد ہے احادیث مرفوعہ میں اس تفریق کی کوئی بنیاد مروی نہیں، نیز صحابی کا اجتہاد حجت نہیں، خاص طور سے جب کہ اس کے بالمقابل دوسرے صحابہ کے آثار اس کے خلاف موجود ہوں؟

(درس ترمذی ص ۱۹۲ ج ۱)۔

مولوی عبدالقیوم تھانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

سب سے زیادہ معقول اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا اپنا عمل اور ذاتی اجتہاد ہے..... پھر صحابی کا اجتہاد حجت بھی نہیں خاص طور پر جب اس کے مقابلے میں دیگر صحابہ کرام سے آثار موجود

ہوں۔ (توضیح السنن ص ۲۰۵ ج ۱)۔

مولوی ظفر احمد تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں۔

قول الصحابی المجتهد فيما لانص فيه حجة عندنا بترك به القياس فاذا شاع وسكتوا

مسلمین یجب تقلیدہ اجماعاً ولا یجب اجماعاً فيما ثبت الخلاف بینہم،،

یعنی جس مسئلہ میں کوئی نص نہ ہو تو مجتہد صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے، صحابی کے فتویٰ کی بناء پر قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور جب وہ مسئلہ امت میں متعارف ہو گیا اور مسلمانوں نے اس پر سکوت کیا تو بالاجماع صحابی کے قول کی تقلید واجب ہے، اور جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ثابت ہو وہاں ان کے اقوال کی تقلید بالاجماع واجب نہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۲۹)۔

صاحب توضیح فرماتے ہیں:

فصل فی تقلید الصحابی رضی اللہ عنہ یجب اجماعاً فيما شاع سکتوا مسلمین ولا یجب فيما

ثبت الخلاف بینہم۔

ان مسائل میں جو امت میں متعارف ہو گئے اور مسلمانوں نے ان پر سکوت کیا صحابی کی تقلید بالاجماع واجب ہے۔ اور جب ان میں اختلاف ثابت ہو تو صحابی کی تقلید بالاجماع واجب نہیں۔

(التوضیح ص ۳۲۲)۔

اس اصول کا تذکرہ صاحب، نور الانوار، نے بھی صفحہ ۲۱۸ پر کیا ہے ان تمام عبارات اکابر دیوبند سے

ثابت ہوا کہ جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ثابت ہو وہاں اقوال صحابہ کرام حجت نہیں ہوتے۔

اصول چہارم: تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں:

جو مسئلہ قرآن و سنت سے ثابت ہے، آثار صحابہ کرام بھی موجود ہیں، یا ان تینوں میں سے کسی ایک چیز سے بھی مسئلہ ثابت ہو تو وہاں آثار تابعین ناقابل حجت ہیں، غیر مقلد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب معاملہ ابراہیم، شععی، حسن، اور عطاء کی طرف آیا تو جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

(مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۲۰)۔

مولوی ظفر احمد تھانوی صاحب فرماتے ہیں: فان قول التابعی لاحجة فیہ

یعنی تابعی کے قول میں کوئی حجت نہیں۔ (اعلاء السنن ص ۲۱ ج ۱)۔

ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتا ہے کہ تابعی کا عمل اگرچہ اصول کے مخالف نہ بھی ہو تو تب بھی اس سے

استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ (مجموعہ رسائل ص ۹۹ ج ۲)۔

اصول پنجم: علمائے امت کے اقوال:

بلاشبہ خیر القرون کے امام و بزرگ ہمارے اسلاف ہیں، مگر دین ان کے اقوال کا نام نہیں بلکہ قرآن و سنت سے عبارت ہے، اگر ان بزرگ ہستیوں کا کوئی فتویٰ یا قول قرآن و سنت کے موافق ہے تو نور علی نور، قرآن و سنت سے اختلاف کی صورت میں کسی امتی کا قول قطعی طور پر حجت نہیں ہے، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا اور ان پر ایک انصاری صحابی کو امیر مقرر کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ ان کی اطاعت کرنا، پھر (بوجہ) امیر لشکر لوگوں پر غصہ ہوئے اور کہا کہ کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا! لوگوں نے کہا ضرور دیا ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرو اور ان سے آگ جلاؤ اور اس میں کود پڑو، لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی، جب کودنا چاہا تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع آگ سے بچنے کے لئے کی تھی، کیا پھر ہم اس میں داخل ہو جائیں اسی کشش میں آگ ٹھنڈی ہوگئی اور ان کا غصہ بھی جاتا رہا، پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

لو دخلوها ما خرجوا منها ابدا انما الطاعت فی المعروف۔

اگر اس میں کود پڑتے تو اس میں سے نہ نکل سکتے تھے۔ اطاعت صرف معروف میں ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام مالم یکن معصیة رقم الحدیث ۷۱۲۵، مسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة و تحريمها فی المعصیة رقم الحدیث ۴۷۶۶)۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی جزیمہ کی طرف بھیجا تو وہ، اسلما، (ہم اسلام لائے) کہہ کر اچھی طرح اسلام کا اظہار نہ کر سکے بلکہ کہنے لگے، صبا، صبا، (ہم اپنے دین سے پھر گئے) اس پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انہیں قتل اور قید کرنے لگے اور ہم میں سے ہر شخص کو اس کے حصے کے قیدی دیئے گئے اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے، اس پر میں نے کہا کہ واللہ میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا، پھر ہم نے اس کا ذکر نبی مکرم ﷺ سے کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے اللہ میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کیا دو مرتبہ یہ الفاظ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائے۔

(بخاری کتاب الاحکام باب اذا قضی الحاکم بجزور اور خلاف اهل العلم فهو ارد رقم الحدیث ۷۱۸۹)۔ ان احادیث پر غور کریں نبی مکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں ایک انصاری اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر کیا تھا، بقایا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا، ثابت ہوا کہ انصاری اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہما اجتہاد رکھتے تھے، اور انہوں نے اپنی صواب دید کے مطابق درست فیصلے ہی کیے تھے، حکم نبوی کے باوجود مطیع صحابہ نے اپنے اپنے لشکر کے امیروں کے جاری کردہ فرامین کو اندھا دھند قبول نہیں کیا ان کے جاری کردہ احکام کو مزاج شریعت پر جانچا، اور جب انہیں روح شریعت کے منافی پایا تو ماننے سے انکار کر دیا، نبی مکرم ﷺ کو جب بتایا گیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کرنے والوں کی تائید کی تھی، ثابت ہوا کہ بڑے سے بڑا بھی اگر کوئی دین میں بات کرے تو اس کی بات کو اندھا دھند قبول کرنے کے بجائے قرآن و سنت سے پرکھا جائے گا، اگر حق و صواب ہو تو قبول کر لی جائے گی اور اگر غلط ہو تو رد کر دی جائے گی۔ امام شیعہ فرماتے ہیں یہ لوگ تجھے رسول اللہ ﷺ کی جو حدیث بتائیں اسے پکڑ لو اور جو (بات) اپنی رائے سے کہیں اسے کوڑے کرکٹ میں پھینک دو۔ (سنن دارمی ص ۶۷ ج ۱ رقم الحدیث ۲۰۶)۔

امام حکم بن عتیبہ فرماتے ہیں لوگوں میں سے ہر آدمی کی بات لے بھی سکتے ہیں اور رد بھی کر سکتے ہیں، سوائے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ (الاحکام لابن حزم ص ۲۹۳ ج ۶)۔

امام ابراہیم نخعی تابعی کے سامنے کسی نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں تم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قول کا کیا کرو گے؟ (الاحکام لابن حزم ص ۲۹۳ ج ۶)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میری ہر بات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہو (چھوڑ دو) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث سب سے اولیٰ ہے۔ (آداب الشافعی و مناقبہ ص ۵۱)۔

مقلد مولوی محمد سرفراز خاں صفدر حیاتی دیوبندی فرماتے ہیں۔

یہ بات شک و شبہ سے بالکل بالاتر ہے کہ قرآن و حدیث کی تصریحات اور خلفاء راشدین کے صحیح و صریح اقوال کی موجودگی میں کسی مجتہد اور امام کے کسی قیاس اور رائے کی قطعاً کوئی وقعت نہیں۔

(الکلام المفید ص ۳۰۱)۔

اس کے بعد خاں صاحب نے اپنی تائید میں۔ عقد الجید ص ۸۵ اور، الفوز الکبیر ص ۹ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبد العزیز کا، فتاویٰ عزیزی ص ۶۸ ج ۱ سے اور شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید کا تنویر العینین ص ۲۷ سے رشید احمد گنگوہی کا سبیل الرشاد ص ۳۰ سے مولوی محمود حسن خاں کا، ایضاح لادلہ ص ۱۱۳ سے اشرف علی تھانوی کا، تفسیر بیان القرآن ص ۱۲۴ ج ۶ و تعلیم الدین ص ۱۰۲ و فتاویٰ امدادیہ ص ۸۸ ج ۴ وغیرہ اکابر دیوبند سے عبارات نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارا بھی اس پر صاد ہے کسی ایک خاص مجتہد کی ایسی تقلید کہ اس کے قول کو حق و صواب سمجھا جائے اور اس سے خطا اور غلطی کو ناممکن تصور کیا جائے اور حدیث صحیح غیر منسوخ کو بھی اس کے قول کے خلاف قبول نہ کرے تو ایسی تقلید مفضی الی الشرک ہے۔ (الکلام المفید ۱۳۰)۔

اصول ششم: عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہوتا:

عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے، یعنی کسی آیت یا حدیث میں کسی بات کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بات ہوئی ہی نہیں جب کہ دیگر آیات یا احادیث سے وہ بات ثابت بھی ہو۔ علامہ زیلیعی حنفی فرماتے ہیں کہ: ولا یلزم من عدم ذکر الشئی عدم وقوعہ۔

(نصب الروایہ ۲۳۸ ج ۲)۔

مولوی محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں۔

عدم الذکر لا یدل علی ذکر العدم۔

(معارف السنن ص ۹۹ ج ۳)۔

خلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں

عدم النقل لا ینفی الوجود۔

عدم نقل نفی وجود کو مستلزم نہیں۔

(فتح القدیر ص ۲۰ ج ۱)۔

مولوی محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

زیادہ سے زیادہ یہ عدم ذکر ہی تو ہے اور عدم ذکر عدم الشیٰ کو مستلزم نہیں ہوتا۔

(درس ترمذی ص ۶۲ ج ۲)۔

مقلد مولوی عبد القیوم حقانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ عدم ذکر ہی تو ہے اور عدم ذکر عدم الشیٰ کو مستلزم نہیں ہوتا۔

(توضیح السنن ص ۱۲۸ ج ۲)۔

ان عبارات اکابر علماء دیوبند سے ثابت ہوا کہ عدم ذکر عدم الشیٰ کو مستلزم نہ ہونے کے اصول کو یہ

بھی مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔

اصول ہفتم: ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے:

اثبات کا نفی پر مقدم ہونے کا اصول بھی فریقین کے نزدیک مسلم ہے، ابن عابدین حاشیہ درمختار

میں فرماتے ہیں۔

والمثبت مقدم علی النافی۔ (فتاویٰ شامی ص ۶۵ ج ۲)۔

مقلد علامہ نیوی فرماتے ہیں۔

المثبت مقدم علی النافی۔ (حاشیہ آثار السنن ص ۱۲۲)۔

خلاصہ ان عبارات کا یہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔

مقلد مولوی محمد سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ اثبات کا نفی پر مقدم ہونا محدثین کا طے شدہ مسئلہ

ہے۔ (احسن الکلام ص ۲۰۹ ج ۱)۔

اس کے بعد موصوف نے علامہ نووی (شرح صحیح مسلم ص ۵۰ ج ۲) حافظ ابن حجر (شرح نخبة الفکر

ص ۹۴ اور امام بیہقی (سنن الکبریٰ ص ۱۶۱ ج ۲) کے حوالے پیش کر کے اپنی بات کو مدلل کیا ہے، مقلد

مولوی ظفر احمد تھانوی نے (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۹۰) میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور

شروع بحث میں ہی فرماتے ہیں کہ الاثبات مقدم علی الشیٰ، اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے اگر ہم اس پر

اصول کی کتابوں کے حوالے درج کرتے تو بفضلہ تعالیٰ بیسیوں عبارات پیش کر سکتے تھے، امید ہے کہ

مقلد انوار خورشید صاحب اپنے اکابرین کے ان حوالوں پر یقین کرتے ہوئے ضرور یہ تسلیم کر لیں کہ

اثبات نفی پر مقدم ہے۔

فصل اول

مقدمہ حدیث اور اہل تقلید

دیوبندی عقائد

عقیدہ وحدت الوجود:

مقلد حاجی امداد اللہ مفرد لکھی فرماتے ہیں۔

نکتہ شناسا مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح ہے، اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، فقیر و مشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے، سب کا اعتقاد یہی ہے، مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم، مولوی رشید احمد صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب، مولوی احمد حسن صاحب وغیرہ فقیر کے عزیز ہیں۔ اور فقیر سے تعلق رکھتے ہیں کبھی اعتقادات فقیر و خلاف مشرب مشائخ طریق خود مسلک اختیار نہ کریں گے۔ (شماٹم امدادیہ ص ۲۳ و کلیات امدادیہ ص ۲۱۹)۔

مزید ارشاد فرماتے ہیں: اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس حد تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے، اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں۔

(کلیات امدادیہ ص ۳۶ ضیاء القلوب ص ۳۵، ۳۶)۔

مقلد مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے، میں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں، جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے، استغفر اللہ۔

(مکاتب رشید ص ۱۰ و فضائل صدقات ص ۵۵۶ حصہ دوم)۔

مقلد ضامن علی جلال آبادی نے ایک زانیہ کو کہا بی بی تم شرماتی کیوں ہو؟ کرنے والا کون کرانے والا کون وہ تو وہی ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۴۲ ج ۲)۔

گنگوہی صاحب ضامن علی کے بارے فرماتے ہیں۔ توحید میں غرق تھے۔

(تذکرۃ الرشید ص ۲۴۲)۔

مقلد محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں:

قلت وهذا عدول عن حق الالفاظ، لان قوله، كنت سمعه، بصيغة المتكلم، يدل على انه لم يبق من المتقرب بالنوافل الاجسده و شبحة و صار المتصرف فيه الحضرة الالهية

فحسب، وهو الذی عناه بالنوافل بالفناء فی اللہ، ای الانسلاخ عن دواعی نفسه، حتی لا یكون المتصرف فیہ الا هو فی الحدیث لمعة الی وحدة الوجود۔

یعنی، کنت سمعہ الذی، کے یہ معنی بیان کرنا کہ بندہ کے کان آنکھ وغیرہ اعضاء حکم الہی کی نافرمانی نہیں کرتے۔ حق الفاظ سے عدول کرنا ہے۔ اس لئے کہ کنت سمعہ الذی، میں کنت صیغہ متکلم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل یعنی بندہ میں سوائے جسد و صورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہے اور یہی وہ معنی ہیں جن کو حضرات صوفیائے کرام فانی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی بندہ کا دواعی نفس بالکل پاک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس بندہ میں اللہ کے سوا کوئی شئی قطعاً متصرف نہ رہے، اور یہ وحدت الوجود کی طرف چمکتا ہوا اشارہ ہے۔ (فیض الباری ص ۴۲۸ ج ۴)۔

غیر اللہ سے استعانت:

حاجی امداد اللہ صاحب اپنے پیر نور محمد جھانوی صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ
آسرادینیا میں ہے از بس ذات کا
تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجاء
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت قاضی ہو خدا
آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا برملا

اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا

(شمانم امدادیہ ص ۸۴، امداد المشتاق ص ۱۲۲ فقرہ ۲۸۸)

حاجی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھا ہے
یا رسول کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے

آپ کی امداد ہو میری یا نبی حال اتر ہو افریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

(کلیات امدادیہ ص ۹۱)۔

اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں

یا شفیع العباد خذ بیدی، انت فی الاضطرار معتمدی

لیس لی ملجا سواک اغث، مسنی الضر سیدی سندی

غثنی الدرہ یا ابن عبد اللہ، کن مغیثا فانت لی مددی

لیس لی طاعة ولا عمل، بید حبیبک فہولی عتدی

یا رسول الاله بابك لی،، من غمام الغموم ملتحدی
 دستگیری کیجئے میرے نبی،، کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی
 جز تمہارے ہیں کہاں میری پناہ، فوج کلفت مجھ پہ آغالب ہوئی
 ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف اے میرے مولانا خبر لیجئے میری
 کچھ عمل ہے اور نہ طاعت میرے پاس مگر میرے دل میں محبت آپ کی
 میں ہوں بس اور آپ کا دریا رسول ابر غم گھیرے نہ پھر مجھ کو کبھی
 (نشر الطیب فی ذکر النبی الحیب ص ۱۵۶ طبع اسلامی کتب خانہ لاہور)۔
 مقلد محمد زکریا کا ندھلوی فرماتے ہیں۔

محمد بن عبداللہ صاحب قرآن ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا یہ تیرا باپ بڑا گناہ گار تھا، لیکن مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا تھا جب اس پر یہ مصیبت نازل ہوئی تو اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجے۔ (تبلیغی نصاب ص ۷۹۱ فضائل درود ص ۱۱۳)۔

مرنے کے بعد دنیا میں آنا:

دارالعلوم دیوبند میں مدرسین کے درمیان کچھ اختلافات ہو گئے، اس اختلاف میں صدر مدرس محمود حسن خاں صاحب شریک ہو گئے، نزاع طول پکڑ گئی، اس کے بعد کا واقعہ مقلد مولوی حبیب الرحمن صاحب کی روایت سے سنئے۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا، مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے، مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روٹی کا لبادہ دیکھ لو، مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا۔ اور خوب بھیگ رہا تھا، فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی جسد عنصری (یعنی جسم ظاہری) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے، جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا اور یہ فرمایا کہ محمود الحسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے، مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔

(ارواح نلثہ ص ۲۱۲ حکایت ۲۴۶)۔

مقلد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے جد امجد کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے دیوبندی خواجہ عزیر الحسن فرماتے ہیں۔

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا، شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اس طرح سے روز آیا کریں گے، لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے اس لئے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے، یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔ (اشرف السوانح ص ۱۵ ج ۱)۔

اگر کوئی بریلوی یہ حکایات بیان کرتا تو دیوبندی تمام توحید کی آیات کو یہاں تلاوت کرتا، گو وہ پجارہ یہ کہتے رہ جاتا کہ میرا مطلب یہ ہے وہ ہے مگر مفکرین دیوبندیت تب بھی اس پر شرک و بدعت کا فتویٰ ضرور صادر کرتے، لیکن دیکھا جناب نے کہ جو چیز غیر کے لئے عین شرک ہے وہ عقیدہ دیوبند میں عین کرامت ہے، پھر اس کرامت کا خلاف قرآن ہونا بھی ظاہر و باہر ہے، کیونکہ کوئی مرکر دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا، ارشاد ہوتا ہے۔

و حرم علی قرية اهلکنها انهم لا يرجعون۔ (الانبیاء، ۹۵)۔
اور جس بستی (والوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۲۱-۹۵)
الم یروا کم اهلکننا قبلہم من القرون انہم الیہم لا يرجعون۔ (یس ۳۱)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا، اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۳۱-۳۶)۔

فلا یستطیعون توصیة ولا الی اہلہم یرجعون (یس ۵۱)
پھر نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں میں واپس جا سکیں گے (۳۶-۵۰)
حتى اذا جاء احدہم الموت قال رب ارجعون، لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انہا کلمة ہو قائلہا ومن ورا انہم برزخ الی یوم یبعثون۔
(المؤمنون ۹۹-۱۰۰)۔

(یہ لوگ اسی غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں، ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ زبان سے کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور اس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہیں گے) (۲۳-۹۹-۱۰۰)۔

ان آیات بینات سے یہ مسئلہ کھل جاتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص بھی اس دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا، ممکن ہے مبتدعین دیانہ کا کوئی جھگڑا قسم کا مولوی سیدنا عزیز علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ پیش

کردے، تو گزارش ہے کہ ایسی تمام صورتیں مستثناء ہیں کیونکہ ہم نے قدرت رب تعالیٰ کا انکار نہیں کیا بلکہ ضابطہ و قانون کی بات کی ہے۔ اگر آج کوئی کنواری بچہ اٹھا کر لے آئے اور سیدہ مریم علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرے تو یہ استدلال باطل ہے۔

ارواح سے مدد حاصل کرنا:

دارالعلوم دیوبند کا ایک دروہ حدیث سے فارغ ہونے والا طالب علم چند سال بعد دارالعلوم میں آیا، بقیہ کہا یہ مقلد مولوی محمود الحسن خاں صاحب کی زبانی سنئے۔

اچانک کئی سال بعد دیکھتا ہوں کہ وہی طالب علم، آیا ہوا ہے۔ تعارف کرایا کہ وہی طالب العلم ہوں جو قانونا مدرسہ کی امداد کا مستحق نہ تھا۔ حضرت نے پوچھا کہ اس عرصے میں تم کہاں رہے؟ یہی قصہ اب سننے کا ہے، جو اس نے بیان کیا، کہنے لگا کہ حضرت سے رخصت ہو کر غالباً وہ پنجاب کی طرف کسی علاقہ میں چلا گیا، اور کسی قصبہ کی مسجد میں لوگوں نے ان کو امام کی جگہ دے دی، قصبہ والے ان سے کافی مانوس ہو گئے، اور اچھی گزر بسر ہونے لگی اسی عرصہ میں کوئی مولوی گشت کرتے ہوئے اسی قصبہ میں بھی آدھمکے وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کیا، لوگ ان کے کچھ معتقد ہوئے انہوں نے دریافت کیا کہ یہاں کی مسجد کا امام کون ہے کہا گیا کہ دیوبند کے پڑھے ہوئے ایک مولوی صاحب ہیں، دیوبند کا نام سننا تھا کہ واعظ مولانا صاحب آگ بگولہ ہو گئے، اور فتویٰ دے دیا کہ اس عرصے میں جتنی نمازیں اس دیوبندی کے پیچھے تم نے پڑھی ہیں۔ وہ سرے سے ادا ہی نہیں ہوئیں اور جیسا کہ دستور ہے، دیوبندی یہ ہیں، وہ ہیں، یہ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اسلام کے دشمن ہیں رسول اللہ ﷺ سے عداوت رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قصبائی مسلمان بچارے سخت حیران ہوئے کہ مفت میں اس مولوی پر روپے بھی برباد ہوئے اور نمازیں بھی برباد ہوئیں۔ ایک وفد اس غریب دیوبندی امام کے پاس پہنچا، اور مستدعی ہوا کہ مولانا واعظ صاحب جو ہمارے قصبہ میں آئے ہیں، ان کے جو الزامات ہیں یا تو ان کا جواب دیجئے ورنہ پھر بتائیے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ کیا کریں۔ جان بھی غریب کی خطرے میں آگئی اور نوکری و وکری کا قصہ تو ختم شدہ ہی معلوم ہونے لگا چونکہ علمی مواد بھی ان کا معمولی تھا، خوف زدہ ہوئے کہ خدا جانے یہ واعظ مولانا صاحب کس پائے کے عالم ہیں۔ منطق و فلسفہ بکھیریں گے اور میں غریب اپنا سیدھا سادہ ملا ہوں، ان سے بازی لے بھی جاسکتا ہوں یا نہیں، تاہم چارہ کار اس کے سوا اور کیا تھا کہ مناظرہ کا وعدہ ڈرتے ڈرتے کر لیا، تاریخ اور محل و مقام سب طے ہو گیا واعظ مولانا صاحب بڑے زبردست عمامہ طویلہ و عریضہ سر پر لپیٹے ہوئے کتابوں کے پشتارے کے ساتھ مجلس میں اپنے حواریوں کے ساتھ جلوہ فرما ہوئے، ادھر یہ غریب

دیوبندی امام منحنی و ضعیف مسکین شکل، مسکین آواز خوف زدہ، لرزاں وترساں بھی اللہ اللہ کر کے سامنے آیا، سننے کی بات ہے، جو اس کے بعد اس دیوبندی امام نے مشاہدہ کے بعد بیان کی، کہتے تھے کہ مولانا واعظ صاحب کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا، ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص اور جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آکر بیٹھ گیا ہے، اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے، کہ ہاں، گفتگو شروع کرو اور ہرگز نہ ڈرو، دل میں غیر معمولی قوت اس سے پیدا ہوئی، اس کے بعد کیا ہوا، دیوبندی امام صاحب کا بیان ہے کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے، اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں، جس کا جواب مولانا واعظ صاحب نے ابتداء میں تو دیا، لیکن سوال و جواب کا سلسلہ ابھی دراز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دفعہ مولانا واعظ صاحب کو دیکھتا ہوں کہ اٹھ کھڑے ہوئے میرے قدموں پر سر ڈالے ہوئے اور رو رہے ہیں پگڑی بکھری ہوئی ہے۔ اور کہتے جاتے ہیں میں نہیں جانتا تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں اللہ معاف کیجئے، آپ جو فرما رہے ہیں یہ صحیح اور درست ہے، میں غلطی پر تھا، یہ منظر ہی ایسا تھا کہ مجمع دم بخود تھا، کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا دیکھ رہا تھا۔ دیوبندی امام صاحب نے کہا کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت میری نظر سے اس کے بعد اوجھل ہو گئی، اور کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون تھے۔ اور یہ قصہ کیا تھا۔

حضرت شیخ الہند فرماتے تھے، میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ اچانک نمودار ہو کر غائب ہو جانے والی شخصیت کا حلیہ کیا تھا؟ حلیہ جو بیان کیا فرماتے تھے کہ سنتا جاتا تھا، اور حضرت الاستاذ کا ایک ایک خال و خط نظر کے سامنے آتا چلا جا رہا تھا، جب وہ بیان ختم کر چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ تو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو تمہاری امداد کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ (سوانح قاسمی ص ۲۳۰ تا ۲۳۲ ج ۱)۔

سوانح نگار مقلد مناظر احسن گیلانی مذکورہ حکایت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔
وفات یافتہ بزرگوں کی روجوں سے امداد کے مسئلے میں علمائے دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہل سنت والجماعت کا ہے۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ص ۳۲۲ ج ۱)۔

ملاحظہ کیجئے مبتدعین دیانہ نے کتنے مشرکانہ عقائد کا برملا اعتراف کر لیا ہے۔
(۱) ان کی غیب دانی کی قوت مان لی، نانوتوی صاحب نے عالم برزخ میں معلوم کر لیا کہ فلاں مقام پر ایک مسکین دیوبندی مولوی مناظرہ میں ہار رہا ہے۔

(۲) ان کے حق میں یہ بات بھی تسلیم کر لی کہ قبر سے نکل کر جسم کے ساتھ جہاں چاہے جاسکتے ہیں۔

(۳) مرنے کے بعد زندوں کی مدد کرنے کا انہیں اختیار ہے۔

(۴) اور دیوبندی ارواح اولیاء سے مدد طلب کرنے کے قائل ہیں۔

علم فی الاصلاح:

حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری دیوبندی فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی کا گزر بہستی بھر چونڈی سے ہوا بہستی کے باہر ایک شخص کھیت میں ہل چلا رہا تھا، جسے دور سے دیکھتے ہی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور جا کر بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس کا مصافحہ و معافہ فرمایا، خیر و عافیت دریافت کی اور پھر اٹلے قدموں واپس جا کر آگے کو روانہ ہوئے، کچھ عرصہ واپسی کے موقع پر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گزر اسی راستے سے ہوا، اتفاق سے وہی شخص اسی طرح اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا اب کی بار حضرت نے اسکی طرف کوئی توجہ نہ دی وہ ہل روک کر دوڑ کر ملنے آیا معمولی سلام علیک کے بعد حضرت خواجہ آگے چل دیئے خدام آپ کے پہلے پر تپاک رویے اور اب کی بے توجہی سے حیران و ششدر رہ گئے، آخر ایک خادم نے اس کا سبب پوچھ ہی لیا۔ حضرت نے جواب دیا، پہلی بار اس شخص کی پیشانی پر اس کے ہونے والے فرزند ایک مرد کامل کا نور ولایت چمک رہا تھا۔ جو ایک عالم کو اپنے نور معرفت سے جگمگائے گا۔

مگر اب کے اس کے ماتھے پر وہ نور مجھے نظر ہی نہیں آیا۔ جو غالباً بطن مادر میں منتقل ہو گیا، پچھلی دفعہ سب عزت و تکریم اور پیشوائی اسی کے لئے تھی۔

بارہویں صدی کے آخری عشرہ میں میاں محمد ملوک کے ہاں بزرگ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔
(تذکرہ اولیائے دیوبند ص ۱۵۵، ۱۵۶)۔

علم فی الارحام:

مقلد مولوی قاسم نانوتوی راوی ہیں کہ: شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے، جن کا نام عبد اللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے، ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا، اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔

(ارواح ثلاثہ ص ۱۲۸ حکایت ۱۳۷)۔

نام نامی اشرف علی ہے۔ یہ نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ کے مقبول عام اور مشہور انام اہل خدمت مجذوب تھے، قبل ولادت حضرت والا بلکہ قبل استقرار حمل ہی بطور پیشین گوئی تجویز فرمادیا تھا۔ (اشرف السوانح ص ۱۰ ج ۲)۔

انہوں نے حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب سابقہ مجذوب پانی پتی سے (جو اتفاق سے نانا صاحب کے تعلقات سابقہ کی وجہ سے تشریف لائے ہوئے تھے) شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے، حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمرو علی کی کشاکشی میں مرجاتے ہیں اب کی بار علی کے سپرد کر دینا زندہ رہے گا اس مجذوبانہ معما کو کوئی نہ سمجھا لیکن والدہ صاحبہ نے اپنی فہم خدا داد اور نور فراست سے اس کو حل کیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کے باپ فاروقی ہیں اور ماں علوی اور اب تک جو نام رکھے گئے وہ باپ کے نام پر رکھے گئے، یعنی فضل حق وغیرہ اب کی بار جو لڑکا ہو اس کا نام نانہال کے ناموں کے مطابق رکھا جائے۔ جس کے آخر میں علی ہو، حافظ صاحب یہ سن کر ہنسے اور فرمایا کہ واقعی میرا یہی مطلب ہے، یہ لڑکی بڑی عقلمند معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ اس کے دو لڑکے ہوں گے، اور زندہ رہیں گے ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا اور دوسرے کا اکبر علی خاں، نام لیتے وقت خاں اپنی طرف سے جوش میں آکر بڑھا دیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا وہ پٹھان ہوں گے؟ فرمایا نہیں، اشرف علی اور اکبر علی نام رکھنا، یہ بھی فرمایا کہ دونوں صاحب نصیب ہوں گے، یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا ہوگا وہ مولوی ہوگا، اور حافظ ہوگا، اور دوسرا دنیا دار ہوگا، چنانچہ یہ سب پیشین گوئیاں حرف بحرف راست نکلیں، حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو میں کبھی کبھی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں ان ہی مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں۔ (سوانح اشرف ص ۲۰ ج ۱)۔

سینے کا راز معلوم:

متبدعین دیانہ کا علامہ ولی محمد اپنے شیخ رشید احمد صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ: حضرت کے سامنے جاتے مجھے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ قلب کے وساوس (وسوسے) اختیار میں نہیں اور حضرت ان پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۷ ج ۲)۔

مولانا شاہ عبد الزجیم صاحب راپوری کا قلب بڑا نورانی تھا، میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۴۰ حکایت ۴۳۷)۔

حضرت حافظ صالح دام مجدہ کی شاگردی کے زمانے میں اکثر حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے محامد و مناقب ان کے کان میں پڑتے مگر یہ متاثر نہ ہوتے اور یوں خیال کیے ہوئے تھے کہ جب تک حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لا کر خود ارشاد فرماویں گے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو، اس

وقت تک بطور خود کسی سے بیعت نہ کروں گا اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی کہ یہ اپنے خیال پر سنے رہے، آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادہ سے واقف ہو جاتے ہیں اور جو ذکر و شغل اس کے مناسب ہوتا ہے وہی بتلاتے ہیں۔

(تذکرۃ الرشید ص ۳۱۲ ج ۲)۔

موت و حیات کا اختیار:

مقلد مناظر احسن گیلانی کی تالیف سوانح قاسمی کے حاشیہ میں مقلد قاری محمد طیب فرماتے ہیں۔ حضرت نانوتوی مباحثہ شاہجہاں پور کے لئے روانہ ہوئے تو شاہجہاں پور کے قریب کسی گاؤں کے چند غریب سنیوں نے حضرت کو لکھا کہ جاتے یا آتے حضرت والا اس گاؤں کو اپنے قدم سے عزت بخشیں اور ہمیں کچھ ہندو نصیحت فرما دیں تاکہ ہمارے لئے صلاح و فلاح اور تقویہ کا باعث ہو، حضرت والا نے بخوشدلی ان کی دعوت منظور فرمائی، جیسا کہ غرباء کی دعوت و پیشکش بطور بطوع و رغبت قبول فرمانے کی عادت تھی، اور جاتے یا آتے ہوئے اس گاؤں میں اترے شیعوں میں اس سے کھلبلی مچی، فکر یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے وعظ کا اثر شیعوں پر ہو جائے اور شیعہ دباؤ کی تنظیم ٹوٹ جائے، تو انہوں نے اس متوقعہ اثرات کی کاٹ کے لئے لکھنؤ سے چار شیعہ مجتہد تارخ مقررہ پر بلائے اور پروگرام یہ طے پایا کہ مجلس میں چاروں کونوں پر یہ چاروں مجتہد بیٹھ جائیں اور چالیس اعتراضات منتخب کر کے دس اعتراض چاروں پر بانٹ دیئے گئے کہ اثنائے وعظ اس طرح کئے جائیں کہ اول فلاں سمت کا مجتہد دس اعتراض کرے، اس طرح سے حضرت نمیشیں، تو دوسرے کونا کا اور پھر اسی طرح تیسرے اور چوتھے کونا کا، اور اس طرح وعظ نہ ہونے دیا جائے، ان ہی اعتراض و جواب میں بتلا کر کے وقت ختم کر دیا جائے، اب غیبی مدد اور حضرت والا کی کرامت کا حال سنئے کہ حضرت والا نے وعظ شروع فرمایا، جس میں گاؤں کے تمام شیعہ برادری بھی جمع تھی، اور وعظ اسی ترتیب سے اعتراضوں کے جواب پر مشتمل شروع ہوا جس ترتیب سے اعتراضات لے کر مجتہدین بیٹھے تھے، گویا ترتیب کے مطابق جب کوئی مجتہد اعتراض کرنے کے لئے گردن اٹھاتا تو حضرت اسی اعتراض کو خود نقل کر کے جواب دینا شروع فرماتے، یہاں تک کہ وعظ پورے سکون کے ساتھ پورا ہو گیا اور شیعوں کے ان مقررہ شبہات کے مکمل حل سے گاؤں کے شیعہ اس قدر مطمئن اور متشرح ہوئے کہ اکثریت نے توبہ کر لی اور سنی ہو گئے۔

مجتہدین اور مقامی شیعہ چودھریوں کو اس میں اپنی اتہائی بکی اور خفت محسوس ہوئی تو انہوں نے

حکمت مذہبی کے طور پر اس شرمندگی کو مٹانے اور حضرت والا کے اثرات کا ازالہ کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک نوجوان لڑکے کا فرضی جنازہ بنایا اور حضرت سے آکر عرض کیا کہ حضرت نماز جنازہ آپ پڑھا دیں، پروگرام یہ تھا کہ جب حضرت دو تکبیریں کہہ لیں تو صاحب جنازہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو، اور اس پر حضرت کے ساتھ استہزا اور تمسخر کیا جائے، حضرت والا نے معذرت فرمائی کہ آپ لوگ شیعہ ہیں اور میں سنی، اصول نماز الگ الگ ہیں۔ آپ کے جنازہ کے نماز مجھ سے پڑھوانے میں جائز کب ہوگی؟ شیعوں نے کہا کہ حضرت بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہی ہوتا ہے، آپ نماز پڑھا ہی دیں، حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرمایا۔ اور جنازہ پہنچ گئے مجمع تھا، حضرت ایک طرف کھڑے ہوئے تھے کہ چہرہ پر غصہ کے آثار دیکھے گئے، آنکھیں سرخ تھیں اور انقباض چہرہ سے ظاہر تھا۔ نماز کے لئے آگے بڑھے اور نماز شروع کی، دو تکبیریں کہنے پر جب طے شدہ کے مطابق جنازہ میں حرکت نہ ہوئی تو پیچھے سے کسی نے ہونٹھ کے ساتھ صاحب جنازہ کو اٹھ کھڑے ہونے کی سنکار دی، مگر وہ نہ اٹھا، حضرت نے تکبیرات اربعہ پوری کر کے اسی غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ، اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا، دیکھا گیا تو مردہ تھا، شیعوں میں رونا پینا پڑ گیا، اور بجائے حضرت والا کی سبکی کے خود ان کی سبکی اور سبکی ہی نہیں سب کی موت آگئی۔

(حاشیہ سوانح قاسمی ص ۱۷۰ ج ۲)۔

حضرت حافظ احمد حسن صاحب شاہجہاں پوری جو باوجود شاہجہاں پور کے بڑے رئیس ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ بھی تھے، حضرت والا (مولوی اشرف علی تھانوی) سے بہت محبت فرماتے تھے ایک بار کسی کے لئے بد دعا کی تو وہ شخص دفعۃً مر گیا بجائے اس کے اپنی کرامت سے خوش ہوتے ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا، حضرت والا نے نہایت مفصل جواب دیا، جس سے ان کی پوری تشفی ہوگئی، خلاصہ جواب کا یہ تھا کہ اگر آپ میں قوت تصرف ہے اور بد دعا کرنے کے وقت آپ نے اس قوت سے کام لیا تھا یعنی یہ خیال قصد اور قوت کے ساتھ کیا تھا کہ یہ شخص مر جائے تب تو قتل کا گناہ ہوا اور چونکہ یہ قتل شبہ عمدہ ہے، اس لئے دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

(اشرف السوانح ص ۱۲۸ ج ۱)۔

مقلد قاری فخر الدین صاحب گیاوی اپنے والد مقلد خیر الدین دیوبندی کے متعلق ایک روایت درج کرتے ہیں کہ: ابتدا میں (والد کی) کوئی اولاد نہیں رہتی تھی کئی اولاد ہوئی مگر اللہ کو پیاری ہوگئی، خوبی قسمت سے ایک گہرے ملاقاتی عالم پنجابی جو بہت بڑے عالم بھی تھے، گیا تشریف لائے مولانا نے اولاد زندہ نہ رہنے کا حال ان سے کہا، انہوں نے کہا ایک عمل ہے اس کو کیجئے ان شاء اللہ اولاد زینہ ہوگی اور زندہ رہے گی، جب حمل کو چوتھا مہینہ ہو تو حاملہ کے پیٹ پر اپنی انگلی سے بغیر روشنی کے محمد، لکھ

دیجئے اور پکار کر کہئے، میں نے تیرا نام محمد رکھا، اور جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھئے چنانچہ اس عمل کے بعد سب سے پہلے اولاد جو پیدا ہو کر زندہ رہی وہ میں (قاری فخر الدین مصنف کتاب) ہوں۔
(درس حیات ص ۱۹۶)۔

دیوبند کا بہشتی مقبرہ:

مقلد مولوی انور حسین ہاشمی دیوبندی لکھتے ہیں کہ: خطیرہ قدسیہ یا خطہ صالحین یعنی جس قبرستان میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سینکڑوں علماء و طلبہ مدفون ہیں اس حصہ کے متعلق حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کا کشف تھا کہ اس حصے میں مدفون ہونے والا ان شاء اللہ مغفور ہے۔ (مبشرات دار العلوم ص ۳۱)۔

روزنامہ الجمعیت، دہلی نے، خواجہ غریب نواز نمبر کے نام سے ایک خصوصی شمارہ شائع کیا تھا، اس میں مقلد قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا بھی ایک مضمون شائع ہوا ہے، مقلد مولوی محمد یعقوب کا تذکرہ کرتے ہوئے قاری صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اولین صدر مدرس تھے، نہ صرف عالم ربانی بلکہ عارف باللہ اور صاحب کشف و کرامت اکابرین میں سے تھے، ان کے بہت سے مکتوبات اکابر مرحومین کی زبانی سننے میں آئے، حضرت مولانا پر جذب کی کیفیت تھی اور بعض دفعہ مجذوبانہ انداز سے جو کلمات زبان سے نکل جاتے وہ من و عن واقعات کی صورت میں سامنے آجاتے تھے، دارالعلوم دیوبند کی درس گاہ کلاں موسوم نودرہ کے وسطی ہال میں حضرت مرحوم کی درس گاہ حدیث تھی نودرہ کی وسطی در کے سامنے والی ایک جگہ کے بارے میں فرمایا کہ: جس کی نماز جنازہ اس جگہ ہوتی ہے وہ..... ہوتا ہے۔
(یعنی بخش دیا جاتا ہے)۔

(خواجہ غریب نواز نمبر ص ۵)۔

یہ ایک مجذوب الحال کی بات تھی لیکن اب مبتدعین دیاہنہ کے دانشوروں کے ایمان و یقین کا عالم ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں کہ:
عموماً اس وقت دارالعلوم میں جتنے جنازے متعلقین دارالعلوم یا شہر کے حضرات کے ہوتے ہیں، اسی جگہ لا کر رکھے جانے کا معمول ہے، احقر نے سینٹ سے اس جگہ کو مشخص (نمایا) کرا دیا ہے۔
(خواجہ غریب نواز ص ۵)۔

نفع و نقصان کا علم:

تذکرہ الرشید کے مصنف فرماتے ہیں:

مولوی عبد السبحان انسپکٹر پولیس ضلع گوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب کشر بندست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف تین لاکھ روپے کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پا کر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنج مراد آباد پہنچے حضرت مولانا نے وطن دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا دیوبند، مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے، اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا تم گنگوہ ہی جاؤ، تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے، اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۱۵ ج ۲)۔

صوفی کرم حسین صاحب ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد صحت ہو گئی ان کے مکان سے طلبی کا خط پہنچا تو انہوں نے روانگی کا قصد کیا، حضرت سے رخصت ہونے لگے تو خلاف عادت فرمانے لگے، کرم حسین! کل کو مت جاؤ تین روز بعد جانا، ارادہ کا فسخ طبع کو گراں تو ہوا مگر ٹھہر گئے، اگلے دن دفعۃً تب لرزہ آیا وہ بھی اس شدت کے ساتھ کہ عشاء کے وقت تک اٹھ ہی نہ سکے، اس وقت خیال ہوا کہ آج راستہ میں ہوتا تو کیا مزہ آتا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۶ ج ۲)۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک مدرس مولوی محمد یسین تھے وہ گنگوہ میں مولوی رشید احمد کے ہاں حاضر ہوئے، پھر رخصت کی اجازت لینے کے لئے خلوت گاہ میں گئے تو مولانا نے اصرار کے باوجود اجازت نہ تھی، انہوں نے کہا کل کو بندہ کا مدرسہ میں حاضر ہونا ضروری ہے، انہوں نے فرمایا کہ مدرسے کے حرج کا تو مجھے بھی خیال ہے، لیکن تمہاری تکلیف کی وجہ سے کہتا ہوں کہ ناحق راستے میں مارے مارے پھرو گے، سخت تکلیف اٹھاؤ گے، باوجود حضرت کے بار بار اس فرمانے کے ہمیں مطلق خیال نہ ہوا کہ شیخ ہرچہ گوید دیدہ گوید، (یعنی شیخ جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے) اپنی ہی کہے گئے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۲ ج ۲)۔ اس کے بعد انہوں نے بوجہ راستہ بھول جانے کے رات بھر مارے مارے پھرنے کی تفصیل بیان کی ہے۔

تقدیر پر اختیار:

تذکرۃ الرشید کا مقلد مؤلف لکھتا ہے کہ

جس زمانے میں مسئلہ امکان کذب پر آپ کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا، سائیں تو کل شاہ انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں، یہ سن کر سائیں تو کل شاہ نے گردن جھکا لی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر منہ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے لوگو! کیا کہتے ہو؟ میں مولوی رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۳۲۲ ج ۲)۔

مولوی ولایت علی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ہمراہ سفر حج میں ایک حکیم صاحب ساکن انبالہ تھے جو اعلیٰ حضرت حاجی (امداد اللہ) کے مرید تھے، اسی تعلق سے ان کو حضرت امام ربانی کے ساتھ تعارف بلکہ غایت عقیدت تھی وہ فرمانے لگے، میرا عقیدہ ہے کہ مولانا کی زبان سے جو بات نکلتی ہے، تقدیر الہی کے مطابق ہوتی ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۱۹ ج ۲)۔

فوق الاسباب قدرت:

حاجی دوست محمد خاں صاحب زادہ عبد الوہاب خاں ایک شخص کے معتقد ہو گئے، اور بیعت کا قصد کیا وہ شخص جن سے بیعت ہونا چاہتے تھے محض صورت کے درویش تھے اور واقع میں پکے، دنیا دار اس لئے دوست محمد خاں کو صاحب زادہ کی یہ کجی پسند نہ آئی اور کئی بار منع کیا کہ اس شخص سے مرید نہ ہو، عبد الوہاب بعض خوارق دیکھ کر ایسے رتھے کہ باپ کا کہنا بھی ناگوار گزارا ماننا تو درکنار ادھر پیر صاحب کو فخر تھا کہ دوست محمد خاں کا لڑکا پولیس کا کو تو ال مرید ہوتا ہے آخر حاجی صاحب نے جب اپنے بیٹے کا اصرار دیکھا تو باقتضاء محبت دست بدعا ہوئے اور مراقب ہو کر حضرت کی جانب متوجہ ہو کر خلوت میں جا بیٹھے عبد الوہاب خاں پیر کے پاس آئے اور مودب دو زانو بیٹھ گئے، بے اختیار پیر کی زبان سے نکلا اول باپ سے اجازت لے آؤ اس کے بغیر بیعت مفید نہیں ہے، غرض ہاتھ بیعت کے لئے تھا مگر چھوڑ دیئے اور انکار فرما دیا، حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں امام ربانی کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا حضرت غایت شفقت کے ساتھ عبد الوہاب کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں پکڑاتے اور یوں فرماتے لو اب یہ اس کا مرید نہ ہوگا۔ یہ وہی وقت تھا کہ انہوں (پیر) نے عبد الوہاب کا ہاتھ چھوڑا اور یہ کہہ کر بیعت لینے سے انکار کیا کہ باپ سے اجازت لے آؤ۔

(تذکرۃ الرشید ص ۲۱۲ ج ۲)۔

مقلد مفتی عزیر الرحمن بنجوری مقلد مولوی حسین احمد صاحب کے ایک مرید کا واقعہ نقل کرتے ہیں، جو اسے آسام کے ایک پہاڑی علاقہ میں پیش آیا تھا، فرماتے ہیں: بالی زندی مولوی بازار کے ایک صاحب آزادی سے قبل ڈھاکہ میں شیلانگ بذریعہ موٹر جا رہے تھے، صوبہ آسام اکثر حصہ پہاڑی ہے، اس میں

موٹر یا بس چلنے کا جو راستہ ہے وہ بہت تنگ ہے، فقط ایک گاڑی جاسکتی ہے، دو کی گنجائش نہیں، یہ صاحب حضرت کے مرید تھے، جب نصف راستہ طے ہو گیا تو دیکھا کہ سامنے سے گھوڑا بڑے اوروں سے آرہا ہے، اس شخص اور دیگر تمام حضرات کو خطرہ پیدا ہوا اب کیا ہوگا موٹر روک لی لیکن اس کے باوجود بھی بڑی تشویش تھی کیونکہ گھوڑا بلا سواری بڑی تیزی سے دوڑا آرہا تھا، راوی کا کہنا ہے کہ اس شخص نے دل میں سوچا کہ اگر پیرو مرشد ہوتے تو دعا کرتے، ابھی اتنا سوچا ہی تھا کہ حضرت شیخ گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہیں غائب ہو گئے۔ (انفاس قدسیہ ص ۱۸۱)

یہ لوٹا کس مٹی کا ہے:

مقلد میر واجد علی قنوجی فرماتے ہیں کہ میرے مرشد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ گیا خانقاہ میں ایک کورا بندھنا رکھا ہوا تھا، میں اس کو اٹھا کر کنوئیں میں سے پانی کھینچا اور اس میں پانی بھر کے پیا تو پانی کڑوا تھا، ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی عرض کیا، آپ نے فرمایا کنوئیں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں، میں نے وہ کورا بندھنا پیش کیا جس میں پانی بھرا تھا۔ حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا، آپ نے فرمایا اچھا اس کو رکھ دو، یہ فرما کر ظہر کی نماز میں مشغول ہو گئے، سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیبہ جس قدر پڑھا جائے پڑھو اور خود بھی حضرت نے پڑھنا شروع کیا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے اس کے بعد بندھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا، اس وقت مسجد میں جتنے نمازی تھے، سب نے چکھا کسی قسم کی تلخی اور کڑواہٹ نہ تھی تب حضرت نے فرمایا اس بندھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا، الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۱۲ ج ۲)۔

شفاء پر قدرت:

حاجی صاحب مرحوم کی اہلیہ ایک بار سخت علیل ہوئیں فہم معدہ میں اس شدت سے درد ہوتا کہ تڑپتی اور لوٹی تھیں آخر غش آجاتا اور بے ہوش ہو کر دم رک رک جاتا تھا اس درد کے متواتر دورے تقریباً دو ماہ تک ہوتے رہے آخر ایک دورہ ایسا سخت پڑا کہ بتیسی بند ہو گئی ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں غشی طاری ہو گئی اور تمام جسم ٹھنڈا پڑ گیا، حاجی صاحب کو اہلیہ کے ساتھ محبت زیادہ تھی بیقرار ہو گئے پاس آ کر دیکھا تو حالت غیر تھی صرف سینہ میں سانس چلتا محسوس ہوتا تھا، زندگی سے مایوس ہو گئے رونے لگے اور سر ہانے بیٹھ کر یسین شریف پڑھنی شروع کر دی، چند لمحے گزرے تھے کہ دفعۃً مریضہ نے آنکھیں کھول

دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھیں بند کر لیں، سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت آخر ہے، حاجی دوست محمد خاں اس حسرت ناک نظارہ کو دیکھ نہ سکے، بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آ گیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے، مراقبہ کرنا تھا کہ مریض نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی شروع کر دیں نبضیں ٹھکانے آگئیں اور افاقہ ہو گیا، دو تین دن میں قوت بھی آگئی اور بالکل تندرست ہو گئیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۱ ج ۲)۔

مقلد مولوی حسین احمد مدنی کا مرید بیمار تھا اور اس کا پیر بھائی ڈاکٹر حافظ محمد زکریا راوی ہے کہ: میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس و حرکت ہے، آنکھیں پتھرا گئی ہیں، آثار مرگ بظاہر نمایاں ہیں، یہ منظر دیکھ کر میں پریشان اور بے چین ہو گیا کہ ناگہان مریض رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اٹھا کر کسی کو سلام کرتا ہے، پھر کہتا ہے کہ حضرت یہاں تشریف رکھے، کچھ ہی دیر بعد اٹھ کر بیٹھ جاتا اور اپنے والد وغیرہ سے کہتا ہے کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے، جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تو یہاں تشریف فرما نہیں تھے، وہ حیرت سے کہتا ہے کہ حضرت تو تشریف لائے تھے۔ اور میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تھا کہ اچھے ہو جاؤ گے گھبراؤ نہیں۔ (ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں) کہ ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتا ہوں کہ بخار ایک دم غائب ہے اور وہ بالکل تندرست اچھا ہے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۶۳)۔

طے الارض:

مقلد مولوی محمود الحسن صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ میری خوش دامن صاحبہ جو اپنے والد کے ہمراہ مکہ معظمہ میں بارہ سال تک مقیم رہیں۔ نہایت پارسا اور عابدہ و زاہدہ تھیں، سینکڑوں احادیث بھی ان کو حفظ تھیں، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! حضرت (گنگوہی) کے بہت شاگرد مرید ہیں مگر کسی نے حضرت کو نہیں پہچانا۔ جن ایام میں میرا قیام مکہ معظمہ میں تھا، روزانہ میں نے صبح کی نماز حضرت (گنگوہی) کو حرم شریف میں پڑھتے دیکھا اور لوگوں سے سنا بھی کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں گنگوہ سے تشریف لایا کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۱۲ ج ۲)۔

عرصہ دراز ہوا کہ ایک صاحب نے خود احقر سے یہیں خانقاہ میں بایں عنوان اپنا واقعہ بیان کیا کہ گودیکھنے میں تو حضرت والا یہاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں، کیونکہ ایک بار خود حضرت والا کو باوجود کہ تھانہ بھون میں ہونے کے علی گڑھ دیکھ چکا ہوں وہاں نمائش تھی اور اس کے اندر سخت آگ لگی ہوئی تھی، میں بھی اس نمائش میں اپنی دوکان لے گیا تھا جس روز آگ لگنے والی تھی، اس روز خلاف معمول عصر ہی کے وقت سے میرے قلب کے اندر ایک وحشت سی پیدا ہونے لگی تھی جس کا

یہ اثر ہوا کہ باوجود اس کے اصل بکری کا وقت وہی تھا لیکن میں نے اپنی دوکان کا سارا ساز و سامان قبل از وقت ہی سمیٹ کر بکسوں میں بھرنا شروع کر دیا، جب بعد مغرب آگ لگنے کا غل شور ہوا تو چونکہ میں اکیلا ہی تھا، اور بکس بھی بھاری تھے، اس لئے میں سخت پریشان ہوا کہ یا اللہ! دوکان سے باہر کیونکر لے جاؤں، اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعۃً حضرت والا نمودار ہوئے اور بکسوں میں سے ایک ایک بکس کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ جلدی سے اٹھاؤ! چنانچہ ایک طرف تو اس بکس کو خود اٹھایا اور دوسری طرف سے میں نے اٹھایا، اسی طرح تھوڑی دیر میں ایک ایک کر کے سارے بکس باہر رکھوا دیئے، اس آگ سے اور دوکانداروں کا تو بہت نقصان ہوا، لیکن بفضلہ تعالیٰ میرا سب سامان بچ گیا، اس واقعہ کو سن کر احقر (یعنی مرتب کتاب) نے ان سے پوچھا کہ آپ نے حضرت والا سے یہ نہ دریافت کیا آپ یہاں کہاں؟ اس پر انہوں نے کہا کہ اے جی پوچھنے پھنسنے کا مجھ کو اس وقت ہوش ہی کہاں تھا، میں تو پریشانی میں مبتلا تھا۔

(اشرف السوانح ص ۷۳ ج ۳)۔

علم غیب:

منشی ثار علی اور گوہر خاں ملازم پلٹن نمبر ۶۵ رخصت لے کر بارادہ بیعت لکھنؤ سے گنگوہہ روانہ ہونے کو تیار ہوئے دروازہ پر سواری تک آکھڑی ہوئی، اتفاق سے کسی حاکم کی آمد کا تار آیا اور عین وقت پر ان کو افسر کے حکم سے رکنا پڑا، دس دن کے بعد فارغ ہو کر گنگوہہ پہنچے تو حضرت نے صاف ارشاد فرمایا کہ تم دونوں صاحب فلاں روز روانہ ہونا چاہتے تھے مگر روک دے گئے، اور جب کھانا دسترخوان پر آیا تو کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ دو ٹٹو بھی تو ہیں، آخر وہ بھی میرے مہمان ہیں اول ان کو گھاس دانہ پہنچنا چاہئے، حالانکہ دونوں ٹٹوں پر سوار ہونے کی اطلاع آپ کو کسی آدمی نے نہیں دی تھی۔ (تذکرۃ الرشید ۲۲۴ ج ۲)۔

مولوی عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:

بعض بزرگوں کے حالات حضرت نے اپنی زبان سے اس طرح ارشاد فرمائے کہ گویا، در حدیث دیگران، بعینہ ہم لوگوں کے خیالات و جذبات کی ترجمانی ہو رہی ہے، دل نے کہا کہ دیکھو روشن ضمیر ہیں نا، سارے ہمارے مخفیات ان پر آئینہ ہوتے جارہے ہیں..... خیر اس وقت تو بڑا گہرا اثر غیب دانی اور کشف صدر کا لے کر اٹھا مجلس برخاست ہوئی۔ (حکیم الامت ص ۲۸)۔

اگر عید کا چاند تیس کا ہونے والا ہوتا تو شاہ عبدالقادر صاحب اول روز تراویح میں ایک پارہ پڑھتے اور اگر آنتیس کا چاند ہونے والا ہوتا تو شاہ عبدالقادر صاحب اول روز دو پارے پڑھتے، چونکہ اس کا

تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے شاہ عبدالعزیز صاحب اول روز آدمی بھیجتے تھے کہ دیکھ آؤ میاں عبدالقادر نے آج کے پارے پڑھے ہیں۔ اگر آدمی کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو آتیس ہی کا ہوگا، یہ بات دوسری ہے کہ ابرو وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے، اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں، اس میں مولوی محمود حسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دہلی میں اس قدر مشہور ہو گئی تھی کہ بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مٹی ہو گئے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۴۸ حکایت نمبر ۲۴)۔

مقلد مفتی عزیز الرحمن صاحب نے مقلد مولوی حسین احمد کے متعلق یہ روایت درج کی ہے کہ رمضان المبارک کے موقع پر بارہا ایسا ہوا ہے کہ جس دن آپ سورہ، انا انزلنا، وتروں میں تلاوت فرماتے اس دن شب قدر ہوتی تھی، اور عید کی چاند رات کے بارے میں بھی بارہا تجربہ کیا کہ جس دن چاند رات ہوتی تھی، حضرت اسی دن صبح عید کا انتظام شروع کر دیتے تھے، اور ایک دن پیشتر قرآن شریف ختم کر دیتے تھے، چاہے ۲۹ تاریخ کیوں نہ ہو، حضرت کے اس طریقے کی بنا پر حضرت کا ہر خانقاہی بتا سکتا تھا کہ آج چاند رات ہے۔ (انفاسِ قدسیہ ۱۸۵)۔

مقلد مولوی اسد میاں راوی ہیں کہ ایک سزا یافتہ قیدی نے منشی محمد حسین نامی کی معرفت مولوی حسین احمد صاحب سے دعا کی درخواست کرائی، اگلا واقعہ ان کی زبانی ملاحظہ کیجئے، منشی محمد حسین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سر ہوئے فرمایا جا کر کہہ دو کہ وہ رہا ہو گیا، منشی محمد حسین صاحب نے اس قیدی سے جا کر کہہ دیا کہ وہ رہا ہو گیا، دو ایک روز گزرنے کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند ہی روز رہ گئے ہیں، منشی محمد حسین نے پھر آکر عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے تو کہہ دیا کہ وہ رہا ہو گیا، اس کے بعد دو ایک یوم پھانسی کورہ گئے تھے، کہ اس کی رہائی کا حکم آ گیا۔ (شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۶۲)۔

دہلی کے مقلد مولوی عبدالوحید صدیقی نے، عظیم مدنی نمبر، کے نام سے اپنے اخبار نئی دنیا کا ایک نمبر شائع کیا تھا۔ اس میں موصوف بے مقلد مولوی حسین احمد کے دو واقعے مراد آباد کی جیل کے نقل کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت کے نام پانوں کا پارسل آیا جس کا علم صرف نیر جی (جیلر) کو ہی تھا، اور کسی شخص کو نہ تھا، موصوف نے وہ پارسل بہ نظر احتیاط روک لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حسب معمول بارکوں کے معائنے کے لئے گئے، حضرت مدنی کے ساتھ اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب اور دیگر حضرات تھے جیسے ہی جناب نیر جی صاحب کے سامنے آئے حضرت نے فرمایا کیوں صاحب! آپ نے میرا پانوں کا پارسل روک لیا ہے۔ خیر کچھ حرج نہیں، آج اس میں سے صرف چھ پان دے دیجئے پرسوں تک دوسرا پارسل آجائے گا۔

جناب نبرجی صاحب کو بڑا تعجب ہوا کہ اس واقعہ کا علم حضرت کو کیسے ہوا؟ موصوف نے چپکے سے پان لاکر حاضر کر دیئے۔ حضرت نے اس میں صرف چھ پان لے لئے اور بقیہ واپس فرمادیئے اور فرمایا کہ پارسل پرسوں تک آئے گا اس کو نہ روکنے گا تیسرے دن حسب ارشاد پانوں کا پارسل آیا اب موصوف کو خیال ہوا کہ یہ کوئی معمول شخص نہیں بلکہ کوئی پینچے ہوئے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔

(روزنامہ نئی دنیا دہلی کا عظیم مدنی نمبر ۲۰۸)۔

انہی دنوں جیل میں مولانا کے نام کہیں سے کوئی خط آیا تھا جس پر محکمہ سنسر کی مہر لگی ہوئی تھی، جیلر نے وہ خط مولانا کو دے دیئے، انسپکٹر جنرل کی طرف سے باز پرس ہوئی اور اس جرم میں جیلر کو معطل کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے فوراً بعد صاحب موصوف مولانا کی خدمت میں پینچے دیکھتے ہی مسکرا کر مولانا نے فرمایا پان جو دیئے تھے، اس سے معطل ہوئے پان نہ دیتے تو کیا ہوتا، ان کو سخت حیرت تھی کہ یہ واقعہ ابھی ابھی دفتر میں ہوا ہے کسی کو خبر تک نہیں انہیں کیونکر علم ہوا، انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو فرمایا ان شاء اللہ کل تک بحالی کا حکم آجائے گا، تم مطمئن رہو ان کی حیرت کی انتہا نہ تھی، دوسرے دن ڈاک میں جو پہلی چیز ہاتھ میں آئی وہ معطل کے حکم میں منسوخی اور بحالی تھی، اس واقعہ سے نبرجی صاحب اور دیگر عہدیداران جیل حضرت کے معتقد ہو گئے۔

(نئی دنیا دہلی کا عظیم مدنی نمبر صفحہ ۲۰۳)۔

بارش کب ہوگی:

مقلد مولوی جمیل الرحمن سیوہاروی مفتی دارالعلوم دیوبند ضلع بجنور کے ایک جلسہ کا ذکر کیا ہے کہ جس میں مقلد مولوی حسین احمد بھی شریک تھے، جلسہ کے وقت موسم ابر آلود ہو گیا، اگلا قصہ خود ان کی زبانی سنئے فرماتے ہیں کہ: اس دوران میں جامع الروایات (یعنی واقعہ نگار) کو جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے علیحدہ لے جا کر ان الفاظ میں ہدایت کی کہ مولوی حسین احمد سے کہہ دو کہ اس علاقے کا صاحب خدمت میں ہوں اگر بارش ہوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا، راقم الحروف اسی وقت خیمے میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر وجہ معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سن کر ایک عجیب پر جلال انداز میں بستر استراحت ہی پر سے ارشاد فرمایا، جاییے کہہ دیجئے بارش نہیں ہوگی۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۷)۔

مقلد مولوی عبد الرشید صاحب رانی ساگری دیوبندی کی صاحبزادی ثامنہ صاحبہ اپنے والد کا واقعہ روایت کرتی ہیں کہ، جب ہمارا گھر بننے لگا تو والد صاحب قبلہ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے

پانچخانہ میں ہاتھ لگا وہ زمانہ برسات کا تھا، لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی، دھان کی روپنی ہو چکی تھی۔ کسان سخت پریشان تھے، میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ بارش کے لئے دعا فرما دیجئے، فرمایا بارش کیسے ہوگی، اپنا پانچخانہ جو بن رہا ہے، خراب ہو جائے گا، میں نے پوچھا کب تک پانچخانہ بن جائے گا؟ بولے دیوار مکمل ہوگئی ہے رات کو چھت کی ڈھلائی ہو جائے گی، میں خاموش ہوگئی دو دن بعد خوب زور دار بارش شروع ہوگئی، والد صاحب گھر پر ہی تھے میں نے پوچھا بارش ہونے لگی اب تو پانچخانہ میں نقصان ہوگا فرمانے لگے، نہیں بیٹی، اب فائدہ ہوگا، میں نے پھر پوچھا تو کیا پانچخانہ ہی کے لئے بارش رکی ہوئی تھی؟ والد صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا صرف مسکراتے رہے اس وقت والد صاحب تندرست تھے۔ (اخبار نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۴)۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک مقلد مولوی محمد بیٹین تھے وہ گنگوہ میں مقلد مولوی رشید احمد کے ہاں حاضر ہوئے، پھر رخصت کی اجازت لینے کے لئے خلوت گاہ میں گئے تو گنگوہی صاحب نے راستہ میں دیگر مشکلات کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اب نہ جاؤ راستہ میں بارش میں بھیگ جاؤ گے، اگلا واقعہ ان ہی کی زبانی ملاحظہ کیجئے، میں نے عرض کیا حضرت ابھی تو بارش کا کوئی بھی سامان نہیں اور مجھے بوجہ ملازمت آج ہی وطن پہنچنا ضروری ہے، میرے اصرار پر حضرت نے اجازت دے دی، اور میں گنگوہ سے باہر نکلا دو تین کوس چلا ہوں گا کہ دفعۃً امر نمودار ہوا اور چار طرف گھٹا چھا گئی اس زور کی بارش ہوئی کہ پاؤں اٹھانا اور ایک قدم چلنا مشکل پڑھ گیا۔ (تذکرۃ الرشید ۲۲۲ ج ۲)۔

ایک ہی وقت پر متعدد مقامات پر حاضر:

کرامات امدادیہ میں مقلد مولوی اسماعیل کی زبانی ایک روایت درج ہے کہ میں نے اپنے برادر معظم حاجی عبد الحمید صاحب سے سنا ہے کہ ایک دفعہ مولوی محی الدین صاحب فرماتے تھے کہ چونکہ حضرت حاجی صاحب عرصہ دراز بوجہ ضعف بدن حج کرنے سے معذور تھے، ہم نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ آج خاص یوم عرفات ہے دیکھنا چاہئے کہ حضرت کہاں ہیں؟ انہوں نے مراقب ہو کر دیکھا کہ حضرت جبل عرفات کے نیچے تشریف رکھتے ہیں، ہم لوگوں نے بعد میں عرض کیا کہ آپ یوم عرفات میں کہاں تھے، حضرت نے فرمایا کہ کہیں بھی نہیں مکان پر تھا، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو فلاں جگہ تشریف رکھتے تھے، حضرت نے فرمایا یا اللہ لوگ کہیں بھی چھپا نہیں رہنے دیتے۔ (کرامات امدادیہ ص ۲۰)۔

ڈوبتے جہاز کو بچا لیا:

کرامات امدادیہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ شاہ صاحب کے ایک مرید کسی بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ ایک تلاطم خیز طوفان نے جہاز کو گھیر لیا، قریب تھا کہ جہاز ڈوب جائے، اس کے بعد کا واقعہ راوی کی زبانی سنئے لکھا ہے کہ:

انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا، اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا، اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کار ساز مطلق ہے، اسی وقت آگہوت غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی، ادھر تو یہ قصہ پیش آیا ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر تو دباؤ نہایت درد کرتی ہے، خادم نے دباتے دباتے پراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھیلی ہوئی ہے۔ اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے، پوچھ حضرت یہ کیا بات ہے، کمر چھلی؟ فرمایا کچھ نہیں، پھر پوچھا، آپ خاموش رہے، تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے، اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگہوت ڈوبا جاتا تھا اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا، اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا اور آگہوت کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کواٹھایا جب آگے چلا گیا اور بندگان خدا کو نجات ملی، اسی سے چھیل گئی ہوگی، اور اسی وجہ سے درز ہے، مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ (کرامات امدادیہ ص ۱۸)۔

عین حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات:

مبتدعین دیانہ کے نامور اہل قلم جناب علی میاں مقلد نے سیرت سید احمد شہید میں ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا، آپ نے دیکھا کہ آپ کی داہنی طرف رسول اللہ ﷺ اور بائیں طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ سید احمد جلد اٹھ غسل کر، سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجود یہ کہ سردی سے حوض کا پانی بخ ہو رہا تھا آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرزند آج شب قدر ہے یاد الہی میں مشغول رہو اور دعا و مناجات کرو، اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۲۸ حصہ ششم جلد اول)۔

کشف قبور

ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے لگے، بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر فاتحہ پڑھیو۔ یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو، یہ کیا بات ہے۔
(ارواح ثلاثہ ص ۱۸۱ حکایت نمبر ۲۰۵)۔

مقلد مولوی شہاب الدین رشیدی اپنے پیر مقلد مولوی عبد الرشید رانی ساگری دیوبندی کے ایک واقعہ روایت کرتے ہیں کہ، مجھ سے میرے محترم دوست اور حضرت کے خولیش مولانا الحاج اشرف علی صاحب نے بیان فرمایا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک امیر زادہ نوجوان شخص تھے ان کی زندگی بہت ہی لا ابال پن میں گزری، ان کا جب انتقال ہو گیا تو میں ایک دن قبرستان گیا تو اس شخص کو دیکھا کہ قبرستان میں ننگے بیٹھا ہے۔ اور بہت ہی حسرت و یاس کے عالم میں ہے، میں جب قریب پہنچا تو اس نے ہمیں دیکھ کر اپنی ستر دونوں ہاتھوں سے چھپالی، میں نے اس سے کہا اس لئے نہ میں تجھے کہتا تھا لیکن تو نے اپنی زندگی لاپرواہی میں گزار دی اور میری باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ (نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۱۹)۔

تصرف فی الامور:

مقلد سید اصغر حسین دیوبندی فرماتے ہیں۔

۱۳۲۲ھ کے آخر میں دیوبند میں شدید طاعون ہوا، چند طلبہ بھی مبتلا ہوئے ایک فارغ التحصیل طالب علم محمد صالح ولایتی جو صبح وشام میں سند فراغت لے کر وطن رخصت ہونے والے تھے، اسی مرض میں مبتلا ہوئے اور حالت آخری ہو گئی وفات سے کسی قدر پہلے انہوں نے ایسی گفتگو شروع کی کہ گویا شیطان سے مناظرہ کر رہے ہیں، اس کے دلائل کو توڑتے اپنے استدلال پیش کرتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے مناظرہ میں شیطان کو بخوبی شکست دے دی پھر کہنے لگے افسوس اس جگہ کوئی ایسا خدا کا بندہ نہیں ہے جو مجھ سے اس خبیث کو دفع کرے، یہ کہتے کہتے دفعۃً اٹھے کہ واہ واہ سبحان اللہ سبحان اللہ دیکھو میرے استاد حضرت مولانا محمود حسن صاحب تشریف لائے دیکھو وہ شیطان بھاگا، ارے خبیث کہاں جاتا ہے۔ ایک ساعت کے بعد طالب علم کا انتقال ہو گیا، حضرت مولانا اس واقعہ کے وقت وہاں موجود نہ تھے مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی۔

(حیات شیخ الہند ص ۲۵۵)۔

قبر پرستی:

درس حیات کا مقلد مصنف فخر الدین گیاوی اپنے مقلد مولوی بشارت کریم صاحب دیوبندی کی قبر کے تصرفات کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وصال کے بعد ایک مدت تک مزار شریف پر لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور پانی، تیل، نمک، وغیرہ قبر شریف کے پاس لے جا کر رکھ دیتے اور کچھ دیر کے بعد اٹھا لیتے، اس سے بکثرت لوگوں کو فوائد حاصل ہوئے۔ (درس حیات ص ۳۵۷)۔

وصال کے بعد سے لوگوں کا ہجوم مزار کے پاس آتا وہ پانی وغیرہ رکھتے یا یوں سمجھئے کہ دم کرانے کے بعد تھوڑی تھوڑی مٹی بھی ہر ایک (قبر سے) اٹھا کر لے جانے لگا چنانچہ چند روز میں ضرورت پڑ جاتی کہ دوسری مٹی مزار شریف پر ڈالی جائے، چنانچہ مولانا ایوب صاحب مرحوم (حضرت کے صاحبزادے) کچھ عرصہ تک جب مٹی کم ہو جاتی نئی مٹی ڈال دیا کرتے۔ (درس حیات ص ۳۵۸)۔

موصوف فرماتے ہیں کہ بالاخر صاحبزادے تنگ آگئے اور روز روز کی یہ آزریری ڈیوٹی وبال جان بن گئی تو ایک دن آزرده خاطر ہو کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور نہایت مؤدب ہو کر عرض کیا، حضرت! زندگی میں تو بہت سخت تھے مگر اب مزار شریف پر یہ کیا ہونے لگا ہے، اب میں آخری مرتبہ مٹی ڈال رہا ہوں، اس کے بعد گڑھا بھی پڑ جائے گا تو اب میں مٹی نہیں ڈالوں گا، اس سلسلے کو بند کروائیے۔ (درس حیات ص ۳۵۸)۔

لخت جگر کی یہ تڑی لگانا ہی تھا۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے مٹی نہیں اٹھائی، قطعاً وہ سلسلہ بند ہو گیا، اور اب کبھی مٹی ڈالنے کی نوبت نہیں آئی اور پانی، تیل، نمک، وغیرہ مزار شریف پر رکھ کر دم کرانے کا خیال بھی اب کسی کو نہ پیدا ہوا اور وہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا ہے۔ (درس حیات ص ۳۵۸)۔

مقلد مولوی زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ مصر میں ایک شخص تھا جو لوگوں کی ضرورتوں کے لئے ماڈگا کرتے تھے۔ ایک روز کوئی فقیران کے پاس اپنی حاجت لے کر گیا اور وہ اہل ثروت کے پاس گئے مگر کسی نے تعاون نہ کیا، اگلا واقعہ مقلد صاحب کی زبانی سنئے۔

سب سے مایوس ہو کر ایک سخی کی قبر پر گئے اور اس کی قبر پر بیٹھ کر یہ سارا قصہ بیان کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، اور واپس آ کر اپنے پاس سے ایک دینار نکالا اور اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا اور دوسرا ٹکڑا اس فقیر کو دے دیا، کہ یہ میں قرض دیتا ہوں اس وقت تم اس سے اپنا کام چلا لو، جب تمہارے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا تو میرا قرضہ ادا کر دینا، وہ لے کر چلا گیا

اور اپنی ضرورت پوری کر لی، رات کو ان صاحب دینار نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہاری بات ساری سن لی تھی مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی، تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ مکان کے فلاں حصہ میں جو چولہا بن رہا ہے، اس کے نیچے ایک چینی کا مرتبان گڑ رہا ہے اس میں پانچ سو اشرفیاں ہیں وہ اس فقیر کو دے دیں، یہ صبح کو اٹھ کر اس کے مکان پر گئے اور گھر والوں سے سارا قصہ اور اپنا خواب بیان کیا، انہوں نے اس جگہ کو کھودا اور وہ مرتبان پانچ سو اشرفیاں کا نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

(فضائل صدقات ص ۶۱۰ حصہ دوم فصل ساتویں نمبر ۲۳)۔

عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سنی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی، دور کا سفر تھا، رات کو وہاں ٹھہرے ان میں سے ایک شخص نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تو اپنے اونٹ کو میرے بختی اونٹ کے بدلے میں فروخت کرتا ہے، خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کر لیا وہ صاحب قبر اٹھا اور اس کے اونٹ کو ذبح کر دیا، جب یہ اونٹ والا نیند سے اٹھا تو اس کے اونٹ سے خون جاری تھا، اس نے ذبح کر دیا اور گوشت تقسیم کر دیا، سب نے پکایا اور کھایا، یہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بختی اونٹ پر سوار ملا، جو یہ تحقیق کر رہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں کوئی ہے اس خواب والے شخص نے کہا یہ میرا نام ہے، اس نے پوچھا کہ تو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے؟ خواب دیکھنے والے نے اپنا قصہ سنایا، جو شخص بختی اونٹ پر سوار تھا اس نے کہا کہ وہ میرے باپ کی قبر تھی، یہ اس کا اونٹ ہے، اس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تو میری اولاد ہے تو میرا بختی اونٹ فلاں شخص کو دے دے، تیرا نام لیا تھا۔ یہ بختی اونٹ تیرے حوالے ہے یہ کہہ کر وہ اونٹ دے کر چلا گیا، (زکریا مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ) یہ سخاوت کی حد ہے، کہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی مہمانی میں اپنے اخیل اونٹ کو فروخت کر کے آنے والوں کی مہمانی کی، باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیونکر ہو گیا، اس میں کوئی محال چیز نہیں ہے۔ عالم ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔

(فضائل صدقات ص ۶۰۶ حصہ دوم فصل ساتویں نمبر ۱۶)۔

ایک شخص کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چرایا کرتا تھا۔ اس نے ایک قبر کھودی تو اس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا وہ قرآن شریف پڑھ رہے

ہیں۔ اور ان کے تحت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے اس کو قبر سے نکالا، تین دن بعد ہوش آیا لوگوں نے قصہ پوچھا، اس نے سارا حال سنایا، لوگوں نے قبر کے دیکھنے کی تمنا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتا دے، اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں، رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا، کہہ رہے ہیں اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا۔

(فضائل صدقات ص ۵۱۳ حصہ دوم ساتویں فصل)۔

کون کب اور کہاں مرے گا؟

مقلد مولوی عاشق الہی میرٹھی فرماتے ہیں۔

جن دنوں نواب محمود علی خاں صاحب مرحوم رئیس چتاری، جن کے ساتھ اخلاص و ارادت کے سبب حضرت کو بھی تعلق تھا، علیل ہوئے اور مدہوشی طاری ہوئی سب کو زندگی سے یاس (بے امید) ہو گئی، اس وقت ایک شخص چتاری سے صرف گنگوہ بھیجے گئے کہ نواب صاحب کے لئے حضرت سے دعا کرائیں چنانچہ وہ آئے اور حضرت سے نواب صاحب کی حالت بیان کر کے دعائے صحت کی درخواست کی آپ نے حاضرین جلسہ سے فرمایا، بھائی دعا کرو، چونکہ حضرت نے دعا کا وعدہ نہیں فرمایا، اس لئے فکر ہوا اور عرض کیا گیا کہ حضرت آپ دعا فرمادیں اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا، امر مقرر کر دیا گیا ہے اور ان کی زندگی کے چند روز باقی ہیں، حضرت کے اس ارشاد پر اب کسی عرض معروض کی گنجائش نہ رہی اور نواب صاحب کی حیات سے سب کو ناامیدی ہو گئی تاہم قاصد نے عرض کیا کہ حضرت یوں ہی دعا فرمادیتے کہ نواب صاحب کو ہوش آجائے اور وصیت و انتظام ریاست کے متعلق جو کچھ کہنا سنا ہو کہہ سن لیں، آپ نے فرمایا، خیر اس کا مضائقہ نہیں، اس کے بعد دعائے فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا۔ ان شاء اللہ افاقہ ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نواب صاحب کو دفعۃً ہوش آ گیا اور ایسا افاقہ ہوا کہ عافیت و صحت کی خوش خبری دور دور تک پہنچ گئی، کسی کو خیال بھی نہ رہا کہ کیا ہونے والا ہے، یکا یک حالت بگڑی اور مخیر دریا دل نیک نفس سخی رئیس نے انتقال بہ آخرت فرمایا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۰۸، ۲۰۹ ج ۲)۔

حضرت مولانا صادق الحقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سخت علیل ہوئے واقفین احباب بھی یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے اور حضرت سے عرض کیا دعا فرمادیں، حضرت خاموش رہے اور بات کو ٹال دیا، جب دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے تسلی دی اور فرمایا میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر مریں گے تو بھی میرے بعد، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس مرض سے صحت حاصل ہو گئی اور حضرت کے وصال کے بعد اسی سال بہ ماہ شوال حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے۔ مرض ہی میں عرفات کا سفر کیا

یہاں تک کہ شروع محرم میں واصل بحق ہو کر جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۰۹ ج ۲)۔
 مولوی نظر محمد خاں نے ایک مرتبہ پریشان ہو کر عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص جو والد صاحب سے
 عداوت رکھتا تھا، ان کے انتقال کے بعد اب مجھ سے ناحق عداوت رکھتا ہے، بے ساختہ آپ کی زبان
 سے نکلا، وہ کب تک رہے گا، چند روز گزرے تھے، کہ دفعۃً وہ شخص انتقال کر گیا۔
 (تذکرۃ الرشید ص ۲۱۴ ج ۲)۔

باختلاف روایت ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو بیوم جمعہ بعد اذان یعنی ساڑھے
 بارہ بجے آپ نے دنیا کو الوداع کہا اور اٹھتر سال سات ماہ تین یوم کی عمر میں رفیق اعلیٰ کی جانب
 ہنستے اور مسکراتے ہوئے سد پارے، حضرت امام ربانی قدس سرہ کو چھ روز پہلے ہی جمعہ کا انتظار تھا، بیوم
 شنبہ دریافت فرمایا تھا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے۔؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج شنبہ ہے اس کے
 بعد درمیان میں بھی کئی بار یوم جمعہ کو دریافت کیا حتیٰ کہ جمعہ کا دن جس روز وصال ہوا صبح کے وقت پھر
 دریافت فرمایا کہ کیا دن ہے، اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ ہے تو فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ رجعون۔ (تذکرۃ
 الرشید ص ۳۳۱ ج ۲)۔

مقلد مولوی ریاض احمد فیض آبادی صدر جمعیۃ علمائے میوات مقلد مولوی حسین احمد صاحب کے
 ساتھ اپنی آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ حضرت ان شاء اللہ اختتام
 سال پر حاضر ہوں گا، فرمایا کہہ دیا کہ ملاقات نہیں ہوگی، اب تو میدان آخرت ہی میں ان شاء اللہ
 ملو گے جمع میرے قریب جو تھا احقر کی معیت میں آبدیدہ ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ رونے کی کیا بات
 ہے، کیا مجھے موت نہ آئے گی، اس پر احقر نے الحاح کے ساتھ کچھ علم غیب اور زیادتی عمر پر بات کرنی
 چاہی مگر فرط غم کے باعث بول نہ سکا۔

(روز نامہ الجمعۃ دہلی کا شیخ الاسلام نمبر ص ۱۵۶)۔

مقلد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

حضرت مولانا ظفر حسین صاحب مرحوم مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے اور اشتیاق تھا کہ مدینہ منورہ میں
 وفات ہو، حضرت حاجی صاحب سے عرض استفسار کیا کہ میری وفات مدینہ میں ہوگی یا نہیں؟ حضرت
 حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں کیا جانوں، عرض کیا کہ حضرت یہ عذر تو رہنے دیجئے جواب مرحمت
 فرمائیے حضرت نے مراقب ہو کر فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے۔ (نقص الاکابر ص ۱۰۶)۔
 مقلد مولوی زکریا فرماتے ہیں کہ:

شیخ ابو یعقوب سنوی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے وقت
 نرجاؤں گا، چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔

(فضائل صدقات ص ۵۶۳)۔

ابو علی روزباری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا، بہت خستہ حال پرانے کپڑے، کہنے لگا یہاں کوئی پاک و صاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی غریب فقیر مرجائے، میں نے لا پرواہی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آجا اور جہاں چاہے پڑ کے مرجا، وہ اندر آیا، وضو کیا چند رکعات نماز پڑھی اور لیٹ کر مر گیا۔ (فضائل صدقات ص ۵۷۰)۔

مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں:

مقلد مولوی زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ: جب میں نے اسے قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا، اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔ (فضائل صدقات ص ۵۶۳)۔

میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور جب دفن کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ پر سے کفن ہٹا کر اس کا منہ زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس کی غربت پر رحم فرمائے، میں نے اس کا منہ کھولا اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے پوچھا میرے سردار کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ (فضائل صدقات ص ۵۷۱)۔

ابو سعید خزار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا، دروازہ سے باہر میں نے ایک خوبصورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا میں اس کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا ابو سعید تمہیں معلوم نہیں کہ (محبت والے) دوست مرا نہیں کرتے ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ (فضائل صدقات ص ۵۷۲)۔

بھنی ہوئی مچھلی زندہ کر دی:

مقلد حافظ سید محمد اکبر بخاری صاحب ابنہ مقلد مولوی محمد صدیق بھر چونڈوی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بزرگ نے آپ سے فرمایا تجھے وہ شخص بیعت کرے گا جس کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو جائے، حضرت حافظ صاحب یہ جواب سن کر مایوس ہو گئے، نہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو، نہ آپ کسی سے بیعت کریں۔ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد شاہ حسن رضی اللہ عنہ کا گزر اس طرف سے ہوا، تو آپ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ٹھہرے، حافظ صاحب کے ہاں اس دن سوائے مچھلی کے اور کوئی چیز

گھر میں مہمان کے مدارات کے لے موجود نہ تھی، آپ مچھلی بھون کر دسترخوان میں رکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے، شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا، کیا زندہ مچھلیاں بھی کبھی کھائی جاتیں ہیں؟ حافظ صاحب نے دسترخوان اٹھایا تو مچھلی واقعی زندہ تھی بس اب یہ کہنا تھا کہ درویش کی کہی ہوئی بات یاد آگئی اور آپ بیعت کے لئے دوزانوں ہو کر شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ گئے، شاہ صاحب نے آپ کو بلا کسی تاہل کے بیعت فرمایا،

(مرد مومن ص ۱۳ مصنف عبد الحمید خان تذکرہ اولیاء دیوبند ص ۱۵۷)۔

جہنم میں جلتا ہوا دیکھانے کی قدرت:

۱۹۲۶ء لغایت ۱۹۳۵ء میں ریاست بہاولپور کی عدالت میں مسلمانوں اور مرزائیوں کے درمیان حق و باطل کا معرکہ برپا تھا، فریقین کی طرف سے اپنے اپنے علماء عدالت میں گواہی کے لئے حاضر ہوئے، مقلد مولوی محمد انور شاہ کاشمیری کی بھی گواہی تھی، اگلی باتمقلد مولوی محمد منظور چنیوٹی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے فرماتے ہیں، مچھلی صدی میں علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسی نابالغہ روزگار ہستی علماء اسلام میں کوئی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر دو فریق نے اپنی اپنی علمی بساط کے مطابق کوئی کسرباقی نہیں چھوڑی، اپنا پورا زور لگادیا اور ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا بیان اور اس پر قادیانی دکلاء کی جرح جب ختم ہوئی، تو حضرت شاہ صاحب نے جلال الدین شمس قادیانی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ جلال الدین اگر اب بھی تمہیں قادیانی کے کفر میں شک ہو تو آؤ میں تمہیں اسے جہنم میں جلتا ہوا دکھاؤں! جلال الدین قادیانی نے جلدی سے ہاتھ چھڑالیا اور کہا کہ اگر آپ اسے (مرزا کو) جہنم میں جلتا ہوا دکھا بھی دیں تو میں کہوں گا کہ یہ کوئی استدرج (شعبدہ) ہے، میں پھر بھی نہیں مانوں گا ہمارے استاد فرمایا کرتے تھے، کہ جلال الدین قادیانی بدنصیب تھا اگر وہ ہاں کر دیتا تو حضرت شاہ صاحب پر اس وقت ایسی کیفیت طاری تھی کہ وہ اسے حالت کشف میں جہنم میں جلتا ہوا دکھا بھی دیتے۔

(روداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور، زیر عنوان عرض مزید ص ۵۵ ج ۱)۔

انکار ختم نبوت:

مقلد مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو، سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب سے آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ (تحذیر الناس ص ۵ طبع دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۶ء)۔

اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (تحذیر الناس ص ۱۸)۔

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس ص ۳۴)۔

ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں۔ (اذا المعنى انه لا ياتي نبى بعده ينسخ ملته)۔

یعنی خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا، جو آپ علیہ السلام کی ملت (دین) کو منسوخ کر دے گا۔ (موضوعات کبیر ص ۱۰۰)۔

ان عبارات اکابر دیوبند سے ثابت ہوا کہ خاتم النبی کا معنی نبیوں کا آخری نہیں اور یہ کہ تاخر زمانہ میں کوئی فضیلت نہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت ہے، ان میں ایک و ختم بی النبیین، نبوت مجھ پر ختم ہوگی۔

(مسلم ص ۱۹۹ ج ۱، ابو عوانہ ص ۳۹۵ ج ۱)۔

اور خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی ہے، علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں کہ

وختام القوم وختامهم آخرهم، عن اللحياني، و محمد ﷺ خاتم الانبياء عليه وعليهم السلام التهذيب والختام والختام من اسماء النبي ﷺ وفي التنزيل ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وختام النبیین، ای آخرهم۔

یعنی ختام القوم اور خاتم القوم (بالکسر) اور خاتم القوم، (بالفتح) ہر سہ کے معنی ہیں قوم کا آخری شخص اور تہذیب میں ہے کہ محمد ﷺ انبیاء کے خاتم ہیں اور خاتم (بالکسر) اور خاتم (بالفتح) ہر دو نبی علیہ السلام کے نام ہیں اور قرآن شریف میں ہے۔ واما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وختام النبیین کے معنی ہیں آخری نبی۔ (لسان العرب ص ۱۶۴ ج ۱۲)۔

اس خالص حق و صواب معنی کے برعکس قاری محمد طیب دیوبندی فرماتے ہیں کہ حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخشی بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا نبی ہو گیا، (آفتاب نبوت ص ۸۲ طبع ادراہ اسلامیات کراچی ۱۹۸۰ھ)۔

غور کریں کہ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین کا معنی آئمہ لغت آخری نبی کرتے ہیں۔ مگر دیوبندیوں کے حکیم الاسلام اس کا معنی نبوت بخشی کرتے ہیں یہ معنی جس قدر باطل و فضول ہے، وہ صاحب علم دوستوں سے پوشیدہ نہیں، معلوم یوں ہوتا ہے کہ حکیم الاسلام خود بیمار ہیں قادیانیت جیسی موذی مرض میں مبتلا تھے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ خاتم النبیین کا معنی ”نبوت بخشی“ کرنا جہاں پوری امت مرحومہ کے خلاف ہے وہاں ہی مرزائیت کی موافقت و تائید ہے، مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ

کو صاحب خاتم بنایا، یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی، اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا، یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔

(حقیقہ الوحی ص ۹۷ و روحانی خزائن ص ۱۰۰ ج ۲۲)۔

مرزا محمود لکھتا ہے۔ پھر و خاتم النبیین فرما کر پہلے مضمون پر اور ترقی کی کہ نہ صرف بہت سے مومن اس کی اولاد میں ہوں گے، بلکہ یہ نبیوں کی بھی مہر ہے اس کی مہر سے انسان نبوت کے مقام پر پہنچ سکے گا۔ (دعوت الامیر ص ۳۶ و انوار العلوم ص ۳۶۴ ج ۷ یعنی مجموعہ کتب مرزا محمود)۔

رسول اللہ ﷺ کی گستاخیاں:

مقلد خلیل احمد سہارنپوری لکھتا ہے

غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۵۰)

مقلد مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے۔

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی ہے۔ (حفظ الایمان ص ۸)۔

مقلد مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتا ہے

لفظ رحمۃ العالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علماء ربانین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۱۸)۔

ان تینوں عبارات کی توضیح و تشریح کے لئے تحفہ حنفیہ ص ۳۱۸ کی مراجعت کر لیں ان شاء اللہ آپ کے لئے مفید رہے گی۔

مقلد ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتا ہے۔ آپ ﷺ نماز پڑھتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔

(غیر مقلدین کسی غیر مستند نماز ص ۴۳ و مجموعہ رسائل ص ۳۵۰ ج ۳)۔

یہ بات حدیث کی کسی کتاب میں معتبر اسناد سے تو کجا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی موجود

نہیں کہ حالت نماز میں نبی ﷺ کتیا اور گدھی کی شرمگاہوں کو دیکھتے رہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی سخت توہین ہے۔ مقلد ابو بلال محمد اسماعیلی جھنگوی دیوبندی نے لکھا ہے۔

نماز میں اقعاء خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے:

(ترمذی ص ۳۸ ج ۱، ابو داؤد ص ۱۲۳ ج ۱) لیکن (مسلم ص ۱۹۵ ج ۱)۔

پر اسے عقبہ الشیطان کہا گیا ہے۔ دیکھیں اپنے کیئے ہوئے فعل کو عقبہ شیطان کہا جا رہا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص ۱۲۱ ج ۲)۔

حالانکہ جس اقعاء کو عقبہ شیطان کہا گیا ہے وہ اور ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں

دیکھئے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ص ۱۹۵، ۲۰۲ ج ۱)۔

لہذا جھنگوی کا مذکورہ قول نبی رحمت ﷺ کی گستاخی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض اوقات سری نمازوں میں ایک دو آیتیں جہرا پڑھ دیتے تھے اس کے

باری مقلد مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے کہ میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق کی حالت

غالب تھی جس میں یہ جہر واقع ہو جاتا تھا اور جب آدمی پر غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ کیا

کر رہا ہے۔ (تقریر ترمذی ص ۷۱)۔

یہ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی ہے۔

دیوبندی نماز:

مقلد مفتی محمد عبدالغنی دیوبندی فرماتے ہیں

سلطان محمود غزنوی کو حدیث سننے کا بہت شوق تھا اس لئے ایک عالم کو مقرر کر رکھا تھا جو ان کو

حدیث سنایا کرتے اب یا تو سنانے والے عالم شافعی المسلك تھے یا کتاب شوافع کی تھی اس لئے زیادہ

احادیث شوافع کے موافق آتیں سلطان محمود حنفی تھے، یہ دیکھ کر کہ احادیث میرے سامنے زیادہ تر شوافع

کی مؤید آرہی ہیں حنفیہ کے خلاف ہیں طبعیت پریشان ہوئی دونوں طرف کے علماء سے مناظرہ کرایا طے

یہ ہوا کہ سلطان کو اختیار ہوگا جس مسلک کو چاہیں پسند کر لیں اس کام کے لئے فقال مروزی طے ہوئے

انہوں نے پہلے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کے موافق دو رکعت اس طرح پڑھیں کہ پہلے کتا منگایا اس

کو ذبح کر کے اس کی کھال اتاری اور اس کو ستر عورت کے لئے استعمال کیا پھر نبیذ تمر سے وضو کیا جس

میں نہ استقبال قبلہ کی رعایت کی نہ بسم اللہ پڑھی نہ نیت کی نہ ترتیب کی رعایت کی اس کے بعد کھڑے

ہوئے اور تکبیر تحریمہ اس طرح فارسی میں کہی کہ خدا بزرگ تراست اس کے بعد قرأت بھی فارسی میں کہ

وہ بھی بقدر ایک آیت دو باغ سبر (مدھامتان، کا ترجمہ) اس کے بعد فوراً رکوع کیا نہ اس میں تسبیح پڑھی

نہ اس کے بعد قومہ کیا اسی طرح دوسری رکعت پوری کر کے بعد تشهد قعدہ کیا اور خروج بصدعہ یعنی زور سے ریح خارج کر کے کھڑے ہو گئے اور کہا، ہذا صلوة ابی حنیفہ، (مفتی صاحب فرماتے ہیں) اور یہ سب اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک ذبح سے غیر ماکول کی کھال بھی پاک ہو جاتی ہے، نبیذ تمر سے وضوء جائز ہے وضو تسمیہ نیت ترتیب وغیرہ شرط نہیں، تکبیر تحریمہ ہر ایسے لفظ سے صحیح ہے جو حق تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرتا ہو اور شائبہ احتیاج سے پاک ہو گو غیر عربی ہو، اسی طرح فارسی قرأت کرنا جائز ہے، اور بقدر ایک آیت کے فرض ہے نہ فاتحہ فرض نہ سورۃ ملانا نہ تعدیل ارکان نہ قومہ میں نہ جلسہ میں۔

(اکابرین کے پاگیزہ لطائف ص ۵۹ طبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)۔

دیوبندی روزہ:

مقلد مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کسی بد طینت نے جانور سے بد فعلی کی یا کسی نے بیوی سے سبیلین (دونوں راستوں کے سواء) کسی جگہ جماع کیا یا کسی نے مشت زنی کی تو تینوں صورتوں میں جب تک انزال نہ ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔

(چار سو اہم مسائل ص ۲۰۲ طبع مکتبہ حلیمیہ صادق آباد)۔

قارئین یہ ہے دیوبندی مذہب کی اصلیت کا تھوڑا بہت خاکہ گو ہم اس پر تبصرہ کا حق محفوظ رکھتے ہیں، مگر ہم نے اکثر جگہوں پر صرف عبارات علماء دیوبند پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ اور ان پر تبصرہ قاری پر چھوڑ دیا ہے، ہاں اس مقام پر اتنا ضرور عرض کریں گے کہ قارئین کرام مبتدعین دیا بندہ کے عقائد و اعمال اور نظریات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر جانچ پرکھ لیں، پھر شیعہ بریلوی اور مرزائی نظریات کا تقابل بھی ان سے کر لیں ہم آپ کو اس سلسلہ میں کسی قسم کی رائے دینا نہیں چاہتے، یہ جناب کے صواب دید پر ہم چھوڑتے ہیں، غیروں پر کفر و فسق کے فتوے لگانے والے اہل حدیث کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کو لوٹانے کا فتاویٰ صادر کرنے والے، اپنے گھر میں بھی صفائی کریں، اپنے اور پرانے میں تفریق کئے بغیر غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح تسلیم کر لیں، اکابر پرستی کی بجائے قرآن و سنت کو اپنانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اور یہ یقین کر لیں کہ بڑے سے بڑا بھی نہایت فاش غلطی کر سکتا ہے، اکابر کی اغلاط کو اوہام کا نام دے کر حقیقت کا اعتراف کر لیا جائے ان کی خطا کے دفاع پر اپنی علمی صلاحیتوں کو صرف کرنے کی بجائے عامۃ المسلمین کی بہتری کے لئے دینی کاموں کو سرانجام دیا جائے اس سے یقیناً تمام مسلمانوں کا بھلا ہوگا۔ کفر و شرک اور بدعات سے نکل کر عوام توحید و سنت کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ، اس مشن میں بالفرض آپ ناکام بھی رہے تب بھی بہر حال آپ کا اجر ثابت ہو جائے گا یا کم از کم اللہ تعالیٰ کے حضور عوام کی دینی جہالتوں پر جناب سے باز پرس نہ ہوگی۔

فصل دوم

مناقب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

(۱) حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک بزرگ آئے، جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو حضرت امام مالک نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ نہیں (اور میں انہیں پہچان چکا تھا) فرمانے لگے۔

یہ ابو حنیفہ ہیں، عراق کے رہنے والے، اگر یہ کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے، تو ویسا ہی نکل آئے انہیں فقہ میں ایسی توفیق دی گئی ہے کہ اس فن میں انہیں ذرا مشقت نہیں ہوئی۔

(اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۷۴ حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸)۔

اولاً: یہ روایت امام صاحب کی مدح میں نہیں بلکہ قدح میں ہے، اور مقلد انوار صاحب نے، لخرجت کما قال، کا معنی غلط کیا ہے، درست معنی یہ ہے کہ دلائل سے لکڑی کے ستون کو ویسا ہی نکال لائیں جیسا کہ کہا تھا، بلفظ دیگر اتنے ضدی ہیں کہ حق بات کو قبول ہی نہیں کرتے اگر لکڑی کے ستون کو سونے کا کہہ دیں تو اس پر بھی دلائل دینے شروع کر دیتے ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے امام عبد اللہ بن مبارک سے نقل کرنے والا راوی جبارہ بن مغلس حمانی ہے، اسے امام بیہی نے کذاب قرار دیا ہے۔

(تہذیب الکمال ص ۴۳۶ ج ۱)۔

اس سے نیچے کا راوی احمد الحمانی ہے، ذہبی کہتے ہیں کہ کذاب و وضاع ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے کذابین میں سے اس سے بڑھ کر کسی کو بے حیا نہیں دیکھا، ابن فورس وغیرہ نے وضع احادیث سے متہم کہا ہے۔

(میزان ص ۱۴۰ ج ۱ و لسان ص ۲۶۹ ج ۱)۔

(۲) فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ابو حنیفہ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھا ہے، وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل بیان کریں تو وہ ضرور اپنی حجت میں کامیاب رہیں۔

(تاریخ بغداد ص ۳۳۷ ج ۱۳)۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایت مدح نہیں، امام ابو حاتم رازی ان الفاظ سے اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ۔

انہ کان یثبت علی الخطاء ویحتج دونہ ولا یرجع الی الصواب اذابان لہ۔
(یعنی امام مالک کی مراد یہ تھی کہ) بے شک ابو حنیفہ غلطی پر ڈٹا رہتا تھا اور اس پر دلائل دیتا رہتا تھا۔ اور صحیح بات ابو حنیفہ کے سامنے ظاہر ہو بھی جاتی تھی تو اس طرف رجوع نہ کرتا تھا۔

(آداب الشافعی و مناقبہ ص ۲۱۲ و تاریخ بغداد ص ۳۰۱ ج ۱۳)۔

امام ابو حاتم نے امام مالک کے قول کی جو سند درج کی ہے وہ مختصر اور صحیح ہے، اور اس میں صاف وضاحت ہے کہ

وہی من خشب او حجارۃ۔

یعنی ستون خواہ لکڑی و پتھر کا ہی ہو۔

مگر مقلد انوار صاحب یہاں نادان دوست کا کردار ادا کرتے ہوئے اسے منقبت قرار دے رہے ہیں۔ اے جی لکڑی و پتھر کو سونا ثابت کرنا فقہات نہیں ضد اور ہٹ دھرمی ہے، اور ضد و ہٹ دھرمی قابل تعریف نہیں بلکہ قابل نفرت ہے، مگر آفریں مقلد انوار صاحب پر وہ اسے بطور مدح و منقبت پیش کرتے تھے۔ ہم تو یہ پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ درپردہ امام صاحب کے مخالف ہیں۔

(۳) حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: جو شخص فقہ حاصل کرتا ہے، وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اور ان کے اصحاب کو لازم پکڑے، کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے خوشہ چین ہیں (تاریخ بغداد ص ۳۲۶ ج ۱۳) میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

(مناقب ابو حنیفہ للکردری ص ۹۹ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹)۔

تاریخ بغداد کی روایت میں احمد الحمائی راوی ہے۔ اور یہ کذاب ہے، جیسا کہ امام مالک کے قول کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے، کردری کی روایت بھی (تاریخ بغداد ص ۳۴۶ ج ۱۳)، سے منقول ہے، اور اس میں خیر سے ایک راوی زکریا بن عبد الرحمن مجہول ہے کتب رجال مثلاً: تہذیب التہذیب، الجرح والتعديل، ثقات ابن حبان، تاریخ کبیر للبخاری، تہذیب الکمال، میزان الاعتدال، لسان المیزان، الانساب، تاریخ بغداد، سیر اعلام النبلاء و تاریخ الاسلام ہا للذہبی وغیرہ کتب میں اس نام کا کوئی راوی نہیں جو عبد اللہ کا شاگرد اور مادرانی کا استاد ہو، اور نہ ہی کوئی دیوبندی علامہ فہامہ اس کی جہالت کو دور کر سکتا ہے، الغرض یہ امام شافعی پر بہت بڑا بہتان ہے، امام شافعی نے تو امام محمد کو مناظرہ میں منوالیا تھا کہ امام مالک قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام کے ابو حنیفہ سے زیادہ عالم ہیں۔ دیکھئے: (مقدمہ الجرح والتعديل ص ۴)۔

اور جو زیادہ عالم ہو وہی زیادہ فقہی ہوتا ہے، کیونکہ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام سے ہٹ کر کسی چیز کا نام فقہات نہیں بلکہ جدلیات ہے۔

(۴) حضرت ابو بکر مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ہمارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں کہ ابو حنیفہ نے قرآن کو مخلوق کہا ہے، میں نے عرض کیا کہ الحمد للہ، اے ابو عبد اللہ (یہ امام احمد کی کنیت ہے) ان کا تو علم میں بڑا مقام ہے، فرمانے لگے، سبحان اللہ، وہ تو علم، ورع، زہد اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔ (مناقب الامام ابی حنیفۃ للذہبی ص ۲۷ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰)۔

علامہ ذہبی نے یہ قول بلا سند نقل کیا ہے، خطیب نے (تاریخ ص ۳۷۴ ج ۱۳) میں اس کی سند درج کی ہے۔ جو حسن درجہ کی ہے، بلاشبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کو مخلوق کہنے کے موقف سے رجوع کر لیا تھا (تفصیل للمحات سے دیکھ لی جائے) یہ بات ملحوظ رہے کہ خطیب نے جو متن درج کیا ہے، وہ صرف اتنا ہے۔

لم یصح عندنا ان ابا حنیفۃ کان یقول القرآن مخلوق۔

اگلے الفاظ روایت میں نہیں لہذا بے اصل ہیں۔

(۵) حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ نے ابو حنیفہ کی مثل نہیں دیکھا۔

(مناقب الامام ابی حنیفۃ للذہبی ص ۱۹)۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے، علماء تو یہ تھے، ابن عباس اپنے زمانے میں، امام شعیب اپنے زمانے میں اور ابو حنیفہ اپنے زمانے میں اور سفیان ثوری اپنے زمانے میں۔

(اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ ص ۷۶ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰)۔

پہلی روایت میں ایک راوی محمد بن عمر جبالی ہے علامہ ذہبی فرماتے ہیں، فاسق تھا، اور عقیدہ کے لحاظ سے رافضی تھا۔ (میزان ص ۶۷۰ ج ۳)۔

اور دوسری روایت جو مقلد انوار صاحب نے صمیری کی اخبار ابی حنیفہ سے نقل کی ہے، اس کی سند میں، عبد اللہ بن محمد اخلوانی راوی مجہول ہے، کتب رجال میں اس کے حالات دستیاب نہیں ہوئے پھر صحیح روایت میں امام ابو حنیفہ کا نام نہیں ہے، تفصیل کے لئے، التکمیل ص ۱۹۳ ج ۱ ملاحظہ کریں۔

(۶) شیخ الاسلام والمسلمین حضرت یزید بن ہارون فرماتے ہیں ابو حنیفہ پر ہیزگاری، پاکیزہ، صفات، زاہد، عالم، زبان کے سچے، اور اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، میں نے ان کے معاصرین میں سے جتنے لوگوں کو بھی پایا سب کو یہی کہتے سنا کہ اس نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

(اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ للصیمری ص ۳۶ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱)۔

اس کی سند میں، احمد بن عطیہ، راوی مجہول ہے جو اس روایت کی صحت کا مدعی ہے وہ بحوالہ اس کی

عدالت وثقات ذکر کرے۔

(۷) امام الجرح والتعديل حضرت یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں واللہ ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔

(مسعود بن شیبہ متوفی فی القرن السابع، مقدمة كتاب التعلیم ص ۱۳۴ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱)۔
مسعود بن شیبہ نے یہ روایت کہاں سے لی ہے، بحوالہ اس کی صراحت کی جائے اور کتاب التعلیم کا مصنف مسعود بن شیبہ مجہول ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے، لسان المیزان ص ۲۶ ۲۷ میں اور امام ابو زرہ عراقی نے ذیل ص ۱۳۸ ترجمہ نمبر ۶۸۸ میں صراحت کی ہے، التکنیل ص ۳۹۶ ج ۱)۔ جب اس کا راوی ہی مجہول ہے تو یہ روایت ناقابل قبول ہے بالخصوص جب کہ امام شافعی اور امام مالک جیسے اساطین علم پر طعن کرتا ہے، ملاحظہ ہو (طلیعة التکنیل ص ۶۳)۔

(۸) سید الحفاظ حضرت یحییٰ بن معین سے ایک بار ان کے شاگرد احمد بن محمد بغدادی نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو آپ نے فرمایا، سراپا عدالت ہیں، ثقہ ہیں، ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جس کی ابن مبارک اور کعب نے توثیق کی ہے۔

(حافظ الدین بن محمد المعروف بالکردی، مناقب ابی حنیفہ ص ۱۰۱ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱)۔

گردری میں یہ روایت نسفی کے حوالے سے ذکر کی گئی ہے، مگر اس کی سند درج نہیں ہے، اور بلاسند بات قابل حجت نہیں ہوا کرتی بالخصوص جب یحییٰ بن معین سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جرح موجود ہے، ملاحظہ ہو (کتاب السنة ص ۲۲۶ ج ۱ والضعفاء الكبير للعقيلي ص ۲۸۵ ج ۴ و ابن عدی ص ۴۷۳ ج ۷ و تاریخ بغداد ص ۴۴۹ ج ۱۳) اور اس کی سند بھی کم از کم حسن ہے، الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے۔

(۹) امام اہل بلخ حضرت خلف بن ایوب فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، آپ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کو، پھر تابعین سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کو ملا اس پر چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض۔

(ابو بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی تاریخ بغداد ص ۳۳۶ ج ۱۳ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲)۔

خلف بن ایوب کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے اور عقیدہ کے لحاظ سے مرجہی تھا، (تقریب) معروف حنفی مقلد تھا، اگر اس نے اپنے مطاع کے متعلق تعریفی کلمات کہہ دیئے ہوں تو کوئی مستحسن چیز نہیں آج بھی حنفی اپنے امام کو امت مرحومہ کا وارث گردانتے ہیں، مزید برآں اس کی سند میں، محمد بن خلف بن رجا، اور محمد بن سلمہ دو راوی ہیں جن کی عدالت معلوم نہیں کتب رجال میں اس نام کے کوئی

ایسے راوی نہیں جن کا شمار خلف بن ایوب کے شاگردوں میں ہوتا ہو، پھر یہ روایت جہاں ضعیف ہے وہاں ہی مقلد انوار صاحب اور ان جیسے دیگر مقلدین کے خلاف بھی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ کہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم دین حاصل کیا، مقلد ابو بلال جھنگوی لکھتا ہے۔ امام صاحب نے پچپن حج کیے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جا کر نمازیں پڑھی ہیں، جو کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کرتے دیکھا ہے۔ آپ کا آخری عمل سجدہ کر امام صاحب محفوظ فرما لیتے اور جو روایات خیر القرون میں صحابہ نے ترک کر دیں امام صاحب نے بھی ترک کر دیں اگر وہ روایات قابل عمل ہوتیں تو آپ کے یار ضرور عمل کرتے۔ (تحفہ اہل حدیث ص ۵۹)۔

جب کہ مقلد انوار صاحب کی درج کردہ مذکور روایت سے احناف کا یہ دعویٰ لچر اور فضول ثابت ہونے کے علاوہ یہ بھی متحقق ہو گیا ہے کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ تابعی نہیں تھے، دیکھئے مقلد انوار صاحب اپنی نقل کردہ روایت کا یہ پہلو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

(۱۰) محدث..... عبد اللہ بن داؤد الخریبی فرماتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عیب گوئی دو آدمیوں میں سے ایک کے سوا کوئی نہیں کرتا یا تو جاہل شخص جو آپ کے قول کا درجہ نہیں جانتا یا حاسد جو آپ کے علم سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے حسد کرتا ہے۔

(ابو عبد اللہ حسین بن علی الصیمری، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۷۹)۔

نیز فرماتے ہیں: مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابو حنیفہ کے لیے دعا کیا کریں، کیونکہ انہوں نے حدیث وفقہ کو ان کے لیے محفوظ کیا ہے۔

(تاریخ بغداد ص ۳۲۳ ج ۱۳)، (حدیث اور اہل حدیث)۔

(۱) محدث کے آگے جو نقاط ہیں مقلد انوار صاحب نے ہی لگائے ہیں، معلوم ایسے ہوتا ہے کہ مقلد انوار صاحب نے تاریخ بغداد میں، الخریبی، کا لفظ امام عبد اللہ کے ساتھ لکھا ہوا تو پڑھ لیا تھا۔ مگر بوجہ اس کا علم نہ تھا، اس لئے یہ جان نہ سکے کہ کہاں کے محدث و فقہی ہیں، اس لئے صرف لفظ محدث پر اکتفا کر گئے، لیجئے ہم صراحت کر دیتے ہیں، امام ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن داؤد الخریبی کوفہ کے رہنے والے تھے پھر بصرہ چلے گئے اور وہاں انہوں نے بصرہ کے محلہ، الخریبہ، میں اقامت اختیار کر لی، جس کی وجہ سے انہیں الخریبی کہا جاتا ہے۔ (الانساب للسمعانی ص ۴۰۶ ج ۲)۔

امید ہے کہ اب مقلد انوار صاحب اسے نمک مرچ لگا کر شکر یہ کے ساتھ درج کر لیں گے۔

(۲) صیمری کی روایت میں، محمد بن شجاع بغدادی حنفی ہے، عقیدہ کے لحاظ سے جمعیہ تھا، قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا منکر اور مخلوق ہونے کا قائل تھا، امام عثمان بن سعید داری نے اس کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابن شجاع بدعتی اور ہوائے نفس کا پوجاری تھا، امام ابن

عدی فرماتے ہیں جھوٹی روایات محدثین کے مثالب کے لئے وضع کرتا تھا۔ امام زکریا ساجی کہتے ہیں احادیث رسول کو رد کرنے اور اپنے مذہب (حنفی) کی تائید میں روایات وضع کرتا تھا کذاب ہے، ازدی کہتے ہیں بد مذہب ہونے کے علاوہ کذاب بھی تھا۔

(تہذیب الکمال ص ۳۴۴ ج ۶)، (میزان الاعتدال ص ۵۷۸ ج ۳)۔

اس سے نیچے کا روای محمد بن محمود صیدلانی مجہول ہے، صیدلانی سے معلوم ہوا کہ پنساری حنفی ہی ہیں۔ پھر اس سے نیچے کے دو روای محمد بن احمد مسکی، اور احمد بن صیدنی بھی مجہول ہیں۔ اور جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو تین مجہول ہوں، ان سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ثابت کرنا مقلد انوار صاحب کا ہی کام ہے۔

(۳) تاریخ بغداد کی روایت کا حال بھی ملاحظہ کرتے جائیے!

عبد اللہ بن داؤد خرمی سے روایت کرنے والا راوی ابو عبد اللہ الکاتب ہے۔ اور خطیب نے اسے تاریخ ص ۳۸۲ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔ مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ موصوف محتاج عدالت ہیں اس سے نیچے ایک راوی عبد الواحد نصیب ہے، جو مجہول الحال ہے، کتب رجال میں اس کا ترجمہ نہیں پایا جاتا، الغرض یہ روایت عبد اللہ بن داؤد خرمی پر بہتان ہے۔

(۴) یہ بات سرے سے غلط ہے کہ احادیث و فقہ کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے امت مرحومہ کے لئے محفوظ کیا ہے، یہ شرف محدثین کو حاصل ہے، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تو کوئی کتاب ہی نہیں ہے مقلد انوار صاحب کے معتمد جناب علامہ شبلی فرماتے ہیں ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے۔ لیکن تمام واقعات بھی لکھ دیئے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے، اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں ان کے سامنے ہیں، وہ جو چاہیں خود فیصلہ کریں، بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔

(سیرت النعمان ص ۱۳۹)۔

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو حنیفہ اور سفیان ثوری سے

نہ ملایا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا۔

(مناب الامام ابی حنیفہ للذہبی ص ۱۸ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳)۔

(۱) علامہ ذہبی نے یہ قول بلا سند اور بغیر حوالے کے نقل کیا ہے جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس

کی صحیح سند بیان کرے۔

(۲) احناف نے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کی ہے، تقلیدی بدعت کے علاوہ ان میں اور کوئی

بدعت نہیں ہونی چاہیے تھی، مگر ان میں عقائد کے علاوہ فروعات میں بھی بدعات ہیں، غالباً بریلوی

بدعات کا تو مقلد انوار صاحب بھی انکار نہیں کریں گے، ثابت ہوا کہ کسی شخص کا مجرد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے سے بدعتی نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ موصوف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ان کے قریب زمانے کے اکابر محدثین کے جو اقوال مناقب میں ذکر کئے ہیں ان کی حقیقت آپ کے سامنے ہے، کہ کوئی قول بھی بسند صحیح و حسن ثابت نہیں ہے۔ الغرض امام صاحب کے مناقب ثابت کرنے میں تا حال انوار صاحب ناکام رہے ہیں۔

علمائے اہل حدیث پر نظر کرم: محترم انوار صاحب نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بیان کرنے کے بعد نہایت فضول بحث اٹھائی ہے کہ اہل حدیث کو فقہ حنفی سے شدید نفرت ہے، اور ان کے فلاں مولوی صاحب کی علمی حیثیت یہ تھی، اور فلاں کی یہ تھی۔ دیکھئے! (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴ ۳۵)۔ اس کے جواب میں ہم سب سے پہلے مقلد انوار صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ کیا آپ کے نزدیک ہدایت علم پر موقوف ہے، نہیں قطعاً نہیں، پادری اکبر مسیح، پادری عبد اللہ آسٹم، پادری عماد الدین، پادری عبد الحق، برصغیر کے ہی نامور عیسائی پادری تھے، اور عربی زبان کے ماہر تھے، جدید عربی ڈکشنری المسجد اور اقرب الموارد کے مولفین عیسائی تھے، مرزا غلام احمد قادیانی نے عربی زبان میں ایک درجن کے قریب عربی کتب تحریر کی ہیں شاید آپ مرزا اور صاحب منجد کی عربی میں کیڑے نکالنا شروع کر دیں، مگر ہم آپ کو ایک ایسا عربی ادیب دکھاتے ہیں جس کے سامنے کسی دیوبندی کو دم مارنے کی گنجائش نہ رہے گی، وہ احمد بن حسین الکندی کو فی المعروف اکتھی ہے اس کا دیوان بطور ادب داخل درس نظامی ہے، اور انوار خورشید جیسے علامہ دیوان متبئی جیسا دیوان تیار کرنا تو کجا پڑھنے کی صلاحیت بھی شاید نہ رکھتے ہوں، تو کیا یہ ہدایت یافتہ تھے، انہیں صرف عربی جاننے کی وجہ سے بہشت کا ٹکٹ مل جائے گا، نہیں قطعاً نہیں، اس کے برعکس دیکھئے ملت اسلامیہ کے کتنے ہی بزرگ عربی زبان میں اتنی مہارت نہ رکھتے تھے۔ ابراہیم نخعی کے متعلق تو علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی عربیت اچھی نہ تھی بیشتر عبارات میں غلطی کرتے تھے۔ (میزان ص ۷۰ ج ۱)۔

امام مکحول جلیل القدر محدث ہیں مگر بوجہ عجمی ہونے کے حرف، قل، کو، بکل پڑھا کرتے تھے۔

(تہذیب الکمال ص ۲۱۸ ج ۷)۔

آپ کو یہ نظر آ گیا کہ اہل حدیث کا فلانا واعظ، اخی کی جمع غلط بتا گیا ہے۔ مگر یہ نظر نہ آیا کہ اسی گروہ میں عربی زبان پر مکمل عبور رکھنے والے بھی موجود ہیں، اگر اعتبار نہ ہو تو مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب، حیات عبدالحی، کا مطالعہ کر لیں جس میں انہوں نے نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کو ان چار عربی ادیبوں میں شامل کیا ہے جن کی تحریروں میں اہل زبان کی حلاوت و سلاست کے نمونے اور مطالب کی ادائیگی پر قدرت نظر آتی ہے۔ (حیات عبدالحی ص ۲۰۷)۔

برصغیر میں صرف میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ نے عربی زبان میں قرآن کی تفاسیر اور شروحات احادیث لکھی ہیں، ہمارے واعظین کی اغلاط نکالنے والوں نے کبھی اپنی حیثیت پر بھی غور کیا ہے؟ دیوبند کے شیخ الحدیث اور خاتمۃ الحفاظ، امام العصر انور شاہ کاشمیری کی عربیت پر تھوڑا بہت لکھ دو۔

اشیخ الحافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ نے الکتاب المستطاب، میں انور شاہ صاحب کی ساٹھ غلطیاں عربی عبارات سے نکالی ہیں۔ (الکتاب المستطاب ص ۱۶ تا ۱۷)۔ اس کو بھی جانے دیجئے آپ کے پیرومرشد اور دیوبندیوں کے مناظر اعظم ماسٹر امین اوکاڑوی عربی عبارات غلط پڑھا کرتا تھا، اسے فاعل مفعول کی تمیز تک نہ تھی حافظ ارشد، شاہد مسعود معاویہ وغیرہ سب جہلا کا ٹولہ ہے، اور آپ کے رد اہل حدیث میں مناظر اعظم ہیں مناظرہ جوہر آباد میں خاکسار نے شاہد مسعود کو کہا تھا کہ صرف دوسطر عربی عبارت صحت کے ساتھ پڑھ دو تو ایک ہزار روپیہ نقد انعام! یہ کہہ کر میں نے جیب سے ہزار روپیہ نکال کر ہاتھ میں لہراتے ہوئے کہا تھا کہ پڑھئے اور لیجئے، مگر اسے ہمت نہ ہوئی، پھر اپنی علمیت کا دعویٰ کرتے ہوئے انہیں شرم آنی چاہئے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ مقلد عالم نہیں جاہل ہوتا ہے، (اعلام الموقعین ص ۳۷ ج ۱)۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معراج:

مقلد انوار صاحب نے مولانا محمد اشرف سلیم صاحب کی کتاب، میزان المتکلمین ص ۱۳۶ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر معراج کرائی، پھر اس کی قرآن کریم کی آیت، ما قسلوہ وما صلبوہ، سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب معراج کے معنی سے بھی واقف نہیں بس تقریری ترنگ میں ہر نبی کو معراج کروا رہے ہیں، (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۸)۔

بلاشبہ مولانا مرحوم نے یہ لکھا ہے، مگر اس سے انہوں نے توبہ اور رجوع کر لیا تھا، جیسا کہ موصوف نے اعتراف کیا ہے کہ تقریری ترنگ میں کہہ گئے ہیں۔ بالکل درست بات ہے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ ہر نبی کو معراج ہوا ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر معراج ہوا تھا، حضرت استاذی المکرم اشیخ محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ نے انہیں جب اس غلطی پر تنبیہ کی تو انہوں نے اس سے توبہ اور رجوع کر لیا اور آئندہ اشاعت میں اس کی تلافی کرنے کا وعدہ فرمایا مگر عمر نے وفانہ کی اور وہ اصلاح کئے بغیر ہی فوت ہو گئے، یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ و کفی باللہ شہید۔

مگر یہ غلطی سب سے پہلے مولانا دوست محمد قریشی حنفی دیوبندی سے ہوئی تھی موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو آگ میں قرب نصیب ہوا ہو تو اس کے لئے معراج وہاں ٹھہرا، اگر کسی کو پانی میں جلوہ نصیب ہوا تو اس کے لئے معراج وہاں ٹھہرا، اگر کسی کو جو السماء ترقی نصیب ہوئی تو اس کے لئے وہاں،

اگر کسی کے لئے کنوئیں کے اندر پیغامات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے لئے وہاں، اگر کسی کو چھری کے نیچے دیدار نصیب ہوا تو اس کے لئے وہاں، بہر حال جس کو بھی معراج نصیب ہوا، فرش پر ہوا، اور سرور کائنات کو نصیب ہوا، تو عرش پر ہوا۔ (منہاج التبلیغ ص ۹۶)۔

بات ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے، آپ نے مولانا اشرف سلیم کو تو دھر لیا انہیں معراج کے معنی کا بھی علم نہ تھا۔ مگر آپ کے علامہ قریشی تو اچھے خاصے پڑھے لکھے اور منجے ہوئے مناظر تھے، کیا انہیں بھی معنی معراج نہیں آتا تھا؟۔

پھر جو السماء کی وضاحت بھی مطلوب ہے کہ فضا میں معراج کس نبی کو ہوا تھا، محترم کا، ماقلوہ وما صلبوہ، سے مولانا اشرف سلیم کی نام لے کر تردید کرنا اور علامہ قریشی کو نظر انداز کر جانا، تبلیغ حق میں اپنے اور پرانے کی تمیز پر مبنی ہے، ورنہ انہیں بھی ساتھ ملایا ہوتا، اور ساتھ مولانا عبید اللہ سندھی کو بھی دھر لیا ہوتا کہ یہ بھی، ماقلوہ کے منافی ہے۔ کیونکہ انہوں نے علی الاعلان کہا ہے کہ حیات مسیح کا عقیدہ یہودی و صابی کہانی ہے۔ (الہام الرحمن فی تفسیر القرآن ص ۲۴۰)۔

مقلدانوار صاحب ان کی بھی تردید پر دو چار سطور لکھ دیتے کہ یہودی حیات مسیح کے قائل نہیں وہ تو کہتے ہیں ہم نے انہیں قتل کر دیا ہے، جس کی نفی قرآن میں، ماقلوہ، سے کر دی گئی ہے آخر صرف مولانا اشرف سلیم ہی قابل گردن زدنی کیوں ہیں؟

محترم آپ کو ایک واعظ کی بات تو نظر آگئی مگر جماعت کے محققین کی تصریحات نظر نہ آئیں کہ جماعت اہل حدیث حیات مسیح کی قائل اور مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا سختی سے انکار کرتی ہے، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی، شہادۃ القرآن، مولانا محمد سلیمان منصور پوری کی، غایت المرام، اور تائید الاسلام، وغیرہ بیسیوں کتابیں اور رسائل علماء اہل حدیث کے شائع ہیں۔ خود خاکسار کی کتاب، مسئلہ حیات مسیح پر مناظرہ نارنگ منڈی، مطبوع ہے، شاذ اقوال پیش کر کے مطعون کرنا فی نفسہ قابل ملامت چیز ہے، اسی طرح کے شاذ مسائل سے فقہ حنفی بھری پڑی ہے، ان کی بھی خبر لیجئے، ایک ایک کا نام لے کر تردید کیجئے۔

حنفی مذہب کی حالت

ملاحظہ: عبارات مندرجہ ذیل سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زہد، ورع، تقویٰ، تقدس، طہارت، آخرت کے مرتبہ اور ثواب و درجات میں کسی طرح کا نقصان نہیں آسکتا، اور نہ آپ کی اولاد و شاگردوں کے مرتبہ میں، ہاں آپ کا اور آپ کے متعلقین کا پایہ حدیث میں کسی قدر گرا ہوا ضرور معلوم ہوتا ہے جس سے مذہب اثر لئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور علم حدیث:

تاریخ ابن خلدون جلد ۱ ص ۳۷۱ میں ہے کہ ”فابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ یقال بلغت روایتہ الی سبعة عشر حدیثاً“ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ حدیثیں پہنچی ہیں۔
(۲) قیام اللیل مطبوعہ لاہور ص ۱۳۳ میں قول عبد اللہ بن مبارک ”کان ابو حنیفۃ یتیمافی الحدیث“۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حدیث میں یتیم تھے۔

(۳) مناقب الشافعی للرازی میں قول امام احمد (لا رأی ولا حدیث)۔

نہ ان کی رائے کام کی ہے نہ حدیث، (یعنی حضرت امام ابو حنیفہ کی)۔

(۴) عمدہ الرعاۃ ص ۳۲ میں مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں کہ۔

واماروا یاتہ للاحادیث فہی وان کانت قلیلة بالنسبۃ الی غیرہ من المحدثین الا ان قلتہا لا تحط مرتبتہ۔

اور محدثین کی نسبت ان کی روایت گو کم ہیں مگر ان کی کمی ان کے مرتبے کو نہیں گھٹاتی۔

(۵) نظیر الامانی مطبوعہ چشمہ فیض ص ۲۲ میں بھی مولانا عبدالحی صاحب، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قلیل الروایۃ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

وهو هذا: فتقبل رواية قلیل الروایۃ کابی بکر من الصحابة واما منا الاعظم من الائمة۔
جس راوی سے کم حدیثیں مروی ہوں اس کی روایت بھی مقبول ہے جیسے ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابہ سے، اور ہمارے امام اعظم ائمہ دین سے ان سے روایتیں کم پہنچی۔

(۶) شرح ترمذی فارسی مولوی سراج الدین سرہندی حنفی ص ۲۲ میں ہے کہ ودر مذہب توشہ است کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ یک حدیث از رے (یعنی امام مالک) روایت کردہ واز مناقب دے ہمیں یک سخن کفایت می کند، مواہب میں کہا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث امام مالک سے روایت کی ہے یہی ان کے مناقب میں ایک بات کافی ہے۔

(۷) تاریخ ابن خلکان مطبوعہ ایران جلد ۲ ص ۱۰ میں ہے کہ:

قال الشافعی قال لی محمد بن الحسن ایہا اعلم صاحبنا ام صاحبکم یعنی ابا حنیفۃ وما لکا قال قلت علی الانصاف قال نعم قال قلت ناشدتک اللہ من اعلم بالقرآن صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتک اللہ من اعلم بالسنة صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتک اللہ من اعلم باقاویل اصحاب رسول اللہ صلعم المتقدمین صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم الشافعی فلم یبق الا القیاس لا یكون الا

علیٰ ہذہ الاشیاء فعلیٰ ای شیء نفیس۔

امام شافعی نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن حسن (جو امام ابوحنیفہ کے معزز شاگرد ہیں) کہنے لگے کہ بھلا بتلاؤ تو ہمارے استاد (ابوحنیفہ) بڑے عالم تھے یا تمہارے استاد (امام مالک) زیادہ علم رکھتے تھے میں نے کہا انصافاً انہوں نے کہا ہاں! میں نے کہا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا ہے؟ ہمارے استاد (امام مالک) یا تمہارے استاد (ابوحنیفہ) امام محمد نے کہا کہ اللہ گواہ ہے بے شک تمہارے استاد (امام مالک) قرآن کا زیادہ علم رکھتے تھے۔ پھر میں نے حدیث کی نسبت پوچھا اس میں بھی امام محمد نے یوں ہی اقرار کیا، پھر میں نے اقوال صحابہ کی نسبت پوچھا، اس میں بھی امام محمد نے اسی طرح اقرار کیا کہ امام مالک زیادہ جاننے والے تھے۔ میں نے کہا اب رہ گیا قیاس اور قیاس تو انہیں چیزوں (قرآن و حدیث) پر ہوتا ہے، تو اب کس بات میں دونوں کا مقابلہ کرو گے۔

مؤلف: بے شک ان کے علمی او عملی صداہا فضائل کے سامنے حدیث میں ایک حد تک کمی ہونے سے ان کی عظمت و شان میں کسی طرح کی کمی نہیں آسکتی۔

قلت کے اسباب

سبب اول: عدم تحصیل حدیث:

طحاوی مطبوعہ مکتبہ جلد ۱ ص ۳۵ ص ۲۶ ج ۱ طبع المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ میں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

قال ابو حنیفۃ لما اردت طلب العلم جعلت التخییر العلم وأستل عن عواقبها فقیل لی تعلم القرآن فقلت لعلہ اذا تعلمت القرآن وحفظته فما یكون آخره قالوا تجلس و یقرأ علیک الصبیان والاحداث ثم لا تلبث ان ینخرج منهم من هو احفظ منك او من یساویک فتذهب ریاستک فقلت ان سمعت الحدیث و کتبہ حتی لم یکن فی الدنیا احفظ من قالوا اذا کبرت حدثت واجتمع علیک لا تحدث والصبیان ثم لم تامن ان تعلق فیرموک بالکذب فیصیرها راعلیک قلت لاحاجۃ لی فی هذا ثم قلت اتعلم النحو فقلت اذا تعلمت النحو العربیۃ ما یكون آخر امری قالوا تقعد معلما فاکثر رزقک دینا ران الی ثلاثۃ قلت هذا لا عاقبہ له قلت فان نظرت فی الشعر فلم یکن اشعر منی ما یكون امری قالوا تمدح هذا فیہب لک او یحملك علی دابة او ینخلع علیک خلعه وان حرمک هجوتہ فصرت تقذف المحصنات

فقلت لا حاجة لی فی هذا فقلت فان نظرت فی الکلام ما یكون اخرة قالوا لا یسلم من نظر فی الکلام من شغاف الکلام فیرمی بالزندقة قلت فان تعلمت الفقه قالوا تسئل وتفتی الناس وتطلب للقضاء وان كنت شابا قلت لیس لی فی العلوم نفع من هذا افلزمتم الفقه واطلعتہ۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ جب میرا ارادہ علم حاصل کرنے کا ہوا تو میں تلاش کرنے لگا کہ کون سا علم اچھا ہے سو میں علموں کے فائدے پوچھنے لگا پس مجھ سے کہا گیا کہ قرآن کو سیکھوں میں نے کہا کہ اگر میں قرآن کو سیکھوں اور اس کو یاد کروں تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ لوگوں نے کہا کہ کسی مکتب خانہ میں بیٹھ کر لڑکوں کو پڑھاؤ گے اور کمن آدمی پڑھیں گے پھر کچھ عرصہ میں انہیں میں سے کوئی لڑکا تم سے بڑھ کر یا تمہاری مثل حافظ ہو جائے گا۔ تو تمہاری سرداری جاتی رہے گی میں نے کہا کہ اگر میں حدیث کو سنوں اور لکھوں اور اس میں ایسا کمال حاصل کروں کہ سب سے بڑھ کر محدث بن جاؤں۔ تو لوگوں نے کہا کہ جب تم بڑی عمر کے ہو جاؤ گے اور حدیث پڑھاتے رہو گے اور کم سن اور جوان لوگ تمہارے شاگرد ہوں گے اور تم بھولنے سے نہیں بچ سکتے تو تم پر طعن جھوٹ کا لگے گا۔ پس تم پر اس کا عار ہوگا۔ تو میں نے کہا کہ اس کی بھی مجھ کو حاجت نہیں، پھر میں نے کہا کہ نحو سیکھوں اور عربیت کو تو نتیجہ کیا ہوگا لوگوں نے کہا کہ معلم بنو گے اور اکثر تمہاری تنخواہ دو یا تین دینار ہوگی میں نے کہا اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں پھر میں نے کہا کہ اگر شاعری سیکھوں اور اس میں کمال پیدا کروں تو کیا نتیجہ ہوگا لوگوں نے کہا کہ تم کسی کی تعریف کرو گے وہ تم کو سواری اور خلعت دے گا، اگر نہیں دے گا تو تم اس کی ہجو کرو گے، پس بے عیبوں کو عیب لگاؤ گے۔ میں نے کہا کہ اس کی بھی کچھ حاجت نہیں، پھر میں نے کہا کہ اگر میں علم کلام یعنی منطق فلسفہ سیکھوں، لوگوں نے کہا کہ اس علم کا سیکھنے والا ناقص باتیں کرنے سے نہیں بچتا ہے پھر اس پر زندیق وغیرہ ہونے کا عیب لگ جاتا ہے پھر میں نے کہا کہ اگر میں فقہ کو سیکھوں لوگوں نے کہا کہ اگر فقہ سیکھو گے تو تم سے مسئلے پوچھے جائیگے فتوے لئے جائے گے اور قاضی و مفتی بنانے کے لئے بلایا جائے گا۔ اگرچہ تم اس سے بچنے والے ہو گے میں نے کہا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی علم زیادہ فائدہ مند نہیں ہے، پس میں نے فقہ کے علم کو خوب حاصل کیا۔

سبب دوم: عدم سفر در تلاش احادیث:

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النعمان مطبوعہ مجتہبائی ص ۷۰ میں لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے مزاج میں تکلف تھا اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاہ و قائم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے اس دن ان کو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنتے دیکھا، جس کی قیمت کم از کم

چار سو درہم ہوگی، چار پانچ دینار (اشرفی) کی چادر کو گندہ فرماتے اور اوڑھنے سے شرماتے۔ اور ایضاً صفحہ ۷۳ میں لکھتے ہیں کہ ایسے شخص کو طلب حدیث کے لئے عراق، حجاز، مصر، یمن، شام، کا سفر کرنا اور علم حدیث کی طالب علمی میں برسوں کا ٹٹا اور احادیث حفظ کرنی اور زحمت طول سفر اٹھانی دشوار بلکہ ناممکن کہنا چاہئے اس وقت حدیث کا ایک جگہ مجموعہ تو تھا ہی نہیں کہ اس کو منگا کر انسان فن حدیث میں شعور پیدا کر لیتا۔ اس زمانہ میں تو محدثین اہل روایت مقامات مختلفہ میں رہتے تھے۔ اور حدیثوں کے حافظ ہوتے تھے کسی کے پاس اجزاء بھی ہوتے تھے تو ایسے نہیں کہ مجموعہ حدیثوں کا پورا یا قدر معتمد مرتب ہو۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وجعفر بن محمد هو من أقران ابی حنیفة ولم یکن ابو حنیفة یاخذ عنہ مع شہرتہ بالعلم۔

جعفر بن محمد ابو حنیفہ کے ہم عصر تھے ابو حنیفہ نے ان سے علم نہیں حاصل کیا باوجود ان کی علم میں شہرت کے۔ (منہاج السنۃ ص ۲۴ ج ۲)۔

سبب سوئم: عدم تدوین احادیث:

(۱۱) چنانچہ عبد الوہاب شمرانی اپنی کتاب میزان کبریٰ جلد ۱ ص ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لیو عاش حتی دونت احادیث الشریعة وبعد رحیل الحفظ فی جمعہا من البلاد والثغور وظفر بہالاخذبہا وتترك كل قیاس كان قاسه وكان القیاس قل فی مذہبہ کما قل فی مذہب غیرہ بالنسبة الیہ۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ احادیث کے جمع ہو جانے تک اور حفاظ (حدیث) کے حدیثوں کے جمع کرنے کے لئے، (مختلف) بلاد اور اطراف ممالک اسلام میں پھرنے کے اور زندہ رہتے اور ان کی احادیث کو پاتے تو ضرور ان کو لیتے اور جو قیاس انہوں نے کئے ہیں وہ سب چھوڑ دیتے۔ اور ان کے مذہب میں قیاس کم ہوتی جیسا کہ اوروں کے مذہب میں کم ہے۔

(۱۲) نافع کبیر ص ۱۶ مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی فرماتے ہیں کہ

اعتقادنا واعتقاد كل منصف فی ابی حنیفة انه لو عاش حتی دونت احادیث الشریعة لاخذ بها وتترك كل قیاس كان قاسه۔

ہمارا اور ہر ایک منصف کا اعتقاد ابو حنیفہ کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے حدیثوں کے جمع ہو جانے تک تو احادیث کو لیتے اور تمام قیاسوں کو چھوڑ دیتے۔

(۱۳) میزان شمرانی مطبوعہ مصر ص ۵۵ میں ہے کہ

فان الحفاظ كانوا قد رحلوا في طلب الاحاديث وجمعها في عصرهم من المدائن والقرى ودونوها فجاءت الاحاديث الشريفة بعضها بعضا فهذا كان سبب كثرة القياس في مذهبه وقلته في مذاهب غيره۔

حفاظ،، حدیث کی طلب میں سفر کرتے تھے گاؤں اور شہروں سے اسے جمع کیا اور مدون کیا بعض حدیث بعض کے خلاف ہوئیں۔ اس وجہ سے ان (ابو حنیفہ) کے مذہب میں قیاس زیادہ ہوا اور دوسرے مذاہب میں کم۔

(۱۴) دراسات اللیب مطبوعہ لاہور ص ۵۴ میں ملا معین الدین فرماتے ہیں کہ:

لو عاش ابو حنیفة الی تصحیح الاحادیث لترك القیاس۔
ترجمہ۔ اگر زندہ رہتے ابو حنیفہ تصحیح احادیث تک تو چھوڑ دیتے قیاس کو۔

سبب چہارم: قلت عربیت

(۱۵) تاریخ ابن خلکان مطبوعہ ایران جلد ۲ ص ۲۹۶ میں ہے کہ

وقد ذكر الخطیب فی تاریخه منها شیئا كثيرا ثم اعقب ذلك بدكر ما كان الالیحق تركه الا ضراب عند فمثل هذا لامام لايشان فی دینه ولا فی ورعه وحفظه ولم یکن یعباب بشئی بصوی قلته العربیة۔

ترجمہ: خطیب نے اپنی تاریخ میں مناقب میں سے بہت بیان کر کے معائب بیان کیے ہیں، جن کا ذکر نہ کرنا مناسب تھا کیونکہ بڑا امام جس کی دیانت اور ورع میں کوئی طعنہ نہیں نہ ان کی ذات میں سوائے عربیت کی کمی کے کوئی عیب نہ تھا۔

یہ پندرہ عبارات مؤلف حقیقت الفقه نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قلت احادیث کے متعلق بیان کی تھیں اور تفصیل کے ساتھ چار سبب بھی بیان کئے تھے مقلد انوار صاحب نے ان پندرہ حوالوں میں سے صرف چار کو ہاتھ لگایا ہے بقایا گیارہ کو اپنے بھائیوں کی گیارہوں کے لیے ترک کر دیا ہے۔

ابن خلدون کی عبارت

اس پر مقلد انوار صاحب نے متعدد اعتراض کیے ہیں (۱) ترجمہ غلط کیا ہے، (۲) روایت میں قلیل ہونا کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ اس سے علم حدیث سے ناواقفی یا واقفیت کا تھوڑا ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے ممکن ہے کہ محدث فور علم کے باوجود حزم و احتیاط کی بنا پر حدیث کی آگے روایت کم کرے (۳) ابن خلدون نے امام صاحب کے متعلق جو کہا ہے وہ ان کے قلیل الروایت ہونے کی تمثیل

میں کہا ہے، بطور طعن یا اعتراض کے نہیں کہا۔

(۴) ابن خلدون نے اسے بصیغہ تمریض ذکر کیا ہے، جو خود اس کے ضعف اور مرجوحیت کی دلیل

ہے۔

(۵) ابن خلدون کا یہ اپنا قول نہیں بلکہ انہوں نے اسے مجہول کے صیغہ یقال سے ذکر کیا ہے، جس

کا مطلب ہے کہ، کہا جاتا ہے۔

(۶) ابن خلدون کو عظیم مورخ اسلام ہیں لیکن انہیں ائمہ کرام کی مرویات کا صحیح علم نہیں ہے،

(۷) امام صاحب کے کثیر تعداد میں شاگرد ہیں، بعض متاخرین نے آپ کے آٹھ سوشاگردوں کی

فہرست لکھی ہے (الخیرات الحسان ص ۲۴) عبداللہ بن یزید نے امام صاحب سے نو سو احادیث سنی تھیں۔

(۸) امام صاحب کی پندرہ مسانید ہیں، جن میں سے چار آپ کے شاگردوں نے بلا واسطہ آپ

سے روایت کی ہیں، ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ کی تصانیف مثلاً امام محمد کی موطا، کتاب الحج، سیر کبیر،

قاضی ابو یوسف کی، کتاب الخراج اور امالی، نیز مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہزاروں

روایات بسند متصل روایت کی گئی ہیں، امام صاحب کی کتاب الاثار میں تقریباً نو سو احادیث ہیں جن کا

انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

(مناقب ابی حنیفہ للموفق ص ۸۴ ذیل الجواہر المنضیہ ص ۷۴ ج ۲) (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۶۲۲)۔

الجواب: اولاً: انہوں نے ترجمہ درست کیا ہے، یہ صرف آپ کے فہم کا قصور ہے، اگر وہ بھی تسلیم

کر لیا جائے جو معنی آپ نے کیا ہے، تب بھی اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کی مرویات سترہ سے زیادہ

ہیں۔ آپ ہمت کر کے صحیح اسناد اور متون کے ساتھ اس تعداد سے زیادہ ثابت کر دیں۔

ثانیاً: رہا آپ کا یہ کہنا کہ قلت روایت عیب نہیں جیسا کہ خلفاء الراشدین بالخصوص سیدنا ابو بکر رضی اللہ

کی روایات کم ہیں۔ غلط بیانی ہے آپ پہلی فرصت میں مسند احمد کی پہلی جلد اٹھا کر ملاحظہ کریں اس میں

سیدنا ابو بکر رضی اللہ سے بیسی روایات ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ سے تین سو اٹھارہ ۳۱۸ روایات مروی ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ سے ایک سو باسٹھ ۱۶۲ روایات مروی ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ سے آٹھ سو اکیس ۸۲۱ روایات مروی ہے۔

کیا کوئی دانا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ قلیل روایات ہیں، پھر اپنی مثال پر غور کریں خلفاء الراشدین کو

تو امور خلافت، سیاست، اقامت حدود اور بعثت حیوش کی بے پناہ مصروفیات تھیں، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ

تو نبی مکرم ﷺ کے بعد تھوڑا عرصہ زندہ رہے، اور فتنوں کو سر کرتے ہی موت کا پیغام آ گیا، لہذا سیدنا

ابو بکر رضی اللہ پر قیاس کرنا فضول ہے۔

ثالثاً: رہا یہ مسئلہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات بوجہ احتیاط کم ہیں، غلط محض ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو مرسل، منقطع، کے علاوہ ضعیف راویوں سے بلکہ دجال و کذاب راویوں سے بھی روایات لے کر بیان کر دیتے تھے۔ تفصیل کے لئے دین الحق ص ۱۷، اور تحفہ حنیفہ ص ۱۷ کی مراجعت کر لیں۔

رابعاً: چلو آپ کی بات ہی تسلیم کر لیتے ہیں کہ ابن خلدون نے بطور طعن ذکر نہیں کیا بلکہ حقیقت الامر کا اظہار کیا ہے۔ تو کیا اس سے امام صاحب کا کثیر الحدیث ہونا ثابت ہو جائے گا۔ محترم نہیں، اگر کوئی آپ کو بطور طعن نہیں صرف اظہار حقیقت کے لئے ہی کہہ دے کہ مقلد انوار خورشید صاحب انگریزی زبان نہیں جانتے، تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ مقلد انوار صاحب انگریزی زبان کے ماسٹر ہیں اور فی البدیہہ اس میں تقریر کر سکتے ہیں، آخر اتنے بڑے فاضل ہیں نو سو صفحات کی کتاب کے مؤلف ہیں، جامعہ مدنیہ میں استاد ہیں، لہذا کہنے والے نے چونکہ بطور طعن نہیں کہا لہذا انگریزی زبان ان کے ہاتھ کی چھڑی ہے، کوئی دانا تو یہ مطلب نہیں لے گا، ہاں کوئی دیوبندی یہ مفہوم بیان کرے تو بعید نہیں آخر اسی امام کے مقلد ہیں جو کلثمی و پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتا تھا۔

خامساً: صیغہ تمریض ہر جگہ ضعف کے لئے نہیں آتا، دیکھئے! (مقدمہ عمدہ الرعیۃ ص ۱۷)۔

سادساً: رہا یہ کہ یہ کہنے والے مجہول ہیں، محترم کی اپنی جہالت ہے، ورنہ یہ بات کہنے والے جلیل القدر محدث ہیں، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لم یکن الحدیث ضاعاً، حدث بمائتہ و ثلاثین حدیث مسانید مالہ حدیث فی الدنیا غیرہا اخطا منها فی مائتہ و عشرين حدیثاً، اما ان یکون اقلب اسنادہ او غیر متنہ من حیث لا یعلم، فلما غلب خطوہ علی صوابہ استحق ترک الاحتجاج بہ فی الاخبار۔

یعنی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فن نہ تھا، انہوں نے ایک سو تیس مسند روایات بیان کی ہیں۔ ان کے علاوہ اور ان کی روایات نہیں ہیں اور ان میں سے ایک سو بیس کی اسانید و متون بیان کرنے میں انہوں نے غلطی کی ہے، لہذا جب ان کی خطائیں زیادہ ہیں تو ان کی احادیث سے استدلال صحیح نہیں

ہے۔ (کتاب المجروحین ص ۴۰۶ ج ۲ رقم الترجمہ ۱۱۲۵)۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے فرماتے ہیں:

جميع ما روى ابو حنيفة من الحدیث مائتہ و خمسون حدیثاً اخطا فی نصفہا۔

امام ابو حنیفہ نے ڈیڑھ سو روایات بیان کی ہیں اور ان میں سے نصف میں غلطی کی ہے۔

(تاریخ بغداد ص ۳۱۸ ج ۱۳)۔

امام ابن عدی فرماتے ہیں:

وعامة ما بروى غلط و تصاحيف و زيادات فى اسانيد و متونها و تصاحيف فى الرجال

وعمامة ما يرويه كذلك ولم يصح له في جميع ما يرويه الابضة عشر حديثا لانه ليس هو من اهل حديث ولا يحمل على ما تكون هذه صورته في الحديث۔

یعنی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ عموماً جو روایت کرتے ہیں ان میں تعحیف غلطیوں کے علاوہ اسانید و متون میں زیادات ہیں ان کی عموماً روایات اسی طرح کی ہیں۔ ان کی تمام مرویات غیر صحیح ہیں صرف بیس سے کم روایات۔ کیونکہ وہ اہل حدیث (محدثین) میں سے نہ تھے جس کی مرویات کا یہ حال ہو، اس سے روایت نہیں لینی چاہئے۔ (الکامل فی الضعفاء لابن عدی ص ۲۴۷۹ ج ۷)۔

امید ہے کہ مقلد انوار صاحب کی ان عبارات اکابر سے تسلی ہو جائے گی کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد بتانے والے مجہول نہیں بلکہ معروف وثقہ و ثبت ہیں۔

سابعاً: جب آئمہ و محدثین سے ابن خلدون کی بات کی توثیق ہوگئی تو یہ سوال خود بخود ہی ختم ہو گیا کہ ان کی تحقیق صحیح نہیں۔

ثامناً: آپ کا الخیرات الحسان ص ۲۴ سے نقل کرنا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سوشاگرد ہیں، کوئی وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ خیرات الحسان کا مؤلف دسویں صدی ہجری کا آدمی ہے اس کی بات کو بے دلیل کیسے تسلیم کر لیا جائے، بالخصوص جب اس نے اسے صیغہ تمیر یض، قیل سے ذکر کیا ہے اور یہ آپ کے نزدیک ضعف کی دلیل ہے، رہا آپ کا کردری سے نقل کرنا کہ عبد اللہ بن یزید مقرئ مکی نے آپ سے نو سو روایات نقل کی ہیں، یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے، کردری نویں صدی ہجری کا ہے، اور امام عبد اللہ بن یزید مقرئ تیسری ہجری کے پہلے ربع میں فوت ہوئے درمیان میں چھ صدیاں کا طویل زمانہ حائل ہے، اور کردری بغیر سند و حوالے کے بات لکھ رہا ہے۔ تحقیقی دنیا میں اس کی حیثیت ایک دمڑی کی نہیں۔

تاسعاً: انوار صاحب کا پندرہ مسانید کو پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انوار خورشید واقعی مقلد ابو حنیفہ ہونے کی وجہ سے لکڑی کو سونا ثابت کر سکتا ہے۔ محترم جامع المسانید کا مؤلف ابو مؤید محمد بن محمود خوافی المتوفی ۶۵۵ھ مجہول الحال ہے کتب رجال میں اس کی عدالت وثقات ثابت نہیں، علامہ قریشی حنفی نے الجواہر المصیہ ص ۱۲۳ ج ۲ میں مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے، الفوائد البہیہ میں اس کے حالات زندگی لکھے ہیں مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، اور یہ ۵۹۳ھ میں پیدا ہوا اور ۶۵۵ھ میں فوت ہوا، جب کہ امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے درمیان پانچ صدیوں کا زمانہ ہے۔ اور اس کی اسنادی حیثیت اس قدر گری ہوئی ہے کہ شاید ہی کوئی روایت کذاب و متروک اور ضعیف و سنی الحفظ راوی سے خالی ہو۔

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں مسند خوافی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے، خوافی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی

ہیں، قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہم عصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسند کہا جاسکتا ہے، لیکن خوازی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے، وہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں، اور گناہ مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں، ان لوگوں نے ان کو بلند نام کرنا چاہا، حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں، جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے..... اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان، کامل ابن عدی، تصنیفات خطیب و ابو نعیم و جوزجانی و ابن عساکر و ابن نجار میں مل سکتی ہیں، مسند خوازی بھی قریباً اس طبقے میں داخل ہے۔

(سیرۃ النعمان ص ۱۴۴، ۱۴۵)۔

عاشرا: انوار صاحب کا بحوالہ موفق کہنا کہ کتاب الاثار کو چالیس ہزار روایات سے انتخاب کیا تھا، کوئی مستند بات نہیں کیونکہ اس کا راوی محمد بن شجاع معروف کذاب ہے، اسے ابن عدی اور زکریا ساہجی نے کذاب قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۵۷۸ ج ۳)۔

کتاب الاثار امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں بلکہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے اس نام سے کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام صاحب کی مرویات بھی ہیں، مگر ان کی حیثیت موطا امام مالک جیسی نہیں کیونکہ خود امام صاحب کی تصنیف نہیں، پھر اس میں ضعیف و موضوع من گھڑت باطل اور جعلی روایات بھی ہیں، اور ایسی روایات بھی ہیں جن پر خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عمل نہ تھا۔ کتاب الاثار لابی یوسف کی پہلی روایت کی سند میں امام ابو حنیفہ کا استاد ابوسفیان طریف بن شہاب راوی ضعیف ہے۔

(تقریب ص ۱۵۶)۔

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس کی تضعیف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ (تہذیب ص ۱۲ ج ۵)۔ قطع نظر اس کے کہ اس کی سند جیسی ویسی بھی ہے، یہ حنفیہ کے متعدد مسائل کے خلاف ہے اس میں، و التکبیر تحریمہا، یعنی نماز کا تحریمہ، اللہ اکبر، ہے، مگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک فارسی زبان میں بھی تحریمہ باندھا جاسکتا ہے۔ (الکامل لابن عدی ص ۲۴۷۳ ج ۷)۔

پھر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ والتسلیم تحلیہا، ان الفاظ کا مفاد ہے کہ سلام پھیرے بغیر نماز مکمل نہ ہوگی، مگر احناف کے نزدیک اگر جان بوجھ کر کوئی منافی نماز کام کیا جائے تو نماز مکمل ہوگی۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز ص ۳۶۱) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کی ابتداء، اللہ اکبر، سے ہوتی ہے، بلقذ دیگر یہ نماز کا جزو ہے، مگر احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہے۔ (شرح نقایہ

ص ۶۷ ج ۱ و نماز مسنون ص ۲۸۰)۔

یعنی خارج نماز ہے، مزید برآں کہ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ، لا تجزی صلوة الا بفاتحة الكتاب ومعها شئ، اور ان الفاظ کا یہ مفاد ہے کہ کسی شخص کی نماز نہیں ہوتی خواہ وہ مقتدی ہو یا امام و منفرد ہو جتنی دیر تک وہ سورہ فاتحہ کے ساتھ تھوڑا سا اور قرآن نہ پڑھے مگر حنفی اس کے برعکس کہتے ہیں۔ آخر میں ایک اور لطیفہ بھی ملاحظہ کریں کہ ابوسفیان طریف بن شہاب سے متعدد راویوں نے یہ روایت لی ہے مگر کسی کی روایت میں، وفی کل رکعتین تسلیم، کے الفاظ نہیں یہ صرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کئے ہیں دیکھئے!

(الکامل لابن عدی ص ۲۳۷۸ ج ۷)۔

دیکھتے جانا کتاب الاثار کی پہلی روایت ہے، اس سے حنفیہ کے تین مسائل باطل ثابت ہوتے ہیں، سند اس کی ضعیف ہے اور متن میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ یہ اب بھی عامل بالحدیث کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے نہیں، اور یہ کہتے ہوئے بھی حیا نہیں آتا کہ ابوحنیفہ کی شرائط سخت تھیں اس لئے قلیل الحدیث ہیں۔ صرف اس ایک مثال سے ہی باقی کتاب کو قیاس کر لیں۔

الحادی عشر: رہا انوار صاحب کا یہ دعویٰ باطل کہ فلاں فلاں کتاب میں ہزاروں روایتیں متصل اسناد سے مروی ہیں تو یہ ان کا زعم فاسد ہے، ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کتب سے صرف بیس روایات اصول حدیث کی رو سے صحیح دکھا دیں، ہم مکرر وضاحت کر دیتے ہیں کہ الف: سند متصل ہو، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اوپر اور نیچے کی اسناد میں کوئی ضعیف و متروک اور سببی الحفظ راوی نہ ہو، ج، امام صاحب نے جس راوی سے وہ روایت نقل کی ہے انہیں الفاظ میں دیگر ثقہ راویوں نے بھی وہ روایت کی ہو، یعنی امام صاحب کا تفرد نہ ہو، کیونکہ محدثین کی تصریحات کے مطابق امام صاحب سببی الحفظ ہیں۔

امام عبد اللہ بن مبارک کا قول:

اس کے جواب میں انوار صاحب نے لمبی چوڑی تقریر کی ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ امام عبد اللہ بن مبارک نے امام ابوحنیفہ کے علم کی تعریف کی ہے۔

مناقب ابی حنیفہ للموفق مکی ص ۳۰۹ و ۳۰۷ میں ہے کہ،

(۱) اگر میں ابوحنیفہ سے نہ ملتا تو علم میں مفلس ہوتا۔

(۲) تم پر لازم ہے اثر (حدیث) کا علم اور اثر (حدیث) کا علم حاصل کرنے کے لئے ابوحنیفہ

لازمی ہیں کیونکہ انہی سے حدیث کا معنی اور مفہوم حاصل ہو سکتا ہے۔

(۳) یہ نہ کہہ کہ ابوحنیفہ کی یہ رائے ہے، بلکہ یہ کہو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے۔ ان اقوال کی روشنی میں،

یتیمانی الحدیث، کے معنی ہوں گے کہ حضرت امام صاحب حدیث میں نفیس و یگانہ روزگار تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۱، ۵۲)۔

الجواب: : اولاً: ان تینوں اقوال کو نقل کرنے والا الحارثی کذاب ہے، جو وضع احادیث سے متہم

ہے۔ (میزان ص ۴۹۶ ج ۲، لسان ص ۳۴۹ ج ۳)۔

اور موفق مکی، وہ بہ قال، کہہ کر اس سے ہی نقل کیا ہے۔

ثانیاً: یتیمانی الحدیث، کا جو معنی انوار صاحب نے کیا ہے وہ بدترین تحریف معنوی کی مثال ہے، امام عبد اللہ بن مبارک نے صرف یتیم ہی نہیں کہا بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ

كان ابو حنیفة مسکینا فی الحدیث۔

یعنی ابو حنیفہ حدیث میں مسکین تھے۔ (الجرح والتعدیل ص ۴۰ ج ۸)۔

لہذا مسکین کے الفاظ ہوتے ہوئے یتیم کا معنی یگانہ روز کرنا توجیہ القول بمالایرضی بہ قائلہ، کے

مصدق ہے۔

تخصیص علم کی روایت:

مولانا محمد یوسف مرحوم نے حقیقت الفقہ میں درمختار کے حاشیہ طحاوی سے ایک روایت نقل کی تھی، انوار صاحب نے علامہ ذہبی اور شبلی نعمانی سے اس کی تردید نقل کی ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔ اور خدا سے غارت کرے جس نے یہ خرافات گھڑی ہیں، اور ایسے جاہلانہ ریمارکس ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کیے جاسکتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۳)۔

الجواب: : طحاوی نے یہ روایت (تاریخ بغداد ص ۳۳۶ ج ۱۳) سے نقل کی ہے، اور اس سے امام صاحب کا علم کی طرف متوجہ ہونا نقل کیا ہے، اور اسے تسلیم کیا ہے۔ جب آپ کے بڑوں نے اسے قبول کیا ہے تو جناب کا علامہ ذہبی اور شبلی سے رد کرنے کا کوئی جواز نہیں، ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی سند وضعی ہے کیونکہ اس کا بیان کرنے والا معروف حنفی محمد بن شجاع حنفی کذاب ہے، اور اس نے ہی حسن بن مالک کے واسطے سے قاضی ابو یوسف سے نقل کی ہے، مقلد انوار صاحب نے جو مناقب ابو حنیفہ نقل کیے ہیں وہ بھی تقریباً اس کی یا اس جیسے کی اسناد سے ہیں، علامہ ذہبی کی بددعا تو انوار صاحب نے نقل کر دی مگر یہ صراحت نہیں کی کہ یہ بددعا آئمہ احناف پر پڑتی ہے، کیونکہ اگر یہ وضعی ہے تو اسے وضع کرنے والا حنفی فاضل اور بیان کرنے والا بھی حنفی ہے، لہذا مولف حقیقت الفقہ کو مطعون کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

علامہ شبلی کی عبارت:

موصوف کو شکوہ ہے کہ مؤلف حقیقت الفقہ نے ایک عبارت بنا کر علامہ شبلی نعمانی کی تالیف، سیرۃ النعمان، کی طرف منسوب کی ہے، میں نے فلاں فلاں نسخہ سے اس کی مراجعت کر لی ہے، مگر وہاں نہیں ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵، ۵۶)۔

الجواب: محترم آپ کی تحقیق ناقص ہے علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان پر مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کا جب تبصرہ، حسن البیان، کے نام سے شائع ہوا تو علامہ موصوف نے سیرۃ النعمان میں حک و اضافہ کر دیا تھا، جیسا کہ مولانا عطاء اللہ حنیف نے، حسن البیان کے ابتدا میں صراحت کی ہے، اس لیے مقلد انوار صاحب اس اشاعت کی مراجعت کریں جس کا حوالہ مولانا جے پوری نے دیا ہے اور انہوں نے عبارت نقل کرتے وقت صراحت کی ہے کہ مطبوعہ مجبائی، لہذا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں نسخے کی مراجعت کر لی گئی ہے اس میں ایسی کوئی عبارت نہیں، محض دفع الوقتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اجماع صحابہ:

علامہ کمال الدین دمیری فرماتے ہیں:

(الجنین) هو ما يوجد في بطن البهيمة بعد ذبحها فان وجد ميتا بعد ذبحها فهو حلال
باجتماع الصحابة كما نقله الماوردي في الحاوي وبه قال مالك والاوزاعي والثوري وابو
يوسف ومحمد واسحاق والامام احمد وتفرد ابو حنيفة بتحريمه اكله۔

جنین وہ بچہ ہے جو چوپایہ کے پیٹ میں ذبح کے بعد نکلے، اگر ذبح کے بعد وہ بچہ مردہ ہو تو باجماع صحابہ حلال ہے۔ جیسا کہ مارودی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اور یہی مذہب امام مالک اور امام اوزاعی اور سفیان ثوری اور ابو یوسف اور محمد اور اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف اکیلے اس کو کھانا حرام کہتے ہیں۔

(حیاء الحيوان کبریٰ ص ۱۸۱ ج ۱ مطبوعہ مصر)۔

مقلد انوار صاحب نے اس پر لمبی چوڑی تقریر کی ہے۔ وہ پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کا کوئی شخص لکھ رہا ہے آئیے آپ بھی ملاحظہ کریں فرماتے ہیں۔ جے پوری صاحب نے یہاں بھی بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ادھوری عبارت نقل کی ہے، حیوة الحیوان میں مذکورہ عبارت میں، بتحریم اکلہ، کے بعد یہ عبارت ہے۔

محتجا بقوله تعالى حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالِدَمُّ وَقَوْلُهُ اجْلَتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ السَّمَكِ

والجراد والكبد والطحان وهذه ميتت ثالثة لم تذكر۔ (حیوة الحيوان ص ۳۰۷ ج ۱)۔
حضرت امام صاحب نے اس کی تحریم کا قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے
کیا ہے کہ حرام کیا گیا ہے تمہارے لئے مردار اور خون کو، نیز حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمان
سے بھی استدلال کیا ہے کہ حلال کئے گئے ہیں ہمارے لئے دو مردار اور خون یعنی مچھلی اور ٹڈی، جگر اور
تلی، جنین، جو مرا ہوا نکلے وہ تیسرا مردار ہے جس کا تذکرہ حدیث میں نہیں ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۸)۔

الجواب: اولاً مردہ مچھلی اور ٹڈی کی حلت مان کر آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ آیت قرآن عام نہیں
خاص ہے، جس طرح مردہ مچھلی اور ٹڈی کی حلت پر حدیث ہے اس طرح جنین کی حلت پر بھی احادیث
موجود ہیں صرف ایک حدیث بیان کی جاتی ہے۔

عن ابی سعید قال سألت رسول اللہ ﷺ فقال كلوه ان شئتم وقال مسدد قلنا يا رسول
اللہ ﷺ نحر الناقة ونذبح البقرة والشاة فنجد في بطنها الجنين أنلقیه ام ناكله؟ قال: كلوه
ان شئتم فان ذكاته ذكاة امه۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جنین کے متعلق سوال کیا
تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر تمہارا دل چاہے تو کھا لو، (راوی حدیث) مسد (کی روایت
میں یہ الفاظ ہیں کہ) ہم صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ اونٹ، گائے، اور بکری ذبح
کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں تو کیا ہم لوگ اس کو پھینک دیں یا کھالیں؟ تو آپ
علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اگر چاہو تو کھا لو، بلاشبہ اس بچے کی ماں کو ذبح کرنا اس بچے کا ہی ذبح کرنا
ہے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الضحایا باب ما جاء فی ذکاة الجنین، الحدیث ۲۸۲۷)۔ سنن
ترمذی (۱۳۷۶) ابن ماجہ (۳۱۹۹) مسند احمد ۳/۳۱، ۵۳ و ابن جارود (۹۰۰) وابن حبان
(۱۰۷۷) وغیرہ۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے، زیلعی نے، (نصب الرایۃ ص ۱۸۹ ج ۲) میں
منذری سے اس کی تحسین نقل کر کے سکوت کیا ہے، علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

(ارواء العلیل ص ۱۷۲ ج ۸)۔

یہ صحیح حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پیٹ سے نکلا ہوا بچہ حلال و طیب ہے اس کی ماں کا ذبح
ہونا ہی بچے کا ذبح ہونا ہے۔ مگر مقلد انوار صاحب اسے مردار قرار دے کر قرآن کی آیت، حرمت
علیکم المیتة، سے استدلال کر رہے ہیں، حالانکہ جنین بحکم حدیث مردار ہے ہی نہیں کیونکہ ہمارے

پیارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ مذبح کہہ رہے ہیں اور ماں کے ذبح ہونے کو بچے کا ذبح ہونا قرار دیتے ہیں اور مقلد انوار صاحب اسے مردار کہہ رہے ہیں اور پھر موصوف کا یہ کہنا کہ آیت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے۔ شاید محترم نے قطعی الدلالت کا صرف نام سنا ہے، محترم قطعی الدلالت تب ہوتی ہے جب آپ جنین کا مردہ ہونا ثابت کرتے، اسے تو اللہ کے رسول ﷺ مذبح کہہ رہے ہیں، آپ قرآن کی تفسیر بالرائے سے اسے مردار قرار دے رہے ہیں اور جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ جنین کے حق میں آیت قطعی الدلالت ہے۔

محترم آگے فرماتے ہیں کہ بالاجماع ان احادیث کے عموم پر عمل نہیں کیا گیا کیونکہ جنین اگر زندہ نکل آتا ہے تو بالاتفاق سب کے نزدیک اس کا مستقلاً ذبح کرنا ضروری ہے۔ (۵۹)۔

جناب والا! جب وہ زندہ نکل آیا تو ذبح نہ ہوا، اور ماں کے پیٹ سے نکل آنے کی وجہ سے ماں میں داخل نہ رہا، جب وہ ماں کا جز نہ رہا تو اس کے مذبح ہونے سے وہ ذبح نہ ہوا لہذا اسے علیحدہ ذبح کیا جائے گا، محترم نے یہ بھی خوب فرمایا کہ ذبح کرنا ضروری ہے۔ گویا اگر کوئی پالنا چاہے تو مقلد انوار صاحب اسے اجازت دینے کے لئے تیار ہیں، شاید قرآن کے لفظ میتہ کے خلاف ہے۔

ایک عذر یہ بھی کیا ہے کہ جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں تاویل احتمال ہے۔ یعنی ذکوۃ امہ کے معنی ہیں کذکوۃ امہ، یعنی جنین کا ذبح ایسے ہی ہے جیسے اس کی ماں کا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۹)۔

یہ تاویل نہیں تحریف ہے کیونکہ ظاہر حدیث کا اس کے خلاف ہے، حدیث کے الفاظ کلسوہ ان شنتم (اگر چاہو تو کھا سکتے ہو)۔ اس تحریف کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں۔

و دلیل علی ان المراد بقولہ فان ذکاتہ امہ، ارید بہ ان ما طیب امہ من الذبح طیبہ۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۹۰)۔

اکابر احناف کو بھی یہی معنی مسلم ہے۔ مقلد مولوی ناظم الدین صاحب دیوبندی ذکوۃ الجنین ذکوۃ امہ، کا معنی کرتے ہیں ماں کے ذبح کرنے سے اس کے پیٹ کا بچہ (جنین) بھی حلال ہو جاتا ہے۔ (سنن ترمذی ص ۵۹ ج ۱ طبع لاہور ناشر مکتبہ دار العلم)۔

دارالعلوم دیوبند کے رفیق الافقاء مقلد مولوی خورشید حسن قاسمی صاحب اس کا معنی کرتے ہیں کہ بلاشبہ اس بچہ کی ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کا ہی ذبح کرنا ہے۔

(ترجمہ سنن ابو داؤد ص ۴۷ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ دار العلم لاہور) نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی اس کا معنی کرتے ہیں کہ ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کا بھی ذبح کرنا ہے۔

(مظاہر حق جدید ص ۴۳ ج ۴ ناشر دار الاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء)

معنوی تحریف کے بعد فرماتے ہیں سب کی سب احادیث ضعیف ہیں، (صفحہ ۵۹)۔ لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں دی کیوں ضعیف ہیں، جب تک سب جرح بیان نہ کریں، آپ کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ آگے فرماتے ہیں۔

باقی رہا ماوردی کا اجماع صحابہ کا دعویٰ کرنا تو یہ بلا دلیل ہے، اور علامہ دمیری کا اس مسئلہ میں حضرت امام صاحب کو منفرد قرار دینا غلط ہے، کیونکہ جلیل القدر تابعی اور دور صحابہ کے مفتی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ چنانچہ کتاب الاثار ص ۱۳۷ میں مروی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اور انہوں نے بواسطہ حماد حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک جاندار کا ذبح دو جانداروں کا ذبح نہیں ہو سکتا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۰)۔

ماوردی کا دعویٰ اجماع بلا دلیل نہیں، آپ نے بھی اس دعویٰ کو توڑنے کے لئے بھرپور کوشش کی ہے مگر کسی صحابی کا فتویٰ آپ کو حنیفہ کے موافق نہیں ملا ہاں ابراہیم نخعی کے اثر کو نقل کر دیا ہے، اس کے دعویٰ کی یہی دلیل کافی ہے کہ آپ صحابہ کرام سے کسی کا فتویٰ پیش نہیں کر سکے، باقی رہا ابراہیم کا اثر تو اس کی سند ضعیف ہے۔ امام محمد اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ دونوں ضعیف ہیں، مزید برآں یہ کہ احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ کرام کے بالمقابل ایک تابعی کے قول کی کیا حیثیت ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ پر جرح:

(۱) میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۲۳۷ میں ہے کہ:

النعمان بن ثابت بن زوطی ابو حنیفۃ الکوفی امام اہل الری ضعفہ النسائی من جهة حفظہ وابن عدی و اخرون، نعمان بن ثابت بن زوطی کوئی قیاس والوں کے امام ہیں ان کو نسائی اور ابن عدی اور دیگر علماء نے حافظہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

(۲) تمہید شرح موطا جلد ۳ ص ۲۷۲ میں قول حافظ ابن عبدالبر

لم یسندہ غیرہ ابی حنیفۃ وهو سینى الحفظ عند اہل لحدیث نہیں مسند بیان کی (حدیث من کان لہ امام فقراة الامام لہ قرأة) کی کسی نے سوائے ابو حنیفہ کے اور وہ محدثین کے نزدیک ناقص الحافظ ہیں۔

(۳) الفیہ عراقی مطبوعہ فاروقی کے حاشیہ ص ۲۵ میں ہے کہ

فکون قادحا کما فسر الذہبی وابن عبد البر وابن عدی والنسائی والدارقطنی فی ابی

حنيفة انه ضعيف من قبل حفظه،

مفسر ہوگی تو نقصان پہنچانے والی ہوگی جیسا کہ ذہبی اور ابن عبد البر اور ابن عدی اور نسائی اور دارقطنی نے ابو حنیفہ کے بارے میں جرح مفسر کی ہے یعنی ضعف کی وجہ کو بیان کیا ہے کہ حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

(۴) تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مطبوعہ فاروقی حاشیہ ص ۹۳ میں ہے کہ:

عن ابی حفص عمر بن علی قال ابو حنیفة لیس بحافظ مضطرب الحدیث ذاہب

الحدیث

ابو حفص عمر بن علی نے کہا کہ ابو حنیفہ حافظہ والے نہیں ہیں حدیث میں غلطیاں کرنے والے ہیں ان کو حدیث یاد نہیں رہتی۔

(۵) کتاب الضعفاء والمترکین امام نسائی مطبوعہ انوار احمدی ص ۳۵ میں ہے کہ

ابو حنیفة لیس بالقوی فی الحدیث وهو کثیر الغلط والخطاء علی قلۃ روايته،

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں قوی نہیں ہیں اور وہ بہت غلطی اور خطا کرنے والے ہیں کمی روایت

کے باوجود۔

(۶) دراسات اللیب ص ۳۳۱ مطبوعہ لاہور میں ہے کہ

ان ابن القطان جرح الحدیث الاول و قال علته ضعف ابی حنیفة فی الحدیث

ابن قطعان نے حدیث اول پر جرح کر دی ہے اور کہا ہے کہ علت اس کے ضعف کی ضعیف ہونا

ہے امام ابو حنیفہ کا حدیث میں۔

(۷) سنن دارقطنی مطبوعہ فاروقی ص ۱۲۲ میں تحت حدیث

(من کان له امام فقراء الامام له قرأه) ہے غیر ابی حنیفہ والحسن بن عمارۃ وهما

ضعیفان

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حسن بن عمارہ کے سوا کسی نے (حدیث مذکورہ کو) روایت نہیں کیا اور یہ

دونوں ضعیف ہیں۔

(۸) تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مطبوعہ فاروقی حاشیہ ص ۹۳ میں ہے کہ:

قال صاحب المنتظم عن عبد الله بن علی بن المدینی قال سألت ابا حنیفة فضعفه جدا

وقال خمسين حدیثا اخطاء فیها۔

علی بن مدینی کے بیٹے عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ علی بن مدینی سے ابو حنیفہ کا حال

پوچھا تو انہوں نے ان کو ضعیف بتلایا اور کہا کہ پچاس حدیث میں بھولے ہیں۔

(۹) کتاب مذکورہ ص ۹۳ میں ہے کہ:

قال ابو بکر بن داؤد جمیع ما روی ابو حنیفہ من الحدیث مائة و خمسون اخطاء او قال غلط فی نصفها:

ابو بکر بن داؤد نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کل ڈیڑھ سو حدیثیں روایت کی ہیں جن میں نصف میں بھول یا غلطی ہوئی ہے۔

(۱۰) تاریخ صغیر مطبوعہ انوار احمدی ص ۱۵۸ میں امام ابو حنیفہ کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں کہ

قال الحمیدی فرجل لیس عنده سنن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولا اصحابه فی المناسک

وغیرها کیف یقلد احکام الله فی الموارث والفرائض والزکوٰۃ والصلوة وامور الاسلام حمیدی کہتے ہیں جس آدمی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور صحابہ کے آثار مناسک وغیرہ میں نہ ہوں ایسے کی بات اللہ کے احکام میں مثل میراث اور زکوٰۃ اور نماز وغیرہ امور اسلام میں کیونکہ قبول کی جائے۔

(۱۱) مصنفی شرح موطا فاروقی ص ۶ میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

(امام ابو حنیفہ) آل یک شخصے است کہ روس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد

ونسائی وابن ماجہ و دارمی یک حدیث ازوے در کتابہائے خود روایت نکرده اند۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں کہ بڑے بڑے محدثین امام احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی

و ابو داؤد و ابن ماجہ و دارمی رحمہم اللہ نے ایک حدیث بھی ان سے اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔

(۱۲) اسمائے گرامی ان آئمہ محدثین فقہاء و فضلاء کے جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہ کو ناقص الحافظہ

اور حدیث کو کم جاننے والا اور اس کی جانچ و پرکھ میں ناقص اور نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے۔ اور

ان کے عقائد اور مسائل پر اعتراض کیا ہے۔ یہ ہیں (۱) امام مالک بن انس (۲) امام محمد بن ادریس

شافعی (۳) امام احمد بن حنبل (۴) امام بخاری (۵) امام نسائی (۶) امام دارقطنی (۷) ابو یوسف (۸)

عبداللہ بن مبارک (۹) او زاعی (۱۰) ابن عدی (۱۱) ابن عبدالبر (۱۲) عبدالبر (۱۳) ذہبی (۱۴) ابو حفص

عمر بن علی (۱۵) عبداللہ بن علی (۱۶) علی بن المدینی (۱۷) ابو بکر بن داؤد (۱۸) ابن عیینہ (۱۹) ابو یحییٰ

رحمائی یعنی عبدالحمید بن عبدالرحمن (۲۰) ابن عیاش (۲۱) احمد الخراسانی (۲۲) قاسم بن معین (۲۳) معمر بن

کدام ابو سلمہ کوفی (۲۴) اسرائیل (۲۵) معمر (۲۶) فضیل بن عیاض (۲۷) ایوب (۲۸) سفیان (۲۹) ابو

مطیع (۳۰) احکم بن عبداللہ (۳۱) یزید بن ہارون (۳۲) ابو عاصم انبیلی (۳۳) عبداللہ بن داؤد عامر

ہندی (۳۴) ابو عبد الرحمن الخیرتی (۳۵) محمد بن یزید المقرئ (۳۶) شہاد بن حکم (۳۷) کمی بن

ابراہیم (۳۸) وکیع بن الجراح (۳۹) نصر بن شمیل الماری (۴۰) یحییٰ بن سعید القطان (۴۱) ابو سعید

(۴۲) حسن بن عثمان العاصی (۴۳) یزید بن زریع ابو معاویہ (۴۴) حفص بن ربیع (۴۵) ابراہیم بن عکرمہ
 التفروینی (۴۶) علی بن عاصم (۴۷) حکم بن ہشام (۴۸) عبد الرزاق (۴۹) حسن بن محمد اللیشی (۵۰) یحییٰ
 بن ایوب (۵۱) حفص بن عبدالرحمن (۵۲) زافر بن سلیمان ایادی (۵۳) اسد بن عمر (۵۴) حسن بن
 عمارہ (۵۵) یحییٰ بن فضیل (۵۶) ابوالجوریہ طان (۵۷) یزید الکمیت (۵۸) علی بن جعفر الزرار (۵۹) بلخ
 بن وکیع (۶۰) محمد بن عبدالرحمن المسعودی (۶۱) یوسف السمستی (۶۲) خارجہ بن معصب (۶۳) قیس بن
 الربیع (۶۴) حجر بن عبد الجبار (۶۵) حفص بن حمزہ القرشی (۶۶) حسن بن زیاد (۶۷) جعفر بن عون
 العمری (۶۸) عبد اللہ بن رجاء الغدانی (۶۹) محمد بن عبد اللہ النزاری (۷۰) عبد اللہ بن عتاب (۷۱) حجر
 بن عبد اللہ الحضرمی (۷۲) ابن وہب العابد (۷۳) ابن عائشہ (۷۴) ابواسحاق فرازی (۷۵) حماد بن
 ابی سلیمان (۷۶) عبد الوہاب شعرانی (۷۷) ملا معین (۷۸) حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر
 جیلانی (۷۹) مولانا عبدالحی لکھنوی (۸۰) مولانا شاہ ولی اللہ صاحب - رحمۃ اللہ علیہ

یہ اسی نام عبارات مندرجہ بالا سے اور کتب ہذا، تاریخ خطیب ص ۱۲۰، ۱۲۷، ۲ ج و تمہید شرح موطا
 ص ۸۳، ۹۳، ۶۷۵، ج ۳، تاریخ کبیر امام بخاری ص ۹۱ اور میزان الاعتدال ص ۲۳۵، ج ۱، اور غنیۃ الطالبین
 ص ۲۰۶، ۲۰۸ سے لئے گئے ہیں۔ (حقیقت الفقہ ص ۹۶ تا ۹۹)۔

مقلد انوار صاحب کے اعتراضات:

مقلد انوار صاحب نے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (۱) اس میں بعض متحصنین اور حاسدین
 اور کچھ ایسے حضرات ہیں جو خود غلط فہمی کا شکار تھے۔

(۲) ان میں امام مالک امام شافعی امام احمد، عبد اللہ بن مبارک، ابن عیینہ، یزید بن ہارون عبد اللہ بن
 داؤد، یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ جیسے بزرگوں کے نام بھی ہیں۔ آپ ان اکابر کے اقوال پیچھے ملاحظہ فرما چکے ہیں،
 کیا ان کی موجودگی میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے امام صاحب پر جرح کی ہوگی؟

(۳) اس فہرست میں ان لوگوں کے نام بھی ہیں جنہوں نے امام صاحب کی مدافعت میں مستقل
 کتابیں لکھی ہیں مثلاً حضرت عبد الوہاب شعرانی، مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہ پھر اس میں وہ حضرات بھی
 شامل ہیں جو حضرات امام صاحب کے شاگرد تھے، ہم حیران ہیں جے پوری صاحب کی عقل و نقل پر۔

(۴) جے پوری تو دنیا سے چلے گئے ہیں ہم غیر مقلدین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ مرد میدان بنیں
 اور ہمت ہے تو ان تمام آئمہ سے بسند صحیح حضرت امام صاحب پر جرح ثابت کر دیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۱)۔

الجواب: اولاً یہ جلیل القدر امام ہیں جن کا علم و فضل مسلم ہے، ان کو حاسد اور متعصب قرار دینا،

چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے، مقلد انوار صاحب وضاحت کریں کہ ان میں کون کون حاسد و متعصب تھا اور کون کون غلط فہمی کا شکار تھا۔ محض کچھ لکھ دینے کا نام جواب نہیں ہے۔

ثانیاً: آپ نے جو امام مالک وغیرہ آئمہ و محدثین سے مناقب نقل کیے ہیں ان کی حقیقت پہلے گزر چکی ہے، کہ ان کی اسناد جعلی و من گھڑت اور باطل ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثالثاً: علامہ عبد الرحمن مقبل حفظہ اللہ نے، نشر الصحیفہ فی ذکر الصحیح من اقوال آئمہ الجرح والتعدیل فی ابی حنیفہ، لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ ۸۰ء کا عدد مبالغہ نہیں، انہوں نے ۷۷ آئمہ و محدثین کرام اور امام صاحب کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے اقوال کو نقل کر کے ہر ہر قول کی اسناد بھی صحیح ثابت کر دی ہے، اور اردو میں خرم شہزاد نے، الصحیفہ من کلام آئمہ الجرح والتعدیل علی ابی حنیفہ، میں ۶۸ محدثین کرام کے اقوال نقل کیے ہیں، اور ساتھ ساتھ اس کی سند کے راویوں کی توثیق بھی بیان کی ہے۔ افسوس مقلد انوار صاحب کے پاس، محمد بن عبداللہ الظاہری السندی، کی تالیف، امام ابو حنیفہ کا تعارف محدثین کی نظر میں، ہے پھر بھی یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ان سے بسند صحیح ثابت کریں۔

رابعاً: رہا آپ کا یہ اعتراض کہ اس فہرست میں عبد الوہاب شعرانی اور مولانا عبداللہ لکھنوی کا بھی نام ہے، محترم آپ اعتراض و مطالبہ سے پہلے اچھی طرح غور کر لیا کریں، مولانا بے پوری تو کہہ رہے کہ یہ اسی افراد وہ ہیں جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ناقص الحافظ اور حدیث کم جاننے والا اور اسی کی جانچ و پرکھ میں ناقص، نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے، اور ان کے عقائد اور مسائل پر اعتراض کیا ہے۔ (حقیقت الفقہ ص ۹۸)۔

انہوں نے اس عبارت میں چار گروپ بیان کیے ہیں۔ (۱) جرح کرنے والے (۲) علم میں کلام کرنے والے، (۳) عقائد پر نقد کرنے والے، (۴) مسائل پر حرف گیری کرنے والے، لیکن مقلد انوار صاحب آخری تین کو چھوڑ کر صرف پہلی بات پر اسی افراد کی گنتی پوری کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ یہ دعویٰ تو مؤلف حقیقت الفقہ نے کیا ہی نہیں، افسوس انوار صاحب نے خود صفحہ ۶۱ پر اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ مگر آگے جا کر اسے بھول جاتے ہیں، جہاں تک امام شعرانی کا تعلق ہے ان کی عبارات کو تو خود مولانا بے پوری نے نقل کیا ہے، اور مولانا عبداللہ کی آئمہ احناف سے اختلاف معروف ہے، اگر اعتبار نہ ہو تو مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی تالیف مسلک احناف اور مولانا عبداللہ لکھنوی، کا مطالعہ کر لینا، ان شاء اللہ آپ مولانا بے پوری کی حرف بحرف تائید کریں گے۔

”کیا حنفیہ میں کوئی ولی ہوا ہے“

مولانا جے پوری مرحوم نے حقیقت الفقہ ص ۱۰۷ میں طبقات ابن رجب ص ۲۰۲ ج ۱ سے پیر عبدالقادر جیلانی کا قول نقل کیا تھا کہ پیر صاحب سے پوچھا گیا حنبلی مذہب والوں کے سوا اور مذہب میں بھی کچھ ولی ہوئے ہیں یا نہیں؟ فرمایا نہ تو ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے۔

مقلد انوار صاحب کو اس حوالے کی صحت پر تو کوئی اعتراض نہیں صرف نقل کرنے پر کباب ہو گئے ہیں اور تین صفحات کا مضمون لکھ مارا ہے، ادھر ادھر کی فضول بھرتی کو چھوڑ کر مغز کی باتیں صرف دو ہیں، الف، ترجمہ غلط کیا ہے، اعتقاد سے مراد مسلک ہرگز نہیں بلکہ اعتقاد سے مراد وہ بنیادی عقائد مراد ہیں جن پر کفر و اسلام اور نجات و عذاب کا دارو مدار ہے۔ ب، ہم میں فلاں فلاں ولی ہوا ہے۔ (حدیث

اور اہل حدیث ص ۶۳)۔

الجواب: اولاً چلو مان لیتے ہیں کہ اعتقاد سے مراد عقائد ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ عقائد میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے متفق ہیں، مقلد انوار صاحب نے تو یہی دعویٰ کیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاہ کالا جھوٹ ہے۔

حنفی صفات باری تعالیٰ میں تاویل کے قائل ہیں، یعنی ماتریدی ہیں اور ایمان میں مرجہہ کے ہم عقیدہ ہیں، جب کہ امام احمد رحمہ اللہ کے یہ عقائد ہرگز نہیں تھے۔

ثانیاً: توسل بالاموات سماع موتی، فوق الاسباب تصرف فی الامور کا عقیدہ، ختم نبوت کا انکار، رحمۃ للعالمین خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، تو ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تقلید وغیرہ کئی بدعتی عقائد و اعمال سے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا دامن صاف تھا، بلکہ سلف میں سے کوئی بھی ان عقائد کا قائل نہ تھا۔ یہ بد بختیاں اکابر دیوبند کے حصے میں ہی آئیں ہے۔

کذاب کون؟ مولانا جے پوری یا مقلد انوار خورشید:

موصوف فرماتے ہیں کہ: ہم نے حقیقت الفقہ، کے جن چند حوالوں کا تجزیہ کیا ہے یہ اس کے مقدمہ کے تھے، آگے جے پوری صاحب نے اپنی کتاب کے دو حصے کئے ہیں، پہلے حصے میں فقہ حنفی کے وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے زعم میں قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ دوسرے حصے میں وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے خیال میں قرآن و حدیث کے موافق ہیں۔ لیکن ان دو حصوں میں جے پوری صاحب نے انتہائی خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے، عبارات میں کترو بیونت کی ہے، اور مطالب غلط اخذ کئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ جن کتب کے حوالے دیئے ہیں ان کی اصل عبارات پیش نہیں کیں، بلکہ حوالے اصل کتابوں کے دیئے ہیں اور

عبارتیں اصل کتابوں کے ترجموں کی درج کی ہیں، جو ترجمے خود غیر مقلدین نے کیے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہم اصل کتابوں میں یہ حوالے دیکھتے ہیں تو وہاں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا، مگر سادہ لوح عوام بے چارے حقیقت الفقہ پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں دیئے گئے حوالے اصل کتابوں کے ہیں، جو صحیح ہوں گے۔

برادران احناف سے ہماری گزارش ہے کہ غیر مقلدین سے جب بھی فقہی مسائل پر بات ہو تو اصل عربی کتابوں کے حوالے طلب کریں، اور جب کوئی غیر مقلد، حقیقت الفقہ لائے تو اس کے سامنے فقہ کی اصل عربی کتابیں لا کر رکھ دیں کہ یہ مسئلہ ان میں سے دکھائیں، مجال ہے کوئی غیر مقلد اصل عربی کتاب سے وہ مسئلہ نکال دے ہم اس کا بارہا تجربہ کر چکے ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۴، ۶۵)۔

الجواب: انوار صاحب نے یہاں پر چار چیزیں بیان کی ہیں (۱) تحریف لفظی و معنوی، (۲) اصل کتابوں کے حوالے درج کیے ہیں مگر عبارتیں تراجم کی نقل کی ہیں، (۳) یہ تراجم غیر مقلدین نے کیے ہیں، (۴) اگر کوئی غیر مقلد حقیقت الفقہ سے حوالہ بیان کرے تو اصل عربی کی کتاب لا کر اس سے دکھانے کا مطالبہ کیا جائے۔ اب ترتیب وار ان خرافات کا جواب سنئے!

اولا موصوف نے ایک ایسا حوالہ بھی درج نہیں کیا جو تحریف لفظی و معنوی کی دلیل ہو۔

ثانیا: مولانا جے پوری نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ عربی کتابوں کے حوالے ہیں، مولانا مرحوم حصہ اول شروع کرنے سے پہلے صفحہ ۱۳۸ پر ضروری گزارش کے زیر عنوان فرماتے ہیں کہ سبب تالیف میں بصراحت گزارش کر چکا ہوں کہ جن کتب کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے، ان سے مسائل اخذ کر کے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، چونکہ تراجم غیر مشہور تھے اور بعض کتب کے متعدد ترجمے بھی ہو چکے تھے۔ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ اصل کتاب مشہورہ کے حوالہ پر ہی اکتفا کیا جائے، ناظرین مطلع رہیں اور مغالطہ میں نہ پڑیں۔ (ص ۱۳۸)۔

کتاب کے ابتدا میں صراحت کرتے ہیں کہ مقدمہ تحریر و نقل کر کے بعد میں ان کتب فقہ سے کہ جن کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے۔ اور جن کے مؤلف یا مترجم علمائے احناف ہی ہیں اور ان خواص و عوام کی مقبول و معمول بہا ہیں، مسائل اخذ کر کے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

(حقیقت الفقہ ص ۸)۔

قارئین کرام: ان دونوں عبارتوں پر غور کریں مؤلف حقیقت الفقہ صراحت یہ صراحت کر رہا ہے کہ میں نے فقہ حنفی کی مترجم کتابوں سے حوالے نقل کیے ہیں اور تراجم کے نام اس لئے نہیں لکھے کہ وہ غیر معروف تھے۔ لہذا تراجم کے نام کی بجائے اصل کتاب کا نام درج کیا ہے، مزید سہولت کے لیے دونوں حصوں کے ہر صفحہ کے نیچے لکھ دیا ہے کہ: کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں۔ اس کے باوجود انوار صاحب مطالبہ کرتے ہیں کہ اصل عربی کتابوں سے حوالے دکھائے جائیں، مولانا جے پوری

نے صفحہ ۱۵۱ پر فقہ حنفی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جس عضو پر نجاست لگی ہو وہ تین بار چاٹنے سے پاک ہو جاتا ہے۔

(منیہ ص ۵۷ بہشتی زیور ص ۱۸ حصہ ۲ عالم گیری ص ۶۱ ج ۱)۔

اب ظاہر ہے کہ اصل عربی کتابوں میں یہ مسئلہ تو موجود ہے مگر بوجہ عربی ہونے کے ان کے یہ الفاظ نہ ہوں گے بلکہ اس طرح تحریر ہوگا۔

اصابت النجاسة بعض اعضاء ولحنتها بلسانہ حتی ذہب اثرها يطهر

(فتاویٰ عالم گیری ص ۴۵ ج ۱)۔

اذا اصابہ الخمر یدہ فلیحنتہ ثلاث مرات تطہر یدہ بریقہ کما يطہر فمہ بریقہ

(منیہ المصلی ص ۶۶)۔

اگر کوئی سلفی فاضل یہ عبارات دکھا کر کہے کہ حضرت اس میں وہی کیفیت بیان کی گئی ہے! تو دیوبندی قطعاً تسلیم نہ کریں گے اور یہ کہتے جائیں گے نجاست کو زبان سے چاٹنے کے الفاظ دکھاؤ، مبتدعین دیانہ کو لاکھ سمجھاؤ کہ اس کا یہی معنی ہے تو وہ قطعاً تسلیم نہ کریں، مبتدعین کی ضد دیکھ کر سلفی فاضل کہے کہ اچھا بہشتی زیور لاؤ اس کے دوسرے حصے کے پہلے باب کا مسئلہ نمبر ۲۶ میں اردو میں ہی لکھا ہے کہ زبان سے تین دفعہ چاٹنے سے نجاست زائل ہو جائے گی۔ جب دیوبندی حضرات تسلی کر لیں گے تو تب بھی پرانی رٹ لگائے جائیں گے کہ اصلی عربی کتابوں سے دکھاؤ۔ ایسے ضدی ہٹ دہرم اور متعصب لوگوں کا آپ کے پاس کیا علاج ہے۔

محترم اگر کوئی ضدی ضد پر ہی قائم رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ ہمارے ایک مخلص مجی وانجی محمد زبیر صاحب (صادق آبادی) نے بتایا کہ ہمارے یہاں ایک بار تبلیغی جماعت آئی، خاکسار نے ان کا دعوتی پروگرام سماعت کیا، مقرر نے کہا کہ کلمہ کا یہ مطلب ہے کہ سب امیدیں اللہ سے رکھی جائیں، اور غیر کی نفی کی جائے، پروگرام ختم ہونے پر راقم نے کہا کہ اگر کوئی شخص سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہے اور یہ بات بیان کرے کہ فلاں قبر پر میں نے جا کر صاحب قبر سے مدد طلب کی اور صاحب قبر نے دس درہم میری مدد کی، کیا یہ شرک ہے یا نہیں؟ امیر جماعت کہنے لگے کہ بالکل شرک ہے۔ اس میں ذرا بھر شک نہیں۔ خاکسار نے عرض کی کہ یہ دونوں باتیں فضائل اعمال اور فضائل صدقات میں لکھی ہیں، انہوں نے پورے وثوق سے اس کی نفی کی، میں نے پورے یقین کے ساتھ دونوں باتوں کو مکرر دہرایا، اس پر وہ جذبات میں آگئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ دونوں باتیں ان کتابوں میں ہوں تو میں تبلیغی جماعت کو چھوڑ دوں گا، بندہ ناچیز نے عرض کیا کہ اگر نہ ہوں تو میں نقد آپ کے ساتھ چالیس دن چلا جاؤں گا، بات طے ہوگئی تو میں نے پوری جماعت کو لائبریری میں آنے کی دعوت دی

انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کر لی، قصہ مختصر یہ کہ میں نے دونوں حوالے دکھائیے، امیر جماعت نے انہیں اچھی طرح دیکھا تھوڑا سا توقف کیا اور فرمانے لگے کہ آپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ شیخ الحدیث کی غلطیاں نکالیں۔ یہ بالکل سچا واقعہ ہے وگنی باللہ شہید۔

خیر یہ بات تو درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آگئی، بات یہ عرض کرنی تھی کہ اگر انہیں کوئی عربی کتاب سے دکھائے گا تو الفاظ کا مطالبہ ہوگا اور اگر اردو سے دکھائے گا تو عربی کا مطالبہ ہوگا، انہیں ہر ممکن کوشش سے سمجھالیں کہ تھانوی کا بہشتی زیور اردو میں ہے۔ مگر یہ عربی عربی کی ہی رٹ لگاتے جائیں ہیں۔

ثالثاً: محترم نے دامن چھڑانے کے لئے یہ بھی خوب فرمایا کہ ان کتب فقہ کے تراجم خود غیر مقلدین نے کیے تھے! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم! مولانا بے پوری نے پہلا حصہ شروع کرتے وقت نو کتابیں فقہ حنفی کی مرجع بتائی ہیں۔

- (۱) عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ مطبوعہ نول کشور ۱۸۹۶ھ۔
- (۲) نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ مطبوعہ مجیدی کانپور ۱۹۱۳ھ۔
- (۳) غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار نول کشور ۱۹۰۰ھ۔
- (۴) فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ نول کشور ۱۸۹۹ھ۔
- (۵) احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق مطبوعہ مجتہائی دہلی ۱۹۰۷ھ۔
- (۶) ضروری ترجمہ قدوری مطبوعہ مجتہائی دہلی ۱۹۰۸ھ۔
- (۷) صلوة الرحمن ترجمہ منیۃ المصلی مطبوعہ مصطفائی لاہور ۱۸۶۵ھ۔
- (۸) کشف الحاجۃ ترجمہ مالا بدمنہ نول کشور ۱۸۸۴ھ۔
- (۹) بہشتی زیور مختلف مطبوعات۔

محترم وضاحت کریں کہ ان کے مترجمین میں سے کون کون اہل حدیث تھے؟ کیا بہشتی زیور کا مؤلف مقلد اشرف علی تھانوی بھی غیر مقلد اہل حدیث تھا؟ اور بقایا کتب میں سے نمبر ۸، ۷، ۶، ۵، ۳ قطعی طور پر حنفی ہیں۔

نمبر ۲ کے مترجم علامہ وحید الزمان صاحب مرحوم ہیں، اور انہوں نے جب یہ ترجمہ کیا تھا، تب وہ کٹر حنفی تھے، کتاب کے ابتداء میں ایک مقدمہ ہے جس میں وہ تقلید کے وجوب پر بحث کرتے ہیں اور تقلید پر اہل حدیث کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ پھر پوری کتاب چار جلدوں میں ہے، جس کا پہلے با محاورہ سلیس اردو میں ترجمہ کرتے ہیں پھر شرح کرتے ہوئے احناف کے مسائل کو قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہوئے اہل حدیث کا رد کرتے ہیں۔

حیات وحید الزمان ص ۱۱۸ مؤلفہ محمد عبد الحلیم چشتی دیوبندی) جب کہ نمبر ۴۱ کے مترجم سید امیر علی ہیں، ان کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اہل حدیث تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ بزرگ حنفی تھے، ہاں البتہ متصلب نہ تھے۔

مولانا عبدالحی حنفی فرماتے ہیں کہ

غیر متصلب فی المذہب الحنفی یتبع الدلیل ویترک التقلید اذا وجد فی مسالۃ نصاب صریحا مخالفا المذہب غیر منسوخ۔

یعنی حنفی مذہب میں غیر متصلب (شدت) تھے دلیل کی پیروی کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں اپنے مذہب (حنفی) کے خلاف غیر منسوخ نص صریح پالیتے تھے تو تقلید کو ترک کر دیتے تھے۔
(نزہۃ الخواطر ص ۷۶ ج ۸)۔

اس سے ثابت ہوا کہ سید امیر علی حنفی ہی تھے، البتہ نصوص کے بالمقابل ترک تقلید کے قائل تھے۔ صرف اتنی سی بات سے انسان مقلدیت سے خارج ہو کر اہل حدیث نہیں ہو جاتا، مولانا سرفراز صفدر مقلد فرماتے ہیں۔

کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے، ہم بھی کہتے ہیں کہ لاشک فیہ۔ (الکلام المفید ص ۳۱۰)۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ کتب فقہ حنفیہ کے مترجمین اہل حدیث نہیں بلکہ حنفی تھے، اور مقلد انوار صاحب کا اس حقیقت سے انکار محض ضد ہے۔

مسائل حقیقت الفقہ:

مولانا جے پوری کی کتاب حقیقت الفقہ دو حصوں اور مقدمہ کتاب پر مشتمل ہے، مقدمہ میں تقلید اور اس کے متعلقہ مباحث ہیں جب کہ پہلے حصہ، میں فقہ حنفی کے مردود مسائل کا ذکر ہے، اور دوسرے حصے میں قرآن و حدیث کے موافق مسائل کا بیان ہے، مقلد انوار خورشید کو ایسا کوئی حوالہ کتاب کے مقدمہ اور حصہ اول سے نہیں ملا جس پر انگلی رکھ سکتا کہ یہ یہ حوالے جھوٹے ہیں، انہیں غالباً اس بات کا دکھ ہے کہ مؤلف نے دوسرا حصہ کیوں لکھا ہے، اس لئے وہ مولانا جے پوری کے دعویٰ میں کیڑے نکال رہا ہے کہ فقہ حنفی کے بعض مسائل قرآن و حدیث کے موافق بھی ہیں۔ محترم نے جتنے حوالوں کی نشان دہی کی ہے یہ اگلے ہوئے نوالے ہیں۔ ان کا ثبوت مولانا رئیس احمد ندوی، ضمیر کابجران، میں اور خاکسار، تحفہ حنفیہ میں عنایت کر چکا ہے۔ محترم نے ایک بات یہاں پر یہ بھی کی ہے کہ اگر غیر مقلدین یہ کہیں کہ ہم ترجمہ والی

کتابوں سے یہ حوالے دکھا سکتے ہیں، تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ وہ ہمیں ترجمے والی کتابوں میں فقہ کی جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان کتابوں کی عبارات کا ترجمہ دکھلا دیں، اور ساتھ ہی نشان دہی کریں کہ یہ ترجمہ اس عربی عبارت کا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۷)۔

گویا مقلد انوار خورشید کو اعتراف ہے کہ مترجم کتابوں میں یہ حوالے تو ہیں، مگر یہ اضافہ ترجمہ کرنے والوں کا ہے، اصل کتاب میں یہ عبارات نہیں ہیں، بلاشک و شبہ یہ اضافہ ترجمہ کرنے والوں کا ہے۔ جو انہوں نے بطور تشریح درج کیا ہے۔ اگر یہ مسائل فقہ حنفی کے نقطہ نظر سے غلط ہیں، تو اس کے ذمہ دار مولانا جے پوری نہیں بلکہ فقہ کا ترجمہ کرنے والے ہیں۔ مقلد انوار کا یہ مطالبہ بالکل اسی طرح کا ہی ہے، جیسے کوئی ان سے کہے کہ مقلد صاحب آپ ہر باب کے آخر میں جو تبصرہ کرتے ہیں وہ قرآن ہے نہ ہی حدیث مگر آپ نے اس کا نام قرآن و حدیث ہی رکھا ہے۔ مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دوران وضو سر پر مسح کرنا فرض ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۳)۔

اب ان سے سوال ہے کہ قرآن کی آیت میں کس لفظ کا معنی فرض ہے؟ آپ نے پہلی حدیث، عن انس بن مالک، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ص ۱۷۱) مقلد صاحب وضاحت کریں کہ، حضرت، کس لفظ کا معنی ہے؟ پھر حضرت کا معنی تو، قرب، نزدیکی وغیرہ ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات ص ۵۷۰)۔

تو کیا سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کے قریب و نزدیک ہیں۔ اسی بات کو ہی اگر کوئی لے کر بیٹھ جائے اور مقلد پر شرک کا فتویٰ لگا دے کہ مقلد انوار کے نزدیک سیدنا انس رضی اللہ عنہ حاضر و موجود ہیں۔ آپ لاکھ وضاحت کریں کہ میرا مقصد تعظیم تھا مگر معترض تسلیم نہ کرے اور یہی اعتراض کرتا جائے کہ مقلد انوار بددیانت ہے آیت میں فرض کا لفظ نہیں اور متن روایت میں، حضرت، کا اضافہ اس نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ تو آپ اسے کیا جواب دیں گے؟ محترم ضد لاعلاج مرض ہے اور جب اس پر تقلیدی پان چڑھی ہو تو یہ مزید مہلک ہو جاتی ہے۔ گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ مقلد صاحب کا یہ اعتراض کہ چلو فقہ کی مترجم کتابوں سے ہی یہ حوالے دکھا دو مگر یہ وضاحت کریں کہ یہ فلاں عربی عبارت کا ترجمہ ہے اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا ہے، یہ ویسا ہی مطالبہ ہے۔ جیسے انوار مقلد کو کہا جائے کہ آیت وضو میں، فرض کا لفظ اور متن روایت میں، حضرت، کا لفظ دکھائیے اگر مقلد صاحب یہ مطالبہ پورا کر دیں تو ہم بھی ان کا مطالبہ انشاء اللہ ضرور پورا کر دیں گے۔

مقلد انوار خورشید کی لاعلمی:

مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری معلومات کے مطابق امام صاحب اور فقہ حنفی کے خلاف پاک و ہند میں پہلی کتاب، استقصاء الافہام لکھی گئی ہے اس کے مصنف ایک غالی قسم کے شیعہ حامد حسین کنتوری (متوفی ۱۳۰۶ھ تھے۔ دوسری کتاب ظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین، کے نام سے لکھی گئی، اس کے مصنف ہری چند بن دیوان چند کھتری تھے، جو بعد میں مسلمان ہو کر غلام محی الدین کے نام سے مشہور ہوئے (ص ۲۰) اس کے بعد حقیقت الفقہ لکھی گئی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸)۔

الجواب: اول بلاشبہ وہ ہندو سے مسلمان ہوئے، اور جب انہوں نے کتاب لکھی انہیں مسلمان ہوئے تقریباً چالیس سال ہو چکے تھے۔ (الکلام المتین ص ۶۷)۔

جو شخص اتنی مدت قبل مسلمان ہو چکا ہو اسے زمانہ جاہلیت کے نام سے پکارنا نہایت درجہ کی کمینہ ظرائفی اور بغض و تعصب کے علاوہ صریحاً کفر ہے۔ انہوں نے جن حالات میں اسلام قبول کیا اور اپنے والد پندت دیوان چند کی دولت پر لات ماری وہ ان کے راسخ فی الایمان ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ وہ سکول میں مڈل کلاس کے طالب علم تھے، اپنے استاد کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے، والد نے گھر سے نکال دیا، جائیداد سے عاق کر دیا، عدالت میں مقدمہ چلا محترم محی الدین کے حق میں فیصلہ ہو گیا، مگر انہوں نے باپ سے دولت لینے سے انکار کر دیا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، ہاں اتنا کہا کہ میرے حصے کی دولت کا ڈھیر لگا دیا جائے اور اس پر میں کھڑے ہو کر اذان کہہ لوں باپ نے یہ مطالبہ قبول کر لیا، اور ان کے حصے کی دولت سونا، چاندی، کا ڈھیر لگایا گیا اور محترم محی الدین رحمہ اللہ نے اس پر کھڑے ہو کر اذان دی اور علی پور چٹھہ سے لاہور تشریف لے آئے، محنت مزدوری کی، اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی اور کاروبار شروع کر لیا، آہستہ آہستہ انہوں نے مطالع احمدی کے نام سے اپنا ایک مطالع کھول لیا اور کتابوں کی تجارت کرنے لگے، مطالع احمدی سے انہوں نے سنت نبوی کی حمایت میں بے شمار کتابیں شائع کی، اپنے بیٹے کو اچھی دینی تعلیم دلائی، مولانا احمد بن محی الدین رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ کا ترجمہ کیا جو چار جلدوں میں مطبع احمدی سے ۷۷ میں شائع ہوا۔ (روایت شاہ عبدالشکور اثری حفظہ اللہ تعالیٰ)۔

بلاشبہ مولانا محی الدین درس نظامی کے فارغ التحصیل نہ تھے۔ انہوں نے سنت سے محبت کے جذبہ میں الظفر المبین لکھی تھی، کتب احادیث کے تراجم اور مولانا غلام حسین کے تعاون سے یہ کتاب مرتب ہوئی تھی، لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے کون سا جرم کیا ہے ایک طرف احادیث صحیحہ و صریحہ نقل کرتے ہیں دوسری طرف امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کرتے ہیں، و بس، نہایت ادب و احترام سے امام

صاحب کو مخاطب کرتے ہیں، متعدد صفحات پر امام ابو حنیفہ کو امام اعظم لکھا ہے، اس کتاب کا آنا تھا کہ برصغیر کے تمام حنفی علماء کو جان کے لالے پڑ گئے، مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم نے اس کے جواب میں قلم اٹھایا فتح الہمیں کے نام سے الظفر الہمیں کا جواب تحریر کیا اور مولوی منصور علی کے نام سے شائع کر دیا۔

الظفر الہمیں ۱۲۹ھ کے رمضان میں شائع ہوئی اور مولانا لکھنوی کی کتاب فتح الہمیں ۱۳۰ھ میں شائع ہوئی، اس کے جواب میں علمائے اہل حدیث کی طرف سے تین جواب شائع ہوئے۔

(۱) الکلام الہتین (۲) فوس الحقیقین (۳) خلاصۃ البراہین، ان کے جواب میں کسی حنفی سپوت نے قلم نہ اٹھایا، یہ بات ملحوظ رہے کہ الکلام الہتین مولانا ابوالحسن سیالکوٹی مرحوم نے مولانا لکھنوی کی زندگی میں ہی ۱۳۰۳ھ میں شائع کر دی تھی، جس میں انہوں نے متعدد دلائل وقرائن سے ثابت کیا تھا کہ فتح الہمیں مولانا لکھنوی کی ہے، کتاب الکلام الہتین کی اشاعت کے بعد مولانا لکھنوی ایک سال کے لگ بھگ زندہ رہے مگر انہوں نے اس بات کی تردید نہ کی، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ الظفر الہمیں، فقہ حنفی کے رد میں بہترین کتاب ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دور کے نامور اور فاضل حنفی نے اس کے جواب میں قلم اٹھایا، باقی رہا کہ اس کا مصنف عربی زبان کا عالم نہ تھا، تو یہ قابل قادح چیز نہیں، اگر کوئی عربی دان اور عالم فاضل مسئلہ غلط بیان کر دے اور اسے ایک جاہل مسئلہ سمجھا دے تو یہ قابل تعریف چیز ہے قابل مذمت نہیں، پھر یہ بات کرتے ہوئے مقلد انوار خورشید کو شرم سے ڈوب کر مرنا چاہئے تھا، کہ ان کی تبلیغی جماعت میں چلا لگا کر تبلیغ کرنے والے حضرات میں ۹۹ فیصد لوگ جاہل و اجڈ بلکہ نماز روزہ کے مسائل سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ افسوس ان کو ہماری آنکھ کا تیکا نظر آ گیا مگر اپنی آنکھوں کا شہتیر بھی نظر نہیں آیا۔

دوم: ان کا نام محی الدین تھا غلام محی الدین نہ تھا، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی نے الکلام الہتین ص ۲۸ میں اس کی وضاحت بھی کی تھی، مگر مقلد انوار خورشید ایسا ضدی اور ہٹ دھرم ہے کہ تردید کے بعد بھی غلام محی الدین ہی لکھتا ہے۔

سوم: مقلد انوار خورشید کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ بد بخت لکھتا ہے الظفر الہمیں فی رد مغالطات المقلدین، کے مصنف ہری چند بن دیوان چند کھتری تھے حالانکہ ظفر الہمیں کتاب کا نام نہیں بلکہ، الظفر الہمیں ہے، اور کتاب تحریر کرنے کے زمانے میں وہ قطعاً ہری چند نہ تھے۔ بلکہ محی الدین تھے، مگر مقلد کی شرارت ملاحظہ ہو کہ کہتا ہے بعد میں مسلمان ہوا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جاہلیت کے ناموں سے پکارنا اگر جائز ہے تو مقلد جگہ جگہ کیوں نہیں لکھتا، فلاں صحابی عبد الشمس تھا۔ افسوس ان کے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مولانا فیض عالم نے لکھ دیا تھا کہ مجوسی النسل تھے۔ اس پر انوار خورشید مقلد کی رگ حمیت بھڑک اٹھتی ہے، اور کہتا ہے کہ یہ کوئی طعن کی چیز نہیں جو شخص خود مسلمان ہو اس

کے لئے اس کے باپ دادا کا غیر مسلم ہونا کوئی عیب نہیں چہ جائیکہ جس کے باپ دادا بھی مسلمان ہوں، ورنہ تو یہ طعن اسلاف میں سے کسی ایک پر نہیں سینکڑوں پر ہو سکے گا، اور بات آگے صحابہ کرام تک جا پہنچے گی، امام بخاری رحمہ اللہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مجوسی النسل تھے۔

لیکن آپ کے مجوسی النسل ہونے سے آپ کے مرتبہ و مقام میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا، دیکھا جائے تو کسی کو اس قسم کا طعن دینا خود اپنا ایمان خراب کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ حدیث میں اس قسم کا طعن دینے والے پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ناراض ہونا آیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲، ۲۳)۔

ایمان تو حقیقہ کے نزدیک کم اور زیادہ نہیں ہوتا، لہذا خراب کے لفظ سے مقلد کی مراد پکا کافر ہونا ہے، لہذا انوار مقلد وضاحت کرے کہ اس طعن کے بعد اس نے توبہ کر کے تجدید ایمان و نکاح کر لیا ہے۔ یا تاحال کافر ہی ہے۔

چہارم: یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ حنفیہ کے خلاف سب سے پہلی کتاب کنتوری کی ہے۔ حالانکہ کنتوری کی پیدائش سے بھی قبل شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) کے رسائل الا یقاف علی سبب الاختلاف، تحفة الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، فتح الغفور فی وضع الایدی فی الصلاۃ علی الصدور۔

مولانا محمد فاخر زائد الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ) کے رسائل، نور السنہ، اور قرۃ العینین در اثبات سنیت رفع الیدین، مولانا عبد الحق محدث بنارس کی کتاب، الدر الفریذی فی الجمع عن التقلید، مولانا عبد اللہ آبادی کی کتب، اعتمام السنہ، حصص الحدید المسلول، سیف الحدید فی قطع المذہب والتقلید، وغیرہ موجود تھیں۔

اور الظفر المبین کی اشاعت سے مدتوں قبل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی کتاب معیار الحق بھی ۱۲۸۳ھ میں شائع ہو چکی تھی، اور اس کا جواب مولوی ارشاد حسین رامپوری تحریر کر چکا تھا، اور میاں صاحب کے شاگرد الظفر المبین سے کئی سال قبل اس کے چار جواب تحریر کر چکے تھے، اور میاں صاحب سے بھی پہلے نواب صدیق حسن خاں کے برادر اکبر سید احمد حسن قنوجی (م ۱۲۷۳ھ) شہاب ثاقب، میں تقلید کا رد کر چکے تھے۔ مولانا عبد الحی لکھنوی نے نواب صدیق الحسن کی کتب پر نقد کیا تو مولانا ابو الفتح عبد النصیر نے شفاء الحق عما اور وہ الشیخ عبد الحی، رسالہ لکھا جو مطبع فاروقی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا، اس کا جواب مولانا لکھنوی نے، ابراز الحق الواقع فی الشفاء الحق، لکھا جس کا جواب الجواب مولانا ابو الفتح صاحب نے تمہرہ الناقد بروکید الحاسد، کے نام سے دیا، جو مطبع فاروقی سے ۱۲۹۸ھ صفحات میں شائع ہوا، یہ سلسلہ آگے بھی چلا، مولانا محمد بشیر محدث سہوانی نے حج بیت اللہ سے واپسی پر جب اپنا رسالہ، القول

محقق الحکم فی زیارة قبر الحبيب الاكرم، شائع کیا تو مولانا عبدالحی نے جواب میں الکلام البر، کتاب شائع کی، مولانا سہوانی نے اس کا جواب القول المنصور، سے دیا۔ مولانا لکھنوی نے جواب الجواب المذہب الماثور، شائع فرمایا، تو مولانا سہوانی نے، اتمام الحجۃ علی من واجب الزیارة کا الحجۃ، تصنیف فرما کر خاتمہ سخن کر دیا۔

اس کا جواب کسی حنفی سے تا حال بن نہیں سکا، مولانا عبدالحی کے جواب میں شائع ہونے والی تمام کتابیں عربی میں تھیں۔ اور الظفر المبین سے بعض مدتوں قبل کی تصانیف ہیں۔

مقلد انوار نے یہ بھی جھوٹ بولا ہے کہ الظفر المبین کے بعد حقیقت الفقہ شائع ہوئی، حالانکہ الظفر المبین ۱۲۹ھ میں شائع ہوئی جب کہ حقیقت الفقہ ۱۳۲۰ھ میں شائع ہوئی اور اس درمیانی وقفہ میں سینکڑوں کتابیں سلفی علماء نے فقہ حنفی کے رد میں تحریر کی ہیں، چند ایک کی ہم نشان دہی کرتے ہیں، مولانا وحید الزماں کے برادر اکبر مولانا بدیع الزمان مترجم سنن ترمذی، فتح المبین علی رد مذہب المقلدین، کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر کی جو مطبع محمدی لاہور سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہوئی۔

مولانا ابوالحسن سیالکوٹی کی، الظفر المبین جدید حصہ دوم محرم ۱۳۰۵ھ شائع ہوئی، اس دور میں حنفیت کی طرف سے، جامع الشواہد، جیسی بہودہ کتاب شائع ہوئی، جس کے نصف کے قریب میاں صاحب کے شاگردوں نے جواب تحریر کئے، جس کی تفصیل، ابراء اہل حدیث (مؤلفہ حافظ عبد اللہ غازی پوری)۔ کے مقدمہ میں مولانا عطا اللہ حنیف رحمہ اللہ نے دی ہے۔ یہ وہ دور تھا جس میں میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں نے حنفیت کو ہر محاذ پر لوئے کے چنے چوئے، مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی کا رسالہ، اشاعت السنہ، مولانا محمد سعید بناری کا رسالہ، نصرۃ السنہ، مولانا عبد الحلیم شرکاء، دگلداز، وغیرہ رسائل و جرائد میں حنفیت کا بخوبی رد ہوتا تھا۔ بعض تلامذہ نے قرآن و حدیث کے تراجم کر کے تقلید کی صف لپیٹ دی، میاں صاحب کے شاگردوں نے کتب ستہ کے علاوہ موطا امام مالک، مشکوٰۃ، بلوغ الرام، الادب المفرد، ریاض الصالحین، المثنیٰ لابن جارود، شمائل ترمذی، جزء القراءة، جزء رفع الیدین، جیسی اہم کتب احادیث کے سب سے پہلے اردو میں تراجم کیے جس سے تقلید قریب المرگ ہو گئی اور سنت کا احیاء ہوا، ان تراجم سے جس قدر حنفیت کو تکلیف ہوئی ہے اس کا کھلے لفظوں میں سید نفیس الحسنی نے۔ دفاع امام ابوحنیفہ، کے مقدمہ میں اعتراف کیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

کتب حدیث کا اردو زبان میں صرف ترجمہ کر کے عدم تقلید کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔

(مقدمہ دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۶)۔

الحمد للہ کتب احادیث کے تراجم اچھا پھل لائے، تقلید کا مسئلہ اہل علم سے لکل کر عوامی حلقے میں آ گیا، ایک عامی نے بھی صحیح بخاری و مسلم کے تراجم خریدے، محققین کے میدان میں وسعت پیدا ہوئی،

تقلید اور فقہ حنفی کے بعض فتاویٰ کا مذاق اڑایا جانے لگا، یہ قدرت کی طرف سے، جامع الشواہد، جیسی بہودہ کتب کا رد عمل تھا، ویشف صدور قوم مومنین، کا مکمل نمونہ تھا، خیر بات چل رہی تھی میاں صاحب کے شاگردوں کی تو محترم کسی نے وعظ و نصیحت میں حنفیت کو لتاڑا تو کسی نے کتب احادیث کی نشر و اشاعت اور اس پر شروح و حواشی لکھ کر مقلدین کو بے دم کر دیا، کسی نے میدان مناظرہ میں انہیں بچھاڑا، بعض نے مدارس کھول کر قال اللہ وقال الرسول کا بول بالا کیا، بعض نے تحریک جہاد کو زندہ رکھا، الغرض میاں صاحب کی جامعیت کے یہ تاثرات تھے۔ جو آپ کے تلامذہ میں مختلف طور پر پائے گئے، ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق اخذ کیا اور اس تاثر کے ماتحت اپنے ماحول اور علاقہ میں دین کی خدمت سعادت جان کر کی، بقول شیخ محمد اکرام، کئی نیک ایثار پیشہ متقی اور پرہیزگار حضرات اور کئی علماء تبحر شامل تھے۔ مولانا ولایت علی صادق پوری عظیم آبادی کا ہم ذکر کر چکے ہیں، ان کی اور ان کے جانشینوں کی کوشش زیادہ تر جہاد بدنی کے لئے وقف رہیں، لیکن اور بہت سے اہل حدیث بزرگوں نے اپنے آپ کو جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کے لئے وقف رکھا، جنگ آزادی کے بعد علمائے اہل حدیث نے تین باتوں میں امتیاز حاصل کیا، اول حدیث کی اشاعت میں، جس کے لئے کئی مدرسے قائم ہوئے اور فضلاء حدیث کے درس کا انتظام ہوا، دوسرے عیسائیوں، آریہ، سماجیوں مرزائیوں، اور شیعوں کی مخالفت میں، جس کے لئے صدہا کتابیں اور رسالے تصنیف کئے گئے، سینکڑوں جگہ مناظرے کئے گئے، تیسرے شرک و بدعت کی مخالفت میں۔

(موج کوثر ص ۶۵)۔

یہ عمل جتنا موثر تھا اس سے کہیں زیادہ مرگ تقلید تھا۔ ان کے فتاویٰ کفر اپنی موت آپ مر گئے، حنفیہ نے اپنے حربے میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بحث و نظر کے بعد یہ لوگ دفاعی پوزیشن پر مجبور ہو گئے، دورہ حدیث کا اجرا ہوا مگر یہ اختیاری مضمون کی حیثیت میں تھا۔

(ہاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص ۹۰ ج ۲)۔

دورہ حدیث سے مضامین میں کمی کی بجائے مزید اضافہ ہو گیا، کیونکہ حدیث اور فقہ حنفی کا جگہ جگہ اختلاف تھا، اور حدیث میں مقلدین کی خدمات صفر کے برابر تھیں۔

مولانا انور شاہ کاشمیری کے بیٹے اپنے والد کی سوانح میں فرماتے ہیں یہ عجیب تاریخ کا راز ہے جس کی وجوہ و علل کا دریافت تاریخ کا سب سے بڑا انکشاف ہوگا کہ حدیث کے بیشتر وہ مجموعے جو آج ہمارے کتب خانوں کی زینت ہیں غیر حنفی قلم سے ان کی جمع و ترتیب ہوئی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس مہم میں حنفی مکتب فکر بھر پور شرکت کیوں نہیں کر سکا، عجیب نہیں کہ یہ پامال اعتراض کہ ابو حنیفہ الامام حدیث سے نابلد و ناواقف تھے ان شبہات و شکوک میں اس سے بھی مدد لی جا رہی ہے کہ احناف تدوین

حدیث کے کاروبار میں پس ماندہ ہیں، اگرچہ متاخرین کی کاوشیں اس خلجان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں تاہم اسباب کچھ بھی ہوں پھر بھی اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیثی مجموعوں میں احناف کی تالیفی دستاویزات نہ ہونے کے برابر ہیں، ان کی تمام تر توجہ اور زور قلم فقہ کی تعمیر، استخراج مسائل نت نئی جزئیات حوادث و فتاویٰ کی ترتیب و تدوین پر ہی رہی۔

(نقش دوام ص ۱۷۵، ۱۷۶)۔

دوسری جگہ پر فرماتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ چار فقہی مکاتب نظر وجود پذیر ہوئے تو حضرات شوافع کی علمی ہمتیں احادیث کی جمع و ترتیب میں مصروف رہیں، چنانچہ آج عالم اسلام کی کوئی بھی درس گاہ ایسی نہیں جس میں یہی حدیثی مجموعے زیر درس نہ ہوں، مالک علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک سے ان کا مشہور موطا مالکی فقہ کے لئے آج اساسی کتاب ہے، احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا مسند حنابلہ کے لئے کافی و شافی ہے، احناف ہی ایک ایسا سکول ہے جس کے پاس خود کسی حنفی امام کی تیار تالیف نہیں، امام محمد علیہ الرحمۃ کا موطا اور امام طحاوی کی معانی الاثار ثانوی درجہ میں داخل کی گئیں اور خود احناف ان سے وہ استفادہ نہ کر سکے جن کی یہ دونوں کتابیں مستحق تھیں، تاریخی اعتبار سے اس کے کچھ علل و اسباب ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ (نقش دوام ص ۳۰۸)۔

ان دونوں کتابوں کو حنفیہ کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ موطا تو بنیادی طور پر امام مالک کی کتاب ہے جو امام محمد نے ان سے روایت کی ہے اور اس میں چند آثار و احادیث دوسرے اساتذہ کے بھی شامل کر دیئے ہیں۔ رہ گئے امام طحاوی تو وہ واقعی حدیث کی تدوین میں شریک ہوئے اور اثبات حنفیت کے لئے پوری کوشش کی لیکن محدث ہونے کی وجہ سے اس خود سری کا مظاہرہ نہ کر سکے جس کی توقع ایک مکمل حنفی مقلد سے کی جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ اثبات حنفیت کو اپنا مقصد بنا لینے کی وجہ سے محدثین (جو تمام تعصوبوں سے آزاد ہو کر خادم حدیث تھے)، کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ کر سکے اور نہ احناف نے ہی انہیں پوری طرح قبول کیا، اس لئے جدید مجموعہ حدیث کی انہیں ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی کے شاگرد رشید علامہ ظہیر احسن نیوی نے حنفی مسلک کی تائید میں ایک کتاب تحریر کرنے کا عزم کیا، موصوف کا ایک رسالہ، رد السکین، جو ۱۳۱۲ھ میں قومی پریس لکھنؤ سے طبع ہوا، اس میں ایک اشتہار اور اعلان یوں رقم فرمایا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ حدیث میں پہلے بلوغ المرام یا مشکوٰۃ شریف پڑھائی جاتی ہے اور ان کے مؤلف شافعی المذہب تھے، ان کتابوں میں زیادہ وہی حدیثیں ہیں جو مذہب امام شافعی کی مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں، اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معلم درپردہ غیر مقلد ہوتے ہیں بے چارے اکثر طلبہ یہ ابتدائی کتابیں پڑھ کر مذہب حنفی سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں، پھر جب صحاح ستہ کی نوبت آتی ہے تو ان

کے خیالات اور بھی بدل جاتے ہیں۔ علماء حنیفہ نے کوئی ایسی کتاب قابل درس تالیف نہیں کی جس میں مختلف کتب احادیث کی وہ حدیثیں ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو، پھر بے چارے طلباء ابتدا میں پڑھیں تو کیا اور ان کے عقائد درست رہیں تو کیونکر؟ آخر بے چارے غیر مقلد نہ ہوں تو کیا ہوں؟ فقیر نے انہی خیالات سے حدیث شریف میں آثار السنن کے نام سے ایک کتاب کی بنائے تالیف ڈالی ہے اور ارادہ ہے کہ کتب متداولہ کے علاوہ عرب و عجم کی نایاب کتب احادیث سے حدیثیں انتخاب کر کے جمع کروں اور حاشیہ میں اسناد لکھ دوں۔

(بحوالہ پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث ص ۷۰)۔

مولانا ارشاد الحق اثری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قارئین کرام علامہ نبوی کی دل سوزی پرتھوڑا سا غور کریں۔

(۱) بلوغ المرام اور مشکوٰۃ کے مصنفین شافعی المسلک ہیں اور ان میں زیادہ وہ حدیثیں ہیں جو مذہب حنفی کے خلاف ہیں۔

(۲) ان کتابوں کو پڑھ کر طلبہ مذہب حنفی سے بد عقیدہ ہو جاتے ہیں۔

(۳) صحاح ستہ پڑھنے سے تو ان کے خیالات اور بھی پختہ ہو جاتے ہیں۔

(۴) بالآخر وہ غیر مقلد نہ ہوں تو اور کیا ہوں۔

(۵) عقائد درست رکھنے کے لئے میں نے، آثار السنن، حنفی مذہب کی تائید میں لکھ دی ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا سوچئے کہ، عقائد درست، کرنے کے لئے جو کتاب لکھی گئی، ان میں کون سے، عقائد کے مسائل پر بحث کی گئی اور اپنے عقیدہ، کے مطابق احادیث جمع کی گئیں، وہ طہارت اور نماز کے مسائل کے متعلق ہیں یا عقائد کے؟ مشکوٰۃ پڑھنے سے طلباء، بد عقیدہ، ہو جاتے ہیں، تو بتلایا جائے کہ شافعی المسلک، کیا ہوئے۔ انہیں احادیث پر شافعی عمل کر لیں تو عقیدہ درست اور اگر نظریہ تقلید سے ہٹ کر ان پر عمل کر لیا جائے تو، بد عقیدہ، ہو جائیں، آخر ظلم و ستم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، میں تو مصنف مشکوٰۃ کی کرامت ہی سمجھتا ہوں کہ اس قدر ڈھول پیٹنے کے باوجود آج تک مشکوٰۃ داخل درس ہے، اور اس کے برعکس آثار السنن یا اسی نوعیت کی دوسری کتابوں کو وہ پذیرائی نہیں نصیب ہوئی، جو مشکوٰۃ اور بلوغ المرام کو حاصل ہے۔ ان کے مصنفین نے جو کیا وہ فرقہ واریت سے ہٹ کر نہایت اخلاص سے خدمت حدیث کے جزیہ سے کیا، جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

(پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث ص ۷۲)۔

احادیث رسول اللہ ﷺ اور حنفی:

مذکورہ بحث کے بعد مقلد انوار صاحب یہ بحث اٹھاتے ہیں کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ حدیث و فقہ کا اختلاف ہے، مگر انہیں تناقض کی تعریف معلوم نہیں محض تعصب و عناد کی وجہ سے فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن و حدیث کے مخالف و متناقض ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ پھر مقلد صاحب نے ڈیڑھ صفحہ تناقض کی تعریف پر صرف کر دیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸، ۶۹)۔

پہلی غلطی تو مقلد نے یہ کی ہے کہ ذکر تو اختلاف کا کرتا ہے، مگر تردید میں تناقض کو لے بیٹھا ہے، حالانکہ ضد (اختلاف) اور تناقض میں قدرے فرق ہے، دیکھئے!

(التعريفات للجر جانی ص ۱۷۹)۔

لیکن انوار صاحب ان کو ایک ہی سمجھ بیٹھے ہیں، جب کہ ان کے درمیان فرق ہے، اگر کہا جائے کہ زید انسان ہے، انسان نہیں، مولوی صاحب کی ٹوپی سفید رنگ کی ہے، نہیں سیاہ رنگ کی ہے، زید کو انسان تسلیم نہ کرنا تناقض ہے۔ جب کہ ٹوپی کی مثال اختلاف ہے، مگر حیرت ہے کہ مقلدین کا کہنہ مشق استاد بوڑھی عمر میں بھی اس کے فرق کو ملحوظ رکھے بغیر اہل حدیث کا رد لکھنے بیٹھ گیا ہے، مقلد صاحب فرماتے کہ فقہ تو کہتے ہی شریعت کے فروع احکام کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جاننے کو، اس تعریف سے معلوم ہوا کہ فقہی مسائل وہ ہوتے ہیں جو تفصیلی دلائل قرآن حدیث اجماع امت اور قیاس مجتہد سے مستنبط ہوتے ہیں۔ غور فرمائیے جب فقہی مسائل ہوتے ہی وہ ہیں جو قرآن و حدیث اجماع امت اور قیاس سے مستنبط ہوں تو پھر ان مسائل کے قرآن و حدیث کے مخالف ہونے کا کیا مطلب۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸)۔

مقلد نے جو فقہ کی تعریف نقل کی ہے وہ ادھوری نقل کی ہے، بلاشبہ جرجانی نے یہ اصطلاحی تعریف کی ہے، لغوی تعریف یہ کی ہے۔

فہم غرض المتکلم من کلامہ، یعنی متکلم کے کلام سے ہی اس کی غرض سمجھنا اس تعریف سے ثابت ہوا کہ کسی کی بات کا مطلب و مقصد جاننا فقہ کہلاتا ہے، لہذا انوار خورشید مقلد صاحب کا یہ باور کرانا کہ فقہ کہتے ہی اولہ شرعیہ کو ہیں، غلط ہے، بلاشبہ قرآن و حدیث کو فقہ کہتے ہیں، اور بعض احادیث کو فقہ کہا گیا ہے تفصیل تحفہ حنفیہ ص ۱۷ میں عرض کر دی گئی ہے وہاں سے ایک نظر دیکھ لیا جائے، بس یہی ہمارا اور مقلدین کا اختلاف ہے، آپ قیاسات کا نام فقہ رکھتے ہیں اور ہم قرآن و حدیث کے فہم کو فقہ کہتے ہیں اور فقہاء احناف کی دماغ سوزی سے مرتب کتابوں کو ہم فقہ تسلیم نہیں کرتے، یہ آپ کا

جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ ہے، کوئی شراب کا نام پانی رکھ لے تو اسے لاکھ دلیل سے بھی قائل کیا جائے، اور وہ شراب کو پانی کہنے پر بھند ہو تو اس کا کیا بگاڑا جاسکتا ہے ایسے جناب نے بھی ابواب الحیل کا نام فقہ اور ادلہ شرعیہ کے رد کا نام فقہ رکھ لیا ہے، ہم آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ آپ کا دعویٰ بالکل شیعہ کی طرح ہے جیسے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی کو محبت اہل بیت سے تعبیر کرتے ہیں ویسے ہی جناب نے قرآن و حدیث کی مخالفت کا نام فقہ رکھ لیا ہے۔ جناب نے خود چند مثالیں ذکر کر کے اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، ہم ان کی ہی وضاحت کر دیتے ہیں۔

(۱) مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں۔ بیت اللہ کی چھت پر نماز، پیغمبر رحمت کی ممانعت، عن ابن عمر قال نہی رسول اللہ ﷺ ان یصلی فوق ظہر بیت اللہ، ترمذی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ فقہ کا اختلاف، من صلی علی ظہر الکعبۃ جازت صلوتہ۔ ہدایہ باب الصلاة فی الکعبۃ، کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے۔ (سبیل الرسول ص ۲۳۰)۔

غور فرمائیے حدیث شریف سے فقہ کا اختلاف تو تب ہوتا جب کہ فقہ میں یہ بیان کیا جاتا کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھا کرو۔ پھر آپ کہتے کہ دیکھو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منع فرما رہے ہیں۔ اور یہ حکم دے رہے ہیں۔ فقہ میں بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا، فقط یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فقہاء نے فرمایا کہ ہو جائے گی، اگر غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ کے خلاف کوئی حدیث ہے، تو لائیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز نہیں ہوگی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۱)۔

الجواب: مکرم حکیم صاحب بھی ہدایہ کی عبارت کا یہی مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں حضور ﷺ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمائیں لیکن فقہ کہے کہ جس نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے، کیوں جائز ہے؟ جو کام حضور ﷺ منع کریں وہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ یہ حدیث پر زیادتی ہے۔ (سبیل الرسول ص ۱۵۶ طبع جدید)۔

اس سوال کا جواب دیں کہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے، تو پڑھنے والے کی نماز پر صحت کا حکم کس دلیل سے لگایا جا رہا ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور پھر یہ مطالبہ کرنا کہ کوئی ایسی حدیث دکھائیں جس میں نفی ہو، یہ صرف مغالطہ ہے۔ غور کریں کہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ربانی ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں بیان ہے اور مقلدین کے نزدیک بھی قبلہ رخ منہ کرنا

شرائط نماز سے ہے، مگر جو بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھ رہا ہے وہ تو شرائط نماز سے ایک کا تارک ہے کیونکہ جو بیت اللہ کی چھت پر نماز ادا کر رہا ہے وہ، الی البیت نہیں بلکہ علی البیت، ہے، اور قرآن کا حکم ہے۔ و حیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطرہ، (البقرہ ۱۴۴) اور جہاں بھی ہو تم پس اپنے چہرے بیت اللہ شریف کی طرف کرو، (۲-۱۴۴)

ہمیں ظاہریت کا طعن کرنے والو! اپنی فقہت پر بھی غور کرو بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے والا اس حکم ربانی کا تارک ہے مگر پھر بھی آپ اس کی نماز پر صحت کا حکم لگا رہے ہیں۔ اگر اس شرط کے مفقود ہونے سے صحت نماز کا حکم لگاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ناپاک بدن و کپڑے اور بغیر نیت و ستر عورت کے پڑھنے والے کی نماز کو فقہاء احناف باطل کہتے ہیں؟ حالانکہ جیسے یہ شرائط نماز سے ہے، ویسے ہی قبلہ رخ ہونا بھی شرائط نماز سے ہے۔ ایک کے کرنے پر صحت نماز کا حکم او دوسرے کے کرنے پر باطل ہونے کا دعویٰ! کیا یہ فقہ حنفی کا تقاض نہیں؟ غالباً فقہاء احناف نے یہاں غور نہیں کیا صرف شافعیوں کی مخالفت پیش نظر تھی۔

(۲) مولانا محمد اشرف سلیم صاحب کے حوالے سے مقلد صاحب فرماتے ہیں ہدایہ میں درج ہے کہ اگر نمازی نماز میں تکبیر اللہ اکبر کے بدلے کوئی اور تعظیم کا لفظ کہہ دے تو جائز ہے۔ فقہ کا یہ مسئلہ بھی صریحاً کئی حدیثوں کی خلاف ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلاة قال اللہ اکبر، (احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۳)۔

غور فرمائیے حدیث شریف سے فقہ کا اختلاف تو تب ہوتا جب کہ فقہاء یہ فرماتے کہ تم جب نماز شروع کرو تو اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل وغیرہ کہا کرو۔ پھر آپ کہتے کہ دیکھو حضور علیہ الصلاۃ والسلام خود بھی اللہ اکبر سے نماز شروع کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں کہ اللہ اکبر سے نماز شروع کرو اور فقہ میں ہے کہ نماز اللہ اجل سے شروع کیا کرو، لیکن فقہ میں ایسا کوئی حکم ہے ہی نہیں کہ تم اللہ اکبر چھوڑ کر اللہ اجل کہا کرو، پھر اختلاف کہاں؟ (حدیث اور اہل حدیث ۷۳)۔

الجواب: مقلد نے تقلید کا بہر حال حق ادا کرنا ہے اس کی یہ مجبوری ہے ورنہ حدیث میں، اللہ اکبر کہنے کی تحدید ہے۔ اور فقہ حنفی نے اس تحدید کو توڑ کر حکم نبوی علیہ الصلاۃ والسلام پر اضافہ کر کے کہا ہے کہ اگر تکبیر کے بدلے میں اللہ کے اسماء میں سے کوئی تعظیم والا نام لیا جائے تو کفایت کر جائے گا، فقہ نے جب حکم رسول اللہ ﷺ کو توڑ دیا تو اختلاف اور کس بلا کا نام ہوتا ہے۔ محترم آپ نے جو ہدایہ سے عبارت نقل کی ہے کہ

ویرفع یدیه مع التکبیر وهو سنة لان النبی علیہ الصلاة والسلام واطب علیہ۔
(ہدایہ ص ۱۰۰ ج ۱)۔

کانوں تک ہاتھ اللہ اکبر کے ساتھ اٹھائے یہی سنت ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۴)۔

اس میں وهو سنة، کے الفاظ ویرفع یدیه، کی طرف مضاف ہیں۔ صاحب ہدایہ کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ہے، جب کہ انوار صاحب یہ باور کر رہے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے، اللہ اکبر، کہنے کو سنت کہا ہے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
مقلد انوار صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

اگر کوئی غیر مقلد اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل کہہ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ جواب قرآن و حدیث سے دیں! دیدہ باید۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵)۔

مقلد صاحب دیدہ باید کہنے کی ضرورت نہیں صرف آپ علم حدیث میں نالائق ہیں سنئے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ ﷺ مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور تحلیل سلام ہے۔
(ابو داؤد کتاب الطہارة باب فرض الوضوء الحديث ۶۱)۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متعدد شواہد ہیں، تفصیل کے لئے۔ (ارواء الغلیل ۳۰۱)۔ کی مراجعت کریں تحریمہا التکبیر میں خبر معرف باللام ہے جو حصر کا فائدہ دیتی ہے، جیسے مفتاح الصلاة الطهور، میں ہے کہ طہارۃ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ویسے ہی تکبیر، اللہ اکبر، نہ کہنے سے نماز نہیں ہوتی۔

باقی مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ میں بطور فرض یہ مسئلہ لکھا ہے، ہم کہتے ہیں بطور فرض ہی سہی مگر فرمان نبوی کے خلاف لکھا ہے، رہا آپ کا آیت سے استدلال تو وہ تفسیر بالرائے ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

(۳) مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں: مولوی اشرف سلیم ایک دوسرا عنوان قائم کرتے ہیں، مذہب حنفی، میں دونوں ہاتھوں کی جگہ، اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ مسئلہ نمبر ۸ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے ہدایہ ص ۱۰۲ جلد اول کی عبارت یوں ہے، ویستمد بیدہ علی الیسری تحت السرة، حدیث رسول اللہ، یہ مسئلہ بھی رسول اللہ کے بالکل مخالف ہے، صحیح ابن خزیمہ میں وائل بن حجر سے روایت ہے، قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھا۔
(حدیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۴)۔

مولوی اشرف سلیم صاحب مشہور کہات! الٹا چور کو تو الٹا کو ڈانٹنے، کا مصداق معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ غیر مقلدین حضرات کے پاس سینے پر ہاتھ باندھنے کی ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث پوری صحاح ستہ اور ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں موجود نہیں، اور یہ جو حدیث پیش کی ہے، ضعیف حدیث ہے، جس سے استدلال کے غیر مقلدین قائل نہیں، جب کہ احتیاف کے پاس ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق حسن درجے کی بہت سی احادیث اور آثار موجود ہیں جن میں سے بعض احادیث صحاح ستہ کی معتبر کتاب ابو داؤد میں موجود ہیں جن کی تفصیل آپ اصل کتاب میں وضع الیدین تحت السرة، کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصل میں تو غیر مقلدین سینے پر ہاتھ باندھ کر صحیح احادیث کی مخالفت خود کرتے ہیں اور الزام یہ ہے کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶)۔

الجواب: ہم نے بھی آگے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے، سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت دیگر آپ کے تمام دلائل کا رد کر دیا ہے، لہذا مولانا اشرف سلیم کا اعتراض درست ہے، صرف آپ تقلیدی عینک سے دیکھ رہے ہیں مقلد کا تعصب دیکھنا کہ ہم سے مطالبہ صحیح حدیث کا ہے لیکن اپنے تقلیدی مذہب کی دلیل بھی چونکہ ایسی کوئی نہ تھی اس لئے حسن کہہ دیا، حالانکہ کوئی ایسی حدیث درجہ حسن کی بھی موجود نہیں، اور سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بلا سبب ضعیف کہہ دیا ہے حالانکہ وہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ اور مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاری کی جرح ثابت نہیں صرف حافظ المذی کو وہم ہوا ہے اور اوپر کی سطر کی بجائے نظر نیچے آگئی ہے۔ دراصل یہ جرح مؤمل بن سعید پر ہے، تاریخ کبیر ص ۴۹ ج ۸ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، امام بخاری نے پہلے مؤمل بن اسماعیل کا ترجمہ لکھا ہے اور کوئی جرح نہیں کی، اس کے بعد مؤمل بن سعید کا ترجمہ لکھا ہے اور منکر الحدیث کہا ہے، تفصیل کے لئے (توضیح الکلام ص ۱۰۷ ج ۲)۔ کی مراجعت کر لیں۔ لہذا انوار صاحب کا صحیح ابن خزیمہ کی روایت کو ضعیف قرار دینا غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجہ کی ہے، رہا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ کوئی روایت کتب ستہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی موجود نہیں، غلط بیانی ہے، تفصیل اپنے مقام پر انشاء الرحمن آرہی ہے، سرے دست ہم آپ سے ایک سوال کرتے ہیں، سوال کے جواب میں حدیث صحیح و صریح کا مطالبہ بھی نہیں کرتے، حسن بھی قبول کر لیں گے، مزید رعایت دیتے ہیں کہ ضعیف بھی قبول کر لی جائے گی، (ہاں البتہ ضعف شدید نہ ہو اور راوی پر کلام حافظے کی وجہ سے ہو کذاب وغیرہ کی جرحیں نہ ہوں) سوال یہ ہے کہ مقلدین کا مذہب ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے اور مرد زیر ناف ہاتھوں کو رکھے، آپ اس کی دلیل دیں مجھے میری

زندگی کے مالک کی قسم ہے کوئی حنفی سپوت اس کو ثابت نہیں کر سکتا۔

(۴) مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی اشرف سلیم صاحب ایک عنوان قائم کرتے ہیں، حنفی مذہب اور نابالغ لڑکے کی امامت، اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۹ ہدایہ میں فقہ کا یہ مسئلہ بھی درج ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اصل عبارت یوں ہے، ولا یحوز للرجال ان یقتدوا بامرہ اوصبی، حدیث رسول، فقہ کا یہ مسئلہ بھی حدیث ہذا کے خلاف ہے، جو صحیح مسلم شریف میں طویل واقعہ کے ساتھ ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھ سات سال کا نابالغ بوقت ضرورت، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۴)۔

مقلد انوار صاحب نے اس کے جواب میں دو عذر کئے ہیں، اول، ابتدائی دور اسلام میں صحابہ کرام نے ایک بچہ کے پیچھے نماز پڑھی، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قصے کی خبر ہوئی اور آپ نے منع نہیں فرمایا، اگر یہ ثابت ہوتا تو غیر مقلدین کا موقف درست ہوتا لیکن غیر مقلدین قیامت تک بھی ثابت نہیں کر سکتے فقہاء احناف کے پاس بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کے آثار ہیں جن میں نابالغ کی امامت سے منع کیا گیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶، ۷۷)۔

الجواب: اول تو مقلد صاحب نے جھوٹ بولا ہے کہ یہ واقعہ ابتدا اسلام کا ہے، حالانکہ حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے، دیکھئے!

(صحیح بخاری کتاب المعازی باب ۵۲ رقم الحدیث ۴۳۰۲)۔

مقلد صاحب تقلیدی عینک اتار کر بخاری کی حدیث کو مکرر ملاحظہ کریں۔

دوم: رہا مقلد صاحب کا یہ مطالبہ کہ یہ ثابت نہیں کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس کی خبر ہوئی، جو با عرض ہے کہ جس فعل کو صحابہ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی مبارکہ میں کرتے رہے ہوں اور اس فعل سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے منع نہ فرمایا ہو، وہ عمل حکماً مرفوع ہوتا ہے، تمام آئمہ و محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ مقدمہ ابن الصلاح میں صراحت ہے اور اس کی شرح میں علامہ عراقی نے بھی وضاحت کی ہے (التقییند والیضاح ص ۶۸) اور علامہ سیوطی نے (تدریب الراوی ص ۱۸۶ ج ۱)۔

میں حافظ ابن کثیر نے مقدمہ ابن الصلاح کے، اختصار ص ۵۶ میں اور علامہ احمد شاہ فرماتے ہیں کہ یہ مؤقف ہے، امام حاکم، امام رازی، علامہ آمدی، علامہ نووی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ کا (الباعث الحثیث ص ۵۶) دیوبندی مکتب فکر کے مقلد مولوی ظفر احمد تھانوی نے، قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۲۷ میں اور بریلوی

مقلد غلام رسول سعیدی نے، (شرح صحیح مسلم ص ۱۷۵ ج ۱) میں صراحت کی ہے۔
لہذا انوار مقلد کا مذکورہ مطالبہ فضول ہے اور ایک صحیح و صریح حدیث کو رد کرنے کے لئے تقلیدی چالاکي ہے۔

سوم: مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ نابالغ بچہ کی ممانعت پر آثار صحابہ کرام ہیں، تو یہ سب کے سب ضعیف و من گھڑت اور باطل ہے۔ تفصیل اصل کتاب میں آرہی ہے۔

(۵) مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کے ایک غالی قسم کے مولوی طالب الرحمن صاحب فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے عوام کے سامنے فقہ کا یہ مسئلہ پیش کیا کرتے ہیں کہ

وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر وخرء الدجاج وبول الحمار جازت الصلاة معه وان زاد لم تجز۔ (ہدایہ ص ۷۴ ج ۱)۔

درہم یا اس سے کم نجاست غلیظہ مثلاً خون پیشاب، شراب، مرغی کی بیٹ گدھے کا پیشاب کپڑے پر لگی رہی اور نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، اور اگر نجاست اس سے زیادہ ہوگی تو نہیں ہوگی، مقلد صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے متعدد عذر کئے ہیں۔

پہلا عذر: فرماتے ہیں: فقہ میں نمازی کے کپڑے بدن جگہ سب کا پاک ہونا واجب قرار دیا گیا ہے، سوچئے کہاں اختلاف رہا، ہاں فقہ میں بطور فرض یہ مسئلہ ضرور ہے اگر کسی نمازی کے کپڑے یا بدن پر ایک درہم یا اس سے کم نجاست لگی رہ جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ ہو جائے گی، اس خاص جزئی مسئلہ کے خلاف اگر طالب الرحمن صاحب کے پاس قرآن کی کوئی آیت یا حدیث ہو تو پیش کریں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹)۔

الجواب: اولاً مقلد صاحب کا اسے جزئی قرار دینا محض فریب ہے، قرآن و حدیث میں نماز کے لیے طہارت کو شرط قرار دیا گیا۔ وہ (نجاست) کم ہو یا زیادہ، بہر حال وہ طہارت کے معافی ہے۔
وثیابک فطھر، اور اپنے کپڑے کو پاک رکھو! اور حدیث نبوی، مفتاح الصلاة الطھور، نماز کی کنجی طہارت ہے، قرآن و سنت سے آپ مقدار درہم کی معافی ثابت کریں، صرف جزئی کہہ کر پلہ چھڑانے سے نہیں چھوٹے گا۔

ثانیاً: رفع حاجت کے بعد استنجاء کا حکم نبوی ہے اور درہم سے کم ہوتی ہے بالخصوص، انسانی عضو کا سوراخ تو درہم سے کہیں کم ہوتا ہے۔

دوسرا عذر: بہت سی احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انسان بالکلیہ نجاست کے ازالہ کا مکلف نہیں، تھوڑی نجاست معاف ہے مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جب مکھی تم

میں سے کسی کے برتن میں گر جائے تو اسے اس میں اچھی طرح ڈبو کر نکال دو کیونکہ اس کے دونوں پروں میں سے ایک میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء ہے۔

(ابو داؤد ص ۱۸۱ ج ۲)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قلیل نجاست معاف ہے، کیونکہ مکھی میں نجس و ناپاک چیزوں پر بیٹھنے کی وجہ سے تھوڑی سی نجاست ضرور ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اسے سالن وغیرہ میں ڈبو کر نکالنے کا حکم ہوا، معلوم ہوا کہ اتنی نجاست معاف ہے ورنہ تو جس چیز میں مکھی گرتی وہ چیز ناپاک ہو جانی چاہئے تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۰)۔

الجواب: اولاً مقلد صاحب نے قیاس فاسد سے کھانے پینے کی اشیاء پر نماز کو قیاس کیا ہے، قیاس اگر صحیح بھی ہو تو تب بھی نظیر پر نظیر کو قیاس کیا جاتا ہے، مگر مقلد نے ضد پر قیاس کیا ہے۔ محترم مکھی میں خون نہیں ہوتا۔

ثانیاً: مکھی تو خود درہم سے کہیں چھوٹی ہوتی ہے، اس پر اگر احتمال نجاست ہو بھی تب بھی قلیل ہے، جو درہم سے سینکڑوں گنا کم ہے، لہذا آپ کوئی ایسی مثال دیں جس میں مقدار درہم نجاست کی معانی ہو۔

ثالثاً: مقلد انوار صاحب نے اشیاء خورد و نوش پر نماز کو قیاس کیا ہے، تو کیا وجہ ہے؟ نماز پر اشیاء خورد و نوش کو قیاس کر لیں اور یہ فتویٰ صادر کریں کہ شربت کے گلاس میں یا چائے کے کپ میں درہم بھر نجاست گر جائے تو مقلدین اسے پی سکتے ہیں، اگر مقلد انوار صاحب یہ فتویٰ نہ دیں تو وجہ فرق بیان کریں۔

تیسرا عذر: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ نے جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں، صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی جوتیاں اتار دیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے ابھارا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم نے آپ کو جوتیاں اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے آ کر خبر دی تھی کہ جوتیوں میں ناپاکی لگی ہوئی ہے۔ (ابو داؤد ص ۹۵ ج ۱)

اس حدیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ تھوڑی نجاست معاف ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ معلوم ہو جانے پر کہ جوتیوں میں ناپاکی لگی ہوئی ہے جوتیاں اتار کر نماز پڑھاتے رہے اور نماز نہیں توڑی نجاست معاف نہ ہوتی تو آپ نماز توڑ دیتے اور جوتیاں اتار کر نئے سرے سے نماز پڑھاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۰)۔

الجواب: اولاً مقلد صاحب حدیث میں مقدار نجاست کا سرے سے ذکر ہی نہیں کہ کم تھی یا زیادہ، صرف نجاست کا ذکر ہے، اور آپ کا تھوڑی مقدار میں قرار دینا اپنی طرف سے تشریح ہے۔

ثانیاً: حدیث اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ اگر لاعلمی کی وجہ سے ناپاکی کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی، اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

ثالثاً: نجاست کم تھی یا زیادہ بہر حال نبی مکرم ﷺ لاعلمی میں نماز پڑھتے رہے، جب جبریل نے اطلاع دی تو نجس جو تیاں اتار دیں، مقلد انوار صاحب کا دعویٰ کہ یہ تھوڑی نجاست تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کس سے دلیل پکڑ رہے ہیں، جو تیاں اتارنے سے یا لاعلمی میں جو تیاں سمیت نماز پڑھنے پر قیاس کیا ہے، مقلد کا یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ قیاس تو یہ ہے کہ نظیر کو نظیر پر قیاس کیا جائے۔ لیکن مقلد صاحب نے ضد پر قیاس کیا ہے۔ علم ہونا، نہ ہونے کی ضد ہے، لہذا مقلد انوار صاحب کا قیاس باطل ہے۔ لہذا مقلد انوار صاحب کوئی ایسی دلیل دیں جو اس بات پر بین ہو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر ہوتے ہوئے نجس کپڑے وغیرہ میں نماز پڑھی، اگر آپ ایسی کوئی حدیث ثابت کر دیں تو ہم آپ کے مسئلہ مقدار درہم کو درست تسلیم کر لیں گے۔ ان شاء اللہ۔

چوتھا عذر: جب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ کچھ نہ کچھ نجاست تو معاف ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوام کو کیسے بتلایا جائے کہ اتنی نجاست معاف ہے۔ اس کے کپڑوں پر لگے رہنے کی صورت میں نماز ہو جائے گی، اس سے زیادہ رہنے کی صورت میں نہیں ہوگی، یہ حد مقرر کرنے کے لئے فقہاء نے اس حدیث میں غور کیا جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: جب تم میں سے کوئی پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ اپنے ساتھ تین پتھر لیتا جائے جن سے وہ استنجاء کرے، یہ تین پتھروں سے استنجاء کر لینا اس کے لئے کافی ہوگا۔

(ابو داؤد ص ۶ ج ۱)۔

(یعنی پھر پانی سے استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی) اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی پتھروں سے استنجاء کر لے تو یہ بھی کافی ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ پتھروں سے استنجاء کرنے سے نجاست بالکلیہ زائل نہیں ہوتی کیونکہ پتھر نجاست کو خشک یا پونچھ تو دیتے ہیں لیکن بالکلیہ زائل نہیں کرتے کچھ نہ کچھ نجاست رہ جاتی ہے۔ لیکن اس نجاست کو شریعت نے معاف قرار دیا ہے، ورنہ پانی سے استنجاء کرنا لازمی قرار دیا جاتا، اور پاخانہ کی جگہ جہاں قلیل نجاست لگی رہ جاتی ہے وہ درہم کے برابر ہے، اس پر نظر کرتے ہوئے فقہاء نے یہ تفریق کی کہ اگر نجاست غلیظہ درہم یا اس سے کم بدن یا کپڑوں پر لگی رہ جائے تو نماز ہو جائے گی، اور اگر اس سے زیادہ لگی رہی تو نماز نہیں ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس نجاست کو لگا رہنے دیا جائے بلکہ اس کا زائل کرنا ضروری ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱)۔

الجواب: اولاً مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے، غلط محض ہے، ہم مقلد

صاحب کی تمام دلیلوں پر تبصرہ کر چکے ہیں، اور گزشتہ صفحات میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ مقلد انوار صاحب کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

ثانیاً: ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء کرنے سے نجاست ختم ہو جاتی ہے، اور بدن پاک ہو جاتا ہے، سید الرسل ﷺ فرماتے ہیں، فانہا تجزى عنه، یعنی یہ اس کے لئے کافی ہیں، مگر انوار صاحب اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ نجاست باقی رہ جاتی ہے۔

لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

محترم پتھر یا ڈھیلے نجاست کو بالکل زائل کر دیتے ہیں ان سے نجاست کو فقط پونچھنا اور خشک کرنا ہی مقصود ہوتا تو نجس چیز سے بھی استنجاء کرنے کی اجازت ہوتی مگر نبی مکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اگر جناب مقلد صاحب بھول گئے ہوں تو ہم توجہ دلاتے ہیں کہ صفحہ ۲۰۸ پر آپ نے مسند احمد ص ۴۸۷ ج ۳ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہڈی اور میٹگی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے تین پتھر لانے کا حکم دیا مجھے دو پتھر ملے اور تیسرا نہ ملا، میں لید کا ٹکڑا لے آیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر لے لئے اور لید کو پھینک دیا اور فرمایا، ہذا کس، یہ نجس ہے۔

(بخاری کتاب الوضوء باب لا یستنجی بروث الحدیث ۵۶)۔

الغرض ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد نجاست زائل ہو جاتی ہے، اس کا انکار مقلد انوار صاحب کی محض تقلیدی ضد ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد انوار صاحب نے چند عبارات نواب صدیق خاں محدث قنوجی اور نور الحسن خاں صاحب سے ذکر کی ہیں، ان کی عبارات قرآن ہے نہ حدیث لہذا ہم پر حجت نہیں، جب مرفوع احادیث کے بالمقابل اقوال صحابہ بھی حجت نہیں تو متاخرین کے اقوال کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں کہ بعض اہل حدیث نے بھی مروجہ فقہ کی روش پر بعض کتب تصنیف فرمائیں۔ جیسے نواب وحید الزماں، نواب صدیق حسن خاں ان میں بھی اس قسم کا غیر محتاط مواد آ گیا ہے۔ جو یقیناً قابل قبول نہیں۔ (مقدمہ حسن البیان ص ۱۸)۔

آپ کے پیرو مرشد ماسٹر محمد امین صفدر مقلد نے بھی اعتراف کیا ہے کہ نواب صدیق حسن اور نواب نور الحسن خاں کی کتب فقہ کو اہل حدیث علماء اور عوام نے قبول نہیں کیا دیکھئے!۔

(تجلیات صفدر ص ۲۱ ج ۱ و مجموعہ رسائل ص ۹۷ ج ۳)۔

مقلدین کے بارے حقیقین کا نظریہ:

مقلد انوار صاحب نے صفحہ ۸۴ پر ایک عنوان غیر مقلدین کا احناف کے بارے میں نظریہ، قائم کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے کہ اہل حدیث ہمیں، مشرک، احبار و رہبان کا پجاری، تقلید کا مریض، اپنے امام کو نبی بلکہ خدا کے برابر سمجھتے ہیں، قرآن و حدیث کی بجائے اقوال آئمہ پر عمل کرتے ہیں بطور دلیل چند عبارات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں سب جھوٹ اور بہتان ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۶)۔

الجواب: اولاً جو حنفی قرآن و حدیث کو مقدم رکھے اور قرآن کی آیت اور حدیث کے بالمقابل تقلید کو چھوڑ کر سنت پر عمل کرے۔ توحید کا قائل ہو، شرک سے بیزار ہو وہ کسی اہل حدیث کے نزدیک مشرک اور احبار و رہبان کا پجاری نہیں، ہاں جو حنفی نصوص کے بالمقابل اقوال فقہاء کو ترجیح دے وہ پکا مشرک ہے، احبار و رہبان کا پجاری ہے، یہ صرف ہم ہی نہیں کہتے بلکہ مقلدین کے اکابرین بھی اس کا برملا اعلان کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

وترى العامة سيما اليوم في كل قرية يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين ويرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو في المسئلة كالخروج من الملة كانه نبى بعث اليه وافترض طاعته عليه۔

یعنی اور آپ عام لوگوں کو دیکھو گے بالخصوص آج کل کہ ہر شہر میں کسی مذہب کی پابندی کرتے ہیں اور کسی انسان کا اپنے امام کے مذہب سے خروج اگرچہ وہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو، ملت سے خروج کی طرح خیال کرتے ہیں گویا کہ وہ امام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، اس کی اطاعت اس پر فرض ہے۔ (تفہیمات ص ۱۰۱ ج ۱)۔

قاضی ابن ابی العز شاری عقیدہ طحاویہ فرماتے ہیں

فطائفة قد غلت في تقليده فلم تترك له قولاً وانزلوه منزلة (الرسول ﷺ) وان اورد عليهم) نص مخالف قوله تاولوه على غير تاويله ليدفعوه عنهم۔

یعنی ایک گروپ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید میں غلو کیا ہے، وہ ان کا کوئی قول ترک نہیں کرتے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ٹھہرا دیتے ہیں اگر ان کے قول کے خلاف کوئی نص ان کے سامنے پیش کی جائے تو وہ اس کی غیر مناسب تاویل کرتے ہیں، تاکہ ان کا دفاع کیا جاسکے۔

(الاتباع ص ۳۰)۔

امام عز الدین ابن عبدالسلام فرماتے ہیں -

فان احدہم يتبع امامہ مع بعد مذہبہ عن الادلۃ مقلدالہ فیما قال کانہ نبی ارسل الیہ
وہذا ناعی عن الحق وبعد عن الصواب ولا یرضی احد من اولی الالباب۔

ان (مقلدین) میں سے ایک اپنے امام کی محض تقلید کی بنا پر پروی کرتا ہے باوجود کہ اس کا مذہب
دلائل سے دور ہے، جیسا کہ ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے یہ حق کی مخالفت اور راہ صواب سے
دوری ہے اور کوئی بھی عقل مند اس پر راضی نہیں ہوگا۔

(القواعد ص ۱۳۶ ج او الرد علی من اخلد الی الارض للسیوطی ص ۱۳۱)۔
علامہ محمد حیات سندھی فرماتے ہیں۔

وتراہم یقرؤن کتب الحدیث ویطالعونها ویدرسونها لایعملوا بہا بل لیعلموا دلایل
من قلدوہ وتاویل ماخالف قولہ ویبالغون فی المحامل البعیدۃ واذا عجزنا عن المحمل قالوا
من قلدنا اعلم منا بالحدیث۔

یعنی آپ مقلدین کو دیکھو گے کہ وہ کتب احادیث کو پڑھیں گے ان کا مطالعہ کریں گے اور ان کی
تعلیم دیں گے۔ ان پر عمل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ ہمارے امام کے دلائل کا ہمیں علم
ہو جائے، اور جو ان کے اقوال کے خلاف ہے، اس کی تاویل کی جائے وہ ان کی بڑی دور کی تاویل
کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں اور جب کسی محمل پر محمول کرنے سے عاجز آجائیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا امام
ہم سے زیادہ حدیث جانتا ہے۔ (تحفہ الانام ص ۲۶ والایفاظ ص ۷۱)۔

علامہ محمد حیات سندھی مرحوم کی بات کی تصدیق مقلد انوار صاحب نے بھی کی ہے، سبب تالیف،
کے زیر عنوان فرماتے ہیں کہ، دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمیں اپنی فقہ کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہئے کہ کیا
واقعی غیر مقلدین کے کہنے کے مطابق ہمارے پاس احادیث نہیں ہیں۔ اور ہم اقوال رجال ہی پر عمل
کرتے ہیں یا ہمارے پاس بھی احادیث ہیں اور ہمارا عمل بھی احادیث پر ہے، چنانچہ جب ہم نے اپنی
فقہ کا جائزہ لینا شروع کیا تو ہر مسئلہ میں اس قدر احادیث نظر آئیں کہ عقل حیران رہ گئی۔ (حدیث اور
اہل حدیث ص ۱۳۲)۔

بد نصیب مقلد انوار صاحب نے احادیث کا مطالعہ کیا تو فقہ حنفی کے دلائل تلاش کرنے کے لئے
جس سے علامہ محمد حیات سندھی مرحوم کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے، خیر ان حوالہ جات کو نقل کرنے کا
مقصد یہ تھا کہ یہ صرف اہل حدیث کا الزام نہیں بلکہ امر واقعہ ہے کہ مقلدین میں سے بعض غالی حضرات
امام کو نبی کا رتبہ دیتے ہیں اور امام کے قول سے انحراف دین و ملت میں بغاوت کے مترادف جانتے

ہیں، قیاس مجتہد کے خلاف ارشاد ربانی اور احادیث خیر الانام ﷺ سے کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مقلد فرماتے ہیں۔ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث بھی کان میں پڑتی ہے تو ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کیسی کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو، خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ خود دل میں بھی اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل یہ نہیں جانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیحہ صریحہ پر عمل کریں۔

(خط بنام مولانا رشید احمد گنگوہی مقلد مندرجہ تذکرہ الرشید ص ۱۳۱ ج ۱)۔

ایسی تقلید کے شرک، اور احبار و رہبان کی پوجا ہونے کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطاء و معصیب وجوبا مفروض الطاعة تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیحہ مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے۔ ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ، اتخذوا احبارہم، الخ..... اور خلاف وصیت آئمہ مرحومین ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۸۸ ج ۴ طبع قدیم، ص ۲۹۷ ج ۵ طبع جدید)۔

سرفراز خاں صفدر مقلد فرماتے ہیں۔

کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے مخالف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے، ہم بھی کہتے ہیں، لاشک فیہ (اس میں کوئی شک نہیں)۔ (الکلام المفید ص ۳۱۰)۔

لہذا مقلد انوار صاحب کا یہ واویلا کہ یہ باتیں سب جھوٹ ہیں محض دفع الوقتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فقہی مسالک میں سب سے زیادہ منکر حدیث کا ٹولہ حنفی ہیں، انہیں سنت سے جتنی چڑ ہے اتنی شیطان لعین سے بھی شاید نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور مقلدین کے اصول اجتہاد:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے اصول اجتہاد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں کوئی حکم نہیں پاتا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتا ہوں اور اگر کتاب و سنت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کو لیتا ہوں، ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لے لیتا

ہوں، اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن سب حضرات صحابہ کرام کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا، اور جب معاملہ ابراہیم، شععی، ابن سیرین، حسن، عطاء، اور سعید بن مسیب تک، ان کے علاوہ کچھ اور نام بھی گئے پہنچتا ہے تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔ (تاریخ بغداد ص ۳۶۸ ج ۱۳)۔

احناف کثر اللہ سوادہم استنباط مسائل میں حتی الوسع قرآن و سنت کو سامنے رکھتے ہیں، اور کسی بھی مسئلہ کے صراحتاً قرآن و سنت میں ہوتے ہوئے قیاس و اجتہاد نہیں کرتے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸)۔

الجواب: اولاً غیر مقلد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بیان کرنے والا راوی مجہول ہے، تاریخ بغداد میں جو اس کی سند ہے، عبید بن ابی قرہ فرماتے ہیں
سمعت یحییٰ بن ضریس یقول شہدت سفیان، و اتاہ رجل فقال لہ، ماتنقم علی ابی حنیفہ؟ قال و مالہ، قال، سمعته یقول،

اس سلسلہ سند پر غور کریں اس میں، رجل، مجہول ہے، اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کی جائے اگر اس کو قبول کر بھی لیا جائے تو تب بھی اس کا یہ معنی و مفہوم قطعاً نہیں کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ صاحب کتاب و سنت اور اقوال صحابہ سے ہٹ کر کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ ان کا طریق اجتہاد اپنی معلومات کے مطابق ہوتا تھا۔ امام صاحب ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہ تھے، حالانکہ یہ موقف و نظریہ نصوص کتاب و سنت اور آثار صحابہ کرام کے یکسر خلاف تھا۔ ایسا ہی مدت رضاعت کا مسئلہ صریح نص کے خلاف ہے۔

ثانیاً: حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کی فقہ اور فتاویٰ تمام قیاس و رائے پر مشتمل ہیں۔ ان کا اہل الرائے ہونا مشرق و مغرب میں شائع ہے، جو حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے، اس تواتر کو من گھڑت اور باطل اسناد کی بنا پر رد نہیں کیا جاسکتا، مناسب ہے، پہلے اہل الرائے کی تعریف کر دی جائے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

فان احمد واسحاق بل الشافعی ایضاً لیسوا من اهل الراى بالاتفاق وهم يستنبطون ویقیسون، بل المراد من اهل الراى قوم توجهو بعد المسائل المجمع علیہا بین المسلمین او بین الجمهور ہم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین فکان اکثر امرهم علی النظر ورد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار۔

یعنی بلاشبہ امام احمد، امام اسحاق، بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی بالاتفاق اہل الرائے سے نہیں ہیں حالانکہ وہ استنباط و قیاس کرتے ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے

متفق علیہا مسائل کے بعد کسی مقدم شخص کے قواعد پر مسائل کی تخریج کی طرف توجہ کی ان کا اکثر دستور بھی یہی تھا کہ مسئلہ میں اس کے مشابہ مسئلہ کا جو حکم ہوتا وہی حکم اس مسئلہ پر بھی لگا دیتے اور مسئلہ کو انہیں قواعد کی طرف پھیر پھار کر لے جاتے احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کرام کو تلاش نہ کرتے تھے۔ (حجة الله البالغة ص ۱۶۱ ج ۱)۔

جب آپ نے اہل الرائے کے حقیقت کو جان لیا تو اب سننے امام صاحب کے متعلق امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تبصرہ، فرماتے ہیں۔

وكان أبو حنيفة الزمهم بمذهب ابراهيم و اقرانه لا يجاوزه الا ماشاء الله و كان عظيم الشان في تخریج على مذهبه دقيق النظر في وجوه التخریجات مقبلا على الفروع اتم اقبال۔ یعنی امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے۔ اور بہت ہی کم ان سے تجاوز کرتے اور امام ابراہیم نخعی کے مذہب کی تخریج میں بڑی شان رکھتے اور تخریج کی وجوہ میں باریک بین تھے۔ فروع پر پوری توجہ اور انہماک تھا۔ (حجة الله البالغة ص ۱۴۶ ج ۱)۔

اس پوری بحث سے امام صاحب کا اہل الرائے ہونا ثابت ہو گیا۔ اور آج کے تمام حنفی خواہ وہ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں یا دیوبندی گروپ سے ہوں، وہ فتویٰ دیتے ہوئے فقہ حنفیہ کی جزئیات سے مسائل کو تخریج کرتے ہیں، قرآن و سنت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ مقلد مفتی رشید احمد صاحب نے تو ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے۔ رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔

(احسن و الفتاویٰ ص ۵۵ ج ۳)۔

لہذا مقلد انوار صاحب کا یہ لکھنا کہ اصل اہل حدیث تو حنفی ہیں ص ۸۸ غلط بیانی اور حقیقت کے خلاف ہے،

کیا حنفی اہل حدیث ہیں؟:

مقلد انوار خورشید صاحب نے یہاں پر یہ بحث بھی اٹھائی ہے کہ اصل اہل حدیث احناف ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے نزدیک مرفوع کے ساتھ ساتھ حدیث موقوف اور مرسل بھی حجت ہے اور خبر واحد کے ساتھ ضعیف حدیث کو بھی اجتہاد و قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۸، ۸۷)۔

الجواب: اولاً یہ محض آپ کا دھوکا ہے۔ ورنہ دنیا میں حنفیہ سے بڑھ کر کوئی مقلد حدیث کا منکر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کسی مسجد میں بھی حدیث کا درس بغیر تنقید کے نہیں ہوتا۔

ثانیاً: چلو ہم آپ کی اس بات کی تحقیق کر لیتے ہیں آپ حنفی دیوبندی مسجد میں درس حدیث شروع

کردیں، درس کے لئے حدیث کی کسی بھی کتاب کا انتخاب کر لیں، خواہ طحاوی کی شرح معانی الآثار ہی کیوں نہ ہو۔ روزانہ دس بیس حسب توفیق جتنی چاہیں احادیث پڑھ کر ان کا ترجمہ کر دیا کریں، آپ سے حلفاً وعدہ لیا جاتا ہے کہ آپ صرف ترجمہ کریں گے، اور وہ بھی صحیح درست کریں گے، احادیث کو حنفی شافعی مالکی اور حنبلی موقف پر تقسیم نہیں کریں گے، صرف ترجمہ کر کے عوام الناس کو اس پر دعوت عمل دیں گے، احادیث میں کیڑے نہیں ڈالیں گے۔ مزید آپ کو رعایت دیتے ہیں ناخ و منسوخ پر بحث کر لیا کرنا، مگر کسی حدیث کو منسوخ قرار دینے کے لئے واضح حدیث پیش کریں گے، جیسے یہ حدیث ہے۔ میں زیارت قبور سے روکا کرتا تھا مگر اب کیا کرو۔

(مسلم رقم الحدیث ۲۲۶۰)۔

اس طریق سے درس شروع کریں پھر دیکھئے آپ کو کیا کیا سننا پڑتا ہے خارجی، ناصبی، وہابی، غیر مقلد، آئمہ کا گستاخ، لاندہب، آوارہ، وغیرہ فتاویٰ تو معمولی ہیں، یقین جانئے کہ آپ ہاتھ میں قرآن پکڑ کر قسمیں اٹھاتے پھریں گے اس کتاب کو اتارنے والے رب کی قسم ہے میں حنفی دیوبندی مقلد ہوں، میرا صرف اتنا جرم ہے کہ میں نے احادیث سید المرسلین ﷺ کا درس دینا شروع کیا تھا۔ مگر آپ کی قسموں پر کوئی دیوبندی اعتبار نہیں کرے گا، بڑے بڑے مفکر دیوبندیت، مسلم الثبوت، سے عبارت پڑھ کر سنائیں گے کہ رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔ لہذا آپ غیر مقلد ہندہب ہیں، حنفیت کا لبادہ اوڑھ کر عوام الناس کو درس حدیث دے کر ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں، امید واثق ہے کہ ایسی ہمت مردانہ مقلد انوار صاحب قطعاً نہیں کریں گے۔

چلو مزید رعایت دیتے ہیں کہ آپ کسی بھی دیوبندی مسجد میں درس حدیث کی اجازت لے دیں ہم کسی طالب علم کو پابند کر دیں کہ وہ کسی حدیث کی کتاب کا بالاستیعاب درس دیا کرے گا، آپ اور آپ کی جماعت کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ لیا کریں گے کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ حسن ہے، یہ ضعیف ہے، یہ مرسل ہے، یہ مرفوع یا موقوف ہے، ہاں البتہ یہ سب واجب العمل ہیں ان پر عمل نہ کرنے والا منکر حدیث اور گمراہ ہے۔

اگر آپ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک بھی قبول نہ کریں تو ثابت ہوا کہ آپ کا دعویٰ اہل حدیث ہونے کا جھوٹا ہے۔ اور آپ محض مقلد ہیں تقلیدی اصول کے تحت ہی حدیث کو قبول کرتے ہیں، خواہ وہ صحیح ہو یا موضوع۔

کیا حنفی تقلید کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں:

مقلد انوار صاحب نے ص ۸۹ پر ایک عنوان ,, چند مسائل جن میں قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا

گیا ہے،، کے تحت گیارہ مسائل کی نشان دہی کی ہے، جو طہارت سے شروع ہو کر، صوم، تک ہیں، اگر مقلد انوار صاحب دس کی گنتی تک رہتے تو ہم سمجھتے کہ قرآن کی آیت، تملک عشرۃ کے ماتحت دس کا عدد پورہ ہو گیا ہے، لیکن گیارہ کی تعداد سے ثابت ہوا کہ موصوف کو طہارت سے لے کر ابواب صوم تک صرف گیارہ ہی مسائل مل سکے ہیں۔ ان مسائل کی حقیقت تو آگے آرہی ہے سردست ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان مسائل میں مقلد انوار گروپ نے تقلید کو چھوڑ کر احادیث کو قبول نہیں کیا بلکہ تقلیدی مسائل کے دلائل تلاش کر کے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ گو قیاس کے خلاف ہیں مگر ہم نے احادیث کی بنا پر انہیں قبول کر لیا ہے، حالانکہ تحقیق تقلید کے خلاف ہے، انہیں چاہئے تھا کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ثابت کرتے یہ یہ مسئلے قیاس کے خلاف ہیں مگر میں نے احادیث نبویہ کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے، لیکن انوار مقلد نے اپنے حواریوں سمیت مغالطہ کھایا ہے اور عوام الناس کو دھوکا دیا ہے۔ اب آئیے ان مسائل کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

جن کا مقلد انوار نے خلاف قیاس ہونا، قرار دیا ہے۔

پہلا مسئلہ:

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نوم (نیند) بلا تفریق ہر حال میں ناقض الوضوء ہو جیسا کہ بے ہوش ہو جانا ہر حال میں ناقض الوضوء ہے، کیونکہ نقض وضو کی علت دونوں میں مشترک ہے، لیکن چونکہ نیند کے متعلق حدیث میں تفصیل آئی ہے کہ نماز میں قیام، قعود، رکوع، سجود، میں کوئی سو جائے تو اس پر وضوء لازم نہیں ہے، اس لئے ہر نیند کو ناقض وضوء قرار نہیں دیا گیا، اور حدیث پر عمل کرتے ہوئے قیاس کو چھوڑ دیا گیا، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

والا غماء حدث فی الاحوال کلھا وهو القیاس فی النوم الا انا عرفنا بالاثار والا غماء فوقہ فلا یقاس علیہ (ہدایہ ص ۲۶ ج ۱)۔

بے ہوشی ہر حال میں ناقض وضوء ہے، اور نیند کی بابت بھی قیاس یہی ہے۔ (کہ وہ ہر حال میں ناقض وضوء ہو) مگر نیند (میں تفصیل) کو ہم نے حدیث سے معلوم کیا ہے، اور انما نیند سے بڑھ کر بھی ہے اس لئے کہ نیند کو انما پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۹)۔

الجواب: اولاً: صاحب ہدایہ کے قول کو سمجھنے میں مقلد انوار صاحب نے خطا کی ہے اس پر تنبیہ سے پہلے نیند کے متعلق مبتدعین دبانہ کے مقلد اکابر کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔ معروف مقلد مولوی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب غیر ناقض، یہ مسلک آئمہ اربعہ اور جمہور کا ہے درحقیقت اس کے..... قائلین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوم بنفسہ ناقض نہیں، بلکہ مظنہ

خروجِ ریح کی وجہ سے ناقض ہوتی ہے، غیر غالب ناقض نہیں، البتہ نوم غالب یعنی ایسی نیند جس سے انسان بے خبر ہو جائے اور استرخاء مفصل تحقق ہو جائے ناقض وضوء ہے۔

چونکہ حالت نوم میں خروجِ ریح کا علم نہیں ہو سکتا اس لئے استرخاء مفصل کو شرعاً خروجِ ریح کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث باب میں

اذا اضطجع استرخت مفاصله

کے الفاظ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکم مدار استرخاء مفصل پر ہے، لہذا اگر استرخاء مفصل کے باوجود کسی کو عدم خروج کا یقین ہو تب بھی نقض وضوء ہو جائے گا۔ (درس ترمذی ص ۲۹۴ ج ۱)۔

جب آپ نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا تو اب صاحب ہدایہ کے کلام کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔ محترم مقلد انوار صاحب مؤلف ہدایہ یہ کہہ رہے ہیں کہ نوم غیر غالب کو بیہوشی پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ بیہوشی نیند سے فوق ہے، اور اعلیٰ پر ادنیٰ کو قیاس نہیں کیا جاتا، والاغماء فوقہ، کا مطلب بیان کرتے ہوئے شارح ہدایہ علامہ خوارزمی فرماتے ہیں۔

لان فی النوم اذانبہ انتبه وفي الاغماء لا۔

یعنی اس لئے کہ جب سوئے ہوئے کو خبردار کیا جائے تو وہ متنبہ ہو جاتا ہے، جب کہ بیہوشی میں نہیں۔ (الکفایہ ص ۴۵ ج ۱)۔

یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کے شارح علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں۔

فلیس القیاس فی کل نوم النقص۔

یعنی قیاس کا یہ تقاضا نہیں کہ ہر نیند ناقض وضوء ہے۔ (فتح القدیر ص ۴۶ ج ۱)۔

ثابت ہوا کہ مقلد انوار کا جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم نے قیاس کو حدیث کی وجہ سے ترک کیا ہے، کیونکہ قیاس کا یہ قطعاً تقاضا نہیں کہ ہر نیند ناقض وضوء ہے، اور پھر اسے بیہوشی پر قیاس کرنا اور بھی قیاس فاسد ہے۔ ثانیاً: اگر مقلد انوار صاحب اس پر ہی اصرار کریں کہ ہم نے قیاس کو چھوڑا ہے تو ہم کہتے ہیں کب چھوڑا ہے، مبتدعین دیانہ کے مقلد اکابر مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب تو فرماتے ہیں۔

نوم کے ناقض ہونے کا اصل مدار حدیث باب کی تصریح کے مطابق استرخاء مفصل پر ہے اور اسی کے لئے فقہاء نے علاقہ مقرر کر رکھی ہیں۔ اور چونکہ استرخاء مفصل زمانہ اور لوگوں کے قوی کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، یہ حدود بھی دائمی نہیں ہیں، لہذا حنفیہ کو آج کل اپنے اس مسلک پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ حالت نماز میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس زمانہ میں حالت نماز میں بھی استرخاء تحقق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ حالت نماز میں سونے کے دوران وضوء ٹوٹ بھی جاتا ہے، اور سونے والے کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

(الکوکب الدرہ ص ۵۰ ج ۱ و درس ترمذی ص ۲۹۵ ج ۱)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مقلد انوار کے اکابر نے حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو ترجیح دی ہے، لہذا مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا دعویٰ غیر ثابت شدہ ہوا۔

ثالثاً: اب آئیے ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ حنفیہ نے حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو اپنایا ہے، طہارت سے ہی اس کی مثال سنئے کہ حنفیہ نے حدیث قلتین کے برعکس وہ درودہ حوض کو پانی کثیر قرار دیا ہے، حالانکہ وہ درودہ پر کوئی حدیث موجود نہیں، انوار صاحب کو ہمارا چیلنج ہے وہ پانی کثیر کی مقدار وہ درودہ پر صحیح صریح مرفوع متصل نہ سہی صحیح صریح موقوف متصل ہی پیش کر دیں، مزید رعایت دیتے ہیں کہ مرسل منقطع ہی نقل کر دیں۔ ہماری طرف سے صرف دو شرطیں ہیں (۱) موضوع نہ ہو، (۲) صریح ہو، اور جو انوار صاحب نے احادیث پیش کی ہیں ان کی حقیقت اصل کتاب میں آرہی ہے کہ ان میں سے کسی روایت کا یہ معنی و مفہوم نہیں کہ پانی کثیر وہ درودہ ہے تو کیا یہ حدیث صحیح صریح کے بالمقابل قیاس فاسد نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز میں قہقہہ مارنے سے وضوء نہیں ٹوٹنا چاہئے کیونکہ قہقہہ کوئی ناپاک چیز تو ہے نہیں جو بدن سے نکلی ہو۔ اور نکلنے سے وضوء ٹوٹ جائے لیکن چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں قہقہہ مارنے والوں کو وضوء کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے نماز میں قہقہہ مارنے سے وضوء کے ٹوٹنے کا قول کیا گیا اور قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۹۰)۔

الجواب: اولاً: مقلد صاحب کا بیمار قیاس ملاحظہ کریں کہتے ہیں کہ قہقہہ کوئی ناپاک چیز نہیں، بلفظ دیگر مقلد انوار صاحب کو یہ قیاس فاسد تب مفید تھا جب صرف نجس چیز کے نکلنے سے ہی وضوء ٹوٹا۔ مقلد صاحب کو آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ دبر سے جو ہوا خارج ہوتی ہے وہ نجس نہیں پاک ہے۔ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو۔ (المحررات ص ۳۰ ج ۲، فتاویٰ شامی ص ۱۳۶ ج ۱) کا مطالعہ کر لینا۔ ثابت ہوا کہ مقلد انوار صاحب کا قہقہہ کو ظاہر قرار دے کر خلاف قیاس کہنا فی نفسہ غلط اور باطل قیاس ہے،

ثانیاً: حدیث حسن میں یہ الفاظ مروی ہیں، من نام فلیتوضا، الحدیث جو بھی سوجائے وہ وضوء

کرے۔ (سنن ابو داؤد ص ۳ ج ۱) قال الالبانی، حسن، ارواء الغلیل (۱۱۳)۔

اس حدیث کے برعکس حنفیہ کے نزدیک انفلات ریح والے کی نیند ناقض وضوء نہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۲۳ ج ۱)۔

یہ حدیث کے بالمقابل قیاس ہے، کیونکہ حدیث میں عموم ہے اس سے وہی مستثنیٰ ہوگا جس کی تخصیص سید الرسل ﷺ نے کردی ہو، مگر مقلدین احناف نے عموم حدیث کے برعکس قیاس فاسد کیا ہے۔

ثالثاً: تہقہہ سے وضو ٹوٹ جانے کی روایات ضعیف ہیں۔ یعنی ثابت نہیں، اور غیر ثابت شدہ چیز کو ثابت کرنا ہی عقل پرستی ہے۔

تیسرا مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کنوئیں میں اگر نجاست گر جائے تو ازروئے قیاس اس میں دو صورتیں بنتی ہیں ایک تو یہ کہ نجاست نکال دینے کے باوجود بھی کنواں پاک نہ ہو کیونکہ اس کی دیواروں وغیرہ پر جو نجاست لگی ہے اس سے پاکی ممکن نہیں، دوسری یہ کہ کنوئیں کا پانی جاری کے حکم میں ہو کر کبھی ناپاک ہی نہ ہو، لیکن چونکہ کنوئیں کے بارے میں آثار صحابہ پائے جاتے ہیں اس لئے کنوئیں کے مسائل کو ان آثار پر مبنی کیا گیا ہے اور قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۱)۔

الجواب: اولاً مقلد انوار خورشید صاحب کو ازروئے قیاس کہتے ہوئے کچھ تو شرم و حیا کرنا چاہیے تھا، کنوئیں کی طہارت پر حدیث موجود ہے، حنفیہ نے اس صریح حدیث کے خلاف قیاس فاسد کیا ہے، تفصیل دین الحق میں عرض کر دی گئی ہے۔ وہاں سے دیکھ لیا جائے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانیاً: رہے آثار صحابہ تو وہ بھی ثابت نہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ ایسے آثار ہیں جن کی صحت پر محدثین نے گواہی نہیں دی۔ (حجة الله البالغة ص ۱۸۵)۔

جس سے ثابت ہوا کہ کنوئیں کو معمولی نجاست گرنے کی وجہ سے ناپاک کہنا حنفیہ کا قیاس ہے جو حدیث سید الانبیاء ﷺ کے خلاف ہے، لیکن مقلد انوار خورشید صاحب کی حماقت دیکھئے محض سینہ زوری سے منوانا چاہتے ہیں کہ ہم نے قیاس کو آثار کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ انا لله وانا علیہ راجعون۔

چوتھا مسئلہ:

مقلد انوار خورشید صاحب فرماتے ہیں مسئلہ محاذات میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو جیسے عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ محاذات کا تحقق دونوں سے ہوا ہے، ایک سے نہیں لیکن چونکہ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۱)۔

الجواب: بلاشبہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے کہ مرد کے برابر عورت کھڑی ہو جائے، (خواہ عورت محرمات سے ہی کیوں نہ ہو) تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا مقلد انوار خورشید صاحب کا افترا ہے، بڑھاپے میں جھوٹ بولتے ہوئے اس مقلد کو کچھ تو شرم و حیا کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں معاصر مبتدعین دبانہ کے مصنفین سے ہمیشہ یہ شکوہ رہا ہے کہ یہ جھوٹ بولتے اور نبی مکرم ﷺ پر افترا کرتے ہیں رد اہل حدیث میں سرگرم آج کی پوری دیوبندی ٹیم متروک و کذاب ہے، یہ ایسی بد بخت اور نالائق ہے کہ فقہاء کے احوال قیاسات اور فتاویٰ کو حدیث نبوی کہہ کر درج کر دیتے ہیں۔ علم حدیث میں ان کی حالت یتیمانی الحدیث ہے۔ مقلد انوار خورشید کو ہمارا برادر نہ مشورہ ہے کہ توبہ کر کے تجدید ایمان کر لیں، کیونکہ جو آپ کہہ رہے ہیں یہ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں، یہ صرف فقہاء احناف کا باطل قیاس ہے، ولس۔

لہذا مقلد انوار صاحب اس قیاس کی دلیل عنایت کریں، جب کہ محاذات سے بھی بڑھ کر ہم آپ کو حدیث کی نشان دہی کرواتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آگے ہوتی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں ہاتھ لگا کر بوقت سجدہ پیچھے کر لیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۱۲۰، ۵۱۱)۔

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھا کر جماعت کروائی۔ (بخاری رقم الحدیث ۵۱۶)۔
اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شانوں سے آکر اونٹ کی اونٹنی اٹھانا۔
(بخاری رقم الحدیث ۲۴۰)

جیسے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت نماز میں اگر بیوی یا محرمات سے کوئی ایک آگے ہو یا برابر ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لہذا حنفیوں کا مرد کی نماز کو فاسد قرار دینا قیاس فاسد ہے۔

یا نچوال مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے اور اس کے مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو ان کی نماز ہو جائے گی، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مقتدی کی نماز نہ ہو کیونکہ اس صورت میں مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے، لیکن چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۲)۔

الجواب: اولاً مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی، محتاج دلیل ہے، (بخاری ص ۹۵ ج ۱، مسلم ص ۷۱ ج ۱ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مروی ہے

لیکن اس میں صرف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کھڑے ہونا بیان ہوا ہے۔ اور صحیح مسلم ص ۱۷۸ ج ۱ میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں صریحا آیا ہے کہ صحابہ کرام کو سیدنا رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور وہ بیٹھ گئے۔

مولانا عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ۔

والظاهر من السياق ان هذه الصلاة كانت آخر صلواته ﷺ بالناس۔

یعنی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی لوگوں کے ساتھ یہ آخری نماز تھی۔ (بغیۃ الامعی ص ۴۲ ج ۲)۔ اس کے برعکس کسی معتبر روایت میں یہ نہیں آیا کہ صحابہ کرام نے کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی تھی، علامہ زلیعی نے بڑی محنت کے بعد مصنف ہدایہ کے قول کی لاج رکھنے کے لئے (نصب الرایہ ص ۴۲ ج ۲) میں امام بیہقی کی (معرفۃ السنن والاثر ص ۳۵۵ ج ۲) سے ایک روایت کی نشان دہی کرتے ہیں مگر اس کی سند منقطع ہے۔ امام شافعی نے امام ابراہیم نخعی سے یہ روایت نقل کی ہے، حالانکہ امام شافعی کی ابراہیم نخعی سے ملاقات و سماع نہیں ہے۔

ثانیاً: صحیح مسئلہ یہی ہے کہ اگر امام بوجہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز ادا کریں۔ اس پر سید الرسل ﷺ کا حکم ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیوتم بہ رقم الحدیث ۶۸۹، مسلم کتاب الصلاة

باب اتمام الماموم بالامام رقم الحدیث ۹۲۱)۔

حنفیہ کا مسلک چونکہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے، اس لئے انہوں نے حسب عادت قیاس کر کے مقتدی کو کھڑے ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے، اور صاحب ہدایہ نے جرأت کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مرض الموت میں نبی مکرم ﷺ نے بیٹھ کر امامت کروائی تھی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتداء کی تھی، گو یہ قیاس کے خلاف ہے، مگر ہم نے بوجہ حدیث اسے قبول کر لیا ہے، اور مقلد انوار نے اسے پلے باندھ کر اہل حدیث کو چیلنج کر دیا ہے کہ دیکھو جی ہم نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے، جب کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حنفیہ نے صحیح حدیث کے بالقابل قیاس کیا ہے۔

ثالثاً: اگر یہ ثابت ہو جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مرض الموت میں جو نماز اقتداء نبوی میں ادا کی تھی اس میں وہ کھڑے تھے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھے ہوئے تھے، تب بھی یہ ایک استثنائی صورت ہے کہ امام کو اگر بحالت نماز کوئی عارضہ لاحق ہو جائے تو مقتدی بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں اور امام کا حکم ہی نائب پر نافذ ہوگا، لہذا حنفیہ کا مسلک بے ثبوت ہی رہا۔

چھٹا مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں: نماز کے دوران بے وضوء ہو جانے کی صورت میں، بناء، جائز ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ بناء جائز نہ ہو کیونکہ اول تو بے وضوء ہو جانا منافی صلوة ہے، دوسرے اپنی جگہ سے ہٹنا پھر وضوء کے لئے چل کر جانا یہ خود مفسد صلوة ہیں۔ لیکن چونکہ حدیث میں بناء کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۳)۔

الجواب: بناء کرنے کی مرفوع روایات ضعیف ہیں، تفصیل کے لئے فقہ و تفسیر سے وضو ٹوٹنے کی بحث میں دیکھ لیا جائے، جب کہ سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سنداً حسن ہے، جس میں فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہے کہ

اذا فسا حدکم فی الصلاة فلینصرف فلیتوضا ولیعد الصلاة۔

جب نماز کی حالت میں کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو چاہئے کہ وہ پلٹ کر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔ (الحديث ابو داؤد ص ۲۷، ۴۴ ج ۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ نے بناء کے مسئلے میں حدیث کے بالمقابل غیر مقلد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دی ہے، لہذا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ ہم نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے۔ محض مغالطہ ہے۔

ساتواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ: عید الفطر کے دن کسی عذر کی وجہ سے نماز نہ پڑھی جائے تو دوسرے دن پڑھنی جائز ہے، لیکن دوسرے دن بھی کوئی عذر پیش آجائے تو تیسرے دن عید الفطر کی نماز پڑھنی جائز نہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوسرے دن پڑھنی بھی جائز نہ ہو کیونکہ یہ نماز جمعہ کی طرح ایک مخصوص نماز ہے، جس کی بہت سی شرطیں ہیں اور جیسے جمعہ کی نماز وقت نکلنے کے بعد قضاء نہیں کی جاتی ایسے ہی یہ نماز بھی نہ کی جائے لیکن حدیث میں عید الفطر کی نماز کی قضاء دوسرے دن تک جائز رکھی گئی ہے۔ اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۳)۔

الجواب: اولاً مقلد انوار صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر احسان کیا ہے کہ قیاس کو ترک کر کے حدیث کو قبول کر لیا ہے، اور بات کو جتا کر مزید نیکی کر لی ہے، مگر مقلد یہ تو بتائے کہ آپ کے

قیاس کی دلیل کیا ہے۔ اگر وہی جمعہ والی بات ہے تو یہ قیاس نہیں بلکہ شیطانی وسوسہ ہے، کیونکہ شرعی طور پر جمعہ فرض ہے، نماز عید نفل ہے، پہلے کا تارک منافق ہے۔ اور عید کی نماز کا تارک گناہ گار نہیں، اور نماز عید کے لئے شرائط کا ہونا اور جمعہ کے لئے بھی وہی شرائط قرار دینا، دعویٰ بلا دلیل ہے۔ تفصیل اصل کتاب میں نماز جمعہ اور عیدین کے ابواب میں آرہی ہے۔

ثانیاً: مقلد انوار صاحب نماز جمعہ دراصل نماز ظہر کے قائم مقام ہے، اگر کسی کا جمعہ رہ جائے تو کیا وہ نماز ظہر ادا کرنے کا مکلف نہیں؟ اگر ہے یقیناً ہے، تو وضاحت کی جائے کہ جمعہ کے روز کی نماز ظہر کی قضاء ہے کہ نہیں؟ اگر ہے یقیناً ہے تو کس منہ سے عید کی نماز کو جمعہ پر قیاس کر رہے ہو۔ محترم قیاس میں تو نظیر کو نظیر پر قیاس کیا جاتا ہے۔ مگر آپ کی اچھی قیاس ہے کہ نظیر (نفل) کو ضد (فرض) پر قیاس کر لیا، اگر قیاس حق ہوتا تو صحیح قیاس تو یہ تھا کہ نماز عید نفل ہے، لہذا اس کو تہجد پر قیاس کیا جاتا کہ جیسے تہجد چھوٹ جانے پر اس کی قضاء ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة المسافرين باب جامع صلاة اللیل ومن نام عنه او مرض رقم الحدیث ۱۷۴۳، ۱۷۴۴)۔

ایسے ہی عید کی نماز چھوٹ جانے پر اس کی قضاء ہے،

آٹھواں مسئلہ:

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں لیکن صدقہ دیا جاسکتا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ زکوٰۃ کی طرح صدقہ دینا بھی جائز نہ ہو، لیکن چونکہ حدیث میں صدقہ دینے کی اجازت موجود ہے، اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۵)۔

الجواب: اولاً قرآن نے زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان کئے ہیں ان میں کافر کا ذکر نہیں، جب کہ صدقہ میں ان آٹھ مصرف کی قید نہیں لہذا صدقہ میں ان آٹھ کا حصر نہیں، رہا انوار صاحب کا اسے خلاف عقل کہنا تو یہ ان کے ناقص العقل ہونے کی دلیل ہے، ساتویں مسئلہ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ نظیر کو نظیر پر محمول کرنا قیاس کہلاتا ہے۔ نظیر کو ضد پر محمول کرنا وسواس ہوتا ہے، کوئی شیطان والدہ پر بیوی کو قیاس کرے اور کہے کہ دونوں ہم جنس ہیں تو اسے کوئی باشعور قیاس نہیں کہے گا بلکہ شیطانی القاء قرار دے گا، ایسے ہی زکوٰۃ پر صدقہ کو قیاس کرنا مقلد انوار خورشید صاحب کا خط بے ربط ہے۔

ثانیاً: آئیے مسئلہ زکوٰۃ سے ہی ہم مقلد انوار صاحب کے تقلیدی موقف سے ترک حدیث سے ایک مثال بیان کر دیتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

قال النبی ﷺ لاتحل الصدقة لغنی والذی مرة سوی۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی دولت مند اور صاحب قوت و صحت مند کے لئے صدقہ حلال نہیں

ہے۔ (ابو داؤد کتاب الزکاة باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی رقم الحدیث ۱۶۳۴)۔

یہ صحیح حدیث ہے اور متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے تفصیل کے لئے۔ (ارواء الغلیل ۸۷۷) کی مراجعت کریں، لیکن مقلد انوار صاحب کی تقلیدی شریعت میں جو ان طاقور کو زکوٰۃ لینے جائز ہے۔

(ہدایہ ص ۲۰۷)۔

نواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھولے سے کھائی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے کیونکہ روزہ کے منافی چیز پائی گئی، بعینہ ایسے جیسے نماز میں کوئی بھولے سے بات چیت کر لے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۹۶)۔

الجواب: اولاً یہی بات تو حنفیہ کے اہل الرائی ہونے کی دلیل ہے کہ ایک طرف حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کہتا ہے کہ روزہ کے منافی چیز پائی گئی، محترم جب حدیث ہے تو روزہ کے منافی نہیں ہے۔

ثانیاً: نماز بھی بھولے سے کلام کرنے سے نہیں ٹوٹی تفصیل اصل کتاب میں آرہی ہے۔ لہذا آپ کا روزہ کو نماز پر قیاس کرنا خالص وسوسہ ہے، مزید برآں کہ نماز سے روزہ اہم ہے۔ دیکھئے حیضہ پر نماز کی قضا نہیں لیکن روزہ کی ہے۔ اور فاضل کو مفضل پر قیاس کرنا فقہات نہیں حماقت ہے۔

ثالثاً: آئیے مخالف حدیث کی مثال احکام روزہ سے ہی ہم دے دیتے ہیں۔ مقلد مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی دیوبندی فرماتے ہیں، کسی بد طینت نے جانور سے بد فعلی کی یا کسی نے بیوی سے سیلیں (دونوں راستوں کے سوا) کسی جگہ جماع کیا یا کسی نے مشت زنی کی تو تینوں صورتوں میں جب تک انزال نہ ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔

(عالم گیریہ ص ۲۰۵، وعامة الکتب)، (چار سو اہم مسائل ص ۲۰۲)۔

مقلد انوار خورشید وضاحت کریں کہ یہ مردود مسئلہ قرآن کی کس آیت اور کونسی حدیث سے ماخوذ ہے؟

ہاں اس کے رد پر حدیث صحیح موجود ہے کہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آدمی چار شاخوں (یعنی چار ٹانگوں) کے درمیان بیٹھ گیا اور کوشش کی تو غسل واجب ہو گیا۔ (بخاری رقم الحدیث ۲۹۱)۔

اور جب کوئی بد بخت جانور سے بد فعلی کرتا ہے تو مذکورہ دونوں چیزیں متحقق ہو جاتی ہیں، لہذا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ میں جان بوجھ کر منہ بھر کرے تو اس پر روزے کی قضاء لازم ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس پر قضاء لازم نہ ہو کیونکہ کوئی چیز جو ف جوف بدن یا جوف دماغ میں تو گئی نہیں کہ جس سے روزہ ٹوٹے لیکن چونکہ حدیث میں ہے کہ جسے از خود تے ہو جائے اس پر قضاء نہیں ہے اور جو عمد آتے کرے اس پر قضاء ہے، اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۹۶)۔

الجواب: اولاً یہاں بھی محترم آپ نے حدیث کو نہیں قیاس کو ہی قبول کیا ہے کیونکہ کسی بھی حدیث میں منہ بھر کرے آنے کی شرط نہیں، یہ جناب کی زیادتی ہے مزا تو یہ تھا کہ آپ منہ بھرتے کی شرط کو باطل کہہ دیتے اور اعتراف کرتے کہ حنفی فقہ میں منہ بھرتے آنے کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ حدیث سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ترک کر دی ہے، مگر افسوس کہ آپ نے حقیقت کا اعتراف کرنے کی بجائے نفس مسئلہ میں ڈنڈی ماری ہے تاکہ عوام الناس دھوکے میں آکر یہ مان لیں کہ فقہ کا یہ مسئلہ حدیث سے ماخوذ ہے، حالانکہ منہ بھر کرے آنے کی قید لگانا حدیث رسول کے ساتھ مذاق ہے۔

ثانیاً: محترم نے یہ بھی خوب فرمایا کہ کوئی چیز جو ف جوف بطن یا جوف دماغ میں تو گئی نہیں ا ح اس سے ثابت ہوا کہ جو چیز جو ف بطن یا جوف دماغ میں جائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ مبتدعین دیاہنہ کے یہ دانت صرف دکھانے کے لئے ہیں ہاتھی کی طرح کھانے کے اور ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مقلدین مبتدعین دیاہنہ کے نزدیک انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ وہ گلوکوز چڑھائے۔ (چار سو اہم مسائل ص ۲۰۲)۔

حدیث میں آیا ہے کہ

انما الا فطار مما دخل وليس مما خرج۔

الحدیث یعنی روزہ اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جو جسم میں داخل ہو اور جسم سے خارج ہونے پر روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (مسند ابویعلیٰ ص ۳۲۸ ج ۴ رقم الحدیث ۴۵۸۲)۔

بلاشبہ یہ روایت بوجہ سند میں مجہول راوی ہونے کے ضعیف ہے مگر مقلد انوار کا دعویٰ ہے کہ ہم ضعیف حدیث کے بالمقابل قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لہذا حدیث کی سند میں کیڑے ڈالنے کی بجائے یہ تسلیم کر لیجئے کہ ہم قیاس کو ترک نہیں کرتے خواہ اس کے خلاف حدیث ہو یا قرآن کی آیت۔

گیارہواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے، اگر کسی نے روزہ کے بغیر اعتکاف واجب کیا تو اس کا اعتکاف نہیں ہوگا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اعتکاف واجب میں روزہ کی شرط نہ لگائی جائے کیونکہ روزہ مستقل عبادت ہے اگر اسے دوسری عبادت کے لئے شرط قرار دیں تو لازم آئے گا کہ یہ مستقل عبادت نہ رہے۔ لیکن چونکہ حدیث میں ہے کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۹۷)۔

الجواب: اولاً ساری خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ حنفی عبادت کے حصص کر کے انہیں، فرض، واجب، سنت اور شرائط وغیرہ پر تقسیم کرتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے احکام کو فقہی اصطلاحات میں تقسیم کر کے حکم نبوی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق اڑانا ہم نے اس لئے کہا ہے کہ بعض احکام کو اہم اور بعض کو غیر اہم قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ اسوۂ رسول ﷺ میں ذرہ بھر انحراف نہ ہونا چاہئے۔ دیکھئے یہاں حدیث رسول ﷺ کا ہونا تسلیم کرتے ہیں پھر اسے قیاس کے خلاف کہنا بدتہذیبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر کسی مقلد کو اعتبار نہ ہو تو وہ اپنے کسی بھی مفتی کے فتویٰ کو یا اپنے استاذ کے قول کو صرف یہ کہہ دیا کرے کہ عقل کے خلاف ہے، مگر کوئی دیوبندی فاضل یہ کہنے کو تیار نہ ہوگا، کیوں؟ اس لئے کہ مفتی و استاذ کی دل میں عزت و تکریم کرتے ہیں۔ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہی دل میں نہیں اس لئے کہ انوار خورشید نے گیارہ احادیث کو عقل سلیم کے خلاف کہا دیا ہے، یہ میرے پیارے آقا سیدی محمد مصطفیٰ ﷺ کی تو ہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ مقلدین احناف میں احترام حدیث نام کی کوئی چیز نہیں، ان کا ہر چھوٹا بڑا بلکہ جتنا بڑا ہوگا اتنی ہی اس کے دل میں فقہ حنفی کی اہمیت اور احترام حدیث نہ ہوگا۔

ثانیاً: رہا مقلد صاحب کا یہ کہنا کہ روزہ مستقل عبادت ہے اگر اسے دوسری عبادت اہل حنفیہ دل کو بہلانے کے لئے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کسی عبادت میں دوسری عبادت کا لازم ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی، نماز فی نفسہ عبادت ہے۔ قرأت قرآن بھی عبادت ہے، اور نماز میں قرأت کا واجب ہونا احناف کو بھی مسلم ہے تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ تلاوت قرآن عبادت نہیں، ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ ہم نے شرط کی بات کی تھی، لیجئے شرط کی ہی مثال عرض کر دی جاتی ہے۔ نماز عبادت ہے، اللہ اکبر بھی عبادت ہے، اور احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرائط نماز سے ہے۔

(شرح نقایہ ص ۲۷ ج ۱ نماز مسنون ص ۲۸۰)۔

اس سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کا دوسری عبادت میں شرط ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ فی نفسہ

عبادت نہیں۔ عبادات میں ایسی میمیوں مثالیں دی جاسکتی ہیں، مگر اختصار کی وجہ سے ان پر اکتفا کرتے ہیں امید ہے کہ مقلد انوار خورشید صاحب کو ان مفید چیزوں سے تقلیدی بیماری سے آفاقہ ہوگا ان شاء اللہ۔
 ثالثاً: قرآن و حدیث میں اعتکاف کے لئے مسجد کا ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔
 (ابوداؤد ص ۳۳۵ ج ۱، دارقطنی ص ۲۰۱ ج ۲، و بیہقی ص ۳۱۵ ج ۴)۔
 مگر مبتدعین دیا بندہ کے نزدیک عورت گھر میں ہی اعتکاف کرے اگر مسجد میں اعتکاف کیا تو کوئی اجر و ثواب نہ ہوگا۔ (چار سو اہم مسائل ص ۲۳۹)۔

کیا احناف پر انکار حدیث کا الزام غلط ہے:

مقلد انوار خورشید صاحب فرماتے ہیں: غیر مقلدین نے عوام کو بہکانے کے لئے بہت سی باتیں بے پر کی اڑا رکھی ہیں، جن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ احناف حدیث کو چھوڑ کر قیاس و رائے اور اماموں کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ جس قدر حدیث پر احناف عمل کرتے ہیں کوئی اور نہیں کرتا، احناف کے یہاں حدیث مرفوع بھی حجت ہے اور حدیث موقوف بھی حجت ہے، حدیث مرسل بھی حجت ہے اور ضعیف حدیث بھی رائے و قیاس کے مقابلہ میں مقدم اور حجت ہے، جب کہ غیر مقلدین مرفوع کو حجت مانتے ہیں وہ بھی جب ان کے حق میں ہو، اگر خلاف ہو تو رد کر دیتے ہیں، ان کے ہاں نہ موقوفات صحابہ حجت ہیں نہ مرسل احادیث حجت ہیں اور نہ ہی ضعیف احادیث حجت ہیں پھر بھی یہ عامل بالحدیث ہیں اور احناف جو سب احادیث کو حجت مانتے ہیں وہ ان کے گمان میں عامل بالقیاس اور تارک حدیث ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۹۸)۔

الجواب: اولاً محترم یہ ہمارا الزام نہیں بلکہ امر واقعی اور حقیقت ہے۔ گزشتہ صفحات میں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مقلدین کے اصول اجتہادی کے زیر عنوان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کلام گزر چکا ہے، مزید اکابر کی گواہیاں بھی ہم نقل کر آئے ہیں۔ تو کیا یہ سب بے پر کی اڑانے والے تھے اوروں کو جانے دیجئے صرف مقلد اشرف علی تھانوی صاحب کی عبارت کے متعلق عرض کر دیں۔

ثانیاً: پوری دنیا میں صرف پرویز اینڈ کمپنی ہی یہ کہتے ہیں کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم حجت نہیں بقایا تمام باطل فرقے بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں، قادیانی، شیعہ، وغیرہ جیسے خمیٹ العقیدہ حضرات بھی دعویٰ کی حد تک یہی کہتے ہیں کہ ہم احادیث کا قطعاً انکار نہیں کرتے، لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ کوئی چیز بھی محض دعویٰ سے ثابت نہیں ہوتی، محترم آپ کی اصول کی کتابوں میں ہی لکھا ہے کہ حدیث کی طرف رجوع کرنا مقلد کا وظیفہ نہیں جیسا کہ ہم تفصیل سے عرض کر چکے ہیں اور درس حدیث کا مطالبہ بھی آپ سے کر دیا گیا ہے، آپ بسم اللہ کیجئے، کوئی بھی حدیث کی کتاب اٹھا کر عوام الناس کو درس دینا شروع کر دیں۔

بالترتیب درس دیں، درمیان میں احادیث کو چھوڑنا نہیں، اور عوام الناس کو ہر احادیث پر کہتے جائیں کہ یہ واجب العمل ہے، اس کا منکر حدیث رسول ﷺ کا منکر ہے، آئیے مرد میدان بن کر اپنی آخرت سنوار لیں، مگر مجھے رب محمد ﷺ کی قسم ہے، انوار خورشید کیا پوری دنیا کا کوئی حنفی مقلد یہ ہمت مردانہ اور جرات رندانہ نہیں کرے گا۔ کوئی حنفی اس پر عمل کر کے دیکھ لے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

عبارات علمائے اہل حدیث:

مقلد انوار صاحب نے یہاں پر بڑی دوون کی لی ہے، نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی اور مولانا عبد الجبار غزنوی اور نواب وحید الزماں وغیرہ کی عبارات پیش کی ہیں۔ جس میں انہوں نے اہل حدیث پر تنقید کی ہے۔ بلاشبہ انہوں نے یہ تنقید کی ہے، وہ بڑے لوگ تھے۔ ہمیشہ بڑے چھوٹوں کی کوتاہیوں پر تنبیہ کیا کرتے ہیں، یہ چیز قابل تعریف ہے مگر مقلد انوار خورشید صاحب کو یہ بات بھی پسند نہیں آئی انہوں نے اسے مثالب اہل حدیث میں شمار کیا ہے، جب کہ انوار صاحب نے جگہ جگہ انہیں بزرگوں کے اقوال کا رد کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اہل حدیث کا موقف و مذہب فلاں فلاں حدیث کے خلاف ہے، حالانکہ ان کا علم و فضل مسلم ہے، نواب صدیق الحسن خاں اور نواب وحید الزماں سے لاکھ اختلاف سہی مگر یہ اہل حقیقت ہے کہ وہ اپنے ہم عصر علماء احناف سے قرآن و سنت کے علم میں ہر لحاظ سے فائق تھے۔ نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی کا درجہ اجتہاد ایک مسلم حقیقت ہے، ان کی عربی کتب ان کے علم و فضل کی دلیل ہیں۔ زبان میں اہل زبان کی چاشنی اور قادر الکلام ہونا بین حقیقت ہے۔

گزشتہ صفحات میں مولانا ابوالحسن ندوی کی عبارت نقل کر آئے ہیں جو، الفضل ماشہد بہا الاعدا کی مصداق ہے۔ خیر یہ تمام چیزیں ہمارے نزدیک ثانوی درجہ کی ہیں۔ ہدایت کا علم کے ساتھ مشروط ہونا کوئی تسلیم نہیں کرتا، شیعہ منطق و فلسفہ کے ماہر ہوتے ہیں، مستشرقین کے علم سے کوئی انکار نہیں کرتا، پادری عماد الدین قرآن کا حافظ تھا، گوجرانوالہ کا معروف پادری کے ایل ناصر عربی زبان کا ماہر تھا، منجد اور اقرب الموارد کے مؤلفین عیسائی تھے۔ مولوی احمد رضا خاں کو جاہل کہنا محض تعصب ہے۔

اساس البلاغ، الکشاف، اور الفائق کا مصنف معتزلی ہے، حالانکہ وہ عربی زبان کا ماہر ہے۔ آئمہ لغت اس کے اقوال کو بطور دلیل نقل کرتے ہیں، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ہدایت ربی علوم اور ڈگریوں کی محتاج نہیں، بڑے بڑے علم و عقل کے مدعیوں نے نبی رحمت ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا تھا، اس کے برعکس ایک ایسا شخص مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا۔ جس نے پیارے آقا ﷺ سے عرض کیا تھا کہ میں قرآن سے کچھ بھی اخذ (یاد) نہیں کر سکتا مجھے کوئی ایسے کلمات سکھا دیجئے جو مجھے کفایت کرجائیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ

اکبر ولا حول ولا قوة الا باللہ۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۸۲۲، نسائی رقم الحدیث ۹۲۵)۔
 علوم مروجہ میں مہارت معزلی کی گرانر اور پادریوں کی یادداشت اس صحابی کی جوتیوں پر قربان، یہ صحابی خوش نصیب اور ان شاء اللہ بامراد تھا، اور مذکورہ افراد جو علوم میں یگانہ روزگار تھے۔ بد نصیب اور ہدایت سے دور بلکہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

آخر میں ہم یہ بھی عرض کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ ہدایت سے ہٹ کر جو علم ہے وہ علم نہیں جہالت ہے، خواہ اس پر بیسیوں ڈگریوں کا لیبل لگا ہو، رہا بعض اہل حدیث میں ہوائے نفس کا پایا جانا، تو ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ اہل حدیث کا بچہ بچہ قطعی طور پر ولی اللہ اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت عظمت و بزرگی میں اپنی مثال آپ ہے، اور منافقین کا گروپ بھی اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا امتی اور محبت کرنے والا کہتا تھا۔ غزوہ احد کے ایک ہزار لشکر سے تین سو افراد کا واپس پلٹ آنا زبان زد خاص و عام ہے۔ ہلفظ دیگر ۳۰ فیصد افراد اس دور میں منافق تھے ممکن ہے کہ انوار خورشید بوجہ الدانحصام ہونے کے یہ کہہ دے کہ آپ نے اپنی جماعت میں منافقین کا وجود تسلیم کر لیا ہے، ہم ان کا منہ بند کرنے کے لئے مسلمانوں سے اس کی مثال عرض کر دیتے ہیں غزوہ احد میں ہی پچاس تیر اندازوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا تھا۔

تو کیا ان چیزوں کو لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و بزرگی کا یکسر انکار کر دیا جائے گا۔ اللہ کا خوف نہیں تو بدنامی سے ہی ڈر جائیے کہ یہ کردار اہل سنت کا نہیں رافضیت کا ہے۔ افرادی کمزوریاں کس جماعت میں نہیں ہوتیں؟ کیا مقلدین احناف کی دیوبندی تنظیم کا ہر فرد ولی اللہ ہے، اگر آپ اس بات کے مدعی ہیں تو آئیے ہم آپ کو دیوبندیوں میں۔ بدعتی، مشرک، جاہل، زانی، رشوت خور، سود خور، ملاوٹ کرنے والے، کذاب، دروغ گو، قاتل، ڈاکو، تاروان کے لئے اغواء کرنے والے، لوگوں کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے والے، تارک صوم و صلوٰۃ، وغیرہ جیسے گناہ کبیرہ کے مرتکب دکھاتے ہیں۔ معروف مقلد مولوی محمد احتشام الحسن فرماتے ہیں، ہم انتہائی ذلت و خواری افلاس و ناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں نہ زور قوت ہے نہ زر و دولت ہے نہ شان و شوکت ہے نہ باہمی اخوت و الفت نہ عادات اچھی نہ اخلاق اچھے نہ اعمال اچھے نہ کردار اچھے ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور، اغیار ہماری اس زیوں حالی پر خوش ہیں اور بر ملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے، اور ہمارا مضحکہ اڑایا جاتا ہے اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دلدادہ نوجوان اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اڑاتے بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعت مقدسہ کو ناقابل عمل، لغو اور بیکار گردانتے ہیں۔ (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ص ۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)۔

ایسی متعدد عبارات پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ہم اس پر ہی اکتفا کرتے ہیں امید ہے کہ مقلد انوار

صاحب کو اس سے اچھا خاصا افاقہ ہوگا۔

مؤلف حدیث اور اہل حدیث جو جواب اس کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے نواب صدیق الحسن خاں محدث قنوجی وغیرہ کا سمجھ لیں۔

فتویٰ تکفیر کی ابتدا کس طرف سے ہوئی:

مقلد انوار صاحب نے یہاں پر یہ اعتراض بھی اٹھایا ہے کہ اہل حدیث حنفیوں کو مشرک و بدعتی جہنمی بتلاتے ہیں اور ان سے نکاح کو ناجائز کہتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۴)۔

الجواب: اولاً ہم پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ جو مقلد قرآن و سنت کے بالمقابل اپنے امام کے قول کو ترک کر دے اور توحید و سنت کا پابند ہو وہ ہمارے نزدیک مشرک نہیں ہے۔

ثانیاً: فتویٰ تکفیر کی ابتدا حنفیوں کی طرف سے ہوئی تھی، پہلا فتویٰ جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد کے عنوان سے مولوی وحی احمد سورتی نے شائع کیا دوسرا فتویٰ مولوی محمد لدھیانوی نے، انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد، کے عنوان سے شائع کیا۔

پہلی کتاب بریلوی مکتب فکر کی طرف سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی دوسری دیوبندی گروپ کی طرف سے شائع ہوئی، مگر دونوں پر بریلوی دیوبندی اکابرین کے دستخط ہیں۔ جامع الشواہد تو دیوبندی حضرات کی معروف کتاب، فتح المبین، میں بھی درج ہے۔ جس میں اہل حدیث پر بے ہودہ قسم کے الزامات لگا کر انہیں ضال و مفصل، اہل بدعت، جہنمی، اہل سنت سے خارج، ان کی اقتداء جائز نہیں، ان کو اپنی مسجدوں میں نہ آنے دیا جائے، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، نکاح ان سے جائز نہیں، وغیرہ جیسے فتاویٰ لگائے گئے ہیں۔

مولوی محمد یعقوب دیوبندی فرماتے ہیں۔

عقائد اس جماعت کے جب کہ خلاف جمہور اہل سنت ہیں تو بدعتی ہونا ان کا ظاہر ہے اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز لقیہ اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہے تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحے میں ان کے احتیاط لازم ہے جیسے روافض اور خوارج کے ساتھ احتیاط چاہئے، حرہ محمد یعقوب النانوتوی عفا عنہ القوی۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ، محمود حسن عفی اللہ عنہ، محمد محمود دیوبندی۔

(جامع الشواہد مندرجہ فتح المبین ص ۴۶۶)۔

شاید بعض لوگ یہ کہہ دیں کہ یہ قصہ ماضی ہے۔ آج کے دیوبندی اس کیے پر شرمندہ ہیں، تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دیوبندیوں کے تمام جدید فتاویٰ میں اہل حدیث کی اقتداء کو ناجائز لکھا ہے، یہاں پر ایک

دفعہ تبلیغی جماعت آئی، وہ باجماعت نماز پڑھنے سے پہلے انفرادی طور پر صبح کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور ظہر و عصر مغرب و عشاء بعد میں ادا کر لیا کرتے اور اہل حدیث امام کی اقتدا میں بھی نماز پڑھا کرتے، راقم کو کسی طرح اس کا علم ہو گیا امیر جماعت نے اعتراف کر لیا، مجھے نہایت تاسف ہوا، اگلے روز میں نے نماز فجر کے بعد درس دیا، جس میں اکابر دیوبند کے شرکیہ اقوال پر تبصرہ کیا، انہیں اس کے جواب کی ہمت تو نہ ہوئی البتہ دوسرے گاؤں چلے گئے، یہ بالکل سچا واقعہ ہے کئی باللہ شہید۔

گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ مولانا عبد القادر حصاروی کی کاروائی جوابی ہے۔ اس کی ابتدا مقلد انوار خورشید صاحب کے اکابرین نے کی تھی۔

بخاری شریف آگ میں العیاذ باللہ:

مقلد انوار خورشید صاحب نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی صحیح بخاری کو مطعون کرنے کے لئے نہایت عیارانہ چال چلی ہے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، پر عمل کرتے ہوئے اختر کشمیری کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اس سیشن کے آخری مقرر گوجرانوالہ کے اہل حدیث عالم مولانا بشیر الرحمن مستحسن تھے۔ مولانا مستحسن بڑی مستحب قسم کی چیز ہیں، علم محیط جسم بسیط کے مالک، ان کا انداز تکلم جدت آلود اور گفتگو رف ہوتی ہے۔ فرمانے لگے اب تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ قابل قدر ضرور ہے قابل عمل نہیں۔ اختلاف ختم کرنا ضروری ہے مگر اختلاف ختم کرنے کے لئے اسباب اختلاف کو مٹانا ہوگا، فریقین کی جو کتب قابل اعتراض ہیں۔ ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کر رہی ہے کیوں نہ ہم ان اسباب کو ہی ختم کر دیں؟ اگر آپ صدق دل سے اتحاد چاہتے ہیں تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں، ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں آپ اصول کافی کو نذر آتش کریں، آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ صاف کر دیں گے۔

(آتش کدہ ایران ص ۱۰۹)، (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۷)۔

الجواب: اولاً تو یہ سارا واقعہ بیہودہ بکواس ہے۔ جماعت اہل حدیث پر صریحاً بہتان ہے۔ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یہ سیاہ کالا جھوٹ ہے پورے شہر گوجرانوالہ میں بلکہ ضلع گوجرانوالہ میں بلکہ پورے صوبہ پنجاب میں، بلکہ پورے پاکستان میں کوئی ایسا سلفی عالم نہیں جس کا نام بشیر الرحمن مستحسن ہو، ممکن ہے کہ مقلد انوار خورشید جھوٹ کی وکالت کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ آج نہیں تو کبھی ہوا ہوگا۔ لہذا ہم پوری ذمہ داری سے ماضی میں بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ اختر کشمیری منکرین حدیث گروپ سے تعلق رکھتا ہے، دیوبندیوں کے مفتی شامدی نے عقیدہ ظہور مہدی احادیث کی روشنی کے

صفحہ ۲۱ پر اس کا رد لکھا ہے۔ لہذا ایسے ویسے کا حوالہ تو بین احادیث کے سلسلہ میں قطعاً قبول نہیں ہے۔
 ثانیاً: انوار خورشید نے تو ہمیں بدنام کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا ہے، ہم ان کا مکروہ چہرہ دکھانے کے لئے ایک نہایت اہم واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۲۰۰۴ھ میں بنگرام میں دیوبندی جماعت نے اہل حدیث کی مسجد کو شہید کر دیا تھا، سامان وغیرہ کو آگ لگا دی تھی۔ جس میں قرآن پاک کے متعدد نسخے بھی جلا دیے گئے، جلے ہوئے قرآن کی فوٹو ہمارے مخلص اور دینی بھائی شیخ محمد زبیر علی زئی محدث حضور و حفظہ اللہ نے، بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص ۳۹ و ۴۰ میں درج کر دی ہیں، مذکورہ بہتان میں تو بخاری کو آگ میں صرف ڈال دینے کی دعوت کا ذکر ہے مگر دیوبندیوں نے قرآن کو آگ ہی لگا دی۔

حقیقت یہ ہے کہ متقدمین دینانہ کے دل میں عظمت قرآن نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ دیوبندیوں کے معروف عالم مولوی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

اذا سال الدم من انف انسان یکتب فاتحة الكتاب بالدم علی جہتہ وانفہ یجوز ذلک
 للاستشفاء والمعالجة ولو کتب بالبول ان علم ان فیہ شفاء لایس بذلک۔

یعنی اگر انسان کی نکسیر پھوٹ پڑے اور نکسیر کے خون سے اگر سورۃ فاتحہ کو پیشانی اور ناک پر لکھا جائے تو یہ علاج معالجہ کے لئے جائز ہے۔ اور اگر علم ہو کہ پیشاب سے لکھنے سے آرام آجائے گا تو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (تکملۃ فتح الملہم ص ۳۰۲ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۴۲ھ)

ثالثاً: موصوف نے آگے وحید الزمان اور فیض عالم صدیقی کی عبارات ذکر کی ہیں۔ جو ابابا عرض ہے کہ یہ دونوں بزرگ حنفیت کو ترک کر کے اہل حدیث ہوئے تھے، اور رماضی کے جراثیم ہی ان میں تھے، پھر فیض عالم صدیقی علم حدیث سے ناواقف تھے، انہوں نے اہل حدیث سے تو کجا کسی دیوبندی بریلوی سے بھی دورہ حدیث نہ کیا تھا، اس لئے وہ اس قرن سے لاعلم تھے۔ ہاں البتہ علامہ وحید الزماں علم حدیث میں تبحر رکھتے تھے۔ مگر ان کا اعتراض کوئی اعتراض نہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی اعتراض ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں راوی سے روایت کیوں نہیں لی۔ حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قطعاً یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمام ثقہ راویوں سے میں ضرور روایت لوں گا حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ومن الثقات الذین لم یخرج لہم فی الصحیحین خلق

یعنی ثقہ راویوں کی کثیر تعداد سے صحیحین میں روایت نہیں لی گئی۔ (الموقفہ ص ۸۱)۔

علامہ مارون بن حنفی فرماتے ہیں

لا یضر کون الشیخین لم یحتجا بہ لانہما لم یلتزما الاخراج عن کل ثقۃ علی ما عرف

فلا یلزم من کونہما لم یحتجا بہ ان یکون ضعیفا۔

یعنی اس راوی سے بخاری و مسلم کا احتجاج نہ کرنا نقصان کا باعث نہیں کیونکہ انہوں نے ہر ثقہ راوی سے روایت لینے کا التزام نہیں کیا جیسا کہ معروف ہے لہذا شیخین کا احتجاج نہ کرنا اس کے ضعف کا باعث نہیں۔ (الجوہر النقی ص ۱۹۲ ج ۱)۔

راجا: حقیقت یہ ہے کہ حنفیوں کے چھوٹے بڑے کو بخاری شریف سے چڑھے۔ ان کے اکابرین نے باقاعدہ بخاری کے رد میں کتابیں تحریر کی ہیں۔

معروف مقلد ڈاکٹر عمر کریم پٹوی نے، الجرح علی اللبخاری، اور القول المحکم کے نام سے دو کتابیں تحریر کی تھیں، جن کا جواب مولانا محمد ابوالقاسم بناری نے، الامر المبر لا بطل الکلام المحکم کے نام سے دیا، مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی مقلد حنفی دیوبندی (حشی موطام امام مالک) کے صاحب زادے گرامی قدر مولوی حبیب الرحمن کاندھلوی مقلد نے، مذہبی داستانیں میں صحیح بخاری و مسلم کی بیسیوں احادیث مرفوعہ کو من گھڑت اور باطل قرار دیا تھا، جس کا جواب شیخ الفاضل استاد العلماء ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے، احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی نام کوشش، کے نام سے دیا، مقلد انوار خورشید کنگوٹیا یا معروف مقلد حبیب اللہ ڈیروی نے، ہدایہ علماء کی عدالت، میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور صحیح بخاری پر پچیس اعتراضات کیئے ہیں۔ اس کا جواب بھی شیخ الفاضل مولانا ارشاد الحق اثری نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بعض اعتراضات کا جائزہ، کے نام سے لکھا ہے جو مطبوع و متداول ہے، انوار صاحب کا مقصد بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنا ہی ہے، مگر انوار خورشید چالاک ہے دوسروں کے موٹوں پر رکھ کر فائرنگ کر کے اپنا مدعا حاصل کرنے کی سعی لا حاصل کر رہا ہے۔ سنئے بخاری و مسلم پر طعن کرنے والا بدعتی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانہما متواتران الی مصنفیہما وانہ کل من ینہون امرہما فهو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین، وان شئت الحق الصراح فقسہما بکتاب ابن ابی شیبہ و کتاب الطحاوی و مسند الخوارزمی وغیرہما تجد بینہما و بینہما بعد المشرقین۔

یعنی صحیحین کی شان یہ ہے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے اس پر کہ ان دونوں کتابوں میں جو احادیث متصل مرفوع ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں اور یہ کتابیں اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی ان دونوں کتابوں کی شان ہلکی کرے وہ بدعتی ہے، اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ پر چلنے والا ہے، اگر تو خالص حق چاہتا ہے تو بخاری و مسلم کو مصنف ابن ابی شیبہ، طحاوی اور مسند خوارزمی کے ساتھ تقابل کر کے دیکھ لے، ان دونوں اور ان کتابوں کے درمیان تو مشرق و مغرب کا فرق پائے گا۔ (حجة الله البالغة ص ۱۳۴ ج ۲)۔

مقلد انوار خورشید کی گئی:

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کی بخاری سے عقیدت صرف زبانی جمع خرچ تک محدود ہے کیونکہ جب انہیں بخاری شریف سے ان کے موقف کے خلاف حدیثیں دکھلائی جاتی ہیں اور ان کے موقف کے برعکس امام بخاری علیہ الرحمۃ کا اجتہاد دکھلایا جاتا ہے تو ان کی ساری عقیدت کا فور ہو جاتی ہے، بخاری شریف میں سینکڑوں احادیث ایسی ہیں جن پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے اور امام بخاری کے بیسیوں اجتہادات ایسے ہیں جنہیں غیر مقلدین ماننے کے لئے تیار نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۶)۔

الجواب: اولاً صحیح بخاری کی جملہ احادیث کو ہم قبول کرتے ہیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ وہ صحیح سندوں سے نبی ﷺ کے اقوال و افعال مروی ہیں، ان کا انکار صحیح احادیث کا انکار ہے۔ جو کوئی اہل حدیث قطعاً نہیں کرتا یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، کاش مقلد صاحب ان سینکڑوں احادیث کی نشاندہی بھی کرتے تو ہم ان پر غور بھی کرتے، یقیناً جاننے کہ یہ موصوف کا وہم ہے، جس کا حقیقت سے ذرا بھی تعلق نہیں۔

ثانیاً: بلاشبہ ہم امام بخاری رحمہ اللہ کے بعض اجتہادات کو قبول نہیں کرتے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے جو اجتہادات قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام سے مؤید ہیں، وہ ہم قبول کرتے ہیں، یہ بات ملحوظ رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اجتہادات قرآن و سنت کا درجہ نہیں رکھتے کہ ان کا انکار احادیث رسول اللہ ﷺ کا انکار ہو، امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق تھے۔ اور مجتہد اجتہاد کرنے میں خطا بھی کر سکتا ہے، المجتہد یخطئ ویصیب مسلمہ اصول ہے، اس سے انکار محض تقلیدی ضد اور تعصب ہے۔ و بس۔

بلاشبہ امام بخاری امت مرحومہ کے عظیم محسن ہیں، یہ ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ہیں، جن پر پوری امت مرحومہ کو فخر ہے۔ مگر ہم امام بخاری رحمۃ اللہ کے مقلد قطعاً نہیں۔

امام طحاوی کی امام مزنی سے ناراضگی:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں: مولوی عبدالعزیز ملتانی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ یہ سب امام طحاوی حنفی کا نظریہ ہے جو کسی طرح بھی قابل وثوق نہیں، آپ امام مزنی کے بھانجے اور شاگرد ہیں اپنے ماموں سے کسی وجہ سے ناراض ہو کر حنفی ہو گئے پھر کیا تھا حنفی مذہب کی حمایت اور تائید میں ایک مستقل کتاب بنام معانی الاثار لکھ ماری جس میں ضعیف حدیثوں کی تصحیح اور صحاح کی تصحیف کر کے احناف کی رضا جوئی حاصل کی۔

(فیصلہ رفع الیدین ص ۱۰ مندرج استیصال التقلید)

غیر مقلدین کے دل میں ذرا خوف خدا نہیں، اتنے بڑے جلیل القدر محدث پر الزام لگاتے ہوئے حیا نہیں آئی بے دھڑک جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۱)۔

الجواب: اولاً شرم و حیا اور خوف رب العالمین تو خود انوار خورشید میں نہیں جس نے حقیقت سے علی الاعلان انکار کر دیا ہے، حالانکہ اس واقعہ کو علامہ ذہبی نے (سیر اعلام النبلاء ص ۵۰۶ ج ۱۱) میں نقل کیا ہے اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، لسان المیزان ص ۲۷۵ ج ۱ میں (ابن خلکان نے، وفیات الاعیان ص ۷۵ ج ۱ مترجم) میں اور معروف حنفی بزرگ صمیری نے، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۶۲ میں بیان کیا ہے، گو کوثری نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے، مگر کوثری نے ہر اس حقیقت سے انکار کرنے کی قسم اٹھا رکھی تھی جس سے حنفیہ کی تنقیص ہوتی تھی۔

ثانیاً: کتب طحاوی نایاب نہیں بلکہ مطبوع و دستیاب ہیں۔ ہر ذی علم ان کو پڑھ کر یہ رائے قائم کر لیتا ہے کہ ضعیف و منکر روایات کے بالمقابل صحیح و حسن احادیث لا کر ضعیف و منکر روایات کو ترجیح دیتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

والطحاوی لیست عادته نقد الحدیث کنقد اهل العلم ولہذا روی فی شرح معانی الاثار الاحادیث المختلفة وانما یرجع ما یرجھ منہا فی الغالب من جهة القیاس الذی راء ہ حجة ویكون اکثرها مجروحاً من جهة الاسناد لا یثبت ولا یتعرض لذلك فانه لم تکن معرفته بالاسناد کمعرفة اهل العلم به وان کان کثیر الحدیث فقیہا عالماً۔

یعنی طحاوی کی عادت نقد حدیث میں اہل علم کی طرح نہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ شرح معانی الاثار میں مختلف احادیث لاتے ہیں اور اس میں جن کو وہ حجت سمجھتے ہیں انہیں اکثر قیاس کے لحاظ سے ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ ان میں اکثر سند کے اعتبار سے غیر ثابت شدہ ہوتی ہیں، اور سند کے لحاظ سے تعرض نہیں کرتے کیونکہ اہل علم کی طرح اسے اسناد کی معرفت نہیں گو عالم فقیہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ (منہاج السنة ص ۱۹۴ ج ۴)۔

تحریک اہل حدیث کا مقصد:

مقلد انوار خورشید صاحب نے کافی لمبی بحث کی ہے کہ غیر مقلدین کا مقصد احیاء سنت نہیں بلکہ ^{مطخ} نظر فقط اختلافی مسائل کو ہوا دینا ہے، اور ہر اس کام کا الٹ کرنا ہے جو حنفیہ کا معمول ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۲ تا ۱۱۹)۔

الجواب: اولاً شخصی کمزوریاں کسی جماعت میں نہیں؟، کیا دیوبندیت کا ہر فرد معصوم عن الخطاء

ہے، اور ولی اللہ ہے، نہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقت میں اکثریت ایسے افراد کی ہے، جو شرعی لحاظ سے فاسق و فاجر اور منافق کے زمرہ میں آتے ہیں۔ کذب وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت ان میں عام ہے۔ مبتدعین دیانہ کے اکثر مولوی بالخصوص جو دیہاتی ہیں، وہ قتل دسواں، جیسی بدعات میں شرکت کر لیا کرتے ہیں ہم بیسیوں ایسے مولویوں کی نشان دہی کروا سکتے ہیں جو دیوبندی ہیں مگر ختم پڑھتے، توحید و سنت کی بجائے کرامات سنا کر خطبہ جمعہ پڑھاتے ہیں، جس گاؤں میں گئے وہی ان کا مذہب و مسلک ہو گیا۔ ابھی تو کل کی بات ہے مجلس عمل نے ساجد نقوی (شیعہ) کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔ تبلیغی جماعت کے افراد ان لوگوں کی اقتدا میں بھی نمازیں ادا کرتے ہیں جو مبتدعین دیانہ کے نزدیک مشرک و بدعتی ہیں۔ یہاں ایک تبلیغی جماعت آئی اس کا امیر رفع الیدین کرتا تھا۔ راقم نے اسے سمجھایا کہ آپ اگر ہماری رضا و خوشنودی کے لئے ایسا کرتے ہیں تو یہ غیر مناسب ہے، فرمانے لگے کہ میں تو اہل حدیث ہوں، اس پر راقم نے اس کا امتحان لیا تو ناکام ہو گیا اور ترک رفع پر بھی عمل شروع کر دیا۔ عوام الناس میں ہوائے نفس کا مرض اتنا شدید ہے کہ اس کا انکار دوپہر کے وقت سورج کا انکار ہے، اب ہم دیوبندی اکابرین کے خواص کی باتیں عرض کرتے ہیں، مولوی محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ میں سخت نادم ہوا اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ میں جھوٹ بولوں لہذا میں نے جھوٹ بولا اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا۔

(ارواح ثلاثہ ص ۳۱۵ حکایت ۳۹۱)۔

حنفیوں کی ابن الوقتی تو زبان زد عام ہے، گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین ان کے نزدیک ناجائز ہے، مگر تمام حنفی جمعہ و عیدین گاؤں میں عوام الناس کے ڈر سے ادا کرتے ہیں۔ مقلد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب تو ایک مدت تک بریلویت کا روپ دھار کر مجلس میلاد میں شرکت کرتے رہے، اور جب باز پرس ہوئی تو جواب دیا۔

وہاں بدون شرکت ان مجالس کے کسی طرح قیام ممکن نہیں ذرا انکار کرنے سے وہابی کہہ دیا درپے تذلیل و توہین و جسمانی کے ہو گئے.....

بہر حال وہاں بدون شرکت قیام کرنا قریب بحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا کیونکہ ذنیوی منفعت بھی ہے کہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۱۸ ج ۱)۔

دیکھا جناب دنیاوی مفاد کے لئے بدعت کو قبول کر لیا، اب بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں سنت سے محبت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ابن الوقتی متبذعین دیانہ کو وراثت میں ملی ہے، امام محمد اور قاضی ابو یوسف خلیفہ ہارون الرشید کی خوشنودی کے لئے عیدین کی نماز میں باراں تکبیریں کہہ لیا کرتے تھے، تفصیل کے لئے تحفہ حنفیہ ص ۵۵۴ کی مراجعت کر لیں۔

غور کریں کہ مبتدعین دیابنہ کے اکابر اگر ارباب حکومت کی خوشنودی کے لئے اپنا مسلک و مذہب چھوڑ دیں تو فقہی کہلائیں اور دنیاوی مفاد کے لئے بدعات کو اپنائیں تو حکیم الامت بن جائیں صریح جھوٹ بولیں تو شمس الاسلام اور الامام الکبیر بھی رہیں، اس دلیس میں کوئی اہل حدیث فتنہ کے ڈر سے سنت ترک کر دے تو قابل ملامت اور مستحق طعن ہے، جب اپنی باری آئی تو مصلحت وقت کی تمام آیات و احادیث کو بیان کر دیا جائے، شاید تقیہ کے جواز کا فتویٰ بھی دیا جائے۔ مسند احمد ص ۲۵، ۳۶۳، ۵ ج میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس شرط پر مسلمان ہوا کہ میں صرف دو نمازیں پڑھوں گا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو قبول فرمایا۔ گو مقلد مولوی سرفراز خاں صفدر نے اس پر فضول قسم کی جرح کی ہے مگر آخر میں لکھا ہے کہ۔

اس حدیث میں تو اس کا ذکر تک نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو باقی تین نماز معاف کر دی تھیں بلکہ اس کا ذکر ہے کہ اس شخص نے کہا کہ میں مسلمان اس شرط پر ہونا چاہتا ہوں کہ صرف دو نمازیں پڑھوں گا، چونکہ اسلام قبول کرنا افضل ترین عبادات میں داخل ہے اور نماز وغیرہ تمام عبادات پر مقدم ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے نرمی اختیار کی کہ پہلے مسلمان ہو جائے پھر یہ خود بخود ان شاء اللہ پانچوں نمازیں پڑھتا رہے گا، اور اگر پہلے ہی اس کو پانچ نمازیں منوائی جائیں تو ممکن ہے کہ یہ اسلام ہی سے نہ بھاگ جائے۔ (دل کا سرور ۱۴۱)۔

شاید مولانا سرفراز خاں مقلد صاحب کی اس فقہت کی روشنی میں ہی مجلس عمل نے ساجد نقوی کی اقتداء میں نماز پڑھ لی تھی۔ اور تبلیغی جماعت والے بریلوی مکتب فکر کے علمائے کرام کی بھی اقتدا کر لیتے ہیں، خیر ہماری بلا جانے، ہمارا مقصود تو فقط اتنا ہے کہ مصلحت وقت بھی شریعت میں قابل تعریف چیز ہے۔ بالخصوص جس کے گھر میں مسئلہ رفع الیدین کی وجہ سے فتنہ کھڑا ہو جائے اولاد کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیوبندی باپ برداشت نہ کر سکے، تو دیوبندی والدین کی طرف سے اٹھائے ہوئے فتنہ کو مٹانے کے لئے ان کے سامنے نہ کرے غیر حاضری میں کر لیا کرے، یہ سنت سے نفرت نہیں بلکہ مبتدعین دیابنہ کی پیدا کردہ مشکلات کا حل ہے اور اس کا گناہ ان کے مقدس سر پر ہے، ورنہ تحریک اہل حدیث کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی گئی تھی، اس کے متعلق سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ بہر حال اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دور ارباب کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکر یہ ہے، بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا۔ توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ

کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی۔ (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ کم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہو گیا، مگر انفسوں سے اب وہ بھی جا رہا ہے، اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ جہاد جس کی آگ اسلام کے بحر میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی، وہ پھر بھڑک اٹھی۔

(مقدمہ تراجم علمائے حدیث ص ۳۵)۔

نوافل رواتب:

انوار خورشید صاحب نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے یہاں پر متعدد مسائل کو بیان کر دیا ہے کہ یہ یہ سنتیں اہل حدیث کے ہاں متروک ہیں، رفع الیدین کے بعد نوافل رواتب پر علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ نقل کئے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ثواب ہوتا ہے، اور تارک گناہ گار اور کافر نہیں ہے۔ جماعت غرباء کے مفتی صاحب نے اس پر حدیث صحیح سے استدلال کیا تھا، مقلد انوار خورشید نے اس حدیث کا تو جواب نہیں دیا ہاں البتہ یہ کہہ دیا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں مسئلہ ہی یہ ہے کہ سنت کی خلاف ورزی جائز اور اس کے ترک پر کوئی گناہ نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۵)۔

حالانکہ یہ دعویٰ کسی سلفی عالم نے قطعاً نہیں کیا کہ تارک سنت پر کوئی گناہ نہیں، یہ انوار خورشید کی زیادتی ہے فرض نماز کے بعد اور پہلے پڑھی جانے والی نماز کا درجہ نفل کا ہے۔، خود نبی رحمت ﷺ نے انہیں نفل قرار دیا ہے۔ سیدہ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ۔

سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من عبد مسلم يصلي لله كل يوم ثنتي عشرة ركعة تطوعا غير فريضة الابني الله له بيتا في الجنة، او الابني له بيت في الجنة۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس نے اللہ کی رضا کے لئے ہر دن بارہاں رکعت نماز نفل غیر فرض کو پڑھا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنوائے گا یا یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت میں گھر بنوایا جائے گا۔

(صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرين باب فضل السنن الراتبه رقم الحدیث ۱۶۹۶)، سنن ترمذی، رقم الحدیث ۴۱۵)۔

وغیرہ میں صراحت ہے کہ یہ بارہاں رکعات کون سی ہیں۔ اربعا قبل الظهر و رکعتین بعدها و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الفجر، الحدیث، یعنی چار رکعت نماز ظہر سے پہلے، اور دو رکعت بعد، اور دو رکعات نماز مغرب کے بعد اور دو رکعتیں ہی نماز عشاء کے بعد اور دو

رکعتیں نماز فجر سے پہلے۔

(کتاب الصلاة باب ماجاء فیمن صلی فی یوم وليلة ثنتی عشرة.....)

اس حدیث صحیح صریح سے ثابت ہوا کہ یہ بارہاں رکعتیں نفل ہیں اور نوافل کو ادا کرنا بہر حال فضیلت ضرور ہے مگر اس کا تارک گناہ گار نہیں، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی صحابی اور دوسرے نجدی صحابی کو محض فرائض ادا کرنے پر جنت کی بشارت سنائی تھی۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ رقم الحدیث ۱۲، ۱۳)۔

ان احادیث پر غور کریں یہ اپنے معنی و مفہوم میں کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں کہ نوافل رواتب ادا کرنے کی فضیلت ہے، مگر ان کا تارک گناہ گار اور فاسق و غیرہ نہیں، یہی جماعت اہل حدیث کے مفتی فتویٰ دے رہے ہیں، لیکن ضعیف حدیث کے بالمقابل قیاس کو ترک کرنے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے مقلد صاحب یہاں صحیح احادیث کو ترک کر کے جماعت اہل حدیث کو مطعون کر رہا ہے۔

حق مہر کی مقدار:

معروف پرویزی اسلم جیرا چپوری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مولانا محمد بشیر سہوانی رحمہ اللہ کی بیٹی ایک معزز اور دولت مند رئیس سے بیاہی گئی اور حق مہر پچاس ہزار اشرفی مقرر ہوا، جو خلاف سنت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۷)۔

ظاہر ہے کہ مقلد انوار خورشید نے یہ حوالہ ہمیں مطعون کرنے کے لئے نقل کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے اس نالائق کو آج تک یہ خبر نہیں کہ ایسا بدعتی جس کی بدعت حد کفر کو پہنچ چکی ہو اس کی روایت قطعی طور پر قابل قبول نہیں کیونکہ راوی کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے کہ اسلم جیرا چپوری منکرین حدیث کا لیڈر اور اس کی طرف دعوت دینے والا تھا، لہذا اس کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہے، مزید برآں یہ کہ حق مہر کی مقدار انسان کی توفیق پر ہے۔ حق مہر پچاس ہزار کجا پچاس لاکھ اور پچاس کروڑ بھی رکھا جاسکتا ہے، اور اگر حیثیت معمولی ہو تو اس کی مقدار معمولی بھی رکھی جاسکتی ہے، شرعا زیادہ نہ کم میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ معروف مقلد محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں۔

ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار نہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۱۴۹ ج ۵)۔

حق مہر کی مقدار کے متعلق یہ باتیں ہم نے علی وجہ التسلیم عرض کر دیں ہیں ورنہ ہمارے نزدیک یہ روایت افسانہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔

مقلد انوار خورشید صاحب کے سپارے واپس نہ لئے:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ راقم الحروف غیر مقلدین کے ایک مکتبہ پر ان کے مطبوعہ سپارے تبدیل کروانے کے لئے گیا تو انہوں نے انتہائی حیل و حجت سے کام لیتے ہوئے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا اس پر راقم نے ان سے کہا کہ حدیث میں تو سودا واپس لینے کی فضیلت وارد ہوئی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

من اقال اقال اللہ عشراتہ ، او کما قال۔

جس نے سودا واپس لے لیا اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں آپ اچھے اہل حدیث ہیں کہ سودا واپس کرنا تو کجا تبدیل بھی نہیں کر رہے، اس پر وہ منہ میں بڑ بڑاتے ہوئے کہنے لگے انہیں نماز (یعنی رفع الیدین) کی حدیثیں نہیں آتیں، یہ آتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۸)۔

الجواب: اولاً کس مکتبہ پر گئے تھے، اور تبدیل کروانے کی ضرورت کیوں پیش آئی، آیا وہ عیب دار تھے؟ اور وہ عیب جناب کی کسی کتاب سے آیا یا پہلے ہی موجود تھا، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوکان دار سے کوئی چیز خریدی جاتی ہے وہ عیب دار ہوتی ہے، دوکان دار گاہک سے کہہ دیتا ہے کہ اس میں یہ عیب ہے لہذا واپس اور تبدیل نہ ہوگی، یہ تمام احتمال موجود ہیں۔ تو کس نکتہ نظر پر بحث کی جائے (۱) آپ کی روایت کی تصدیق مفقود ہے (۲) واپسی کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے۔

ثانیاً: انسان سودا واپس لینے کا پابند نہیں بالخصوص جب کہ مال میں نقص بھی نہ ہو یہ دینے والے پر موقوف ہے، شریعت میں بھی ترغیب دلائی گئی ہے، پابندی نہیں۔

ثالثاً: بات تو مکتبہ کے مدیر نے اچھی کہی تھی کہ نماز جیسی اہم عبادت میں تو آپ احادیث رسول کو پیش نظر نہیں رکھتے یہاں مطلب برآری کے لئے احادیث یاد آگئی ہے۔

رابعاً: پھر اس واقعہ کی صحت میں بھی مجھے تامل ہے۔ کیونکہ راقم نے انوار صاحب کو ۲۵ اپریل ۲۰۰۶ھ بروز پیر بعد نماز عصر، فون کیا اور سوال کیا کہ آپ کس مکتبہ پر گئے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ پردے میں ہی رہنے دیں، اور میرے اصرار کرنے پر بھی نہیں بتایا۔

مسائل اہل حدیث:

مقلد انوار صاحب نے یہاں پر اکیس مسائل کی بھی نشاندہی کی ہے کہ یہ یہ مسائل اہل سنت میں متفق ہیں۔ اور اہل حدیث ان کے خلاف عمل کرنے کو جہاد سمجھنے لگے ہیں، پھر موصوف ان مسائل کو درج

کرتے ہیں۔ وہ مسائل کیا ہیں تین چار چھوڑ کر بقایا وہی ہیں جن پر مقلد انوار صاحب نے قلم اٹھایا ہے اور اپنی کتاب میں جی بھر کر دلائل اکٹھے کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی حقیقت تو اصل کتاب میں آرہی ہے ہاں ان مسائل کی یہاں پر وضاحت کر دی جاتی ہے جو کتاب میں بیان نہیں ہوئے۔

ایام قربانی:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی غمید کے چوتھے دن کرنے کو احیاء سنت سمجھتے ہیں حالانکہ کسی صحیح صریح مرفوع حدیث سے چوتھے دن قربانی کرنا ثابت نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۲۲)۔

الجواب: اولاً موصوف نے چند صفحات قبل یہ دعویٰ کیا تھا کہ احناف کے یہاں حدیث مرفوع بھی حجت ہے، حدیث موقوف بھی حجت ہے۔ حدیث مرسل بھی حجت ہے اور ضعیف حدیث بھی رائے و قیاس کے مقابلے میں مقدم اور حجت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۹۸)۔

چاہئے تو یہ تھا کہ انوار صاحب ان تمام اقسام حدیث کی نفی کرتے کہ کسی بھی حدیث میں چار دن کی قربانی کا ذکر نہیں ہے، چونکہ موصوف کو حدیث کا یقیناً علم تھا اس لئے انکار حدیث کے لئے ساتھ شروط بھی درج کر دیں ہیں، پہلی شرط صحیح ہونا، دوسری شرط صریح کا ہونا، تیسری کرنا ثابت ہو یعنی تقریری یا قولی نہ ہو بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا عمل ہو، چوتھی شرط یہ کہ حدیث میں اسے سنت قرار دیا گیا ہو، پانچویں شرط یہ کہ اس سنت کے احیاء کا بھی ذکر ہو، قارئین کرام غور کریں ان شروط کی کوئی اہمیت ہے، بھلا حدیث کو قبول کرنے کے لئے صریح اور فعلی کا ہونا بھی کوئی شرط ہے، اگر محترم کے نزدیک حدیث کو قبول کرنے کا یہی معیار ہے تو یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ ہمارے نزدیک مرفوع و موقوف اور ضعیف بھی حجت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے نزدیک صرف قول امام ہی حجت ہے۔ اور جہاں قول امام کے خلاف حدیث ہوگی اس حدیث پر غور کریں گے، اگر فعلی ہوگی تو قولی کا مطالبہ ہوگا اگر قولی ہوگی تو فعلی کا ہوگا، اور اگر دونوں ہوں گی تو ساتھ خلفاء راشدین کے عمل کا مطالبہ پیش کر دیں گے، اگر خلفاء کا عمل بھی ہو، تو فقہاء کے عمل کی موافقت کا مطالبہ کر دیں گے، اگر فریق مخالف پیش نہیں کریں گا تو کہہ دیں کہ یہ حدیث امت مرحومہ کے نزدیک متروک ہے، غور کریں کہ جو ہمارے آقا ﷺ کی مبارک احادیث کو اپنانا چاہتا ہے اسے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان الفاظ سے ہو، آپ کے ایسے ویسے مطالبے ہی ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کے دل میں احترام حدیث نام کی کوئی چیز نہیں۔

ثانیاً: آئیے ہم آپ کو چار دن کی حدیث دکھاتے ہیں، سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل ایام التشریق ذبح یعنی تشریق کے تمام دن قربانی کے ہیں۔

(سنن دارقطنی ص ۲۸۴ ج ۴، مسند احمد ص ۸۲ ج ۴، ابن حبان (موارد) رقم

الحدیث ۱۰۰۸، بیہقی ص ۲۹۹ ج ۹، طبرانی کبیر ص ۱۳۸ ج ۲ رقم الحدیث ۱۵۸۳)۔

ہیثمی فرماتے ہیں کہ مسند احمد کے راوی ثقہ ہیں اور اسے بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس

کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۲۵۴ ج ۳)۔

اور تشریق کے دن دس ذواج کے بعد تین دن ہیں۔ بلفظ دیگر چار دن قربانی ثابت ہوئی، چار دن

کی قربانی کے قائل سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام عطاء امام حسن امام عمر بن عبد العزیز

اور امام شافعی امام اوزاعی ہیں۔ (المحلی بالاثار ص ۴۱ ج ۶، والتمہید ص ۱۹۶ ج ۲۳)۔

اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کو شریک کرنا بھی صحیح سمجھتے ہیں

حالانکہ یہ کسی صحیح صریح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں بلکہ صحیح حدیث کے خلاف ہے اور ائمہ اہل سنت

ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مسلک نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۲۲)۔

الجواب: دس افراد کے شریک ہونے کی حدیث بھی موجود ہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی

ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ قربانی کا دن آگیا، ہم نے ایک گائے میں

سات اور،، نی الجوز وعشرۃ،، اونٹ کی قربانی میں دس افراد نے شرکت کی۔

(ترمذی کتاب الحج ماجاء الاشرک فی البدنة والبقرة، الحدیث ۹۰۴ و سنن نسائی کتاب

الصخایا باب ما تجزی عنه البدنة فی الضحایا، الحدیث ۴۳۹۷، ابن ماجہ کتاب الاضاحی

باب عن کم تجزی البدنة، الحدیث ۳۱۳۱، و مسند احمد ص ۲۷۵ ج ۱)۔

بلاشبہ سات حصوں والی روایت زیادہ صحیح ہونے کی وجہ سے راجح ہے، مگر یہ روایت بھی حسن درجہ

سے کم نہیں، لہذا دس حصے کا بھی جواز ثابت ہوا، ممکن ہے کہ انوار صاحب اس حدیث کی سند میں کبڑے

ڈالیں تو یہ ان کے کہے ہوئے کے خلاف ہے کہ ضعیف حدیث بھی ہمارے نزدیک حجت ہے۔ رہا انوار

صاحب کا کہنا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا یہ مسلک نہیں تو یہ بھی محترم کی بھول ہے، کیونکہ امام صرف

چار ہی نہیں مزید بھی ہیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ کا مسلک تو امام ترمذی

نے بیان کیا ہے، اور امام ابن خزمیہ رضی اللہ عنہ بھی یہی موقف رکھتے تھے۔

بلاشبہ یہ موقف جمہور کے خلاف ہے، مگر جمہور کوئی دلیل نہیں احناف نے متعدد اور ان گنت مسائل

میں جمہور کی مخالفت کی ہے، جس کی تھوڑی سی تفصیل راقم نے دین الحق کے حصہ دوم میں عرض کر دی

ہے۔ اور مولانا ابوالحسن سیالکوٹی نے، الظفر امین جدید میں سو مسائل بیان کیے تھے جس میں امام ابوحنیفہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے یہ بات ملحوظ رہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کے علاوہ بھی متعدد مرفوع و موقوف روایات ہیں۔ (راجع مرعۃ ص ۱۰۲ ج ۵)۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں:

موصوف نے اسے بھی اہل حدیث کے ان مسائل میں ذکر کیا ہے، جس میں اہل سنت کی مخالفت کرتے ہیں، اس نادان دل میں کون یہ بات ڈالے کہ اکھٹی تین طلاقوں کو آئمہ احناف بھی بدعت تسلیم کرتے ہیں، اور بدعت اہل سنت کا مسلک نہیں، پھر اکھٹی تین طلاقوں کے ایک ہونے پر احادیث صحیحہ و مرفوعہ اور آثار صحابہ کرام موجود ہیں متعدد حنفی اور دیوبندی حضرات کے فتاویٰ بھی اس پر موجود ہیں۔ تفصیل دین الحق میں عرض کردی گئی ہے، اور بے شمار ایسے واقعات ہیں کہ حنفیوں نے اہل حدیث مفتی کی طرف رجوع کر کے اپنا گھر آباد کر لیا ہے۔ بعض حنفی علماء بھی رجوع کا مشورہ دے دیتے ہیں۔ (ہاں تحریری فتویٰ دینے سے گریز کرتے ہیں)۔

نارنگ منڈی میں ہمارے ایک مخلص دیوبندی نے دیوبندی علماء کے کہنے پر ہی بیٹی کی رخصتی کردی تھی، مفتی کفایت اللہ، پیر کرم شاہ بھیروی اور متعدد دیگر حنفی حضرات کے فتاویٰ تو مطبوع ہیں۔ (راجع دین الحق ص ۶۷۷ ج ۲)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کے عہد اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورے خلافت کے دو سال تک تین طلاقیں ایک طلاق شمار کی جاتی تھی۔ (مسلم ص ۳۷۷ ج ۱)۔

انوار خورشید صاحب نے یہاں اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ حالانکہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کے ایک شمار ہونے میں حدیث مذکورہ اجماع کی نفی کرتی ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنے میں اپنی شان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک بھی صحیح حدیث میں صرف داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۲۲)۔

الجواب: اولاً مقلد انوار صاحب ہر جگہ پر حدیث صحیح و صریح کا مطالبہ کرتا ہے، جب کہ صحیح سے

نیچے حسن کا بھی درجہ ہے، جو قابل حجت ہے، اسی طرح صریح کا بھی مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ کسی مسئلہ میں صریح حدیث کا نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئلہ غیر ثابت شدہ ہے، کیونکہ کسی مسئلہ کا کسی حدیث سے مستفاد ہونا بھی شرعی طور پر حجت ہے، اور اس کا انکار محض دھوکا ہے۔

ثانیا: ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ (التمہید ص ۲۳۷ ج ۱۲)۔

اور بوقت بیعت داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے۔ (صحیح مسلم ص ۷۶ ج ۱)۔

اور بیعت کے وقت مصافحہ ہی کیا جاتا ہے، سیدہ امیمہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ ہم بہت سی عورتیں دین اسلام پر بیعت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور ہم نے بیعت کے وقت مصافحہ کی درخواست کی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

انی لا أصافح النساء،

میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ (موطا امام مالک باب ما جاء فی البيعة)

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیعت کے وقت مردوں سے مصافحہ کرتے تھے۔ (التمہید ص ۲۴۳ ج ۱۲)۔

اتحاد امت کا قاتل کون؟

چور مچائے شور پر عمل کرتے ہوئے مقلد انوار خورشید صاحب نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ اہل حدیث کا مقصد احیاء سنت نہیں بلکہ امت میں اختلاف و انتشار پھیلانا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۲۲)۔

الجواب: اولاً امت کا اتحاد صرف اور صرف قرآن و سنت پر ہو سکتا ہے کسی امام اور مولوی کی تعلیم کو اپنانے سے اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے، ہم تو قرآن و سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں، یہی اتحاد امت کا بنیادی پتھر ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا۔ (الایہ ال عمران ۱۰۳)۔

اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔ (۳-۱۰۳)۔

ثانیا: تحریک اہل حدیث جن چیزوں پر استوار کی گئی تھی ان میں سے احیاء سنت بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ آپ لاکھ انکار کریں، حقیقت یہی ہے۔

مثلاً: پاک و ہند میں اختلاف و انتشار پھلانے والے حنفی بالخصوص دیوبندی ہیں۔ یہ حضرات شیعہ کے قائد ساجد نقوی کی اقتداء میں تو نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (جیسا کہ مجلس عمل نے پڑھی تھی)۔ ان کی اگر نماز نہیں ہوتی تو صرف اہل حدیث کے پیچھے نہیں! تمام متداول دیوبندی فتاویٰ میں اہل حدیث کی اقتداء کو ناجائز لکھا ہے۔

(علی الترتیب دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۲۹۱ ج ۳ ص ۳۳۳ ج ۳ و امداد الفتاویٰ ص ۲۴۹ ج ۱ و کفایت اللہ المفتی ص ۳۲ ج ۳ و خیر الفتاویٰ ص ۴۰۳ ج ۲ و فتاویٰ حقانیہ ص ۱۳۲ ج ۳ و فتاویٰ رحیمہ ص ۱۸۳ ج ۲ و عزیز الفتاویٰ ص ۱۹۲ و امداد المفتین ص ۳۱۷ و امداد الاحکام ص ۵۳۷ ج ۱ و فتاویٰ مفتی محمود ۲۲۸ ج ۲ و احسن الفتاویٰ ص ۲۸۲ ج ۳)۔

یہ ایک درجن فتاویٰ دیابنہ مقلد انوار خورشید کے دعویٰ اتحاد امت کا منہ چڑھا رہے ہیں۔ دیوبندی حضرات اہل حدیث کی اقتداء تو کرنا کجا جہاں بھی ان کا غلبہ ہوتا ہے وہاں ہی یہ اہل حدیث کو اپنی مساجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے وزیر آباد کی کسی کالونی میں اہل حدیث حضرات دیوبندی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے اور آئین بھی دھمی آواز سے کہتے تھے۔ ایک دن دیوبندی امام نے نماز توڑ کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے کہا، خنزیرو! تمہیں کیا تکلیف ہے؟

(ہفت روزہ اہل حدیث جلد ۳۶ شماره ۴۷ مورخہ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ء ص ۵)۔

یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان بیہودہ اور قلم گستاخ ہے، حقیقت کا نامور وکیل محمد بن زاہد کوثری ہے جو حقیقت کے دفاع میں متعدد رسائل و کتب کا مصنف ہے، ان کی ایک کتاب تبذیر الظلام ہے، اس میں امام ابن قیمؒ کے متعلق لکھتا ہے۔ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ص ۹، ۲۲۱، ۲۳، ۳۷، بدعتی ص ۸ بے حیاء ص ۴۷، ۱۶۸، کذاب، ص ۴۱، ۵۷، ۱۶۹ کم عقل ص ۶۶ جاہل ص ۲۵ و ۶۰، خارجی ص ۲۸ سائنڈ گدھا ص ۵۹، ۲۸، ملعون ص ۳۷ یہود و نصاریٰ کے بھائیوں سے ص ۳۹، مقلد مولوی امین صفدر اکاڑوی نے، تجلیات صفدر ص ۱۹۹ ج ۲ میں تمام اہل حدیثوں کو بے پناکتا کہا ہے۔ خبیث اللسان اکاڑوی ایک جگہ لکھتا ہے کہ غیر مقلدین کی پہچان کیسے ہو؟ کیونکہ بے دلیل دعویٰ تو مانا نہیں جاسکتا اس لئے سب (سے) پہلے تو غیر مقلد کی پہچان یہ ہے کہ وہ پہلے بگو کے کباب، مینڈک کا اچار، گوہ کا قیمہ، خارپشت کا شوربا، منی کا کسٹرڈ استعمال کرے تو اس دلیل سے اس کا غیر مقلد ہونا معلوم ہو جائے گا، پھر وہ گائے کے پیشاب سے وضو کرے، نماز پڑھنے کی جگہ مردار کتے کی انتڑیاں بچھالے، خنزیریکی غیر مدبوغ کھال کو بطور لباس پہن لے، منہ پر منی کا میک اپ اور کتے

کے خون کی سرخی لگا لے، جسم پر نجاست کا آئل مل لے تاکہ مچھر اور مکھیوں کی دعوت کا سامان مکمل ہو جائے، پھر ننگے سر پاؤں کم از کم تین فٹ چوڑے کر کے کھڑا ہو جائے، سر ننگا ہو، سر اور داڑھی میں کم از کم ڈھیڑیر دھول ہو، وقت سے پہلے ہی بغیر نیت کے نماز میں کھڑا ہو، کہنیوں کو کندھے کے ساتھ ۹۰ درجے کا زاویہ بنا کر ہاتھوں کو چھاتیوں کی طرف اٹھا کر گلے کے قریب رکھ لے، لیکن فوراً ایک ہاتھ سے ناک سے چوہے نکالنا شروع کر دے، دوسرے ہاتھ سے جسم کے اعضاء مخصوصہ کی خارش کو سہلاتا ہوا اور اپنی مخصوص کٹا قرآت سے قرآن پڑھے۔ ہاتھوں کو بلاتے ہوئے رکوع میں جائے۔ تسبیحات کی بجائے اردو زبان میں مقلدین کو گالیاں اور بددعائیں دے، پھر سجدوں میں تسبیحات کی بجائے پنجابی زبان میں برطانیہ سامراج کے لئے دعائیں کرے، دوسری رکعت میں پاؤں مزید چوڑے کر کے مسجد کا محراب بنائے نماز کے آخر میں بھی سلام سے پہلے پنجابی میں مقلدین خفیہ کو بددعائیں اور مقلدین حنبلیہ کے لئے دعائیں کرے، پھر سامنے کی طرف ایک سلام کرے، اور بغیر دعا کئے ہوئے علامہ شامی اور صاحب ہدایہ پر تبرا بازی شروع کر دے اور خفیہ مسلمانوں کو ایک ہی سانس میں کافر، مشرک، جہنمی، من حرامی، بدعتی کہتا چلا جائے۔ (تجلیبات صفحہ ۹۶ ج ۲)۔

ماشاء اللہ یہ تحریر اس شخص کی ہے جسے یہ حضرت فقیہ الامت اور مناظر اسلام ترجمان اہل سنت وکیل احناف جیسے بڑے بڑے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ یہ تحریر جتنی بیہودہ ہے اس سے ہزار گنا زیادہ تکلیف دہ اور نفرت پھیلانے والی ہے۔ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث نماز اس طرح پڑھتے ہیں اور یہ طریقہ ان میں مروج ہے جس کے دل میں خوف خدا ہو اور قبر و موت یاد ہو وہ ایسے دل خراش جھوٹ بول کر فریق مخالف کے ذمہ نہیں لگاتا، شاید ماسٹر امین کذب و افتراء کو ہی حقیقت سمجھ بیٹھا تھا، یہی وجہ وہ اپنی کتاب میں کثرت سے جھوٹ بولتا ہے، رسول اللہ ﷺ بھی اس بد بخت اور موذی سے محفوظ نہیں رہے، اس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی افتراء کیے ہیں جس ضدی ہٹ دھرم نالائق اور کور باطن سے ہمارے آقا ﷺ بھی محفوظ نہ رہے ہوں، اس سے ہمیں کیسے عزت و احترام اور حیاء کی توقع ہے۔ انوار صاحب اب بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اتحاد امت کے داعی اور اختلاف و انتشار کے مخالف ہیں۔

خدمت حدیث کے پردہ میں:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے لکھنے سے ہمارے پیش نظر تین مقاصد ہیں۔
(۱) اشاعت حدیث میں حصہ لینا، (۲) احناف کے دلائل کو یکجا کرنا (۳) غیر مقلدین ان احادیث کے

منکر ہیں۔ ملخصاً - (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۵)۔

الجواب: اولاً اشاعت حدیث آپ کا مقصود قطعاً نہیں یہ جناب نے غلط بیانی اور اپنے ضمیر کے بھی خلاف کہا ہے۔ کیونکہ محترم نے کتاب میں صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث مبارکہ ہی درج نہیں کیں، بلکہ صحابہ کرام تابعین عظام اتباع تابعین اور تبع تابعین کے اقوال بھی درج کیے ہیں، اگر مقصود اشاعت حدیث ہوتا تو امتیوں کے اقوال نقل نہ کرتے صرف مرفوع حدیث ہی درج کرتے، پھر ان مرفوع احادیث میں بھی صحت کا خیال رکھتے مگر جناب نے تو ضعیف و منکر بلکہ شاذ و موضوع روایات کو بھی درج کیا ہے۔ اور ان روایات کو بھی دلیل بنایا ہے۔ جو آج کے حنفی علماء اور ناشرین کی وضع کردہ ہیں۔

ثانیاً: محترم آپ نے کتاب میں جگہ جگہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں معنوی تحریف کے علاوہ متن حدیث کو مکمل نقل نہیں کیا۔ جس حصے سے آپ کا استدلال ہوتا ہے اسے درج کر دیتے ہیں، اور مخالف حصے کو درج نہیں کرتے، اشاعت حدیث مقصود ہوتا تو مخالف ٹکڑے ہضم نہ کرتے انہیں بھی درج فرماتے اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے، مگر آپ کا اصلی اور حقیقی مطلب حنفیت کے دلائل جمع کرنا تھا، اور بلاشبہ آپ نے حنفیت کی خدمت کی ہے، حدیث نبوی کی خدمت کا دعویٰ کذب ہے۔

ثالثاً: مبتدعین دیانہ و بریلویہ کے تراجم کتب سہ بھی آج کل مارکیٹ میں دستیاب ہیں، دونوں پارنیاں خدمت کے پردہ میں پیش کر رہی ہیں۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان کے تراجم میں زبردست معنوی تحریف ہے مقلد انوار صاحب کے تراجم احادیث میں بددیانتیاں اور تحریفات اصل کتاب کے ہر باب میں آرہی ہیں۔

کیا اہل حدیث کے فقط یہی بزرگ ہیں:

انوار مقلد صاحب نے ہدایہ المستقیم کے مقدمہ سے میاں نذیر حسین محدث دہلوی فاتح قادیان مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی علامہ وحید الزماں اور حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے القابات بھی نقل کئے ہیں۔ (ص ۱۳۵)۔

بلاشبہ یہ ہمارے اسلاف تھے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا صرف یہی ہمارے اسلاف تھے؟ نہیں قطعاً نہیں، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد صحابہ کرام تابعین عظام تبع تابعین محدثین و فقہاء تمام کے تمام ہمارے اسلاف اور بزرگ ہیں۔ ہر وہ شخص جو توحید کا قائل اور اتباع سنت کے راستہ پر گامزن تھا وہ ہمارا بزرگ ہے، اجتہادی خطائیں ایک طرف ہمیں سب سے حسن ظن ہے۔ یہ سب ہم سے ہر لحاظ سے

بڑے تھے، ان کے اجتہادات کی قدر کرتے ہیں، مگر تقلید نہیں کرتے، کیوں؟ اس لئے کہ پیروی اس شخص کی کی جاتی ہے، جو خطا سے معصوم ہو، اور وہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کا مقدس گروہ ہے، باقی سب سے غلطیاں ممکن ہیں، اس لئے ہم کسی بھی مجتہد سے کلی وابستگی اختیار نہیں کرتے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آئمہ مجتہدین کے شاذاقوال کو چن چن کر بغرض سہولت اپناتے ہیں، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اصل قرآن و سنت کو بناتے ہیں، اقوال رجال ہمارے ہاں ثانوی درجہ رکھتے ہیں، ہاں قرآن و حدیث کی تشریح و توضیح کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کو حجت تسلیم کرتے ہیں خیر القرون کے تعامل کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ ہم قرآن کو لغت کی بجائے صاحب قرآن کے اسوہ سے حل کرتے ہیں، جیسے حنفی خمر کے لفظ سے انگوری شراب مراد لیتے ہیں۔ اور ہم خمر کے لفظ سے ہرنشہ آور مشروب! کیوں؟ اس لئے کہ حدیث میں ہرنشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الاشریۃ باب بیان ان کل مسکر خمر..... رقم الحدیث / ۵۲۱۹)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) باب پانی کی طہارت فصل اول

(۱) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ایسے پانی کے متعلق سوال ہوا، جو جنگلوں میں ہوتا ہے درندے اور چوپائے اس سے پانی پینے کے لیے آتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔

اذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث۔
”جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔“

ترمذی مع تحفہ ص ۷۰ ج ۱ کتاب الطہارۃ باب منہ اخر، الحدیث ۶۷، ابو داؤد ص ۹ ج ۱ کتاب الطہارۃ باب ما ینجس الماء رقم الحدیث ۶۳، نسائی ص ۳۹ ج ۱ کتاب الطہارۃ باب التوقیت فی الماء، رقم الحدیث ۵۲، ابن ماجہ ص ۲۰ ج ۱ کتاب الطہارۃ باب مقدار الماء الذی لا ینجس رقم الحدیث ۵۱۷، مسند احمد ص ۲۷ ج ۱ و مسند طیالسی ص ۲۱۳، و دارقطنی ص ۱۶ ج ۱، وطحاوی ص ۱۸ ج ۱، وابن حبان (۱۲۳۶)۔

اس حدیث کو ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی، نووی، ابن حجر، ابن مندہ، طحاوی، امام ابن معین اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔

(بلوغ المرام ص ۲، والتلخیص الحبیر ص ۷ ج ۱، ومرفقا ص ۵۵ ج ۲ و ارواء الغلیل ۲۳)۔
(۲) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ سے بضاعہ کے کنویں کے متعلق سوال کیا گیا جس میں ناپاک کپڑے اور مردار کا گوشت گر جاتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”ان الماء طهور لا ینجسه شیء“

”بلاشبہ پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔“

(ترمذی مع تحفہ ص ۶۶ ج ۱ کتاب الطہارۃ باب ماجاء ان الماء لا ینجسه شیء رقم الحدیث ۶۶، و مسند احمد ص ۳۱ ج ۳، و ابو داؤد ص ۹ ج ۱ کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی ذکر بئر بضاعہ الحدیث ۶۷، و نسائی ص ۳۹ ج ۱ کتاب المیاء باب ذکر بئر الحدیث ۳۲۷، ۳۲۸، و دارقطنی ص ۳۱ ج ۱)۔

اس حدیث کو امام احمد، امام بیہقی بن معین، امام ابن حزم اور حاکم رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے اور امام ترمذی

نے حسن اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ۱۴)

(۳) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

”اذا كان الماء قلتين لم ينجسه شيء الا ما غلب على ريحه وطعمه“
 ”جب پانی دو مٹکے ہو تو کوئی چیز اسے نجس نہیں کرتی مگر یہ کہ اس کا مزہ، اور بو بدل جائے۔“

(بیہقی ص ۲۵۹ ج ۱)

پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ جب پانی دو مٹکے کی مقدار میں ہو تو معمولی نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ دوسری حدیث سے ثابت ہوا کہ کنواں بھی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا۔ تیسری حدیث سے ثابت ہوا کہ جب پانی کے اوصاف میں سے کوئی صفت تبدیل ہو جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے کیونکہ نجاست کے غلبہ سے وہ نجس ہو گیا۔

ان احادیث کے برعکس حنفیہ کا مسلک چوں چوں کا مرہ ہے، ان میں بارہ مذاہب ہیں۔ جن کی تفصیل مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم نے تعلق الجہد ص ۶۷ میں دی ہے، ان بارہ مذاہب میں سے وہ درودہ حوض کی مقدار کو متاخرین احناف نے ترجیح دی ہے۔
 مولانا عثمانی فرماتے ہیں۔

احناف کے نزدیک قلیل و کثیر کی کوئی مقدار معین نہیں ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رائے مبتلیٰ بہ پر چھوڑا ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اتنی تحدید ضرور منقول ہے کہ جس پانی میں خلوص اثر النجاسة الى الطرف الآخر ہو وہ قلیل ہے۔ اور جس میں نہ ہو وہ کثیر ہے، اس کو امام قدوری نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ *مالم يتحرك بتحرك الطرف الآخر* اور فقہاء متاخرین کے یہاں عشری عشرہ کی جو تحدید مشہور ہو گئی ہے وہ ائمہ مذہب سے منقول نہیں۔ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک مرتبہ ابوسلیمان جوزجانی نے اپنے استاذ امام محمد سے پوچھا کہ کتنا پانی کثیر ہوگا۔

اس پر امام محمد نے فرمایا کسجدی ہذا، ابوسلیمان جوزجانی نے بعد میں مسجد کو ناپ لیا۔ تو اندر سے ثمانیۃ فی ثمانیۃ (آٹھ در آٹھ) اور باہر سے، عشرۃ فی عشرۃ (دہ در دہ) تھی احتیاطاً عشرۃ فی عشرۃ کو اختیار کر لیا گیا۔ لہذا حقیقت وہی ہے کہ حنفیہ نے کثیر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی اور اس کو رائے مبتلیٰ بہ پر چھوڑا گیا ہے۔ یعنی مبتلیٰ بہ پانی کی جس مقدار کو کثیر سمجھے، اس پر کثیر کے احکام جاری ہوں گے، ہاں البتہ جاہل عوام کی سہولت کے پیش نظر، عشرۃ فی عشرۃ، کے قول کو متاخرین نے اختیار کیا ہے۔ (درس

ترمذی ص ۲۶۷ ج ۱)

الغرض متاخرین فقہاء نے دہ در دہ حوض کی مقدار کو پانی کثیر قرار دیا ہے اور دیوبندیوں کا (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۸ ج ۱) میں اور بریلوی حضرات کی کتاب (بہار شریعت ص ۳۸ ج ۲) میں اسی پر فتویٰ

ہے۔

فصل دوم

دلیل اول: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس سے (پانی وغیرہ کو) بہا کر سات مرتبہ دھویا جائے۔ دوسری روایت میں ہے۔ پہلی بار مٹی سے مانجھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۷)

الجواب: اولاً: یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک کتے کے جوٹھے برتن کو تین بار دھونا چاہیے حالانکہ حدیث میں سات بار دھونے کا ذکر ہے۔ مفصل دیکھئے تحفہ حنفیہ حصہ اول۔
ثانیاً: اختلاف اس بات پر نہیں کہ پانی نجس ہوتا ہے کہ نہیں بلکہ اختلاف تو اس بات میں ہے کہ کتنی مقدار میں پانی ہو تو نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے اس حدیث میں پانی کثیر اور قلیل کی مقدار کا بیان نہیں صرف برتن میں کتے کے منہ ڈال دینے پر برتن کو دھونے اور پانی کو بہا دینے کا حکم ہے۔

ثالثاً: اگر یہ کہہ دیا جائے کہ پانی خواہ کتنا ہی ہو تو اسے بہانے اور برتن کو مانجھنے کا حکم ہے تو یہ کہنے والے کی غلطی ہے۔

کیونکہ جب پانی کثیر ہو تو بہانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی برتن وغیرہ ناپاک ہوتا ہے دیوبندیوں کے فتاویٰ میں ہے۔

تالاب کی پیمائش دس ہاتھ چوڑی اور دس ہاتھ لمبی ہو تو کتے کے مرجانے سے اور سوج جانے سے ناپاک نہ ہو گا جب تک اس پانی میں اس مردار کی بدبو نہ آجائے (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۶۱ ج ۱) اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ حدیث پانی قلیل کے متعلق ہے۔
مقلد علامہ نبوی فرماتے ہیں۔

الحديث حجة على مالك ومن تبعه لانه يدل على ان الماء القليل ينجس بوقوع النجاسة۔

یعنی کتے کا برتن میں منہ ڈالنے والی حدیث امام مالک اور ان کے پیروکاروں پر حجت ہے۔ کیونکہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قلیل پانی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔

(آثار السنن ص ۳)

دوسری دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ پیشاب کرے تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو کہ بہہ نہیں رہا پھر اسی میں غسل کرے (بخاری ص ۳۷) اور ترمذی ص ۲۱ میں وضو کرنے کی بھی ممانعت ہے وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ وضو و غسل سے ممانعت

اسی لیے ہے کہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۸ و ۱۳۹)
الجواب: اولاً کس اہل حدیث نے فتویٰ دیا ہے یا کسی جاہل سے جاہل نے بھی کہا ہو کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پہلے پیشاب وغیرہ کر کے بعد میں اس سے وضو و غسل کیا جائے۔
 آخر عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دی ہے، آپ نے یہ حدیث ہمارے خلاف کیسے سمجھ لی ہے۔
 ثانیاً: اگر آپ حنفیہ کا حوض ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ تو کس لفظ کا یہ مفہوم ہے جو آپ عوام الناس کو مغالطہ دے رہے ہیں کہ اس سے حنفیہ کا مذہب ثابت ہوتا ہے سنئے یہ حدیث پانی قلیل کے متعلق ہے، مقلد علامہ شبیر احمد فرماتے ہیں کہ

”و هذا كله محمود على الماء القليل عند اهل العلم على اختلافهم في حد القليل،“
 یعنی اہل علم کے نزدیک یہ تمام احادیث قلیل پانی کے متعلق ہیں۔ ہاں البتہ پانی قلیل کی حد میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ (فتح الملہم ص ۴۷، ج ۱)
 یہی بات ملا علی قاری نے، (مرقاۃ ص ۵۱ ج ۱) میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے، (اشعۃ اللمعات ص ۲۶۱ ج ۲) میں کہی ہے۔

مولوی قطب الدین حنفی فرماتے ہیں۔
 مراد یہاں سے پانی قلیل ہے، اگر کثیر ہو حکم جاری کا رکھتا ہے، اور نجس نہیں ہوتا پیشاب وغیرہ سے اور نہاں اس میں جائز ہے۔ (مظاہر حق ص ۱۵۶ ج ۱ طبع نول کشور ص ۳۵۹ ج ۱ طبع جدید)
مسئلہ: پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو، ٹھہرا ہوا ہو یا جاری ہو اس میں پیشاب کرنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

نہی رسول اللہ ﷺ ان یبال فی الماء الجاری
 رسول اللہ ﷺ نے جاری پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔
 (طبرانی الاوسط ص ۴۴۶ ج ۲) (۱۷۷۰)۔

ہیشمی فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ص ۲۰۴ ج ۱) اگر اس کی سند میں ابو زبیر کی تدلیس کا شبہ نہ ہوتا تو راقم اس کی صحت کا حکم لگاتا۔

تیسری دلیل: فرماتے ہیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات کو سو کر اٹھے تو جب تک ہاتھوں پر دو یا تین دفعہ پانی نہ بہالے اس وقت تک برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری۔ (ترمذی ص ۱۳ ج ۲)۔

مجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ نیند سے بیدار ہو کر ہاتھ کو دھوئے بغیر پانی میں ڈالنے سے منع

فرمایا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے سوتے میں ہاتھ شرمگاہ کو چھو جانے سے شرمگاہ پر رہ جانے والی نجاست ہاتھ کو لگ جائے جس کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے اس لئے احتیاطاً ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۰، ۳۸)

الجواب: اولاً یہ جناب کی آخری دلیل ہے افسوس کہ اس میں بھی آپ نے حنفی مذہب کی دلیل درج نہیں کی حالانکہ یہ آپ کا اخلاقی فرض تھا سنئے! صاحب بہادر اس میں سو کر اٹھنے پر ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت ہے جو عین ہمارا مسلک ہے مگر اس میں آپ کا حوض وہ درودہ موجود نہیں لہذا آپ کوئی ایسی دلیل نقل کریں جو آپ کے مذہب کی وکالت کرے کہ وہ درودہ حوض سے کم پانی معمولی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے یہ آپ کبھی بھی ثابت نہ کر سکیں گے۔ ولو كان بعضكم لبعض ظهيرا۔

ثانیاً: یہ حکم پانی قلیل کے متعلق ہے اور اس کا قرینہ، برتن، کا لفظ ہے مولانا عثمانی فرماتے ہیں۔

ومن المعلوم ان ماء الاناء لم يكن الاقليلة۔

یعنی یہ بات واضح ہے کہ برتن کا پانی قلیل ہوتا ہے

(فتح الملہم ص ۲۳۹ ج ۱)۔

آخر میں ہم مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم کا ایک قول نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں فرماتے

تیس۔

والتقدير الذي ذكر الحنفية في عدم سريانة النجاسة الى العشر في العشر ليس له اصل شرعى بخلاف تقدير الشافعية بالقلتين فانه ثابت بالحديث الصحيح وكذا تقدير المالكية بالتغير۔

یعنی حنفیہ نے جو وہ درودہ کا اندازہ کثیر پانی کے لئے لگایا ہے اس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں لیکن شافعیہ نے جو دو منکے کا اندازہ لگایا ہے وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے اسی طرح مالکیوں کا اندازہ تغیر اوصاف ثلاثہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (عمدة الرعاية ص ۸۷ ج ۱)۔

افترا کی بدترین مثال:

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کے اس نظریہ کے مطابق اگر پانی کے ایک گلاس میں یا کسی چھوٹے برتن میں پیشاب کے قطرے پڑ جائیں تو وہ پانی پاک ہونا چاہئے کیونکہ پیشاب کے قطروں سے پانی کے رنگ بوزہ میں کوئی چیز بھی نہیں بدلتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۱)۔

الجواب اولاً: یہ آپ کا کذب صریح اور بہتان ہے کسی اہل حدیث کا یہ موقف و مذہب نہیں ہے۔

حضرت میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ۔

سوال چہارم: ایک لوٹا پانی میں ایک بوند پیشاب کی پڑ جائے تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟۔

الجواب: وہ پانی بلا ریب ناپاک ہے اور اس کی ناپاکی میں کچھ شک نہیں فتویٰ میاں صاحب

مطبوعہ دہلی ۱۲۹۸ ہجوالہ (ابراء اہل الحدیث ص ۹۲)۔

ثانیاً: آپ نے تو زیادتی کی ہے آئیے ہم آپ کو آپ کی فقہ سے ایسے مسائل کی نشان دہی کرواتے ہیں۔ (۱) جس چھت پر جا بجا نجاست (پانخانہ) پڑا ہو اور اس پر بارش کا پانی اس قدر پڑے کہ پر نالے سے جاری ہو جائے تو وہ پانی پاک ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۷ ج ۱)۔
(۲) ابن عابدین فقہ کی کتاب، الخزانة، سے نقل کرتے ہیں کہ۔

اناء ان ماء احدھما طاهر، والآخر نجس، فصبا من مکان عال، فاختلف فی الهواء ثم نزل طهر كله، ولو اجری ماء الاناءین فی الأرض صار بمنزلة ماء جار، ونحوه فی الخلاصة۔

دو برتن ہیں ایک میں پانی پاک ہے دوسرے میں ناپاک، اگر دونوں پانی اوپر سے گرا دیئے جائیں اور ہوا میں ملے ہوئے زمین پر پہنچیں یا زمین پر ہی بہائے جائیں تو وہ دونوں پانی پاک ہیں۔

(فتاویٰ شامی ص ۱۸۷ ج ۱ کتاب الطہارة)۔ مطلب الاصح انه لا یشرط فی الجریمان المدد، طبع ایچ ایم سعید کراچی)۔

اس فقہت کی رو سے فرض کرو دو لوٹے ہیں ایک میں پانی ناپاک ہے کہ آدھا پیشاب اور آدھا پانی ہے، دوسرے میں صاف و پاک پانی ہے فقہ حنفی کی رو سے اگر ان کو دو چار فٹ بلند کر کے دونوں کے سراخوں سے ایکدم پانی نکالا جائے جو ہوا ہی میں مل کر زمین پر گریں تو وہ پانی پاک ہے اس سے انوار صاحب وضو کر کے امامت کروائیں تو درست ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۲) باب منی کی طہارت

فصل اول

(۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی کہ:

كان رسول الله ﷺ يسلمت المنى من ثوبه بعرق الأذخر ثم يصلى فيه، ويحته من ثوبه يابساً ثم يصلى فيه۔

رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے کو اذخر (گھاس) کی نوک سے پونچھ (صاف) دیتے پھر اسی میں نماز ادا کرتے، اگر منی خشک ہوتی تو کپڑے سے کھرچ دیتے اور اس میں نماز پڑھ لیتے۔

(مسند احمد ص ۲۴۳ ج ۶، و بیہقی ص ۲۱۸ ج ۲، وصحیح ابن خزیمہ ص ۱۲۹ ج ۱، ۲۹۴)۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ احمد البنا (الفتح الربانی ص ۲۵۰ ج ۱)۔

اور البانی نے حسن قرار دیا ہے۔ (اروہ الغلیل ص ۱۹۷ ج ۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

(۲) لقد رايتني أفرك المنى من ثوب رسول الله ﷺ وهو يصلى فيه۔

مجھے رسول اللہ ﷺ دیکھتے کہ میں آپ ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ رہی ہوتی اور آپ ﷺ

اسی کپڑے میں نماز ادا فرماتے لیتے تھے۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۳۷۷)۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

(۳) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

المنى يصيب الثوب امطه عنك، فانما هو بمنزلة البصاق والمخاط۔

منی (اگر) کپڑے کو لگ جائے تو اسے پونچھ دیا جائے کیونکہ یہ تھوک اور رینٹ کی طرح ہے۔

(بیہقی ص ۴۱۸ ج ۲)

(۴) امام قاسم فرماتے ہیں۔

عن عائشه انها قالت في المنى اذا اصاب الثوب اذا رأيته فاغسله وان لم تره فانضحه۔

(طحاوی ص ۴۳ ج ۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے منی سے آلودہ کپڑے کے بارے میں فرمایا کہ اگر تو کپڑے میں منی لگی ہوئی

دیکھے تو اسے دھولے اور اگر نہ دیکھے تو پانی چھڑک دے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۵)۔

مقلد مولوی انوار خورشید صاحب اس اثر کو نقل کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ منی نجس ہے حالانکہ یہ

نتیجہ ہی سرے سے غلط ہے۔ امام طحاوی حنفی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لو كان حكمه عندها سائر النجاسات من الغائط والبول والدم لامرت بغسل الثوب كله اذا لم يعرف موضعه منه الا ترى ان ثوبالو اصابه بول فحففى مكانه انه لا يطهره النضح وانه لا بد من غسله كله حتى يعلم طهوره من نجاسة فلما كان حكم المنى عند عائشة اذا كان موضعه من الثوب غير معلوم النضح ثبت بذلك ان حكمه كان عندها بخلاف سائر النجاسات۔

یعنی اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی کا حکم بول و بزار اور خون کی نجاستوں جیسا ہوتا تو منی کے لگنے کی جگہ کو بھول جانے پر پورے کپڑے کو دھونے کا حکم صادر فرماتیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر کپڑے کو پیشاب لگ جائے اور لگنے کی جگہ انسان بھول جائے تو کپڑا پانی چھڑکنے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ پورے کپڑے کو دھونا لازم ہے یہاں تک انسان کو کپڑے کی طہارت کا بخوبی علم ہو جائے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی آلود کپڑے کی جگہ بھول جانے پر پانی چھڑکنے سے طہارت ہو جاتی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک منی کا حکم نجاستوں کے برعکس ہے۔ (طحاوی شرح معانی الآثار ص ۲۳ ج ۱)۔

امام طحاوی نے جو وضاحت کی ہے اس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی طاہر ثابت ہوتی ہے۔

(۵) امام یحییٰ بن عبد الرحمن فرماتے ہیں۔

انه اعتمر مع عمر بن الخطاب في ركب فيهم عمرو بن العاص وان عمر بن الخطاب عرس ببعض الطريق قريبا من بعض المياه، فاحتلم عمرو قد كاد ان يصيح فلم يجد مع الركب ماء فركب حتى اذا جاء الماء فجعل يغسل ماري من ذلك الاحتلام حتى اسفر فقال له عمرو بن العاص اصبحت ومعنا ثياب فدع ثوبك يغسل فقال عمر بن الخطاب واعجبالك يا عمرو بن العاص لئن كنت تجد ثيابا افكل الناس يجد ثيابا والله لو فعلتها لكانت سنة بل اغسل ماريث وانضح مالم ار۔ (موطا امام مالك ص ۳۶)۔

انہوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ایسی جماعت میں شریک ہو کر عمرہ کیا جس میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پانی کے قریب ایک جگہ رات کو پڑاؤ ڈالا (اتفاق سے) آپ کو احتلام ہو گیا صبح ہونے کے قریب تھی، لیکن آپ کو ساتھیوں سے پانی نہ ملا چنانچہ آپ سوار ہوئے اور پانی کے پاس پہنچ کر احتلام کے اثرات و نشانات کو دھونے لگے حتیٰ کہ خوب روشنی ہو گئی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ نے تو صبح کردی ہمارے پاس کپڑے ہیں۔ اور اپنا کپڑا چھوڑے وہ بعد میں دھولیا جائے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمرو بن عاص تم پر تعجب ہے اگر تمہارے پاس کپڑے ہیں تو کیا سب کے پاس کپڑے ہیں، بخدا اگر میں نے ایسا کیا تو ایک طریقہ بن جائے گا میں تو کپڑے سے میں منی دیکھتا ہوں تو دھولیتا ہوں ورنہ پانی چھڑک لیتا ہوں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۷۳)۔

مقلد مولوی انوار خورشید نے جو تراجم میں اغلاط کی ہیں ان کو ہم سرے دست نظر انداز کرتے ہیں۔ ہم یہاں صرف ان کے باطل استدلال کا رد کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ محترم قارئین کرام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کے تحت ہم امام طحاوی حنفی کا قول نقل کر چکے ہیں کہ بول و بزار وغیرہ جیسی نجاستیں پانی چھڑکنے سے پاک نہیں ہوتی۔ بلکہ کپڑے کو دھونا لازم ہے اور امام طحاوی نے کھل کر اعتراف کیا کہ قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منی کی طہارت ثابت ہوتی ہے بالکل وہی مسئلہ یہاں ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ منی پر پانی چھڑکنے کا حکم فرما رہے ہیں ظاہر ہے کہ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک منی نجس ہوتی تو وہ کپڑا دھونے کا فتویٰ صادر فرماتے مگر ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ امام خالد بن ابی عزہ راوی ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”وان حفضی علیک فارششہ“ یعنی اگر کپڑے پر منی لگنے کی جگہ کا پتہ ہی نہ چلے تو اس پر پانی کے چھینے مار دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۸۵ ج ۱)

انسوس مولوی انوار خورشید نے اس اثر کو منی کی نجاست پر پیش کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۴)۔
فارششہ: کا معنی ”ہلکا سا دھو ڈال“ کیا ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ رشش کا معنی دھونا، یا ہلکا سا دھونا۔ لغت کی کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ یہ مؤلف کی بددیانتی ہے اور اپنی طرف سے تصرف ہے۔ علامہ پٹنی حنفی مرحوم رشش کا معنی کرتے ہیں۔
”ینضحونہ بالماء“ یعنی پانی چھڑکنا۔ آگے فرماتے ہیں یہ دھونے کی نفی ہے۔

(مجمع بحار الانوار ص ۳۳۲ ج ۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک منی نجس نہیں ہے ورنہ آپ پانی چھڑکنے کی بجائے کپڑا دھونے کا فتویٰ دیتے۔ اس سلسلہ میں مزید آثار صحابہ کرام بھی پیش کئے جاسکتے ہیں مگر ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں۔

وذهب كثير الى ان المنى طاهر روى ذلك عن علي بن ابي طالب وسعد بن ابي وقاص و ابن عمرو عائشة و داود و احمد في اصح الروايتين وهو مذهب الشافعي واصحاب الحديث۔ اور بہت زیادہ اہل علم کے نزدیک منی طاہر ہے اور یہ مذہب ہے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، اماں عائشہ رضی اللہ عنہا، امام داؤد، امام احمد امام شافعی رضی اللہ عنہم، اور اہل حدیث کا۔
(بذل المجہود ص ۲۱۷ ج ۱)۔

مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رضی اللہ عنہم، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی پاک ہے۔ (معارف السنن ص ۳۸۳ ج ۱)۔

فصل دوم

دلیل اول: ابن وہب عن افلح بن جبیر عن ابیہ قال عرسنا مع ابن عمر بالا ابواء ثم سرنا حين صلينا الفجر حتى ارتفع النهار فقلت لابن عمر اني صليت في ازارى وفيه احتلام ولم اغسله فوقف على فقال انزل فاطرح ازارك وصلی ركعتین واقم الصلاة ثم صلی الفجر ففعلت۔

(المدونہ الكبرى ص ۲۲ ج ۱)۔

حضرت ابن وہب بروایت اہل حجاز بن جبیر حضرت جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے (ایک دفعہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مقام ابواء میں رات گزاری ہم نے جب فجر کی نماز پڑھ لی تو وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ دن بلند ہو گیا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ جس کپڑے میں میں نے نماز پڑھی ہے اس میں منی لگی ہوئی تھی اور میں اسے دھو نہیں سکا تھا۔ آپ میری وجہ سے رک گئے۔ اور فرمایا کہ اتر کر کپڑے بدلو اور دو رکعت سنتیں پڑھ کر نماز کی اقامت کہو اور فجر کی نماز پڑھو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۳، ۱۴۴)۔

الجواب: اولاً یہ روایت دلیل شرعی نہیں۔ (اصول دوم کی مراجعت کریں)

ثانیاً: کتاب المدونہ کی سند مخدوش ہے۔

دوسری دلیل: عن جابر بن سمرة قال سئل رجل النبي ﷺ اصلى في الثوب الذي آتى فيه اهلى قال نعم الا ان تری فيه شيا فتغسله۔

(موارد الظمان ص ۸۲ ج ۱)۔

حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہوں جو میں نے بیوی سے صحبت کے وقت پہنے ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ہاں لیکن اگر تمہیں ان میں منی لگی ہوئی نظر آئے تو پھر انہیں دھولو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۳)۔

الجواب: اولاً: اس کی سند میں عبد الملک بن عمیر راوی ہے، (ابن حبان بحوالہ موارد الظمان

ص ۸۲ ج ۱)۔ اور یہ مدلس ہے (طبقات المدلسین ص ۱۴)۔

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: کس چیز کے دھونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ نجس ہے، ہم کپڑوں اور برتنوں کو دھوتے ہیں تو کیا وہ جب نجس ہوتے ہیں تب ہی دھوتے ہیں۔

تیسری دلیل: عن معاویہ بن ابی سفیان انه سئل اخته ام حبیبہ زوج النبی ﷺ هل كان رسول الله ﷺ يصلی فی الثوب الذی یجامعها فیہ فقالت نعم اذا لم یر فیہ اذی۔
(ابو داؤد ص ۵۳ ج ۱)۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی ہمیشہ اور حضور ﷺ کی اہلیہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ ان کپڑوں میں نماز پڑھ لیتے تھے جو آپ ﷺ نے صحبت کے وقت پہنے ہوئے ہوتے تھے؟۔ انہوں جواب دیا کہ ہاں لیکن اس وقت جبکہ آپ ان میں کوئی گندگی (منی) نہ دیکھتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۵)۔

الجواب: اولاً آپ نے اذی، کا معنی گندگی، پھر بریکٹ میں اس کی وضاحت منی کی ہے یہ آپ کی زیادتی ہے کیونکہ اذی کا لفظ ہر تکلیف دہ چیز پر بولا جاتا ہے، حدیث نبوی میں ہے کہ ایمان کی ستر (۷۰) کے قریب شاخیں ہیں ان میں افضل ”لا لہ الا اللہ“ کا کہنا اور ادنا درجہ اماطة الاذی عن الطريق، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔

(مسلم کتاب الایمان باب عدد شعب الایمان رقم الحدیث ۱۵۲)۔
اس حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ صرف نجاست کو راستہ سے دور کرنا ہی جزو ایمان ہے، بلکہ اس میں کاشا، پتھر وغیرہ تمام چیزیں شامل ہیں۔
علامہ عثمانی اس حدیث کی شرح میں لفظ، اذی، کا معنی بیان کرتے ہیں۔
والاذی مصدر بمعنی الموذی او مبالغة او اسم لما یوذی به كشوكة او حجر اور قدر۔
(فتح الملہم ص ۲۱۱ ج ۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اذی کا لفظ خالص گندگی کے لئے متحمل نہیں ہے۔
ثانیاً: اذی کا معنی گندگی تو کیا ہی تھا مزید ستم یہ ڈھایا کہ بریکٹ میں اس کی وضاحت منی سے کردی، حالانکہ صحبت کے وقت کپڑے پر عورت کی شرمگاہ کی رطوبت بھی لگ سکتی ہے جو احتناف کے نزدیک بالاتفاق پاک ہے۔ (درمختار مع شامی ص ۲۱۳ ج ۱)۔ و (بہار شریعت ص ۸۴ ج ۲)۔
چوتھی دلیل:

عن ابی ہریرۃ قال فی المنی یصب الثوب ان رأیتہ فاغسلہ والا فاغسل الثوب کلہ۔
(طحاوی ص ۳۳ ج ۱)۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے منی کے متعلق جو کہ کپڑے کو لگ گئی ہو اور شاد فرمایا کہ اگر وہ تمہیں دکھائی دے تو اسے دھولو ورنہ سارے کپڑے کو دھو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۵)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں زہری ہیں جو مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۴۵) اور تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہے۔
ثانیاً: دھونے سے نجاست ثابت نہیں ہوتی۔

ثالثاً: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کا اگر یہ مفاد تسلیم بھی کر لیا جائے کہ منیٰ نجس ہے تو یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوال کا معارض ہے اور اصول نمبر ۲ کے موافق یہ دلیل شرعی نہیں۔

یا نجویں دلیل:

عن عبد الملك بن عمير قال سئل جابر بن سمرة وانا عنده عن الرجل يصلی فی الثوب الذي یجامع فیہ اهلہ قال صل فیہ الا ان تری شیئا فتغسله ولا تنضحہ فان النضح لا یزیدہ الا شراً۔ (طحاوٰی ص ۲۴ ج ۱)۔

عبد الملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ سے میری موجودگی میں ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لیتا ہے جو اس نے بیوی سے صحبت کے وقت پہنے ہوتے ہیں آپ نے جواب فرمایا کہ تو انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لے الا یہ کہ تو ان میں کوئی چیز (منیٰ) دیکھے۔ ایسی صورت میں اس کو دھولو اور پانی نہ چھڑکو۔ کیونکہ اس سے تو مزید گندگی بڑھے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۶)۔

الجواب: اولاً عبد الملک بن عمیر مختلف ہیں (تقریب ص ۲۱۹) جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ان سے روایت کرنے والے نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے تب تک یہ روایت دلیل و حجت نہیں ہے۔ ثانیاً: اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ دیگر صحابہ کے اقوال کے مخالف ہے اصول نمبر ۲ کے تحت یہ حجت نہیں ہے۔

چھٹی دلیل:

عن عبد الکرم بن رشید قال سئل انس بن مالک عن قطیفة اصابتها جنابة لا یدری ابن موضعها قال اغسلها۔ (طحاوٰی ص ۲۴ ج ۱)۔

عبد الکرم بن رشید فرماتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک سے ایک ایسی چادر کے متعلق سوال کیا گیا جس میں منیٰ لگ گئی تھی لیکن یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ کہاں لگی ہے آپ نے فرمایا کہ (ساری) چادر کو دھو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۶)۔

الجواب: اولاً عبد الکرم صغیر تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں انہیں پانچویں طبقہ کے راویوں میں شمار کیا ہے اور یہ وہ راوی ہیں جن کی ایک دو صحابی سے ملاقات ثابت ہو جو اس روایت کے متصل ہونے کا مدعی ہے وہ عبد الکرم کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت کرے۔ ثانیاً: یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا اور اصول دوم کی رو سے حجت نہیں۔

ساتویں دلیل:

عن عائشة قالت كنت افرك المنى من ثوب رسول الله ﷺ اذا كان يابساً واغسله اذا كان رطباً۔

(طحاوی ص ۳۱ ج ۱، و دارقطنی ص ۱۲۵ ج ۱ و ابو عوانہ ص ۱۰۲ ج ۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی جب کہ منی خشک ہوتی اور جب کہ منی تر ہوتی تو پھر میں اس کو دھو دیتی تھی (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۲۷)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں امام حمیدی ہیں جن کو اس روایت کے متن میں شک ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کپڑے کو دھوتی تھیں یا منی کو پونچھ دیتی تھیں۔

امام طحاوی فرماتے ہیں۔ و اغسله او امسحه اذا كان رطباً شك الحمیدی۔

امام ابو عوانہ فرماتے ہیں و امسحه و اغسله، شك الحمیدی، اذا كان رطباً، مگر مقلد مولوی انوار خورشید نے اس اختلاف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ حالانکہ ان کا حق تھا کہ وہ اس اختلاف کو ذکر کرتے پھر دلیل سے دھونے کے لفظ کو ثابت کرتے۔ مگر یہ کام ناممکن تھا۔ جس کی وجہ سے دیوبندی محقق نے اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور ذکر نہ کر کے عوام الناس کو مغالطہ دیا اگر مولوی انوار خورشید صاحب دھونے سے نجاست ثابت کرتے ہیں تو امام حمیدی کو اس لفظ میں تردد ہے۔ پھر عین ممکن ہے کہ یہاں لفظ پونچھنا ہو جس سے ظاہر ثابت ہوتی ہے۔

ثانیاً: دھونے سے نجاست ثابت کرنا سینہ زوری ہے کیونکہ ہم روز مرہ کپڑوں اور برتنوں کو دھوتے ہیں حالانکہ وہ پاک ہوتے ہیں۔

آٹھویں دلیل:

عن عمار بن ياسر قال اتى علي رسول الله ﷺ وانا على بشر اذ لو ماء في ركوة لي فقال يا عمار ما تصنع؟ قلت يا رسول الله ﷺ بابي وامى اغسل ثوبى من نخامة اصابته فقال يا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقئى والدم والمنى يا عمار ما نخامتك ودموع عينيك والماء الذى فى ركوتك الاسواء الحديث۔

(دارقطنی ص ۱۲۷ ج ۱)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کنوئیں میں اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ عمار کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنا کپڑا دھو رہا ہوں اسے تھوک لگ گیا ہے آپ

نے فرمایا: عمار کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہیے پیشاب، پاخانہ، قے، خون اور منی۔ عمار تمہارا تھوک تمہاری آنکھوں کے آنسو اور وہ پانی جو تمہاری چھانگل میں ہیں سب برابر ہیں (یعنی سب پاک ہیں) (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۷)۔

الجواب: اولاً جس فاضل کو ”نخامة“ کا معنی نہیں آتا وہ اہل حدیث کا رد کرنے بیٹھا ہے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ثانیاً: اس کی سند میں ثابت بن حماد الحرانی راوی ہے۔

(دار قطنی ص ۱۲۷ ج ۱ و طبرانی الأوسط ص ۳۲۸ ج ۱ (۵۹۶۰) و عقیلی ص ۱۷۶ ج ۱ و بیہقی ص ۱۳ ج ۱ و علل المتناہیہ ص ۳۳۱ ج ۱)

امام دارقطنی نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ سخت ضعیف ہے، جسے دیوبندی فاضل نے بددیانتی کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا ہے اس کی سند میں دوسرا راوی علی بن زید جدعان ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے، امام ابن سعد، امام احمد بن حنبل، امام معاویہ امام عثمان دارمی، امام یحییٰ، امام نسائی، وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام جوزجانی نے واہی الحدیث امام ابو زرعد اور ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں، امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں اس کے سوا حفظ کی وجہ سے میں اس کے ساتھ احتجاج نہیں کرتا حماد بن زید کہتے ہیں کہ روایات کو الٹ پلٹ دیتا تھا متعدد اہل علم نے صراحت کی ہے کہ شیعیت کی طرف میلان تھا۔ (تہذیب ص ۳۲۳ ج ۱)۔

امام بیہقی نے اس روایت کو باطل، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کذب، امام ابن عدی نے ثابت کی مناکیر روایات میں سے قرار دیا ہے، اس کے علاوہ متعدد اہل علم نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(لسان المیزان ص ۷۶ ج ۲ و نصب الراية ص ۲۱۰ ج ۱ و مجمع الزوائد ص ۲۸۳ ج ۱)۔

(۳) باب شراب کی نجاست

فصل اول

شراب کی حرمت:

شراب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يا ايها الذين امنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون۔ (المائدہ: ۹۰)

یعنی اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو (۹۰، ۵)

اس آیت کا شان نزول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں انصار اور مہاجرین کے کچھ لوگوں کے پاس گیا وہ کہنے لگے آؤ ہم تمہیں کھلائیں اور شراب پلائیں اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی چنانچہ میں ان کے پاس اس باغ میں گیا وہاں ایک اونٹ کے سر کا گوشت بھونا گیا تھا اور شراب کی ایک مشک رکھی تھی، میں نے ان کے ساتھ گوشت کھایا اور شراب پی، پھر وہاں مہاجرین اور انصار کا ذکر آیا، میں نے کہا کہ مہاجرین انصار سے بہتر ہیں ایک شخص نے سری کا ٹکڑا لیا اور مجھے دے مارا جس سے میری ناک زخمی ہو گئی میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے شراب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو (صحیح مسلم ص ۲۸۱ ج ۲)۔

شراب کی تعریف: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”کل مسکر خمر وکل مسکر حرام“

الحدیث ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(مسلم کتاب الأشربة باب بیان ان کل مسکر خمر۔ رقم الحدیث ۵۲۱۸)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کل شراب اسکر فہو حرام“ ہر وہ

مشروب جس کے پینے سے نشہ آئے وہ حرام ہے۔ (بخاری کتاب الوضوء باب لایجوز بالنبیذ ولا

المسکر رقم الحدیث ۲۴۲ و مسلم باب سابق رقم الحدیث ۵۲۱۲۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام“

جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے وہ تھوڑی مقدار میں بھی حرام ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الاشربة باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام)۔ (الحدیث ۳۳۹۲) و بیہقی

(ص ۲۹۶ ج ۸)

یہی حدیث سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ابو داؤد (۳۶۸۱) و ترمذی (۱۸۶۵) و ابن

ماجہ (۳۳۹۳) و مسند احمد (ص ۳۲۳ ج ۳)۔ اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے،

(نسائی ۵۶۱۰) و ابن ماجہ (۳۳۹۴) و (بیہقی ص ۲۹۶ ج ۸) و احمد (ص ۱۶۷ و ۱۷۰ ج ۲) میں آتی ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انه نزل تحريم الخمر وهي من خمسة من العنب والتمر والعسل والحنطة والشعير،

والخمر ما خامر العقل،

اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) کو حرام قرار دیا ہے، اور یہ پانچ چیزوں سے (نبتی) ہے۔ انگور، کھجور، شہد،

گندم، جو، اور خمر وہ ہے جو نشہ سے عقل کو متاثر کرے۔ (بخاری ۳۶۱۹) و مسلم (۷۵۵۹)۔

ان احادیث و آثار سے یہ ثابت ہوا کہ خمر (شراب) حرام ہے اور ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہے وہ

خمر (شراب) ہے۔ خواہ وہ قلیل مقدار میں نشہ آور ہو یا زیادہ پینے سے نشہ آتا ہو بہر حال وہ شرعی طور پر

شراب ہے۔

امام ابو حنیفہ کا اختلاف: امام محمد لکھتے ہیں کہ:

محمد عن يعقوب عن ابي حنيفة قال الخمر حرام قليلها وكثيرها والسكر وهو التي

من ماء التمر ونقيع الذبيب اذا اشتد حرام مكروه والطلا وهو الذي ذهب اقل من ثلثية من

ماء العنب وما سوى ذلك من الشربة فلا باس به۔

امام محمد قاضی ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خمر مطلقاً حرام ہے۔

خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور سکر چھواروں کا کچا پانی ہے اور نقيع الذبيب (یعنی کشمش کا کچا پانی سڑ کر) جب

گاڑھا ہو جائے تو مکروہ ہے۔ طلاء یہ ہے کہ انگوروں کا شیرہ پکایا جائے اور اس کا دو تہائی سے کم اڑ

جائے اور اس کے علاوہ باقی تمام شرابیں حلال ہیں۔

(الجامع الصغير ص ۲۸۵ کتاب الاشربة طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية کراچی)۔

علامہ مرغینائی التونی ص ۵۹۳ھ اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقال فی الجامع الصغیر ماسوی ذلك من الاشربة فلا باس به قالوا هذا الجواب علی هذا علی العموم والبیان لا یوجد فی غیره وهو نص علی ان ما یتخذ من الحنطة والشعیر والعسل والذرة حلال عند ابی حنیفة ولا یجد شاربه عنده وان سکر منه ولا یقع السکران منه بمنزله النائم۔

یعنی امام محمد نے جامع الصغیر میں کہا ہے کہ ان چار شرابیوں کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس قول کی تفصیل یہ ہے کہ) فقہاء نے کہا جس طرح اس کتاب میں عموم ہے وہ (محمد کی) اور کسی کتاب میں نہیں ہے، اور اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ جو شراب، گندم، جو، شہد، اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری نہیں ہوگی خواہ اس کو نشہ ہو جائے اور اس نشہ میں اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی جیسا کہ سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(ہدایۃ اخیرین ص ۴۹۵ و ۴۹۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیۃ ملتان، و ہدایۃ مع فتح القدیر ص ۳۲ ج ۹ کتاب الاشربة)۔

راقم الحروف نے ہدایۃ کی متعدد شروح اور حواشی کو دیکھا ہے تمام نے ہی اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور علماء دیوبند کا اصول ہے کہ اختلاف کے مقام پر خاموشی سے گزر جانا راضی ہونے کی دلیل ہے۔ (السکوت فی معرض البیان بیان، تحفة اہل حدیث ص ۱۴ حصہ دوم)۔

ہاں صاحب ہدایۃ کی موافقت راقم کو ضروری ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم امام محمد کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قوله و ماسوی ذلك، الخ، هذا الجواب علی العموم لا یوجد فی غیرہنا کتاب، وهذا

نص علی ان ما یتخذ من الحنطة والشعیر والذرة حلال۔

فی قول ابی حنیفہ (نافع الکبیر ص ۲۸۶) یہی بات مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں (اوجز المسالك

ص ۸۷ ج ۶) (عبارت کا مفہوم وہی ہے جو صاحب ہدایۃ کی عبارت کا ہے)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ چار شرابیوں میں سے انگور کی شراب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حرام

قطعاً ہے باقی تین کی حرمت ظنی ہے اور ان کے علاوہ باقی تمام نشہ آور شرابیں حلال ہیں۔ اس کی دلیل

بھی فقہاء احناف نے درج کی ہے، علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفی فرماتے ہیں۔

”الخمر ما اسکر من عصیر العنب خاصة وهو مذهب ابی حنیفہ، والکوفین“

یعنی خمر صرف انگور کے اس شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور کوفیوں کا یہی

مذہب ہے۔ (تاج الغروس ص ۱۸۶ ج ۳)۔

مزید دیکھیے! (تکملہ فتح الملہم ص ۶۰۰ ج ۳) مؤلف محمد تقی عثمانی دیوبندی واعلاء السنن ص ۲۵ ج ۱۸
مؤلف ظفر احمد تھانوی دیوبندی۔

مگر ان بڑے لوگوں کے فقہی دماغ میں یہ بات کون اتارے کہ معاملہ قرآن کے لفظ خمر، کی تفسیر کا ہے اسے لغت کی بجائے پیارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان میں دیکھئے کہ آپ کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اس پر متعدد احادیث نقل کر چکے ہیں کہ ہر نشہ آور مشروب خمر ہے۔ جب آپ اتنی بات بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی تمام شرابیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حلال ہیں۔ معاملہ صاف ہے جب یہ شرابیں حلال ہیں تو پاک بھی ہیں۔ جلدی سے یہ نہ کہہ دینا کہ یہ غلط ہے، آئیے ہم آپ کو علماء دیوبند سے تصدیق کروا دیتے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔

واما غیر الاشربة الأربعة فليست نجسة عند الامام ابى حنيفة رحمه الله تعالى۔ وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم فانها تستعمل في كثير من الادوية والعطور والمرکبات الاخرى فانها وان اتخذت من غيرهما فالامر فيها سهل على مذهب ابى حنيفة رحمه الله تعالى ولا يحرم استعمالها للتداوى اولا غراض مباحة اخرى مالم تبلغ حد الاسكار، لانها انما تستعمل مركبة مع المواد الاخرى ولا يحكم بنجاستها اخذا بقول ابى حنيفة رحمه الله۔

اور ان چار شرابوں کے علاوہ باقی تمام شرابیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک نجس نہیں ہیں۔ اس سے ہی نشہ آور الکحول کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو آج کل عموم بلوی کی مجب سے داؤوں، عطروں اور دیگر مرکبات میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے اگر یہ انگور اور کھجور سے بنائی جاتی ہے تو ان کے حلال و ظاہر ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور اگر ان کے علاوہ دیگر چیزوں سے بنائی جاتی ہیں تو امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق سہولت ہے علاج اور دیگر مباح امور کے لئے ان کا استعمال حرام نہیں اگر حد سکر کو نہ پہنچیں، کیونکہ یہ مرکبات میں دوسری اشیاء کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ان پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

(تکملہ فتح الملہم ص ۶۰۸ ج ۳ مطبوعہ دار العلوم کراچی ۱۳۱۹ھ)۔

مولوی خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں۔

”انها ليست بنجسة“

یعنی چار شرابوں کے علاوہ باقی تمام شرابیں نجس نہیں۔ (بذل المجہود ص ۳۳۶ ج ۵)۔
آخر میں ہم ایک بریلوی عالم کا اعتراف بھی نقل کرتے ہیں مولانا غلام رسول سعیدی فرماتے

ہیں۔ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں۔ اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس۔

(شرح صحیح مسلم ص ۱۹۰ ج ۶ و تبیان القرآن ص ۶۹۹ ج ۳)۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک صرف چار شرابیں حرام اور نجس ہیں ان کے علاوہ باقی تمام شرابیں جو آج کل سیب، جو، جوار، مالٹا، گندم، وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام ہیں نہ ہی نجس۔ یہ بھی صرف ہاتھی کے دانت ہیں دکھانے کے لئے ہیں ورنہ کھانے کے اور ہیں قاضی ابو یوسف کے نزدیک ایسا گوشت جو شراب میں پکایا گیا ہو وہ تین بار جوش دینے خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے ابن عابدین فرماتے ہیں۔

”وعندی اذا صب فيه الخل وترك حتى صار الكل خلا لا باس به“

یعنی ایسی گندم جو شراب میں پکائی گئی ہو میرے نزدیک اگر اسے تھوڑی دیر کے لئے چھوڑا جائے یہاں تک کہ وہ سرکہ بن جائے تو اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ شامی ص ۳۳۵ ج ۱)۔

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ

”ولو عجن خبز صب فيه حل حتى يذهب اثره فيطهر“

شراب میں گوندھے آٹے کی روٹی پکائی اگر اس پر اتنا سرکہ ڈالا جائے کہ اس کا اثر جاتا رہے تو

روٹی پاک ہے۔ (درمختار مع شامی ۲۳۶ ج فتاویٰ عالم گیدیہ ص ۴۴ ج ۱)۔

اس سلسلہ میں متعدد امثلہ ہیں باذوق حضرات، حقیقہ الفقہ حصہ اول ۲۲۷ تا ۲۳۸ کا مطالعہ کریں۔

مولوی انوار خورشید نے دو سلفی علماء کے ذاتی اجتہاد کو نقل کر کے ان کے رد میں پورا باب لکھا ہے حالانکہ سب سے پہلے ان بزرگوں کے رد کی ضرورت تھی جو شراب کے حلال و طاهر ہونے کے قائل تھے۔ مگر دیوبندی محقق نے اپنے گھر کے خرافات کا رد نہیں کیا اب ہم ترتیب وار مقلد انوار خورشید کے دلائل کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔

فصل دوم

پہلی دلیل: یہ وہی دلیل ہے جو ہم نے سب سے پہلے قرآن سے شراب کے حرام ہونے پر نقل کی ہے مولوی صاحب استدلال میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب جوئے اور انصاب (بت) ازلام (فال کے تیر) کو رخص قرار دیا ہے۔ جس کے معنی ناپاکی کے ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۵۳)۔

الجواب: اولاً اس آیت میں رخص سے مراد نجاست حسی نہیں بلکہ معنوی مراد ہیں، یعنی یہ کام گندے اور برے ہیں جیسا کہ امام راغب نے صراحت کی ہے۔

(المفردات فی غریب القرآن ص ۱۸۸)۔

خود ہمارے مہربان نے اس کا معنی، گندے کام ہیں،، کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی اس کی نجاست کو حسی نہیں مانتا، ورنہ معنی یہ کیا جاتا کہ یہ تمام چیزیں نجس و پلید ہیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس سے معنوی نجاست مراد ہونے پر فریقین کا اتفاق ہے، کیونکہ اس میں چار چیزوں کو رخص کہا گیا ہے۔

(۱) شراب (۲) جوئے (۳) بت (۴) فال کے تیر۔

ظاہر ہے کہ اس سے معنوی نجاست مراد ہے ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بت، فال کے تیر اور جوئے کے آلات بھی ناپاک ہیں حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں کفار عرب نے بیت اللہ میں بت رکھے تھے جن کو نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے فتح مکہ کے روز توڑا تھا۔

(بخاری ص ۶۱۳ ج ۲ و مسلم ص ۱۰۴ ج ۲)۔

فریق ثانی وضاحت کرے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے بت توڑنے کے بعد بوجہ نجاست کعبہ کو دھویا تھا اور اپنے ہاتھوں کو بھی، مگر رب محمد ﷺ کی قسم ہے کوئی حنفی یہ ثابت نہیں کر سکے گا ان شاء اللہ، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا جائے کہ نبی ﷺ نے بوجہ بتوں کی نجاست بیت اللہ میں کبھی نماز ادا نہیں فرمائی۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اس پر ہم بفضلہ تعالیٰ متعدد احادیث پیش کر سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز ادا کی ہے۔ دیوبندیو! انکار سے پہلے سورہ اعلق کی تفسیر (بخاری رقم الحدیث ۴۹۵۸)۔

سے ضرور دیکھ لینا تاکہ بعد میں شرمندگی نہ ہو۔

ثانیاً: ہم شراب کی تعریف کے بیان میں متعدد احادیث لکھ چکے ہیں کہ ہر نشہ آور مشروب، خمر ہے۔ اگر اس آیت سے خمر کی نجاست ثابت ہوتی ہے تو ہر مسکر چیز بوجہ خمر ہونے کے پلید ہے حالانکہ احناف کے نزدیک چار قسم کی شرابوں کے علاوہ باقی تمام پاک ہیں، نبیز کے ساتھ تو وضو کرنا بھی جائز بتاتے ہیں۔

وَأَنْ طَبَخَ اِدْنِي طَبْخَةً يَجُوزُ الوَضُوءُ بِهِ حَلْوًا كَانَ مَرَاوٍ مَسْكِرًا وَهُوَ اِلْاِصْحَاحُ -
یعنی اگر نبیذ کو تھوڑا سا پکایا گیا ہو تو اس سے وضوء کرنا جائز ہے خواہ اس کا ذائقہ میٹھا ہو یا کڑوا یا وہ
نشہ آور ہو، اور یہی اصح ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۲ ج ۱)۔

دوسری دلیل: فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے شراب اور خنزیر کے برتنوں میں دوسرے برتنوں
کے ہوتے ہوئے کھانے پینے سے روکا ہے اور دوسرے برتن نہ ہونے کی صورت میں ان کو دھو کر
استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ شراب ناپاک ہے ورنہ آپ ان برتنوں کو
دھو کر استعمال کرنے کا اور دوسرے برتنوں کے ہوتے ہوئے ان کے استعمال کا حکم نہ فرماتے۔ (حدیث
اور اہل حدیث ص ۱۵۳)۔

الجواب: اولاً آپ یہ ثابت کریں کہ کافر صرف اور صرف وہی چار شرابیں پیتے تھے جن کو فقہاء
احناف حرام و نجس کہتے ہیں، ورنہ یہ حدیث آپ کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہو سکتی، کیونکہ چار شرابوں کے
علاوہ باقی کو تو جناب بھی ظاہر ہی کہتے ہیں۔

ثانیاً: کفار کے برتنوں میں کھانا کھانے کی ممانعت مطلقاً ہے زخمت صرف نہ ملنے کی صورت میں
ہے حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ برتن میسر ہونے پر بھی کفار کے برتنوں کو دھو کر استعمال کیا جاسکتا ہے
بخاری و مسلم میں یہی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

”فَانْ وَجَدْتُمْ غَيْرَا نَيْتَهُمْ فَلَا تَاكُلُوا فِيهَا، وَاِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوها ثُمَّ كَلُوا فِيهَا“۔

یعنی اگر اہل کتاب کے برتنوں کے علاوہ برتن میسر نہیں تو تب ان کو دھو کر ان میں کھا لیا کرو۔

(بخاری کتاب الذبائح والصيد باب ما جاء في التصيد الحديث (۵۳۸۷) و مسلم کتاب

الصيد والذبائح باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي (۴۹۸۳)۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ حکم تزییہ پر محمول ہے۔

(تکملہ فتح الملہم ص ۹۷ ج ۳)۔

ثالثاً: اگر اس حدیث سے شراب کی نجاست ثابت ہوتی ہے تو تمام شرابوں کی نجاست ثابت کرتی
ہے، صرف حنفیہ کے خمر اربعہ کی ہی نجاست پہ دلیل نہیں ہے آپ کوئی ایسی حدیث ثابت کریں جو آپ
کے مذہب کی دلیل صریح ہو۔

تیسری دلیل: فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان نے فرمایا: کہ شراب سے بچو کیونکہ رسول
اللہ ﷺ نے اس کا نام ام الخبائث (تمام ناپاک چیزوں کی ماں)۔ رکھا ہے المقاصد الحسنہ ص ۲۰۲) وجہ
استدلال میں فرماتے ہیں کہ شراب کو ام الخبائث قرار دیا ہے۔ خبائث خبیثہ کی جمع ہے اور خبیثہ خبث سے
بنا ہے جس کے معنی نجاست و ناپاکی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں۔

لا یصلین الرجل وهو یدافع الاخبثین۔

یعنی آدمی اسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ اسے شدت سے پیشاب پاخانہ آرہا ہو۔ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشاب، پاخانہ کو اخبث کہا ہے، اخبث خبث کا اسم تفضیل ہے جس کے معنی ہیں بہت ناپاک۔ شراب کو آپ نے ام الخبائث قرار دیا ہے۔ جس کے معنی ہونگے تمام ناپاک چیزوں کی اصل اور جڑ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۵۳)۔

الجواب: اولاً یہ حدیث مرفوع تو ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۱۳۷۵۔ اور موقوف سنن نسائی ص ۳۲۹ ج ۲، و مصنف عبد الرزاق ص ۲۳۶ ج ۹) و بیہقی ص ۲۸۷ ج ۸، میں موجود تھی۔ مگر انوار صاحب ان معروف و متداول کتب کی بجائے، المقاصد کا حوالہ دیتے ہیں جو ان کے علل الحدیث میں نالائق ہونے کی دلیل ہے۔

ثانیاً: ”خبث“ کے لفظ سے نجاست ثابت کرنا آپ کی زیادتی ہے، یہ ذومعنی لفظ ہے جس کا اطلاق ہر بری چیز پر ہوتا ہے حتیٰ کہ تکلیف دہ چیز پر بھی اس کا استعمال ہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بمعنی نجاست بھی یہ مستعمل ہے مگر اس معنی میں خاص نہیں ایک حدیث میں ہے۔ ”لایقولن احدکم خبث نفسی“ یعنی تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا ہے بلکہ ”لقسست نفسی“ (میرا نفس کاہل اور ست ہو گیا ہے) کہے (بخاری ۶۱۸۰ و مسلم ۵۸۸۰) غور کیجیے اس حدیث میں خبث کا لفظ بمعنی ”کاہل“ استعمال ہوا ہے آئمہ لغت صراحت کرتے ہیں کہ چونکہ یہ لفظ ذومعنی ہے جو باطل اعتقاد جھوٹے اقوال اور برے افعال پر بولا جاتا ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۷ ج ۴)۔

ثالثاً: آپ نے جو حدیث ”لا یصلین الرجل وهو یدافع الاخبثین“ پیش کر کے ”خبیث“ بمعنی نجاست کیا ہے غلط ہے کیونکہ معدہ میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب کی نجاست کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہ نجاست اس وقت ہے جب انسانی جسم سے باہر نکلیں۔ مگر۔ حدیث میں تو اس کا ذکر یدافع کی صورت میں ہے، یعنی انہیں روک کر نماز ادا کرے۔

محترم اس حدیث میں خبث بمعنی تکلیف، ردی، اور فضول کے آیا ہے کیونکہ اس سے نماز کا خشوع و خضوع نہیں رہتا یہ بالکل اسی طرح حدیث ہے جس طرح حضور ﷺ نے پیاز، اور لہسن پر ارشاد فرمایا کہ:

”من اکل من هذه الشجرة الخبيثة شينا فلا يقربنا في المسجد“

(الحدیث (مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما..... الحدیث ۱۴۵۶)۔

جو اس خبیث درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد گئے پاس نہ پھٹکے۔

سوال یہ ہے کہ کیا دیوبندی اس حدیث کی روشنی میں پیاز و لہسن کی نجاست کے بھی قائل ہیں؟

رابعاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے اس سے نجاست ہی مراد ہے، تو تب بھی یہ احتاف کی دلیل نہیں کیونکہ یہ چار شرابوں کے علاوہ باقی کی طہارت کے قائل ہیں۔
خامساً: آپ نے خبث کے معنی پر جو حدیث نقل کی ہے اس کے درست الفاظ۔

”لاصلاة بحضرة الطعام ولا هو يدافعه الاخبثان“ کے ہیں۔ (مسلم رقم الحدیث ۱۲۴۶)۔
چوتھی دلیل: حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شراب کے متعلق سوال کیا آپ نے انہیں روک دیا، اور دوا کے لئے شراب بنانے کو ناپسند کیا اور فرمایا یہ دوا نہیں یہ تو بیماری ہے۔ (مسلم ص ۱۶۳ ج ۲) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔ اگر شراب پاک ہوتی تو کم از کم زخم پر لگانے کے لئے بنانی جائز ہوتی۔ (حدیث مور اہل حدیث ص ۱۰۴)۔

الجواب: اولاً اس حدیث میں ممانعت کی وجہ شراب کے حرام ہونے کو بتایا گیا ہے اور حرام ہونے سے ناپاک ہونا لازم نہیں آتا، یہ آپ کی زیادتی ہے، سونا چاندی مردوں پر حرام ہے، اس کے برتن استعمال کرنے پوری امت پر حرام ہیں۔ ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے، تو کیا یہ تمام چیزیں ناپاک ہیں؟۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کی قسم اٹھانا حرام ہے، تو کیا اللہ کے علاوہ باقی تمام چیزیں ناپاک ہیں؟۔

ثانیاً: حدیث کا مطلب صاف ہے کہ حرام اشیاء سے علاج جائز نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ حرام چیز میں شفاء نہیں بلکہ وہ تو خود بیماری ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک حرام چیزوں سے مثلاً نکسیر، پیشاب، خون، اور مردار سے علاج جائز ہے (تحفہ حنفیہ ص ۸۷ ج ۱)۔ پر راقم نے اس پر متعدد حوالے نقل کیئے ہیں، یہاں پر مزید چند حوالے اکابر علماء دیوبند کے نقل کیے جاتے ہیں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے، (فیض الباری ص ۳۲۹ ج ۱) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے، (معارف السنن ص ۲۷۸ ج ۱) میں اور تقی عثمانی نے (تکملہ فتح الملہم ص ۳۰۴ ج ۲) میں حرام اشیاء کے ساتھ علاج جائز بتایا ہے۔

پانچویں دلیل: سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے جب ملک شام فتح کیا اور آمد (شہر) میں نزول فرمایا، تو وہاں کے رہنے والے عجمیوں نے حضرت خالد بن ولید کے لئے حمام اور جسم پر ملنے کے لئے ایک خوشبو تیار کی جو شراب سے خمیر کی گئی تھی، ان کے لشکر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے جاسوس بھی تھے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روپوش لکھ کر بھیجا کرتے تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بھی لکھ بھیجی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام قرار دی ہے تمہارے بطنوں پر، تمہارے بالوں پر اور تمہاری کھالوں پر۔

(کنز العمال ص ۵۲۳ ج ۹)۔

ابو عثمان و ربیع سے یا ابو حارثہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ خالد بن ولید

حمام میں داخل ہوئے اور انہوں نے نورۃ کے بعد کوئی خوشبو ملی جو شراب سے خمیر کی گئی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید کو لکھا، مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے شراب کی مالش کی ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بلاشبہ شراب کے ظاہر و باطن کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے اور شراب کے پینے کی طرح اس کے چھونے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، شراب جسموں پر مت لگاؤ کیونکہ یہ ناپاک ہے۔
(کنز العمال ص ۵۲۲ ج ۹)۔

الجواب: اولاً صاحب کنز العمال نے یہ روایات سنن سعید بن منصور، اور تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے بیان کی ہیں، اور ان میں صحیح و ضعیف بلکہ من گھڑت اور جعلی روایات بھی ہیں ”تم ظہر لی“ ابن عساکر کی روایت میں سیف بن عمر راوی ہے (تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۱ ج ۱۸) اور یہ کذاب ہے دیکھئے (میزان ص ۲۵۵ و ۲۵۶ ج ۲) اگر ان کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے تمام شرابوں کی نجاست ثابت ہوتی ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک حرام صرف چار شرابیں ہیں باقی نہیں، اور ہم مولانا تقی عثمانی کا فقوی نقل کر چکے ہیں کہ ان کے علاوہ دیگر کو اگر ادویات و مرکبات اور خوشبو وغیرہ میں استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔

مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی لکھتا ہے کہ مذکورۃ الصدر تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ قلیل اور غیر نشہ آور مقدار میں الکحل اور سپرٹ کا استعمال جائز ہے کیونکہ وہ حرام ہے نہ پلید اس لئے پرفیوم کا اسپرے جائز ہے۔ (شرح صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ۴)۔

ہم شراب کی تعریف کے سلسلہ میں متعدد احادیث نقل کر چکے ہیں کہ ہر نشہ آور مشروب خمر (شراب) ہے، اور یہ بات بالکل درست ہے کہ الکحل نشہ آور ہے مگر حنفیہ کے نزدیک جس پرفیوم میں الکحل کی آمیزش ہو، اس کا استعمال کرنا درست ہے، حالانکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسے نجس کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ نجس کے الفاظ صرف ابن عساکر کی روایت میں ہیں اور یہ من گھڑت اور باطل ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور سلیمان بن موسیٰ کی روایت ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم شراب کو جسم پر استعمال کرنا حرام سمجھتے ہیں۔

چھٹی دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے شراب اور اس کی قیمت کو، مردار اور اس کی قیمت کو، خنزیر اور اس کی قیمت کو۔
(ابوداؤد ص ۱۳۷ ج ۲)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ خرید و فروخت کے حرام ہونے سے پہلے اس کا ناپاک ہونا ثابت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۵۴)۔

الجواب: اولاً شراب کی تعریف کے زیر عنوان ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور ایون بلاشبہ نشہ آور ہے، مگر دیوبندیوں کے نزدیک اس کی تجارت جائز ہے، (احسن الفتاویٰ ص ۳۹۵ ج ۶) جس سے ثابت ہوا کہ حرام چیز کی تجارت دیوبندیوں کے نزدیک جائز ہے۔

ثانیاً: خرید و فروخت کے حرام ہونے سے نجاست ثابت نہیں ہوتی، کتنا احتاف کے نزدیک حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے، مگر ناپاک نہیں، تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے۔

ثالثاً: گدھا حرام اور نجس ہے مگر اس کی بیع جائز ہے، جس سے ثابت ہوا کہ بیع کی ممانعت نجاست کی وجہ سے نہیں۔

ساتویں دلیل: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ تمہارے کپڑے پر شراب لگ جائے تو اس کو دھوؤ یہ

خون سے زیادہ شدید ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۹۳ ج ۱)۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۵۳)۔

الجواب: اولاً اس اثر میں یہ صراحت نہیں کہ چار شرابوں کے علاوہ لگے تو تب کپڑے کو دھویا جائے، باقی میں معافی ہے، الغرض یہ حنفیہ کے موقف پر تقریب تام نہیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں عبد الرحمان الحاربی راوی مدلس ہے (تقریب ص ۲۰۹) اور تحدیث کی صراحت نہیں۔ دوسرا راوی اس میں لیث بن ابی سلیم ہے جو مختلط ہیں ان کی روایات میں تمیز نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (تقریب ص ۲۸۷) الغرض یہ روایات حاربی کی تدلیس اور لیث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) باب مردہ جانور، خون اور خنزیر کی نجاست:

فصل اول

مولانا انوار خورشید صاحب نے ص ۱۵۶ میں یہ بحث اٹھائی ہے کہ مردار، خون، اور خنزیر ناپاک ہیں۔ جب کہ اہل حدیث کے نزدیک یہ طاہر ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی وغیرہ کے اقوال کو بنیاد بنا کر تمام اہل حدیث کا یہی موقف بتایا ہے، حالانکہ اگر ان حوالا جات کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ انفرادی اقوال ہیں، جماعت کا مسلک ہرگز نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انوار صاحب نے ان اقوال کو نقل کرنے میں بھی انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔

مردہ جانور کی نجاست:

نواب صدیق حسن خاں مرحوم فرماتے ہیں۔ دریں احادیث صحیحہ مقوی نجاست مطلقہ است زیرا کہ حدیث۔ ایما اہاب دبغ فقد طهر، مفید ان است کہ اہاب مذکور نجس است الی ان قال وجوبہ نجاست مجموع مینہ بدلیل مستقدر شدہ پس تخصیص بعض مینہ بحکم طہارت محتاج دلیل است۔ یعنی ہماری ذکر کردہ احادیث صحیحہ مینہ (مردار جانور) کے مطلقاً نجس ہونے پر دلالت کرنے والے موقف کو تقویت دیتی ہیں کیونکہ ایما اہاب دبغ فقد طهر، والی حدیث نبوی غیر مدبوغ کھال کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے کا پورا مردار جانور ناپاک ہے لہذا کسی جزو کو طاہر قرار دینے کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے (بدور الاہلہ)۔ نواب صاحب کی اس صراحت سے ثابت ہوا کہ مردار کی نجاست کے وہ بھی قائل ہیں۔

ثانیا: خود احناف کے نزدیک مردار جانور کی متعدد چیزیں پاک ہیں جو عام متداول کتب فقہ میں، کتاب الطہارۃ، کے تحت موجود ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں کہ:

كل مالا تحلہ الحیاة من اجزاء الهویة محكومة بطہارتہ بعد موت ماہی جزوہ کا لشعروالریش والمنقار والعظم والعصب والحافروالظلف والبن والبیض الضعیف القشر والانفحة لا خلاف بین اصحابنا فی ذلك۔

یعنی مردہ جانور کے جن اجزاء میں زندگی نہیں وہ (جانور کی) موت کے بعد پاک ہیں اور وہ مردار

کا حصہ نہیں جیسا کہ بال، پر، چونچ، ہڈی، پٹھے، کھر، ناخن، دودھ، کچا انڈا، اور ناک وغیرہ کے پاک ہونے میں ہمارے اصحاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (فتح القدیر ص ۹۴ ج ۱)

اس عبارت کو ابن نجیم نے بھی، (الحر الرائق ص ۱۰۶ ج ۱) میں نقل کیا ہے۔ اس کی جو دلیل درج کی جاتی ہے اسے آپ بھی پڑھ لیں فرماتے ہیں ان چیزوں میں زندگی نہیں ہوتی۔

اللہ اکبر! مگر ان سے یہ بات کون کرے کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ مردار کی ہڈی مردار نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہڈی میں زندگی ہونا تو نص قرآنی سے ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

قال من يحيى العظام وهي رميم، قل يحييها الذي انشاها اول مرة (سورة يس).

کہنے لگا کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا (۷۹، ۷۸، ۳۶)۔

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، انسان، کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کر دے گا؟ آپ جواب دے دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا ہے کہ پہلی تخلیق کے وقت ان ہڈیوں کا زندگی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا اور اب تو ایک مرتبہ ان میں حیات ہو کر ایک قسم کا تعلق حیات سے ہو چکا ہے۔

(معارف القرآن ص ۴۱۱ ج ۷)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہیے، (تفسیر عثمانی ص ۵۹۳)۔

قارئین کرام! آپ کسی بھی عربی، اردو، قدیم و جدید تفسیر کو اٹھا کر دیکھ لیں تمام مفسرین اس آیت کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ قرآن کی رو سے ہڈی میں زندگی ہوتی ہے۔ اور جب کوئی جانور بوجہ کسی چوٹ کے مر جاتا ہے اسے عربی زبان میں میتہ کہتے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں۔

”الميتة من الحيوان ما زال روحه بغير تذكية“

یعنی میتہ، کا معنی ہے کسی جانور کی تذکیہ (ذبح) کے بغیر جان نکل جانی۔

(مفردات القرآن ص ۴۷۷)۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مردہ جانور کی ہڈی بھی مردار ہے، مگر حنفی اس کی نجاست کے قائل نہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ مولانا انوار خورشید کا یہ پورا باب حقیقت کے بھی خلاف ہے۔ کاش مولانا صاحب

مردہ جانور کے انڈے اور دودھ کے پاک ہونے کی دلیل بھی درج کرتے اور مردار کے متعلق کھل کر بات کرتے تاکہ انہیں آٹے وال کاریت معلوم ہو جاتا۔

خون کی نجاست:

اس سلسلہ میں نواب صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر خون کے ناپاک ہونے پر کوئی صحیح سنت ثابت نہیں ہوئی۔ (حدیث اور اہل تقلید ص ۱۶۲)۔ اس نالائق کو یہ بات کون سمجھائے کہ یہ بات درست ہے اور ہر خون ناپاک و حرام نہیں ہے۔ محترم نے جو دلیل قرآن مجید سے سورہ الانعام کی پیش کی ہے اس میں لفظ ”ادما“ سے بہایا ہوا خون مراد ہے۔ کیونکہ جو خون گوشت کے ساتھ لگا ہوا ہو، وہ بالا جماع حرام و ناپاک نہیں۔ اسی طرح جگر و تلی کے حلال ہونے پر بھی اجماع ہے اور مچھلی کے ساتھ جو خون لگا ہوتا ہے وہ بھی حرام اور نجس نہیں ہے، خود مولانا صاحب نے جو آیت درج کی ہے اس میں ”ادما مسفوحا“ کے الفاظ ہیں (یا بہتا ہوا خون) احادیث و آثار کی روشنی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہے کہ انسانی جسم سے وہ خون جو غیر سبیلیں سے بوجہ چوٹ لگنے کے نکلتا ہے وہ بھی طاہر ہے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

ان النبی ﷺ كان في غزوة ذات الرقاع فرمى رجل بسهم فنذفه الدم فركع وسجد

ومضى في صلاته۔

نبی مکرم ﷺ ذات الرقاع کی جنگ میں تھے، ایک صحابی کو تیر لگا جس سے خون پھوٹ نکلا، اس صحابی نے اسی حالت میں رکوع اور سجدہ کیا اور (بقیہ) نماز کو پورا کیا۔ (بخاری ص ۶۹ ج ۱)۔

علامہ عینی نے اس پر مزید یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹانے کا حکم ارشاد نہ فرمایا۔ (البنایہ ص ۱۲۲ ج ۱)۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ: مازال المسلمون يصلون في جراحاتهم، یعنی مسلمان ہمیشہ (جہاد میں) اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔ (بخاری ص ۶۹ ج ۱)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ آپ کے جسم کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ (ابن ابی شیبہ ص ۴۷۹ ج ۲ فتح الباری ص ۲۶۶ ج ۲)۔

ان کے علاوہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ جسم سے خون نکلنے پر ناقض وضو کے قائل نہ تھے، مدینہ منورہ کے ساتوں فقہا نکسیر آنے پر وضو کے ٹوٹنے کے قائل نہ تھے، امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی موقف تھا، مفصل دیکھئے۔ (دین الحق ص ۱۰۹ ج ۱)۔

یہی بات حضرت نواب صاحب فرماتے ہیں کہ حیض و نفاس اور سبیلیں سے خارج شدہ خون تو نجس

ہے مگر باقی جسم سے نکلا ہوا خون ناپاک نہیں ہے، ان کے الفاظ ہیں۔
وایں حکم طہارت خون غیر حیض و نفاس در غیر ماخرج من السبیلین است و بایں رفته اند آئم اہل بیت
منہم زید بن علی والا امام محمد باقر و الحسن بن علی۔

یعنی خون کے پاک ہونے کی جو بات ہم نے کہی ہے وہ حیض و نفاس اور سبیلین (پیشاب و پاخانہ
کے مقامات) سے خارج ہونے والے خون کو شامل نہیں ہے۔ یعنی یہ ناپاک ہیں۔ یہی مذہب ہے اہل
بیت بشمول امام زید بن علی و محمد باقر و حسین بن علی اور علی بن زین العابدین کا ہے۔
(دلیل الطالب ص ۳۳۰)۔

خود حنفی مذہب میں شہید کو اس کے جسم اور کپڑوں پر لگے ہوئے خون کو دھوئے بغیر دفن کیا جاتا ہے
دیکھئے۔ (خیر الفتاویٰ ص ۲۹۴ ج ۳ و احسن الفتاویٰ ص ۲۵۴ ج ۴ و کفایت المفتی ص ۱۸۶ ج ۴ و فتاویٰ دار
العلوم دیوبند ص ۴۷۵ ج ۴)۔

سوال یہ ہے کہ اگر شہدا کا خون نجس ہے تو اس کو دھوئے بغیر شہید کو دفن کرنے پر حنفی متفق کیوں
ہیں۔ اس کے علاوہ مریض کو خون دینا بھی حرام ہوگا، کیونکہ جب خون نجاست غلیظہ ہے تو اس کا استعمال
بھی ناجائز ہوگا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے دیوبند اس کے جواز کے قائل ہیں مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں
کہ خون اگرچہ جزء انسانی ہے اس کو کسی دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے کاٹ چھانٹ کی
ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے بدن میں ڈالا جاتا ہے، اس لئے اس کی
مثال دودھ کی سی ہوگی۔ (معارف القرآن ص ۳۶۴ ج ۱)۔

خنزیر کی نجاست:

مولانا صاحب نے تیسرا مسئلہ خنزیر کی نجاست کا بیان کیا ہے حالانکہ نواب صاحب خنزیر کو نجس
العین کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ:

اولحم خنزیر فانه رجس، مستفاد نمی شود کہ مہیہ غیر خنزیر نجس باشد ای ان قال و ازیں جادریافت
شد کہ دلیل بر نجاست مہیہ غیر خنزیر موجود نیست کا نکتہ ما کانت۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ”اولحم خنزیر فانه رجس“ سے خنزیر کے علاوہ مردار کا نجس ہونا
مستفاد نہیں ہوتا پھر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت میں خنزیر کا
ناپاک ہونا بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ مردار جانور کا ناپاک ہونا بیان نہیں کیا گیا۔
(دلیل الطالب ص ۲۲۳)۔

اس عبارت سے ثابت ہے کہ وہ خنزیر کو ناپاک کہتے ہیں ہاں مگر قرآن کی آیت سے مردار

”نجاست“ کا وہ انکار کرتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے نزدیک کسی بھی دلیل سے مردار کا ناپاک ہونا ثابت نہیں، ہم پہلے نواب صاحب کا قول درج کر چکے ہیں کہ مردار بحکم حدیث نبویہ ناپاک ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ نواب صاحب کے نزدیک آیت ”فانہ رجس“ میں ضمیر فقط خنزیر کی طرف ہی ہے، مردار اور خون وغیرہ کی طرف راجع نہیں ہے۔ فی الواقعہ ضمیر فقط خنزیر کی طرف ہی لوثی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ حنفی فرماتے ہیں کہ: یعنی خنزیر ناپاک ہے قرب کی وجہ سے ”ہ“ ضمیر خنزیر کی طرف راجع ہے، (تفسیر مظہری ص ۱۵۷ ج ۴ مترجم طبع کراچی)۔

علامہ مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں کہ: ”اذالہا قوله تعالیٰ فانہ رجس منصرف الیہ لقربہ“ یعنی آیت قرآن ”فانہ رجس“ میں ضمیر خنزیر کی طرف راجع ہے، قرب کی وجہ سے، (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۸۲ ج ۱)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی متوفی ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں کہ: ”مرفی بحث الدباغۃ من انہ راجع الی الخنزیر فقط کما یقضیہ السوق“ یعنی دباغت کی بحث میں یہ گزر چکا ہے کہ آیت ”فانہ رجس“ میں ضمیر ”ہ“ فقط خنزیر کی طرف ہی راجع ہے، جیسا کہ سیاق و سباق کا تقاضا ہے۔ (السعیۃ ص ۲۰ ج ۱) ان عبارات سے ثابت ہوا کہ نواب صاحب نے جو بات لکھی ہے وہی اکابر احناف نے بھی کہی ہے۔ مگر مولانا انوار صاحب نے نواب صاحب مرحوم کا تو رد لکھا ہے مگر اپنے اکابر سے چشم پوشی اختیار کی ہے، اس حق پوشی کے ساتھ مزید غلط بیانی یہ کی کہ: اللہ تعالیٰ نے مردار، خون، خنزیر تینوں کو یکجا کر کے فرمایا ”انہ رجس“ یہ ناپاک ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۰)۔

محترم کی یہ قرآن میں معنوی تحریف ہے اس تحریف کو بنیاد بنا کر اہل حدیث کا رد لکھا جا رہا ہے، یہ احقاق حق نہیں بلکہ کتمان حق کی بدترین مثال ہے۔

فصل دوم

ہماری گزشتہ بحث کے بعد ضرورت نہیں کہ ہم مولانا صاحب کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ پیش کریں، مگر ہم ان کے دلائل کا رد علیحدہ فصل میں اس لئے کر رہے ہیں تا کہ خورشید صاحب کی معنوی تحریفات کو واضح کریں، اور ان کی پیش کردہ حدیث و آثار کی فنی حیثیت کے علاوہ حقیقت کی مخالفت بھی ثابت کریں، وباللہ التوفیق۔

دلیل اول: عن ابن عباس قال اراد النبی ﷺ ان يتوضأ من سقاء فقيل له انه ميتة قال دباغہ یدھب بخبثتہ او نجسہ او رجسہ۔ (صحيح ابن خزيمة ص ۲۰ ج ۱)۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مشک سے وضو فرمانے کا ارادہ کیا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو مردار (کی کھال کی بنی ہوئی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس کی دباغت اس کی ناپاکی کو دور کر دیتی ہے۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردار کی کھال کو دباغت کے بعد پاک قرار دیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مردار کی کھال دباغت سے پہلے ناپاک تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۷)۔

الجواب: اولاً: آپ کا یہ بیان کردہ مطلب مفہوم مخالف ہے، اور مفہوم مخالف احناف کے نزدیک جائز نہیں (مبسوط سرخسی کتاب السیر بحوالہ شرح صحیح مسلم ص ۸۵ ج ۴)، لہٰذا مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی۔

ثانیاً: اس حدیث سے مرے ہوئے جانور کا مردار ہونا ثابت ہوتا ہے، پہلے وضاحت کر دی گئی ہے کہ ہڈی وغیرہ بھی مردار ہوتی ہے حالانکہ حنفی اس کی نجاست کے قائل نہیں، الغرض یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل: عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ "ایما اھاب دبغ فقد طھر"
(ترمذی ص ۳۰۳ ج ۱)۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو کھال دباغت دے لی گئی وہ پاک ہوگی۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے پہلے ناپاک تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۰)۔
الجواب: اولاً یہ مفہوم مخالف ہے جو احناف کے نزدیک حجت نہیں۔

ثانیاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کھال کو دباغت کے بعد استعمال میں لانا چاہئے اور یہ کہ دباغت کے بعد اس کی طہارت ہے اور حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ مردے کی کھال اور پٹھے سے فائدہ مت اٹھاؤ، چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ ﷺ كتب الى جهينة قبل موته بشهران الاتتفعوا من الميتة باھاب ولا عصب۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی طرف اپنی وفات سے دو مہینے پہلے یہ لکھا کہ مردے کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ (ابو داؤد مع عون ص ۱۱۴ ج ۴)۔

یہ حدیث ابو داؤد کے علاوہ مسند احمد ص ۳۱۱ ج ۴ و نسائی (۴۲۵۵) وابن ماجہ (۳۶۱۳) (طیالسی ۱۲۹۳) و بیہقی (ص ۱۴ ج ۱) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اور سند کے لحاظ سے صحیح ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس پر جملہ اعتراضات کے مسکت و مدلل جوابات دے کر اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۳۸)۔

امام نصر بن شمیل جو لغت عرب کے امام ہیں انہوں نے وضاحت کی ہے کہ جس کھال کو دباغت نہ دی گئی ہو اسے عربی زبان میں ”اہاب“ کہتے ہیں، اور دباغت دی ہوئی کھال کو ”شسنا“ اور ”قربہ“ کہتے ہیں۔ (ابو داؤد مع عون ص ۱۱۴ ج ۴)۔

اور زیر بحث حدیث میں نبی مکرم ﷺ نے ”اہاب“ یعنی دباغت سے قبل کھال سے فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا، اور دوسری حدیث میں دباغت کے بعد اس کی طہارت کا حکم بیان فرمایا، اور ہمارے بھائی نے اس کا یہ نتیجہ بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے ناپاک تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۰)۔

اس اعتراف حقیقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کھال بہر حال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ کھال جو دباغت سے پاک ہوتی ہے وہ ذبح کرنے سے بھی پاک ہوتی ہے۔

دیوبندیت کے حکیم الامت فرماتے ہیں: کتا، بندر، بلی، شیر وغیرہ جن کی کھال بنانے (دباغت) سے پاک ہو جاتی ہے، بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنے سے بھی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ چاہے بنائی ہو یا بے بنائی ہو۔ (بہشتی زیور مکمل ومدلل ص ۵۶ حصہ اول مطبوعہ مکتبہ العلم لاہور)۔

حالانکہ مولانا انوار خورشید صاحب کی پیش کردہ روایت میں دباغت والی کھال کو پاک کہا گیا ہے، اور دوسری حدیث میں بلا دباغت فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

تیسری دلیل: عن جابر بن عبد اللہ انہ سمع رسول اللہ ﷺ عام الفتح وهو بمكة يقول ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام فقیل يا رسول الله ارأيت شحوم الميتة فانه يطلى به السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس قال لا هو حرام ثم قال رسول الله ﷺ عند ذلك قاتل الله اليهود ان الله حرم عليهم الشحوم فاجملوه ثم باعوه فاكلوا ثمنه۔

(ترمذی ص ۲۴۲ ج ۱)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر، اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مردار کی چربی کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ وہ کشتیوں پر ملی جاتی ہے، اور کھالوں پر ان کا روغن لگایا جاتا ہے، اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں، آپ نے فرمایا (یہ جائز) نہیں (ہے) حرام ہے، پھر اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا یہودیوں کو ہلاک کرے، اللہ نے ان پر چربی کو حرام قرار دیا انہوں نے اسے پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردار خون خنزیر کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں، ورنہ ان کی بیع جائز ہوتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۱)۔

الجواب: اولاً پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار شرابوں کے علاوہ باقی کا استعمال جائز ہے، اور ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ یہاں ایک دیوبندی فاضل کا مزید حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو دوسری شراہیں ہیں چونکہ وہ اصلاً نجس نہیں ہوتی اور ان کا جائز استعمال بھی ممکن ہے، اس لئے ان کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے..... اس سے ایفون، بھنگ اور چرس کا حکم بھی نکل آیا..... کہ ان کی بیع جائز ہے۔ (تقریر

ترمذی ص ۲۲۳ ج ۱ مطبوعۃ میمن اسلامک پبلیشرز ۱۹۹۹ھ)

یہی وجہ ہے کہ خورشید صاحب نے، مردار، خون، اور خنزیر کی بیع کو تو حرام لکھا مگر شراب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔

ثانیاً: اس حدیث سے حیلہ کی تردید ہوتی ہے کیونکہ یہود نے حرام کو حیلے سے کھایا تھا، جب کہ احناف کے نزدیک حیلہ جائز ہے، فقہ حنفی کی کتب میں اس پر مستقل کتاب، "الحیل" ہے جس میں حیلوں سے شریعت کے احکام کا مذاق اڑایا گیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس کی ابتدا وضو سے ہوتی ہے اور متفرقات تک لئے گئے ہیں جس میں زندگی کے تمام شعبے شامل ہیں اور دین اسلام کی عبادات و معاملات بھی داخل ہیں۔ (دیکھئے فتاویٰ عالمگیری ص ۳۹۰ تا ۴۳۶ ج ۶)۔

حنفیہ کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے عورت حرام ہو جاتی ہے، جسے یہ لوگ حلالہ کر کے دوبارہ عقد میں لے آتے ہیں۔ اس کی محفوظ صورت بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

"ان يقول الذی یرید التحلیل قبل ان یتزوجها ان تزوجتک و جامعتک مرة فانت طالق

ثلاثاً"

یعنی حلالہ کرنے والا نکاح سے پہلے عورت سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کر کے ایک دفعہ ہی ہمبستری کروں تو تجھ پر تین طلاقیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۹۰ ج ۶)۔

اس عبارت کی وضاحت کرنا بھی ہم ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ مسئلہ پوری طرح سمجھ میں آجائے، بتایا یہ جارہا ہے کہ اگر کسی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، اب حنفی علماء نے حلالہ کا مشورہ دیا مگر مطلقہ بیوی کے خاوند کو خدشہ ہے کہ حنفی مفتی صاحب سے ہی نکاح ہو جائے، تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ رات لگانے کے بعد حنفی مفتی صاحب عورت کو طلاق دے دیں گے؟ اس کے لئے یہ حیلہ بتایا جارہا ہے کہ مفتی صاحب سے پہلے اقرار کروالیا جائے کہ اگر میں اس سے صحبت کروں تو اس پر تین طلاقیں ہیں، گویا حنفی مفتی اگر عورت سے لطف اندوز ہو تو اس پر خود بخود تین طلاقیں پڑ جائیں گی،

اگر نہ ہو تو ایسی بیوی کس کام کی، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ان فقہاء کو کون بتا کر جاہل، اجڈ، وہابی، غیر مقلد، کے القاب سنئے کہ حضرت جی ایسی شروط نکاح میں باطل ہیں، اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نکاح سے قبل طلاق نہیں۔

بیہقی ۳۱۸/۷، ۳۲۰، ۳۲۱، مستدرک حاکم ۲/۲۱۹، ابن ابی شیبہ ۵/۱۶، ۱۲، ۲۲۲، دارقطنی ۴/۱۷، ۳۶، وابو داؤد (۲۱۹۰، ۲۱۹۱) ابن ماجہ (۲۰۳۷، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹)

حاکم و ذہبی اور علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۱۰۱ ج ۷)۔

چوتھی دلیل: عن نافع عن ابن عمر انه رأى فى ثوبه دما فغسله فبقى اثره اسود ودعى

بمقص فقصه فقرضه۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۹۸ ج ۱)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے کپڑے میں خون لگا ہوا دیکھا تو اسے دھویا لیکن سیاہ نشان باقی رہا آپ نے قینچی منگوائی اور اسے کاٹ دیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۹)۔

الجواب: اولاً خون کس چیز کا تھا اثر میں بہر حال اس کی وضاحت نہیں عین ممکن ہے یہ خون، کھسی، کھٹل، چھمر، کا ہو جو دیوبندیوں کے ہاں نجس نہیں۔ (بہشتی زیور ص ۳ حصہ دوم)۔

ثانیاً: کپڑے پر نجاست لگ جائے، اسے خوب دھویا جائے تو بالاتفاق کپڑا پاک ہو جاتا ہے، مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔ اگر ایسی نجاست ہے کہ کئی دفعہ دھونے اور نجاست کے چھوٹ جانے پر بھی بدبو نہیں گئی یا کچھ دھبہ رہ گیا ہے۔ تب بھی کپڑا پاک ہو گیا، صابون وغیرہ لگا کر دھبہ چھوڑانا اور بدبو دور کرنا ضروری نہیں ہے، (بہشتی زیور ص ۴ حصہ دوم مسلمہ ۱۲)۔ حالانکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دھبہ رہ جانے پر کپڑے کا اتنا حصہ ہی کاٹ دیا تھا، جس سے ثابت ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل دیوبندیوں کے بھی خلاف ہے۔

یائچویس دلیل: حدثنا یزید بن ہارون عن ہشام عن الحسن فى الجب یقطر فیہ القطر عن

الخمیر او الدم قال یہراق۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۷)۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا: کہ مٹکے میں شراب یا خون کے قطرے گر جائیں تو اسے بہا دیا

جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۹)۔

الجواب: اولاً اثر میں بہانے کا ذکر تو ہے، مگر اس کی وضاحت نہیں کہ پانی کے مٹکے کو شراب اور خون کے حرام ہونے کی وجہ سے بہایا جائے یا نجاست کی وجہ سے برتن کو انڈیل دیا جائے، ہم گزشتہ صفحات میں بخاری سے امام حسن بصری کا قول نقل کر چکے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ اپنے رنحوں میں نماز

پڑھتے رہے۔ جس سے لازم آتا ہے کہ وہ خون وغیرہ کے قطرے گرنے پر منگے کو بہانے کا فتویٰ بوجہ حرام ہونے کے دیتے تھے۔

ثانیا: حنفیہ کے نزدیک کسی چیز میں شراب پڑ جائے اور اس کا اثر زائل ہو جائے تو وہ چیز پاک ہے، فتاویٰ ظہیر یہ میں لکھا ہے۔

الخبز الذی عجن بالخمیر لایطہر بالغسل ولو صب فیہ الغل وذهب اثرہا یطہر۔
یعنی ایسی روٹی جس کا آنا شراب سے گوندھا گیا تھا اگر اسے دھویا جائے تو پاک نہ ہوگی، ہاں البتہ اس پر سرکہ ڈالا جائے جس سے شراب کا اثر زائل ہو جائے تو روٹی پاک ہے۔
بحوالہ (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۴ ج ۱)۔

جبکہ پانی کے بھرے منگے میں اگر چند قطرے شراب ڈال دی جائے تو شراب کا اثر پانی میں ظاہر نہیں ہوتا، جس سے ثابت ہوا کہ امام حسن بصری کا یہ قول حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

چھٹی دلیل: حدثنا محمد بن ابی عدی عن اشعث عن الحسن، قال القی والخمر والدم بمنزلة یعنی فی الثوب۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۹۳ ج ۱)۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ قے، شراب، اور خون سب ایک ہی طرح کے ہیں یعنی یہ اگر کپڑے پر لگ جائیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۹)۔
الجواب: اولاً خورشید نے اثر کے ترجمہ میں جو یہ لکھا ہے، یعنی یہ اگر کپڑے پر لگ جائیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ یہ ان کی زیادتی ہے اثر میں کوئی ایسا لفظ تو کجا اشارہ تک بھی نہیں۔ مگر خورشید صاحب متن روایت میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے یہ بات تحریر کرتے ہیں، مزید غلط بیانی یہ کی ہے کہ اسے بطور نتیجہ تحریر نہیں کیا بلکہ ترجمہ کے ساتھ بغیر بریکٹ کے لکھا ہے، تاکہ اردو خواں طبقہ اس اثر کا ترجمہ سمجھ کر قبول کر لے، حالانکہ امام حسن بصری یہ کہہ رہے ہیں کہ خون، قے، اور شراب کا کپڑے کو لگ جانا ”بمنزلة“ ہے اور بمنزلة کا معنی نجاست نہیں ہوتا۔ جو اس کا معنی و مفہوم نجاست کرتا ہے وہ بدترین جاہل اور عقل و خرد سے کورا ہے۔

محترم: ”بمنزلة“ کا فقط یہ مفہوم ہے کہ ان تینوں کا ایک ہی حکم ہے، اور بعض چیزوں کا ایک ہی حکم ہونے سے ان چیزوں کی نجاست ثابت نہیں ہوتی، آپ کا استدلال بالکل دو ضرب دو، برابر چار روٹیاں ہے۔

ثانیا: اثر میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ کون سی قے ”بمنزلة“ خون اور شراب کے ہیں حالانکہ احناف میں قے کی بعض اقسام پاک بھی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

اذا تناول طعام او ماء ثم قاء من ساعته لا ينقص لا نه طاهر حيث لم يستحل وانما اتصل به قليل القنى فلا يكون حدثا فلا يكون نجسا وكذا الصبي اذا ارتضع وقاء من ساعته۔
یعنی جب کھانا کھانے اور پانی پینے کے فوراً بعد قے کردی جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ قے پاک ہے، کیونکہ یہ کھانا ابھی (معدہ) تک نہیں پہنچا تھا اور اسی سے ہی تھوڑی قے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ وہ نہ وضو توڑتی ہے اور نہ ہی ناپاک ہے، اور ایسا ہی جب بچے نے دودھ پی کر فوراً قے کردی تو وہ بھی ناپاک نہیں ہے۔

(البحر الرائق ص ۳۲ ج ۱ ومستملی ص ۱۲۹ وفتح القدیر ص ۴۱ ج ۱)۔

ما يخرج من بدن الانسان اذا لم يكن حدثا لا يكون نجس كالقنى القليل والدم اذا لم

يسل۔

یعنی ہر وہ چیز جو انسانی بدن سے نکلے اور اس سے وضو نہ ٹوٹتا ہو تو وہ ناپاک نہیں ہے جیسے تھوڑی قے اور وہ خون جو جسم سے نکل کر بہتا نہ ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱ ج ۱)۔
اس قول کی روشنی میں حسب ذیل عبارت بھی ملاحظہ کیجئے۔

فان قاء بلغما فغير ناقص عند ابي حنيفة و محمد

یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بلغمی قے آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(هدایة مع فتح القدیر ص ۴۱ ج ۱)۔

اس قول کی شرح میں علامہ خوارزمی حنفی المتونی فرماتے ہیں: عندھما طاهر، یعنی امام ابوحنیفہ

اور امام محمد کے نزدیک بلغمی قے پاک ہے۔ (الکفایة ص ۴۱ ج ۱)۔

ان عبارات سے یہ ثابت ہوا کہ کھانے کے فوراً بعد کی ہوئی قے۔ ایسی قے جو تھوڑی ہو یعنی منہ

بھر کر نہ آئے، اور بلغمی قے احناف کے نزدیک طاهر ہے۔ حالانکہ مذکورہ قول حسن بصری میں اس تقسیم کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں۔

ساتویں دلیل: عن عائشة انها قالت قالت فاطمة بنت حبیش لرسول الله ﷺ يا رسول

الله ﷺ انى لا اطهر افادع الصلوة فقال رسول الله ﷺ انما ذلك عرق وليس بالحیضة

فاذا اقبلت الحيضة فاتر كى الصلوة فاذا ذهب قدرها فاغسلى عنك الدم وصلی۔

(بخاری ص ۴۳ ج ۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یا

رسول اللہ ﷺ میں تو پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا میں نماز (پڑھتی) چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: کہ یہ رگ (سے نکلنے والا خون) ہے حیض نہیں ہے۔ اس لئے جب حیض کے دن آئیں تو نماز

چھوڑ دے اور جب اندازہ کے مطابق وہ ایام گزر جائیں تو خون دھولے اور نماز پڑھ لے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۶۰)۔

الجواب: اولاً یہ بات آپ نے کسی جاہل سے سنی ہے یا خود وضع کی ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک حیض اور استحاضہ کا خون پاک ہے، ہم خون کی نجاست کے زیر عنوان نواب صاحب کا قول نقل کر چکے ہیں کہ حیض و نفاس اور استحاضہ وغیرہ کا خون ناپاک ہے، یہ اہل حدیث کا موقف ہے۔ تفصیل کے لئے، دین الحق ص ۱۱۲ (ج ۱) کی مراجعت کریں۔ الغرض حیض وغیرہ کے خون کی طہارت ہماری طرف منسوب کرنی محترم کی زیادتی ہے۔

ثانیاً: اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”توضاً لکل صلاة“ یعنی مستحاضہ ہونے کی صورت میں ہر نماز کے لئے وضو کر، ابو داؤد (۳۰۴) وابن ماجہ (۶۲۳) وابن حبان (۱۳۵۱) و بیہقی ۶/۳۳۳ و مسند احمد ۶/۲۲۲، ۲۰۴، ۲۲۶ و دارقطنی ۱/۲۰۷، بلکہ ترمذی (۱۲۶) اور ابن حبان (۱۳۵۲) میں یہ الفاظ ہیں۔ ”وتتوضا عند كل صلاة“ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کر، ان دونوں احادیث کی اسناد کو علامہ نیوی حنفی نے صحیح کہا ہے۔ (آثار السنن ص ۳۳)۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے مستحاضہ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کرے، اور ایک وضو سے دو یا تین نمازیں ادا نہیں کر سکتی، مگر حنفیہ کے نزدیک مستحاضہ ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا کر سکتی ہے، مولانا عثمانی فرماتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک یہ وضو آخر وقت باقی رہے گا اور اس سے فرائض و توابع کے علاوہ دوسرے نوافل پڑھنا اور تلاوت قرآن بھی جائز ہے۔ (درس ترمذی ص ۳۶۸ ج ۱)۔

حنفیہ کا یہی مذہب ان کی متعدد کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ مستحاضہ ایک ہی وضو سے وقت کی نماز اور اس کے توابع کے علاوہ قضاء نمازیں بھی ادا کر سکتی ہے۔

(دیکھئے: ہدایہ ص ۳۹ ج ۱ و شرح نقایہ ص ۳۹ ج ۱، حلبی کبیر ص ۱۳۳، و معارف السنن ص ۴۲۳)

ج ۱، و اعلاء السنن ص ۶۸ ج ۱، و شرح معانی الآثار ص ۶۴ ج ۱)۔

الغرض حنفی دیوبندی اس حدیث پر ایمان تو لاتے ہیں مگر صرف اہل حدیث کی تردید کی غرض سے ورنہ یہ حضرات اس حدیث کو قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل: عن ابی ثعلبة الخشنی انه سال رسول اللہ ﷺ قال انا نجاور اهل کتاب وهم یطبخون فی قدورهم الخنزیر ویشربون فی آنتهم الخمر فقال رسول اللہ ﷺ ان وجدتم غیرها فکلوا فیها واشربوا وان لم تجدوا غیرها فارحسوها بالماء وکلوا واشربوا۔ حضرت ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم اہل کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں یہ لوگ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: کہ تمہیں ان کے علاوہ دوسرے برتن ملیں تو ان میں کھاؤ پیو، اور اگر دوسرے نہ ملیں تو پھر ان کو پانی سے دھو کر ان میں کھاؤ پیو۔ (ابو داؤد ص ۱۸۱ ج ۱)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

دوسرے برتنوں کی موجودگی میں شراب اور خنزیر والے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خنزیر بھی ناپاک ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۰ و ۱۶۲)۔

الجواب: اس حدیث کے متعلق حنفیہ کا موقف تو ہم، شراب کی نجاست کے زیر عنوان دوسری فصل کے نمبر ۲ میں بیان کر چکے ہیں اسے ایک بار مکرر ملاحظہ کیجئے۔ اور غور فرمائیے کہ جس حدیث کو یہ خود تو تسلیم نہیں کرتے اسے ہم پر بطور حجت نقل کرتے ہیں۔ باقی رہی خنزیر کی نجاست اور اس کے ناپاک ہونے کا مسئلہ، تو یہ ہمیں قبول ہے۔ مولانا صاحب بلا وجہ ہم سے ناراض ہیں، اور ایک ایسا موقف ہماری طرف منسوب کر رہے ہیں جس سے ہمارا دامن صاف ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی بھی سلفی نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ خنزیر پاک و طاہر ہے، گزشتہ اوراق میں ہم، خنزیر کی نجاست کے زیر عنوان اس کی تفصیل درج کر چکے ہیں۔

مزید عرض ہے کہ نواب سید محمد صدیق حسن خان محدث فتوحی خاص اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے خنزیر کو نجس قرار دیا ہے۔ (السراج الوہاج ص ۲۲۳ ج ۱)۔

اور مسک الختام ص ۵۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس حنفیہ کے اقوال خنزیر کے متعلق ملاحظہ کیجئے، قاضی ابو یوسف کے نزدیک خنزیر نجس العین نہیں (فتاویٰ شامی ص ۲۰۴ ج ۱)۔ اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس کی بیج جائز ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا بھی درست ہے اس کی کھال پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

(مستملی ص ۱۲۷ و منیۃ المصلی ص ۴۶)۔

حنفیہ کے نزدیک شراب اور خنزیر کا حق مہر مقرر کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے۔

(شرح وقایہ ص ۳۱ حصہ ج ۲ - باب المہر) اور ہاتھی وغیرہ کا مہر مقرر کرنا بھی درست ہے (بہشتی زیور ص ۱۲ حصہ چہارم)، حالانکہ امام محمد کے نزدیک ہاتھی خنزیر کی طرح نجس العین ہے۔ (مستملی ص ۱۵۴) فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

”والخنزیر اذ وقع فی المملحة فصار ملحا يطهر عندهما“

یعنی امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک اگر خنزیر نمک سار میں گر کر نمک ہو گیا تو (نمک) پاک ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۴۰ ج ۱)۔

مولانا محترم کو اپنے گھر کے یہ اقوال تو نظر نہیں آئے۔ اور مولانا نور الحسن خان صاحب کے قول کو نقل کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: کتے اور خنزیر کے نجس العین ہونے کا دعویٰ نا تمام ہے، (حدیث اور اہل حدیث ۱۶۲)۔ جو ابا عرض ہے کہ اس کا وہی جواب ہے۔ جو دیوبندیوں کی طرف سے قاضی ابو یوسف کا دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ نواب نور الحسن خان صاحب نے خنزیر اور کتے کی نجاست کا انکار نہیں کیا، صرف نجس العین ہونے کے دعویٰ کو نا تمام قرار دیا ہے۔ اور یہی قاضی ابو یوسف کا موقف ہے کیونکہ خنزیر کو نجس العین وہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔

فصل سوم

کتے کے جوٹھے کی طہارت و نجاست:

دلیل اول: عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقہ ثم لیغسل سبع مرار۔

(مسلم ص ۱۳۷ ج ۱)۔

جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بہا کر سات مرتبہ دھولے۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ: کتے کے جوٹھے کے پھینکنے اور برتن کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کا جوٹھانا پاک ہے، اور کتے کے جوٹھے کا ناپاک ہونا اسی وجہ سے ہے کہ خود کتنا ناپاک ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۳، ۱۶۵)۔

الجواب: اولاً اس حدیث میں کتے کے جوٹھے برتن کو سات بار دھونے کا حکم و ارشاد نبوی علیہ التحیۃ والسلام بھی موجود ہے حالانکہ احناف کے نزدیک تین بار دھونا ہی کافی ہے، ہدایہ میں ہے۔ ”وَسُوْر الْکَلْبِ نَجْسٌ وَیَغْسَلُ الْاِنَامَنَ وَلَوْ غَهِ ثَلَاثٌ“۔ یعنی کتے کا جوٹھانا پاک ہے۔ اور اس کے منہ ڈالے ہوئے برتن کو تین بار دھویا جائے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص ۹۳ ج ۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ احناف کے نزدیک یہ حدیث حجت شرعی نہیں ہے، اور اس شخص سے زیادہ کون جاہل و نادان ہے کہ جس حدیث کو وہ خود تو قبول نہیں کرتا وہی حدیث مخالف پر حجت باور کرائے۔ ثانیاً: احناف کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے، جیسا کہ طحاوی نے (شرح معانی الآثار ص ۲۳ ج ۱) میں ابن ہمام نے، (فتح القدیر ص ۹۶ ج ۱) میں ابن نجیم نے، (البحر الرائق ص ۱۲۸ ج ۱) میں، مولانا شبیر احمد دیوبندی نے، (فتح الملہم ص ۲۲۳ ج ۱) میں اور مولانا عثمانی نے، (درس ترمذی ص ۳۲۵ ج ۱) میں

صراحت کی ہے۔

غور کیجئے جس حدیث کو مولانا کے اکابر منسوخ کہتے ہیں محترم اسی حدیث سے ہم پر حجت قائم کرتے ہیں۔ اگر دیوبندی کہہ دیں کہ صرف ”سات بار دھونے“ کا حصہ ہی منسوخ ہے باقی نہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ کتنی بھونڈی تقسیم ہے کہ مخالف حصے کو تو بلا دلیل منسوخ کہا جائے اور موافق حصے کو قبول کیا جائے، آخر اس کی دلیل کیا ہے کہ موافق حصہ منسوخ نہیں اور باقی حصہ ہے؟۔

ثالثاً: جانور کا پسینہ اور لعاب کا حکم ایک ہونا شرعی اصول کا تقاضہ ہے کیونکہ لعاب اور پسینہ دونوں ہی گوشت سے پیدا ہوتے ہیں آئیے اس بات کی تصدیق علماء احناف سے ملاحظہ کریں۔

وعرق کل شئی معتبر بسؤره لانہما یتولدان من لحمہ۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص ۹۴ ج ۱)۔

یہی بات فتح القدیر اور کفایۃ وغیرہ شروح ہدایہ میں ہے کثر میں ہے، والعرق کالسؤر اس کی شرح میں ہے لان السؤر مختلط باللعاب وهو العرق متولدان من اللحم، (البحر الرائق ص ۱۲۶ ج ۱) درمختار میں ہے۔ ”و حکم عرق کسؤرہ لتولد کل منها من اللحم“ (فتاویٰ شامی ص ۲۲۸ ج ۱)۔ ان عبارات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حیوان کا پسینہ اس کے جوٹھے کے حکم میں ہے۔ چونکہ ان دونوں کی پیدائش گوشت سے ہوتی ہے۔ یہ بات فقہ حنفی کی تمام متداول کتب فقہ متون و شروح اور فتاویٰ میں کتاب الاسار۔ کے ابتداء یا آخر میں ہے۔ قارئین کرام جب آپ نے اتنی بات کو سمجھ لیا تو اب ہماری گزارشات کو ٹھنڈے دل سے ملاحظہ کریں، فقہ کی تمام متداول کتب میں یہ فتویٰ منقول ہے کہ حوض وغیرہ میں اگر کتا گر جائے اور اس کا منہ پانی میں نہ لگے تو پانی پاک ہے مگر اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ اگر کتے کے جسم پر پسینہ ہو تو تب بھی حوض وغیرہ پاک ہے یا ناپاک ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہاں اس کی وضاحت کی جاتی، مگر ایسا ہرگز نہیں کیا۔ جس سے لازم آتا ہے کہ فقہ احناف کے نزدیک کتے کا پسینہ پاک ہے۔ یہ دلیل اسی طرح کی دلیل ہے، جس طرح فقہاء احناف نے گدھے کے پسینہ کو پاک کہا ہے کہ نبی مکرم سیدنا محمد ﷺ بغیر پالان کے گدھے پر سوار ہوئے تھے، اور گمان غالب ہے کہ اس کا پسینہ بھی آپ علیہ التحیۃ والسلام کو لگا ہوگا مگر حضور علیہ السلام سے بدن یا کپڑا دھونا ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۲۸ ج ۱)۔

رابعاً: بلاشبہ اس حدیث سے کتے کے جوٹھے کی نجاست ثابت ہوتی ہے مگر اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی الأعمش، ہے۔

(مسلم ص ۱۳۷ ج ۱ وابن خزیمہ ص ۱۵ ج ۱، و بیہقی ص ۱۸ ج ۱، و نسائی ۳۳۶)۔

اور یہ مدلس ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ یدلس وربما دللس عن ضعيف، یعنی تدلیس کرتے

ہیں اور کبھی کبھار ضعیف راوی سے بھی تدریس کر جاتے ہیں۔ (میزان ص ۲۲۲ ج ۲)۔ کراچی، نسائی اور دارقطنی وغیرہ نے بھی مدرس قرار دیا ہے۔ (طبقات المدین ص ۳۳)۔

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں معصن مروی ہے۔ امام نسائی، امام حمزہ کنانی، امام ابن مندہ اور علامہ ابن عبد البر نے اس روایت کو بوجہ، فلیرقہ، کے اضافہ کے معلول قرار دیا ہے۔ (فتوح الملہم ص ۴۴۴ ج ۱ والتہید ص ۲۷۳ ج ۱۸)۔

دوسری دلیل: عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ طهور اناء احدکم اذا ولغ فیہ الکلب ان یغسلہ سبع مرات اولاهن بالتراب۔
(مسلم ص ۱۳۷ ج ۱ و ابو داؤد ص ۱۰)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے برتن کی پاکی جبکہ کتا اس میں منہ ڈال دے یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھوئیں پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھیں۔
وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے وہ برتن ناپاک ہو جاتا ہے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے مانجھا جائے پھر پانی سے دھویا جائے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتا ناپاک ہے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۳ و ۱۶۵)۔

الجواب: کتا شکار کرتے ہوئے جانور کو زخمی تک کر دیتا ہے، جس میں یقیناً اس کا لعاب بھی لگتا ہے۔ مگر تمام حنفی اس جانور کو طاہر ہی کہتے ہیں چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی سے سوال کیا جاتا ہے کہ کتے کا لعاب نجس ہے۔ پھر کتے کا پکڑا ہوا شکار جس کی نجاست بذریعہ دندان دوران خون کے ساتھ تمام گوشت میں سرایت کر جاتی ہے۔ کیونکہ پاک ہوا، علاوہ ازیں یہ زہریلا جانور ہے۔ جس کا زہر بوسیلہ دوران دم تمام گوشت میں پہنچ جاتا ہوگا تو اس کا پکڑا ہوا شکار کیونکر حلال ہوگا۔ حالانکہ زہر حرام ہے۔ اس کے جواب میں تھانوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ اگر شبہ والا مسلمان نہیں تو تب تو اس وجہ سے جواب لا حاصل ہے کہ کفار سے اصول میں گفتگو ہے فروع میں کیوں تطویل کلام کی جائے اور اگر مسلمان ہے تو اس کو اتنا جواب کافی ہے کہ دلیل شرعی سے جو امر ثابت ہو ہم کو اس کی ”لم“ کی تفتیش اور طبعیات ظنیہ بلکہ وہمیہ کے معارضات کا جواب و تطبیق ہم پر ضروری نہیں۔ (امداد الفتاوی ص ۶۱۸ ج ۳)۔

سائل کا سوال آسان الفاظ میں یہ ہے کہ: بالفرض دس کلو پانی میں اگر کتا منہ ڈال دے تو وہ ناپاک کیوں ہے؟ جبکہ ڈیڈھ کلو کے خرگوش کو شکار کرتے ہوئے دانت مار مار کر اس کے جسم کو اپنے لعاب سے لت پت کر دے اور خرگوش سے نکلا ہوا خون بھی زبان سے چاٹا ہوا ہلاک کر دے، اور کتے کے نجس لعاب کے اثرات تمام گوشت میں پھیل جائیں، تو وہ خرگوش حلال اور پاک کیوں ہے؟ غور کیجئے

سوال کتنا معقول ہے۔ اور مولانا تھانوی کا جواب کتنا فضول ہے کہ ہم حکم شرعی کے پابند ہیں، یہ جواب تو تب درست تھا جب سائل شرعی مسئلہ کی حکمت دریافت کرتا، مگر وہ تو طہارت کے متعلق اپنے شبہات رفع کروانا چاہتا ہے، مگر مولانا تھانوی تو اسے ایسی خاموشی کا درس دے رہے ہیں جیسے سائل نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق سوال کر دیا ہو، یا تقدیر کے مسئلہ میں شکوک ڈالے ہوں، نہیں ہرگز نہیں، وہ احکام شرعی دریافت کر رہا ہے اور وجہ فرق سمجھنا چاہتا ہے، بلاشبہ علماء حکم کے پابند ہیں مگر دینی مسائل کو سمجھانے کے مکلف ہیں۔ خود نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسائل دریافت کئے ہیں۔ آئمہ محدثین نے کتب حدیث میں ”کتاب العلم“ کے نام سے ایک حصہ کتب حدیث کا لکھا ہے جس میں مختلف عنوان کے تحت متعدد واقعات منقول ہیں۔ بخاری کتاب العلم کی پہلی حدیث میں ہے کہ صحابی نے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”فاذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ“ جب امانت ضائع ہو تو تب قیامت کے منتظر ہو، صحابی نے اس خبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی وضاحت پوچھی، ”کیف اضاعۃ“ اس کا ضائع ہونا کیسے ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اذا وسد الامر الی غیر اہلہ“ یعنی امانت کا ضائع ہونا یہ ہے کہ نااہل کو کام سونپا جائے۔ (بخاری ۵۹)۔ دیکھئے نبی ﷺ نے سائل کی بات کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی وضاحت کر دی ہے، مگر مولانا تھانوی، ہم پابند ہیں، کہہ کر پلہ چھوڑانے کی کوشش کرتے ہیں، ہاں البتہ مولانا یہ فرماتے کہ ہم چونکہ مقلد ہیں، لہذا فقہ حنفی کے اس تناقض کو دور کرنا ہم پر لازم نہیں۔ تو ایک بات تھی کیونکہ سائل کا جواب حکم شرع پر نہ تھا، بلکہ فقہ حنفی پر تھا۔ اس کے الفاظ پر غور کریں۔

ثانیاً: کتا کو نجس مان کر آپ اس سے شکار کے قائل ہیں۔ سوال یہ ہے، خنزیر بھی نجس ہے اس سے آپ شکار کے کیوں قائل نہیں؟ وجہ بیان کریں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ خنزیر سے شکار جائز نہیں کیونکہ یہ نجس العین ہے اس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں۔

(ہدایہ آخرین ص ۵۰۲ مطبوعہ مشرقیہ علمیہ ملتان)۔

ثالثاً: اس حدیث میں ”طہور انشاء“ کے الفاظ سے محترم نے استدلال کیا ہے مگر ان الفاظ سے استدلال کمزور ہے۔ اسلام میں وضو اور تیمم کو طہارت کہا گیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لا تقبل صلاۃ بغير طہور“ نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی (مسلم ۵۳۵)۔ مولانا عثمانی اس حدیث کے لفظ ”طہور“ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وضو غسل اور تیمم ہے۔ (فتح الملہم ص ۳۸۷ ج ۱)۔

ہاں یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بے وضو انسان پلید ہوتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سبحان اللہ! ”ان المؤمن لا ینجس“ پاک ہے اللہ! مومن نجس نہیں ہوتا۔

(بخاری ۲۸۲) و مسلم ۸۲۴)۔

بخاری کتاب الصوم باب سواك الرطب واليابس للصائم میں حدیث ہے کہ السواك "مطهرة للضم" سواك منہ کو پاک کرنے والی ہے۔ گویہ حدیث بخاری میں تعلیقا ہے مگر سند صحیح ہے تفصیل کے لئے ارواء الغلیل ص ۱۰۵ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

خورشید صاحب کے استدلال کے موافق اس حدیث کا مفہوم تو یہی ہونا چاہئے کہ سواك سے قبل منہ نجس ہوتا ہے "لا حول ولا قوۃ"۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے کہ:

"خذ من اموالهم صدقة تطهرهم" (التوبہ آیت ۱۰۳)۔

ان کے مال سے صدقات لے کر ان کو پاک کیجئے (۹-۱۰۳)۔

سوال یہ ہے کہ صدقہ کے بغیر مال پلید ہوتا ہے؟ وضاحت فرمائیے کہ ایسے مال کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ پاک ہی رہتا ہے یا بوجہ نجاست کو چھونے سے ہاتھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگر آپ نے ہاتھ کو ناپاک تسلیم کرتے ہیں تو بلاشبہ آپ کا استدلال درست ہے، اگر نہیں مانتے، یقیناً نہیں مانتے، تو وضاحت کیجئے ایک ہی لفظ سے نجاست بھی ثابت کرتے ہیں اور اسی سے طہارت کے بھی قائل ہیں خلاصہ کلام یہ کہ لفظ "طہور" سے نجاست پر استدلال درست نہیں ہے۔

تیسری دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کتاتم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ پانی بہا دے اور برتن کو تین بار دھولے۔ (الکامل ابن عدی بحوالہ اعلاء السنن ص ۱۹۷ ج ۱)۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۴)۔

الجواب: اولاً: اس روایت کے موقوف و مرفوع ہونے میں کلام ہے۔ بعض راوی اس کو مرفوع نقل کرتے ہیں تو بعض سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول بیان کرتے ہیں اور بعض سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل روایت کرتے ہیں۔ امام طحاوی حنفی نے اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ (نصب الریۃ ص ۱۳۱ ج ۱)۔

اور اصول یہ ہے کہ جب موقوف روایت مرفوع کے مخالف ہو تو تب موقوف حجت نہیں ہوتی۔ ثانیاً: اس کی سند میں، عبد الملک بن ابی سلیمان راوی ہے جو کہ بلاشبہ صدوق ہے، مگر اس کی روایات میں، اوہام، ہیں (تقریب ص ۲۱۹)۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے روایت کرنے میں عبد الملک منفرد ہے اور اس کا شیخ عطاء سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے میں منفرد ہے۔ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفاظ اور ثقات تلامذہ، سبع مرات، کے الفاظ ہی روایت کرتے ہیں، اور عبد الملک کی روایات جب حفاظ اور ثقات راویوں کے برعکس ہوں تو انہیں قبول نہیں کیا جاتا (معرفۃ السنن والآثار ص ۳۱۱ ج ۱، و نصب الریۃ ص ۱۳۱ ج ۱ والسعیۃ ص ۲۳۸ ج ۱)۔ ابن عدی نے اس کو روایت کرنے کے بعد منکر کہا ہے۔ بحوالہ۔ (لسان المیزان ص ۳۰۲ ج ۲)۔ اور ابن جوزی نے "لم یصح" کہہ کر اس پر

جرح کی ہے۔ (العلل المتناہیة ص ۳۳۳ ج ۱)۔

چوتھی دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ واصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتابرتن میں منہ ڈال دے تو برتن کو تین یا پانچ یا سات دفعہ دھویا جائے۔

(دار قطنی ص ۴۵ ج ۱)۔

الجواب: امام دارقطنی نے آگے محدثانہ فیصلہ بھی کیا تھا جسے ہمارے محترم مولانا صاحب نے نقل نہیں کیا۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

”تفرد به عبد الوهاب عن اسماعيل وهو متروك الحديث وغيره يرويه عن اسماعيل بهذا الاسناد فاغسلوه سبعا وهو الصواب“۔

یعنی اسماعیل سے روایت کرنے میں عبد الوهاب مفرد ہے اور یہ متروک الحدیث ہے۔ اس کے برعکس متعدد راویوں نے اسی سند کے ساتھ اسماعیل سے ”سات بار دھونے“ کے الفاظ روایت کئے ہیں اور یہی درست ہیں۔ (السنن دارقطنی ص ۴۵ ج ۱)۔

غور کیجئے کہ جس جگہ سے محترم نقل کر رہے ہیں اسی مقام پر اس کے سخت ضعیف ہونے کی صراحت بھی ہے۔ مگر مولانا کمال دیانت داری سے حدیث تو نقل کرتے ہیں۔ مگر اس کے وجود کی نفی کا ذکر نہیں کرتے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

امام دارقطنی کے منصفانہ فیصلے کے علاوہ عبد الوهاب کو متعدد آئمہ جرح و تعدیل نے کذاب و متروک کہا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کے پاس عجائبات ہیں۔ امام ابو داؤد کہتے ہیں میں نے اسے دیکھا ہے یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ امام نسائی امام عقیلی، امام بیہقی وغیرہ نے متروک الحدیث قرار دیا ہے امام صالح فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے اس کی عام روایات جھوٹ ہیں۔ امام محمد ابن عوف کہتے ہیں کہ یہ فوائد ابی الیمان سے روایات لیتا اور اسماعیل بن عیاش کے نام سے بیان کرتا ہے، اور کثرت سے من گھڑت روایات بیان کرتا۔ میں اس کی ملاقات کے لئے گیا اور اسے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ایسی روایات بیان نہ کیا کر، اس نے مجھ سے آئندہ نہ بیان کرنے کا عہد کیا۔ (تہذیب ص ۳۹۶ ج ۶) و (میزان الاعتدال ص ۶۷۹ ج ۱)۔ علامہ ذیلیبی نے (نصب الرایۃ ص ۱۳۱ ج ۱) میں، مولانا عبدالحی لکھنوی نے (السعایۃ ص ۴۳۸ ج ۱) میں، مولانا محمد تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص ۳۲۵ ج ۱) میں، اس روایت کو ضعیف و معلول قرار دیا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

پانچویں دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کتابرتن میں منہ ڈال دے تو اس کا پانی گرا کر تین دفعہ اسے دھو دو۔ (سنن دارقطنی ص ۶۶ ج ۱)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کتابرتن میں منہ ڈال دیتا تو آپ پانی گرا کر تین مرتبہ دھو لیتے۔ (دارقطنی ص ۶۶ ج ۱)۔

الجواب: اولاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے عطاء بن ابی رباح ہیں اور ان سے روایت کرنے والے، عبد الملک، ہیں امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ عطاء سے عبد الملک کے علاوہ یہ روایت کسی نے بھی روایت نہیں کی۔ (سنن دارقطنی ص ۶۶ ج ۱)۔

تیسری دلیل: کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے کہ عبد الملک جب حفاظ ثقات کی مخالفت کرے تب وہ حجت نہیں ہوتا اور یہاں عبد الملک نے اپنے سے اوثق راویوں کی مخالفت کی ہے۔ امام دارقطنی نے روایت بیان کی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس برتن میں کتابت منہ ڈال دے اس کے (پانی وغیرہ) کو گرا کر سات بار دھویا جائے۔

(السنن دارقطنی ص ۶۲ ج ۱)۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

فقد ثبت انه افتي بالغسل سبعا ورواية من روى عنه موافقة لرواية ارجح من رواية من روى عنه مخالفتها من حيث الاسناد ومن حيث النظر اما النظر فظاهر واما الاسناد فالموافقة وردت من رواية حماد بن زيد عن ايوب عن ابن سرين عنه وهذا من اصح الاسانيد واما المخالفة فمن رواية عبد الملك بن ابى سليمان عن عطاء عنه وهو دون الاول في القوة بكثير۔

یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث کے موافق سات بار دھونے کا فتویٰ بھی ثابت ہے، اور مرفوع حدیث کے مخالف تین بار دھونے کے فتویٰ سے، یہ عقلاً اور سنداً راجح ہے۔ عقلی بات تو واضح ہے، اور مرفوع حدیث کے موافق سات بار دھونے کا فتویٰ حماد بن زید عن ایوب عن ابن سرین، کی سند سے مروی ہے اور یہ سب سے صحیح ترین سند ہے اور مرفوع حدیث کے مخالف تین بار دھونے کا فتویٰ عبد الملک کی سند سے مروی ہے۔ اور یہ پہلے (سات بار دھونے کے فتویٰ) کی نسبت ڈھیروں قوت کے اعتبار سے گرا ہوا ہے۔ (فتح الباری ص ۲۲۲ ج ۱)۔

ثانیاً: کسی چیز کو ضائع کر دینے سے اس کی نجاست ثابت نہیں ہوتی۔ دودھ خراب ہو جائے تو ہمیشہ اسے ضائع کر دیا جاتا ہے۔ یا پانی میں چھپکلی گر جائے تو اسے ضائع کر دیا جاتا ہے۔ انڈا خراب ہو جائے تو اسے بھی ضائع کر دیا جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ انسانی صحت کے لئے مضر ہیں۔ اسی طرح کتے کا جوٹھا بوجہ مضر ہونے کے ضائع کرنے کا حکم ہے، نہ کہ نجاست کی وجہ سے، کیونکہ کتے کے لعاب میں زہر ہوتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر دھونے کا حکم نجاست کی وجہ سے ہوتا تو مٹی سے مانجنے کی تلقین

نہ کی جاتی اس لئے کہ تمام نجاستیں فقط دھونے سے ہی زائل ہو جاتی ہیں۔ جبکہ کتے کے جوٹھے برتن کو مانجھنے کا بھی ارشاد بھی ہے جس سے لازم آتا ہے کہ زہر کو مٹانے کے لئے یہ حکم ہے کہ کیونکہ مٹی جراثیم کو ختم کرتی ہے۔ جیسا کہ نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ استنجاء کے بعد مٹی سے ہاتھ کو مل کر دھوتے تھے۔ (ابو داؤد (۲۵) وابن ماجہ (۳۵۸) یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے۔) صحیح سنن ابی داؤد (۳۵) وضاحت کی جائے کہ آیا استنجاء کے بعد بھی ہاتھ نجس ہوتا ہے کہ بعد میں ہاتھ کو مٹی سے صاف کرنا سنت خیر الانام ﷺ ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ کسی چیز کو بوجہ مضر ہونے کے ضائع کرنے سے اس کی نجاست ثابت کرنا زیادتی ہے کیونکہ شرعی اصول یہ ہے کہ تمام چیزیں پاک و طاہر ہیں مگر وہی جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناپاک قرار دے۔ افسوس کہ آپ کتے کے جوٹھے کو نجس ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اس پر ایک حدیث بھی نقل نہیں کرتے جس کا یہ معنی ہو کہ کتے کا جوٹھا ناپاک ہے۔ ہاں غیر متعلقہ احادیث نقل کر کے اس مضبوط و مستحکم قلعہ کو محض خلط مجتہد سے فتح کرنے کی سعی لاکھل کرتے ہیں۔

(۵) باب جو جانور حلال ہے اس کا پیشاب نجس نہیں

فصل اول:

(۱) سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

قدم اناس من عکل او عربینة فاجتوا المدينة فامرهم النبی ﷺ بلقاح وان يشربوا من ابوالها والبانها۔ (الحديث)۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس قوم ”عکل“ یا عربینہ کے لوگ آئے ان کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اونٹنیوں کے باڑے میں جانے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب (ملا کر) پیئیں۔

(بخاری رقم الحدیث ۲۳۳) و مسلم رقم الحدیث ۴۳۵۵)۔

(۲) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

ان نفرا من عکل ثمانية قدموا علی رسول اللہ ﷺ فبايعوا علی السلام فاستوخموا الارض فسقمت اجسامهم فشكوا ذلك الی رسول اللہ ﷺ قال افلاتنخرجون مع راعينا فی ابله فتصیبون من البانها و ابوالها؟ قالوا بلی، فخرجوا فشربو من البانها و ابوالها فصحوا۔ (الحديث)۔ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے انہوں نے آپ ﷺ (کے ہاتھ پر) اسلام پر بیعت کی۔ ان کو اس جگہ (مدینہ) کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان کے جسم کمزور ہو گئے اور وہ بیمار ہو گئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: تم ہمارے چرواہوں کے ساتھ اونٹوں کے باڑے میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہاں جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پینا۔ انہوں نے کہا ٹھیک، وہ وہاں گئے اور انہوں نے اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیا پھر وہ تندرست ہو گئے۔

(بخاری رقم الحدیث ۶۸۹۹) و مسلم رقم الحدیث ۴۳۵۴)۔

یہ حدیث اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ حلال جانور کا پیشاب نجس نہیں۔ کیونکہ کسی نجس و حرام چیز سے علاج کرنا شرعا جائز نہیں ہے۔

(۳) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سیدنا سوید الجعفی رضی اللہ عنہ نے شراب سے علاج کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے منع فرماتے ہوئے کہا کہ ”انہ لیسس بداء و لکنہ داء“۔ یعنی یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔ (مسلم رقم الحدیث ۵۱۴۱)۔

(۴) ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان الله لم يجعل شفاءكم في حرام“۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفاء نہیں رکھی۔

ابن حبان (موارد ص ۳۳۹ رقم الحدیث ۱۳۹) و بیہقی (ص ۵ ج ۱)۔

یہ بات مسلمہ فریقین ہے کہ نجس چیز حلال نہیں ہوتی بلکہ حرام ہوتی ہے۔ اور حرام سے علاج کرنا درست نہیں۔ علاوہ ازیں مؤلف حدیث اور اہل حدیث کے نزدیک ”خبیث“ کا لفظ نجاست پر صریح ہے ان کے الفاظ ہیں کہ: خبائث خبیثہ کی جمع ہے اور خبیثہ نجاست سے بنا ہے جس کے معنی نجاست و ناپاکی کے ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۵۳)۔

جب کہ نبی ﷺ نے خبیث چیز سے علاج کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۵) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

”نہی رسول اللہ ﷺ عن الدواء الخبیث“ یعنی رسول اللہ ﷺ نے خبیث چیز کے ساتھ علاج کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابو داؤد ۳۸۷۰ و ترمذی ۳۰۵، ۴۳۶، ۴۷۸ و مستدرک ۴/۴۱۰ و بیہقی ۵/۱۰)۔

حاکم و ذہبی نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور محترم مولانا انوار خورشید کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ نجس چیز سے علاج کرنا درست نہیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی نے بھی اس کا معنی نجس و حرام کیا ہے۔ (بزل المجموع ص ۵ ج ۷)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نجس و حرام چیز کے ساتھ علاج کرنا جائز نہیں، اور حلال جانور کے پیشاب سے خود نبی مکرم سیدنا محمد ﷺ نے علاج کیا ہے۔ جس سے بطور نتیجہ یہ بات کھل جاتی ہے کہ حلال جانور کا پیشاب بھی طاہر ہے۔

شرعی اصول کا بھی یہ تقاضا ہے کیونکہ شرعی طور پر اصل حلت ہے، اور حلت کسی چیز کے طاہر ہونے کو مستلزم ہے۔ الغرض تمام چیزیں اصل میں طاہر ہیں نجس وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول برحق نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نجس قرار دیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ علمائے اہل حدیث میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ ماکول اللحم جانور کے پیشاب کو نجس قرار دیتے ہیں۔ (المحلی بالانوار ص ۱۶۹ ج ۱ مسالۃ ۱۳۷) ایسے ہی احناف میں بھی اختلاف ہے۔ امام محمد بن حسن حنفیہ کے اجل امام ہیں وہ حلال جانور کے پیشاب کو طاہر کہتے ہیں۔ (عمدة القاری ص ۹۱۹ ج ۱) و تاملہ فتح الملہم ص ۲۹۸ ج ۲ و البحر الرائق ص ۱۱۵ ج ۱ در مختار مع شامی ص ۲۱۰) بلکہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری حنفی دیوبندی نے تو یہی مذہب امام زفر کا بیان کیا ہے۔

(فیض الباری ص ۳۲۶)۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک حلال جانور کے پیشاب میں لت پت کپڑے میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ (جامع الصغیر ص ۸۱)۔ اور اگر بکری کنواں میں پیشاب کر دے تو پانی پاک ہے۔ (ایضاً ص ۷۸)۔ کیا خوب تھا کہ مؤلف یہاں پر احادیث نقل کر کے امام محمد اور امام زفر کی خبر لیتا اور بعد میں مولانا اشرف علی تھانوی کی تحریر نقل کرتا کہ چگاڈ کا پیشاب پاک ہے۔

(بہشتی زیور ص ۲ ج ۲)۔

پھر بکری اور چگاڈ کے پیشاب کا فقہی طور پر فرق کر کے عوام الناس کو مسئلہ کی نوعیت پوری طرح سمجھاتا تو ایک بات تھی، مگر انوار خورشید کو غصہ آیا تو صرف بچارے علامہ وحید الزمان پر جس نے کتب حدیث کے تراجم کر کے ایک بہترین خدمت سرانجام دی۔

فصل دوم

لیل اول: عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اکثر عذاب القبر من البول۔

(مستدرک حاکم ص ۱۸۳ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اکثر قبر کا عذاب پیشاب (سے نہ بچنے) کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشاب سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور نہ بچنے پر وعید ذکر کی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے۔ کہ پیشاب ناپاک ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشاب کے ناپاک ہونے میں حلال و حرام جانور کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۶ و ۱۶۹)۔

الجواب: اولاً آپ کا یہ دعویٰ کہ کسی حدیث میں حلال و حرام جانور کی کوئی تخصیص نہیں۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ثانیاً: یہ حدیث عام نہیں بلکہ انسان کے اپنے پیشاب سے خاص ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”باب ماجاء فی غسل البول“ میں صراحت کی ہے۔ قبر پر شاخیں لگانے والی حدیث اس موقف کی تائید کرتی ہے اس میں نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ”لا یستتر من بولہ“ یعنی قبر کے عذاب میں مبتلا ان دونوں قبر والوں میں سے ایک اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ (بخاری ج ۱۲ ص ۱۲۶) من بولہ۔ کے الفاظ سے مذکورہ حدیث کی تخصیص ثابت ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قال ابن بطلال اراد البخاری ان المراد بقوله فی روایة لباب کان لا یستتر من البول بول الناس لا بول سائر الحيوان فلا یكون حجة لمن حمله علی العموم فی جمیع الحيوان۔

یعنی امام ابن بطلال فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا باب میں مذکورہ حدیث سے مقصود یہ ہے کہ یہ صرف انسانوں کے پیشاب سے خاص ہے نہ کہ تمام حیوانات کے پیشاب کے متعلق ہے۔ لہذا جن حضرات نے اس روایت کو عموم پر رکھ کر تمام جانوروں کو اس میں شامل کیا ان کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ (فتح الباری ص ۲۵۶ ج ۱)۔

سید انور شاہ صاحب کشمیری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

وقد مر منسى في الباب السابق ان لفظ الاستنزاہ والا ستبراء يعشربان المراد منه بول الانسان فانه لا يتحقق الا في الانسان فلفظ الاستنزاہ في هذا الحديث يومی الي ان المراد به بول الناس خاصة وحينئذ يسقط الاحتجاج به على نجاسة سائر الابل والاربعاء.

یعنی میری طرف سے پہلے باب میں گزر چکا ہے کہ ”الاستنزاہ“ اور ”الاستبراء“ کے لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد انسان کا پیشاب ہے، کیونکہ ایسا صرف انسان سے ہی تحقق ہو سکتا ہے، اور اس حدیث میں ”الاستنزاہ“ کے لفظ سے انسان کا پیشاب ہونا ہی خالص مراد ہے لہذا اس حدیث سے تمام پیشابوں کے نجس ہونے کا استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

(فیض الباری ص ۳۱۳ ج ۱)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث صرف انسان کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا ہمارے مہربان کا اسے عموم پر رکھ کر حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک ثابت کرنا غلط بیانی ہی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی اور ضد بھی ہے۔

ثالثاً: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو گو امام حاکم علامہ ذہبی اور البانی نے صحیح کہا ہے (ارواء الغلیل ص ۳۱۱ ج ۱)۔ مگر راقم کو اس میں تاہل ہے۔ کیونکہ سند میں۔ سلیمان بن مہران، الأعمش، راوی ہے۔ (ابن ماجہ راقم الحدیث ۳۲۸) و متدرک حاکم ۱/۱۸۳، دارقطنی ۱/۱۲۸، مسند احمد ۲/۳۲۶، ۳۸۸، ۳۸۹ و مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۲) جبکہ الأعمش مدلس ہیں۔ تقریب ص ۱۳۶) اور انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی بلکہ لفظ عن سے روایت کی ہے امام ابو حاتم نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ (علل الحدیث ص ۲۶۶ ج ۱) و (تلخیص الحبیر ص ۱۰۶ ج ۱)۔

دوسری دلیل: عن ابن امامة عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال تسقوا البول فانه اول ما يحاسب به العبد

فی القبر۔

(مجمع الزوائد ص ۲۰۹ ج ۱)۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ قبر میں بندہ کا سب سے پہلے اسی پر محاسبہ ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۷)۔

الجواب: اولاً یہ روایت دو وجہوں سے معلول ہے۔ (۱) اس کی سند میں ایوب بن مدرک اٹھی راوی ہے۔ (طبرانی کبیر ص ۱۳۳ ج ۸) راقم الحدیث (۷۶۰۷)۔

امام ابن معین فرماتے ہیں کہ کذاب ہے۔ امام ابو حاتم نسائی، امام دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کے پاس من گھڑت روایات پر مشتمل ایک کتاب کا نسخہ تھا جس میں سے یہ مکحول سے روایات نقل کرتا تھا۔

امام ابو زرہ اور صالح جذرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (میزان ص ۲۹۳ ج ۱) و (لسان ص ۴۸۸ ج ۱)۔
ثانیاً: ایوب امام مکحول سے روایت نقل کر رہا ہے، امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایوب کی امام مکحول سے روایت ہی مرسل ہے۔ (لسان المیزان ص ۸۲)۔

ثالثاً: یہ بات بھی غلط ہے کہ سب سے پہلے پیشاب کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی، کیونکہ صحیح احادیث میں وضاحت ہے کہ سب سے اول نماز کے بارے محاسبہ کیا جائے گا۔
(نسائی رقم الحدیث ۳۹۹۶)۔

تیسری دلیل: عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه۔ (فتح الباری ص ۲۸۹ ج ۲)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو۔ کیونکہ عام طور پر عذاب قبر پیشاب (سے نہ بچنے) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۷)۔

الجواب: ہم محترم کی ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی پہلی دلیل کی دوسری سند کی طرف اشارہ کیا ہے۔ گو جناب نے من گھڑت روایت پر پردہ ڈالنے کے لئے فتح الباری کا حوالہ بھی نقل کیا ہے۔ مگر جس کو زمانہ خراب کر دے اس کو عطار کی خوشبو درست نہیں کر سکتی، واضح رہے کہ اس کی سند میں۔ محمد بن صباح بصری راوی ہے۔ (سنن دارقطنی ص ۱۲۸ ج ۱)۔ اور یہ مجہول ہے۔ علامہ ذہبی نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (میزان ص ۵۸۳ ج ۳ و اللسان ص ۲۰۴ ج ۵)۔

چوتھی دلیل: عن عبادة بن الصامت قال سالنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن البول فقال اذا مسكك شىء فاغسلوه فاني اظن انه منه عذاب القبر۔ (تلخیص الحبير ص ۱۰۶ ج ۱)۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشاب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کہ جب تمہارے ذرا سا بھی پیشاب لگ جائے تو اسے دھو دو کیونکہ میرا گمان یہی ہے کہ اس سے بھی عذاب قبر ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۷)۔

الجواب: اس کی سند میں، یوسف بن خالد السمتی راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۲۱۳ ج ۱)۔

اور یہ معروف دجال و کذاب ہے امام ابن معین فرماتے ہیں: خمیث، زندیق، کذاب، ہے اس نے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں قیامت اور میزان اعمال کا انکار کیا تھا، امام عمرو بن علی، امام ابوداؤد، نے کذاب کہا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں محدثین نے اس پر سکوت کیا ہے۔ (یعنی اس قابل ہی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے)۔ (تہذیب ص ۴۱۲ ج ۱۱)۔ الغرض یوسف کی وجہ سے یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

پانچویں دلیل: عن عمار بن یاسر قال اتی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا علی بنرا دلوماء فی رکوة لی فقال یا عمار ما تصنع؟ قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابی وامی اغسل ثوبی من نخامة اصابته فقال یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقنی والدم والمنی یا عمار مانخامتک ودموع عینیک والماء الذی فی رکوتک الاسواء۔

(دارقطنی ص ۱۳۷ ج ۱)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کنوئیں پر اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: کہ عمار کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنے کپڑے دھو رہا ہوں اسے تھوک لگ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: عمار کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہئے۔ پیشاب، پاخانہ، تے، خون، اور منی، عمار تمہارا تھوک تمہاری آنکھوں کے آنسو اور وہ پانی جو تمہاری چھاگل میں ہے سب برابر یعنی پاک ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۸)۔

الجواب: اولاً ایک نہایت ہی مفید عبارت آگے بھی امام دارقطنی نے لکھی تھی، جسے مولانا صاحب نے بوجہ نقل نہیں کیا، امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

لم یروہ غیر ثابت بن حماد وهو ضعیف جدا و ابراہیم و ثابت ضعیفان۔ یعنی اسے ثابت کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا وہ سخت ضعیف ہے۔ اور ابراہیم اور ثابت دونوں ضعیف ہیں۔ (سنن دارقطنی ص ۲۱۷ ج ۱)۔

اس جرح کے بعد اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے، مگر محترم نے اسے نقل ہی نہیں کیا۔ علاوہ ازیں ایک درجن کے قریب آئمہ جرح و تعدیل نے اس روایت کو سخت ضعیف وغیرہ کہا ہے، ابن عدی، بیہقی، عقیلی، ابونعیم نے ثابت کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اسے وضع احادیث سے متم قرار دیا ہے لاکائی فرماتے ہیں اس کی روایات کے ترک پر اجماع ہے۔

(التلخیص الحبیر ص ۳۳ ج ۱)۔

امام بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت بے اصل اور باطل ہے۔ (السنن الکبریٰ ص ۱۴ ج ۱)۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اہل معرفت کے نزدیک کذب و افتراء ہے۔ (اللسان ص ۷۶ ج ۲)۔
ثانیاً: اس کی سند میں علی بن زید الجعدان، راوی ہے۔ (دارقطنی ص ۱۲۷ ج ۱)، (بیہقی ص ۳۳۱ ج ۱)، طبرانی الاوسط ص ۴۳۸ ج ۱، عقیلی ص ۱۷۶ ج ۱، والعلل المبتاہیہ ص ۳۳۱ ج ۱)، مسند ابو یعلیٰ ص ۲۶۲ ج ۱)، اور علی بن زید بالاتفاق ضعیف ہے، (تقریب ص ۲۴۶)۔

ثالثاً: آپ کا ”نخامة“ کا معنی تھوک کرنا، انتہا درجہ کی غفلت ہے۔ اس کا معنی بلغم ہوتا ہے خواہ سینے سے نکلے یا ناک سے خارج ہو۔ (لسان العرب ص ۵۷۲ ج ۱۲)۔ ہاں البتہ اس کا غالباً استعمال کھنکار پر ہوتا ہے۔ مقلد انوار صاحب وضاحت کریں دیوبند کے نزدیک بلغمی رطوبت (کھنکار وغیرہ) اور کنویں کا پانی ایک ہی حکم رکھتا ہے؟ بالخصوص جب وہ کپڑے پر لگ جائے۔

چھٹی دلیل: روی انہ علیہ السلام لما فرغ من دفن صحابی صالح ابتلی بعذاب القبر جاء الی امرأته فسألها عن اعماله فقالت یرعی الغنم ولا یتنزہ من بولہ فحینئذ قال علیہ السلام استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه۔ نور الانوار ص ۶۸ وعذاه فی حاشیئته الی الحاکم۔
مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک نیک و صالح صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ کو احساس ہوا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہوئے ہیں آپ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا: انہوں نے عرض کیا کہ یہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور ان کے پیشاب سے نہیں بچتے تھے، اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پیشاب سے بچو! کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۹)۔

الجواب: نور الانوار، فقہ حنفی کے اصول پر کتاب ہے۔ جس میں رطب و یابس کے علاوہ من گھڑت اور وضعی روایات بھی ہیں بعض مقام پر خود مؤلف نے بھی احادیث وضع کی ہیں۔ تفصیل کے لئے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۷۳ ج ۱)۔ کی مراجعت کریں، یہی حال اس روایت کا ہے اس سیاق کے ساتھ کتب حدیث میں کوئی ایسی حدیث نہیں۔ رہا حنفی نور الانوار کا اسے مستدرک حاکم کی طرف منسوب کرنا تو یہ ان کا وہم ہے، مستدرک میں یہ روایت قطعاً نہیں سید محمد انور شاہ کا شمیر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

فلم اجده فی النسخة المطبوعه ولا فی القدر الموجود من النسخة القلمیة عندی۔ یعنی مجھے یہ روایت مستدرک کے مطبوعہ نسخہ سے نہیں ملی، ایسا ہی جو قلمی نسخے مستدرک کے میری دسترس میں ہیں ان میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔ (فیض الباری ص ۳۱۴ ج ۱)۔

مولانا رشید احمد گنگوہی حنفی دیوبندی نے بھی اس روایت کو، (الکوکب الدرری ص ۴۸ ج ۱)۔ میں درج کیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔ یہ قصہ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ (درس ترمذی ص ۲۹۰ ج ۱)۔ الغرض یہ روایت بے اصل اور باطل ہے۔

(۶) باب پگڑی پر مسح کرنا

فصل اول

(۱) سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

”رایت النبی ﷺ یمسح علی عمامته و خفیہ“

میں نے نبی مکرم ﷺ کو عمامہ مبارک اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

(بخاری کتاب الوضوء باب المسح علی الخفین رقم الحدیث ۲۰۵)۔

(۲) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”ان رسول اللہ ﷺ مسح علی الخفین و الخمار“

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ (وضو میں) موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے۔

(مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین رقم الحدیث ۶۳۷)۔

(۳) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو بھیجا ان کو سردی لگ گئی،

واپسی پر نبی ﷺ نے انہیں۔

”امرہم ان یمسحوا علی العصاب و التسخین“

حکم دیا کہ جرابوں اور پگڑی پر مسح کرنے کا۔

(ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب المسح علی العمامۃ رقم الحدیث ۱۳۶) و (مسند احمد

ص ۲۷۷ ج ۵) و (مستدرک حاکم ص ۱۶۹ ج ۱)۔

حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

(۴) سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”فانی رایت رسول اللہ ﷺ یمسح علی خماره و علی خفیہ“

میں نے رسول اللہ ﷺ کو پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

(ابن حبان ح ۱۳۳۲، و مسند طیالسی رقم الحدیث ۶۵۶ ص ۹۱)۔

(۵) سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”ان النبی ﷺ کان یمسح علی الخفین و الخمار“

بلاشبہ نبی ﷺ موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا کرتے تھے۔

(معجم طبرانی الاوسط ص ۲۵۱ ج ۲ ح ۱۲۵۴)۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے، (مجمع الزوائد ص ۲۰۶ ج ۱)۔

(۶) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

”توضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الخفین و العمامة“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔

(سنن ترمذی کتاب الطہارة باب ماجاء فی المسح علی العمامة ح ۱۰۰)۔

(۷) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الموقین والخمار“

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

(معجم طبرانی الاوسط ص ۱۲۳ ج ۷، ح ۶۲۱۶، والمحلی بالاثار ص ۳۰۵ ج ۱)۔

(۸) سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضاء فمسح علی الخفین والخمار“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔

(طبرانی صغیر ص ۲۰۳ ج ۲) رقم الحدیث (۱۰۳۱)

ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۲۰۶ ج ۱)۔

(۹) امام عبد الرحمن بن عسیلہ بیان کرتے ہیں کہ:

”رایت ابا بکر الصدیق یمسح علی الخمار“

میں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا آپ نے پگڑی پر مسح کیا۔

(المحلی بالاثار ص ۳۰۵ ج ۱)، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۱)۔

(۱۰) سوید بن غفلة بیان کرتے ہیں کہ:

”قال عمران شئت فامسح علی العمامة وان شئت فانزعها“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تو چاہے تو پگڑی پر مسح کر لے اور اگر تو چاہے تو پگڑی

اتار دے (اور سر پر مسح کر لے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۱)، (المحلی بالاثار ص ۳۰۵)۔

(۱۱) امام غالب کہتے ہیں کہ: ”رایت ابا امامة یمسح علی العمامة“ میں نے سیدنا

ابو امامة رضی اللہ عنہ کو پگڑی پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۱)۔

(۱۲) امام حسن بصری کی والدہ راویہ ہیں کہ:

”عن ام سلمة انها كانت تمسح الخمار“

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سر پر اوڑھے ہوئے کپڑے پر مسح کرتیں تھیں۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ والمحلی بالاثار ص ۳۰۶ ج ۱)۔

ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی پگڑی پر مسح کے قائل ہیں۔

(المحلی بالاثار ص ۳۰۶ ج ۱)۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۱)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں متعدد صحابہ کرام کا یہی مسلک ہے، مثلاً ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور یہ قول ہے امام اوزاعی، امام احمد اور اسحاق وغیرہم رضی اللہ عنہم۔
(ترمذی مع تحفہ ص ۱۰۵ ج ۱)۔

یہی بات امام ابن منذر کہتے ہیں۔ (بحوالہ فتح الباری ص ۲۴۷ ج ۱)۔

علامہ بنوری دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو ثور امام ابن جریر، امام ابن منذر، پگڑی پر مسح کے قائل ہیں یہی مذہب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابی امامہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ، مکحول رضی اللہ عنہ، حسن بصری رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (معارف السنن ص ۳۰۳ ج ۱)۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور مبتدعین دہانیہ کے محدث اعظم علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

والحق عندی ان المسح علی العمامة ثابت فی الحدیث، کیف لا وقد ذهب الیہ الائمة الثلاثة ولو لم یکن له اصل فی الدین لما اختاروه البتہ، وانی لست ممن یأخذون الدین من الفاظ بل اولی الامور عندی توارث الائمة واختیار الائمة فانهم هداة الدین واعلامہ ولم یصل الدین الینا الا منهم فعلیہم الاعتماد فی هذا الباب فلا نسئی بهم الظن۔

یعنی میرے نزدیک خالص حق بات یہ ہے کہ پگڑی پر مسح کرنا، احادیث سے ثابت ہے۔ اس کا ثبوت کیسے ممکن نہیں جبکہ اس نظریہ کی طرف آئمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم گئے ہیں۔ اگر اس کی دین میں کوئی اصل نہ ہوتی تو وہ اسے اختیار نہ کرتے۔ اور میں ان لوگوں میں سے نہیں جو دین کو الفاظ سے اخذ کرتے ہیں بلکہ میرے نزدیک امت کا تواتر اور آئمہ کا اختیار کردہ مذہب اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ لوگ دین سے ہدایت یافتہ اور اس کے نشان تھے۔ اور ہمارے پاس دین انہیں کے ذریعہ پہنچا ہے۔ لہذا ان پر بدظنی نہیں بلکہ کلی اعتماد ہے۔ (فیض الباری ص ۳۰۴ ج ۱)۔

فصل دوم

دلیل اول: یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین، الآیۃ ۶۵۔

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھوؤ) اور اپنے سر پر مسح کرو، اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت (دھوؤ)۔
مولانا وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ:

آیت کریم سے معلوم ہو رہا ہے کہ دوران وضو میں سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ لہذا جو شخص وضو میں سر پر مسح نہیں کرے گا۔ اس کا وضو نہیں ہوگا۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۱، ۱۷۳)۔

الجواب: اولاً آپ کا استدلال بالکل ان لوگوں کی طرح ہے جن کا یہ موقف ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام کے وقت وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا فرض ہے خواہ پہلے سے وضو ہو بھی، مگر آپ کے اکابر نے اس استدلال کو غلط قرار دیتے ہوئے، ان لوگوں پر، ظاہریت، کافتویٰ لگایا۔ دیکھئے۔ (السعیہ ص ۳۰ ج ۱)۔

مگر جب اپنی باری آئی تو فقہ پرست ظاہر پرست نہ کہلائے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔
ثانیاً: آئیے ہم آپ کو سیدھے راہ پر چلاتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ ضد اور تعصب کو چھوڑ کر حق بات سمجھنے پر آمادہ ہوں۔

ہمارے محترم صاحب! سیدنا رسول کریم ﷺ نے جس کیفیت اور طریقہ سے بھی سر کا مسح کیا ہے وہی ”برؤسکم“ کی عملی تفسیر ہے۔ اور سیدنا نبی کریم ﷺ کی عملی تفسیر کو آپ یا کسی بھی امتی کو خلاف قرآن کہنے کا حق نہیں کیونکہ نبی ﷺ کا یہ منصب ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام قرآن کی عملی تفسیر امت مرحومہ کے لئے بیان کریں۔ اگر آپ یہاں اسوہ رسول اللہ ﷺ کی بجائے لغت کو لیکر بیٹھ جائیں کہ پگڑی کو، ”راس“ (سر) نہیں کہتے لہذا پگڑی پر مسح سرے سے حکم قرآن کی تعمیل ہی نہیں کیونکہ یہ مسح سر پر ہوا ہی نہیں۔ دیکھئے! (معارف السنن ص ۳۰۳ ج ۱)۔

جو اب عرض ہے کہ اسی آیت میں پاؤں کے دھونے کا حکم بھی موجود ہے۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ کتب فقہ حنفی میں ایک مستقل ”باب علی الخفین“ کے عنوان سے موجود ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ پاؤں کو موزہ نہیں کہتے، مگر حنفیہ نے موزوں پر مسح پاؤں کو دھونے کے برابر قرار دیا ہے۔ وجہ فرق بیان کریں کہ پگڑی پر مسح کیوں ناجائز ہے اور موزوں پر کیوں جائز ہے۔ جو بھی صورت

اختیار کریں وہی ہمارا جواب ہے۔

ثالثاً: سر کے لئے عربی زبان میں ”راس“ کا لفظ آتا ہے۔ (جمع رؤس) اور اس کا اطلاق پورے عضو پر ہوتا ہے۔ سر کے چوتھائی حصے یا کچھ حصے کو ”راس“ نہیں کہتے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک سر کے چوتھائی حصے پر مسح کرنا ہی فرض ہے۔ اس سے زیادہ پر نہیں۔ مزید ظلم یہ کیا کہ فقہاء احناف نے قرآن کی اس آیت کو مجمل قرار دیتے ہوئے اس آیت کے حکم سے مذاق کیا۔ صاحب ہدایہ لکھتا ہے:

والمفروض فی مسح الرأس مقدار الناصیة وهو ربع الرأس، لما روی المغيرة بن شعبه ان النبی ﷺ اتی سبابة قوم فبال وتوضا ومسح ناصیة وخفیة والكتاب مجمل فالتحق بیانا به سر پر پیشانی کی مقدار میں مسح کرنا فرض ہے اور وہ چوتھائی سر ہے۔ کیونکہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قوم کی کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آئے وہاں پیشاب کیا۔ پھر وضو کیا اور اپنے سر کی پیشانی پر مسح کیا اور موزوں پر بھی، اور قرآن مجید کی آیت میں مسح کی مقدار مجمل ہے اور یہ حدیث اس کا بیان ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵، ۴)۔

ہدایہ کے شارح علامہ ابن ہمام نے اس پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث بھی مجمل ہے۔ اور تفصیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (فتح القدیر ص ۱۵ ج ۱)۔

(جبکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی روایت ہی ضعیف ہے۔ تفصیل مقلدانوار خورشید کی دوسری دلیل میں آرہی ہے)۔

خلاصہ بحث یہ نکلا کہ قرآن و سنت میں مسح کی مقدار ثابت نہیں مگر ان بڑے لوگوں کے دماغ میں یہ چھوٹی بات کون ڈالے کہ اللہ تعالیٰ نے سر کے مسح کے لئے راس کا لفظ استعمال کیا ہے جو پورے سر کو کہتے چوتھائی یا کچھ حصے کو ”راس“ نہیں کہتے، خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ نے قرآن کی اس آیت کی مخالفت کی ہے مگر افسوس کہ پگڑی پر مسح کا رد بھی اس آیت سے کرتے ہیں۔ اس شخص سے زیادہ کون جاہل و نادان ہے کہ جس بات کو وہ خود تسلیم نہیں کرتا وہی مخالف پر حجت بارو کرائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسری دلیل: عن انس بن مالک قال رأیت رسول اللہ ﷺ یوضا وعلیہ عمامة قطرية فادخل یدہ من تحت العمامة فمسح مقدم رأسہ ولم ینقض العمامة۔ (ابو داؤد ص ۱۹ ج ۱)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ کے سر مبارک پر قطری پگڑی تھی، آپ ﷺ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا: اور پگڑی کو کھولا نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۱)۔

الجواب: اس کی سند میں ابو معقل، راوی ہے۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۱۳۸)، ابن ماجہ رقم الحدیث

۵۶۴) اور یہ مجہول ہے، جیسا کہ امام ابن قطان اور ابن بطلال نے کہا ہے یہی علامہ ذہبی کا فیصلہ ہے، اور ابن السکن فرماتے ہیں کہ اس کی سند ثابت نہیں۔ (تہذیب ص ۵۷۲ ج ۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وفی اسناد نظر، یعنی اس کی سند میں جرح ہے۔ (التلخیص الحمیر ص ۵۸ ج ۱، نیل الاوطار ص ۱۷۲ ج ۱) دیوبندیوں کے محدث کبیر خلیل احمد سہارنپوری نے ابن قطان وغیرہ کی جرح نقل کر کے سکوت اختیار کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ روایت ضعیف ہے۔ (بذل المجہود ص ۸۸ ج ۱)۔

سرفراز خاں صفدر خنی دیوبندی فرماتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہرگز اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول شخصیتوں سے لیتے پھریں۔ (راہ سنت ص ۲۸۷)۔

تیسری دلیل: قبال الشافعی اخبرنا مسلم عن ابن جریج عن عطاء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضع فحسر العمامة عن راسه ومسح مقدم رأسه او قال ناصيته بالماء۔ (کتاب الام ص ۲۶ ج ۱)۔

سیدنا عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پگڑی کو سر سے اوپر کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح فرمایا: حضرت عطاء نے فرمایا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناصیہ پر مسح فرمایا پانی سے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۷۲)۔

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے کیونکہ امام عطاء بن ابی رباح صحابی نہیں تابعی ہیں۔ امام بیہقی نے بھی امام شافعی کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے (سنن کبریٰ ص ۶۱ ج ۱)۔ اور مرسل ہی روایت کی ہے اور مرسل ضعیف ہوتی ہے۔ مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔
ثانیاً: اس کی سند میں: ابن جریج، ہیں جو زبردست مدلس ہیں۔
امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

تجنب تدلیس ابن جریج فانہ قبیح التدلیس لا یدلس الا فیما سمعہ من مجروح، یعنی ابن جریج کی تدلیس سے بچئے کیونکہ وہ بدترین تدلیس کرتے ہیں، وہ صرف مجروح راوی سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔ (تہذیب ص ۳۰۹ ج ۶)۔

الغرض ارسال کے علاوہ بوجہ تدلیس ابن جریج یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثاً: آپ نے حسر کا معنی ”اوپر“ کرنا کیا ہے جو غلط ہے درست معنی یہ ہے کہ سر کو پگڑی سے ننگا کیا۔ (مجمع بحار الانوار ص ۴۹۵ ج ۱)۔ ایسا ہی محترم نے اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ”رفع“ کا معنی ”ہٹانا“ کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۶)۔

حالانکہ ”رفع بمعنی ”اٹھانا“ آتا ہے۔

تنبیہ: قرآن کریم کی آیت اور مذکورہ دونوں احادیث کے بعد مولانا صاحب نے صحابہ کرام کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اور ہم مقدمہ میں وضاحت کر آئے ہیں کہ جب صحابہ کرام کے اقوال مرفوع احادیث کے خلاف ہوں تو تب وہ دلیل نہیں ہوتے، مزید یہ کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام میں اختلاف ہو تو وہاں بھی ان کے اقوال ناقابل عمل ہوا کرتے ہیں، یہی صورت پگڑی پر مسح کی ہے کہ یہاں صحابہ کرام میں اختلاف کے علاوہ مانعین کے اقوال مرفوع احادیث کے خلاف ہے۔

(۷) باب کیا وضو میں پاؤں کا دھونا فرض نہیں

مولانا محترم کا یہ سارا باب کذب و افتراء اور غلط بیانی پر مبنی ہے، بھلا جس بات کا قرآن حکم دے اور رسول اللہ ﷺ کی متواتر سنت ہو، اس کا کوئی کلمہ گواہ نکار کر سکتا ہے، ہاں کوئی بد بخت بدعتی و جاہل اور پاگل ہو تو اس کی بات علیحدہ ہے، مگر مولانا انوار خورشید صاحب شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آیت کریم احادیث اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی دوران وضو پاؤں پر مسح کر لے تو اسے منع نہیں کرنا چاہئے ایک غیر مقلد صاحب اتنے آگے بڑھے کہ انہوں نے فرمایا کہ مسح ہی فرض ہے۔

(بلفظہ حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۷)۔

یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے، جو صرف دیوبند کا تربیت یافتہ ہی بول سکتا ہے کوئی مسلمان اور کلمہ گو جس کے دل میں رتی بھر بھی ایمان ہو وہ اتنی دلیری نہیں کر سکتا، پھر جو دلیل درج کی ہے وہ ”اذا حدث کذب“، منافق جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے (بخاری ۳۳)۔ کے عین مطابق ہے کہ ایک غیر مقلد صاحب، ان کا نام کیا تھا علمی حیثیت کیا تھی اور کہاں یہ بات کہی یا لکھی، سرے سے اس چیز کا بیان ہی نہیں۔

اس بات کو مزین کرنے کے لئے آگے خیر سے دو حوالے بھی نقل کیے ہیں۔
نواب وحید الزمان لکھتے ہیں کہ۔

”ولا يجوز الا نكار على امور مختلفة فيما بين العلماء كغسل الرجل و مسحہ“
(هدية المهدي ص ۶۸)۔

یعنی جن امور میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ان پر انکار جائز نہیں جیسا کہ (دوران وضو) پاؤں کا دھونا اور مسح کرنا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۷)۔

غور کیجئے کہ کن الفاظ کا یہ معنی ہے کہ وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنا فرض ہے؟ دراصل نواب وحید الزمان خاں مرحوم یہاں بحث یہ کر رہے ہیں کہ ان جیسے اختلافی مسائل میں جو حضرات قرآن و سنت کی نصوص کے باوجود اپنے نظریہ کے مطابق عمل کرتے ہوں، ان پر سختی و تو عید و تہدید و توبیح کے ساتھ نکیر نہیں ہونی چاہئے، ہاں البتہ نرمی و سہولت کے ساتھ ان پر نکیر کرنی چاہئے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

يجوز الا نكار باليسر والسهولة بان يقرأ الحديث على فاعلها ولا يعنف ولا يزر جر ولا
يشدد ولا ينهر فيه۔

(هدیة المہدی ص ۱۱۸)۔

یہ بات عین حکم قرآن ہے، چنانچہ فرعون جیسے مدعی الوہیت اور حرام کام کرنے والے جابر و ظالم حکمران کی طرف جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان دونوں رسولوں کو حکم دیا کہ:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّئِنَّا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (سورہ طہ آیت ۴۴)۔

اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔ (۲۰-۴۴)۔

قرآن کریم کے اس حکم کا جو شخص یہ منہبوم بیان کرے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام فرعون کے عقائد و نظریات کے مصدق تھے۔ اس شخص سے بڑھ کر کوئی جاہل و نادان اور خطبی نہیں۔ بالکل یہی معاملہ علامہ وحید الزماں خاں مرحوم کی عبارت کا ہے۔ واضح رہے کہ خود نواب وحید الزماں خاں نے اپنی متعدد کتب میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ دیکھئے (کنز الحقائق ص ۱۱ و نزل الابرار ص ۱۲ ج ۱)۔

انہوں نے سنن ابن ماجہ، کے ترجمہ میں اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے لکھا۔ امامیہ کے جملہ اعتراضات کا مدلل جواب تحریر کرتے ہوئے بحث کے بالکل ابتداء میں لکھا ہے کہ یہ دونوں باب کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ پاؤں دھونا فرض ہے اور جمہور کا یہ قول ہے۔

رفع العجاجة ترجمہ سنن ابن ماجہ ص ۲۳۹ ج ۱ کتاب الطہارة باب ماجاء فی غسل القدمین)۔ اس کے علاوہ مزید عبارات بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر امید ہے کہ طالب حق کی اس سے ہی تسلی ہو جائے گی۔ جبکہ جاہل و معتصب کے لئے دلائل کا انبار بھی بے سود ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علامہ وحید الزماں خاں نے یہ بات قطعاً نہیں کہی کہ وضو میں پاؤں پر مسح کرنا ہی فرض ہے۔

دوسری دلیل: ہمارے معاصر نے یہ نقل کی ہے کہ مولوی ابراہیم لکھتے ہیں کہ پاؤں دھونے کے بجائے مسح فرض ہے۔ (فتاویٰ ابراہیمہ ص ۲۱ بحوالہ فتح المبین ص ۲۵۲)۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ الزام ہے جو برصغیر کے حنفیوں نے اہل حدیث کو بدنام کرنے کی غرض سے لگایا تھا۔ اس کی حقیقت سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیض پر لگائے گئے خون جیسی ہے۔ اب اس حوالے کا پس منظر او پیش منظر ملاحظہ کریں، فتح المبین، ظفر المبین کے رد میں لکھی ہوئی ایک حنفی مولوی کی کتاب ہے اس کے آخر میں مؤلف نے ص ۴۳۱ تا ۴۹۳ تک مولوی وحی احمد سورتی کا فتویٰ ”جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد“ درج کیا ہے ہمارے مخاطب نے بھی اسی سے اس کو نقل کیا ہے، مگر لاعلمی کہ یہ یا مصلحت کہ اصل کتاب کی بجائے فتح المبین کا حوالہ دیا ہے پھر اپنی غلط

بیانی پر مٹی ڈالنے کے لئے صفحہ نمبر بھی غلط لکھا ہے حالانکہ مذکورہ عبارت ص ۴۵۸، پر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ عبارت جامع الشواہد سے نقل کی ہے۔

(جامع الشواہد مندرجہ فتح المبین ص ۴۵۸ و جامع الشواہد ص ۴۰ ناشر ادارہ معارف

نعمانیہ لاہور ۱۹۹۹ء)

جامع الشواہد کا مصنف بقول مولانا عبدالحی الحسنی حنفی دیوبندی، اہل حدیث کا سخت دشمن، متعصب، علم حدیث میں کم علم اور شدید انفس تھا، (نزہۃ الخواطر ص ۵۱۷ ج ۸)۔

مولوی وصی احمد سورتی کی زندگی میں، شیخ الاسلام فاتح قادیان حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اشاعت السنۃ جلد ۶ شمارہ نمبر ۵ مورخہ مئی ۱۸۸۳ھ کے سرورق پر اشتہار شائع کیا تھا جس میں انہوں نے مؤلف جامع الشواہد، کو چیلنج دیا کہ اگر وہ ان مفتریات و بہتانوں کو کتب اہل حدیث سے ثابت کر دے تو خاکسار ایک ہزار روپیہ نقد سکہ رائج الوقت کا اس شخص کو وعدہ انعام دیتا ہے۔ مگر مولوی وصی احمد نے پوری زندگی اس چیلنج کو قبول نہ کیا اور اپنی کتاب میں لگائے گئے الزامات کو ثابت نہ کر سکا۔ ”جامع الشواہد“ کے جواب میں متعدد کتب مارکیٹ میں آئیں جن میں مذکورہ الزام کو باطل قرار دیتے ہوئے اس کا مؤلف سے ثبوت مانگا گیا تھا۔ حضرت مولانا حافظ عبد اللہ محدث غازی پوری فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بے جا ہے، ہم نے اہل حدیث کی کسی کتاب میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا ہے اہل حدیث کی کتابیں جہاں تک ہماری نظر سے گزریں ہیں سب میں یہی لکھا ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔۔۔۔۔۔ اور فتاویٰ ابراہیمہ کو ہم نے نہیں دیکھا ہے۔ اور نہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کیسی کتاب ہے اور نہ ہم اس کے مصنف کے حال سے واقف ہیں۔ مجیب صاحب کو چاہئے کہ اصل کتاب کا معائنہ کرا دیں۔ (ابراء اهل الحديث والقرآن مفاہی جامع الشواہد من التہم والبهتان ص ۹۴)۔

مگر افسوس کہ جامع الشواہد کے مصنف مولوی وصی احمد نے علمائے اہل حدیث کے اس جائز مطالبہ کو پوری زندگی پورا نہ کیا۔ لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ وصی احمد کی ذریت معنوی شرمندگی کی بجائے مکرر اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں اس پر انہیں شرم ہے نہ حیاء۔ ماضی قریب میں بریلوی مکتب فکر کے ترجمان، رضوان، میں ان الزامات کو دہرایا گیا تو مولانا اسماعیل سلفی مرحوم نے ”الاعتصام“ مورخہ یکم جون ۱۹۶۱ء میں تحریر کیا۔ معلوم نہیں یہ مولوی ابراہیم کون ہے، اور فتاویٰ ابراہیمہ کیا بلا ہے ہم صراحتہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث کا یہ مسلک نہیں اور غالباً شیعہ کے سوا آئمہ سنت سے کسی کا بھی یہ مسلک نہیں۔ بحوالہ (فتاویٰ سلفیہ ص ۱۲۷)۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ آئمہ حدیث کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔ اگر ہم اس پر حوالے نقل کرنا شروع کر دیں

تو ہزاروں حوالے بفضلہ تعالیٰ نقل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ چیز بات کو بہت لمبا کر دے گی۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ خود کسی بھی سلفی کی کتاب جو نماز پر لکھی ہوئی ہے یا قرآن پاک کی تفسیر ہے یا حدیث کی شرح کو نکال کر دیکھ سکتا ہے۔

باقی مولانا انوار خورشید کے بیان کردہ دو حوالوں کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ ان کی حقیقت زیب داستان سے زیادہ نہیں، ہم دیوبندی علماء سے مؤدبانہ گزارش کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر یقین کر لیں کہ ایک زندہ اور قائم اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہے اور رہے گی۔ اور ہم سب نے مرگ مٹی میں دفن ہونا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے کیے کا جواب دہ ہونا ہے یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے اس میں کسی انسان کو قرار نہیں واہ واہ کروانے کی غرض سے کتب تحریر نہ کریں، فریق مخالف پر اتہام حجت اور ان کو دعوت فکر کی غرض سے لکھا کریں۔ اس میں خیر و برکت بھی ہوگی اور اخروی زندگی کے لئے بھی بہتر نہ ہوگا تو کم از کم آپ کی حسن نیت کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ مواخذہ ہی نہ ہو۔ فی الحال آپ کے چند نوجوان اور جو شیلے ممبروں نے دستور العمل بنا رکھا ہے وہ دجال و کذاب اور خبیث لوگوں کا کردار ہے، علم پرور اور متین و سنجیدہ اور دین دار لوگوں کا نہیں۔ ہم ارباب دیوبند کے ذمہ دار اور شریف النفس علماء کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور انہیں اس بات کا یقین دلایا جائے کہ حق اپنی ذاتی خوبی کی وجہ سے دلوں کو فتح کرتا ہے حق پھیلنے کے لئے، جھوٹ، فریب، دغا، بہتان کا محتاج نہیں بلکہ حق گوئی کی ضرورت ہے اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوشنودی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ہی ملک قوم اور تمام مسلمانوں کی بہتری ہے۔ آپ غلط بیانی کر کے کسی کے دل کو فتح نہیں کر سکتے، الزام لگا کر اپنے موقف کو منوانا نہیں سکتے۔ اور جھوٹ سے سلفیت کو مٹا کر حقیقت کا غلبہ دیکھنا آپ کا محض خواب و خیال ہے۔

(۸) باب بسم اللہ پڑھے بغیر وضو نہیں ہوتا

فصل اول

پہلی دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ لا صلاة لمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس کا وضو نہیں اور اس شخص کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہیں لیتا۔

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی التسمیۃ عند الوضوء ح ۱۰۱) و ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی التسمیۃ فی الوضوء ح ۳۹۹، و مسند احمد ص ۴۱۸ ج ۴، و دارقطنی ص ۷۹ ج ۱، و مستدرک حاکم ص ۱۳۶ ج ۱، و بیہقی ص ۴۳ ج ۱۔

دوسری دلیل: سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ علیہ التحیۃ والسلام فرما رہے تھے کہ اس شخص کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہیں لیتا۔ (ترمذی کتاب الطہارۃ باب التسمیۃ عند الوضوء رقم الحدیث ۲۵) و (ابن ماجہ باب سابق رقم الحدیث ۳۹۸) و (مسند احمد ص ۷۰ ج ۴) (دارقطنی ص ۷۲ و ۷۳ ج ۱) و مستدرک حاکم ص ۶۰ ج ۴۔

تیسری دلیل: سیدنا ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

”ان النبی ﷺ قال لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه“

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کہ اس شخص کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہیں لیتا۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی التسمیۃ فی الوضوء رقم الحدیث ۳۹۷) و (مسند احمد ص ۴۱ ج ۳) و (دارمی ص ۱۸۷ ج ۱) و (دارقطنی ص ۷۱ ج ۱) و (مستدرک حاکم ص ۱۴۷ ج ۱) و (بیہقی ص ۴۳ ج ۱) و (مسند ابو یعلیٰ ص ۱۹ ج ۲ و حدیث نمبر ۱۰۰۵)۔ تقریباً انہیں الفاظ کے قریب ہی یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۶۶۸ و ۷۷۷ و ۸۴۴)۔

سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے (ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۰) اور سیدنا ابو ہریرہ الانصاری سے، (طبرانی کبیر ص ۲۹۶ ج ۲۲ رقم الحدیث ۷۵۵) میں مروی ہے۔ بلاشبہ ان میں سے بعض روایات پر جرح موجود ہے، مگر اس کی تصحیح و تحسین کرنے والے آئمہ محدثین بھی موجود ہیں۔ حدیث ابی ہریرہ

رضی اللہ عنہ کو حاکم نے صحیح علامہ البانی نے شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔ منذری، عسقلانی نے قوی، ابن الصلاح، ابن کثیر اور علامہ عراقی نے حسن کہا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۱۲۲ ج ۱ رقم الحدیث ۸۱)۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ سب روایات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مجموعہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔ امام ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ (الخصیص الکبیر ص ۷۵ ج ۱)۔ ان صریح حدیث کی موجودگی میں مولانا فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین نے داؤد ظاہری کی تقلید کی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۲)۔

امام داؤد ظاہری نے بھی وجوب کا موقف ان صریح احادیث کی بنا پر اپنایا تھا۔ اور بفضلہ تعالیٰ اہل حدیث نے بھی فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی وجہ سے اپنا دستور العمل قرار دیا ہے۔ مگر مولانا کو یہ تقلید نظر آتی ہے جیسے ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے، ویسے ہی علماء دیوبند کو ہر چیز میں تقلید ہی تقلید نظر آتی ہے۔ مگر ان فقہی دماغوں میں یہ چھوٹی سی بات کون ڈالے کہ حضرت دلیل شرعی کی پیروی کو تقلید نہیں بلکہ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کہتے ہیں۔ افسوس جو تقلید اور اتباع کے فرق کو نہیں جانتے وہ چودھویں صدی میں مصنف بن بیٹھے ہیں اور رد کر رہے ہیں اہل حدیث کا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فصل دوم

دلیل اول: عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ یا ابا ہریرۃ اذا توضات فقل بسم اللہ والحمد للہ فان حفظتک لاتبرح لک الحسنات حتی تحدث من ذالک الوضوء۔

(معجم طبرانی صغیر ص ۷۳ ج ۱ و اسنادہ حسن، معجم الزوائد ص ۲۲ ج ۱)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب تو وضو کرنے لگے تو کہہ ”بسم اللہ والحمد للہ“ بلاشبہ تیرے محافظ فرشتے تیرے لئے مسلسل نیکیاں لکھتے رہیں گے حتیٰ کہ تو اس وضو سے بے وضو ہو جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۸)۔

الجواب: اولاً مؤلف حدیث اور اہل حدیث کے نزدیک ”حکم“ سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۶)۔

جبکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ”بسم اللہ“ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا ان کے اصول کے موافق اور پیش کردہ روایت سے فرضیت ثابت ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابراہیم بن محمد راوی ہے جو صاحب مناگیر ہے۔ (میزان ص ۵۶ ج ۱)۔

علامہ پٹنی مرحوم نے (تذکرہ ص ۳۱) میں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے، (لسان المیزان ص ۹۸ ج ۱) میں

اس روایت کو مگر قرار دیا ہے۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔
(کتاب الموضوعات ص ۱۸۶ ج ۳)۔

دوسری دلیل: عن البراء مرفوعاً ”ما من عبد يقول حين يتوضا بسم الله ثم يقول بكل
عضوا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمد عبده ورسوله“ ثم يقول
حين يفرغ اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين، الافتحت له ثمانية ابواب
الجنة يدخل من ايها شاء فان قام من فورہ ذلك فصلى ركعتين يقرأ فيهما ويعلم ما يقول
انتقل من صلاته كيوم ولدته امه ثم يقال له استأنف العمل۔
(کنز العمال ص ۲۹۹ ج ۹)۔

سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص وضو کرتے وقت کہے ”بسم اللہ“ پھر ہر عضو کو
دھوتے وقت کہے ”اشهد ان الا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده
ورسوله“ پھر وضو سے فارغ ہو کر کہے۔ ”اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من
المتطهرين“ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جس سے چاہیے
داخل ہو جائے۔

پھر اگر وضو سے فارغ ہوتے ہی فوراً دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان میں قرآءت کرے اور جو کچھ
کہہ رہا ہے اس کا اسے علم بھی ہو وہ اپنی نماز سے ایسے منتقل ہوتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جس دن اسے
اس کی ماں نے جنا تھا۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ اب نئے سرے سے عمل کر۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۹)۔

الجواب: اولاً یہ روایت المستغفری کی تالیف ”الدعوات“ سے منقول ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث
۲۶۰۸۲)۔ مطبوعہ نشر السنہ ملتان۔ مستغفری کی کتاب معروف ہے نہ متداول، اور کنز میں اس کی سند درج نہیں۔
ہاں البتہ امام ابن مقلین نے (البدراہمیر ص ۲۷۸ ج ۲) میں مستغفری کی کتاب سے سند نقل کی ہے، جس میں دو
راوی، ابوبکر البکندری اور ابو محمد محتاج عدالت ہیں۔ کتب رجال ان کے تراجم سے خالی ہیں۔

خاکسار کمپیوٹر کی مدد سے مکتبہ الفیہ اور شاملہ کے علاوہ علامہ ذہبی کی، تاریخ الاسلام، سید اعلام
النبیاء، میزان الاعتدال، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تہذیب التہذیب، حافظ عزیزی کی، تہذیب الکمال، بغدادی
کی تاریخ امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ کبیر اور صغیر ابوحاتم کی، البحر والتعدیل، ابن حبان کی کتاب الثقات
جیسی مبسوط کتب کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی کتب رجال کی مراجعت کی ہے مگر ان کے حالات دستیاب
نہیں ہوئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (التلخیص الحمیر ص ۱۰۰ ج ۱) میں اس روایت کے متعلق کہا ہے۔ اسنادہ

واہی، یعنی اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

ثانیاً: محترم نے وضاحت نہیں کی کہ اس روایت سے حنفیہ کا موقف کسی طرح ثابت ہوتا ہے غالباً انہوں نے ”اجر و ثواب“ سے استدلال کیا ہے۔ جس سے موصوف کی وسعت علم معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اجر و ثواب اور بخشش کے وعدہ سے یہ کب لازم آتا ہے کہ یہ کام فرض و واجب نہیں کیا نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا اجر و ثواب نہیں ملتا کیا ان کے کرنے والوں سے بخشش و مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔ کاش آپ نے کتب حدیث میں۔ طہارۃ کے ابواب پر ہی نظر ڈالی ہوتی۔ تو موصوف کو وضو کے اجر و ثواب کی احادیث بھی مل جاتی۔

(مسلم کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء والصلوۃ عقبہ)۔

تو کیا فریق ثانی کے نزدیک نماز کے لئے وضو بھی فرض کی بجائے مستحب ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ثالثاً: اس روایت میں وضو کرتے وقت ہر عضو کو دھوتے وقت مذکورہ دعا پڑھنے کا ذکر ہے، حالانکہ اکابر دیوبند کے نزدیک اس سلسلہ میں جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام من گھڑت اور وضعی ہیں۔

مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

حافظ ابن القیم (زاد المعاد ص ۴۹ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ وضو کے وقت مختلف قسم کے اذکار اور دعائیں جو ذکر کی گئیں ہیں سب کی سب کذب و خلاق ہیں نہ تو آنحضرت ﷺ نے دعائیں کیں اور نہ امت کو تعلیم دی۔ (خزان السنن ص ۱۲۳ ج ۱)۔ ناشر مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ ۲۰۰۰ھ۔

مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔ وضو کے دوران ہر عضو کو دھوتے وقت جو دعائیں مروج ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان کا ثبوت نہیں ہے۔ (درس ترمذی ص ۲۶۲ ج ۱)۔

خلاصہ کلام یہ کہ سند روایت ضعیف ہونے کے علاوہ دیوبندیت کے خلاف بھی ہے اور اس سے ان کا موقف بھی واضح نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل: عن رفاعۃ بن رافع انه کان جالسا عند النبی ﷺ فقال انہا لا تقم صلاة لاحد حتی یسبغ الوضوء کما امرہ اللہ تعالیٰ یغسل وجہہ ویدیہ الی المرفقین ویمسح برأسہ ورجلیہ الی الکعبین۔

(ابو داؤد ص ۱۲۳ وابن ماجہ ص ۳۶)۔

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک وہ اچھی طرح سے وضو نہ کرے۔ جیسا کہ اللہ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ اپنے چہرے کو دھوئے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، اپنے سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صاحب کی نماز کی اصلاح کرتے ہوئے وضو کا طریقہ بتلایا لیکن انہیں یہ نہیں فرمایا کہ پہلے بسم اللہ پڑھو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۹، ۱۸۱)۔

الجواب: اولاً: اچھا آپ کی اس تقریر کا مطلب تو یہ نکلا کہ نماز کے جن احکام کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ فرض ہیں۔ محترم اس حدیث میں تعدیل ارکان کا بیان بھی ہے، اور سورۃ فاتحہ کو پڑھنے کا حکم نبوی علیہ التحیۃ والسلام بھی ہے۔ وضاحت کیجئے۔ تعدیل ارکان اور سورۃ فاتحہ آپ کے نزدیک کیوں فرض نہیں۔ مؤلف نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے پوری حدیث ہی نقل نہیں کی۔ غور کیجئے یہ کن لوگوں کا کردار ہے۔

پھر ابو داؤد کا صفحہ نمبر بھی غلط تحریر کیا ہے حدیث اگلے صفحہ پر تھی اور اس کے دوسرے طریق میں

وضاحت ہے۔

”اذا قمت فتوجهت الى القبلة فكبر ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء الله“

یعنی جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو قبلہ رخ منہ کر، اور تکبیر تحریمہ کہہ کر سورۃ فاتحہ پڑھ اور اس کے

ساتھ جو اللہ چاہے۔ (ابو داؤد ص ۱۲۵ ج ۱) و (ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۴۸۴)۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

”هذا الحديث يدل على فرضية الفاتحة“

یعنی یہ حدیث نماز میں فاتحہ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ (بذل المجہود ص ۷۵ ج ۲)۔

بلکہ امام اسماعیل الانصاری کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

”ثم اسجد فاعتدل ساجدا ثم اجلس فاطمئن جالسا ثم قم۔“

پھر سجدہ کر اور سجدہ سے اٹھ کر بیٹھ جا یہاں تک کہ تو بیٹھنے میں اطمینان پکڑے پھر کھڑا ہو جا۔

(ترمذی رقم الحدیث ۳۰۲)۔

ان الفاظ سے جلسہ استراحت ثابت ہوتا ہے جو مولانا کے قانون کے مطابق فرض ثابت ہو رہا

ہے۔ مگر مؤلف حدیث اور اہل حدیث اس کا منکر ہے اس نے اس کے رد میں ص ۴۳۶ پر ایک مستقل

باب تحریر کیا ہے۔

ثانیاً: عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا یہ آپ کی زیادتی ہے ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عدم

النقل لاینفی الوجود، یعنی عدم نقل سے وجود کی نفی نہیں ہوتی (فتح القدیر ص ۲۰ ج ۱)۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی جمیع طرق میں سے ”نیت“ قعدہ اخیر“ نبی ﷺ پر درود پڑھنا اور آخر میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں ملتا۔ (فتح الباری ص ۲۲۲ ج ۱)۔ جبکہ احناف کے نزدیک نیت نماز کی شرائط سے ہے۔ (البحرائق ص ۲۷۵ ج ۱)۔ ”قعدہ اخیر“ ان کے نزدیک فرض ہے۔ (ہدایہ ص ۶۲ ج ۱) و (شرح نقایہ ص ۶۹ ج ۱) و مستملی ص ۲۸۹) لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ (ہدایہ ص ۷۳ ج ۱)۔ و (شرح نقایہ ص ۷۰ ج ۱) و مستملی ص ۲۹۸) فَمَا كَانَ جَوَابَكُمْ فَهَوِ جَوَابَنَا۔ خاص وضوء کی مثال سنئے کہ اس حدیث میں داڑھی کے خلال اور مسواک کا ذکر نہیں، حالانکہ یہ احناف کے نزدیک سنت ہیں۔ (ہدایہ ص ۵ ج ۱) خلاصہ کلام یہ کہ عدم ذکر سے عدم شئی ثابت کرنا مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا زعم باطل اور سینہ زوری ہے۔

چوتھی دلیل: عن عبد الله بن مسعود قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا تطهر احدكم فليذكر اسم الله عليه فانه يطهر جسده كله فان لم يذكر احدكم اسم الله على طهوره لم يطهر الامام عليه الماء الحديث۔

(بیہقی ص ۴۴ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے لے۔ اس طرح سارا جسم پاک ہوگا اور اگر کسی نے دوران وضو اللہ کا نام نہ لیا تو جس عضو پر پانی جائے گا وہ ہی پاک ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۰)۔

الجواب: اولاً آپ نے بددیانتی کی ہے امام بیہقی نے آگے ہی صراحت کی ہے کہ

وهذا ضعيف لا اعلمه رواه عن الاعمش غير يحيى بن هاشم ويحيى بن هاشم متروك

الحديث

یعنی یہ روایت ضعیف ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ الاعمش سے یحییٰ بن ہاشم کے علاوہ بھی کسی نے روایت کیا ہے اور یحییٰ متروک الحدیث ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۴۲) امام نسائی نے متروک کہا ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ احادیث وضع کرتا تھا۔ امام صالح جزره امام ابو حاتم یحییٰ بن معین امام عقیلی نے اسے کذاب کہا ہے۔ امام نقاش فرماتے ہیں من گھڑت اور وضعی روایات، الاعمش سے نقل کرتا تھا۔ (لسان المیزان ص ۶۸۰ و میزان ۴۱۲)۔

ثانیاً: سند میں الاعمش راوی ہے جو مدلس ہیں (تقریب ص ۱۳۶)۔ اور تحدیث کی صراحت نہیں۔

امام درقطنی نے اس روایت پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ (سنن دارقطنی ص ۷۲ ج ۱)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ امام دارقطنی کے قول کا مقصود یہ ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ سند میں تدلیس کے علاوہ ایک راوی کذاب ہے۔

یانچویں دلیل: عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من توءاء فذكر اسم الله على وضوءه كان طهورا لاجنائه۔

(دارقطنی ص ۷۴ ج ۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور وضو کرتے وقت اللہ کا نام لیا تو یہ اس کے سارے بدن کی طہارت ہوگا۔ فرمایا: جس نے وضو کیا اور وضو کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا تو یہ صرف اس کے اعضاء وضو کی طہارت ہوگا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۰)۔

الجواب: اس کی سند میں عبد اللہ بن حکیم ابو بکر الداہری راوی ہے امام بیہقی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ بوجہ ابو بکر الداہری یہ روایت ضعیف ہے۔ (بیہقی ص ۴۴ ج ۱)۔ امام احمد اور علی بن مدینی فرماتے ہیں۔ ”لیس بشیء“ ہیچ محض ہے، امام ابن معین اور نسائی کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ امام جوزجانی کہتے ہیں۔ کذاب ہے ابن عدی کہتے ہیں، منکر الحدیث ہے۔ امام عقیلی کہتے ہیں ثقات سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔ امام ابو نعیم کہتے ہیں۔ اسمعیل وغیرہ سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ (لسان المیزان ص ۲۷۸ ج ۳)، و میزان ص ۴۱۱ ج ۲)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، التلخیص الحبر ص ۷۶ ج ۱ میں متروک قرار دیا ہے۔

چھٹی دلیل: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من توءاء و ذکر اسم الله تطهر جسده كله و من توءاء ولم يذكر اسم الله لم يطهر الا موضع الوضوء۔

(دارقطنی ص ۷۴ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام لیا تو اس کا بدن پاک ہو گیا اور جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام نہ لیا تو صرف اس کے وضو کی جگہ پاک ہوگی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۰)۔

الجواب: اس کی سند میں مرد اس بن محمد راوی مجہول ہے اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی یہ روایت منکر ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۸۸ ج ۴)۔

امام بیہقی نے۔ (السنن الكبرى ص ۴۴ ج ۱) میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (التلخیص الحبر ص ۷۶ ج ۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے امام حسن بصری کا قول نقل کیا ہے مگر اس کی سند میں۔ ربیع راوی ہے اس کی تعیین کی جائے کہ کون ہے۔ تہذیب میں اس نام کے متعدد راوی ہیں۔ جو امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم کسی بصری و کوفی پر ایمان نہیں لائے بلکہ اللہ و رسول کی بات ہم پر حجت ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”اما اذا انتہی الامر الی ابراہیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتہد كما اجتہدوا“ جب معاملہ ابراہیم، شععی، حسن اور عطاء کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں (مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۲۰)۔ اس قول میں، حسن، سے مراد حسن بصری ہیں۔ افسوس! جس بات کو ان کا امام قبول نہیں کرتا اسی بات کو خصم پر حجت کے لئے نقل کرتے ہیں۔

اجماع کا جھوٹا دعویٰ:

فرماتے ہیں کہ اگر وضو کرتے ہوئے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وضو ہو جائے گا حضرت حسن بصری یہ فتویٰ دیتے تھے۔ اسی پر اجماع امت بھی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۱)۔
 قارئین کرام! اس پر امت مرحومہ کے اجماع کا دعویٰ کذب صریح اور کھلم کھلا دغا و فریب ہے۔
 آئمہ اہل بیت، اہل حدیث، امام اسحاق اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔ (نیل الاوطار ص ۱۰۱ ج ۱)۔
 پوری امت کا اجماع تو کجا اس پر تو حقیقت کا بھی اتفاق نہیں۔ حنفیوں کے محقق علی الاطلاق اور مجتہد فی المذہب علامہ ابن ہمام کے نزدیک بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔
 (فتح القدیر ص ۲۰ ج ۱، احکام القنطرة ص ۳۳، و مجموعہ رسائل لکنوی ص ۶۵ ج ۱ و فیض الباری ص ۲۳۳ ج ۱)۔

(۹) باب گردن کا مسح ثابت نہیں

فصل اول

دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے، جو چیز ان سے ثابت ہے وہ عین اسلام اور تعلیمات محمدیہ علیہ الختہ والسلام ہے۔ جو چیز ان سے ثابت نہیں وہ دین اور اسلام کا جزء نہیں۔ جو صاحب اسے دین کہتا ہے اس کا اپنا عمل ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وضو کا حکم دیا ہے، مجمل طریقہ بھی بیان ہوا ہے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس کی اپنے عمل سے تفسیر کی ہے۔ حضور نبی مکرم ﷺ کا وضو متواتر اسناد سے ہم تک پہنچا ہے۔ کسی صحیح حدیث میں گردن کا مسح ثابت نہیں۔ اس سلسلہ میں جو بھی بیان کیا جاتا ہے اس کی حیثیت زیب داستان سے بڑھ کر نہیں، بعض میں معنوی تحریف بھی ہے۔ تفصیل انور خورشید کے دلائل میں آرہی ہے۔

جس کتاب کا ہم جواب تحریر کر رہے ہیں یہ بزرگ خیر سے دیوبندی حلقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا دعویٰ ہے کہ ہم بدعات کے خلاف ہیں۔ بلاشبہ بعض بدعات کے خلاف ہیں بالخصوص جن پر بریلوی عام و خاص عمل پیرا ہیں، بدعت کی تعریف اور اس کے حکم میں ہم دونوں قدرے مشترک ہیں، سوچ اور نظریہ بدعت کے متعلق اتفاق کے باوجود مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ دیوبندیوں کے نزدیک نماز جنازہ کے بعد دعا بدعت کیوں ہے اور گردن کا مسح مستحب کیوں ہے؟ میری حیرانگی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی بے ثبوت اور احداث فی الدین (دین میں بدعت) ہیں۔ پھر ایک پر اصرار اور دوسرے کا انکار۔ کیا اعتقادی و عملی طور پر تضاد نہیں۔ گردن کے مسح کے دلائل تلاش کرنے کے لئے آپ کتب فقہ کا مطالعہ کریں تو ایک بھی ایسی دلیل نہ ملے گی جس پر آئمہ محدثین نے سخت جرح نہ کی ہوگی۔ اس حقیقت سے فقہاء احناف اور علماء نے جس بے جا رنگی سے جان چھڑائی ہے وہ لطیفہ سے کم نہیں کہتے ہیں فضائل اعمال میں ضعیف روایات معتبر ہیں حالانکہ اس اصول کا یہاں تذکرہ ہی بے محل ہے کیونکہ ایک ہے عمل، اور دوسرا ہے اس عمل کی فضیلت، اس اصول کا تذکرہ تب درست تھا جب حنفی گردن کا مسح کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت کرتے اور اس کی فضیلت کسی ضعیف روایت سے ثابت ہوتی۔ مگر علماء دیوبند نے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے بات کو گڈ مڈ کر دیا ہے اسے مطلب بر آری کہیں یا جہالت سے تعبیر کریں۔ علاوہ ازیں فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کا دعویٰ بھی باطل ہے جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنوی نے صراحت کی ہے۔

(الانوار المرفوعہ ص ۷۷)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی بھی روایت ایسی نہیں جو قابل عمل ہو۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گردن پر مسح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ تمام وہ احادیث جو وضو کی کیفیت کے متعلق ہیں ان میں گردن کے مسح کا ذکر نہیں اس وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب نہیں جیسا کہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیر ہم رحمہم اللہ۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۲۷ ج ۲۱)۔
امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گردن کے مسح کے بارے میں قطعاً کوئی صحیح حدیث نہیں۔
(زاد المعاد ص ۱۹۵ ج ۱)۔

علامہ نووی اور علامہ فیروز آبادی نے گردن کے مسح کو بدعت کہا ہے۔
بحوالہ (السعیة ص ۱۷۸ ج ۱، خزائن السنن ص ۱۰۴ ج ۱)۔

فصل دوم

عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من توضع و مسح بیده علی عنقه وقی الغل یوم القیمة۔
(التلخیص الحبیر ص ۹۳ ج ۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن (گدی) پر مسح کیا۔ تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچا لیا جائے گا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۲)۔

الجواب: آپ نے عنق کا معنی گردن کر کے پھر اس سے مراد ”گدی“ لیا ہے جو روایت کے الفاظ میں تحریف معنوی ہے عنق بمعنی گلا آتا ہے۔ علامہ ابن منظور فرماتے ہیں۔ ”العنق والعنق وصلۃ ما بین الراس والحسد“ (لسان العرب ص ۲۷۱ ج ۱)۔ مگر افسوس! ہمارا مہربان اس کا معنی گردن کر کے اس سے مراد گدی لیتا ہے۔ یہ بدیہاتی اس مقصد کے تحت کی گئی ہے کہ گلے کا مسح تو خود احتناف کے نزدیک بھی بدعت ہے۔ (البحرائق ص ۲۸ ج ۱ و فتاویٰ عالمگیری ص ۸ ج ۱ و خیر الفتاویٰ ص ۶۵ ج ۲)۔
محترم گدی کے لئے عربی میں رقبہ کا لفظ مستعمل ہے۔ خود جناب نے بھی کتاب میں عنوان ”المسح علی الرقبۃ“ قائم کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۲)۔

ثانیاً: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ابن فارس، اور فلیح راویوں کے درمیان ہلاک کی جگہ ہے لہذا دیکھا جائے ان میں کون راوی ہے (التلخیص الحبیر ص ۹۳ ج ۱)۔ علامہ شوکانی ان درمیانی راویوں کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسین بن علوان، اور خالد واسطی ہیں۔ (نیل اوطار ص ۱۸۱ ج ۱ باب مسح العنق)۔

حسین بن علوان کو امام تہجدی نے کذاب، علی بن مدینی نے سخت ضعیف کہا ہے۔

امام ابو حاتم، امام نسائی، امام دارقطنی نے مشرک الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ صالح جزره کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔ عقیدہ کے لحاظ سے شیعہ تھا طوسی نے شیعہ مصنفین میں اس کا شمار کیا ہے (لسان المیزان ص ۳۰۰ ج ۲)۔ و میزان الاعتدال ص ۵۴۲ ج ۱)۔ دوسرا راوی ابو خالد واسطی بھی ضعیف ہے (میزان ص ۵۱۹ ج ۴)۔

الغرض یہ روایت محض کذب و افتراء ہے۔ اور دیوبندیت کے خلاف بھی ہے۔

دوسری دلیل: عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال من تواضعا ومسح یدیه علی عنقه امن یوم

القیمۃ من الغل

(مسند فردوس ص ۴۴ ج ۴)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھ اپنی گردن پر پھیرے تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے مامون رہے گا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۳)۔

الجواب: اولاً یہ روایت بھی حنفیت کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے۔ عقہ کے لغوی معنی پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں محمد بن احمد بن محمد ابو بکر المغیر، راوی ہے

(حاشیہ مسند فردوس ص ۴۵ ج ۴) و (تاریخ اصہبان ص ۱۱۵ ج ۲)۔

اور یہ وضع احادیث سے متہم ہے۔ جیسا کہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہما نے صراحت کی ہے۔

(میزان الاعتدال ص ۴۶ ج ۳)، و لسان المیزان ص ۴۵ ج ۵)۔

دوسرا راوی اس کی سند میں محمد بن عمر الانصاری ہے۔ اور یہ سخت ضعیف ہے جیسا کہ امام ابن معین نے صراحت کی ہے (میزان ص ۶۷۶ ج ۳)، و تہذیب ص ۳۷۸ ج ۹)۔ تیسرا راوی اس میں عمرو بن محمد بن الحسن ہے جس کا ترجمہ خطیب نے (تاریخ ص ۲۰۴ ج ۱۲) میں نقل کیا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں ثقاہت سے مناکیر روایات کرتا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں اعتبار سے گرا ہوا ہے۔ موضوع روایات ان لوگوں سے نقل کرتا ہے جس کا کوئی اصل ان کی روایات میں موجود نہیں ہوئی۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں ضعیف ہونے کے علاوہ کثیر الوہم ہے۔

(لسان المیزان ص ۳۷۵ ج ۴)۔ (و میزان ص ۲۷۶ ج ۳)۔

علامہ نووی اور البانی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے (الضعیفہ ۶۹، ۷۴۴)۔

تیسری دلیل: ”عن لیث عن طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ انه رأى رسول الله ﷺ

مسح مقدم راسه حتى بلغ القدال من مقدم عنقه“

(طحاوی ص ۲۸ ج ۱)۔

حضرت طلحہ بن مصرف بروایت اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے (اپنے ہاتھ) سر کے آخر حصہ تک لے گئے۔

مولانا انور خورشید صاحب نے مکرر اس روایت کو (مسند احمد ص ۲۸۱ ج ۳) سے نقل کر کے چوتھی دلیل باور کرایا ہے۔ اور تیسری بار، طبرانی کبیر بحوالہ غایۃ المقصود، درج کر کے۔ چھٹی دلیل کے عنوان سے لکھا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۳، ۱۸۴)۔

الجواب: اولاً ہم مولانا صاحب کی مجبوری جانتے ہیں کہ وہ ایک ہی روایت کو مکررات سے نقل کر کے عوام کو دھوکہ کیوں دیتے ہیں۔ تفصیل میں جانے سے پہلے ان تینوں کتابوں کی سند کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

طحاوی کی سند ہے، حدثنا ابن مرزوق قال ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث قال ثنا ابی حفص بن غیاث عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیہ عن جدہ، مسند احمد، کی سند یہ ہے، حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث قال حدثنی ابی قال ثنا لیث عن طلحة عن ابیہ عن جدہ۔ طبرانی کبیر کی سند یہ ہے۔

حدثنا الحسین بن اسحاق التستری ثنا شیبان بن فروخ ثنا ابو سلمه الکندی ثنا لیث بن ابی سلیم حدثنی طلحة بن مصرف عن ابیہ جدہ۔ (طبرانی کبیر ۱۸۰ ج ۱۹ وغایۃ المقصود ص ۲۰۳ ج ۱)۔

تینوں کتابوں کی سند آپ کے سامنے ہے۔ ان کو بغور ملاحظہ کیجئے۔ اس کے مرکزی راوی ایک ہیں۔ لیث بن ابی سلیم طلحہ سے روایت کرتا ہے۔ طلحہ اپنے والد مصرف سے، اور مصرف طلحہ کے دادا سے نقل کرتا ہے۔ مگر ہمارے معاصر اس کو علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے تین روایات باور کراتے ہیں۔ جس شخص کو علم حدیث کا دھواں بھی لگا ہو، وہ یہ فضول دعویٰ نہیں کرے گا۔ لیکن مؤلف حدیث اور اہل حدیث یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ واضح رہے یہ جہالت نہیں شرارت ہے کیونکہ انہوں نے مغالطہ نہیں کھایا بلکہ اپنے مذہب کی جھوٹی وکالت میں جھوٹ بولا ہے۔

ثانیاً: اس روایت سے گردن کا مسح ثابت کرنا سیدہ زوری ہے۔ لفظ، قذال، بمعنی گردن نہیں آتا بلکہ یہ لفظ بمعنی سر کا آخری حصہ آتا ہے۔ آئمہ لغت فرماتے القذال، مؤخر الرأس (المصباح الحنیری ۳۹۵)۔ یعنی قذال سر کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

”حتی بلغ القذال وهو اول القفاء ای مسح راسه من قرن الراس الى منتهی الراس“
یعنی قذال، قفا کے اول کو کہتے ہیں۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اپنے سر اقدس پر نبی ﷺ نے مسح کیا۔ پہلے حصے سے شروع کیا تو آخر تک سر کا مسح کیا۔ (بذل المجہود ص ۹ ج ۱)۔

پھر یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے۔ جس میں راوی ”قذال“ کی تفسیر، قفاء سے کرتا ہے۔ امام مسدد کی روایت میں بلغ القذال، کی بجائے یہ الفاظ ہیں۔ مسح راسه من مقدمه الی مؤخره، (ابو داؤد مع بذل المجہود ص ۷۹ ج ۱ و ابو داؤد مع عون ص ۴۹ ج ۱)۔

یعنی نبی ﷺ نے مسح سر کے ابتدائی حصہ سے شروع کیا اور آخری حصہ تک لے گئے۔ (ابو داؤد باب صفۃ وضوء النبی ﷺ رقم الحدیث ۱۳۲) الغرض اس روایت سے گردن کا مسح ثابت نہیں ہوتا۔ دیوبندیت کے مفتی اعظم اور فقیہ العصر مولوی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ حتی بلغ القفاء کے الفاظ سے مسح رقبہ ثابت نہیں ہوتا۔ قفاء اور رقبہ میں فرق ہے۔ قفاء سر کا جزء ہے اور رقبہ مستقل عضو ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۲ ج ۱)۔

شارح سنن ابو داؤد محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ

والحدیث مع ضعفه لا يدل على استحباب مسح الرقبۃ لان فيه مسح الرأس من مقدمه الی مؤخر الرأس او الی مؤخر العنق، علی اختلاف الروایات، وهذا لیس فیہ کلام، انما الکلام فی مسح الرقبۃ المتعاد بین الناس انهم یمسحون الرقبۃ بظهور الاصابع بعد فراغهم عن مسح الرأس وهذه کیفیة لم تثبت فی مسح الرقبۃ۔

یعنی یہ حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ گردن کے مسح کے استحباب پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں تو یہ (بیان ہے کہ) سر کے مسح کو پہلے حصہ سے شروع کیا اور آخر سر تک (ہاتھوں کو) لے گئے۔ یا سر کے آخری حصہ تک لے گئے۔ روایات کے اختلاف کی بنا پر، اور اس میں نزاع و کلام نہیں بلکہ عوام الناس میں متعارف گردن کے مسح میں کلام ہے جو سر کے مسح کے بعد لائے ہاتھوں سے کیا جاتا ہے۔ اور یہ کیفیت (احادیث رسول ﷺ سے) ثابت نہیں ہے۔

(غایۃ المقصود ص ۳۸۲ ج ۱ و عون المعبود ص ۵۰ ج ۱)۔

ثالثاً: اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم، راوی ضعیف و مختلط ہے اور اس کی روایات میں تمیز نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا۔ (تقریب ۲۸۷)۔

دوسرا راوی اس میں طلحہ کا والد مصرف ہے جو مجہول ہے (تقریب ۳۳۸)۔ جس کی وجہ سے یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ البانی نے اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے، (ضعیف ابو داؤد)۔

چوتھی دلیل: عن موسیٰ بن طلحة قال من مسح قفاه مع راسه وقى الغل يوم القيمة قلت فيحتمل ان يقال هذا وان كان موقو فافله حکم الرفع۔

(التلخیص الحبير ۹۲ ج ۱)۔

سیدنا موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے اپنے سر کے ساتھ گدی کا بھی مسح کیا وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچالیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم مرفوع ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۸۴)۔

الجواب: اولاً لفظ قفاه، سے گردن کا مسح ثابت نہیں ہوتا، قفاه بمعنی، مؤخر الرأس (سر کا آخر) آتا ہے۔ (مجمع بحار الانوار ص ۳۱۲ ج ۴)۔ الغرض قفاه سر کا حصہ ہے۔ اور گردن علیحدہ عضو ہے۔ سر کا مسح فرض اور گردن کا بدعت ہے مولانا انوار خورشیدی چالاکی دیکھئے وہ بدعت کو ثابت کرنے کے لئے لغت عرب میں تبدیلی کر رہے ہیں۔

ثانیاً: امام موسیٰ بن طلحہ تابعی ہیں جس کی اسلام میں حیثیت محض ایک امتی کی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے۔ امتی کے اقوال تب ہی قابل قبول ہوتے ہیں جب وہ قرآن و سنت سے مؤید ہوں۔

پانچویں دلیل: عن وائل بن حجر (فی حدیث طویل) فغسل وجهه ثم ادخل خنصره فی داخل اذنه لیبیغ الماء ثم مسح رقبة و باطن لحيته من فضل ماء الوجه۔

الحدیث۔ (معجم طبرانی کبیر ص ۴۲ ج ۲)۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا پھر داڑھی میں خلال کیا اور کانوں کے اندر مسح فرمایا، چھینٹگی کان میں ڈال کر تا کہ پانی اندر پہنچ جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن (گدی) کا اور داڑھی کے اندر کے حصہ کا مسح کیا، چہرہ کے بچے ہوئے پانی سے۔ ہمارے مخاطب نے مکرر اس روایت کو مسند بزار سے نقل کر کے حدیث نمبر ۸ کا عنوان لگایا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۵)۔

الجواب: اولاً یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے، امین کہنے، اور رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا بھی ذکر ہے، (مسند بزار رقم الحدیث ۲۶۸ و طبرانی کبیر ص ۵۰ ج ۲۲ ج ۱۱۷ و مجمع الزوائد ۲۳۷ ج ۱ و فی النسخی الاخری ص ۲۳۲ ج ۱)۔ حالانکہ مؤلف ان سنتوں کا منکر ہے اور ان کے رد میں مفصل ابواب تحریر کرتا ہے۔ اگر اس حدیث کو بوجہ استدلال یہ صحیح یا حسن تسلیم کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مذکورہ تینوں سنتوں کا منکر ہے۔ خفیوں کے کردار اور افعال پر غور کیجئے کہ یہ ایک ہی حدیث کو

مطلب برآری کے لئے قبول کرتے ہیں اور اسی حدیث کے باقی حصہ کو قوم موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں ترک کرتے ہیں۔

ثانیاً: اس روایت میں اگر گردن کا مسح ثابت ہوتا ہے، تو تین بار کرنے کا ثابت ہوتا ہے۔ مسند بزار کے الفاظ یہ ہیں ”ومسح ظاہر رقبة و باطن لحیته ثلاثا“ یعنی گردن کے اوپر والے حصہ پر اور داڑھی کے اندر تین بار مسح کیا، (مجمع الزوائد ص ۱۳۵ ج ۲ باب صفة الصلاة والتكبير فیہا)۔ اس کے بعد روایت کا تسلسل اس طرح ہے کہ دونوں بازو کہنیوں تک دھوئے اور پھر سر کا مسح تین بار کیا۔ ظاہر ہے کہ اس کیفیت سے حنفی گردن کا مسح نہیں کرتے اور نہ ہی گردن پر تکرار مسح کے قائل ہیں۔

ثالثاً: یہ روایت ضعیف ہے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں سعید بن عبد الجبار راوی ہے جس کو نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ دوسرا راوی محمد بن حجر ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
”فیہ بعض النظر“ ڈھسی کہتے ہیں اس کی منکر روایات ہیں۔

(مجمع الزوائد ص ۳۵ ج ۲ و ۲۳۳ ج ۱)۔

(۱۰) باب جسم سے خون نکلنے پر وضو نہیں ٹوٹتا

فصل اول

پہلی دلیل: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”ان النبی ﷺ كان في غزوة ذات الرقاع فرمى رجل بسهم فنزفه الدم فركع وسجد

ومضى في الصلاة“

یعنی نبی مکرم ﷺ ذات الرقاع کی جنگ میں تھے کہ ایک صحابی کو تیر لگا جس سے خون پھوٹ نکلا

اس آدمی نے اسی حالت میں رکوع اور سجدہ کیا اور نماز کو پورا کیا۔

(بخاری ص ۴۹ ج ۱)۔

یہی حدیث، (ابو داؤد رقم الحدیث ۱۹۸) و (ابن حبان رقم الحدیث ۱۰۹۳) و (ابن خزیمہ رقم

الحدیث ۳۶) و (بیہقی ص ۱۴۰ ج ۱) و دار قطنی ص ۲۴۴ ج ۱) و مستدرک للحاکم ص ۱۵۶ ج ۱) میں مختلف

اسانید سے مطول و مختصر مروی ہے۔ حافظ ابن حجر نے (تغلیق التعلیق ص ۱۱۵ ج ۲) میں اس کے طرق کو

جمع کیا ہے۔ ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں۔ ”فبلغ

ذلك رسول الله ﷺ فعدا لهما قال ولم يامر به بالوضوء ولا باعادة الصلوة“ جب اس کی اطلاع

نبی ﷺ کو ملی تو آپ علیہ التحیة والسلام نے ان دونوں صحابہ کرام کے لئے دعائے خیر فرمائی اور انہیں

دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

(شرح ہدایہ ص ۱۲۲ ج ۱)۔ (بحوالہ ابکار المنن)۔

صحابہ کرام کے آثار:

(۱) سیدنا مسعود بن مخزمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”ان عمر بن الخطاب صلی وان جرحه يشعب دما“

یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو آپ کے جسم سے خون ٹپک رہا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۷۹ ج ۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”وقد صح ان عمر صلی وجرحه ينبع دما“ بلاشبہ یہ صحیح سند

کے ساتھ ثابت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو آپ کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ (فتح

الباری ص ۲۶۶ ج ۲)۔

(۲) امام میمون بن مہران بیان کرتے ہیں۔

رایت ابا ہریرۃ رضی اللہ عنہ ادخل اصبعه فی انفسه فخرجت مغضبة دما ففته ثم صلی فلم يتوضا۔

میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی انگلی ناک میں داخل کی جب اسے نکالا تو خون سے آلودہ تھی، تو آپ نے دوسری انگلی سے خون مل دیا، پھر نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۱۳۶ ج ۱)، و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۸ ج ۱)۔

(۳) امام بکر بن عبد اللہ مزی فرماتے ہیں۔

”انہ رای ابن عمر عصر بثره بین عینیہ فخرج منها شئی ففته بین اصبعیہ ثم صلی ولم يتوضا“ انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے آنکھوں کے درمیان کیل کو نکالا جس سے جو کچھ نکلا اسے اپنی انگلیوں کے درمیان مل دیا اور وضو کیے بغیر نماز ادا فرمائی۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۱۳۵ ج ۱) و (ابن ابی شیبہ ص ۱۳۸ ج ۱) و (بیہقی ص ۱۴۱ ج ۱)۔

فقہائے مدینہ کا عمل:

امام ابی الزناد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”کل من ادرکت من فقہائنا الذین ینتہی الی قولہم منهم سعید بن المسیب و عروۃ بن الزبیر و القاسم بن محمد و ابو بکر بن عبد الرحمن و خارجة بن زبیر و عبید اللہ بن عبد اللہ و سلیمان بن یسار فی مشیخۃ جلد سواہم یقولون فیمن رجع غسل الدم ولم يتوضا۔ وہ تمام فقہاء جن کو میں نے پایا ہے اور جن کے اقوال کو حجت سمجھا جاتا ہے مثلاً، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ ابو بکر بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ خارجه بن زبیر رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ یہ تمام اس مسئلہ میں متفق تھے کہ جس کو نکسیر آئے تو وہ خون کو دھولے اور وضو نہ کرے۔ (السنن الکبریٰ ص ۱۴۵ ج ۱)۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”ہؤلاء الفقہاء ہم السبعۃ الذین درات علیہم الفتویٰ بالمدينة“

یہ وہ سات فقہاء مدینہ ہیں جن کا مدینہ منورہ میں فتویٰ چلتا تھا۔

(تغلیق التعلیق ص ۱۱۸ ج ۱)۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رضی اللہ عنہ نے۔ (صحیح بخاری ص ۲۹ ج ۱) میں ”واہل الحجاز

لیس فی الدوضوء،، کہہ کر مذکورہ اثر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس پر حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وقد رواه عبد الرزاق من طريق أبي هريرة وسعيد بن جبیر واخرجه ابن ابی شیبہ من طريق ابن عمرو وسعيد بن المسيب واخرجه اسماعيل القاضي من اهل المدينة وهو قول مالك والشافعي -

امام عبد الرزاق نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے اور قاضی اسماعیل نے فقہاء مدینہ سے روایت کی ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی موقف ہے امام شافعی اور مالک کا۔
(فتح الباری ص ۲۳۶ ج ۱)۔

تعامل خیر القرون:

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ما زال المسلمون يصلون في جراحاتهم“ یعنی مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔ (بخاری ص ۲۹ ج ۱)۔ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ جہاد کرتے ہوئے جب زخمی ہو جاتے تو اسی حالت میں نماز پڑھ لیا کرتے اور زخموں سے بہنے والے خون کو ناقض وضو خیال نہ کرتے تھے۔

فصل دوم

دلیل اول: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه فني او رعا ف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضأ ثم ليين على صلاته وهو في ذلك لا يتكلم
(ابن ماجہ ص ۸۷)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے دوران نماز الٹی ہو جائے یا نکسیر بہہ پڑے یا منہ بھر کے قے ہو جائے یا مذی نکل آئے تو اسے چاہئے کہ جا کر وضو کرے اور نماز پر بنا کرے بشرط کہ اس دوران کوئی کسی سے بات چیت نہ کی ہو۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکسیر بہنے کی صورت میں وضو کرنے کا حکم دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ نکسیر بہتی ہے تو خون ہی نکلتا ہے۔ (حدیث اوز اہل حدیث ص ۱۸۸، ۱۸۹)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ہے جو ابن جریج حجازی سے روایت بیان کر رہا ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام بخاری، ابو داؤد، امام ابو حاتم، امام ابن معین، امام ابن ابی شیبہ، امام عقیل، امام ترمذی وغیر ہم آئمہ جرح و تعدیل فرماتے ہیں کہ اس کی صرف شامی راویوں سے روایات صحیح ہیں حجازی راویوں سے ضعیف ہیں۔

(تہذیب ص ۳۲۳ ج ۱ و ترمذی تحفہ ص ۱۲۳ ج ۱ و بیہقی ۱۳۲)۔
علامہ زیلعی فرماتے ہیں۔

”اسماعیل بن عیاش: ممن یکتب حدیثہ ویحتج بہ فی حدیث الشامین فقط واما حدیثہ عن الحجازین فلا یخلو من ضعف“

یعنی اسماعیل کی صرف ان ہی روایات کو لکھا جائے اور احتجاج کیا جائے جو وہ شامی راویوں سے بیان کرے جبکہ حجازی علماء سے اس کی روایات ضعف سے خالی نہیں۔ (نصب الریہ ص ۳۸ ج ۱) یہی بات ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (درایہ ص ۳۱ ج ۱ میں اور علامہ حلبی نے (مستملی ص ۱۲۸) میں کہی ہے۔
دوسرا راوی اس میں ابن جریج ہے۔ جو زبردست مدلس ہے۔ (تقریب ص ۲۱۹) اور زریج بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ ثانیاً: اس روایت سے حنفیہ کا استدلال باطل اور کمزور ہے، تفصیل، تحفہ حنفیہ ص ۱۸۰ ج ۱ میں ملاحظہ کریں۔

دوسری دلیل: عن عائشة رضی اللہ عنہا انها قالت قالت فاطمة بنت ابی حبیش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا اطهر افتادع الصلوة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ذلك عرق وليس بالحیضة فاذا اقبلک الحیضة فاترکی الصلوة فاذا ذهب قدرها فاغسل عنک الدم وصلی۔
(بخاری ص ۳۲ ج ۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا میں نماز پڑھنی چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رگ سے نکلنے والا خون ہے، حیض نہیں ہے۔ اس لئے جب حیض کے دن آئیں تو نماز چھوڑ دے اور جب اندازہ کے مطابق وہ ایام گزر جائیں تو خون کو دھولے اور نماز پڑھ لے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ: دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو خون استحاضہ آنے کی صورت میں نماز کے لئے وضو کا حکم دیا ہے۔ تو پھر ہر وہ خون جو بدن کے کسی حصہ سے بھی نکل کر بہہ پڑے وہ بھی ناقض وضو ہوگا۔

(حدیث اور اہل حدیث ۱۸۸، ۱۸۹)۔

الجواب: اولاً زخم کے اندر خون رہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۲۶ ج ۱)۔

جب کہ استحاضہ کا خون فرج کے اندر بھی ہوتی ہے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ثانیاً: آپ نے استحاضہ کے خون پر باقی جسم کے خون کو قیاس کیا ہے۔ آخر آپ نے استحاضہ کے خون کو حیض کے خون پر قیاس کر کے غسل کے وجوب کا دعویٰ کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ استحاضہ اور حیض کا خون ایک ہی جگہ قبل سے نکلتا ہے۔

ثالثاً: سبیلین سے خون نکلنے پر ہمارے نزدیک بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تفصیل دین الحق ص ۱۱۲ ج ۱ میں عرض کر دی گئی ہے۔

تیسری دلیل: عن زید بن ثابت قال قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من کل دم سائل۔ (کامل ابن عدی ص ۱۹۳ ج ۱)۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہنے والے خون (کے نکلنے سے) وضو لازم ہو جاتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۸)۔

الجواب: اس کی سند میں احمد بن فرج حمصی راوی ہے اس اس کے ہم وطن امام محمد بن عوف حمصی نے سخت ضعیف اور کذاب کہا ہے، اور فرماتے ہیں کہ بقیہ کی جو روایات اس کے پاس ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے، (یہ روایت بھی بقیہ سے ہی نقل کر رہا ہے)۔ اور یہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ کذاب شخص ہے۔ شراب پیتا تھا۔ (تاریخ بغداد ص ۳۴۱ ج ۴)۔ (الضعیفہ ۴۷۰)۔
الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

چوتھی دلیل: عن عمر بن عبد العزیز قال قال تمیم الداری قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من کل دم سائل۔

(دارقطنی ص ۱۵۷ ج ۱)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ حضرت تیمم داری نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بہنے والے خون (کے نکلنے) سے وضو لازم آتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۹)۔

الجواب: امام دارقطنی نے آگے ہی لکھا ہے۔

”عمر بن عبد العزیز لم یسمع من تمیم الداری ولا راہ ویزید بن خالد ویزید بن محمد

مجہولان“

یعنی عمر بن عبد العزیز کا سیدنا تیمم داری سے سماع اور ملاقات نہیں ہے۔ اور سند میں دو راوی یزید بن خالد اور یزید بن محمد مجہول ہیں۔ (دارقطنی ص ۱۰۷ ج ۱ و نصب الراہ ص ۳۷ ج ۱ و مشکوٰۃ ص ۴۲) علامہ البانی فرماتے ہیں۔ اس سند میں ایک تیسری علت بقیہ بن ولید کی تدلیس ہے۔ (الضعیفہ ۳۷۱)۔

الغرض یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے۔ سند منقطع ہے، درمیان میں دو راوی مجہول ہیں، اور بقیہ مدلس ہے۔ تحدیث کی صراحت نہیں۔

علامہ حلبی نے۔ (مستملی ص ۱۲۷) میں ابن ہمام نے (فتح القدیر ص ۵۳ ج ۱) میں اس روایت کو

ضعیف قرار دیا ہے۔

پانچویں دلیل: عن معمر عن ایوب عن ابن سیرین فی الرجل یبصق دما قال اذا کان

الغالب علیہ الدم توضاً۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۱۳۷ ج ۱)۔

حضرت ابن سیرین نے اس شخص کے متعلق جسے خون آلود تھوک آتا ہے فرمایا: کہ جب تھوک

غالب ہو تو وضو کرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۹)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں ایوب، راوی کی تعیین کی جائے۔ ثانیاً: مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے

کہ مختلف فیہ مسائل میں اقوال علماء حجت نہیں ہوتے۔ امام ابن سیرین بلاشبہ ہمارے اسلاف میں سے

ہیں تابعیت کا شرف بھی حاصل ہے مگر اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف فیہ ہے مؤلف

حدیث اور اہل حدیث۔ ہمارے پیش کردہ آثار صحابہ اور اقوال تابعین کا جو جواب دے گا وہی جواب

اس کا ہے۔

(۱۱) باب چند نئی دریافتیں

دین اسلام کامل و اکمل ہے اس میں عبادات کا پورا پورا طریقہ بیان کر دیا گیا ہے اس میں اپنی طرف سے لاحقہ و اضافہ بدعت اور گمراہی ہے۔ قارئین کرام یہاں ایک بار دین الحق حصہ دوم میں بدعت کے متعلقہ مباحث کا مطالعہ کر لیں۔ مذکورہ عنوان ہمارے فاضل معاصر مولانا انوار خورشید نے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۳) میں قائم کیا ہے (فرق صرف یہ ہے کہ ہم نے واحد کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے)۔

اس میں فرماتے ہیں کیا کپڑے کے ٹخنوں سے نیچا ہو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ اس کا نہ کسی حدیث میں تذکرہ ہے نہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مسلک ہے۔ ہاں غیر مقلدین نے اسے نواقض وضوء میں شمار کیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو جائے تو از سر نو وضو کرنا چاہیے۔ چنانچہ پولس قریشی صاحب رقمطراز ہیں۔ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والوں کو از سر نو وضو کرنا چاہئے۔ (دستور اہل سنت ص ۷۸)، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۳)۔

مولانا صاحب نے اس مسئلہ سے انکار اس لئے کیا ہے کہ اس پر کوئی حدیث موجود نہیں ظاہر ہے کہ مولانا صاحب کا انکار محض ضد اور تقلیدی تعصب ہے۔ کیونکہ اس پر ایک روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو اس حالت میں نماز پڑھتے دیکھا کہ اس کا کپڑا ٹخنوں سے نیچے تھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے حکم دیا کہ ”اذھب فتوضاء“ جا اور وضو کر۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۶۳۸ باب الاسبال فی الصلوٰۃ)۔

اس کی سند میں ابو جعفر راوی مجہول ہے جیسا کہ علامہ منذری نے (مختصر سنن ابی داؤد ص ۳۲۴ ج ۱) میں علامہ شوکانی نے، (نیل الاوطار ص ۱۱۸ ج ۳) میں اور علامہ البانی نے (تحقیق مشکوٰۃ ص ۲۳۸ ج ۱) میں صراحت کی اس حدیث کا حوالہ مولانا پولس قریشی نے بھی دستور اہل سنت میں دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا معاصر اس مسئلہ کا انکار کرتا ہے۔ ان کے انکار کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف روایات سے کوئی مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہوتا۔ قریشی صاحب کے موقف کو وہ نئی دریافت کا نام دیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ احادیث صحیحہ سے یہ مذہب ثابت نہیں۔ گو ضعیف روایت ہے۔ مگر اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ یہی ہم قے اور قہقہہ وغیرہ کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ یہ نئی دریافتیں ہیں کیونکہ اولہ شرعیہ سے ان کا ثبوت نہیں ملتا، غور کیجئے یہ بات مولانا کے دل کی پسند ہے اب دیکھئے اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

آخر میں ہم اس بات کی بھی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ مولانا پولس قریشی

صاحب نے یہ دعویٰ قطعاً نہیں کیا کہ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، صرف انہوں نے یہ کہا ہے کہ ارسر نو وضو کرنا چاہئے، اور حدیث میں بھی فقط اس قدر ہی ہے، مگر وضو کرنا، ٹوٹنے کو مستلزم نہیں، یہ محترم کی بھول ہے، گو یہ حدیث راقم کی تحقیق کے مطابق ضعیف ہے، لیکن بعض علمائے اہل حدیث کے نزدیک یہ روایت حسن درجہ کی ہے، ممکن ہے کہ مولانا قریشی بھی اسے حسن جانتے ہوں، ان سے بھی قبل امام نووی نے تو اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۲۶)۔

اور اکابر علماء دیوبند نے بھی اس حدیث کے پیش نظر وضو لوٹانے کا حکم دیا ہے، بعض نے تو نماز بھی لوٹانے کا کہا ہے۔

مفتی عزیز الرحمن فرماتے ہیں، نماز میں ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، ثواب سے محروم رہے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۲۷ ج ۴)۔

انوار صاحب کے فقیہ العصر اور مفتی اعظم مولوی رشید احمد لدھیانوی فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں ٹخنے ڈھانکنا ناجائز اور گناہ ہے حدیث میں اس پر جہنم کی وعید آئی ہے، نماز کے اندر گناہ کا ارتکاب اور بھی زیادہ برا ہے، نماز میں ٹخنے ڈھانکنے سے اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر متکبرین کا شعار ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور واجب الاعدادہ ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۴۰۴ ج ۳)۔

مفتی ابراہیم حنفی دیوبندی صادق آبادی فرماتے ہیں

بہت سے نمازیوں کے پاجامے لنگیاں ٹخنوں سے نیچے رہیں، ٹخنے ڈھانکنے پر حدیث میں عذاب جہنم کی وعید آئی ہے، (بخاری) ٹخنوں کو کھلا رکھنا یوں تو ہر حال میں واجب ہے، مگر نماز میں اس کا خاص اہتمام ضروری ہے ورنہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ایک صحابی وضو کر کے نماز کے لئے ایسی حالت میں آئے کہ ان کے ٹخنے ڈھکے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے زجر انہیں مسجد سے واپس فرما کر وضو کا اعدادہ کرایا۔ (چار سو اہم مسائل ص ۵۰)۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتی محمد انور صاحب فرماتے ہیں کہ چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے کر کے نماز پڑھی تو اس کا اعدادہ کیا جائے (اس کی دلیل دیتے ہوئے مفتی صاحب نے مشکوٰۃ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نقل کی ہے)۔

(خیر الفتاویٰ ص ۶۵ ج ۲)۔

ان عبارات علمائے دیوبند پر غور کریں، مولانا قریشی کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے مگر انوار صاحب اسے نئی دریافت قرار دیتے ہیں، محترم یہ نئی دریافت نہیں صرف آپ کے علم میں قصور ہے۔

(۱۲) باب تے اور نکسیر سے وضو ٹوٹنے کے دلائل کی حقیقت

دلیل اول: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصابہ فنی او رعاہ او قلس او

مذی فلینصرف فلیتوضاء۔

الحديث۔ (ابن ماجہ ص ۸۷)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے دوران نماز الٹی ہو جائے یا نکسیر بہہ جائے یا منہ بھر کر تے ہو جائے یا مذی نکل آئے تو اسے چاہیے کہ جا کر وضو کرے۔

مولانا محترم نے، سنن دارقطنی ص ۱۵۳ ج ۱، سے اس روایت کو نقل کر کے دوسری دلیل کا عنوان دیا

ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۹۱)۔

الجواب: اولاً یہ ایک ہی روایت ہے دو قطعاً نہیں جیسا کہ مؤلف باور کرانا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں سند کے لحاظ سے ضعیف بھی ہے تفصیل باب ۱۰ کی دوسری فصل میں گزر چکی ہے۔

ثانیاً: پھر اس کا معنی بھی غلط کیا ہے۔ تفصیل، تحفہ حنفیہ ص ۸۰ میں دیکھئے۔ الغرض یہ روایت ضعیف

ہونے کے علاوہ حنفیہ کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل: عن ابی الدرداء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاء فتوضاء فللقیت ثوبان فی مسجد

دمشق فذکرت ذلك له فقال صدق وانا صبیت له وضوءہ۔

(ترمذی ۲۵ ج ۱)۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو تے ہوئی تو آپ نے وضو فرمایا:

راوی کہتے ہیں کہ میں جامع مسجد دمشق میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے اس بات کا تذکرہ کیا انہوں نے فرمایا: ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سچ کہا اور میں نے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وضو کا

پانی ڈالا تھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۲)۔

الجواب: اولاً، اس حدیث سے حنفیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک صرف وہی

تے ناقض ہے جو منہ بھر کر آئے، ہدایہ میں ”والقسی مل الفم“ (ہدایہ مع فتح القدير ص ۳۴ ج ۱)۔

یعنی تے وہی ناقض وضو ہے جو منہ بھر کر آئے۔ یہی بات فقہ حنفی کی تمام متداول کتب میں موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے (البحر الرائق ص ۳۴ ج ۱)، وبدائع الصنائع ص ۲۶ ج ۱) وفتاویٰ عالمگیری ص ۱۱

ج ۱)، و (فتاویٰ قاضی خاں ص ۳۶ ج ۱)۔ وفتاویٰ شامی ص ۱۳۷ ج ۱)، و (مستملی ص ۱۲۹)، یہی دیوبندی

علماء کا فتویٰ ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر بھر منہ تے ہوئی تو وضو ٹوٹ گیا اور بھر منہ تے نہیں ہوئی تو وضو نہیں ٹوٹا۔ (بہشتی زیور ص ۳۷)

حصہ اول)۔ یہ مسئلہ تمام دیوبندی علماء میں مسلم ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ کے نزدیک صرف اسی تے سے وضو ٹوٹتا ہے جو منہ بھر کر آئے۔ ورنہ نہیں۔ جب کہ زیر بحث حدیث میں منہ بھر کر آنے کی صراحت نہیں۔

ثانیاً: حنفیہ کے نزدیک بلغمی تے اگر منہ بھر کر بھی آئے تو تب بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی ص ۱۳۷ ج ۱ وغیر میں صراحت ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر تے میں نرا بلغم ہو تو وضو نہیں گیا چاہئے جتنا ہو بھر منہ ہو جائے چاہئے نہ ہو۔ (بہشتی زیور ص ۴۷ ج ۱) حالانکہ مذکورہ حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ تے بلغمی نہ تھی۔

ثالثاً: حدیث کے الفاظ ”قاء فتو ضاء“ میں حرف ”ف“ سمیت کے لئے نہیں بلکہ مطلق تعقیب کے لئے ہے۔ یہ بات حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ کیونکہ قاء فتو ضاء کے الفاظ صرف ترمذی میں ہیں۔ باقی آئمہ حدیث نے ”قاء فافطر“ کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

(مسند احمد ص ۱۹۵ ج ۵)، ابو داؤد ص ۳۲۳ ج ۱، دارمی ص ۲۳ ج ۱، دارقطنی ص ۱۵۸ ج ۱)، وطحاوی ص ۴۰۲ ج ۱)، (مستدرک ص ۴۲۶ ج ۱)، بیہقی ص ۲۲۰ ج ۴)۔ خود امام ترمذی نے کتاب الصیام میں ”قاء فافطر“ کے الفاظ روایت کئے ہیں (ترمذی مع تحفہ ص ۴۲ ج ۲)۔ اگر حدیث میں ف کو سمیت کے لئے مانا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ تے روزہ کو توڑ دیتی ہے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک تے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ امام طحاوی ”قاء فافطر“ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولیس فی ہذین الحدیثین دلیل علی ان القنی کان مفطر الہ انما فیہ انہ قاء فافطر بعد ذلک۔

یعنی ان دونوں احادیث (ابو درداء رضی اللہ عنہ اور ثوبان رضی اللہ عنہ) میں اس چیز کی دلیل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تے کی وجہ سے روزہ افطار کیا بلکہ اس میں تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تے کی اور اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ (شرح معانی الاعراض ص ۴۰۵ ج ۱)۔

شیخ عبد الرحمن محدث مبارکپوری احناف کو ان کے مسئلہ قاعدہ کی روشنی میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”فکذلک یقال انہ لیس فی لفظ قاء فتو ضاء دلیل علی ان القنی کان ناقضاً للوضو انما فیہ قاء فتو ضاء بعد ذلک“

یعنی اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”قاء فتو ضاء“ میں اس چیز کی دلیل نہیں کہ تے وضو کو توڑ

دیتی ہے۔ کیونکہ اس میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قے کی اور اس کے بعد وضو کیا۔
(ابکار المنن ص ۶۵)۔

تیسری دلیل: اس دلیل کو مولانا صاحب نے، بیہقی ص ۶۵۹ ج ۱، اور مصنف عبد الرزاق ص ۳۳۹ ج ۲، سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ اور ان پر چوتھی اور پانچویں دلیل کا عنوان دیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۲)۔

الجواب: اولاً خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا یہ مذہب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ جس کی بحوالہ ہم گزشتہ باب میں وضاحت کر چکے ہیں ان آثار میں وضو سے مراد دھونا ہے شرعی وضو مراد نہیں، دلیل اس کی سابقہ آثار ہیں۔

ثانیاً: محترم نے قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دو کتابوں سے نقل کر کے دو علیحدہ علیحدہ دلیلیں قرار دیا ہے۔ جو درست نہیں۔ علاوہ ازیں بیہقی کا حوالہ بھی درست نہیں صحیح حوالہ ۲۵۶ جلد دوم۔

ثالثاً: اگر مؤلف اس پر ہی بضد ہو کہ اس سے مراد وضو شرعی ہے لغوی نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان آثار کا تعلق بناء سے ہے۔ اور ان میں وضاحت موجود ہے کہ حدث (یعنی وضو ٹوٹنے) سے پہلے نماز سے علیحدہ ہو کر وضو کر لینا بھی جائز ہے۔ چنانچہ امام بیہقی ان آثار کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں۔

وفی کل هذا ان صح دلالة علی جواز الانصراف بالرز قبل خروج الحدث ثم البناء علی ماضی من الصلوة۔

یعنی اگر یہ آثار صحیح ہوں تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رز (پیٹ میں آواز پیدا ہونے سے وضو ٹوٹنے والی چیز) کے خارج ہونے سے پہلے ہی نماز سے علیحدہ ہو جائے پھر پڑھی ہوئی نماز پر بناء کرے۔ (بیہقی ص ۲۰۷ ج ۲)۔ امام بیہقی نے جو مفہوم بیان کیا ہے۔ ان پر مؤلف کی درج کردہ روایت عبد الرزاق سے بھی تائید ہوتی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں ”او ذرعة القسی“ یا جسے قے آنے کے قریب ہو (مصنف عبد الرزاق ص ۳۳۹ ج ۲)۔ حالانکہ یہ صورت احناف کے نزدیک جائز نہیں (الجوهر النقی ص ۲۰۶ ج ۲)۔ ”فما كان جوابكم فهو جوابنا“

(۱۳) باب نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹنے کے دلائل کی حقیقت

پہلی دلیل: عن ابی موسیٰ قال بینما النبی ﷺ یصلی اذ دخل رجل فتردی فی حفرة كانت فی المسجد وکان فی بصره ضرر فضحك كثير من القوم وهم فی الصلوة فامر رسول الله ﷺ ان یعید الوضوء وبعید الصلوة۔ (رواه الطبرانی فی الکبیر۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۶ ج ۱)۔

حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک صاحب آئے اور مسجد کے ایک گھرے میں گر گئے۔ ان صاحب کی آنکھ میں تکلیف تھی، بہت سے لوگ دوران نماز ہی ہنس پڑے، رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو وضو اور نماز دونوں کے لوٹانے کا حکم دیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۴)۔

الجواب: اولاً علامہ شبلی نے آگے ہی لکھا ہے، ”فیہ محمد بن عبد الملک الدیقی ولم أر من“ یعنی سند میں محمد بن عبد الملک دیقی راوی ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کس نے اس کا ترجمہ لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ۲۴۶ ج ۱) وفی نسخة لآخری ص ۲۵۱)۔ راقم عرض کرتا ہے اس کی سند میں دوسرا راوی محمد بن ابی نعیم الواسطی ہے۔ (نصب الریہ ص ۴۷ ج ۱ و آثار السنن ص ۴۲) اور یہ محمد بن موسیٰ واسطی ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے پچ محض کہا ہے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ اکذب الناس (تمام جھوٹے لوگوں سے زیادہ کاذب ہے) (میزان میں خبیث کا لفظ بھی ہے)۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ کوئی ثقہ راوی اس کا متابع نہیں ہوتا یہ اکیلا ہی روایت کرتا ہے۔

(تہذیب ص ۴۸۱ ج ۹ و میزان ص ۵۰ ج ۴)۔

دوسرا راوی اس کی سند میں ہشام بن حسان ہے۔ امام علی بن مدینی اور ابو حاتم نے صراحت کی ہے کہ یہ مدلس ہے (طبقات المدلسین ص ۴۷)۔ اور اس نے تحدیث کی صراحت نہیں۔

ثانیاً: یہ روایت دراصل مرسل ہے۔ مہدی بن میمون کے علاوہ، ہشام کے کسی شاگرد نے اسے متصل بیان نہیں کیا۔ علامہ نیوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ (آثار السنن ص ۴۲) مقدمہ میں وضاحت گزر چکی ہے کہ مرسل روایت ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔

دوسری دلیل: عن ابی العالیة (الریاحی) ان رجلاً اعمى تردى فی بئر والنبی ﷺ یصلی باصحابه فضحك بعض من کان یصلی مع النبی ﷺ فامر النبی ﷺ من ضحك منهم ان یعید الوضوء والصلوة۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۳۷۶ ج ۱) درست جلد دوم ہے۔ (ابو صہیب)۔
 حضرت ابو العالیہ الریاحی سے مروی ہے کہ ایک نابینا آدمی ایک کنوئیں میں گر پڑا۔ حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے۔ کچھ لوگ جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے ہنس
 پڑے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہنسنے والوں کو حکم دیا کہ وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائیں۔
 (حدیث اور اہل حدیث ۱۹۴)۔

الجواب: اولاً یہ روایت ابو العالیہ کی مرسل ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ابو العالیہ کی مرسل
 روایات ریاح (ہوا) ہیں امام حاکم علوم الحدیث میں صراحت کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہی ہنسنے والی
 روایت ہے۔ (درایہ ص ۳۷ ج ۱)۔

ثانیاً: اس کی سند میں دوسرا راوی قتادہ ہیں اور مدلس ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وهو مشہور بالتدلیس وصفہ بہ النسائی وغیرہ، یعنی قتادہ
 تدلیس میں مشہور ہیں جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۴۳)۔ علامہ زیلعی
 حنفی نے (نصب الزاہیہ ص ۱۰۰ ج ۳ و ص ۱۰۹ ج ۳) میں علامہ ماروینی حنفی نے، (الجوہر النقی ص ۴۹۸
 ج ۲، ص ۱۲۶ ج ۱ و ۲۳۷ ج ۲ و ص ۷ ج ۴ و ۲۰۹ ج ۱) میں قتادہ کو زبردست مدلس قرار دیا ہے۔ علامہ یوسف
 محمد بنوری فرماتے ہیں کہ ”لکن قتادۃ یرویہ عن انس بالعنعنۃ وهو مدلس“

لیکن قتادہ نے اسے معتعن روایت کیا ہے اور وہ مدلس ہے۔ (معارف السنن ص ۶۷ ج ۳)۔

جب کہ زیر بحث سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معتعن ہے جس کی وجہ سے یہ روایت مرسل
 ہونے کے علاوہ سنداً سخت ضعیف بھی ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن یحییٰ الذہلی نے صراحت کی ہے۔ (بیہقی
 ص ۱۴۸ ج ۱)۔

انوار خورشید کی عالمانہ بددیانتی

ان دونوں روایات سے ہمارے معاصر نے قہقہہ لگانے سے نماز کے باطل اور وضو کے ٹوٹ جانے
 پر استدلال کیا ہے۔ مگر مذکورہ دونوں روایات سے حنفیہ کا موقف ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک
 قہقہہ سے تو بلاشبہ نماز اور وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(شرح نقایہ ص ۱۲ ج ۲) و حلہی کبیر ص ۱۴۳ و شرح وقایہ ص ۷۲ ج ۱) و وہدایہ مع الفتح القدیر

ص ۴۶ ج ۱) و بدائع الصنائع ص ۳۲ ج ۱) و البحر الرائق ص ۴۲ ج ۲ وغیرہ)

مولوی عبد الحی لکھنوی مرحوم نے حنفیت کا اس پر اتفاق بتایا ہے (السعایہ ص ۴۲ ج ۱)۔ صوفی
 عبدالحمید سواتی حنفی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں۔ (حک) ہنسنے سے صرف نماز فاسد ہوتی ہے (نماز

مسنون ص ۲۸۶) جب کہ تہتہ اور ہننے میں فرق ہے۔ صاحب نقایہ فرماتے ہیں: قہقہہ وہی ماتکون مسموعۃ لہ ولجیرانہ سو آہ ظہرت اسنانہ اولا والضحک ما یکون مسموعالہ دون غیرہ وتبطل بہ الصلوۃ دون الوضوء والتبسم مالا یسمع اصلا وليس لمبطل لواحد مہنما۔

یعنی تہتہ کی تعریف یہ ہے کہ جو خود اپنے آپ کو اور ساتھ والوں کو سنائی دے۔ برابر ہے کہ دانت ظاہر ہوں یا نہ ہوں۔ اور ”ضحک“ وہ ہوتا ہے کہ جو خود اپنے آپ کو سنائی دے دوسرے کو سنائی نہ دے اس کے ساتھ نماز تو باطل ہو جاتی ہے لیکن وضو نہیں ٹوٹتا، اور تبسم وہ ہوتا ہے۔ جو کسی کو نہ سنائی دے اور اس سے نماز باطل ہوتی ہے نہ وضوء۔ (شرح نقایہ ص ۱۲ ج ۱، وکذافی حللی کبیر ص ۱۴۳)۔

جب کہ مذکورہ دونوں روایات میں ضحک کے الفاظ ہیں اور یہ حقیقت پر حجت ہیں کیونکہ ضحک (تبسم) سے ان کے نزدیک نماز اور وضو نہیں ٹوٹتا، مگر ہمارے مہربان اس سے اہل حدیث کا رد کر رہے ہیں۔

تہتہ کی دلیل: عن الحسن البصری عن النبی ﷺ انه قال بینما هو فی الصلوۃ اذا اقبل رجل اعمی من قبل القبلة یرید الصلوۃ والقوم فی الصلاة الفجر فوقع فی زبۃ فاستضحک بعض القوم حتی قہقہہ فلما فرغ رسول اللہ ﷺ قال من کان قہقہہ منکم فلیعد الوضوء والصلاة۔

(کتاب الآثار للامام ابی حنفیہ بروایت الامام محمد ص ۳۵)۔

حضرت حسن بصری حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا آدمی قبلہ کی جانب سے نماز کے ارادے سے آیا لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے۔ یہ نابینا ایک گڑھے میں گر گیا۔ کچھ لوگ ہنس پڑے حتیٰ کہ انہوں نے ٹھٹھہ لگایا۔ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے جس نے ٹھٹھہ مارا ہے وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۰)۔

الجواب: اولاً یہ روایت حسن بصری سے ہے۔ جو تابعی ہیں اصول حدیث کی رو سے یہ مرسل ہے۔ اور مرسل ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔ تفصیل مقدمہ میں عرض کر دی گئی ہے۔ ثانیاً: اس کی سند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو حافظہ کے لحاظ سے سنی الحفظ ہیں تفصیل فاتحہ خلف الامام کی بحث میں آ رہی ہے۔

ثالثاً: کتاب الآثار کا مؤلف امام محمد مجروح و تکلم فیہ ہے۔ تفصیل راقم کی تالیف تحفہ حنفیہ ص ۴۴۵ ج ۱ میں دیکھئے۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

رابعاً: اس روایت کے سات طرق ہیں جو تمام کے تمام معلول ہیں، دیکھئے العلل المتناہیہ ص ۳۶۹

ج ۱) لیکن چھ طرق میں قہقہہ کی بجائے (سُحْک) ہنسنے کے الفاظ ہیں، ان الفاظ سے حنفیہ کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔

ایک مزید دلیل: عن الحسن عن معبد رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه بينما هو في الصلاة اذا اقبل رجل اعمى يريد الصلاة فوقع في زبية فاستضحك بعض القوم حتى فقهه فلما انصرف النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال من كان منكم فقهه فليعد الوضوء والصلاة۔

(کتاب الآثار للامام ابو حنیفہ بروایت الامام ابی یوسف ص ۲۸)۔

حضرت معبد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے میں مشغول تھے کہ ایک نابینا آدمی نماز کے ارادہ سے آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا کچھ لوگ ہنس پڑے حتیٰ کہ انہوں نے قہقہہ لگایا، جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا ہے وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۶)۔

الجواب: اولاً یہ روایت بھی بوجہ امام ابو حنیفہ کے سنی الحفظ ہونے کے ضعیف ہے۔

ثانیاً: یہ روایت بھی مرسل ہے کیونکہ معبد صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔ معبد هذا لاصحبه له وهو اول من تكلم في القدر بالبصر۔ یعنی معبد صحابی نہیں اور یہ وہ شخص ہے جس نے بصرہ میں سب سے پہلے تقدیر کا انکار کیا تھا۔ (بیہقی ص ۱۴۶ ج ۱)۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں۔ ”ومعبد هذا لاصحبه له ويقال انه اول من تكلم في القدر من التابعين“ یعنی معبد صحابی نہیں اور کہا جاتا ہے کہ تابعین میں سے سب سے پہلے تقدیر کا انکار اس نے ہی کیا تھا۔

(سنن دارقطنی ص ۱۵۷ ج ۱)۔

امام ابن حبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”وليس له صحبة“ یعنی صحابی نہیں۔

(کتاب الثقات ص ۴۳۳ ج ۵)۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں، اہل بصرہ میں سے تابعی ہیں (بحوالہ تہذیب ص ۲۲۵ ج ۱۰)۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں، تقدیر کا انکار کرنے والوں کا سرکردہ تھا۔ مدینہ میں آیا اور لوگوں کے

عقائد کو فاسد کرنے لگا۔ (الجرح والتعديل ص ۲۸۰ ج ۸) و (تہذیب ص ۲۲۵ ج ۱۰)۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں لوگو! معبد سے بچو! کیونکہ یہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ امام عجل فرماتے ہیں تابعی ہے (تہذیب ص ۲۲۶ ج ۱۰)۔ بلاشبہ بحیثیت راوی صدوق ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے تقریب میں صراحت کی ہے۔ مگر یہ صحابی نہیں تابعی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت مرسل ہے۔ علامہ زبیلی حنفی نے (نصب الراية ص ۱۰۱ ج ۱) میں اس کو مرسل ہی قرار دیا ہے اور مرسل روایت

ضعیف روایات کی ایک قسم ہے۔

فقہاء احناف کی بے بسی:

شرعی اصول کا یہ تقاضہ ہے کہ جس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس سے ہر حالت میں اور مرد و عورت بالغ و نابالغ کا بھی ٹوٹ جانا چاہئے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک نماز کی حالت میں ہی قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ اور وہ بھی صرف بالغ مردوں کا، نابالغ اس سے مستثناء ہیں، پھر نماز بھی فرائض وغیرہ ہو نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت وغیرہ میں قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا (یہ مسئلہ ان کی تمام متداول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے) یہ چیز جہاں اصول شرع کے خلاف ہے وہاں عقل سلیم کے بھی منافی ہے۔ مگر ان بڑے بڑے فقہی دماغوں میں یہ چھوٹی سی بات کون ڈالے کہ جس چیز سے خارج نماز میں وضو نہیں ٹوٹتا اس سے نماز کے بیچ میں کیسے ٹوٹ جاتا ہے؟ پھر اس کی جو دلیل دی جاتی ہے اسے پڑھ کر ان کی حالت زار پر ترس بھی آتا ہے اور ہنسی بھی، آپ بھی پڑھ لیں۔

کہتے ہیں: حدیث میں جو واقعہ منقول ہے وہ خاص حالت نماز کا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماشاء اللہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصول یہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں دیکھیے۔ (الکلام المفید ص ۷۶ واحسن الکلام ص ۱۷۲ ج ۱)۔ جب کہ بعض روایات میں عموم ہے ”العلل المتناہیہ“ میں امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے طرق کو جمع کیا ہے، جس میں سے بعض میں عموم ہے۔ علاوہ ازیں اگر راوی یہ خبر دے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۴۸)۔

تو آپ اس کا یہ مفہوم بیان کریں کہ افغانستان کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرنا ناجائز ہے۔ یا راوی یہ خبر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن کے پانی سے استنجا کیا اور میں دوسرے برتن میں پانی لایا تو اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو کیا۔ (ابو داؤد راقم الحدیث ۵۰۵)، نسائی رقم الحدیث ۴۲)، وابن ماجہ رقم الحدیث ۳۰۸)۔ تو کیا آپ اس کا یہ مفہوم بیان کریں کہ جس برتن سے استنجا کیا جائے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ بالفرض راوی یہ خبر دے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے رنگ کے موزوں پر مسح کیا تھا۔ تو آپ اس کا یہ مفہوم بیان کریں کہ سفید موزوں پر مسح جائز نہیں۔ افسوس آپ حضرات ساری زندگی تفقہ تفقہ کا راگ آلاپتے ہیں اور اہل حدیث کو ظاہر پرست اور سفہاء کہتے نہیں تھکتے! لیکن یہاں ساری فقہت کو بھول جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ میں سے بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، دوبارہ وضو کرنے کا حکم محض زجر و توبیخ کی وجہ ہے۔

(البحر الرائق ص ۳۰ ج ۱)۔

(۱۴) باب شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

فصل اول

پہلی دلیل: سیدہ بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا روایت ہیں کہ

”انہا سمعت رسول اللہ ﷺ يقول اذا مس احدكم ذكره فليتوضأ“
میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔

(موطا امام مالك باب الوضوء من مس الفرج، مسند احمد ص ۴۰۶، ۴۰۷ ج ۶، سنن دامی كتاب الطهارة باب الوضوء من مس الذكر ص ۱۹۹ ج ۱، ۲۴۴، ۲۴۵، ابو داؤد كتاب الطهارة باب الوضوء من مس الذكر ح ۸۲، نسائی ح ۱۶۳، ۱۶۴ وابن ماجه كتاب الطهارة باب الوضوء من مس الذكر ح ۴۷۹، ابن حبان ح ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ابن خزيمة ح ۳۳، مستدرک حاکم ص ۱۳۸ ج ۱، دارقطنی ص ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸ ج ۱، بیہقی ص ۱۲۸ ج ۱)۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سلسلہ کی تمام روایات سے یہ زیادہ صحیح ہے۔ امام ترمذی، امام احمد، امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، امام حاکم، امام دارقطنی، امام یحییٰ بن معین، امام بیہقی علامہ ذہبی حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رضی اللہ عنہم نے صحیح کہا ہے۔

(التلخیص الحبير ص ۱۲۲ ج ۱)، (ارواء الغلیل ص ۱۵۰ ج ۱)، مسائل الامام احمد ص ۳۰۹)۔
حنفی علماء سے شوق نیوی نے (آثار السنن ص ۴۲ میں)، مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص ۳۰۵ ج ۱) میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے، (السعیایة ص ۲۶۷ ج ۱) میں، اور مولانا بخوری نے، معاف السنن ص ۲۹۵ ج ۱ میں، ابن ہمام اور ملا علی قاری نے (مرقاة ص ۳۴۱ ج ۱) میں، حدیث بسرہ رضی اللہ عنہا کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

دوسری دلیل: ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا روایت ہیں کہ

”سمعت رسول اللہ ﷺ يقول من مس فرجه فليتوضأ“
میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔
(ابن ماجه رقم الحدیث ۴۸۱، ابو یعلیٰ ص ۳۳۶ ج ۶، ۴۱۰۸، بیہقی ص ۱۳۰ ج ۱، طحاوی ص ۳۵ ج ۱)۔

امام ابو زرہ، امام حاکم، امام احمد نے صحیح کہا ہے۔ امام ابن السکن فرماتے ہیں:

لا اعلم به علة۔

(التلخیص الحبیر ص ۱۲۳ ج ۱، التمهید ص ۱۹۲ ج ۱)۔

علامہ البانی نے بھی صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل ۱۱۷)۔

تیسری دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

”قال رسول الله ﷺ اذا أفضى احدكم بيده الى فرجه، وليس بينهما ستر ولا حجاب فليتوضأ“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنا ہاتھ شرمگاہ کو پہنچائے اور (ہاتھ اور شرمگاہ) دونوں کے درمیان کوئی پردہ نہ ہو تو وہ وضو کرے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۱۱۵، بیہقی ص ۱۳۰، ۱۳۱ ج ۱)، مستدرک حاکم ص ۱۳۸

(ج ۱)، دارقطنی ص ۱۳۷ ج ۱، طبرانی صغیر ح ۱۱۰، طبرانی الاوسط ح ۸۸۲۹، ۲۲۶۳، ۸۹۰۳)۔

امام ابن حبان، امام حاکم، علامہ ذہبی نے صحیح اور ابن عبدالبر نے اس کی سند کو صالح کہا ہے۔

(التمهید ص ۱۹۰ ج ۱)۔

چوتھی دلیل: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

”قال رسول الله ﷺ اذا مس احدكم ذكره فعليه الوضوء“

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی شرم گاہ کو چھوئے تو اس پر وضو کرنا لازم ہے۔

ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب الوضوء من مس الذکر، الحدیث ۴۸۰)۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس کی سند صالح ہے۔ علامہ ضیاء کہتے ہیں لا اعلم باسناده باسا۔

(التمهید ص ۱۹۳ ج ۱)۷، والتلخیص ص ۱۲۴ ج ۱)۔

پانچویں دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

”قال رسول الله ﷺ من مس ذكره فليتوضأ وأیما امرأة مست فرجها فلتتوضأ“

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص اپنے آگے تناسل کو چھوئے وہ وضو کرے اور جو عورت اپنی

شرمگاہ کو ہاتھ لگائے وہ بھی وضو کرے۔

(مسند احمد ص ۲۲۳ ج ۲)، بیہقی ص ۱۳۲ ج ۱)، (دارقطنی ص ۱۳۷ ج ۱)۔

امام ترمذی نے کتاب ”العلل“ میں امام بخاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک

صحیح ہے۔ (بحوالہ التلخیص الحبیر ص ۱۲۴ ج ۱)۔

چھٹی دلیل: سیدنا زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں

”سمعت رسول الله ﷺ يقول من مس فرجه فليتوضأ“

میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا آپ علیہ التحیۃ والسلام فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔

(مسند احمد ص ۱۹۲ ج ۵)، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۳ ج ۱، طبرانی کبیر ص ۲۲۳ ج ۵ رقم الحدیث ۵۲۲۱، ۵۲۲۲)، مسند بزار بحوالہ مجمع الزوائد ص ۲۴۵ ج ۱)، (بیہقی فی الخلافات و اسحاق بن راہویہ فی مسندہ) التلخیص الحبیر ص ۱۲۲ ج ۱)۔

صحیحی فرماتے ہیں اس کے تمام راوی صحیح کے ہیں۔ صرف ابن اسحاق نہیں۔ اور وہ مدلس ہے لیکن یہاں اس نے سماع کی صراحت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

ساتویں دلیل: سیدنا ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

”سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من مس فرجہ فلیتوضأ“

میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔ (ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۸۲)۔

آٹھویں دلیل: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ

”ان النبی ﷺ قال من مس فرجہ فلیتوضأ“

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔

(مسند بزار و طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزوائد ص ۲۴۵ ج ۱)، دارقطنی ص ۱۳۶ ج ۱)۔

نویں دلیل: صدیقہ کائنات ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

”ان رسول اللہ ﷺ قال ویل الذین یمسون فروجہم ثم یصلون ولا یتوضون“

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی شرمگاہوں کو چھوتے اور

نماز کو بغیر وضو کئے پڑھتے ہیں۔ (دارقطنی ص ۱۴۷ ج ۱)۔

دسویں دلیل: تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ یہ حدیث سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے متدرک

حاکم میں، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سیدنا انس رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی

بن کعب رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے ابن مندہ میں، سیدہ اروی بنت انیس رضی اللہ عنہا سے بیہقی میں

آتی ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۱۲۶ ج ۱)، والسعیاء ص ۲۶۴ تا ۲۶۵ ج ۱)۔

اور سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر آگے مولانا انوار خورشید صاحب کی پہلی دلیل کے

جواب میں بحوالہ طبرانی کبیر آ رہا ہے۔

بلاشبہ ان احادیث میں سے بعض میں کلام ہے مگر شواہد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہیں۔

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) ام المؤمنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں -
 ”اذا مست المرأة فرجها توضأت“ یعنی جب عورت اپنی شرم گاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔
 (مستدرک حاکم ص ۱۳۸ ج ۱)، بیہقی ص ۱۳۱ ج ۱۔
 امام حاکم اور ذہبی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔

(۲) امام ابن ملیکہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:
 ”ان عمر بن الخطاب بينما هو يوم الناس اذا زلت يده على ذكره فاشار الى الناس ان امكثوا ثم خرج ثم رجع فاتم بهم ما بقي من الصلوة“
 یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اتفاقاً آپ کا ہاتھ اپنی شرم گاہ کو لگ گیا تو آپ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور جا کر وضو کیا پھر آ کر باقی ماندہ نماز کو لوگوں کے ساتھ (امامت میں) پورا کیا۔

(بیہقی ص ۱۳۱ ج ۱)، عبد الرزاق ص ۱۱۳ ج ۱ رقم الحدیث (۲۱۶)۔

(۳) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اذا مس احدكم ذكره فقد وجب عليه الوضوء“
 یعنی جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر (شرم گاہ) کو چھوئے اس پر وضو کرنا واجب ہے۔
 (موطا امام مالك باب الوضوء من مس الفرج)۔
 آپ کے بیٹے سالم کہتے ہیں۔

”رايت ابي عبد الله بن عمر يغتسل ثم يتوضأ فقلت له يا ابت اما يجزئك الغسل من الوضوء قال بلى ولكن احيانا امس ذكرى فاتوضأ“
 یعنی میں نے اپنے والد سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ غسل کرنے کے بعد وضو کرتے ہیں نے کہا کہ اے والد محترم کیا غسل وضو کو کفایت نہیں کرتا؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں، لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ غسل کرنے کے بعد میں اپنی شرم گاہ کو چھولیتا ہوں، تو وضو کرتا ہوں۔

(موطا امام مالك باب ايضاء)، بیہقی ص ۱۳۱ ج ۱)، عبد الرزاق ص ۱۱۵ ج ۱)۔

امام سالم اپنے والد سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے آپ نے آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد نماز پڑھی میں نے سوال کیا کہ ایسی نماز پڑھتے ہیں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے صبح کی نماز کے لئے وضو کیا اور ہاتھ

ذکر (شرمگاہ) کو لگ گیا اور مجھے یاد نہ رہا اور اسی حالت میں صبح کی نماز ادا کی۔ ”فتوحات وعدت لصلوتی“ اب میں نے دوبارہ وضو کر کے نماز کو لوٹایا ہے۔

(موطا امام مالک باب ایضا، (بیہقی ص ۱۳۱ ج ۱)

(۵،۴) فصل دوم میں پانچویں دلیل کے جواب میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اثر اور چھٹی

دلیل کے جواب میں سیدنا ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر آرہا ہے۔

(۶ تا ۱۲) امام حازمی اپنی کتاب ”النسخ والمنسوخ“ میں فرماتے ہیں کہ (مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے علاوہ) ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، زید بن خالد رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا شرمگاہ کو چھونے سے وضو کے واجب

ہونے کے قائل ہیں (بحوالہ غایۃ المقصود ص ۱۰۵ ج ۲)، امام ترمذی فرماتے ہیں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اور تابعین کا یہی مسلک ہے۔ امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا بھی یہی نظریہ ہے۔

(ترمذی مع تحفہ ص ۸۵ ج ۱)۔

تعامل امت مرحومہ:

امام ابن حزم رضی اللہ عنہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لینے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام عطاء بن ابی

رباع، امام عروہ، امام سعید بن مسیب، ابان بن عثمان، ابن جریج، امام اوزاعی، امام لیث، امام شافعی، امام

داؤد، امام احمد، امام اسحاق وغیرہ کا یہی مسلک ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (المحلی

بالاثر ص ۲۲۲ ج ۱) مسالۃ ۱۶۳)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کا اعتراف حقیقت:

مولانا نے اس مسئلہ پر السعایۃ میں تقریباً بارہ صفحات پر مشتمل طویل بحث کی ہے۔ چنانچہ فریقین

کے دلائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قلت هذا تحقیق حقیق بالقبول فانه بعد ادارة النظر من الجانبین يتحقق ان احادیث

النقض اکثر واقوی من احادیث الرخصة وان احادیث الرخصة متقدمة۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تحقیق (کہ طلق بن علی کی روایت منسوخ ہے) قبولیت کی حق دار ہے کیونکہ

جانبین کے دلائل دیکھنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ وضو ٹوٹ جانے کی احادیث نہ ٹوٹنے کی احادیث سے

تعداد میں زیادہ اور قوی ہیں اور نہ ٹوٹنے کی احادیث پہلے کی ہیں۔ (السعایۃ ص ۲۶۷ ج ۱)۔

اس کے بعد انہوں نے علامہ طحاوی اور عینی کے رویے کی سخت تردید کرتے ہوئے ان کی متعصبانہ

روش پر تعجب کا اظہار کیا جو قابل ذکر ہے، اور آخر میں صاف صاف لکھا کہ۔

والحاصل ان کلمات القائلین بالنقض فی هذا الباب قوية و کلمات الطائفة الاخرى لا توازيها فی القبول نعم فی مسألة نقض لمس امرآة کلاما القائلین بعدم النقض قوی لشهادة حجة من الاخبار والاثار بذلك فاعلم ذلك ولقد اطنبنا الکلام فی هاتین المسالتین لیتحقق الحق ویبطل الباطل ولو کره الکارهون وباللہ اعتمدو علیه فلیتوکل المتوکلون۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس باب میں وضو ٹوٹ جانے والوں کی بات قوی ہے اور دوسری جماعت کی بات قبولیت میں ان کے برابر نہیں ہے۔ البتہ جو حضرات عورت کو چھونے سے وضو نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں اخبار و آثار کی بناء پر ان کا قول قوی ہے اسے خوب سمجھ لو کہ ہم نے ان دونوں مسئلوں پر تفصیلاً کلام اس لئے کیا ہے کہ تا کہ حق واضح اور باطل کا بطلان ظاہر ہو جائے، اگرچہ ناپسند کرنے والے اسے نہ پسند ہی جائیں، مجھے اللہ پر اعتماد ہے اور توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (السعیة ص ۲۶۸ ج ۱)۔

فصل دوم

دلیل اول: عن طلق بن علی قال قال رجل مسست ذکری او قال الرجل یمس ذکره فی الصلوة اعليه الوضوء؟ فقال النبی ﷺ لا انها هو بضعة منك اخرجہ الخمسة و صححه ابن حبان وقال ابن المدینی هو احسن من حدیث بسرة۔

(بلوغ المرام مترجم ص ۶۳)۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے (رسول اللہ ﷺ) سے عرض کیا کہ میں اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگاؤں یا کہا کہ کوئی شخص بھی ایسا کرے تو کیا اسے وضو کرنا پڑے گا؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نہیں وہ تمہارے جسم کا حصہ ہے۔ امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے اور امام ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور ابن مدینی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حضرت بسره کی حدیث سے زیادہ بہتر ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۹۷)۔

الجواب: اولاً: یہ حدیث سستی کی حالت پر محمول ہے اور آپ ﷺ کے فرمان

”انما هو بضعة منك“

(وہ تیرے جسم کا ٹکڑا ہے) میں لطیف اشارہ ہے کہ سستی کی حالت میں وضو نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ اسی حالت کو ہی بدن کے دوسرے عضو سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کے برعکس اگر شہوت کی حالت میں ہاتھ لگ جائے تو اسے جسم کے دوسرے اجزا سے مشابہت نہیں کیونکہ بدن کے دوسرے اجزا میں شہوت نہیں آتی۔ یہ ایسی بین حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ لہذا یہ حنفیہ کی قطعاً دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ان

کے نزدیک دونوں صورتوں (شہوت اور بغیر شہوت کے) میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جمع و تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ شرمگاہ پر جب ہاتھ لگے اور اس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ ہو تو تب وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جب کپڑا وغیرہ ہو تو تب وضو نہیں ٹوٹتا سابقہ فصل کی تیسری حدیث اس تطبیق پر دلالت کرتی ہے۔

ثانیاً: اگر اس جمع و تطبیق کو تسلیم نہ کیا جائے تب بھی ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ سیدنا طلق رضی اللہ عنہ کی روایت میں منسوخ ہونے کا احتمال ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے کی ہے۔ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعد کی ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک دو متعارض احادیث میں سے جو پہلے کی ہوگی وہ منسوخ ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۷) لہذا حنفیہ کے اصول کے مطابق حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ منسوخ ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

خبر طلق بن علی الذی ذکرنا خبر منسوخ لان طلق بن علی کان قدمہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول سنة من سنی الهجرة حیث کان المسلمون یبنون مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة وقد روی ابو هريرة رضی اللہ عنہ ایجابہ الوضو من مس الذکر علی حسب ما ذکرناہ قبل و ابو هريرة اسلم سنة سبع من الهجرة فدل ذالک علی ان خبر ابی هريرة کان بعد خبر طلق بن علی بسبع سنین۔

یعنی سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت منسوخ ہے کیونکہ سیدنا طلق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کے پہلے سال کے اوائل میں آئے جب مسلمان مسجد نبوی کی تعمیر کر رہے تھے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث وجوب وضو کی (بعد کی ہے)۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سات ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔ تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سیدنا طلق رضی اللہ عنہ کی روایت کے سات سال بعد کی ہے۔

(صحیح ابن حبان زیر رقم الحدیث ۱۱۱۹)۔

اس کے بعد امام ابن حبان صحیح سند کے ساتھ سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ لکھا ہے۔ وہ ہجرت کے پہلے سال کے ابتدا میں ہوا تھا، اور اسی موقع پر ہی انہوں نے مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹنے کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ جیسا کہ (سنن نسائی رقم الحدیث ۱۶۵ باب ترک الوضوء من ذلک) سے ثابت ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں

احتمال ان یكون طلقا سمع هذا الحدیث بعد اسلام ابی هريرة مردود بروایة النسائی فانها صریحة فی ان سماعہ هذا الحدیث کان فی یوم قدمہ۔

یعنی یہ احتمال کہ سیدنا طلق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، مردود ہے روایت نسائی کی وجہ سے کیونکہ وہ اس بات پر صریح ہے کہ طلق بن علی

رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مدینہ آنے کے روز سنی تھی۔ (السعیة ص ۲۶۰ ج ۱)۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے کہ

”والانصاف فی هذا البحث انه ان اختیر طریق النسخ فالظاهر انتساح حدیث طلق لا العکس“۔

اس بحث میں انصاف یہ ہے کہ اگر نسخ کا طریقہ اختیار کیا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ حدیث طلق منسوخ ہے نہ کہ اس کے برعکس (التعلیق المجدد ص ۵۵)۔

ثالثاً: حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ مضطرب ہے۔ امام طبرانی نے طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ سے روایت کی ہے۔

”ان النبی ﷺ قال من مس ذکرہ فلیتوضأ“

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے ذکر کو مس کیا وہ وضو کرے۔

(طبرانی کبیر ص ۳۳۴ ج ۸ رقم الحدیث ۸۲۵۲)۔ سند ضعیف ہے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث طلق مضطرب ہے۔ (درایة ص ۴۲ ج ۱)۔

رابعاً: اس کی سند میں جرح بھی ہے۔ حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ چار اسناد سے مروی ہے، اور ان کا مدار قیس بن طلق پر ہے قیس صدوق قسم کا راوی ہے جیسا کہ (تقریب میں ص ۲۸۳) میں ہے اور ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی روایات سے حجت پکڑی جائے۔ (تہذیب ص ۳۹۹ ج ۸)۔

امام شافعی امام ابو حاتم امام ابو زرعدار قطنی امام بیہقی اور ابن جوزی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۱۲۵ ج ۱)۔

دوسری دلیل: عن سلام الطویل عن اسماعیل بن رافع عن حکیم بن سلمة عن رجل من بنی حنیفة یقال له جرى ان رجلا اتی رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ انی ربما اکون فی الصلوة فتقع یدی علی فرجی فقال امض فی صلاتک۔

(رواہ ابن مندہ فی معرفة الصحابة (بحوالہ اعلاء السنن ص ۱۱۶ ج ۱)۔

حکیم بن سلمہ بنو حنیفہ کے ایک شخص سے جسے جری کہا جاتا ہے، روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بسا اوقات میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں اور میرا ہاتھ شرمگاہ پر پڑ جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز جاری رکھا کرو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۸)۔

الجواب: اس کی سند میں سلام الطویل، راوی ضعیف و متروک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسے

محدثین نے ترک کر دیا تھا۔ امام یحییٰ فرماتے ہیں بیچ محض ہے، امام احمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔

امام نسائی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے (میزان ص ۱۷۵ ج ۱)۔

دوسرا راوی اسماعیل بن رافع ہے۔ امام احمد اور یحییٰ کے علاوہ ایک جماعت محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے، ابن عدی فرماتے ہیں اس کی تمام مرویات میں کلام ہے (میزان ۲۲۷ ج ۱)۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے (الاصابة ص ۲۳۴ ج ۱ زیر رقم الترجمہ ۱۱۳۹) میں اور مولوی عبدالحی لکھنوی حنفی نے، (السعیة ص ۲۵۸ ج ۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تیسری دلیل: عن ارقم بن شرجیل قال حککت جسدی وانا فی الصلوة فافضیت الی ذکری فقلت لعبد اللہ بن مسعود فقال لی اقطعہ وهو یضحک این؟ حزله منک انما هو بضعة منک۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجاله موثقون، مجمع الزوائد ص ۲۳۳ ج ۱)۔

حضرت ارقم بن شرجیل فرماتے ہیں دوران نماز میں نے اپنا بدن کھجایا تو (ہاتھ) شرمگاہ تک پہنچ گیا، میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ نے ہنستے ہوئے فرمایا اسے کاٹ دو، اسے اپنے سے جدا کر کے کہاں لے جاؤ گے؟ یہ تمہارے بدن کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۱۹۸)۔

الجواب: اولاً یہ دلیل اور بعد کی تمام دلیلیں مولانا صاحب نے اقوال صحابہ سے دیں ہیں، حالانکہ اس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال سرے سے حجت ہی نہیں کیونکہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا۔ اور جن مسائل میں صحابہ کا اختلاف ہو وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے۔ تفصیل مقدمہ میں عرض کر دی گئی ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابواسحاق راوی ہے۔ (طبرانی کبیر ص ۲۴۴۷ ج ۹ رقم الحدیث ۹۲۱۴)۔ اور ابواسحاق راوی مدلس ہے۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مشہور بالتدلیس..... ووصفه النسائی وغیره بذلك،

یعنی تدلیس میں مشہور ہیں جیسا کہ امام نسائی وغیرہ نے صراحت کی ہے۔

(طبقات المدلسین ص ۴۲)۔

امام ابن حبان، امام کراہی، امام طبری اور امام شعبہ نے مدلس قرار دیا ہے۔ (تہذیب ص ۶۶ ج ۸)۔

جبکہ زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے۔

ابواسحاق سے سفیان ثوری روایت کرتے ہیں اور ثوری مدلس ہیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں مدلس

عن الضعفاء، یعنی ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں (میزان ص ۱۶۹ ج ۱) اور امام سفیان ثوری نے بھی سماع کی صراحت نہیں کی۔ اگر کہا جائے کہ سفیان کا اسرائیل متابع موجود ہے۔ تو راقم عرض کرتا ہے کہ ابواسحاق مخط بھی ہے، اور اسرائیل کی روایات ابواسحاق سے اختلاط کے بعد کی ہیں (نہایۃ الاغتیاط ص ۲۷۸)۔

الغرض اس روایت کی سند میں دو جگہ پر تدلیس کا شبہ ہے۔

رابعاً: اگر کہا جائے کہ طبرانی میں امام ثوری اور اسرائیل کا ایک تیسرا متابع، امام معمر بھی موجود ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ معمر کے آگے حرف ”و“ تصحیف ہے دراصل ”عن“ ہونا چاہئے، دلیل اس کی یہ ہے کہ امام طبرانی نے یہ روایت امام عبد الرزاق کے طریق سے نقل کی ہے۔ اور (مصنف عبد الرزاق ص ۱۱۸ ج ۱ رقم الحدیث ۴۳۰) میں سلسلہ سند یوں ہے۔ عبد الرزاق، عن معمر، عن الثوری واسرائیل، اور یہی درست ہے۔

چوتھی دلیل: عن الحسن ان خمسة من اصحاب محمد ﷺ علی بن ابی طالب و ابن مسعود و حذیفہ و عمران بن حصین و رجلا آخر، قال بعضهم ما ابالی مست ذکرى او ارنبتى وقال الآخر فخذى وقال الآخرى رکتبى۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد ص ۲۴۳ ج ۱)۔

حسن بصری سے مروی ہے کہ اصحاب محمد ﷺ میں سے ۵ صحابہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی کا (شرمگاہ کو ہاتھ لگ جانے کے متعلق مذاکرہ ہوا)، ایک نے کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ شرمگاہ کو چھوؤں یا ناک کو، دوسرے نے کہا کہ یا اپنی ران کو، اور تیسرے نے کہا کہ یا اپنے گھٹنے کو، (حدیث اور اہل حدیث ۱۹۹)۔

الجواب: اولاً ہیثمی نے آگے ہی لکھا ہے کہ ”ان الحسن مدلس ولم یصرح بالسماع“

یعنی اس کی سند میں حسن بصری مدلس ہیں اور انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی۔

ثانیاً: اس میں انقطاع ہے کیونکہ حسن بصری کا کسی بدری صحابی سے سماع ثابت نہیں (اور سیدنا علی مرتضیٰ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بدری ہیں) ایسا ہی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی سماع ثابت نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۳۱، ۳۸)۔ مستدرک حاکم ص ۵۶۷ ج ۴) میں ایک روایت الحسن عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی

فرماتے ہیں۔ مولوی صاحب کا اس حدیث سے استدلال باطل اور مردود ہے اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں الحسن بصری عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہے۔ امام ابو حاتم، یحییٰ بن سعید القطان، علی بن مدینی اور ابن معین وغیرہ نے تصریح کی ہے حسن کا حضرت عمران سے سماعت ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے! (تہذیب ص ۲۶۸ ج ۲)۔ اور حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن کثرت سے ارسال و تدلیس کرتے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں وہ مدلس ہیں جب وہ اس شخص سے روایت کریں جس سے ملاقات نہیں تو ان کی بات حجت نہیں۔ (تذکرہ ص ۷ ج ۱)۔ جب کہ اس کی سماعت ہی صحیح نہیں اور ارسال و تدلیس کا سنگین الزام بھی ان پر عائد کیا گیا ہے۔ تو اصول حدیث کی رو سے یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ (ازالة الريب ص ۲۳۷)۔ الغرض یہ روایت بوجہ تدلیس و انقطاع ضعیف ہے۔

یانچویں دلیل: عن قیس قال قال سال رجل سعدا عن مس الذکر فقال ان علمت ان منک بضعة نجسة فاقطها۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۴ ج ۱)۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے شرمگاہ کو چھونے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ اگر تم جانتے ہو کہ یہ تمہارے بدن کا ناپاک ٹکڑا ہے تو اسے کاٹ دو۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۹۹)۔

الجواب: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے وضو ٹوٹ جانے کی روایت بھی موجود ہے۔ آپ کے بیٹے مصعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”كنت امسك المصحف على سعد بن ابی وقاص فاحتكتك فقال سعد لعلك

مسست ذكرك قال قلت نعم قال قم فتوضاء ففقت فتوضات ثم رجعت“

میں قرآن کریم کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پڑھنے کے لئے اٹھائے رکھتا تھا، ایک روز میں کھجایا تو حضرت سعد نے فرمایا کہ شاید تو نے اپنے ذکر کو چھوا ہے میں نے کہا: ہاں! تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اٹھ کر وضو کر لو۔ میں کھڑا ہوا اور وضو کر کے لوٹا۔ (موطا امام مالک باب الوضوء من مس الفرج، بیہقی ص ۱۳۱ ج ۱، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۳ ج ۱) یہ اثر امام محمد نے بھی، موطا ص ۵۰ میں روایت کیا ہے، امام طحاوی کی روایت میں ”فامرني ان اتوضاء“ یعنی مجھے حکم دیا وضو کرنے کا، (شرح معانی الآثار ص ۵۸ ج ۱) کے الفاظ ہیں۔ لہذا اس کا جو حکم فرما رہا ہے۔

چھٹی دلیل: اخبرنا ابو العوام البصری قال سال رجل عطاء بن ابی رباح قال یا ابا محمد رجل مس فراجہ بعد توضاء قال رجل من القوم ان ابن عباس كان يقول ان كنت تستنجسه فاقطعه قال عطاء

بن ابی رباح هذا والله قول ابن عباس۔ (موطا امام محمد ص ۵۲)۔
ابو العوام بصری فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء بن ابی رباح سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اے ابا محمد ایک شخص نے وضو کرنے کے بعد اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگا لیا تھا۔ لوگوں میں سے ایک صاحب بولے کہ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو اسے ناپاک سمجھتا ہے تو کاٹ دے، حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا: بخدا یہ ابن عباس کا قول ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۰)۔

الجواب: اولاً اس اثر کو بیان کرنے میں امام محمد بن حسن شیبانی منفرد ہیں۔ اور ان پر سنگین قسم کی جرح موجود ہے حتیٰ کہ امام یحییٰ بن معین نے کذاب کہا ہے۔ (لسان المیزان ص ۱۲۲ ج ۵)۔ لہذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ اس کی دوسری سند ثابت کرے۔

ثانیاً: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے مخالف بھی روایت ہے۔ امام عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں۔ ”قال كان ابن عمرو ابن عباس يقولان في الرجل يمسه ذكره قال يتوضأ“ یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسے شخص کو وضو کرنے کا فرمایا کرتے تھے جو ذکر کو چھولے۔ (طلحاوی ص ۵۸ ج ۱ مبیہقی ص ۱۳۱ ج ۱)۔ (ومصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۴ ج ۱)۔

ساتویں دلیل: عن علی بن ابی طالب فی مس الذکر قال ما ابالی مسسته او طرف انفی۔

(موطا امام محمد ص ۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شرمگاہ کو چھونے کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اپنی شرمگاہ کو چھوؤں یا اپنی ناک کا کنارہ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۰)۔

الجواب: اولاً سند میں ابراہیم نخعی ہیں جو روایت کے لحاظ سے تو تابعی ہیں مگر روایت کے لحاظ سے تابعی نہیں، یعنی ابراہیم کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں لم یلق ابراہیم النخعی احد من اصحاب النبی ﷺ، یعنی ابراہیم نخعی کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں یہی امام علی بن مدینی کہتے ہیں۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۹) امام ابو زرہ کہتے ہیں ابراہیم کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔ (ایضاً ص ۱۰)۔

ثانیاً: سند میں امام ابو حنیفہ ہیں جو حافظہ کے لحاظ سے سنی الحفظ ہیں۔ الغرض یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ سنداً ضعیف بھی ہے۔

آٹھویں دلیل: عن البراء بن قیس قال سألت حذیفہ بن الیمان عن الرجل مس ذكره فقال انما هو كمشه رأسه۔ (موطا امام محمد ص ۵۵)۔

حضرت براء بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ بن یمان سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جس نے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا ہو تو آپ نے فرمایا ایسے ہی ہے جیسے سر کو ہاتھ لگانا۔

(حدیث اور اہل حدیث ۲۰۰)۔

الجواب: اس کی سند میں البراء بن قیس راوی ہے جس کا امام ابو حاتم نے (کتاب الجرح والتعديل ص ۳۹۹ ج ۱) قسم اول میں ذکر کیا ہے، لیکن کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، ہاں البتہ امام ابن حبان نے، کتاب الثقات ص ۷۷ ج ۴ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ابن حبان متساہل ہے وہ مجہول اور ضعیف راویوں کو ثقہ کہنے میں معروف ہیں۔

لہذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ براء کی بحوالہ ثقات ثابت کریں۔ ورنہ اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بوجہ جہالت براء ضعیف ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس کی دوسری سند بھی ہے۔ جیسا کہ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۶ ج ۱) میں ہے، تو خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس میں حصین ہے اس کی بحوالہ صراحت کی جائے کہ یہ کون ہے؟ اگر حصین بن عبد الرحمن کوئی ہے تو مجہول ہے ”کما فی تقریب“ لہذا مولانا عثمانی کا اس کی سند کو صحیح قرار دینا (اعلاء السنن ص ۱۹۴ ج ۱) درست نہیں۔

نوٹیں دلیل: ”عن عمیر بن سعد النخعی قال كنت فی مجلس فیہ عمار بن یاسر فذکر مس الذکر فقال انما هو بضعة منك وان لكفك موضعا غیره“ (موطا امام محمد ص ۵۵)۔
عمیر بن سعد نخعی فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی مجلس میں موجود تھا جس میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کا تذکرہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: وہ تیرے بدن کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔ البتہ تیری ہتھیلی کے لئے اس کے علاوہ بھی جگہ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۱)۔

الجواب: اولاً بلاشبہ یہ اثر سنداً صحیح ہے گو موطا امام محمد میں محمد بن حسن راوی مجروح ہے مگر (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۶ ج ۱) میں محمد بن فضیل اور امام وکیع اس کے ثقہ متابع ہیں۔ لیکن یہ حجت نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے اور جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف رائے ہو۔ وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے۔ (مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے)۔

ثانیاً: اس میں حنفیہ کی دلیل نہیں کیونکہ ”ان لكفك موضعا غیره“ میں کراہت کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی، موطا، کے حاشیہ بین السطور میں اس کا معنی کرتے ہیں۔ ”اولیٰ ان لا یمسه من غیر ضرورة“ یعنی بلا ضرورت چھوانہ جائے۔ (التعلیق المجد ص ۵۵)۔

اب ضرورت کا تو یہی مفہوم ہے کہ انسان کی کیفیت اضطراری ہو۔ اور مجبوری کی وجہ سے مس کرنا حنفیہ کا موقف نہیں ہے۔ الغرض حنفیہ کا دعویٰ عام اور اس کی دلیل خاص دی جا رہی ہے۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

یہ دلیل ایسے ہی ہے جیسے کوئی سوز کے گوشت کو مباح قرار دے، جب اس سے دلیل طلب کی جائے تو مضطر کی آیت تلاوت کر دے۔ کوئی دانا اس کو دلیل سے تعبیر نہیں کرے گا۔

ثالثاً: اس اثر اور احادیث مرفوعہ کے درمیان تعارض نہیں، کیونکہ یہ انتشار کی حالت پر محمول ہے ”ہو بضعة منك“، میں اسی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے۔

نویں دلیل: عن ابی الدرداء انه سئل عن مس الذکر فقال انما هو بضعة منك (موطا امام محمد ص ۵۸)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ تیرے بدن کا ہی حصہ ہے۔ حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۱۔

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے۔ کیونکہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے حبیب بن عبید ہیں۔ اور امام ابو حاتم رضی اللہ عنہ نے صراحت کی ہے کہ حبیب کی ابو درداء سے روایات مرسل ہیں۔ (کتاب المراسیل ص ۲۹)۔

ثانیاً: اگر کوئی حنفی کہے کہ موطا کے مطبوعہ نسخہ میں حبیب عن عبید ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تصحیف ہے معتمد نسخوں میں حبیب بن عبید بن ابی درداء ہے تفصیل کے لئے (التعلیق المجدد ص ۴۰۹، ۵۸) و ابکار المنن ص ۶۹) کا مطالعہ کریں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

حنفیہ کا تناقض:

حنفیہ کے نزدیک مباشرة الفاحشه (بالکل برہنا ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ لیٹنے) سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ ان کے اصول اور فقہ کے مطابق نہیں ٹوٹنا چاہئے کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ یہی امکان ہے کہ ایک دوسرے کے جسم کو شرمگاہیں لگ جائیں گی۔ اور جب شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو جسم کے باقی حصہ پر لگنے سے کیسے ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے سر، ہاتھ، ناک، وغیرہ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور انوار صاحب نے ایسے آثار نقل کیے ہیں جن کا مفہوم ہے کہ مرد کا آلہ تناسل اور ناک سر، گھٹنے، کا ایک ہی حکم ہے اگر ان کا ایک ہی حکم ہے، تو وجہ فرق بیان کریں کہ زید اور عمر کے سر ملنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو ذکر کے ملنے سے کیوں ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ چیز ہمارے معاصر کے دل میں بھی باعث اضطراب بنی تو اپنے دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی غرض سے علامہ وحید الزمان کا قول نقل کر دیا کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۳)۔ محترم کا اگر یہی مقصود ہے تو ہم کہتے ہیں کہ علامہ وحید الزمان کی یہ بات بلا دلیل اور مس ذکر والی احادیث کے خلاف ہے۔ اور اگر کیڑے نکالنے کی غرض سے لکھا ہے تو جواباً عرض ہے کہ یہی قول امام محمد کا ہے (شرح وقایہ ص ۷۲ ج ۱)۔ لہذا وحید الزمان سے پہلے محمد بن حسن شیبانی کی خبر لیں۔

(۱۵) باب اگر ناخن پالش لگی ہو تو کیا وضو ہو جاتا ہے

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، فتاویٰ اہل حدیث میں ہے کہ سوال: کیا عورت ناخن پالش ناخنوں پر لگا کر وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ناخن پالش لگا کر وضو کرنے سے وضو نہیں ہوتا۔

جواب: ناخن پالش مہندی کی قسم سے ہے مہندی کا رنگ بھی دو تین دفعہ لگانے سے گاڑھا ہو جاتا ہے جو بالاتفاق جائز ہے ایسا ہی ناخن پالش کو سمجھنا چاہئے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ص ۳۵۱)۔ کیا یہ فتویٰ صحیح ہے؟ امید ہے کہ آپ جواب سے محروم نہیں کریں گے۔ (سائل محمد داؤد ارشد)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون اللہ الوہاب وهو الملمہم للحق والصواب، حضرت مفتی علیہ الرحمہ نے ناخن پالش کو مہندی کے گاڑھے رنگ پر قیاس کرتے ہوئے نیل پالش والے ناخنوں پر وضو کو جائز قرار دیا ہے، گویا نیل پالش گاڑھے رنگ والی مہندی کے حکم میں ہے (صغریٰ) اور مہندی کے سخت گاڑھے رنگ کے باوجود وضو بالاتفاق جائز ہے (کبریٰ) لہذا ناخنوں پر نیل پالش کی موجودگی میں وضو جائز ہے (حد اوسط) مگر ان کا یہ قیاس درست معلوم نہیں ہوتا، ان کا یہ فرمانا کہ دو تین دفعہ مہندی لگانے سے اس کا رنگ گاڑھا ہو جاتا ہے، بالکل درست ہے مگر اس کے باوجود ناخنوں پر اس کی ایسی تہ نہیں بنتی جو ناخنوں کے تر ہونے اور دھلنے میں مانع ہو، جب کہ نیل پالش ناخنوں کو رنگین نہیں کرتی بلکہ اس کی تہ ہے جو ناخنوں تک پانی کو پہنچنے ہی نہیں دیتی، یعنی ناخنوں پر پانی بہانے کے باوجود وہ خشک اور ان دھلے ہی رہتے ہیں جب کہ قرآن و حدیث کی نصوص کے مطابق وضو کے اعضا کو مکمل اور پوری طرح دھونا فرض ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدہ ۶)۔

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو،۔۔۔ صحیح بخاری میں حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

((فلما جاء المزدلفة تنزل فتوضا فاسبغ الوضوء.....)) (باب اسباغ الوضوء)

رسول اللہ ﷺ جب عرفات سے مزدلفہ پہنچے تو آپ نے سواری سے اتر کر خوب اچھی طرح وضو

کیا پھر جماعت کھڑی کی گئی۔

قائِنُ الحافظ: الاسباغ فی اللغة الاتمام و منه درع ساغ۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۹۳۲)۔

سیدنا ابوہریرہ فرماتے ہیں لوگو!

اسفوا الوضوء فان أبا القاسم رضی اللہ عنہ قال ((وویل للاعقاب من النار)) (باب غسل الاعقاب) اچھی طرح وضو کرو کیونکہ سیدنا ابو القاسم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خشک اڑیوں کے لئے عذاب ہے۔۔

وكان ابن سيرين يغسل موضع الخاتم اذا توضأ، (فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۴)

امام محمد بن سیرین (تابعی) وضو کرتے وقت انگلیوں کے پیچھے کر کے انگلی دھویا کرتے تھے۔۔

اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ وضو کا کوئی عضو خشک نہ رہ جائے ورنہ وہی عضو قیامت کے دن عذاب

الہی میں مبتلا کیا جائے گا۔

چونکہ ہاتھ کی انگلیاں اور ان کے ناخن میں اعضاء وضو داخل ہیں لہذا ان تک پانی پہنچانا ضروری (فرض) ہے اور ناخن پاش مجسم ہونے کی وجہ سے پانی کو ناخنوں تک پہنچنے سے مانع ہے۔ لہذا جب تک ناخن پاش اتار کر اور کرید کر وضو نہیں کیا جائے گا وضو صحیح نہیں ہوگا۔ جب وضو صحیح نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔ اس کے لئے مزید چار تائیدی فتاویٰ بھی پیش خدمت ہیں۔

(۱) صاحب فقہ السنہ سید محمد سابق کا فتویٰ:

اشیخ السید محمد سابق فرماتے ہیں۔

وجود الحائل مثل الشمع علی أى عضو من اعضاء الوضوء يبطله ، وأما اللعون وحده

كالحضاب بالحناء مثلا فإنه لا يؤثر فى صحة الوضوء إنه لا يحول بين البشره وبين وصول

الماء إليها۔ (فقہ السنہ ج ۱ ص ۵۲)۔

اگر وضو کے کسی عضو پر ایسی چیز لگی ہو جو پانی اور عضو کے درمیان ہو تو یہ رکاوٹ وضو کو باطل

کردے گی مہندی وغیرہ کا رنگ تو وضو کی صحت پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالتا کیونکہ وہ پانی کو عضو تک پہنچنے

میں رکاوٹ نہیں بناتا، کیونکہ مہندی وغیرہ کا رنگ عرض ہے یعنی غیر مجسم)۔

(۲) اشیخ محمد بن صالح العثیمین کا فتویٰ:

اشیخ محمد بن صالح العثیمین عالم اسلام کے مشہور مفتی تھے، درج ذیل سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ تیل ایسی رکاوٹ ہے جو بوقت وضو پانی کو جسم تک پہنچنے

سے روک لیتا ہے یعنی تیل کی موجودگی میں وضو نہیں ہوتا، کیا ان علماء کا یہ کہنا درست ہے؟۔

جواب: اس سوال کا جواب دینے سے قبل میں یہ چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل ارشاد پیش کروں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدہ ۶)۔

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو،۔

ان اعضاء کو دھونے اور ان کے مسح کرنے کا حکم اس بات کو لازم کرتا ہے کہ ہر اس چیز کا ازالہ ضروری ہے جو پانی کو اعضا تک پہنچنے سے روکتی ہو، کیونکہ اس کے باقی رہنے کی صورت میں اعضاء وضو دھل نہیں سکیں گے، بنا بریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان جب اعضاء وضو پر تیل کا استعمال کرتا ہے تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں، یا تو تیل جامد (جمنا ہوا) ہوگا تو اس صورت میں وضو سے قبل اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے کیونکہ تیل اگر اپنی موٹائی کی صورت میں ہی رہے گا تو وہ جسم تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہوگا اور اس طرح طہارت نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تیل سیال ہے اور اس میں موٹائی نہیں ہے صرف اس کا اثر اعضا پر موجود ہے تو ایسا تیل غیر مضر ہے، ایسی صورت میں تمام اعضاء وضو پر پانی گرانا ضروری ہے کیونکہ عادت تیل پانی سے الگ رہتا ہے اس طرح بسا اوقات پانی اعضا تک نہیں پہنچتا۔

لہذا ہم سائل سے یہ کہنا چاہیں گے کہ اگر اعضاء وضو پر تیل وغیرہ جامد شکل میں ہو تو وضو سے قبل اس کا ازالہ ضروری ہے اور اگر تیل سیال شکل میں ہو تو صابن استعمال کئے بغیر وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں پس اعضا کو دھوتے وقت انہیں اچھی طرح مل لیا جائے تاکہ پانی پھسل کر نہ گزر جائے اور یوں اعضاء وضو خشک نہ رہ جائیں۔ (فتاویٰ برائے خواتین ص ۸۱، ۸۰ دار السلام لاہور)۔

(۳) فضیلتہ الشیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ:

الشیخ عبدالعزیز بن باز بین الاقوامی مفتی تھے آپ درج ذیل سوال کے جواب میں تصریح فرماتے ہیں:
سوال ناخن بڑھانے اور ناخن پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے میں ناخن پالش لگنے سے وضو کر لیتی ہوں اور چوبیس گھنٹے کے بعد اس کو اتار دیتی ہوں۔

جواب: ناخن بڑھانا خلاف سنت ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے

(الفطرة خمس الختان والا استحداد وقص الشارب ونطف الابط و قلم الاظفار) (رواہ

مسلم کتاب الطہارت باب ۱۶)۔

پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کروانا، زیر ناف بالوں کی صفائی، موچھیں ترشوانا، بغلیں صاف رکھنا اور ناخن تراشنا،۔

نیز اس لئے بھی کہ ناخن بڑھانا درندوں اور کفار کے ساتھ مشابہت ہے جہاں تک نیل پالش وغیرہ کا تعلق ہے تو وضو کے لئے اس کا اتارنا واجب ہے کیونکہ یہ ناخنوں تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔ (فتاویٰ برائے خواتین ص ۲۶۵، ۲۶۶)۔

(۴) حضرت الشیخ ابوالبرکات احمد البنارسی کا فتویٰ:

سوال: کیا عورت ناخنوں پر نیل پالش لگا کر وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ناخن پالش پر وضو نہیں ہوتا۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: ناخن پالش کا جسم ہے جس کی وجہ سے ناخن کو پانی نہیں پہنچتا لہذا جب تک ناخن پالش کو کرید کر نہ اتاریں وضو نہیں ہوتا اور جب تک وضو نہ ہو نماز نہیں ہوتی اس لئے ناخن پالش نہیں لگانی چاہئے۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۰)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ناخنوں پر پالش کی موجودگی میں وضو نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناخن پالش جو ہر یعنی جسم دار ہے۔ اس کے لگانے سے ناخنوں پر ایک تہ جم جاتی ہے جس کی وجہ سے ناخنوں تک پانی نہیں پہنچتا اور ناخن پالش کو مہندی کے رنگ پر قیاس کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ مہندی کا رنگ عرض یعنی غیر مجسم ہے، لہذا مجسم چیز کو غیر مجسم کے حکم پر قیاس کرنا قطعاً غلط ہے۔

هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب فی یوم الحساب۔
(محمد عبید اللہ خان عقیف)۔

صحیح الجواب، مبشر احمد ربانی۔ الجواب صحیح، محمد یحییٰ گوندوی۔
یہی بات صحیح ہے کہ ناخنوں پر پالش کی موجودگی میں پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے وضو نہیں ہوتا کیونکہ یہ فاغسلوا وجوہکم وایدیکم کے خلاف ہے۔ عبد السلام جامعۃ الدعوة الاسلامیہ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ مرید کے

مولانا عبید اللہ عقیف حفظہ اللہ تعالیٰ کا یہ فتویٰ تنظیم اہل حدیث اور پھر الاعتصام میں چھپ گیا تھا۔ راقم نے فون پر رابطہ کر کے بعض شیوخ اہل حدیث سے اس کی توثیق طلب کی تو جن سے رابطہ ہوا ان سب نے اس کی تائید کی۔ حسب ذیل نام قابل ذکر ہیں۔

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تعالیٰ، ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ھ۔

مفتی جماعت مولانا عبدالستار حماد حفظہ اللہ تعالیٰ، ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ھ۔

شارح سنن ابن ماجہ مولانا محمد علی جاناب حفظہ اللہ تعالیٰ، ۲۶ اپریل ۲۰۰۶ھ۔

(۱۶) باب قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنا

فصل اول

پہلی دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں اپنی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی چھت پر گیا تو

”فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ مستدبر القبلة مستقبل الشام“
میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کعبہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کر رہے تھے۔

(بخاری کتاب الوضوء باب التبرز فی البيوت، الحدیث ۱۱۳۸) و مسلم کتاب الطہارة باب الاستطابة، الحدیث ۶۱۱، ۶۱۲)۔

دوسری دلیل: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”نہی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلة بیول فرایتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلہا“
نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبلہ کی جانب منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع فرمایا: پھر میں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات کے ایک سال پہلے قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کرتے دیکھا۔

(ابو داؤد رقم الحدیث ۱۱۳)، (ترمذی رقم الحدیث ۱۰۰۹)، (وابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۵)، (مسند احمد ۳۶۰ ج ۳)، (دارقطنی ۵۷ ج ۱)، (ومستدرک حاکم ص ۱۵۵ ج ۱)، (ابن حبان رقم الحدیث ۱۳۱۷)، (ابن خزیمہ رقم الحدیث ۵۸)۔

امام بخاری، امام دارقطنی، امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، امام ابن سکن، امام حاکم، اور علامہ ذہبی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی اور علامہ نیوی حنفی دیوبندی رحمہم اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۱۰۴ ج ۱ و آثار السنن ص ۲۶) اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ (صحیح ترمذی ص ۹)۔

دونوں احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ ممانعت صحرا اور کھلی جگہ کے متعلق ہے۔ اگر پردہ وغیرہ ہو تو پھر جائز ہے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

عن مروان الاصفر قال رأیت ابن عمر اناخ راحلته مستقبل القبلة ثم جلس بیول الیہا فقلت یا ابا عبد الرحمن! لیس قد نہی عن هذا؟ قال بلی انما نہی عن ذلك فی الفضاء فاذا کان بینک و بین القبلة شئ یتسرك فلا باس۔

مروان اصفری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے

اونٹ بٹھایا اور پھر اس کی آڑ میں قبلہ رخ منہ کر کے پیشاب کیا۔ میں نے کہا اے ابو عبد الرحمن مکہ یا یہ منع نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں خالی میدان میں منع ہے لیکن جب تیرے اور قبلہ کے درمیان میں کوئی آڑ ہو تو تب کوئی قباحت نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلة عند قضاء الحاجة رقم الحدیث ۱۱- (صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث ۲۰)، (سنن دار قطنی ص ۵۸ ج ۱)، (مستدرک حاکم ص ۱۵۴ ج ۱)۔

امام ابن خزیمہ اور حاکم رضی اللہ عنہما نے صحیح کہا ہے، حازی اور علامہ نبوی حنفی نے حسن قرار دیا ہے۔ (کتاب الاعتبار ص ۲۶ و آثار السنن ص ۲۶)۔

مذہب فقہاء:

اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر ہمارے دور تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔ امت مرحومہ میں چیدہ چیدہ اور قابل ذکر آٹھ نظریات پائے جاتے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) استقبال و استدبار دونوں ہی ناجائز ہیں خواہ کھلی فضا میں ہو یا آبادی میں، یہ موقف سیدنا ابو ایوب انصاری، مجاہد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، ایک روایت میں امام احمد، امام ابو حنیفہ، علامہ ابن حزم، علامہ ابن قیم، متعدد اہل علم کے علاوہ اہل حدیث میں سے علامہ شوکانی مولانا عبد الرحمن مبارکپوری اور علامہ البانی کا ہے۔

(۲) استقبال و استدبار دونوں ہی جائز ہیں خواہ صحرا ہو یا آبادی، یہ مسلک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، امام مالک کے استاذ ربیعہ الرأی، اور داؤد ظاہری کا ہے۔

(۳) صحرا میں استقبال و استدبار دونوں ناجائز اور آبادی میں دونوں جائز، یہ مسلک سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا عبد اللہ بن عمر عامر شعی، امام مالک، امام شافعی اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

(۴) استقبال ناجائز اور استدبار بہر صورت جائز ہے۔ امام احمد اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے۔

(۵) استقبال بہر صورت ناجائز ہے اور استدبار آبادی میں جائز اور صحرا میں ناجائز ہے۔ یہ مسلک قاضی ابو یوسف کا ہے۔ امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔

(۶) استقبال و استدبار، کعبہ اور بیت المقدس، دونوں کا مطلقاً کر ناجائز ہے۔ امام ابن سیرین اور ابراہیم نخعی بھی ایک روایت میں اسی کے قائل ہیں۔

- (۷) استقبال و استدبار فقط اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے حافظ ابو عوانہ کا یہ قول ہے۔
 (۸) استقبال و استدبار مکروہ تہذیبی ہے۔ امام ابو حنیفہ شاہ ولی اللہ اور علامہ شوق نیوی کا یہ مذہب ہے۔

(بخاری ض ۱۹۸ ج ۱)، (عمدة القاری ص ۷۰۵ ج ۱)، (المحلی بالاثار ص ۱۸۹ ج ۱)، (مسألة ۱۳۶)،
 نیل الاوطار ص ۹۳ ج ۱)، (وغایة المقصود ص ۱۱۷ ج ۱)، (تحفة الاحوذی ص ۱۹ ج ۱)، درس
 ترمذی ص ۱۸۵ ج ۱)، (آثار السنن ص ۲۶)، (وتمام المنة ص ۲۰) وغیرہ۔

محاکمہ بر مذاہب:

احتیاط کے لحاظ سے سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا موقف درست ہے اسی پر ہی عام اہل حدیث کا عمل ہے۔ خاکسار کی برس کے لگ بھگ عمر ہے۔ راقم الحروف نے سن تمیز سے لے کر تادم تحریر کسی سلفی کو کعبہ کی طرف پردہ وغیرہ کی اوٹ میں قضائے حاجت کرتے نہیں دیکھا، نہ ہی کسی مسجد میں استنجاء خانے کا رخ قبلہ کی طرف نظر آیا ہے، ہاں البتہ دلائل کے لحاظ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف درست ہے۔ یہ صرف مختلف قسم کی احادیث میں ایک تطبیق کی صورت ہے۔ عمل کے لحاظ سے پہلا موقف ہی قابل اتباع ہے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فالاصح دلیلاً ما ذهب الیہ ابن عمر ولا حوط ما ذهب الیہ ابو ایوب - والله اعلم۔
 یعنی دلیل کے اعتبار سے وہ نظریہ درست ہے جس طرف سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور احتیاط کے لحاظ سے وہ جس طرف ابو ایوب رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔ (التعلیقات السلفیہ ص ۶ ج ۱)، مولانا عبید اللہ رحمانی محدث مبارکپوری فرماتے ہیں: وعندی الاحتراز عن الاستقبال والاستدبار فی البیوت احوط وجوباً لاندبا۔

گھروں میں بھی منہ اور پیٹھ کر کے قضائے حاجت کرنے سے پرہیز کرنا ہی میرے نزدیک احتیاط کے لحاظ سے واجب ہے نہ کہ حکم شرعی کی بناء پر۔ (مرعاة المفاتیح ص ۴۷ ج ۲)۔
استنجاء کرنے کا مسئلہ: خاکسار کے نزدیک استنجاء کرتے وقت بھی پرہیز ہی اولیٰ ہے، علامہ وحید الزمان مرحوم نے نزل الابرار ص ۵۳ ج ۱ میں اس کو ”مکروہ نہیں“ لکھا تھا۔ مولانا انوار خورشید صاحب نے نمک مرچ لگا کر ص ۲۱۲ پر نقل کیا ہے حالانکہ علامہ وحید الزمان صاحب اس سے پہلے فرماتے ہیں:
 ولا یستقبل القبلة ولا یتستدیرھا فی غیرہ معد و یحرم ان بالصحراء اذا لم یکن بینہ و بین القبلة شئی ساتر۔ (نزل الابرار ص ۵۳ ج ۱)۔

مؤلف نے اسے چھوڑ کر استنجاء کے متعلق جو عبارت تھی اسے نقل کر دیا ہے۔ جس سے ان کا مقصود صرف اہل حدیث کو بدنام کرنا ہے اصلاح کرنا نہیں، ورنہ وہ علامہ موصوف کے اصل موقف کو سامنے

لاتے۔ باقی رہا استنجاء کا مسئلہ تو بے چارہ وحید الزمان ہی کیوں آنکھ کا شہتیر بنا ہوا ہے۔ فقہ حنفی کی متداول کتابوں میں لکھا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ اور پیٹھ کر کے استنجاء کرنا جائز ہے۔

(فتاویٰ شامی ص ۳۴۱ ج ۱ و مستملی ص ۳۸ وحاشیہ شرح وقایہ ص ۱۲۷ ج ۱) حتیٰ کہ دیوبندیت کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے بھی، (امداد الفتاویٰ ص ۸۶ ج ۱) میں جائز لکھا ہے۔

باقی رہا خورشید صاحب کا مفتی رشید احمد لدھیانوی کے حوالے سے یہ تحریر کرنا کہ کراچی میں انہوں نے (اہل حدیث) نے اپنی مسجد کے استنجاء خانے گرا کر ازسرنو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۲ بحوالہ احسن الفتاویٰ ص ۱۰۹ ج ۳)۔ یہ تمام قصہ محض الزام اور بہتان ہے بتایا جائے کراچی کے کس محلہ میں یہ مسجد ہے اسے سنت قرار دینے والے مفتی صاحب کا اتا پتا کیا ہے۔ یقین جانئے یہ صرف سنی سنائی بات ہے جس کی شرعی حیثیت فقط اتنی ہے ”کفی بالمرأ کذبا ان یحدث بکل ما سمع“ یعنی کسی شخص کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو سنے وہی آگے بیان کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۷)۔ علاوہ ازیں دیوبندی مکتب فکر سے علماء لدھیانہ کی اہل حدیث سے نفرت اور بغض کس حد تک ہے۔ یہ گروہ الزام تراشی، بہتان بازی، میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے ”انتظام المساجد باخراج اهل الفتن والمفاسد“ میں لکھا کہ حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان کو قتل کریں اگر وہ لاعلمی کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں۔ (بحوالہ فتاویٰ سلفیہ ص ۱۵۸)۔

خاندانی روایات انسان کے گوشت پوست اور خون میں پیوست ہوتی ہیں۔ ان رگی بندشوں سے نکلنا آسان نہیں۔ ابو الکلام ہر روز پیدا نہیں ہوتے۔ جس نے خاندانی اغلال و سلاسل کو ہوش و حواس سنبھالتے ہی تارتار کر دیا اور اپنے لئے خود اپنی دنیا بسالی۔

فصل دوم

دلیل اول: عن ابی ایوب الانصاری (رضی اللہ عنہ) ان النبی ﷺ قال اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ببول ولا غائط ولكن شرقوا وغربوا، قال ابو ایوب فقد منا الشام فوجدنا مراحيض قد بنيت قبل القبلة فنحنحرف عنها ونستغفر الله۔
(مسلم ص ۱۳۰ ج ۲)۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کہ جب تم بیت الخلاء آؤ تو پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ رخ کرو نہ پیٹھ کرو، البتہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لو۔ حضرت ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ملک شام میں آئے تو ہم نے بیت الخلاء قبلہ رخ بنے ہوئے پائے ہم تو رخ تبدیل کر لیتے تھے، اور اللہ سے استغفار کر لیتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۷)۔

الجواب: اولاً حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا عمل حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ”عنها“ کی ضمیر قبلہ کی طرف راجع ہے یا مراحيض کی طرف، اگر قبلہ کی طرف ہو تو تب معنی یہ بنتا ہے کہ ہم قبلہ سے معمولی انحراف کر لیتے تھے، اگر مراحيض کی طرف ہو تب معنی یہ بنتا ہے کہ ہم ان بیوت الخلاء میں بیٹھتے ہی نہ تھے۔ مولانا بنوری فرماتے ہیں کہ قبلہ کی جانب ضمیر کا لوٹانا اقرب ہے۔ (معارف السنن ص ۹۰ ج ۱)۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو بات واضح ہے کہ سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ تھوڑے سے انحراف کے باوجود استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے کئے کی معافی طلب کرتے، حالانکہ احناف کے نزدیک یہ صورت بالکل جائز ہے۔ مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔
اگر قبلہ سے معمولی انحراف بھی ہو جائے تو کراہت ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وجہا مستقبل اور فرجا منحرف ہو تب بھی کراہت نہیں رہتی۔
(درس ترمذی ص ۱۸۹ ج ۱)۔

ثانیاً: رہا مرفوع حدیث کا معاملہ تو اس میں مولانا محترم نے اپنی طرف سے بیت الخلاء کا لفظ داخل کیا ہے۔ الفاظ نبوی میں کوئی ایسا لفظ نہیں۔ الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام ”الغائط“ کے ہیں۔ جس کا معنی پست زمین ہوتا ہے اور یہ کنایت ہے کہ شرم و حیاء والا انسان پیشاب کے لئے گہری جگہ کا متلاشی ہوتا ہے۔ (لسان العرب ص ۳۲۵ ج ۷ ”مادہ غوط“)

اس لغوی معنی سے حدیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد صحرا ہے، چنانچہ علامہ سندھی حنفی بخاری کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

فالوجه ان حدیث النهی من اصله مخصوص بالفضاء لا یعم البناء اصلاً۔ یعنی ممانعت کی حدیث کا تعلق خالص صحرا کے ساتھ مخصوص ہے بیت الخلاء وغیرہ کے متعلق نہیں۔ (بحوالہ مرعاة ص ۴۹ ج ۱)۔

اس لغوی معنی کو ملحوظ رکھ کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (صحیح بخاری ص ۲۶ ج ۱ میں)

باب لا یستقبل القبلة بغائط او بول الا عند البناء جدار او نحوہ۔

کا عنوان لگا کر سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث درج کر کے یہ بات سمجھائی ہے کہ اس حدیث کا تعلق کھلی جگہ اور فضاء سے ہے۔

ثالثاً: اگر کوئی حنفی کہے کہ حدیث کا یہ معنی راوی حدیث کے خلاف ہے تو جواباً عرض ہے کہ راوی کا فہم فقط ہمارے ہی خلاف نہیں جناب کے بھی ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

دوسری دلیل: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا جلس احدکم علی حاجتہ فلا یستقبلن القبلة ولا یتدبرھا۔

(مسلم ص ۱۳۱ ج ۱)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے لئے بیٹھے تو ہرگز ہرگز قبلہ کی طرف رخ کرے نہ پیٹھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۲۰۸)۔

الجواب: اولاً: اس حدیث کے بعض طرق میں۔ (اذا اتیتم الغائط) کے الفاظ ہیں۔ (ابوداؤد رقم الحدیث ۸، ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۱۳، مسند احمد ص ۲۴۷ ج ۲)، اور بعض طرق میں ”اذا ذهب احدکم الغائط“ کے ہیں۔ (مسند حمیدی ۹۸۸) و بیہقی ص ۱۰۲ ج ۱، ابن حبان (موارد) ۱۲۸) ان الفاظ کو ملحوظ رکھا جائے تو صحیح مسلم کی روایت ”اذا جلس احدکم علی حاجتہ“ کا معنی واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد صحرا ہے۔

ثانیاً: اس حدیث میں، (وامر بثلاثہ احجار) یعنی تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیا۔ کے الفاظ بھی ہیں (حوالہ مذکورہ) اور یہ چیز حنفیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ڈھیلے کا عدد مسنون نہیں (ہدایہ فتح القدیر ص ۱۸۷ ج ۱)۔ زیادہ سے زیادہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے (مرقاۃ ص ۳۰۰ ج ۱)، غور کیجئے کہ اس حدیث میں استقبال و استدبار کی ممانعت ہے تو ساتھ ہی تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم ہے۔ ممانعت کے حکم کو حرمت پر محمول کرتے ہیں اور تین ڈھیلے استعمال کرنے کے حکم کو مستحب کہتے ہیں، حالانکہ حنفیہ کے استدلال کے موافق تین ڈھیلوں کی فرضیت یا کم از کم وجوب ثابت ہوتا ہے۔ حدیث کے بعض طرق بھی اس کے مؤید ہیں۔ (ولانستکفی بدون ثلاثہ احجار) یعنی تین پتھروں سے کم پتھر استنجاء میں کفایت نہیں کرتے۔ (سنن دار قطنی ص ۵۴ ج ۱)۔

مگر تقلید کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک کو قبول کر لیا دوسرے کو رد کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تیسری دلیل: عن سهل بن حنیف ان النبی ﷺ بعثه قال انت رسولی الی اهل مکة قل ان رسول اللہ ﷺ ارسلنی یقرء علیکم السلام ویامرکم بثلت لاتخلفوا بغير الله واذا تخلیتم فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولا تستنجو بعضکم ولا بیعروا۔ (مسند احمد ص ۲۸۷ ج ۳)۔

سهل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں قاصد بنا کر بھیجا فرمایا تم میرے قاصد بن کر اہل مکہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ تمہیں سلام کہتے ہیں اور تین چیزوں کا حکم دیتے ہیں (۱) غیر اللہ کی قسم نہ کھاؤ! (۲) جب بیت الخلاء میں جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو نہ پیٹھ (۳) ہڈی اور بیگنی سے استنجاء نہ کرو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۸)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں۔ عبد الکریم بن ابی الخارق راوی ہے، ہیثمی فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے، (مجمع الزوائد ص ۲۰۵ ج ۱)، امام دارمی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ سند میں عبد الکریم راوی متروک ہے، (سنن دارمی ص ۱۷۸ ج ۱)۔ امام احمد، امام نسائی، امام دارقطنی نے بھی متروک قرار دیا ہے (میزان ص ۲۴۶ ج ۲)، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، حبیب بن مہنف۔ کے ترجمہ میں عبد الکریم کو متروک لکھا ہے۔ (لسان المیزان ص ۱۷۳ ج ۲)، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: اگر ضعیف روایات بھی کسی شرعی مسئلہ کا حل ہیں تو دو ایک ضعیف ہم سے بھی سن لیجئے۔ عن عبد اللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی قال رايت رسول الله ﷺ يبول مستقبل القبلة۔ (مجمع الزوائد ص ۲۰۵ ج ۱)۔

عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرتے دیکھا۔

عن عمار بن ياسر قال رايت النبي ﷺ مستقبل القبلة بعد النهي لغائط اوبول، سيدنا عمار بن ياسر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ منع کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرتے ہوئے۔

(مجمع الزوائد ص ۲۰۵ ج ۱، وفي نسخة الأخرى ص ۲۱۱ ج ۱)۔

چوتھی دلیل: عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ اذا ذهب احدكم الخلاء فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها۔

(مجمع الزوائد ص ۲۰۵ ج ۱)۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو قبلہ کی طرف رخ نہ کرے نہ پشت۔ (حدیث اور اہل حدیث ۲۰۹)۔

الجواب: اولاً علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد کے مذکورہ مقام پر ہی لکھا ہے کہ ”رواہ الطبرانی فی الکبیر وفيہ محمد بن واقدی وهو ضعیف“ یعنی اسے طبرانی نے (معجم کبیر ص ۱۲۸ ج ۶) میں روایت کیا ہے اور سند میں واقدی راوی ضعیف ہے (مجمع الزوائد ص ۲۰۵ ج ۱)۔ راقم عرض کرتا ہے واقدی کو امام احمد نے کذاب کہا ہے، ابن معین فرماتے ہیں لیس بشی“ بیچ محض ہے۔ اما بخاری، امام ابو حاتم نے متروک، امام نسائی اور ابو حاتم کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال ص ۶۶۳ ج ۳)۔

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ثانیاً: ضعیف کے بالمقابل ہم سے بھی ایک ضعیف سن لیجئے۔

عن خالد الحذاء عن خالد بن الصلت عن عراك بن مالك عن عائشة رضی اللہ عنہا قال ذکر عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قوم یكروہون ان یستقبلوا بفروجہم القبلة فقال اراہم قد فعلوا استقبلوا بمقعدنی القبلة،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم کا ذکر ہوا جو قبلہ کی طرف اپنی شرمگاہیں کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے کہا کہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ میرے بیت الخلاء میں بیٹھنے کی جگہ کو قبلہ رخ کر دو۔ (ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۴)۔

یانچویں دلیل: عن سلمان قال قال له بعض المشركين وهو يستهزئى به انى لارى صاحبكم يعلمكم كل شئى حتى الخروا قال اجل امرنا صلی اللہ علیہ وسلم ان لانستقبل القبلة ولا نستدبرها۔

(الحدیث دار قطنی ص ۵۳ ج ۱)۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سے کسی مشرک نے استہزاء کہا کہ تمہارے صاحب تو تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی۔ آپ نے کہا کہ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کی طرف نہ رخ کریں نہ پشت۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۹)۔

الجواب: اولاً یہ روایت حنفیہ کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے (تحفہ حنفیہ ص ۸۲ ج ۱) کی مراجعت کریں۔ ثانیاً یہ روایت (صحیح مسلم ص ۱۳۰ ج ۱) میں بھی ہے مگر اس میں صرف استقبال کا ذکر ہے۔ استدبار کا نہیں۔ اور زیر بحث روایت میں استدبار کا اضافہ معلول ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں ”الاعمش“ راوی ہے جو کہ مدلس ہے جیسا کہ امام کراچی، امام نسائی اور دارقطنی نے صراحت کی

ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۳۳)۔ اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

چھٹی دلیل: عن معقل بن ابی معقل الاسدی قال نہی رسول اللہ ﷺ ان نستقبل القبلتین ببول او غائط۔
(ابو داؤد ص ۳ ج ۱)۔

سیدنا معقل بن ابی معقل اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب پاخانہ کرتے وقت دونوں قبلوں کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۲۰۹)۔
الجواب: اولاً یہ حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے کیونکہ دونوں قبلوں سے مراد کعبہ اور بیت المقدس مراد ہیں۔ (بذل المجہود ص ۸ ج ۱)، (عون المعبود ص ۷ ج ۱)، اس روایت سے لازم آتا ہے کہ قبلہ اول بیت المقدس کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے قضائے حاجت کرنا منع ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک استقبال و استدبار کی ممانعت فقط کعبہ کے ساتھ خاص ہے۔

ثانیاً: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے اس میں ایک راوی ابو زید ہے جو کہ مجہول ہے جیسا کہ امام علی بن مدینی اور حافظ ابن حجر رحمہما نے صراحت کی ہے۔ (تہذیب ص ۱۰۳ ج ۱۲)، (تقریب ۴۰۷) علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابن ماجہ ۶۶)، (ضعیف ابو داؤد ۲)۔

ساتویں دلیل: عن سلمة بن وھرام قال سمعت طاؤس قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اتی احدکم البراز فلیکرم من قبلۃ اللہ فلا یستقبلھا ولا یتدبرھا، الحدیث۔
(دارقطنی ص ۵۷ ج ۱)۔

سیدنا سلمہ بن وھرام فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا طاؤس کو سنا کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی پاخانہ کے لیے آئے تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے قبلہ کا اکرام کرے۔ نہ اس کی طرف رخ کرے نہ پشت۔ (حدیث اور اہل حدیث ۲۱۰)۔

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے کیونکہ طاؤس تابعی ہیں۔ اور مرسل روایات ضعیف ہوتی ہیں۔ تفصیل مقدمہ میں عرض کر دی گئی ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، زعمہ بن صالح راوی ضعیف ہے (تقریب ۱۰۸) امام احمد، امام ابن معین، امام ابو داؤد، امام عمرو بن علی، امام ابو حاتم، امام نسائی رحمہم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب ص ۳۳۹ ج ۳)۔

علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (الضعیفہ ۲۵۵۲)۔

ثالثاً: امام وکیع نے یہی روایت زمعه عن سلمہ عن طاؤس - نقل کی ہے مگر اس میں مذکورہ حصہ نہیں صرف ایک دعا کا ذکر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲ ج ۱) جس سے ثابت ہوا کہ ضعیف ہونے کے علاوہ متن میں اضطراب بھی ہے۔

آٹھویں دلیل: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یستقبل القبلة ولم یستدبرھا فی الغائط کتبت حسنة و محی عنه سیئة۔

(مجمع الزوائد ص ۲۰۶ ج ۱)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بیت الخلاء میں نہ قبلہ کی طرف منہ کیا نہ پیٹھ کی تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی، اور ایک گناہ مٹا دیا جائے گا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۲۱)۔

الجواب: اولاً بیت الخلاء کا لفظ حدیث میں نہیں یہ انوار خورشید صاحب کا اپنی طرف سے اضافہ ہے، حدیث میں غائط، کا لفظ ہے اس کے متعلق پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ کھلی فضاء اور نشیبی زمین کو کہتے ہیں الغرض یہ حدیث صحرا کے بارے میں ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن ابی کثیر ہے۔ (طبرانی اوسط ص ۱۹۰ ج ۲ (۱۳۴۳) اور یہ کثرت سے ارسال کرتے ہیں اور تدلیس بھی کرتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۳۶) اور زیر بحث روایت میں تحدیث نہیں لہذا ضعیف ہے۔

ثالثاً: کسی چیز کے متعلق ثواب کا منقول ہونا اس کے واجب ہونے کی دلیل نہیں کسی کو معاف کر دینا باعث ثواب ہے۔ مگر فرض واجب نہیں بلکہ بدلہ لینے کا جواز بھی ہے۔

(۱۷) باب جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے فصل اول

(۱) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”ان رسول اللہ ﷺ قال غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم“
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب فضل الغسل يوم الجمعة رقم الحديث ۸۷۹ و مسلم کتاب
الجمعة باب وجوب غسل الجمعة على رقم الحديث ۱۹۵۷)۔

(۲) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ:

”ان رسول اللہ ﷺ قال اذا جاء احدكم الجمعة فليغتسل“
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ (کے لیے) آئے وہ غسل کرے۔

(بخاری باب سابق رقم الحديث ۸۷۷، مسلم کتاب الجمعة باب سابق رقم الحديث ۱۹۵۱،
۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴)۔

(۳) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”حق على كل مسلم ان يغتسل في كل سبعة ايام يوم يغسل فيه راسه وجسده“
ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سات دنوں میں سے کسی دن غسل کرے (اور) جمعہ کے روز غسل
کرے سر اور پورے جسم کو دھوئے۔ (بخاری کتاب الجمعة باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من
النساء رقم الحديث ۸۹۷)، مسلم کتاب الجمعة باب وجوب غسل الجمعة رقم الحديث ۱۹۶۳)۔

(۴) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”ان رسول اللہ ﷺ يامر بالغسل“ یعنی رسول اللہ ﷺ جمعہ کے لئے غسل کرنے کا حکم
دیا کرتے تھے۔

(بخاری باب سابق رقم الحديث ۸۷۸، مسلم کتاب الجمعة رقم الحديث ۱۹۵۵)۔

(۵) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

قال رسول الله ﷺ غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم كغسل الجنابة۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن غسل ہر بالغ (مسلمان) پر واجب ہے، جیسے جنابت کا
غسل واجب ہے۔

(صحيح ابن حبان رقم الحديث ۱۲۲۶، مواردالظمان رقم الحديث ۵۲۳)۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص ۲۹۰ ج ۱ میں اس پر سکوت کیا ہے اور مبتدیین دیاہنہ کو اعتراف ہے کہ فتح الباری میں جس روایت پر حافظ ابن حجر سکوت کریں وہ کم از کم حسن ہوتی ہے۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص ۸۹، درس ترمذی ص ۷۴ ج ۱، معارف السنن ۳۸۵ ج ۱)۔

(۶) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی کل رجل مسلم فی کل سبعة ايام غسل یوم وهو یوم الجمعة“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان مرد پر سات دنوں میں سے ایک دن غسل کرنا لازم ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔

(سنن نسائی کتاب الجمعة باب ایجاب الغسل یوم الجمعة، الحدیث ۱۳۷۹، ابن حبان رقم الحدیث ۱۳۱۶)۔

(۷) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حقا علی المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعة ولیمس من طیب اهلہ فان لم یجد فالماء له طیب“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مسلمانوں پر ہر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ اور اپنی بیوی کی خوشبو سے (کچھ) لگانا، اور اگر وہ میسر نہ ہو تو پانی ہی اس کی خوشبو ہے۔

(ترمذی کتاب الجمعة باب فی السواک والطیب یوم الجمعة الحدیث ۵۲۸، مسند احمد

ص ۲۸۲ ج ۴، ابو یعلیٰ ص ۲۸۰ ج ۲، رقم الحدیث ۱۶۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۵ ج ۲)۔

وللفظ لابی یعلیٰ، وان یمس من الطیب ان کان عند اهلہ، ولفظ ابن ابی شیبہ وان

یمسہ طیب ان کان عندہ۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، جو شواہد کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ سنداً یہ روایت ضعیف ہے۔ اس میں راوی یزید بن ابی زیاد، ہے جو ضعیف و مختلط ہے۔

اور تلقین کو قبول کر لیتا تھا۔ علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(تحقیق مشکوٰۃ ۱۳۰۰)۔

(۸) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث لا ادعهن ابدا الوتر قبل النوم وصوم ثلاثة ايام من کل

شہرو والغسل یوم الجمعة“

نبی مکرم ﷺ نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی کہ انہیں کبھی بھی نہ چھوڑنا۔

(۱) سونے سے پہلے وتر، (۲) ہر مہینے میں تین روزے (۳) اور جمعہ کے دن غسل کرنا۔

(مسند ابو یعلیٰ ص ۲۵۴ ج ۵، مسند طیالسی رقم الحدیث ۲۲۷۱، مسند احمد ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۵۴، ۲۶۰، ۲۷۱، ۳۲۹، ۴۷۲، ۴۸۹ ج ۲)۔

(۹) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ: ”قال رسول الله ﷺ حق علی کل مسلم ان

یغتسل یوم الجمعة وان یتطیب من طیب ان کان عنده“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ہر ایک مسلمان پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، اور اگر اس

کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی لگائے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ص ۸۲ ج ۱)۔

(۱۰) سیدنا ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”قال رسول الله ﷺ یامعشر المسلمین من جاء منکم الجمعة فلیغسل“ الحدیث۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانوں کا گروہ! تم میں سے جو بھی جمعہ کے لئے آئے وہ غسل

کرے۔ (طبرانی کبیر ص ۱۳۹ ج ۳ رقم الحدیث ۳۹۷۱)۔

ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں معاویہ بن یحییٰ صدیقی راوی ہے جس میں کلام کثیر ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۱۷۲ ج ۲)۔

(۱۱) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

”عن النبی ﷺ الغسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم“ نبی مکرم ﷺ نے

فرمایا: ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

(طبرانی الاوسط ص ۱۳۶ ج ۵ رقم الحدیث ۴۲۷۹)۔

ہشتمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عبد اللہ بن محمد بن سعید راوی سخت ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۱۷۶ ج ۲)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ امام طحاوی نے (شرح معانی الآثار ص ۸۲ ج ۱) میں اس کو ایک دوسری سند

سے بھی روایت کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں ابو زبیر مدلس ہے اور روایت مععن ہے

الغرض یہ شاہد کی وجہ سے حسن ہے۔

(۱۲) سیدنا ابی امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

قال رسول الله ﷺ اغتسلوا یوم الجمعة فانه من اغتسل یوم الجمعة فله کفارة ما بین

الجمعة و زیادة ثلاثة ایام۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جمعہ کے دن غسل کرو۔ جس نے جمعہ کے روز غسل کیا اس کے لئے یہ

غسل جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک مزید تین دن کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

(طبرانی کبیر ص ۱۷۸ ج ۸ رقم الحدیث ۷۷۴۱، طبرانی الاوسط ص ۴۱ ج ۸ رقم الحدیث ۷۰۸۳۔)

ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں سوید بن عبدالعزیز راوی ہے جس کو امام احمد اور ابن معین نے ضعیف اور امام دحیم نے ثقہ کہا ہے (مجمع الزوائد ص ۱۷۳ ج ۲)۔

اس سلسلہ میں مزید دس بارہ احادیث بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ باذوق حضرات کنز العمال کتاب الصلوٰۃ الباب السادس والخامس کا مطالعہ کر لیں۔ ان احادیث مبارکہ میں صریحاً واجب کا لفظ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۱، ۵، ۱۱) اور بعض میں حق کا لفظ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۳، ۷، ۹) اور حدیث نمبر ۵ میں صاف الفاظ ہیں کہ یہ غسل جنابت کی طرح واجب ہے۔ اور بقایا احادیث میں نبی مکرم ﷺ نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم و ارشاد فرمایا ہے۔

امام بیہقی نے، (السنن الکبریٰ ص ۱۸۸ ج ۳) میں ان احادیث کو نقل کر کے جمعہ کے روز غسل کرنے کو سنت قرار دیا تھا۔ جس کا رد کرتے ہوئے، علامہ ماردینی حنفی فرماتے ہیں کہ:

”قلت ظاهر الامر الوجوب وكذا الحديث الذي بعده ورد بلفظ الامر والحديث الخدري صرح فيه بلفظ الوجوب، فهذه الاحاديث غير مناسبة لهذا الباب وقوله عليه السلام في حديث ابى هريرة رضي الله عنه حق على كل مسلم ان يغتسل الاظهر في استعمال حق انها بمعنى الواجب“

(سیدنا ابن عمر رضي الله عنهما کی حدیث میں امر ہے) اور میں کہتا ہوں کہ یہ بات عیاں ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں بھی امر (حکم) ہے اور حدیث ابی سعید الخدري میں تو صریحاً وجوب کا لفظ ہے لہذا یہ احادیث اس باب کے مناسب نہیں۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ”حق علی کل مسلم ان یغتسل“ (سے بھی وجوب ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ) حق کے لفظ کا استعمال بمعنی واجب ظاہر ہے۔
(الجوهر النقی ص ۱۸۸ ج ۳)۔

حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے:

مذکورہ حوالے کے علاوہ ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ مبتدعین دیانہ کے اکابرین سے بھی اس کی تصدیق کروادیں۔ چنانچہ (۱) علامہ مرغینانی نے، ہدایہ مع فتح القدر ص ۳۶۹ ج ۱، میں (۲) علامہ خوافی نے الکفایہ ص ۳۷۰ ج ۱ میں، (۳) علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع ص ۲۷۱ ج ۱ میں، (۴) علامہ ابن نجیم

نے البحر الرائق ص ۳۷ ج ۲ میں، (۵) علامہ حلبی نے مستملی ص ۳۱۱ میں، (۶) علامہ شرنبلالی نے مرقا الفلاح ص ۳۷۴ میں، (۷) ملا علی القاری نے، مرقاۃ ص ۱۶۴ ج ۳ میں، (۸) دیوبند کے مفتی اعظم مولوی رشید احمد گنگوہی نے، الکوکب الدرری ص ۱۸۹ ج ۱ میں، (۹) مولوی احمد علی سہارنپوری نے حاشیہ بخاری ص ۱۳۶ ج ۱ میں، (۱۰) مولوی خلیل احمد نے، بذل الجہود ص ۳۲۱ ج ۲ میں (۱۱) مولوی ظفر احمد تھانوی نے، اعلاء السنن ص ۱۴ ج ۶ میں، (۱۲) مولوی شبیر احمد عثمانی نے، فتح الملہم ص ۳۰۰ ج ۲ میں، (۱۳) مولوی زکریا نے، اوجز المسالک ص ۳۳۰ ج ۱ میں، (۱۴) مفتی رشید احمد لدھیانوی نے احسن الفتاویٰ ص ۵۰۳ ج ۳ میں (۱۵) مولوی تقی عثمانی نے، درس ترمذی ص ۲۰۹ ج ۲ میں (۱۶) مولوی سرفراز خاں صفدر نے، خزائن السنن ص ۱۵۵ جلد اول حصہ دوم میں، (۱۷) اور خود ہمارے معاصر مولوی انوار خورشید نے حدیث اور اہل حدیث ۵۵۱ میں لکھا ہے۔

اور امر (حکم) سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

قارئین کرام یہ ڈیڑھ درجن سے حوالے اس بات کا ثبوت ہیں کہ مبتدعین دینہ کا اس پر اتفاق و اتحاد ہے کہ حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور مذکورہ احادیث میں جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم نبوی موجود ہے۔ جس سے حنفی اصول کے موافق بھی جمعہ کا غسل واجب ثابت ہوتا ہے۔

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۲۱) سیدنا عمر فاروق کا قول اور سیدنا ابن عباس کا وجوب غسل کے متعلق فرمان آگے فصل دوم

میں آرہا ہے۔

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم کغسل الجنابة“

ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے جیسا کہ جنابت کا غسل واجب ہے۔

(موطا امام مالک باب العمل فی غسل یوم الجمعة، مصنف عبد الرزاق ۵۳۰۵)۔

امام عبد الرزاق نے امام مالک کی سند کے علاوہ بھی دوسروں سے سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل

کیا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ۵۲۹۷، ۵۲۹۸)۔

(۴) سیدنا عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”رجال فاستطال علیہ فقال انا اذا انتن من الذی لا یغتسل یوم الجمعة“

ایک شخص نے آپ پر تکبر کیا تو آپ نے فرمایا: کہ کیا میں اس شخص سے بھی زیادہ گندہ ہوں جو

جمعہ کے روز غسل نہیں کرتا؟ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۲)۔

(۵) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حق علی کل مسلم غسل یوم بین سبعة ايام وهو یوم الجمعة“
ہر مسلمان پر سات دنوں میں سے ایک دن غسل کرنا لازم ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۵ ج ۲)۔

(۶) سیدنا امام عبد اللہ بن سعد فرماتے ہیں کہ:

”کان ابن عمر رضی اللہ عنہ اذا حلف قال انا اذا شرم من لا یغتسل یوم الجمعة“
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب قسم اٹھاتے تو کہتے: (اگر میری قسم جھوٹی ہو تو) میں اس شخص سے بھی بدتر جو
جمعہ کے دن غسل نہیں کرتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۵ ج ۲)۔

(۱۰۷۱) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں کوئی مسلمان جمعہ کا غسل
ترک نہیں کرتا، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی چیز کے متعلق اظہار رائے کرتے تو فرماتے کیا میں اس
شخص سے بھی زیادہ احمق ہوں جو جمعہ کے دن غسل نہیں کرتا۔ سیدنا ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے جمعہ کے
دن کا غسل نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب فرمایا۔ (المحلی بالآثار ص ۲۵۶ ج ۱)۔

فصل دوم

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم أتى
الجمعة فذنی واستمع وانصت غفر له ما بینہ وبين الجمعة وزيادة ثلاثة ايام ومن مس الحصى
فقد لغا۔

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح ص ۱۱۲ ج ۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خوب اچھی طرح وضو کیا
پھر نماز جمعہ کے لئے آیا اور قریب ہو کر کان لگائے اور خاموش رہا تو اس جمعہ سے اگلے جمعہ اور مزید تین
دن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کام کیا۔ (حدیث اور
اہل حدیث ص ۲۱۴ ج ۱)۔

الجواب: اولاً مولانا عثمانی نے، اعلاء السنن ص ۲۳۱ ج ۱ میں چونکہ ترمذی سے نقل کیا ہے اسے لئے
ہمارے بھائی نے بھی ان کی تقلید میں ترمذی کا ہی حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح مسلم ۲۸۳ ج ۱
(۱۹۸۸) میں بھی ہے۔ صرف ”ذنی“ کے الفاظ نہیں۔

ثانیاً: اس حدیث میں غسل کی نفی نہیں، عدم ذکر عدم شیء مستلزم نہیں ہوتا۔

ثالثاً: اس حدیث میں اس شخص کا ذکر ہے جو غسل کے بعد وضو کر کے آئے، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔ ”من اغتسل ثم أتى الجمعة فصلی ما قدر له ثم انصت حتى يفرع من خطبة ثم يصلي معه غفر له ما بين ما بين وبين الجمعة الاخرى وفضل ثلاثة ايام“ یعنی جو شخص غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے آیا جس قدر اسے میسر ہوا نماز (نفل) پڑھی پھر خاموش رہا یہاں تک خطیب خطبہ جمعہ سے فارغ ہو گیا۔ پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی تو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۲۸۲ ج ۱ رقم الحدیث ۱۹۸۷)۔

یہ حدیث سند کے لحاظ سے پہلی حدیث سے فائق ہے کیونکہ وضو والی روایت میں ”الاعمش“ راوی مدلس ہے اور تحدیث کی صراحت بھی نہیں۔ پھر یہ مفصل ہے جس میں غسل کا ذکر ہے۔ قارئین کرام آپ اس تفصیل سے ہمارے مخاطب کی مجبوری بھی بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ مسلم کی بجائے ترمذی شریف کا حوالہ کیوں دیا ہے۔ نہیں سمجھ سکے تو آئیے ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ مسلم کے حوالے سے نقل کرنے میں اس بات کا خدشہ تھا کہ قارئین نے اگر مراجعت کی تو وضو والی حدیث کے اوپر ہی غسل والی حدیث ہوگی جس سے پڑھنے والا ہمارے استدلال کی کمزوری سے بخوبی واقف ہو جائے گا، اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ مخلص تلاش کیا گیا ہے۔

(۲) عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ من توءاء يوم الجمعة فيها و نعمت ومن اغتسل فالغسل افضل۔

(ترمذی ص ۱۱۱ ج ۱، ابو داؤد ص ۵۱ ج ۱)۔

سیدنا سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص نے جمعہ کے دن وضو کیا تو خیر اچھا کیا اور جس شخص نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۵)۔

الجواب: اولاً بلاشبہ غسل وضو سے افضل ہے اس میں کلام نہیں۔ دلیل یہ دیجئے کہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں۔ باقی رہا آپ کا استدلال باطل کہ غسل واجب نہیں افضل ہے (ص ۲۱۸) تو جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں ہے۔ ”ولو امن اهل الكتاب لكان خيرا لهم“ (آل عمران آیت ۱۱۰) اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا (۳-۱۱۰)۔

وضاحت کیجئے کیا اہل کتاب پر ایمان لانا فرض نہیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں حسن بصری ہیں وہ کبھی سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، کبھی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے، کبھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، کبھی عبد الرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہ سے اور کبھی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ

سے۔ (الضعفاء الكبير للعقيلي ص ۱۶۷ ج ۱)، (نصب الراية ص ۹۲، ۹۳ ج ۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وله علتان احدهما انه من عننة الحسن والأخرى انه اختلف عليه فيه واخرجه ابن ماجه من حديث انس والطبراني من حديث عبد الرحمن بن سمرة والبخاري من حديث ابي سعيد و ابن عدی من حديث جابر وكلها ضعيفة“۔

یعنی اس میں دو علتیں ہیں پہلی تو یہ کہ حسن بصری (مدلس ہے اور صیغہ) عن سے روایت کر رہا ہے۔ دوسری یہ کہ اس پر یہ روایت مختلف ہوگئی ہے۔ ابن ماجہ میں انس رضی اللہ عنہ سے طبرانی میں عبدالرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہ سے بخاری میں ابی سعید رضی اللہ عنہ سے اور ابن عدی میں جابر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور یہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ (فتح الباری ص ۲۸۹ ج ۲)۔

ثالثاً: حسن بصری کا سیدنا سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے سماع بھی محل نظر ہے۔ امام علی بن مدینی کے نزدیک ثابت ہے۔ امام ابن حبان، امام ابن معین اور شعبہ کے نزدیک سماع ثابت نہیں۔ امام نسائی، امام دارقطنی، امام عبدالحق، امام بزار وغیرہ کہتے ہیں کہ صرف عقیقہ کی حدیث کا ہی سماع ثابت ہے۔ (نصب الریہ ص ۸۹ ج ۱) آخری قول ہی حق و صواب ہے۔ خود متدیین دیابنہ کے نزدیک بھی حسن بصری کا سیدنا سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے سماع محقق نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ کہ امام حسن بصری سیدنا سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قتل عبده قتلناه ومن جدع عبده جدعناه“

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کریں گے، اور جو اپنے غلام کا عضو (ناک کان وغیرہ) کاٹے گا ہم اس کا عضو کاٹیں گے۔

(مسند احمد ص ۱۰ ج ۵)، (ابو داؤد رقم الحدیث ۴۵۱۵)، (ترمذی ۱۳۱۳)، (ابن ماجہ ۲۶۲۳)،

(نسائی ۴۷۴۰، ۴۷۴۱، ۴۷۴۲)۔

حنفی اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ حسن کا سیدنا سمرة سے سماع مختلف فیہ ہے لہذا روایت میں ضعف ہے۔

(حاشیہ سنن ابی داؤد ص ۲۶۳ ج ۲ از مولوی فخر الحسن دیوبندی)۔

دیکھا آپ نے جب حسن بصری سیدنا سمرة رضی اللہ عنہ سے ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف روایت نقل کرتا ہے تو یہ ضعیف کہہ کر پلہ چھڑا جاتے ہیں لیکن جب موافق نقل کرتا ہے تو اسے دلیل بناتے ہیں۔ یہ دین میں خواہشات کی پیروی نہیں تو اور کیا ہے؟ الغرض یہ روایت کوئی فقہ کے دیوبندی خراد پر بھی ضعیف ہے۔

(۳) ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ ان هذا يوم عيد جعله الله للمسلمين فمن جاء الجمعة فليغتسل وان كان طيب فليمس وعلیکم بالسواك“
(ابن ماجہ ص ۷۷)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ہے، پس جو شخص جمعہ کی نماز پڑھنے آئے اسے چاہئے کہ وہ غسل کر لے اور اگر خوشبو ہو تو وہ بھی لگالے اور تم پر مسواک لازم ہے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ غسل کے ساتھ خوشبو لگانے اور مسواک کرنے کا بھی حکم دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ غسل واجب نہیں ورنہ غسل کے ساتھ خوشبو لگانے اور مسواک کرنا بھی واجب ہوتا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۸، ۲۱۵)۔

الجواب: اولاً اگر ہم یہ کہہ دیں کہ خوشبو لگانا اور مسواک کرنا بھی واجب ہے اور اس پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا صحیح سند کے ساتھ فتویٰ بھی موجود ہے۔

(فتح الباری ص ۲۸۹ ج ۲، السعایہ ص ۳۲۶ ج ۱)۔

تو بتائیے محترم آپ کے پاس اس جھوٹ کا کیا جواب ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ص ۲۱۸۔ ابن ماجہ کی سند میں صالح بن ابی الاخضر راوی ضعیف ہے۔ (تقریب ص ۱۴۷)۔ اور صالح نے اس روایت کو امام زہری سے نقل کیا ہے جب کہ زہری سے یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ بھی نقل کرتے اور وہ مرسل بیان کرتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور موصول درست نہیں (السنن الکبریٰ ص ۲۲۳ ج ۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ پھر امام مالک نے جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ۔ ”ومن كان عنده طيب فلا يضره ان يمس منه“ یعنی جس کے پاس خوشبو ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اسے لگالے۔

(بیہقی ص ۲۲۳ ج ۳)۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت دراصل مرسل ہے اسے موصول بیان کرنے میں صالح بن ابی الاخضر نے خطا کی ہے، اور مرسل روایت کے الفاظ سے مؤلف کا استدلال باطل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ غسل کا تو حکم دیا ہے۔ اور خوشبو کو میسر ہونے پر ”فلا یضر“ سے تعبیر کیا ہے۔

ثالثاً: اس حدیث میں بہر حال نبی ﷺ نے غسل کا حکم دیا ہے۔

(۴) ”عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من السنة الغسل يوم الجمعة“

(مجمع الزوائد ص ۱۷۳ ج ۱)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۲۱۵)۔

الجواب: اولاً یہ اثر مصنف عبد الرزاق ص ۲۰۰ ج ۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۶ ج ۲ میں بھی ہے۔ اور بلاشبہ سند صحیح ہے۔ مگر حنفیہ کا موقف اس سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک غسل جمعہ سنت نہیں مستحب ہے (فتح القدیر ص ۵۸ ج ۱)، (والبحر الرائق ص ۶۴ ج ۱)، (اعلاء السنن ص ۲۳۳ ج ۲)۔ اور مستحب تو معمولی چیز ہے اس کے تارک پر کوئی نکیر نہیں جب کہ سنت کا تارک گمراہ ہوتا ہے ابن عابدین فرماتے ہیں: "السنن المؤکدة القریبة من الواجب التي یضلل تارکها لأن ترکها استخفاف بالدين"، یعنی سنت مؤکدہ واجب کے قریب قریب ہے جس کا تارک گمراہ ہے کیونکہ اس کا ترک کرنا دین کے ساتھ استخفاف ہے۔ (فتاویٰ شامی ص ۱۰۳ ج ۱)۔

ایمان سے کہنا اور اپنے ضمیر سے پوچھ کر بتانا کہ آپ حضرات غسل جمعہ کے تارک پر گمراہی اور استخفاف بالدين کا فتویٰ لگاتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔ محترم آپ کے نزدیک تو جمعرات کے روز کا غسل بھی جمعہ کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۰۱ ج ۱)۔

قارئین کرام یہ سنت پر عمل ہے یا اس کے ساتھ مذاق؟ لا حول ولا قوة الا بالله العلی

العظیم۔

ثانیاً: یہ قول صحابی ہے جو فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۵) "عن علی قال یتستحب الغسل یوم الجمعة ولیس بحتم"

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات مجمع الزوائد ص ۱۵۵ ج ۲)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۵)۔

الجواب: اولاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرنے والا راوی "ابو البختری سعید بن فیروز

کوئی ہے۔ (طبرانی الاوسط ص ۱۰۰ ج ۳ رقم الحدیث ۲۲۱۴)۔

امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اس کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کثرت کے ساتھ مرسل روایت کرتا ہے۔ لہذا جن احادیث میں سماع کی صراحت

ہے وہ حسن ہیں دوسری ضعیف ہے۔

(تہذیب التہذیب ص ۶۵ ج ۳ تہذیب الکمال ص ۱۹۱ ج ۳)۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ابو بختری نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ (مراسیل ابن ابی حاتم

ص ۷۶)۔ الغرض یہ روایت بوجہ منقطع ہونے کے ضعیف ہے۔

ثانیاً: مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف فیہ ہوں وہاں ان

کے اقوال حجت نہیں ہوتے اور زیر بحث مسئلہ میں اختلاف ہے، علاوہ ازیں احادیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام کا ان ضعیف روایات کے ساتھ کوئی تقابل ہی نہیں۔

(۶) عن عكرمة ان ناس من اهل العراق جاءوا فقالوا يا ابن عباس اتري الغسل يوم الجمعة واجبا قال لا ولكنه اطهر وخير لمن اغتسل ومن لم يغتسل فليس بواجب۔
(الحدیث ابو داؤد ص ۱۵ ج ۱)۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ کچھ اہل عراق (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس) آئے اور کہنے لگے ابن عباس رضی اللہ عنہما کیا تم جمعہ کے دن غسل کرنے کو واجب سمجھتے ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں البتہ زیادہ پاکیزگی کا سبب ہے اور جو غسل کرے اس کے لئے بہتر ہے اور جو نہ کرے تو واجب بھی نہیں ہے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۶)۔

الجواب: اولاً یہ حدیث عمرو بن ابی عمرو عن عکرمہ کے طریق سے مروی ہے اور یہ طریق حنفیہ کے نزدیک ضعیف ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ، (سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فیمن أتى بهيمة الحدیث ۴۴۶۴) میں عمرو بن ابی عمرو عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے۔
”من أتى بهيمة فاقتلوه واقتلوه معه“ یعنی جو شخص چارپائے سے وطنی کرے اسے بھی اور جانور (دونوں) کو قتل کر دو۔ یہ حدیث چونکہ کوئی فقہ کے خلاف ہے اس لئے کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ (اعلاء السنن ص ۶۰۰ ج ۱۱) علامہ زلیحی فرماتے ہیں کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن ابی عمرو صدوق تو ہے مگر عکرمہ سے مناکیر روایت کرتا ہے، (نصب الدرایۃ ص ۳۴۰ ج ۳) غور کیجئے کہ کوئی فقہ کی وکالت میں اس کو ضعیف قرار دیا جا رہا ہے، مگر افسوس کہ اس ساری کاروائی کو بھول کر عمرو بن ابی عمرو عن عکرمہ کی روایت سے استدلال کر لیا ہے یہ حدیث کی نہیں تقلید کی پیروی ہے۔

ثانیاً: یہ حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے آگے جو انہوں نے حدیث بیان فرمائی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ”ایہا الناس! اذا كان هذا اليوم فاغتسلوا (الحدیث)۔
یعنی نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: لوگو! جب یہ دن (جمعہ) کا ہو تب غسل کیا کرو۔ (سنن ابی داؤد ص ۵۱ ج ۱ رقم الحدیث ص ۳۵۳)۔

الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام میں حکم ہے اور مولانا انوار خورشید کے نزدیک حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۱)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ دلیل آپ کے خلاف ہے۔
ثالثاً: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پورا قول آپ نے نقل نہیں کیا، آپ کے نقل کردہ الفاظ کے آگے مفصل حدیث اس طرح ہے۔

”و سأخبركم كيف بدء الغسل كان الناس مجهودين يلبسون الصوف ويعملون على ظهوره كان مسجدهم ضيقا مقارب السقف انما هو عريش فخرج رسول الله ﷺ في يوم حار وعرق الناس في ذلك الصوف حتى ثارت منهم رياح ، اذى بذلك بعضهم بعضا فلما وجد رسول الله ﷺ تلك الريح قال، ايها الناس! اذا كان هذا اليوم فاغتسلوا وليمس احدكم افضل مايجد من دهنه وطيبه، قال ابن عباس ثم جاء الله تعالى ذكره بالخير ولبسوا غير الصوف وكفوا العمل ووسع مسجدهم وذهب بعض الذي كان يؤذى بعضهم بعضا من العرق“

یعنی تم کو خبر دیتا ہوں جمعہ کا غسل کیسے شروع ہوا، لوگ غریب تھے کھل پہنا کرتے تھے اور اپنی کمروں پر (بوجھ اٹھا کر) کام کرتے، مسجد تنگ اور نیچے چھت والی تھی، محض ایک کھجوروں کی شاخوں کا چھپر تھا، ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر نکلے گرمی کا موسم تھا اور لوگوں کو کنبوں میں پسینہ آیا، اور بدبو پھیل گئی بعض کو بعض سے تکلیف ہوئی، جب نبی ﷺ کو بدبو پہنچی تو آپ نے فرمایا: لوگو! جب یہ دن (جمعہ) ہو تو نہایا کرو اور اچھے سے اچھا جو تیل و خوشبو میسر ہو لگایا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال دار کر دیا اور کھل کے علاوہ کپڑے پہننے لگے اور کام تقسیم ہو گیا۔ (یعنی ملازم اور غلام وغیرہ سے کام لینے لگے) اور مسجد بھی کشادہ ہو گئی اور پسینہ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے تکلیف ہوتی تھی۔ وہ بھی جاتی رہی۔

(ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة الحدیث ۳۵۳)۔
 وغسل جمعہ کی اس حدیث سے محض وجوب کی ہی نہیں بلکہ سنت و مستحب کی بھی نفی ہوتی ہے۔ امام طاوای حنفی اس حدیث کو نقل کر کے بطور نتیجہ لکھتے ہیں۔

”وانما كان لعله ثم ذهبت تلك العلة فذهب الغسل“ غسل کا حکم بوجہ علت تھا، پھر جب علت ختم ہوئی تو غسل بھی جاتا رہا۔ (شرح معانی الآثار ص ۸۳ ج ۱)۔ ہم کہتے ہیں کہ علت کہاں ختم ہوئی کیا مسلمانوں میں آج کوئی غریب نہیں؟ ان میں آج محنت مزدوری کرنے والے نہیں؟ کیا ان میں کمروں پر بوجھ اٹھانے والے نہیں؟ کیا ان میں کام کاج کی وجہ سے کسی کا پسینہ نہیں بہتا؟

خامساً: سبب ختم ہونے پر مسبب کا ختم ہونا، یہ بات ہی سرے سے درست نہیں، جیسے ریل اور جمار کی کیفیت کا سبب ختم ہونے کے باوجود کالعدم نہیں ہوتے، (فتح الباری ص ۲۸۹ ج ۱)۔

رابعا: مذکورہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ میں نفی ہے جب کہ اس کے برعکس بھی ان سے روایت موجود ہے۔ (بخاری کتاب الجمعة باب الدهن للجمعة الحدیث ۸۸۴)۔ اور دیوبندیوں کے نزدیک ثبوت نفی پر

مقدم ہوتا ہے۔ (احسن الکلام ص ۲۵۹ ج ۱)۔

(۷) عن ابی وائل قال ذکر و اغسل یوم الجمعة عنده، فقال ابو وائل انه لیس بواجب رب

شیخ کبیر لو اغتسل فی البرد الشدید یوم الجمعة لمات، (منصف ابن ابی شیبہ ص ۹۷ ج ۲)۔
حضرت عبیدہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضرت وائل رضی اللہ عنہ کے سامنے جمعہ کے دن غسل کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: (جمعہ کے دن) غسل واجب نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا ہے تو بہت سے بوڑھے جمعہ کے دن سخت سردی میں نہاتے اور مر جاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۶)۔

الجواب: اولاً جس بے چارے کو رب شیخ کبیر، کا معنی کرنا نہیں آتا وہ اہل حدیث کا رد کرنے بیٹھا ہے۔ پھر مزید ستم کی بات دیکھئے کہ ایسے فاضل کو دیوبندیوں نے۔ جامعہ مدنیہ میں استاذ رکھا ہوا ہے۔

ثانیاً: علم معانی کے علاوہ ہمارے مخاطب صاحب طبقات علماء سے بھی کورے چٹے ہیں۔ ابو وائل پر رضی اللہ عنہ کی علامت لگا کر صحابی باور کر رہے ہیں، کتب رجال میں ابو وائل دو ہیں (۱) شقیق بن سلمہ (۲) عبد اللہ ابن بکیر، اور یہ دونوں ہی صحابی نہیں کتب رجال کا مطالعہ کر کے پہلے اس کا تعین کیجئے یہ کون ہیں؟ اس سے روایت کرنے والا راوی عبیدہ بن معتب ہے جو کوفہ کے رہنے والے تھے۔ امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں سنی الحفظ اور متروک الحدیث ہے۔ ابن مبارک نے اس کی مرویات کو ترک کر دیا تھا۔ امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا۔ امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابو زرہ کہتے ہیں لیس بالقوی (قوی نہیں) امام ابو حاتم اور نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا (حافظ بگڑ گیا تھا) لہذا اس سے احتجاج باطل ہے۔ ساجی فرماتے ہیں صدوق (تو ہے مگر) سنی الحفظ ہونے کی وجہ سے محدثین کے نزدیک ضعیف ہے ابن مبارک نے اس سے (روایت لینے سے) روکا ہے۔

سفیان ثوری اس کی مرویات سے بچتے تھے (تہذیب ص ۸۷ ج ۷)، (میزان ص ۲۵ ج ۳)۔ عبیدہ بن معتب کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو وائل اتباع تابعین سے ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ اتباع تابعین میں سے ابو وائل کا قول ہے، مگر مولانا انور خورشید صاحب شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر اسے صحابی باور کراوتے ہیں۔ اسے جہالت سے تعبیر کریں یا چالاک کہہ لیں، بہر حال بات غلط ہے۔

ثالثاً: اگر آپ اتباع تابعین کے اقوال سے ہی فریق مخالف کو زیر کرنا چاہتے ہیں تو بخوبی سن لیجئے ان سے اوپر والے کبار تابعین میں سے امام عطاء بن رباح فرماتے ہیں جمعہ کا غسل واجب ہے (مصنف عبد الرزاق ۵۳۰۴) عمرو بن سلیم الانصاری (بخاری کتاب الجمعة باب الطیب للجمعة الحدیث

۸۸۰) اور (منسب بن رافع، المحلی لابن حزم ص ۲۰۶ ج ۱) ”فماکان جوابکم فہوا جوابنا“۔

رابعاً: ابو وائل نے دلیل بھی نرالی دی ہے کہ بوڑھا مرجائے گا۔ سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کیا بوڑھے شخص پر غسل جنابت فرض نہیں، اور جمعہ کی رات کو اپنی عورت سے ہمبستری کرنے کی شریعت نے ترغیب بھی دی ہے (ترمذی ۴۹۶)، (ابوداؤد ۳۴۵)، (ابن ماجہ ۱۰۸۷)، (ابن خزیمہ ۱۷۵۸) فرض کریں کوئی بوڑھا اس ترغیب نبوی کو اپنائے تو وہ جمعہ کے روز غسل کر کے مرجائے گا۔ علاوہ ازیں اہل حدیث کے بوڑھے نہیں ہوتے؟ ہم نے آج تک دیکھا اور سنا نہیں کہ فلان بوڑھا وہابی غسل جمعہ کی وجہ سے مر گیا ہے۔ یہ سب اسوۂ رسول اللہ ﷺ کو رد کرنے اور احکام شریعت کو حیلوں سے ٹالنے کے طریقے ہیں۔

(۸) عن زاذان قال سألت علی عن الغسل فقال اغتسل اذا شئت فقلت انما اسئلك

عن الغسل الذی هو الغسل قال یوم الجمعة ویوم عرفة ویوم الفطر ویوم الاضحی۔

(طحاوی ص ۸۴ ج ۱)۔

حضرت زاذان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غسل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب چاہو غسل کر لو۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس غسل کے متعلق پوچھ رہا ہوں جس کے کرنے میں فضیلت ہے۔ آپ نے فرمایا جمعہ کے دن، عرفہ کے دن، عید الفطر اور عید النحر کے دن۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۷)۔

الجواب: اولاً یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہے اس کے بالمقابل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمار

بن یاسر رضی اللہ عنہ، وجوب کے قائل ہیں (السعیۃ ۳۲۲ ج ۱)۔ فماکان جوابکم فہوا جوابنا۔

ثانیاً: روایت میں،، جس کے کرنے میں فضیلت ہے کے الفاظ نہیں۔ یہ مؤلف کا ذاتی خیال ہے۔

اور اس اضافہ سے اثر سے جمعہ کے لئے غسل کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ مؤلف کے نزدیک سنت ہے۔

ثالثاً: اس قول میں سرے سے اس بات کا ذکر ہی نہیں کہ غسل جمعہ واجب ہے یا سنت و مستحب

ہے، غالباً مؤلف نے طحاوی کی تقلید میں اس اثر کو نقل کر دیا ہے۔ حالانکہ مبتدعین دیانہ کے اکابر بن مثلاً

علامہ نیموی نے (آثار السنن ص ۲۹۴) میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے، (السعیۃ ص ۳۲۴ ج ۱) میں،

مولانا بخوری نے (معارف السنن ۳۲۰ ج ۱) میں، مولانا زکریا نے، (اوجز الممالک ص ۳۲۶ ج ۱) میں،

مولانا شبیر احمد عثمانی نے (فتح الملہم ص ۳۸۶ ج ۱) میں، اور مولانا تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص ۲۶۴

ج ۱) میں، اس اثر کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس اثر سے حنفیہ کا موقف

ثابت نہیں ہوتا، اور نہ وجوب کی نفی ہوتی ہے۔ باقی رہا طحاوی کا یہ استدلال کہ جمعہ کے غسل کو ان

غسلوں میں شمار کیا ہے، جو فرض نہیں لہذا جمعہ کا غسل بھی نہیں۔ (شرح معانی الآثار ص ۸۰ ج ۱)۔ رقم
عرض کرتا ہے کہ عیدین اور عرفہ کے روز غسل کرنے کی کوئی صحیح تو کجا حسن درجہ کی بھی حدیث نہیں ہے۔
تفصیل کے لئے، (ارواء الغلیل ص ۱۷۶ ج ۱) (۱۴۶) اور (التلخیص الحبیص ص ۸۰ ج ۱) کا مطالعہ
کریں۔ جو بھی اس سلسلہ میں نقل کیا جاتا ہے وہ زیب داستان سے بڑھ کر نہیں۔ وضاحت کیجئے کہ آیا
آپ کے نزدیک غسل جمعہ بھی بے اصل ہی ہے یہاں فقہائے احناف کے اقوال نقل کر کے عیدین اور
یوم عرفہ کے غسل کو سنت ثابت نہ کرنا آپ سے دلیل شرعی مانگی ہے۔ جو آپ یقیناً نہیں دے سکتے۔

(۹) عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب بینا هو قائم فی الخطبة یوم الجمعة اذ جاء رجل
من المهاجرین الاولین من اصحاب النبی ﷺ فناداه عمر ایه ساعة هذه قال انی شغلت فلم
انقلب الی اہلی حتی سمعت التاذین فلم ازد ان توضات قال والوضو ایضا وقد علمت ان
رسول اللہ ﷺ کان یامر بالغسل۔

(بخاری ص ۱۲۰ ج ۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ حضور علیہ
الصلوة والسلام کے مہاجرین اولین صحابہ میں سے ایک صاحب (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) حاضر ہوئے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر ان سے کہا کہ یہ (آنے کا) کونسا وقت ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں کسی
کام میں مشغول تھا اور ابھی گھر بھی لوٹا تھا کہ اذان سنی اور وضو سے زیادہ کچھ نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے فرمایا وضو ہی کیا؟ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیا کرتے تھے،
وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

جمعہ کے دن غسل سنت ہے واجب نہیں کیونکہ حضرت عثمان کے وضو کر کے آنے پر حضرت عمر نے
صرف انہیں ٹوکا تھا واپس نہیں بھیجا تھا اگر واجب ہوتا تو واپس بھیج دیتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۷، ۲۱۸)

الجواب: اولاً: ہم کب کہتے ہیں کہ جمعہ کے لیے غسل شرط ہے، اگر ہم ایسا کہتے تو آپ کا
اعتراض درست تھا، افسوس آپ نے طحاوی کی تقلید میں استدلال تو کر لیا مگر استدلال کی کمزوری کی
طرف آپ نے توجہ نہیں دی، مولانا عبدالرحمن لکھنوی طحاوی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

انما ینھض ردا علی من قال بكون الغسل شرطاً للصلوة واما من یقول بوجوبه مستقلاً
فلان له ان یقول الغسل وان كان واجبا لكن لما شغل عثمان بامرو ضاق الوقت ترك
الغسل بوجوب السعی عند سماع الاذان فهو معذور فی تركه ولا یلزم من تركه ان لا یكون
واجبا نعم لو تركه اختیارا مع سعة الوقت لكان فیہ دلالة علی عدم الوجوب وانما لم یامرہ

بالرجوع الى الغسل لانه قد وجب عليه واجب آخر وهو سماع الخطبة فوق الغسل فلو امره بالرجوع لزم اختيار الادنى وترك الا على فلا يلزم من عدم امره بالرجوع ايضاً عدم الوجوب وبالجملة وجوب الغسل مقيد بسعة الوقت و عند ضيقه و خوف فوت واجب آخر فوفه يسقط و جوبه،

یعنی یہ ان لوگوں کا قوی رد ہے جو نماز جمعہ کے لیے غسل کو شرط کہتے ہیں، لیکن جو اس کو مستقل وجوب کا درجہ دیتے ہیں ان کا نہیں اس لیے کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ گو غسل واجب ہے لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کام میں مشغول ہو گئے اور وقت تنگ ہو گیا تو انہوں نے غسل کو ترک کر دیا، اذان سننے کے بعد ان پر (مسجد کی طرف) سعی واجب ہو گئی، لہذا وہ غسل کو چھوڑنے پر معذور ہیں۔ اور ان کے ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ غسل واجب نہیں، ہاں اگر وہ وسعت و سعت کے باوجود اختیاری طور پر غسل کو ترک کرتے تو پھر اس میں عدم وجوب کی دلیل تھی، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل کے لیے لوٹنے کا حکم اس لیے نہ دیا کہ ان پر ایک دوسرا واجب بھی واجب ہو چکا تھا اور وہ ساعت خطبہ تھا جو غسل سے فائق ہے، اگر وہ غسل کا حکم دیتے تو اس سے ادنیٰ کو اختیار کرنے اور اعلیٰ کو چھوڑنا لازم آتا، لہذا لوٹنے کا حکم نہ دینے سے عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا، بالجملة (ان کا یہ جواب بھی ممکن ہے کہ) غسل وسعت وقت کے ساتھ مقید ہے اور تنگی وقت اور دوسرا واجب جو اس سے فوق ہے کے فوت ہونے سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

(السعیاء ص ۳۲۶ ج ۱)

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں۔

ان قصة عمرو و عثمان تدل علی وجوب الغسل لا علی عدم وجوبه من جهة ترك عمر الخطبة و اشتغال بمعاينة عثمان و توبیح مثله علی رؤس الناس فلو كان ترك الغسل مباحا لما فعل عمر ذلك و انما لم يرجع عثمان للغسل لضيق الوقت اذ لو فعل لفاتته الجمعة، یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ غسل جمعہ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ عدم وجوب پر، اس لحاظ سے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ چھوڑ کر لوگوں کے سامنے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے عتاب و توبیح میں مشغول ہوئے، اگر غسل کو چھوڑنا مباح تھا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وقت کی تنگی کی وجہ سے غسل کے لیے نہیں گئے کیونکہ اگر وہ جاتے تو ان کا جمعہ رہ جاتا۔ (بحوالہ فتح الباری ص ۲۸۹ ج ۲)

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ اس قصہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو غسل اور سعی جمعہ میں تاخیر کی وجہ سے ڈانٹا تھا۔ اور اس چیز کا احتمال ہے کہ انہوں نے سنت

مؤکدہ کے ترک کی وجہ سے ڈانٹا ہو، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کا اہتمام مبالغہ کی حد تک کرتے تھے، واجبات کی طرح۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس استدلال سے غسل جمعہ کا مستحب ہونا تو ثابت ہوتا ہے لیکن سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا، مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں،

فلا ینھض هذه القصة دليلا على القائلين بالسنية نعم تنهض على القائلين بمجرد الاستحباب البتة۔

(یعنی اس صورت میں) سنت کے قائلین کے لیے کوئی دلیل نہیں ہاں البتہ جو اسے محض مستحب کہتے ہیں ان کے لیے (ضرور) ہے۔ (السعیہ ص ۳۲۷ ج ۱)

فضول بھرتی:

ہمارے مہربان کو معلوم نہیں کیا سوچھی تھی کہ غسل جمعہ کی بحث کے آخر میں علامہ وحید الزمان مرحوم کی عبارات سے چند مسائل نقل کر کے ہمیں مطعون کرنا شروع کر دیا، حالانکہ کتب فقہ مرتب کرنا ہی ہمارے نزدیک غلط ہے، بالخصوص غیر پیش آمدہ مسائل پر اپنی صلاحیتوں کو لگانا اور ان کے متعلق تحقیقات کرتے رہنا نہایت ہی قابل مذمت اور برا فعل ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس شخص پر لعنت کرتے تھے جو غیر پیش آمدہ مسئلہ کے بارے سوال کرتا۔ (سنن دارمی ص ۶۲ ج ۱)

علامہ وحید الزمان صاحب کا کتب فقہ مرتب کرنے کو علمائے اہل حدیث نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا، اور نہ ہی کبھی اس کی تائید کی ہے، (مفصل تحفہ حنفیہ ص ۳۸۹) میں دیکھئے یہی وجہ ہے کہ وحید الزمان کی اشاعت کے بعد کسی سلفی نے ان کتب کو شائع نہیں کیا، یہ شرف بھی مؤلف حدیث اور اہل حدیث کے مقدر میں تھا، جیسے انہوں نے اپنی کتاب کو قلمی نام سے شائع کیا ہے ویسے ہی علامہ وحید الزمان کی کتب کو ایک فرضی انجمن کے نام سے شائع کیا ہے،

فقہ وحید الزمان یا فقہ عسفی:

ہمارے مخاطب نے تین مسائل کی نشان دہی کی ہے، آپ بھی ملاحظہ کریں۔

(۱) ولو ادخل ذكره في دبر نفسه لا يلزم الغسل الا بالانزال۔

(نزل الابراء ص ۲۳ ج ۱)

اگر کسی شخص نے اپنا عضو تاسل اپنے پچھلے حصہ میں داخل کیا تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا مگر یہ

کہ انزال ہو جائے۔

(۲) ولو لف الحشفة في خرقة ثم اولجها فان وجد لذة الجماع اغتسل والا لا۔

(نزل الابرار ص ۲۳ ج ۱)

اگر کسی نے اپنا عضو تناسل پٹی میں لپیٹ کر عورت کی شرمگاہ میں داخل کیا تو اس صورت میں اگر صحبت کا مزہ پایا ہے تو غسل کرے گا ورنہ نہیں۔

(۳) ولو اتى عذراء ولم يزل عذرتها لا يجب الغسل ولو حبلت۔

(نزل الابرار ص ۲۳ ج ۱)

اگر کسی نے کنواری لڑکی سے صحبت کی اور لڑکی کا پردہ بکارت زائل نہ ہوا ہو تو غسل واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ لڑکی حاملہ ہو جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۰)۔

یہ تینوں مسائل دراصل فقہ حنفی کے ہیں، ثبوت حاضر ہیں آپ بھی ملاحظہ کر لیں۔

(۱) امام فی دبر نفسه فرجح فی النهر عدم الوجوب الا بالانزال۔

ہاں البتہ کوئی شخص اپنی دبر میں عضو تناسل کو داخل کرے تو (فقہ حنفی کی کتاب) نھر میں ہے کہ غسل واجب نہیں ہوتا مگر یہ کہ انزال ہو۔ (در مختار مع شامی ص ۱۶۲ ج ۱)

(۲) اولج حشفته او قدرها ملفوفة بخرقة ان وجد لذة الجماع وجب الغسل والا لا۔

یا کسی نے اپنے عضو تناسل پر پٹی لپیٹ کر عورت کی شرمگاہ میں داخل کیا اگر صحبت کا مزہ آیا تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں۔ (در مختار مع شامی ص ۱۶۴)

(۳) ولو اتى عذراء ولم يزل عذرتها الا اذا حبلت۔

اگر کسی نے کنواری لڑکی سے صحبت کی اور لڑکی کا پردہ بکارت زائل نہ ہوا ہو تو غسل واجب نہیں مگر یہ کہ وہ حاملہ ہو۔ (در مختار مع شامی ص ۱۶۷ ج ۱)

اس آخری مسئلہ میں آپ کو قدرے جو اختلاف نظر آ رہا ہے تو وہ صرف نزل الابرار میں کتابت کی غلطی ہے، الا اذا، کی بجائے، ولو، چھپ گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ تینوں مسئلے فقہ حنفی کے ہیں اور ان تینوں مسائل پر اکابر علمائے دیوبند کا بھی یہی مسلک و مذہب اور نظریہ ہے، دیکھئے۔

(خیر الفتاویٰ ص ۷۹ ج ۲ و امداد الفتاویٰ ص ۲۳ ج ۱ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل ص ۱۵۱ ج ۱ و ص ۱۵۳ ج ۱)

اگر ہم چاہتے تو مبتدعین دیاہنہ کے اکابرین (خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین) سے اس پر بیسیوں حوالے متون و شروح اور فتاویٰ سے نقل کر سکتے ہیں۔ مگر امید ہے کہ صرف در مختار اور مبتدعین دیاہنہ کے علماء کے فتاویٰ ہی کافی ہیں، ہاں اگر ضرورت پیش آئی اور ہم مجبور کر دیئے گئے تو تفصیل سے بھی عرض

کر دیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں ہم ایک وضاحت بھی کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ، نزل الابرار، دراصل فقہ حنفی کی معروف کتاب، درمختار، کا اختصار ہے۔

نزل الابرار میں ایسے تمام مسائل کا مرجع حنفیہ کی یہ مایہ ناز کتاب ہے، علاوہ ازیں علامہ وحید الزمان مرحوم گو حنفیت کو چھوڑ کر اہل حدیث ہو گئے تھے مگر ان کے بعض تفردات و شذوذ بھی ہیں، مولانا عبدالرحمن حسنی فرماتے ہیں کہ

كان شديد في التقليد في بداية امره ثم رفضه تحرر و اختيار مذهب اهل الحديث مع شذوذ عنهم في بعض المسائل۔ (نزہة الخواطر ص ۵۱۵ ج ۸)

(۱۸) باب تیمم میں صرف ایک ہی ضرب ہے

فصل اول

(۱) امام عبدالرحمن ابزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

جاء رجل الى عمر بن الخطاب فقال انى اجنبت فلم أصب الماء فقال عمار بن ياسر لعمر بن الخطاب اما تذكر انا كنا فى سفر انا وانت؟ اما انت فلم تصل واما انا فتممعت فصليت فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال النبي ﷺ انما كان يكفيك هكذا وضرب النبي ﷺ بكفيه الارض ونفخ فيهما ثم مسح بهما وجهه وكفيه۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ مل سکا تو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے امیر المؤمنین آپ وہ واقعہ یاد کریں جب ہم دونوں ایک سفر میں تھے اور جنبی ہو گئے تھے، میں نے تو زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھ لی تھی البتہ آپ نے نماز نہ پڑھی تھی، جب نبی مکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے لیے یہی کافی تھا (یہ کہہ کر) نبی مکرم ﷺ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک مار کر (گرد اڑائی) پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا،

(بخاری کتاب التیمم باب التیمم هل ینفخ فیہما، الحدیث ۳۳۸، و مسلم کتاب الحیض باب التیمم، الحدیث ۸۲۰)

(۲) امام شفیق بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ

كنت جالسا مع عبد الله و ابى موسى الاشعري فقال له ابو موسى ان رجلا اجنبت فلم يجد الماء شهرا، ما كان تيمم ويصلي؟ فكيف تصنعون في سورة المائدة، فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيباً فقال عبد الله لو رخص لهم في هذا لا وشكروا اذا برد عليهم الماء ان يتيمموا الصعيد؟ قلت وانما كرهتم هذا لذا؟ قال نعم فقال ابو موسى الم تسمع قول عمار لعمر بعثنى رسول الله ﷺ فى حاجة فاجنبت فلم اجد الماء فتمرغت فى الصعيد كما تمرغ الدابة فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال انما كان يكفيك ان تصنع هكذا، فضرب بكفه ضربة على الارض ثم نفضها، ثم مسح بها ظهر كفيه بشماله او ظهر شماله بكفه ثم مسح بها وجهه۔ الحدیث۔

یعنی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو ابو موسیٰ

الاشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک شخص کو جنابت ہوئی اور ایک مہینہ تک پانی نہیں پاتا تو کیا وہ تیمم کر کے نماز نہ پڑھے؟ تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں؟ تو سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ اس آیت کا کیا کریں گے سورہ مائدہ میں ہے کہ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا ارادہ کرو، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ان کو اس میں رخصت دی جائے تو قریب ہے کہ جب انہیں پانی ٹھنڈا لگے تو مٹی پر تیمم کر لیں، میں نے (امام شفیق) کہا کہ آپ نے اس کو اس لیے ناپسند کیا ہے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! اس پر سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سنا کہ نبی مکرم ﷺ نے ایک کام کے لیے بھیجا تو مجھے جنابت ہوئی اور پانی نہ ملا، تو میں مٹی پر اس طرح لوٹ پوٹ ہوا جس طرح چار پایہ لیٹتا ہے، میں نے نبی مکرم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھے یہی کافی تھا کہ ایسا کرتا یہ کہہ کر نبی مکرم ﷺ نے زمین پر ایک ضرب لگائی اور پھر ہاتھوں کو جھاڑا پھر ان کے ساتھ مسح کیا دائیں ہاتھ کی پیٹھ کو بائیں سے یا بائیں کی پیٹھ کو داہنے ہاتھ سے پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ چہرہ انور کا مسح کیا۔

بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربة الحدیث ۳۴۷) ومسلم کتاب الحیض باب

التیمم، الحدیث (۸۱۸)

(۳) سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

سالت النبی ﷺ عن التیمم فامرني ضربة واحدة للوجه والكفين،

میں نے نبی مکرم ﷺ سے تیمم کے متعلق سوال کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے حکم دیا ایک ضرب لگانے کا، چہرہ اور ہاتھوں کے لیے،

ابوداؤد رقم الحدیث (۳۲۷) وترمذی رقم الحدیث (۱۴۴) ومسلم امام احمد ص ۲۶۳ ج ۴ ودارمی

ج ۱ (۷۴۵) ودارقطنی ص ۱۸۲ ج ۱

(۳) سیدنا ابو یوسف رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

اقبل النبی ﷺ من نحو بئر جمل فلقیہ رجل فسلم علیہ فلم یرد علیہ النبی ﷺ حتی

اقبل الجدار فمسح بوجہہ ویدیہ ثم رد علیہ السلام۔

یعنی نبی مکرم ﷺ جمل کے کنواں کی طرف سے تشریف لائے اور آپ علیہ السلام کو ایک آدمی ملا

اس نے آپ ﷺ کو سلام عرض کیا تو نبی ﷺ نے اسے جواب نہ دیا یہاں تک کہ اقبل الجدار،

ہوئے ہاتھوں اور چہرہ اقدس کا مسح کیا پھر سلام کا جواب دیا۔

(بخاری کتاب التیمم باب التیمم فی الحضرة اذا لم یجد الماء وخاف قوت الصلاة، الحدیث

۳۳۷، ومسلم کتاب الحیض باب التیمم، الحدیث (۸۲۷)

اقبل الجدار، کا معنی ہم نے قصداً ترک کر دیا ہے، واضح رہے کہ اس کا معنی وضع ید علی الجدار (یعنی دیوار پر ہاتھ مار کر ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا) ہے، دلیل اس کی یہ ہے (دارقطنی ۱۷۷ ج ۱) میں یہی الفاظ مروی ہیں، اور امام شافعی کی روایت میں حتی قام الی الجدار فتحته بعضا کانت معہ ثم وضع یدہ علی الجدار (یعنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جو لٹھی تھی اس کو دیوار کے ساتھ رگڑا پھر دیوار پر ہاتھ مارا)۔ (کتاب الام ۵۱ ج ۱ و بیہقی ۲۰۵ ج ۱) بلاشبہ امام شافعی کی روایت بوجہ ابراہیم ضعیف ہے لیکن سنن دارقطنی کی روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے، جس سے (اقبل الجدار) کے معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا ابو جہیم رضی اللہ عنہ کی روایت سے تیمم کے لئے ایک ضرب ثابت ہے۔

(۵) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ

ان رسول اللہ ﷺ اقبل من الغائط فلقیہ رجل عند بئر جمل فسلم علیہ فلم یرد علیہ رسول اللہ ﷺ حتی اقبل علی الحائط فوضع رسول اللہ ﷺ یدہ علی الحائط ثم مسح وجہہ ویدہ ثم رد رسول اللہ ﷺ علی الرجل السلام۔

یعنی رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کر کے تشریف لارہے تھے، تو بئر جمل کے نزدیک آپ کو ایک شخص ملا جس نے آپ کو سلام عرض کیا تو نبی ﷺ نے اسے جواب نہ دیا یہاں تک ایک دیوار پر تشریف لائے اس پر پہلے ہاتھ رکھا پھر ہاتھوں اور چہروں اور کا مسح کیا پھر نبی مکرم ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۳۱۳) و بیہقی ص ۲۰۶ ج ۱ و ابو داؤد رقم الحدیث ۳۳۱)

(۶) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

لما نزلت آية التيمم لم ادر كيف اصنع فاتيت النبي ﷺ فلم اجدہ فانطلقت الطلبة فاستقبلته فلم رای عرف الذی جنت له، فبال ثم ضرب یدہ الارض فمسح بهما وجهہ وکفیه۔

جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے معلوم نہ تھا کہ کیسے (تیمم کیا جائے) تو میں نبی مکرم ﷺ کے پاس آیا، لیکن مجھے نہ ملے، میں آپ علیہ السلام کی تلاش کے لئے نکلا، تو آپ کو پایا، آپ نے جب مجھے دیکھا تو پہچان لیا کہ میں کس غرض کے لیے آیا ہوں، آپ علیہ السلام نے پہلے پیشاب کیا پھر زمین پر ہاتھوں سے ایک ضرب لگائی پھر چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا،

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۰ ج ۱ و کنز العمال رقم الحدیث ۲۷۵۶۵)

(۷) سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

فاهوی النبی ﷺ بیدہ الی الارض فوضعهما ثم نفضهما ثم مسح بهما وجهه ویدیه۔
نبی مکرم ﷺ ہاتھوں کے ساتھ زمین کی طرف جھکے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا (ضرب
لگائی) پھر ان دونوں کے ساتھ ہاتھوں اور چہرہ انور کا مسح کیا۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۲۳۹ ج ۱ واللفظ له وکنز العمال رقم الحدیث ۲۷۵۶۹، وابن ابی شیبہ ص ۱۵۸ ج ۱)

(۸) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا۔

امر النبی ﷺ عمار ان یفعل ہکذا، و ضرب بیدہ الی الارض ثم نفضہما و مسح علی
وجہہ قال الحکم ویدہ وقال سلمة و مرفقیہ،

نبی مکرم ﷺ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو اس طرح کرنے کا حکم دیا تھا (یہ کہہ کر سیدنا عبداللہ بن ابی
اوفی رضی اللہ عنہ حکم نبوی کی وضاحت کی کہ) زمین پر دونوں ہاتھوں کو مارا پھر ان کو جھاڑا اور اپنے چہرہ اور
ہاتھوں پر مسح کیا۔

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی التیمم ضربة واحدة، الحدیث ۵۷۰)

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس میں، مرفقیہ، کے الفاظ منکر ہیں (ضعیف ابن ماجہ) جس کی وجہ

سے ہم نے ان الفاظ کا ترجمہ رہنے دیا ہے۔

خلاصہ کلام: ان مذکورہ احادیث سے ایک ضرب کے ساتھ تیمم کرنا ثابت ہے یہی موقف ہے
سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمار رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین سے امام شعیب امام عطاء امام کچول
وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام احمد امام اسحاق اور امام بخاری رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

(ترمذی مع تحفہ ص ۱۳۳ ج ۱، المحلی لابن حزم ص ۳۷۱ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۸

ج ۱)

فصل دوم

(۱) عن ابن عمر النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی

المرفقین۔

(دارقطنی ص ۱۸۰ ج ۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو
ضربیں ہوتی ہیں کہ ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے، (حدیث اور اہل
حدیث ص ۲۲۱) اس دلیل کو مولانا صاحب نے (مستدرک حاکم ص ۱۷۹ ج ۱) سے نقل کر کے دلیل نمبر ۳
کا عنوان دیا ہے ص ۲۲۲۔

الجواب اولاً: ہم مولانا صاحب کی مجبوری کو بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ایک ہی روایت کو مختلف کتب احادیث سے نقل کر کے علیحدہ علیحدہ دلیل کیوں بتلاتے ہیں۔

قارئین کرام یہ صرف تقلیدی ہاتھ کی صفائی ہے، ورنہ یہ روایت متن اور سند کے لحاظ سے ایک ہی ہے، اور اس کا دارودار علی بن ظلیان راوی پر ہے، علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں

اما حدیث ابن عمر فرواہ فی المستدرک والدارقطنی فی سننہ من حدیث علی بن ظلیان عن عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر۔

یعنی ابن عمر کی حدیث کو حاکم نے مستدرک میں اور دارقطنی نے سنن میں علی بن ظلیان کی سند سے روایت کیا ہے۔ (نصب الراية ص ۱۵۰ ج ۱)

قارئین کرام اس تفصیل سے آپ مولانا صاحب کی ہیرا پھیری اور بددیانتی کو معلوم کر چکے ہونگے۔

ثانیاً: علی بن ظلیان، راوی مجروح ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں ہیچ محض ہے، ابن معین فرماتے ہیں کذاب خبیث اور غیر ثقہ ہے امام بخاری امام ابن محرز نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ امام محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں ضعیف ہے اور اسکی تمام مرویات ضعیف ہیں۔ امام نسائی امام ابو حاتم امام ابو الفتح متروک الحدیث قرار دیتے ہیں امام ابوزرعہ کا کہنا ہے سخت واہی الحدیث ہے، ساجی کہتے ہیں ضعیف اور مناکیر روایت کرتا ہے، دارقطنی نے ضعیف کہا ہے، ابن حبان کہتے ہیں اسکی مرویات سے احتجاج ساقط ہے، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں اس نے مجھ سے تین روایات منکر بیان کی تھیں۔

(تہذیب ص ۳۲۲ ج ۷ و میزان ص ۱۳۲ ج ۳)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

(۲) عن جابر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین۔

(دارقطنی ص ۱۸۱ ج ۱)

حضرت جابر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں ایک ضرب چہرہ کے لئے ہے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں بازوؤں کے لئے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۱)

الجواب اولاً: اسکی سند میں ابوزبیر، راوی ہے۔ (دارقطنی ص ۱۸۱ ج ۱، ومستدرک حاکم ص ۱۸۰ ج ۱، و بیہقی ص ۲۰۷ ج ۱) اور یہ تدلیس میں مشہور ہے جیسا کہ امام نسائی وغیرہ نے صراحت

کی ہے (طبقات المدلسین ص ۴۵) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ مععن مروی ہے، لہذا ضعیف ہے۔

ثانیاً: امام دارقطنی فرماتے ہیں درست یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے، پھر آگے امام دارقطنی نے (سنن ص ۱۸۲ ج ۱) میں اسے موقوف روایت بھی کیا ہے۔ راوی حدیث عذرہ بن ثابت کے حفاظ شاگرد اسکو موقوف روایت کرتے ہیں صرف عثمان بن محمد اسکو مرفوع نقل کرتا ہے۔ اور جب ثقہ اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے تو ایسی روایات شاذ کہلاتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت پر شاذ کا حکم لگایا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۱۵۲ ج ۱)۔

(۳) اس نمبر کا جواب پہلے نمبر میں گزر چکا ہے

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان تیمم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضربتین ضربتہ للوجه وضربتہ للیدین الی المرفقین۔

(جامع المسانید ص ۲۳۳ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیمم دو ضربیں تھا ایک ضرب چہرہ کے لیے اور دوسری کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۲)۔

الجواب: جامع المسانید کے مرتب نے اس روایت کو محمد بن مظفر کی مسند سے نقل کیا ہے جس میں سلسلہ سند اس طرح ہے، عن ابی اسحاق ابراہیم بن احمد بن عبد اللہ القذوینی عن یوسف بن موسیٰ المروزی عن ابی بکر موسیٰ بن سعید عن ابی حنیفہ۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے تینوں راوی مستور و مجھول ہیں، ہمارا فاضل معاصر اصول جرح و تعدیل کو سامنے رکھ کر ان کی عدالت وثقات ثابت کرے۔

خاکسار نے تقریباً تمام متداول رجال کی کتابوں کو سرسری نظر سے دیکھا ہے، مگر ان کے تراجم نہیں ملے علاوہ ازیں امام ابو حنیفہ بحیثیت راوی سبکی الحفظ ہیں تفصیل فاتحہ خلف الامام کی بحث میں آرہی ہے، پانچواں راوی اس میں امام ابو حنیفہ کا استاد، عبدالعزیز بن ابی رواد ہے اور یہ صدوق قسم کا راوی ہے اور ایسے راویوں کی روایات متابعت کی صورت میں قابل قبول ہوتی ہیں، ورنہ نہیں۔

الغرض جس روایت میں تین راویوں کی جہالت ہو چوتھا سبکی الحفظ ہو پانچواں صدوق تو ہو مگر متابعت ثابت نہ ہو اس کے باطل اور من گھڑت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

(۵) عن نافع ان ابن عمر تیمم فی مرید النعم فقال بیدہ علی الارض فمسح بہما

ووجه ثم ضرب بهما علی الارض ضرباً آخری ثم مسح بهما یدیه الی المرفقین۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۸ ج ۱)۔

حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے چوپایوں کے باڑہ میں تیمم کیا، آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر جھکائے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۲)

الجواب اولاً: اس اثر سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ما کول اللحم جانوروں کا پیشاب و گوبر پاک ہے، کیونکہ روایت میں صراحت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے باڑہ میں تیمم کیا اور تیمم میں مٹی وغیرہ کا پاک ہونا شرط ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ باڑہ میں پیشاب و گوبر لازمی ہوتا ہے جس کا نتیجہ لازمی یہی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کو طاہر جانتے تھے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک یہ نجس ہیں، خود مولانا صاحب نے (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۶۶) میں اس مسئلہ پر ایک مستقل باب تحریر کیا ہے، الغرض یہ روایت آپ کے بھی خلاف ہے۔ فما کان جو ابکم فہو جو ابنا۔

ثانیاً: اسکی سند میں، ایوب بن وائل راوی ہے امام ازدی فرماتے ہیں مجھول ہے امام بخاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کا کوئی متابع نہیں ہے (میزان الاعتدال ص ۲۹۵ ج ۱) الغرض یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

ثالثاً: یہ روایت موقوف ہے اور ہم نے صحیح مرفوع احادیث نقل کی ہیں، اور موقوف روایت مرفوع کے بالمقابل ناقابل حجت ہوتی ہے، راجح مقدم۔

(۶) عن نافع قال سالت ابن عمر عن التیمم فضرِب بیدیه الی الارض و مسح بهما یدیه ووجه و ضرب ضرباً آخری فمسح بهما زراعیه۔
(طحاوی ص ۸۱ ج ۱)۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے تیمم کے بارے میں سوال کیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا پھر دوسری بار دونوں ہاتھ مارے اور ان سے دونوں بازوؤں کا مسح کیا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۳)

الجواب اولاً: یہ روایت موقوف ہے جو مرفوع کے بالمقابل ناقابل حجت ہے، راجح مقدم۔

ثانیاً: یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہے، لہذا حجت نہیں، راجح مقدم۔

ثالثاً: ذراع، کا لفظ چھوٹی انگلی سے لیکر کہنی تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے، جس میں کہنی کا حصہ شامل نہیں ہوتا، لغت عرب کے مسلم امام زحشری فرماتے ہیں۔

ذرع من طرف المرفق الی طرف الوسطی۔

(اساس البلاغہ۔ ص ۱۴۲)

علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں مابین طرف الموفق الی طرف الاصبح الوسطی۔ (لسان

العرب ص ۹۳ ج ۸) یہی معنی علامہ زبیدی نے کیا ہے (تاج العروس ص ۳۳۳ ج ۵)۔

الغرض ذراع میں کہنی شامل نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہنی پر مسح

نہیں کیا تھا، جبکہ مبتدعین دیانہ کے نزدیک کہنی کا مسح بھی تیمم میں شامل ہے۔ (بہشتی زیور ص ۶۲

حصہ اول) فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۷) عن علي بن ابي طالب كرم الله وجهه قال التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة

للذراعين الی المرفقين۔

(مسند امام زید ص ۷۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تیمم دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک ضرب

کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۳)

الجواب: انوار صاحب کو یہ دلیل درج کرتے ہوئے کچھ شرم و حیا کرنا چاہئے تھا۔

مسند زید امام زید بن علی کی طرف منسوب ہے، یہ رافضی راویوں کی وضع کردہ ہے۔ اس کتاب کی

پوزیشن بالکل اسی طرح ہے، جو حافظ بارک اللہ مرحوم نے، زینت الاسلام میں ایک حکایت لکھی ہے کہ

ایک نالائق شخص تھا، محنت کرنے میں اسے عار تھی، والدین نے شادی کردی کہ چلو اب ہی سہی، مگر وہ

بدستور کاہل ہی رہا، بیوی نے مجبور کیا تو گاؤں سے محنت مزدوری کرنے کے لئے شہر چلا آیا، مگر یہاں

بھی وہ، جو گاؤں بھوکا وہ شہر میں بھی بھوکا، کا مصداق تھا، اپنی گزر بسر کے لئے محنت کرتا، بیوی کو کچھ نہ

بھیجتا آخر دو تین سال کے بعد اس کی بیوی نے خط لکھا کہ تیری بیوی بیوہ ہوگئی ہے، خط پڑھ کر وہ زور

زور سے رونے لگا، اہل محلہ نے دریافت کیا تو کہنے لگا کہ میری بیوی کا خط آیا ہے کہ میں بیوہ ہوگئی

ہوں، دوست احباب نے سمجھایا کہ تیرے زندہ ہوتے ہوئے وہ بیوہ کیسے ہوگئی؟ بات دل کو لگی، خاموش

ہوگیا، مگر تھوڑی دیر بعد مکرر رونے لگ گیا، لوگوں نے پوچھا اب کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا بات آپ کی

درست ہے مگر خط میں بھی لکھا ہے کہ تیری بیوی بیوہ ہوگئی ہے، انوار صاحب کی یہ دلیل بھی بالکل اسی

حکایت جیسی ہے کہ مسند زید میں لکھا ہے، محترم سننے مسند زید کو جمع کرنے والا شیر بہادر، عبدالعزیز بن

اسحاق بغدادی ہے، امام ابو قاسم تنوخی فرماتے ہیں شیعہ کے متکلمین سے ہے، امام ابو فارس فرماتے ہیں

خبیث العقیدہ تھا میں نے اس کی تالیفات کو دیکھا ہے، اس میں ردی روایات ہیں۔

(تاریخ بغداد ص ۲۵۸ ج ۱۰ رقم الترجمہ ۵۶۲۷)۔

کتاب کی سند میں ایک راوی ابو خالد عمرو بن خالد واسطی ہے۔

وکج فرماتے ہیں کہ میرا ہمسایہ تھا حدیث وضع کرتا تھا، امام یحییٰ بن معین امام احمد بن حنبل اور امام

دارقطنی رضی اللہ عنہ نے کذاب قرار دیا ہے۔

(میزان ص ۲۵۷ ج ۳)۔

امام احمد رضی اللہ عنہ نے یہاں تک صراحت کی ہے کہ یہ زید بن علی کے آباء واجداد سے موضوع روایات نقل کرتا اور جھوٹ بولتا ہے امام اسحاق بن راہویہ اور ابو زرہ کہتے ہیں کہ احادیث وضع کرتا تھا، امام ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے کذاب قرار دیا ہے۔ امام ابو حاتم نے متروک الحدیث اور ذاہب الحدیث کہا ہے۔

(تہذیب الکمال ص ۴۰۸ ج ۵)۔

جو زبانی کہتے ہیں کہ غیر ثقہ ہے اسے برقی نے کذاب قرار دیا ہے، امام حاکم فرماتے ہیں کہ زید بن علی سے موضوعات روایت کرتا ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام احمد نے حسن بن ذکوان سے روایت لینا ترک کر دی تھی کہ یہ عمرو سے روایت کرتا ہے۔ (تہذیب ص ۲۷ ج ۸)۔

دوسرا راوی نصر بن مزاحم ہے، یہ رافضی ہے، امام عجل فرماتے ہیں رافضی ثقہ و مامون نہیں، ابو یوسف نے کذاب قرار دیا ہے ابو حاتم کہتے ہیں وہی الحدیث اور متروک ہے۔

(میزان ص ۲۵۴ ج ۴ ولسان ص ۱۵۷ ج ۶)۔

الغرض مسند زید کے راوی دجال و کذاب اور خبیث العقیدہ لوگ ہیں ان پر اعتماد صرف انوار خورشید جیسے محقق ہی کر سکتے ہیں، ہم تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۸) عن جابر انه ضرب بيديه الارض ضرباً فمسح بهما وجهه ثم ضرب بهما الارض

ضرباً الاخرى فمسح بهما ذراعيه الى المرفقين۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۱ ج ۱)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۳)

الجواب: اولاً یہ روایت قول صحابی ہے جو مرفوع حدیث کا معارض نہیں ہو سکتا جیسا کہ مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابی الزبیر راوی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۹ ج ۱)۔ اور یہ تدلیس کرنے میں مشہور ہے جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۴۵) (مزید تفصیل آگے مسئلہ فاتحہ میں انشاء اللہ آرہی ہے) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۹) عن حبيب الشهيد انه سمع الحسن سئل عن اليتيم فضرب بيده على الارض فمسح بهما وجهه ثم ضرب بيديه على الارض ضربة اخرى فمسح بهما يديه الى المرافقين۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۸ ج ۱)۔

حضرت حبیب شہید سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت حسن (بصری) کو سنا کہ آپ تیمم کے بارے سوال کیا گیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرے کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۳)۔

الجواب: اولاً: آپ نے پہلی غلطی تو یہ کی کہ حبیب بن شہید کو حبیب شہید قرار دیا، دوسری غلطی یہ کی ہے حسن سے مراد حسن بصری سمجھا، حالانکہ جس حسن سے حبیب روایت کرتا ہے وہ حسن بن ثابت ہے (تہذیب ص ۱۶۲ ج ۲) جبکہ حسن بصری کی ولدیت ابی الحسن بن یسار ہے، معلوم نہیں ہمارا معاصر اور دیوبندیت کا محقق طبقات علماء سے اتنا ناواقف کیوں ہے؟

واضح رہے کہ حسن بن ثابت متکلم فیہ راوی ہے (میزان ص ۴۸۱ ج ۱)۔

ثانیاً: اگر حسن بصری بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ حسن تابعی ہیں۔ اور تابعین کے اقوال احادیث مرفوعہ کے معارض نہیں ہو سکتے، خود امام ابوحنیفہ تابعین کے اقوال کو ناقابل حجت کہتے ہیں راجح مقدمہ۔

(۱۰) عن ابن طاؤس عن ابيه انه قال التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للزرع اعم الى

المرافقين۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۹ ج ۱)

ابن طاؤس اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۳)

الجواب: امام طاؤس درمیانے درجے کے تابعین ہیں، اور ہم مقدمہ میں وضاحت کر چکے ہیں کہ تابعین کے اقوال حجت نہیں ہوتے بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے مخالف و معارض ہوں، علاوہ ازیں امام طاؤس کے کتنے ہی اقوال ہیں جن کو خود حنفی بھی تسلیم نہیں کرتے ان کی تفصیل تو بات کو لمبا کر دے گی، ہم یہاں صرف یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ امام طاؤس سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ نبی ﷺ سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ (مراسیل ابوداؤد ص ۶)

لیکن حنفی اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ حنفی اصول کے موافق یہ روایت صحیح حدیث ہے کیونکہ ان کے نزدیک مرسل حجت ہے، غور کیجئے کہ ایک طرف امام طاؤس کی بیان کردہ حدیث کو بھی قبول نہیں کرتے (اس لیے ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے) جبکہ دوسری طرف ان کا فتویٰ بھی حجت باور کراتے ہیں۔ اور خصم پر بطور دلیل نقل کرتے ہیں۔ فریق مخالف کو یہ دعوت فکر نہیں بلکہ سراسر مجادلہ و مکابرہ ہے جو محققین کی بجائے الدانخصام پارٹی کا شیوہ و شعار ہے،

ہم عرض کرتے ہیں کہ مرفوع احادیث کے خلاف علماء کے اقوال کو زیادہ سے زیادہ یہ درجہ حاصل ہے کہ ان کو ان احادیث کا علم نہ تھا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنہی کے لیے تیمم کو ناجائز سمجھتے تھے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

هذا يدل على ان اخبار الاحاديث العدول من علم الخاصة قد يخفى على الجليل من العلماء منها الشئى۔

یہ آپ کے لیے دلیل ہیں کہ صحیح مرفوع احادیث خاص علم سے ہے اور کبھی یہ جلیل القدر علماء پر بھی اس کا کوئی پہلو مخفی رہ جاتا ہے۔ (التمہید ص ۲۷۱ ج ۱۹)

(II) عن الزهرى قال التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للزراعين،

(مصنف ابن ابى شيبه ص ۱۵۹ ج ۱)

امام زہری فرماتے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں کہ ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لیے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۴)

الجواب اولاً: یہ قول امام زہری کا ہے اور امام زہری اتباع تابعین سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دین میں اتباع تابعین کے اقوال کی حیثیت محض امتی کے قول جیسی ہے،

ثانیاً: اس قول میں ذراع تک مسح کرنے کا بیان ہے، اور خفیوں کے نزدیک ہاتھ کا مسح کفایت نہیں کرتا بلکہ ان کے نزدیک مسح میں کہنی شامل ہے، فما كان جو ابکم فہو جو ابنا۔

ثالثاً: امام زہری سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ کندھوں تک مسح کرے۔

(التمہید ص ۲۸۳ ج ۱۹)

اور یہ چیز بھی خفیوں کے خلاف ہے، امام زہری کے اقوال کو خصم پر حجت بنانے والو بتاؤ اس قول کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ علاوہ ازیں امام زہری سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، (مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۲ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۷۰، ۱۰۰) اس کو کیوں نہیں مانتے، آخر آپ کا معیار، بیٹھا بیٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو، کیوں ہے، آپ بیٹھا کے لالچ میں جوٹھا کیوں نہیں کھاتے۔

(۱۲) عن ابراهیم فی التیمم قال تصنع راحتیک فی الصعید فتمسح و جهک ثم تضعهما

ثانیة فتضعهما فتمسح یدیک و زراعیک الی المرفقین۔

(کتاب الاثار للامام ابی حنیفہ بروایت امام محمد ص ۱۵)

حضرت ابراہیم نخعی سے تیمم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر رکھ کر چہرہ کا مسح کر لو پھر دوبارہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھاڑو اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ اور بازوؤں کا مسح کر لو، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۰)

الجواب اولاً: ابراہیم نخعی رویت کے لحاظ سے بلاشبہ تابعی ہیں اور دین میں تابعین کے اقوال حجت

نہیں، راجع مقدمہ،

ثانیاً: احناف کے نزدیک تیمم کے لیے مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنے چاہیے، فقہ حنفی میں فقط مٹی پر رکھنے

کا ذکر نہیں، خود ہمارے مہربان نے ضربتان، کا عنوان لگایا ہے، ص ۲۲۱

ثالثاً: احناف کے نزدیک دونوں ضربوں میں ہاتھوں کو جھاڑنا چاہیے، جیسا کہ امام محمد نے کتاب

الاثار میں مذکورہ روایت کے متصل وضاحت کی ہے، حالانکہ ابراہیم نخعی کے قول میں صرف دوسری ضرب

میں جھاڑنے کا بیان ہے، فما کان جو ابکم فھو جو ابنا،

رابعاً: اسکی سند میں امام محمد ہے، جو بحیثیت راوی مجروح ہے،

دوسرا راوی امام ابوحنیفہ ہیں، جو سبکی الحفظ ہیں، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں آرہی ہے،

خلاصہ کلام: مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ مؤلف حدیث اور اہل حدیث اپنے موقف

پر دو حدیثیں تین آثار صحابہ کرام اور چار اقوال تابعین عظام نقل کئے ہیں، جن کی حقیقت عرض کر دی گئی

ہے۔

(۱۹) باب حیض کی مدت عادت اور خون اسود وغیرہ کی پہچان ہے

فصل اول

(۱) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

ان فاطمة بنت ابی حبیب كانت تستحاض فسالته النبي ﷺ فقال ذلك عرق وليست بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فدعى الصلاة واذا ادبرت فاغسلي واصلی۔

یعنی سیدہ فاطمہ بنت حبیب رضی اللہ عنہا مستحاضہ تھیں انہوں نے نبی مکرم ﷺ سے سوال کیا تو آپ علیہ التحیة والسلام نے فرمایا یہ حیض نہیں بلکہ عرق (رگ کا خون) ہے، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے پھر جب حیض چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھ،

(صحیح بخاری کتاب الحیض باب اقبال المحیض وادبارہ، الحدیث ۳۲۰) و مسلم کتاب الحیض باب المستحاضة و غسلها و صلاحها، الحدیث ۷۵۳)

اس حدیث کا مطلب صاف ہے کہ تیری عادت کے موافق جتنے دن حیض رہے اتنے دن ہی نماز وغیرہ ترک کر دے اور جب تیری عادت کے مطابق دن پورے ہو جائیں تو تب غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھا کرو، چنانچہ حدیث کے دوسرے طریق میں اس کی وضاحت ہے۔

(۲) عن عائشة ان فاطمة بنت ابی حبیب سالته النبي ﷺ قالت انی استحاض فلا اطهر، أفادع الصلاة؟ فقال: لا، ان ذلك عرق ولكن دعى الصلاة قدر الايام التي كنت تحيضين فيها، ثم اغتسلي واصلی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیب نے نبی مکرم ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے استحاضہ ہوتا پھر پاک نہیں ہوتی (یعنی حیض بند نہیں ہوتا) تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ تو آپ علیہ السلام نے کہا نہیں یہ تو رگ کا خون ہے لیکن تو نماز اتنے دن چھوڑ دے جتنے دن تجھے (اس بیماری سے پہلے) حیض آیا کرتا تھا۔ پھر غسل کر کے نماز پڑھ،

(بخاری کتاب الحیض باب اذا حاضت فی شهر ثلاث حیض، الحدیث ۳۲۵)

(۳) عن عائشة زوج النبي ﷺ انها قالت ان ام حبیبة بنت جحش التي كانت تحت عبد الرحمن بن عوف۔ شككت الی رسول الله ﷺ الدم فقال لها، امكثی قدر ما كانت تحيضك حیضتك، ثم اغتسلي، فكانت تغتسل عند كل صلاة۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انہوں نے نبی ﷺ سے خون کی شکایت کی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا اتنے دن ٹھہری رہو جتنے دن (بیماری سے پہلے) حیض آیا کرتا تھا، اور پھر غسل کر کے (عبادات بجا لاؤ) چنانچہ وہ (استحباباً) ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔

(مسلم کتاب الحيض باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، الحديث ۷۲۰)

(۴) عن ام سلمة زوج النبي ﷺ ان امرأة كانت تهراق الدماء في عهد رسول الله ﷺ فاستفتت لها ام سلمة رسول الله ﷺ فقال لتنظر الى عدد الليالي والايام التي كانت تحيضهن من الشهر قبل ان يصيبها الاذى اصابها فلتترك الصلوة قدر ذلك من الشهر فاذا خلفت ذلك فلتغتسل ثم لتستغفر ثم لتصلى۔

نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کا خون بہتا تھا، میں نے اس عورت کے لیے آپ علیہ التحیۃ والسلام سے فتویٰ پوچھا، تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جتنے دن اور راتیں اس بیماری سے پہلے اس کو حیض آتا تھا اتنے دن اور راتیں نماز چھوڑ دے، اور ہر مہینے میں جب وہ عادت کی مدت گزر جائے تو غسل کرے اور شرمگاہ پر کپڑا باندھ کر نماز پڑھے۔

(موطا امام مالك باب المستحاضة، الحديث ۲۹) و مسند احمد ص ۲۹۳، ۳۲۰ ج ۶ و ابوداؤد رقم الحديث ۲۷۴) و نسائی رقم الحديث ۳۵۵، ۲۰۹) و ابن ماجه رقم الحديث ۶۲۳ (۵) سیدنا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

عن فاطمة بنت ابی حبيش قال، انها كانت تستحاض، فقال لها النبي ﷺ اذا كان دم الحيضة فانه دم اسود يعرف فاذا كان ذلك فامسكي عن الصلاة فاذا كان الاخر فتوضي وصلي فانما هو عرق۔

حضرت فاطمہ بنت ابی حبیص رضی اللہ عنہا مستحاضہ تھیں، ان کو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے، جو معلوم ہو جاتا ہے، جب یہ خون ہو تو نماز نہ پڑھو، اور جب اس کے علاوہ ہو تو وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ رگ کا خون ہے،

(ابو داؤد رقم الحديث ۲۸۶، و نسائی رقم الحديث ۳۶۲، و دارقطنی ص ۲۰۷ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۱۷۲ ج ۱ و بیہقی ص ۳۲۵ ج ۱ و مشکل الآثار ص ۳۰۶ ج ۱ و ابن حبان رقم الحديث ۱۳۴۵)

(۶) عن ابن عباس فی المستحاضة قال اذا رأت الدم البحرانی فلا تصلی و اذا رأت الطهر ولو ساعة فلتغسل وتصلی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا کہ جب وہ گاڑھا سیاہ خون دیکھے تو نماز نہ پڑھے اور جب پاکی دیکھے خواہ تھوڑی سی ہی دیر ہو غسل کر کے نماز پڑھے۔

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب اذا اقبلت الحيضة تدع الصلوة، الحدیث ۲۸۶، وسنن دارمی ص ۲۲۴ ج ۱ رقم الحدیث ۸۰۰، ۸۰۱)

(۷) سئل ابن عباس عن المرأة تستحاض؟ قال، تنتظر قدر ما كانت تحيض فلتحرم الصلوة ثم لتغتسل وتصل۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستحاضہ عورت کے متعلق سوال ہوا، تو آپ نے فرمایا اتنی مدت انتظار کرے اور نماز سے علیحدہ رہے جتنی مدت اسے (بیہاری سے پہلے) حیض آتا تھا، پھر غسل کر کے نماز پڑھے۔

(سنن دارمی ص ۲۲۴ ج ۱ کتاب الطہارۃ باب فی غسل المستحاضة الحدیث ۷۹۷)

(۸) قال مکحول ان النساء لاتخفی علیہن الحيضة ان دمها اسود غليظ فاذا ذهب ذلك وصارت صفرة رقيقة فانها مستحاضة فلتغسل وتصلی،

امام مکحول فرماتے ہیں کہ عورتوں سے حیض کا خون مخفی نہیں ہوتا، بلاشبہ وہ گاڑھا سیاہ ہوتا ہے، جب یہ ختم ہو کر پتلی زردی سی آنے لگے تو وہ استحاضہ ہے اسے غسل کر کے نماز پڑھ لینا چاہیے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب اذا اقبلت الحيضة تدع الصلوة)۔

(۹) عن عطاء قال ادنی وقت الحيض يوم۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ حیض کی کم مدت ایک دن ہے۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۳۲۰ ج ۱ کتاب الحيض باب اقل الحيض)

ان احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ حیض کے دن عادت اور شناخت کے مطابق ہیں۔ احادیث نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۷ سے عادت کا ثبوت ہے اور احادیث نمبر ۵ اور ۸ سے شناخت کا ثبوت ہے، اس کا انکار صحیح احادیث کا انکار ہے۔

فصل دوم

(۱) عن ابی امامة عن النبی ﷺ قال اقل الحيض ثلاث واكثره عشر۔

(رواه الطبرانی فی الكبير والوسط، مجمع الزوائد ص ۲۸۰ ج ۱)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حیض کی کم

از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دن دن ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۶)

الجواب اولاً: آپ نے جہاں سے روایت نقل کی ہے وہاں ہی آگے لکھا ہے کہ اسکی سند میر عبد الملک کوئی راوی ہے جسے کوئی نہیں جانتا۔

(مجمع الزوائد ص ۲۸۰ ج ۱)

ثانیاً: ابی امامة رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے امام مہجول ہیں۔ (طبرانی کبیر ص ۱۲۹ ج ۸ (۷۵۸۶)

وطبرانی الاوسط ص ۳۵۶ ج ۱ (۶۰۳) اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ سیدنا ابی امامة رضی اللہ عنہ سے امام مہجول

کا سماع اور ملاقات نہیں ہوئی، (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۱۲) امام دارقطنی فرماتے ہیں۔ اس روایت

کی سند میں عبد الملک راوی مہجول ہے، علاء بن کثیر ضعیف ہے اور مہجول نے ابی امامة سے کچھ بھی نہیں

سنا (سنن دارقطنی ص ۲۱۸ ج ۱) جس روایت کی سند میں ایک راوی مہجول ہو دوسرا ضعیف ہو، سند بھی

منقطع ہو اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

(۲) عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحيض ثلثة ايام واكثره عشر

ایام۔

(دارقطنی ص ۲۱۹ ج ۱)

حضرت واثلة بن اسقع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور

زیادہ سے زیادہ دن دن ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۶)

الجواب اولاً: امام دارقطنی نے آگے ہی محدثانہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ اسکی سند میں حماد بن المنہال

بصری راوی مہجول ہے اور احمد بن انس ضعیف ہے۔ (دارقطنی ص ۲۱۹ ج ۱) امام ابن حبان رضی اللہ

فرماتے ہیں اس کی سند میں (دوسرا) راوی محمد بن راشد ہے جو کثرت سے مناکیر روایت کرتا ہے، جس کی

وجہ سے مستحق ترک ہو گیا ہے۔ (کذا فی نصب الرایہ ص ۱۹۲ ج ۱)

راقم عرض کرتا ہے کہ سیدنا واثلة بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے امام مہجول ہیں اور امام

ابو حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہجول کا سیدنا واثلة رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہوا۔

(مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۱۳)

الغرض جس روایت میں جہالتِ راوی کے علاوہ دوسری راوی ہوں اور سند بھی منقطع ہو، اس کے من گھڑت اور باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے، امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دونوں روایات کو احادیثِ واپسی قرار دیا ہے۔ (العلل المتناہیہ ص ۳۸۴ ج ۱)

ثانیاً: دونوں روایات میں امام کھول ہیں جو فریقِ ثانی کے نزدیک معیاری ثقہ نہیں۔
(احسن الکلام ص ۹۶)

دیکھئے یہاں بھی اس بات پر قائم رہتے ہیں کہ نہیں۔

(۳) عن انس قال ادنی الحیض ثلثۃ ایام۔

(رواہ الدارمی ص ۱۷۲ ج ۱ قلت رجالہ رجال مسلم، اعلاء السنن ص ۲۲۷ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۶)

الجواب: یہ روایت بلاغاتِ ثورمی ہے سلسلہ سند یہ ہے قال سفیان بلغنی عن انس۔

(دارمی ص ۲۳۱ ج ۱ رقم الحدیث ۸۴۳)

الغرض یہ روایت منقطع ہے، لہذا ضعیف ہے، آگے مصنف نے جو متصل نقل کی ہے، اسکی تفصیل نمبر

۴ میں آتی ہے۔

(۴) عن انس قال ادنی الحیض ثلثۃ واکثرہ عشرۃ۔

(دارقطنی ص ۲۰۹ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۷)

الجواب اولاً: اسکی سند میں، جلد بن ایوب راوی ہے، امام ابن راھویہ امام احمد امام ابو حاتم امام ابن عیینہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام دارقطنی متروک الحدیث کہتے ہیں، ابو زرعہ، لیس قوی، (قوی نہیں) فرماتے ہیں۔ ابن معین مضطرب قرار دیتے ہیں۔ ابو معمر فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے کسی کے متعلق

برے الفاظ نہیں سنے سوائے جلد بن ایوب کے۔ (لسان المیزان ص ۱۳۳ ج ۲)

دوسرا راوی امام سفیان ہیں جو ثقہ و ثبت ہیں مگر مدلس ہیں (تفصیل رفع الیدین کی بحث میں آ رہی ہے) اور تحدیث کی صراحت نہیں تیسرا راوی ابو احمد الزبیری (محمد بن عبداللہ) ہیں یہ بھی ثقہ و ثبت ہیں مگر

سفیان کی روایات میں خطائیں کرتے ہیں۔ (تقریب ص ۳۰۴) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

سفیان ثوری کی روایات میں کثرت سے خطائیں کرتے ہیں۔ (تہذیب ص ۲۰۰ ج ۹) اس تفصیل سے ثابت

ہوا کہ یہ روایت دراصل بلاغاتِ سفیان ثوری سے ہے جس کو متصل بیان کرنے میں، ابو احمد الزبیری سے

غلط ہوئی ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (سنن دارقطنی ص ۲۱۰ ج ۱)

ثانیاً: من گھرت اور سخت ضعیف اقوال صحابہ سے احادیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام کو رد کرنا محض اہل الرائے کا ہی دستور ہے کیونکہ یہ تقلیدی مذہب کو تقویت دینے کے چکر میں ہیں ورنہ موقوف مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں، راجع مقدمہ۔

(۵) عن الحسن ان عثمان بن ابی العاص الثقفی قال الحائض اذا جاوزت عشرة ايام

فهی بمنزلة المستحاضة تغسل وتصلی۔ (دارقطنی ص ۲۱۰ ج ۱)

حضرت حسن بصری حضرت عثمان بن ابی العاصؓ ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حائضہ عورت جب دس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ بمنزلہ مستحاضہ عورت کے ہیں غسل کر کے نماز پڑھے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۷)

الجواب اولاً: سیدنا عثمان سے روایت کرنے والے حسن بصری ہیں اور حسن کثرت سے ارسال کرتے ہیں۔ تالیس کا الزام بھی ان پر ہے۔ (تقدیب ص ۲۹) فریق ثانی پر لازم ہے وہ دلائل سے حسن کی سیدنا عثمان سے ملاقات و سماع ثابت کرے پھر اس روایت میں تحدیث کی وضاحت دکھائے، اگر یہ تمام چیزیں مفقود ہیں تو مجرد علامہ تھانوی کا یہ لکھنا کہ اسکی سند لا باس بہ، ہے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ثانیاً: موقوف مرفوع کے بالمقابل مرجوع ہوتی ہے، علاوہ ازیں جو مسائل صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہوں وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوتے، راجع مقدمہ

(۶) عن سفیان قال اقل الحيض ثلث واكثره عشر۔ (دارقطنی ص ۲۱۰ ج ۱)

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۷)

الجواب امام سفیان اتباع تابعین سے ہیں۔ اور اقوال علماء دین میں حجت نہیں ہوتے دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے، گو وہ ہمارے اسلاف ہیں مگر دین میں حجت صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات ہے، افسوس فریق مخالف خصم پر ایک امتی کے قول کو بھی بطور حجت نقل کر رہا ہے، اس نالائق کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ امتی کا کام سن کے عمل کرنا ہے، شریعت سازی نہیں۔

خلاصہ کلام: آخر میں ہمارا بھائی چند عبارات علمائے اہل حدیث نقل کر کے لکھتا ہے کہ احادیث و آثار سے تو حیض کی اقل و اکثر مدت ثابت ہو رہی ہے لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نہیں صاحب حیض کی کوئی مدت متعین نہیں، قارئین فیصلہ فرمائیے کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت۔ (ص ۲۲۸)

ہم بھی قارئین کو فیصلہ کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ غور کریں ایک طرف بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث ہیں دوسری طرف من گھرت دجال و کذاب اور مجھول راویوں کی روایات ہیں، فیصلہ کریں صحیح احادیث کو چھوڑ کر من گھرت روایات پر عمل کرنا حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت۔

(۲۰) باب قرآن کریم کو چھونے کے لیے وضو شرط نہیں

فصل اول

(۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

قال ابو سفیان ثم دعا بكتاب رسول الله ﷺ فقري فاذا فيه، بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبدالله ورسوله، الى هرقل عظيم الروم، سلام على من اتبع الهدى اما بعد فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم، واسلم يوتك الله اجرک مرتين فان توليت فعليك اثم الاريسين وياهل الكتب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الاله ولا نشرك به شيا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

(ال عمران ۶۳)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر قیصر روم نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگوا یا وہ پڑھا گیا اس میں یہ لکھا تھا، بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے بادشاہ روم ہرقل کی طرف، جو شخص سیدھے راستے پر چلے اس پر سلام، اس کے بعد میں تجھے اسلام کے کلمے کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ تو سلامت رہو گے، اللہ تجھے دوہرا اجر دے گا اگر تو مسلمان نہ ہو تو غریب رعیت کا بھی گناہ تجھ پر پڑے گا۔ اور سورہ آل عمران کی یہ آیت لکھی۔ یاہل الكتب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الاله ولا نشرك به شيا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔ (ال عمران ۶۴)

اے اہل کتاب ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی کوئی ہم میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو مربی سمجھے پس اگر منہ پھیریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تابعدار ہیں۔

(بخاری کتاب الجہاد باب دعاء النبی ﷺ الى الاسلام والنبوة..... الحدیث (۲۹۴۱)

یہ حدیث اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم کو بلا وضو چھو یا جاسکتا ہے، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے قیصر روم جو عقیدہ غیر مسلم عیسائی تھا، اس کو خط تحریر کیا جس میں قرآن کریم کی آیت درج کی، اور یہ بات بھی کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ عیسائی وغیرہ وضو نہیں کرتے جبکہ قرآن کے کچھ حصہ اور تمام قرآن کریم کی حرمت و تقدس میں کوئی فرق نہیں ہے جو اس بات کا مدعی ہے وہ دلیل شرعی دے۔

(۸۲۲) اس خط کے علاوہ تقریباً سات خطوط مزید بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام تحریر کیے ان تمام کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتی ہے، بعض میں آیات قرآن کریم بھی ہیں، اللہ ورسول کا نام بھی موجود ہے۔ تفصیل کے لیے (الرحیق المختوم ص ۴۷۶ و زاد المعاد ص ۶۱ ج ۳، و ضیاء النبی ﷺ ص ۱۸۱ ج ۴ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ ص ۳۷۷ ج ۲) ہم نے چار حوالے نقل کیے ہیں۔ (۱) اہل حدیث (۲) محقق ابن قیم (۳) بریلوی (۴) دیوبندی، ان میں سے جس پر چاہیں اعتماد کر لیں۔

فصل دوم

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ (۵۶-۷۹)۔ نہیں چھوتے اس کو مگر پاک لوگ۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۹)

الجواب: یہ خبر ہے حکم نہیں ہے، خبر کو بمعنی امر لینے کے لیے، قرآن و حدیث سے دلیل دیجئے جو آپ کے پاس قطعاً نہیں، واضح رہے کہ یہاں پر دراصل کفار کے ان الزامات کی تردید مقصود ہے جو وہ قرآن پر لگایا کرتے تھے کہ یہ کلام آپ پر جن شیاطین القا کرتے ہیں۔ اس کا جواب قرآن کا کریم میں متعدد مقامات پر دیا گیا ہے (مثلاً سورہ شعراء آیت ۲۱۰ تا ۲۱۲) اسی مضمون کو یہاں پر مطہرین کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے یعنی اسے شیاطین کا لانا یا نزول کے وقت دخل انداز ہونا تو درکنار جس وقت یہ لوح محفوظ سے نبی پر نازل کیا جاتا ہے اس وقت مطہرین یعنی پاک فرشتوں کے علاوہ کوئی قریب بھی پھٹک نہیں سکتا، فرشتوں کے لیے مطہرین کا لفظ بمعنی ہر قسم کے ناپاک جذبات اور خواہشات سے پاک ہونا ہے۔ اس آیت کی یہی تفسیر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ، تابعین کرام سے سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ابوالعالیہ، سدی، ضحاک، اور ابن زید نے بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۳ و در منشور ص ۱۲۲ ج ۶ والمحلّ لابن بن حزم ص ۹۸ ج ۱ و ابن

جریر ص ۲۳۰ ج ۲، و زاد المسیر ص ۲۲۸ ج ۳ و قرطبی ص ۱۹۳ ج ۱۷)

نظم قرآن کے ساتھ بھی یہی تفسیر مناسبت رکھتی ہے، فریق ثانی کے نزدیک صحابی کی تفسیر مرفوع

حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔ (احسن الکلام ص ۱۲۱ ج ۱)

دیوبندی حلقے کے نامور اور جدید عالم مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ جمہور کے مسلک پر آیت قرآنی: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ سے استدلال کرنا

ضعیف ہے کیونکہ وہاں مطہرون سے مراد فرشتے ہیں (درس ترمذی ص ۳۹۰ ج ۱)۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ آیت میں فرشتوں کے متعلق خبر دی گئی ہے، امت مرحومہ کو حکم نہیں دیا گیا اور بقول مولانا عثمانی یہ استدلال کمزور ہے۔

(۱) عن حکیم بن حزام ان النبی ﷺ لما بعثه والیا الی الیمن قال لا تمس القرآن الا و انت طاهر۔

(مستدرک حاکم ص ۳۸۵ ج ۳ و دارقطنی ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم قرآن کو نہ چھونا مگر اس حالت میں کہ تم پاک ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ۲۲۹)

الجواب اولاً: اسکی سند میں، مطر الوراق، راوی ہے جس کو ابن معین اور ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، صدوق کثیر الخطاء، یعنی سچا (تو ہے مگر) کثرت سے خطائیں کرتا ہے (تقریب ص ۲۳۸) دوسرا راوی اس میں ابو حاتم سید بن ابراہیم ہے جو گو صدوق ہے مگر سیئی الحفظ اور غلطیاں کرتا ہے۔ (تقریب ص ۱۴۰) امام نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً: طاہر سے کیا مراد ہے، فریق ثانی کے نزدیک وضو مراد ہے جبکہ اس سے حسی نجاست مراد لیا جاسکتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، جعلت لی الارض طہوراً۔ یعنی ساری زمین میرے لیے پاک کرنے والی بنائی گئی۔ (صحیح مسلم کتاب رقم الحدیث ۱۱۶۷)

اور لغوی لحاظ سے طہارت کا معنی نجاست کی ضد ہے (تاج العروس ص ۳۶۲ ج ۳) اس احتمال کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو بات صاف ہے کہ جنسی وحیضہ قرآن کو مس نہ کرے۔

ثالثاً: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کافر کو تعلیم قرآن دینی جائز ہے۔ (التمہید ص ۲۵۴ ج ۱۵)

مفتی کفایت اللہ دہلوی حنفی دیوبندی سے سوال کیا جاتا ہے۔

ایک شخص ہندو اپنے شوق سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہے بلکہ قرآن مجید پڑھنے کا دل سے بہت شوق رکھتا ہے، پڑھانے والا بوجہ حرمت و ادب کلام پاک تامل کرتا ہے۔ جواب: غیر مسلم کو قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے معلم اس کو احترام کلام مجید کی تعلیم بھی دے اور اپنے اوپر بے حرمتی کا کام نہ ہونے

دے۔ (کفایت المفتی ص ۱۴ ج ۲)

کافر جو جنابت وغیرہ کا غسل بھی نہیں کرتے ان کے لیے تو مصحف کو مس کرنا جائز ہے مگر مسلمان کے لیے ناجائز؟ تسلك اذا قسمة صیزی، علاوہ ازیں احناف کے نزدیک نابالغ بچہ مصحف کو بلا وضو چھوسکتا ہے۔ جو ان کی تمام کتب فقہ و فتاویٰ میں کتاب اخصیص کے آخر میں لکھا ہوا ہے، مثلاً دیکھیے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص ۱۵۰ ج ۱ و کفایہ ص ۱۵۰ ج ۱)

حالانکہ حدیث میں اسکی تخصیص نہیں ہے، اگر کہا جائے کہ بچہ مکلف نہیں تو راقم عرض کرتا ہے کہ کیا بچہ بلا وضو نماز بھی ادا کر سکتا ہے؟ کیونکہ بقول حنفیہ کے وہ طہارت کا مخاطب نہیں۔
خلاصہ کلام یہ کہ اس روایت سے حنفیہ کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا یمس القرآن الا طاهر، رواه الطبرانی فی

الکبیر والصغیر ورجاله موثقون۔

(مجمع الزوائد ص ۲۷۶ ج ۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو پاک آدمی کے

سوا کوئی نہ چھوئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۹)

الجواب: اس روایت کو سعید بن محمد، راوی بیان کرنے میں منفرد ہے جیسا کہ امام طبرانی نے صراحت کی ہے اور خطیب نے۔ (تاریخ بغداد ص ۹۴ ج ۹) میں سعید کا ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، لہذا یہ جھول الحال کے مشابہ ہے، دوسری علت اس میں یہ ہے کہ سند میں ابن جریج ہیں۔ اور یہ زبردست قسم کے مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وصفه النسائی وغيره بالتدليس قال الدارقطني شر التدليس تدليس ابن جريح فانه

قبیح التدليس لا يدلس الا فيما سمعه من مجروح،

یعنی امام نسائی وغیرہ نے ان کی تدلیس کی صراحت کی ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے وہ قبیح التدلیس ہیں اور صرف ضعیف و مجروح راویوں سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔

(طبقات المدلسین ص ۴۱)

جبکہ زیر سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معتعن مروی ہے۔

(طبرانی کبیر ص ۲۳۲ ج ۱۲ رقم الحدیث ۱۳۲۱۷) و طبرانی صغیر رقم الحدیث ۱۱۶۲) و دارقطنی

ص ۱۲۱ ج ۱ و بیہقی ص ۸۸ ج ۱)

الغرض یہ روایت سعید کی جہالت اور ابن جریج کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، اور علامہ حیشی کا یہ کہنا کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔

(۳) عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم ان فی الكتاب الذی کتبه رسول الله ﷺ لعمر و بن

حذم ان لا یمس القرآن الا طاهر۔

(موطا امام مالک ص ۱۸۵)

حضرت عبد اللہ بن ابوبکر بن حزم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو خط عمر و بن حذم کو لکھا

تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ قرآن کو ناپاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۹)

الجواب اولاً: آپ نے کافر (جو نص سے نجس ہے) اور بچہ کو کس دلیل سے مستثنا کیا ہے، حالانکہ حدیث میں عموم ہے خصوصی نہیں۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عبداللہ صغیر تابعی ہیں، اور مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے۔ راجع مقدمہ

ثالثاً: اگر کہا جائے کہ (سنن دارقطنی ص ۱۲۲ ج ۱ اور بیہقی ص ۸۸ ج ۱) وغیرہ میں سلیمان بن داؤد کے طریق سے یہ روایت متصل بھی مروی ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ امام ابو داؤد اور نسائی نے کہا ہے کہ راوی الحکم بن موسیٰ نے، سلیمان بن داؤد کہنے میں غلطی کی ہے درست سلیمان بن ارقم ہے اور سلیمان متروک ہے۔ (کذا فی نصب الرایہ ص ۱۹۷ ج ۱) امام نسائی پہلے سلیمان بن داؤد کی سند سے نقل کرتے ہیں پھر سلیمان بن ارقم کا طریق نقل کر کے فرماتے ہیں۔

وهذا شبه بالصواب والله اعلم وسليمان بن ارقم متروك الحديث۔
یعنی صحیح سلیمان بن ارقم ہی ہے اور سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث ۳۸۵۸)

ابن ترکمانی حنفی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (جوہر النقی ص ۸۸ ج ۱)

(۴) عن انس بن مالك قال خرج عمر متقلد السيف فقيل له ان ختنك واختك قد صبوفاتا هما عمر و عندها رجل من المهاجرين يقال له خباب و كانو يقرؤن طه فقال عمر اعطوني الكتاب عندكم اقرأه و كان عمر يقرأ الكتاب فقالت له اخته انك رجس ولا يمسه الا المطهرون فقم فاغتسل او توضا فقام عمر فتوضا ثم اخذ الكتاب فقرأ طه (دارقطنی ص ۱۲۳ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر تلوار لٹکا کر نکلے آپ سے کہا گیا کہ آپ کے بہنوئی اور بہن صابی ہو گئے ہیں۔ آپ سیدھے بہن بہنوئی کے پاس آئے ان کے پاس مہاجرین میں سے ایک صاحب جنہیں خباب کہا جاتا ہے موجود تھے یہ سب سورہ طہ پڑھ رہے تھے حضرت عمر نے کہا کہ وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے تھے میں بھی پڑھوں اور کتاب پڑھنے لگے آپ سے آپ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور کتاب اللہ کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ اس لیے کھڑے ہو اور غسل یا وضو کرو حضرت عمر اٹھے وضو کیا پھر کتاب لے کر سورہ طہ پڑھی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۰)

الجواب: امام دارقطنی نے آگے ہی لکھا ہے کہ سند میں، قاسم بن عثمان راوی ہے جو قوی نہیں جسے مولانا صاحب نے نقل نہیں کیا، امام بخاری اور عقیلی فرماتے ہیں کہ اسکا کوئی متابع نہیں علامہ ذہبی کہتے ہیں یہ روایت سخت منکر ہے۔

(میزان ص ۵ ج ۳ و لسان ص ۴۶۳ ج ۴ و نصب الراية ص ۱۹۹ ج ۱)۔

(۵) کان ابو وائل یرسل خادمه وهی حائض الی ابی رزین فتاتیہ بالمصحف فتمسک

بعلاقته۔

(بخاری ص ۴۳ ج ۱)

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ اپنی خادمہ کو حالت حیض ہی میں حضرت ابو رزین کے پاس بھیجتے تھے اور خادمہ ان کے یہاں قرآن مجید ڈوری سے پکڑ کر لاتی تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۰)

الجواب اولاً: یہ اثر آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کے نزدیک بھی بعض شرائط سے حیض قرآن کو اٹھا سکتی ہے، مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر کلام مجید جزدان میں یا رومال میں لپیٹا ہو یا اس پر کپڑے وغیرہ کی چولی چڑھی ہوئی ہو اور جلد کے ساتھ سلی ہوئی نہ ہو بلکہ الگ ہو کہ اتارے سے اتر سکے تو اس حال میں قرآن مجید کا چھونا اور اٹھانا درست ہے۔ (بہشتی زیور ص ۵۷ حصہ دوم باب بست ونہم مسئلہ نمبر ۱)

حالانکہ مذکورہ اثر میں رسی وغیرہ سے اٹھا کر لانے کا بیان ہے پکڑ کر لانے کا ذکر نہیں اور یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ عموماً قرآن کریم پر غلاف وغیرہ علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے۔

ثانیاً: امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اس اثر کو تعلقاً روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے (تغلیق التعلیق ص ۱۶۸ ج ۲) میں بحوالہ ابن ابی شیبہ اسکی سند ذکر کی ہے، جس میں جریر بن حازم راوی ہے، جس پر تدلیس کا الزام ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۲۰)

اور یہ یہاں تحدیث کی صراحت نہیں ہے۔

ثالثاً: ابو وائل تابعی ہیں۔ اختلافی مسائل میں تابعین کے اقوال حجت نہیں ہوتے (راجع مقدمہ) اس کے بالمقابل ملاحظہ کیجئے۔

عن علقمة بن قیس انه كان اذا اراد ان يتخذ مصحفا امر نصرانيا فنسخه له۔

یعنی حضرت علقمہ بن قیس جب مصحف کو پکڑنے کا ارادہ کرتے تو ایک عیسائی کو حکم دیتے وہ آپ

کے لیے لے آتا۔ (المحلی بالاثار ص ۹۹ ج ۱)

مولانا انوار خورشید کی بددیانتی

فرماتے ہیں نواب وحید الزمان لکھتے ہیں۔

وقیل لا یشترط الطہارۃ لمس المصحف و جزم بہ الشوکانی وغیرہ من اصحابنا۔ (نزل الابرار ص ۹ ج ۱) اور کہا گیا کہ قرآن کو چھونے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے، اسی پر ہمارے اصحاب سے شوکانی وغیرہ نے جزم کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۱)

آگے چل کر اس کا یہ مفہوم بیان کیا کہ بلا طہارت بھی چھونا جائز ہے۔ (ص ۲۳۲) شرط ہونے کے انکار سے جائز ہونا کس اصول کی کتاب میں لکھا ہے۔ بحوالہ صراحت کریں۔ آپ کا استدلال بالکل اس جاہل و نادان کی طرح ہے جو یہ کہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز میں قیام شرط نہیں لہذا حنفیہ کے نزدیک قیام کے بغیر نماز درست ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون آپ نے جو عبارت نواب صاحب کی نقل کی ہے اس سے قبل کی عبارت یہ ہے۔ ومس المصحف علی القول المحقق، یعنی تحقیقی قول یہ ہے کہ مصحف کو بلا وضو چھونا جائز نہیں۔ (نزل الابرار ص ۹ ج ۱) اس عبارت کی موجودگی میں آپ کی نقل کردہ عبارت میں، قیل، کا صیغہ ترمیض ہے جو ضعف پر دال ہے۔ مگر ان تمام حقائق کو آپ نے پے پشت ڈال کر بددیانتی کی ہے،

الغرض اس موقف کو علامہ وحید الزمان کی طرف سے منسوب کرنا غلط بیانی ہے وہ تو اس مسئلہ میں حنفیوں سے بھی زیادہ متشدد ہیں۔ علامہ موصوف کے نزدیک قرآن مجید کا غلاف اور جلد بھی بلا وضو چھونا جائز نہیں۔

(ترجمہ کشف المغطا عن الموطا امام مالک ص ۷۱ مطبوعہ اسلامی اکادمی ۱۹۰۲ھ)

(۲۱) باب حنفیہ کی شرائط نماز

فصل اول

شرائط نماز

قرآن و سنت سے احکام نماز کو فرض واجب، سنت و مستحب اور شرائط میں تقسیم کرنا ثابت نہیں امت مرحومہ کے جلیل القدر اور بزرگ ہستیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس کا ثبوت نہیں، یہ تمام اصطلاحات بعد کی ہیں اسلام میں تمام عبادات بالخصوص نماز کا طریقہ سادہ عام فہم ہے، نبی رحمت رسول مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

صلوا کما رایتہمونی اصلی۔ نماز اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔

(بخاری رقم الحدیث ۲۳۰)

جگہ و بدن اور کپڑوں کی طہارت

قرآن و سنت سے ان تینوں چیزوں کا نماز کے لیے ہونا لازمی و ضروری ہے، اور ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ہاں البتہ کوئی شخص لاعلمی اور غلطی سے، نجس جگہ یا پلید بدن اور گندے کپڑوں میں نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ جس کی بحوالہ پہلے تیمم میں ایک ضرب، کے ابتدا میں بحث گزر چکی ہے، اس کو ایک بار مکرر ملاحظہ کر لیا جائے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاعلمی سے اگر کسی مقام پر نماز کا رکن یا شرائط وغیرہ کا حقہ ادا نہ ہوں تو نماز بہر حال ہو جائے گی، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

(۲) عن ابی سعید الخدری قال بینما رسول اللہ ﷺ یصلی باصحابہ اذ خلع نعلیہ فوضعہما عن یسارہ فلما رای ذلک القوم القوا نعالہم فلما قضی رسول اللہ ﷺ صلاتہ قال ما حملکم علی القائکم نعالکم؟ قالوا راینک القیت نعلیک فالقینا نعالنا فقال رسول اللہ ﷺ ان جبریل علیہ السلام اتانی فاخبرنی ان فیہا قدرا، او قال اذی، وقال اذا جاء احدکم الی المسجد فلیظن فان رای فی نعلیہ قدرا او اذی فلیمسحہ ویصلی فیہما۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں۔ جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی جوتیاں اتار دیں، نبی مکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے ابھارا تھا؟ صحابہ کرام نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو جوتیاں اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے خبر دی کہ آپ کی جوتیوں میں ناپاکی ہے، مزید رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ اپنی جوتیوں کو دیکھے اگر ان میں گندگی لگی ہو تو اسے زمین پر رگڑ کر صاف کر لے اور پھر ان میں نماز ادا کرے۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۶۵۰، و بیہقی ص ۴۳۱۴۰۲ ج ۲ و مستدرک حاکم ص ۲۶۰ ج ۱ و مسند احمد ص ۹۲، ۲۰ ج ۳ و مسند طیالسی رقم الحدیث ۲۱۵۴)

امام حاکم و ڈھمی، نووی اور علامہ البانی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۳۱۴ ج ۱) اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر کپڑے وغیرہ پر نجاست ہو بوجہ غلطی نماز پڑھ لی جائے تو لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کا جو حصہ نجس جوتی سمیت ادا کیا تھا اسے لوٹایا نہیں تھا، ہمارے فاضل دوست نے بھی (ص ۲۳۳) پر اس حدیث کو نقل کر کے اگلے صفحہ پر لکھا ہے۔

رہی یہ بات کہ آپ نے ان جوتیوں میں پڑھی ہوئی نماز کیوں نہیں لوٹائی تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نجاست تھوڑی ہوگی جو معاف ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۴)

لیکن یہاں ہو سکتی ہے سے بات نہیں چلے گی صریحاً دلیل دیجئے، علاوہ ازیں اس کی بھی دلیل عنایت کریں کہ تھوڑی نجاست معاف ہے، خالی آپ کے دعوے کون سنتا ہے،

(۳) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت حتی یتبین نازل ہوئی تو میں نے سیاہ و سفید ایک ایک ڈوری رکھ لی انہیں دیکھتے رہے اور کھاتے پیتے رہے صبح اس کا تذکرہ نبی مکرم ﷺ سے کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

انما ذلك سواد الليل وبياض النهار

نہیں بلکہ یہ رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی مراد ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۹۱۶)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عدی کو مسئلہ تو سمجھایا ہے مگر روزے کی قضاء کا حکم نہیں

دیا۔

(۴) نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے، مگر جب قبلہ تبدیل ہو گیا تو قبا کی بستی والے صحابہ اس

حکم سے ناواقف تھے وہ بدستور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اگلے روز صحابی نے آکر انہیں اطلاع دی تو انہوں نے نماز کی حالت میں ہی بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا۔ (بخاری رقم

الحدیث ۴۰۳)

لیکن نبی ﷺ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا تھا، ان دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر لاعلمی سے کوئی شخص نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے جیسے بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ویسے ہی لاعلمی میں صحت نماز میں فرق نہیں آتا۔

فصل دوم

(انوار صاحب کے دلائل کا تجزیہ)

آخر میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے بھائی کے پیش کردہ دلائل میں سے ضعیف روایات کی نشان دہی کریں اور یہ بھی بتاتے جائیں کہ جو صحیح احادیث ہیں ان کو حنفی فقط رد اہل حدیث میں ہی قبول کرتے ہیں ورنہ ان احادیث سے جو دیگر شرعی مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کا تقلید کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

(۱) حیض کی مدت کے سلسلہ میں ہم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث نقل کر چکے ہیں۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ حیض کی مدت عادت وغیرہ ہے، مولانا انوار خورشید صاحب نے ص ۲۳۲ پر اس حدیث کو بحوالہ (بخاری ص ۴۴ ج ۱) نقل کر کے بدن وغیرہ کی طہارت کے شرط ہونے پر استدلال کیا ہے، مگر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔ فاذا ذهب قدرها۔ جب اندازہ کے مطابق ایام گزر جائیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۳)

مگر افسوس ان الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام پر خورشید صاحب ایمان لانے کو تیار نہیں۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

(۲) عن ابن عمر ان النبی ﷺ نہی ان یصلی فی سبعة مواطن فی المذبلۃ ولمجدرة والمقبرة وقارة الطریق وفي الحمام ومعاظن الابل وفوق ظہر بیت اللہ۔ (ترمذی ص ۸۱ ج ۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات جگہ پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، کوڑے کرکٹ کی جگہ میں جانور ذبح کرنے کی جگہ میں، قبرستان میں راستہ چلنے کی جگہ میں، حمام میں، اونٹوں کے باڑے میں اور بیت اللہ کی چھت پر۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۶)

پہلی بات تو یہ ہے کہ ممانعت سے آپ نے جگہ کی طہارت کو شرط قرار دیا ہے، مگر اس پر آپ نے غور نہیں کیا کہ اس حدیث میں تو بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہے جبکہ بیت اللہ کی چھت کا نہ ہونا آپ کے نزدیک شرط نہیں، بلکہ آپ کے نزدیک بیت اللہ کی چھت پر نماز ہو جاتی ہے، (ہدایہ ص ۱۸۰ ج ۱) ودرس ترمذی ص ۱۲۰ ج ۲) حالانکہ حدیث میں جس طرح کوڑے کرکٹ کی جگہ پر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ویسے ہی بیت اللہ کی چھت پر نماز ادا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، یہ بات تو درست ہے کہ ممانعت کا سبب تو مختلف ہے مگر ممانعت بہر حال ہے جس کو آپ قبول نہیں کرتے دوسری بات یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس پر بوجہ زید بن جبیر ضعف کا حکم لگایا تھا جسے آپ بے ڈکار ہضم کر گئے ہیں۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ زید کے ضعف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے، امام ساجی فرماتے ہیں یہ حدیث سخت منکر ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیبر ص ۲۱۰ ج ۱ و ارواء الغلیل ص ۳۱۹ ج ۱)

(۳) مقلد خورشید صاحب نے صفحہ ۲۳۷ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کو (صحیح مسلم ص ۱۳۸ ج ۱) سے نقل کیا ہے مگر افسوس کہ خود حنفیہ نے اس حدیث کا انکار کیا ہے تفصیل کے لیے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۸۰ ج ۱) کی مراجعت کریں۔

(۴) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تقبل صلوة الحائض الا بخمار۔

(ترمذی ص ۸۶ ج ۱ ابو داؤد ص ۹۳ ج ۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ان عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔

(۵) عن عبد الله بن ابي قتادة عن ابيه رفعه لا يقبل الله من امرأة صلاة حتى توارى

زینتها ولا جارية بلغت المحيض حتى تختمر۔

(اخرجه الطبرانی فی الاوسط بحوالہ الدرایہ ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عبد اللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اللہ عورت کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ اپنی زینت نہ چھپالے اور نہ کسی ایسی لڑکی کی نماز قبول فرماتے ہیں جو کہ بالغ ہوگئی ہو حتیٰ کہ وہ اوڑھنی اوڑھ لے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۹)

ان احادیث سے ہمارے معاصر نے صحت نماز کے لیے ستر کے ڈھانپنے کے شرط ہونے پر استدلال کیا ہے مگر دوسری طرف توجہ نہیں دی کہ ان احادیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مرد کا ننگے سر نماز ادا کرنا درست ہے اور اسکی نماز میں کوئی کمی نہیں رہ جاتی کیونکہ حدیث میں اوڑھنی کا عورت

کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر ہے، لیکن خورشید صاحب اس مسئلہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور ننگے سر نماز پڑھنے کو اہل سنت کی مخالفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۲۱)

بلاشبہ پہلی حدیث تو صحیح ہے مگر دوسری روایت کی سند میں اسحاق بن اسماعیل بن عبدالاعلیٰ الایلی، راوی ہے، امام طبرانی فرماتے ہیں کہ اسے روایت کرنے میں یہ منفرد ہے، (طبرانی الاوسط ص ۲۹۴ ج ۸ رقم الحدیث ۷۶۰۲ و طبرانی صغیر ص ۱۳۸ ج ۱ رقم الحدیث ۹۲۰) علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا (مجمع الزوائد ص ۵۲ ج ۶)

راقم عرض کرتا ہے کہ اسحاق کو امام ابو حاتم نے (الجرح والتعدیل ص ۲۱۲ ج ۲) میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ اسحاق مجھول الحال ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(۲۲) باب فجر کی نماز کو غلص (اندھیرے) میں ادا کرنا

فصل اول

(۱) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

کن نساء المؤمنات یشھدن مع رسول اللہ ﷺ صلاة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ینقلبن الی بیوتھن حین یقضین الصلاة لا یعرفھن احد من الغلص۔

یعنی مومنوں کی عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھتیں تھیں، چادروں میں لپیٹی ہوئی، اور جب نماز پڑھ کر اپنے گھروں کو آتی تھیں تو انہیں کوئی شخص اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت الفجر، الحدیث ۵۷۸) و مسلم کتاب المساجد باب استحباب التكبير بالصبح فی اول وقتها،..... الحدیث ۱۳۵۷)

(۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ

انھم تسحروا مع النبی ﷺ ثم قاموا الی الصلاة قلت کم بینھما؟ قال قدر خمسين او ستين یعنی آیت۔

میں نے نبی مکرم ﷺ کے ساتھ (رمضان المبارک) میں سحری کھائی پھر نماز پڑھی (سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے (سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے) پوچھا کہ نبی مکرم ﷺ کی سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا تقریباً پچاس ساٹھ آیات (کی تلاوت جتنا)۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت الفجر الحدیث ۵۷۵)

(۳) عن انس بن مالك ان النبی ﷺ وزید بن ثابت تسحرا فلما فرغا من سحورھما

قام نبی ﷺ الی الصلاة فصليا، قلت لانس کم کان بین فراغھما من سحورھما ودخولھما فی الصلاة؟ قال قدر ما یقرأ الرجل خمسين آیت۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سحری کھائی پھر آپ علیہ التحیة والسلام نماز کے لیے اٹھے اور نماز پڑھی (راوی حدیث امام قتادہ کہتے ہیں کہ) میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سحری سے فراغت اور نماز کو شروع کرنے کا درمیانی وقت کتنا تھا تو انہوں نے کہا کہ اتنا کہ ایک شخص پچاس آیتیں پڑھ سکے۔

(بخاری کتاب المواقیت باب وقت الفجر، الحدیث ۵۷۶)

(۴) عن ابی حازم انه سمع سهل بن سعد یقول كنت اتسحر فی اھلی ثم یكون سرعة

بی ان ادرك صلاة الفجر مع رسول الله ﷺ۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں سحری کھاتا پھر نبی مکرم ﷺ کے ساتھ نماز فجر پانے کے لیے مجھے جلدی کرنی پڑتی تھی۔

(بخاری کتاب المواقیت الصلاة باب وقت الفجر، الحدیث ۵۷۷)

آخری تینوں احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی مکرم ﷺ سحری کھا کر تھوڑی دیر (بقدر پچاس آیات کی تلاوت کے) ٹھہر کر نماز صبح ادا فرما لیتے تھے صحابہ کہتے ہیں کہ ہم بھی آپ علیہ التحیۃ والسلام کے ساتھ نماز پانے کے لیے جلدی کرتے تھے، اور یہ وقت اسفار کا نہیں ہوتا بلکہ غلّس (اندھیرے) کا ہوتا ہے، علمائے دیوبند بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان احادیث سے اندھیرے میں نماز پڑھنا ثابت ہے چنانچہ سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

ولعل هذا التغليس كان في رمضان خاصة وهكذا ينبغي عندنا اذا اجتمع الناس عليه العمل في دار العلوم بديوبند من عهد الاكابر۔

یعنی ممکن ہے کہ اس غلّس (اندھیرے) میں نماز پڑھنا خاص رمضان میں ہی ہو، میرے نزدیک جب نمازی جمع ہو جائیں تو تب بھی ایسا کرنا درست ہے اور دارالعلوم دیوبند میں اکابر کے زمانہ سے لیکر اسی پر ہی عمل چلا آ رہا ہے۔ (فیض الباری ص ۱۳۶ ج ۲)

شاہ صاحب کی اس شہادت سے ثابت ہوا کہ ان احادیث میں غلّس (اندھیرا) ہی مراد ہے، اور دارالعلوم دیوبند میں اسی پر ہی عمل ہے ہاں البتہ یہ رمضان سے خاص ہے وغیرہ شاہ صاحب کی شہادت سے ہمارا مقصود فقط اس قدر ہی ہے کہ ان احادیث میں غلّس (اندھیرا) مراد ہے رہا رمضان سے خاص ہونا تو اس کی تردید سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے۔

(۵) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

كان النبي ﷺ يصلها بغلّس۔ الحدیث۔

یعنی نبی ﷺ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت المغرب الحدیث ۵۲۰، ومسلم کتاب المساجد باب استحباب التكبير بالصبح في اول وقتها،..... الحدیث ۱۴۶۰)

(۶) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كان النبي ﷺ يصلی الصبح واحدنا يعرف جليسه، ويقرأ فيها ما بين الستين الى

المائة۔ الحدیث۔

یعنی نبی مکرم ﷺ کی صبح کی نماز پڑھتے تھے اور ہم میں سے کوئی ایک شخص (نماز سے فارغ ہو

کر) اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا اور آپ علیہ التحیۃ والسلام ساٹھ آیات سے سو کے درمیان قرأت کرتے تھے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت الظهر عند الزوال، الحدیث ۵۴۱، و مسلم کتاب المساجد باب مذکورہ، الحدیث ۱۲۶۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے اعتراف کیا ہے کہ اس حدیث سے نماز فجر کا غلص (اندھیرے) میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ہم نشین کو مشکل سے پہچاننا غلص کے آخر میں ہی ہوتا ہے۔ (فتح الملہم ص ۲۱۴ ج ۲)

(۷) سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

وصلی الصبح مرة بغلص ثم صلی مرة اخرى فاسفر بها ثم كانت صلاته بعد ذلك التغلیس حتی مات ولم يعد الی ان یسفر۔

آپ علیہ التحیۃ والسلام نے (امامت جبریل میں) پہلی بار نماز صبح اندھیرے میں ادا فرمائی دوسری بار روشنی میں پھر اس کے بعد آپ کی نماز اندھیرے ہی میں تھی کہ آپ کی وفات ہو گئی اور صبح کی نماز روشنی میں ادا نہ کی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب فی المواقیت، الحدیث ۳۹۴ و ابن حبان رقم الحدیث ۱۲۹۲) و صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث ۳۵۲) و مستدرک حاکم ص ۱۹۲ ج ۱ و بیہقی ص ۳۶۳، ۳۱۲، ۲۳۵ ج ۱ و سنن دارقطنی ص ۲۵۰ ج ۱)

امام ابن حبان ابن خزیمہ حاکم، خطابی اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔
(۸) امام مغیث بن سہمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

صلیت مع عبد اللہ بن الزبیر الصبح بغلص فلما سلم اقبلت علی ابن عمر فقلت ما هذه الصلاة قال هذه صلاتنا كانت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلما طعن عمر اسفر بها عثمان۔

میں نے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں صبح کی نماز غلص (اندھیرے) میں پڑھی تو جب آپ نے سلام پھیرا تو میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا یہ کیسے (وقت) نماز ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ صبح کی نماز اندھیرے ہی میں تھی، ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پھر جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (اندھیرے کی وجہ سے) شہید کر دیئے گئے تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فجر کو اجالے میں پڑھنا شروع کر دیا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الصلاة باب وقت صلاة الفجر، الحدیث ۶۷۱) و صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۲۹۲) و بیہقی ص ۲۵۶ ج ۱ و طحاوی ص ۱۲۱ ج ۱)

اس حدیث کو امام ابن حبان اور علامہ البانی نے صحیح اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے حسن قرار دیا ہے۔
(ارواء الغلیل ص ۲۷۹ ج ۱)

اس حدیث کا مفاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم بھی نماز فجر کو غس (اندھیرے) میں پڑھا کرتے تھے، رہے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ بھی نماز کو اندھیرے ہی میں پڑھا کرتے تھے صرف چند ایام جن میں آپ ابھی خلیفہ منتخب نہ ہوئے تھے اور مدینہ منورہ کے سیاسی حالات خراب تھے ان میں اسفار میں نماز پڑھائی بعد میں آپ ہمیشہ غس (اندھیرے) میں ہی نماز پڑھاتے رہے۔ جیسا کہ اگلی حدیث کا مفاد ہے۔

(۹) امام ایسا تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کنا نصلی مع عثمان الفجر فنصرف وما يعرف بعضنا وجوه بعض۔

ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تھے تو ہم ایک دوسرے کے چہرے کو پہچان نہ سکتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۱ ج ۱)

امام ابن عبدالبر نے اس اثر کو صحیح کہا ہے (التمہید ص ۳۴۰ ج ۴)

اس سلسلہ میں مزید مرفوع و موقوف روایات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم اختصار کی وجہ سے انہیں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

فصل دوم

(۱) عن عبد الله بن مسعود قال ما رأيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلى صلاة لغير ميقاتها الا صلواتين

جمع بين المغرب والعشاء (بجمع) وصلی الفجر قبل ميقاتها۔

(بخاری ص ۲۲۸ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز بھی بے وقت پڑھی ہو سوائے دو نمازوں یعنی مغرب و عشاء کے کہ ان کو آپ نے

مزدلفہ میں اکٹھا پڑھا اور فجر کو وقت سے پہلے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۱)

وجہ استدلال میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

آپ نے ایک دفعہ حج کے موقع پر مزدلفہ میں، غس (اندھیرے) میں نماز پڑھی تو اسے حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عام معمول کے وقت سے پہلے نماز پڑھنا ذکر فرمایا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۶)

الجواب اولاً: آپ نے معنوی تحریف کی ہے، لغت کی کسی کتاب میں، قبل میقاتها، کا معنی غس

اور غلس بمعنی اندھیرا نہیں لکھا۔ اگر آپ کے قول میں صداقت ہے تو آئمہ لغت سے ثابت کریں مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے پوری دنیا کے مبتدعین دباہنہ اکٹھے ہو کر سر توڑ کوشش کریں تو تب بھی اس پر کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔

سنئے، قبل میقاتھا، کا معنی ہے نماز کو وقت سے پہلے ادا کیا، جبکہ غلس اس اندھیرے کو کہتے ہیں جس میں صبح کی روشنی مل گئی ہو آئمہ لغت اور شارحین حدیث کی عبارات کے لیے دین الحق ص ۱۴۷ ج ۱ و تحفہ حنفیہ ص ۸۷ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

یہاں پر مزید چند عبارات اکابر دیوبند کی نقل کی جاتی ہیں، مولانا یوسف بنوری فرماتے ہیں۔
الغلس ظلمة آخر الليل اذا اختلطت بضوء الصباح۔

(معارف السنن ص ۳۵ ج ۲)

مولانا خلیل احمد فرماتے ہیں۔

الغلس ظلمة آخر الليل استعمال على الاتساع فيما بقى منه بعد الصباح۔

(بذل المجہود ۲۳۲ ج ۱)

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں

غلس کا معنی ظلمة الليل کے ہیں اور اس کا اطلاق اس اندھیرے پر بھی ہوتا ہے جو طلوع فجر کے

بعد کچھ دیر تک چھایا رہتا ہے (درس ترمذی ص ۴۰۲ ج ۱)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ غلس اس اندھیرے کو کہتے ہیں جس میں صبح کی روشنی مل جل گئی ہو اور طلوع فجر بالاتفاق نماز فجر کا وقت ہے، فقہ حنفی کی معروف کتاب، مبسوط سرحسی میں ہے۔

انه يستحب التغليس في الفجر والتعجيل في الظهر اذا اجتمع الناس۔

یعنی جب نمازی اکٹھے ہو جائیں تو فجر کی نماز کو غلس میں اور ظہر کی نماز کو جلدی ادا کرنا مستحب

ہے (بحوالہ فیض الباری ص ۱۳۶ ج ۲)

ثانیاً: آئیے ہم آپ کو بتائیں کہ: قبل میقاتھا کا معنی و مفہوم کیا ہے، عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ

خرجت مع عبد الله الى مكة ثم قدمنا جمعاً فصلى الصلاتين كل صلوة وحدها باذان واقامة

والعشاء بينهما ثم صلى الفجر حين طلع الفجر قائل يقول طلع وقائل يقول لم يطلع الفجر۔

میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں گیا اور ہم دونوں مزدلفہ پہنچے تو دو نمازوں کو جمع کیا اور ہر ایک نماز کے لیے علیحدہ علیحدہ اذان و تکبیر کہی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کھانا کھایا پھر صبح کی نماز پڑھی جب طلوع فجر ہوئی تھی اور بعض حضرات کہتے تھے کہ صبح ہو گئی اور بعض کہتے تھے کہ صبح نہیں

ہوئی۔

(بخاری ۲۲۸ ج ۱ کتاب الحج باب من یصلی الفجر بجمع، الحدیث ۱۶۸۳)
دیکھئے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی پر عمل کر کے دکھا دیا کہ قبل میقاتہا کا معنی،
حین طلوع الفجر کے ہیں اور اس چیز کے ہم بھی صرف جواز کے ہی قائل ہیں عمل کے لحاظ سے دیکھا
جائے تو اہل حدیث طلوع فجر کے وقت اذان کہتے ہیں پھر کچھ تاخیر کی جاتی ہے جو عموماً بیس منٹ سے
لیکر آدھا گھنٹہ تک ہوتی ہے۔

(۲) عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم

للاجور۔ (ترمذی ص ۴۰ ج ۱)

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کو
خوب روشنی میں پڑھو کیونکہ اس میں بہت ثواب ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۱)

الجواب اولاً: آپ نے حدیث کا معنی غلط کیا ہے روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا معنی خوب
ہو، یہ آپ کی زیادتی ہے، لفظ، اسفروا، کا معنی صبح کی روشنی ہے عربی کا محاورہ ہے خسر جوافی السفر،
جو بمعنی فی بیاض الفجر، آتا ہے (اساس البلاغہ ۲۱۲)

علامہ فتنی حنفی مرحوم اس حدیث کا لغوی معنی کرتے ہیں۔ اذا انكشف و اضاء یعنی جب پو پھٹ
جائے، روشنی ہو جائے (مجمع بحار الانوار ص ۷۹ ج ۳) اس لغوی معنی کو ملحوظ رکھ کر آئمہ حدیث نے اس
روایت کو یہ معنی کیا ہے کہ جب فجر متحقق ہو جائے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔

قال الشافعی واحمد واسحاق معنی الاسفار ان یضع الفجر فلا یشک فیہ۔

یعنی امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ۔ اسفار، کا معنی ہے جب فجر واضح ہو

جائے اور تہہ نہ رہے۔ (ترمذی مع تحفہ ص ۱۴۵ ج ۱)

امام ابو نعیم فرماتے ہیں۔

انما هو اذا تبین الفجر فقد اسفروا۔

یعنی جب فجر ہوگئی تو اسفروا گیا۔ (التمہید ص ۳۴۰ ج ۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسفر کا لفظ بمعنی تاخیر نہیں آتا جیسا کہ حنفیہ کا دعویٰ ہے بلکہ اس سے مراد
طلوع فجر کا متحقق ہونا ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں امام مغازی محمد بن اسحاق راوی ہیں جو فریق ثانی کے نزدیک دجال و کذاب

ہے۔ (احسن الکلام ص ۷۰ ج ۲)

مگر حنفیہ کی خود غرضی اور مطلب برآری ملاحظہ کیجئے کہ جس راوی کو فاتحہ کے مسئلہ میں دجال

و کذاب قرار دیتے ہیں اسی کی روایت سے یہاں استدلال کرتے ہیں۔
 ثالثاً: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ احناف کے نزدیک بھی اگر نمازی جمع ہو جائیں تو غلّس میں نماز
 فجر کا ادا کرنا مستحب ہے، بلکہ اکابر دیوبند تو فرماتے ہیں اس حالت میں غلّس میں نماز کا پڑھنا افضل
 ہے، مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک رمضان میں تغلیس بہتر ہے، اس لئے کہ اگر غلّس میں جماعت کا اجتماع ہو جائے
 یا غلّس کی صورت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ رہتی ہو، اس وقت احناف بھی تغلیس کی افضلیت کے قائل
 ہیں۔ (درس ترمذی ص ۴۰۶)

صوفی عبدالحمید سواتی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔۔
 تمام نمازی فجر کی نماز کے لیے غلّس میں اکٹھے ہو جائیں تو پھر غلّس میں پڑھنا افضل ہے (نماز
 مسنون ص ۱۸۰)

(۳) عن محمود بن لبید عن رجال من قومہ من الانصار ان رسول اللہ ﷺ قال ما
 اسفرتم بالصبح فانه اعظم للاجر (نسائی ص ۶۵ ج ۱)

حضرت محمود بن لبید نے اپنی قوم کے کئی انصاریوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
 فرمایا جتنا روشن کرو گے فجر کو اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۱)

الجواب اولاً: یہ روایت سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی ہی ہے۔ امام طحاوی نے، شرح معانی الاثر
 ص ۱۲۳ ج ۱ میں محمود بن لبید عن رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مؤلف حدیث
 اور اہل حدیث نے محض نمبر بڑھانے کی غرض سے اسے نقل کر دیا ہے۔

ثانیاً: اگر اس بات کو قبول کر لیا جائے کہ جتنی زیادہ روشنی کی جائے اتنا ہی زیادہ ثواب ملتا ہے، تو
 سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نماز فجر کو اس وقت شروع کیا جائے کہ ادھر سلام پھیرا اُدھر ایک منٹ کے
 بعد سورج طلوع ہو گیا تو کیا یہ عمل زیادتی ثواب کا موجب ہے؟ حالانکہ احناف کے نزدیک بھی اس قدر
 تاخیر جائز نہیں چنانچہ ان کے نزدیک نماز فجر کو اس ٹائم پر ادا کرنا چاہیے کہ اگر سلام پھیرنے کے بعد
 بوجہ عارض نماز لوٹانے کی ضرورت پیش آئے تو سنن نماز تک کی رعایت رکھ کر دوبارہ نماز سورج طلوع
 ہونے سے پہلے پڑھی جاسکے۔ (فیض الباری ص ۱۳۴ ج ۱)

حالانکہ روایت مذکورہ میں ہے کہ جتنا روشن کر گئے نماز پڑھو گے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور
 یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ سورج طلوع ہونے سے دس منٹ پہلے جتنی روشنی ہوتی ہے وہ نصف
 گھنٹا پہلے نہیں ہوتی۔

الغرض اگر اس سے تاخیر مراد لی جائے تو یہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

(۴) عن بیان قال قلت لانس حدثنی بوقت رسول اللہ ﷺ فی الصلوة قال کان یصلی الظهر عندد لوك الشمس ویصلی العصر بین صلوتکم الاولی والعصر وکان یصلی المغرب عند غروب الشمس ویصلی العشاء عند غروب الشفق ویصلی الغداة عند طلوع الفجر حین یفتح البصر کل ما بین ذالک وقت او صلوة۔ (رواہ ابو یعلیٰ، مجمع الزوائد ص ۳۰۴ ج ۱) حضرت بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے عرض کیا کہ آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اوقات بتلائیے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آپ ظہر کو سورج کے ڈھل جانے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر اور مغرب آفتاب کے وقت پڑھتے تھے اور عشاء غروب شفق کے وقت پڑھتے تھے اور فجر صبح صادق کے طلوع ہونے کے وقت پڑھتے تھے جب آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی ان کے درمیان نماز کا وقت ہے یا نماز ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۱، ۲۳۲)

الجواب اولاً: یہ حدیث نماز فجر کو غلٹس میں ادا کرنے کی دلیل ہے، مگر آپ نے حدیث کا معنی و مفہوم بدل کر اس سے استدلال کیا ہے، حدیث کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں۔ ویصلی الغداة عند طلوع الفجر حین یفتح البصر، یعنی صبح کی نماز طلوع فجر کے قریب پڑھتے جب آنکھ کھلتی ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ص ۱۱۵ ج ۴ رقم الحدیث ۳۹۹۱)

مگر مولانا انوار خورشید صاحب، فتح البصر، کا معنی کرتے ہیں، جب آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم)۔

جس شخص نے، نحو میر، بھی پڑھی ہوگئی وہ بھی اس قدر فضول ترجمہ نہیں کرے گا لیکن افسوس کہ دیوبندیت کا محقق اور جامعہ مدنیہ کا استاد اس کا یہ معنی کرتا ہے۔ سنئے یفتح البصر ایک محاورہ ہے جس کا معنی نیند سے بیدار ہونا ہے۔ حدیث کا معنی یہ بنتا ہے جب نیند سے بیدار ہوتے تو طلوع فجر کے قریب صبح کی نماز پڑھتے تھے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث غلٹس میں نماز ادا کرنے کی دلیل ہے۔

ثانیاً: ویصلی العصر بین صلوتکم الاولی والعصر، کے الفاظ کو بھی ہمارے مخاطب نے نہیں سمجھا، اس عبارت کا جو معنی نقل کیا ہے اسکی رو سے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد بنتی ہے، جون ۲۰۰۲ء کی اشاعت میں اسکے ترجمہ کو درست کرنے کی کوشش تو کی ہے مگر وہ بھی صحت سے گرا ہوا ہے، سنئے حدیث کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ عصر کی نماز ظہر اور مغرب کے درمیانی وقت میں ادا کرتے۔

مگر مقلد انوار خورشید کہیں اور ہی دھکے کھا رہا ہے۔

ثالثاً: اس روایت کی سند میں کلام ہے، تفصیل اگلی حدیث کے جواب میں آرہی ہے۔

(۵) ثنا المعتمر سمعت بیانا ابا سعید قال سمعت انسا يقول كان رسول الله ﷺ

يصلی الصبح حين یفسح البصر۔

(رواه الامام ابو محمد القاسم ثابت السرقسطی فی کتاب غریب الحدیث وقال یقال فسخ

البصر وانفسح اذا رای الشی من بعد یعنی به اسفار الصبح۔ (نصب الرایہ ص ۲۳۹ ج ۱)

حضرت معتمر نے بیان کیا کہ میں نے بیان یعنی ابوسعید کو سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جس وقت کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی۔ یہ حدیث امام ابو محمد قاسم ثابت سرقسطی نے کتاب، غریب الحدیث، میں

روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ: فمصحح البصر و انفسح، اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھے اور مراد اس سے حدیث میں صبح کا اجالا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۳)

الجواب اولاً: اس سے پہلی روایت بھی ”راوی بیان“ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے اور یہ روایت

بھی بیان ہی روایت کرتا ہے، بیان کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں، ابن حبان کا تساہل اہل

علم کے ہاں معروف ہے، ابن حبان نے توثیق کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ خطائیں کرتا ہے۔ (کتاب

الثقات ص ۷۹ ج ۴ ولسان المیزان ص ۶۹ ج ۲) اور زیر بحث روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیان

خطائیں کرتا ہے، چنانچہ پہلی روایت میں یہ الفاظ، یصلی الغداة عند طلوع الفجر حين یفتح

البصر، اور اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یصلی الصبح حين یفسح البصر، ظاہر ہے کہ اس

سے متن روایت میں اضطراب ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی روایت میں، عند طلوع الفجر کی، یہ تفسیر بیان کی

گئی ہے۔ حين یفتح البصر، اور اس روایت میں تفسیر کو، ہی روایت باور کرایا گیا ہے۔

ثانیاً: فسح البصر، کا اگر یہ معنی تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دور سے آنکھ کا دیکھنا تو تب بھی یہ

روایت غلص کے منافی نہیں، آج دور رمضان المبارک کو خاکسار اذان فجر کے دس منٹ بعد مسجد میں نماز

کے لیے آیا۔ صحن مسجد میں کھڑے ہو کر راقم نے باہر کی طرف دیکھا تو دور دور تک آنکھ دیکھ رہی تھی، اگر

رات چاندنی ہوتی تو مزید صاف نظر آتا۔ یہ روایت جہاں بوجہ بیان ضعیف ہے وہاں ہی حنفیہ کے موافق

نہیں بلکہ مخالف ہے،

(۶) عن رافع بن خدیج یقول قال رسول الله ﷺ لبلال رضی اللہ عنہ نور بصلوة الصبح حتی

یبصر القوم مواقع نبلهم من الاسفار۔

(رواه ابن ابی حاتم وابن عدی والطیالسی واسحاق وابن ابی شیبہ والطبرانی واسنادہ

حسن، آثار السنن ص ۵۸)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صبح

کو روشنی میں پڑھو یہاں تک لوگ روشنی کی وجہ سے اپنے تیر اندازی کے نشانے کو دیکھنے لگیں۔ (حدیث

محمک دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور اہل حدیث ص ۲۴۳)

الجواب: اسکی سند میں ہریر بن عبد الرحمن راوی ہے جس کی ابن معین نے توثیق کی ہے اور ازدی نے کلام کیا ہے (تہذیب ص ۲۹ ج ۱۱) یہی وجہ ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے (کمافی مقدمہ تقریب) اور ہریر نے یہ الفاظ بیان کرنے میں اپنے سے اوثق محمود بن لبید وغیرہ کی مخالفت کی ہے، اور ثقہ جب اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے اس کی روایت شاذ ہوتی ہے جو ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔

اسفروا، کا معنی و مفہوم

پہلے گزر چکا ہے کہ بعض آئمہ دین نے اسفروا۔ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ طلوع فجر متحقق ہو جائے، یہ معنی انہوں نے اپنے ذوق اور معلومات کی حد تک کیا ہے، جبکہ امام طحاوی حنفی کے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ اس کا یہ مفہوم ہے کہ غلٹس میں نماز کو شروع کیا جائے اور اسفار میں نماز کو قرآن لہی کر کے ختم کیا جائے تو یہ چیز زیادتی ثواب کا باعث ہے، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ:

وهو قول ابی حنيفة وابی يوسف ومحمد بن الحسن رحمهم الله تعالى۔
یعنی یہی قول ہے امام ابوحنیفہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد وغیرہم کا۔

(شرح معانی الآثار ص ۱۲۶ ج ۱)

گویہ قول فقہ حنفی کی کتابوں سے ہمیں دستیاب نہیں ہوا لیکن امام طحاوی حنیفہ کے مسلم امام ہیں ان کی بات کو عدم دستیابی کی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا ممکن ہے کہ ان کے پاس فقہ کی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں یہ قول منقول ہو اور بعد میں اس کتاب میں تصحیف و تحریف ہو گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

بہر حال اس معنی کی تائید حسب ذیل صحیح حدیث سے ہوتی ہے۔

عن ابی صدقة مولى انس قال سألت انسا عن صلاة رسول الله ﷺ فقال كان رسول الله ﷺ يصلی الظهر اذا زالت الشمس، والعصر بين صلاتكم هاتين والمغرب اذا غربت الشمس والعشاء اذا غاب الشفق والصبح اذا طلع الفجر الى ان ينفسح البصر۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ان کے غلام ابی صدقہ نے نمازوں کے اوقات کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز اس وقت ادا کرتے جب سورج ڈھلتا تھا اور عصر کی نماز تمہاری ان دونوں نمازوں ظہر و عصر کے درمیان تھی (یعنی عصر تم نماز لوگوں سے قبل ادا کرتے تھے) مغرب کی نماز غروب آفتاب کے وقت ادا کرتے اور عشاء کی نماز کو غروب شفق کے وقت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز

جب طلوع فجر ہوتی، یہاں تک کہ جب نظر پھیل جاتی۔

(سنن نسائی کتاب المواقیب باب آخر وقت الصبح الحدیث ۵۵۳) و مسند احمد ص ۱۲۹، ۱۲۹ ج ۳) والفاظ له۔

اس حدیث سے امام طحاوی کے موقف کو تقویت ملتی ہے، اور بات صاف ہو جاتی ہے کہ نماز کو تو غلص میں ہی شروع کرتے تھے ہاں البتہ قرآۃ لمبی کر کے نماز کو ختم روشنی میں کرتے تھے اور یہ چیز ہمارے موافق اور حنفیہ کے مخالف ہے۔ بعض علمائے اہل حدیث نے بھی یہی تطبیق کی صورت اختیار کی ہے، دیکھئے، نیل الاوطار ص، ارواء الغلیل ص ۲۸۰ ج ۱

(۷) عن عبدالرحمن بن یزید قال قال کان عبداللہ بن مسعود یسفر بصلوۃ الغداۃ۔ (معجم طبرانی کبیر ص ۲۰۸ ج ۹)

حضرت عبدالرحمن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فجر کی نماز خوب اجالا کر کے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۳)

الجواب: آپ نے خوب کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے، یقین جائیے کہ یہ مؤلف کا خط اور معنوی تحریف ہے، روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے اس بددیانتی کے علاوہ دوسری ہیرا پھیری یہ کی کہ یہ روایت (طحاوی ص ۱۲۵ ج ۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۱ ج ۱ اور مصنف عبدالرزاق ص ۲۱۶) میں بھی تھی، اور اہل علم کے ہاں انہیں کتب کے حوالے سے یہ روایت معروف تھی مگر مقلد انوار خورشید صاحب نے طبرانی کبیر کا اس پر حوالا نقل کر دیا ہے، ہم ان کی ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں لیکن یہ بات بھی انہیں بتا دینا چاہتے ہیں کہ کتاب بدل جانے سے دلیل نہیں بدل جاتی۔

طبرانی کی سند میں بھی وہی کلام ہے جو مذکورہ کتب حدیث میں ہے، تفصیل (دین الحق ص ۱۶۹ ج ۱) میں عرض کر دی گئی ہے وہاں سے دیکھ لی جائے ہاں البتہ بواسطہ عبدالرزاق سند میں ابی اسحاق کی تدلیس کے علاوہ امام سفیان ثوری کی تدلیس بھی ہے،

گویا روایت کے دونوں طریق میں دو مختلف علتیں ہیں عبدالرزاق والی سند میں اوپر نیچے بالترتیب دو مدلس راوی معتعن روایت کرتے ہیں جبکہ طحاوی کی سند میں ابو اسحاق کی تدلیس کے علاوہ اختلاط بھی ہے، مگر انوار خورشید صاحب پرانے شکاری نیاروپ پر عمل کرتے،

(۸) عن علی بن ربیعۃ قال سمعت علیاً رضی اللہ عنہما یقول لمؤذنه اسفر اسفر یعنی بصلوۃ

الصبح۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۵۶۹ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۱ و طحاوی ص ۱۲۳ ج ۱) حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کو سنا آپ اپنے مؤذن کو کہہ رہے

تھے کہ خوب اجالا کر خوب اجالا کر، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۴)

الجواب: آپ نے اثر کے الفاظ کا ترجمہ غلط کیا ہے اسفر کا معنی صرف اجالا ہے، اس میں خوب کا لفظ آپ نے اپنی طرف سے داخل کیا ہے، واضح رہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد بھی تحقق طلوع فجر یا لمبی قرأ کر کے اسفار میں ختم کرنا مراد ہے، قرۃ بن حیان راوی ہیں کہ

تسحرنا مع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فلما فرغ من السحور امر المودن فاقام الصلوة۔
ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سحری کا کھانا تناول کیا اور جب کھانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مؤذن کو حکم دیا اور نماز پڑھی (طحاوی ص ۱۲۳ ج ۱)

(۹) عن جبیر بن نفیر قال صلی بنا معاویة الصبح بغلس فقال ابو الدرداء السفروا بهذه الصلاة فانه افقه لكم انما تریدون ان تخلوا بحوائجکم۔
(طحاوی ص ۱۲۶ ج ۱)

حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت معاویہ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی حضرت ابودرداء نے فرمایا کہ اس نماز کو خوب اجالے میں پڑھو کیونکہ یہ تمہارے لیے زیادہ سمجھداری کی بات ہے تم چاہتے ہو کہ اپنے کام کاج کے لیے فارغ ہو جاؤ۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۴)

الجواب: اس اثر میں بہر حال یہ بات تو ثابت ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور امیر المؤمنین کا غلس میں ہی نماز فجر ادا کرنے کا عمل تھا باقی سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کا ان سے اختلاف کو غالباً مؤلف نے دلیل بنایا ہے حالانکہ مؤلف کا حق تھا کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے اثر کو دلیل بناتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل کا جواب دیتا مگر افسوس کے خود تو مؤلف اقوال صحابہ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ ان کا جواب بھی لکھا جائے مگر فریق مخالف پر صحابہ کے اقوال کو بطور حجت نقل کرتا ہے پھر مزید دکھ کی بات یہ کہ جس روایت کو دلیل بنا رہے ہیں اسی میں ہی ان کے مخالف بھی اثر موجود ہے، مقدمہ میں ہم تفصیل عرض کر چکے ہیں کہ جن مسائل پر صحابہ کرام کا اختلاف ہے ان میں اقوال صحابہ حجت نہیں ہیں مولانا انوار صاحب بھی اس حقیقت سے بہر حال واقف ہیں مگر عوام کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کی غرض سے اور عامۃ الناس پر رعب جمانے اور نمبر بڑھانے کے لیے ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

(۱۰) عن مجاهد قال كنت افود مولای قیس بن السائب فيقول ادلكت الشمس فاذا قلت نعم صلی الظهر ويقول هكذا كان رسول الله ﷺ يفعل وكان النبي ﷺ يصلي العصر والشمس بيضاء وكان النبي ﷺ يصلي المغرب والصائم يتمارى ان يفطر وكان

النبي ﷺ يصلي الفجر حتى يتغشى النور السماء۔

(رواه الطبرانی فی الكبير مجمع الزوائد ص ۳۰۵ ج ۱)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اپنے آقا قیس بن سائب کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا، اور فرماتے سورج ڈھل گیا میں کہتا ہاں تو آپ ظہر کی نماز پڑھتے اور فرماتے کہ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کی نماز ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ سورج بالکل سفید ہوتا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ روزہ دار روزہ افطار کرنے کے متعلق شک میں ہوتا کہ ابھی افطار کرے یا نہ کرے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ روشنی آسمان پر چھا جاتی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۵)

الجواب اولاً: جب طلوع فجر ہوتی ہے تو افق مشرق میں روشنی پھیلنا شروع ہوتی ہے جو بتدریج بڑھتی جاتی ہے، نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ الفجر فجران فاما الفجر الذي يكون كذنب السرحان فلا تحل الصلوة فيه ولا يحرم الطعام واما الذي يذهب مستطيلا في الافق فانه يحل الصلوة ويحرم الطعام۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا فجر دو قسم کی ہوتی ہے ایک فجر (کاذب) وہ ہوتی ہے۔ بھیڑے کی دم کی طرح (اوپر کو اٹھی ہوئی نظر آتی ہے) سو ایسی فجر نہ نماز کو جائز قرار دیتی ہے اور نہ کھانے کو حرام کر دیتی ہے۔ دوسری فجر (صادق) وہ ہوتی ہے جو آسمان کے کنارے (افق) پر پھیل جاتی ہے تو اس میں نماز پڑھنی جائز اور (روزے دار پر) کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ (مستدرک للحاکم ص ۱۹۱ ج ۱)

یہی وقت صبح کی نماز کا ہے اسی کو ہی سیدنا قیس بن سائب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں ان کے الفاظ۔

يصلي الفجر حين يتغشى النور السماء، یعنی فجر کی نماز اس وقت پڑھتے جب روشنی آسمان پر پھیل جاتی، (طبرانی کبیر ص ۳۶۴ ج ۱۸)

ان الفاظ کا واضح مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ طلوع فجر کے وقت نماز پڑھتے تھے اور یہ وقت غلس کا ہوتا ہے نہ کہ اجالے کا۔ لہذا اس حدیث سے مؤلف کا حنفیہ کے مذہب پر استدلال کرنا خلط ممحس ہے۔

ثانیاً: اس کی سند پر بھی جرح ہے، اسکی سند میں مسلم بن کیسان ملائی راوی ہے۔

(طبرانی کبیر ص ۳۶۳ ج ۱۸ رقم الحدیث ۹۳۱) وطبرانی الاوسط ص ۴۹۸ ج ۱ رقم الحدیث

(۹۱۴)

ہیشی فرماتے ہیں۔

روی عنہ شعبۂ وسفیان وضعفہ بقیۃ الناس احمد وابن معین وجماعۃ۔
یعنی ملائی سے امام شعبہ اور سفیان روایت کرتے ہیں اور باقی آئمہ جرح و تعدیل مثلاً امام احمد ابن معین اور ایک جماعت محدثین اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں (مجمع الزوائد ص ۳۰۰ ج ۱) امام عمرو بن علی کہتے ہیں سخت منکر روایات نقل کرتا ہے، امام ابو زرہ امام ابو حاتم امام بخاری امام ابو داؤد امام ترمذی امام دارقطنی، امام علی بن مدینی امام مجلی وغیرہم نے ضعیف اور ذاہب الحدیث قرار دیا ہے، امام نسائی اور امام فلاس نے متروک الحدیث کہا ہے، ساجی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ (تہذیب ص ۱۳۰ ج ۱۰) الغرض یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

(II) عن ابراہیم قال ما اجمع اصحاب محمد علی شی ما اجمعوا علی التنویر بالفجر۔

(ومصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۲ ج ۱ طحاوی ص ۱۲۶ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا کسی چیز پر اتنا اتفاق رائے نہیں ہے جتنا اتفاق فجر کے روشنی میں پڑھنے پر ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۰)۔

الجواب اولاً: اسکی سند میں، الأعمش راوی ہے جو مدلس ہے، طبقات میں ہے کہ

كان يدللس وصفه بذلك الكرابیسی والنسائی والدارقطنی وغیرہم۔

یعنی اعمش تدلیس کرتے ہیں جیسا کہ امام کرابیسی نسائی اور دارقطنی وغیرہم نے صراحت کی ہے۔

(طبقات المدلسین ص ۳۳)

اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: بلاشبہ ابراہیم روایت کے لحاظ سے صغیر تابعی ہے مگر روایت کے لحاظ سے نہیں امام علی بن

مدینی وغیرہ جید محدثین فرماتے ہیں کہ ابراہیم کا کسی صحابی سے لقائ و سماع ثابت نہیں ہے۔

(مفصل دیکھئے، دین الحق ص ۱۷۳ ج ۱)

الغرض سند کے لحاظ سے یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ منقطع بھی ہے۔

مقلد انوار خورشید کی غلط بیانی:

لکھتا ہے کہ احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز اجالے میں

پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۶)

یہ اتنی بڑی غلط بیانی ہے جو کوئی بھی عالم دین نہیں کرے گا، لیکن خورشید صاحب نے شرم و حیا کی تمام حدود و قیود کو توڑ کر یہ جھوٹ بولا ہے، بلاشبہ اسفار کے متعلق قولی حدیث ہے لیکن فعلی حدیث میں اسفار کا قطعاً ذکر نہیں۔

مولانا سرفراز خاں صفدر خفی دیوبندی لکھتے ہیں۔

نبی ﷺ نے صلوة الصبح اندھیرے ہی میں پڑھی ہے اور آپ کا عمل یہی تھا لیکن امت کو یہ حکم دیا کہ: اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر اور پہلے باحوالہ گزر چکا ہے کہ قولی اور فعلی حدیث میں تعارض کے وقت قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

(خزائن السنن ص ۲۰ حصہ دوم)

مولانا صفدر کی اس عبارت پر غور کریں وہ صاف اعتراف کرتے ہیں کہ فعلی احادیث میں غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھنا ہی ثابت ہے، مگر مولانا انوار خورشید صاحب اس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں جو غلط بیانی ہے، واضح رہے کہ مولانا صاحب نے جو فعلی احادیث نقل کی ہیں وہ حنفیہ کے موافق نہیں مخالف ہیں۔ تفصیل عرض کر دی گئی۔

(۲۳) باب ظہر کی نماز کو اول وقت پڑھنا ہی افضل ہے

فصل اول

(۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لو يعلم الناس ما في النداء والصف الاول ثم لم يجدوا الا ان يستهموا عليه لاستبقوا اليه ولو يعلمون ما في التهجير لاستبقوا اليه ولو يعلمون ما في العتمة والصبح لا توهما، ولو حبوأ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کا ثواب معلوم ہوتا تو پھر انہیں بغیر قرعہ ڈالے اس چیز کا موقع نہ ملتا تو ضرور قرعہ اندازی کرتے، اور اگر ظہر کے اول وقت کے ثواب کو جانتے تو اس کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ عشاء اور صبح کی نماز کا کتنا ثواب ہے تو آتے خواہ سرین کے بل گھسیٹ کر آنا پڑتا۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاستہام فی الاذان، الحدیث ۶۱۵، و مسلم کتاب الصلاة باب تسوية الصفوف واقامتها..... الحدیث ۹۸۱)
امام خلیل فرماتے ہیں۔

المراد الاتيان الى صلاة الظهر في اول الوقت لان التهجير مشتق من الهاجرة وهي شدة الحر نصف النهار وهو اول وقت الظهر،
یعنی تھجیر سے نماز ظہر کے لیے اول وقت میں جانا مراد ہے کیونکہ تھجیر ہاجرة سے مشتق جو نصف النہار کی سخت گرمی کو کہتے ہیں اور یہی نماز ظہر کا اول وقت ہے۔

(بحوالہ فتح الباری ص ۷۷ ج ۲ وفتح الملہم ص ۶۷ ج ۲)
(۲) امام زہری فرماتے ہیں۔

اخبرني انس بن مالك ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر،
الحدیث

مجھے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے جب سورج ڈھلا ہی تھا تو آپ علیہ التحیة والسلام نے (اس وقت) نماز ظہر پڑھی، الحدیث۔

(بخاری کتاب مواقیب الصلاة باب وقت الظهر عند الزوال، الحدیث ۵۴۰)
(۳) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

وكان يصلى الظهر اذا زالت الشمس، الحدیث،

نبی مکرم ﷺ نماز ظہر کو سورج ڈھلتے ہی پڑھتے تھے،

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت الظهر عندا لزوال، الحدیث ۵۴۱) و مسلم کتاب

المساجد باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتها..... الحدیث (۱۴۶۲)

(۴) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ ﷺ بالظہائر سجدنا علی ثيابنا اتقاء الحر۔

ہم نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز ظہر پڑھا کرتے تھے اور گرمی (کی شدت) سے بچنے کے لیے

کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت الظهر عندا لزوال، الحدیث (۵۴۲)

(۵) یہی حدیث صحیح مسلم میں ہے، اس کے الفاظ ہیں۔

کنا نصلی مع رسول اللہ ﷺ فی شدة الحر فاذا لم یستطع احدنا ان یمکن جبهة من

الارض بسط ثوبه فسجد علیه۔

ہم سخت گرمی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھا کرتے تھے، سو اگر ہم میں سے کسی سے

اپنی پیشانی سجدہ میں رکھنا ممکن نہ ہوتا تو اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کر لیتا تھا۔

مسلم کتاب المساجد باب استحباب تقدیم الظهر..... الحدیث (۱۴۰۷)

(۶) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

کان النبی ﷺ یصلی الظهر بالہاجرة، الحدیث۔

نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سخت گرمی میں پڑھا کرتے تھے، الحدیث۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت المغرب، الحدیث ۵۶۰ و مسلم کتاب المساجد

باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتها،..... الحدیث (۱۴۰۶)

(۷) سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

کان النبی ﷺ یصلی الظهر اذا دحضت الشمس۔

نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سورج کے ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے۔

(مسلم کتاب المساجد باب تقدیم الظهر..... الحدیث (۱۴۰۴)

(۸) سیدنا خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اتینا رسول اللہ ﷺ فشکونا الیہ حر الرمضاء فلم یشکنا، قال زہیر قلت لابی

اسحاق آفی الظهر؟ قال نعم، قلت آفی تعجلہا قال نعم۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سخت دوپہر کی شکایت کی تو آپ علیہ السلام

نے ہماری شکایت قبول نہ کی، (راوی حدیث امام) زہیر فرماتے ہیں میں نے (اپنے استاد) ابواسحاق سے دریافت کیا کیا ظہر کی نماز کی شکایت کی تھی، انہوں نے کہا ہاں، میں نے کہا کیا جلدی پڑھنے کی، انہوں نے کہا ہاں۔

(مسلم کتاب المساجد تقدیم الظهر..... الحدیث ۱۴۰۶)

(۹) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

شکوت الی رسول اللہ ﷺ الرمضاء فما اشکانا وقال اذا زالت الشمس فصلوا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سخت دوپہر کی شکایت کی تو میری شکایت قبول نہ فرمائی، اور آپ علیہ السلام نے فرمایا جب سورج ڈھل جائے تو ظہر کی نماز پڑھو۔

(ابن منذر بحوالہ نصب الراية ص ۲۴۵ ج ۱ و فتح الباری ص ۱۳ ج ۲ و فی نسخة الاخری ص ۱۷ ج ۲، واللفظ له و طبرانی کبیر ص ۷۹ ج ۴ رقم الحدیث ۳۷۰۳۷۰) و بیہقی ص ۴۳۹ ج ۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس روایت پر سکوت کیا ہے اور اکابر علماء دیوبند کو اعتراف ہے کہ جس روایت پر حافظ صاحب فتح وغیرہ میں سکوت کریں وہ کم از کم حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

(معارف السنن ص ۳۸۵ ج ۱ و درس ترمذی ص ۷۴ ج ۱ و قواعد فی علوم الحدیث ص ۸۹)

پیشی فرماتے ہیں کہ طبرانی کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۳۰۶ ج ۱ و فی نسخة الاخری ص ۳۱۱ ج ۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

(۱۰) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كان النبي ﷺ يصلي الظهر بالهاجرة ولم يكن يصلي صلوة اشدا على اصحاب رسول الله ﷺ منها فنزلت حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى وقال ان قبلها صلواتين و بعدها صلواتين۔

نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سخت گرمی میں پڑھا کرتے تھے، اور یہ نماز تمام لوگوں پر سب سے زیادہ سخت تھی، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، حفظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی (یعنی نماز پر حفاظت کرو) بالخصوص (درمیانی نماز پر) سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (یہ وسطی اس لیے ہے کہ) اس سے پہلے بھی دو نمازیں (عشاء اور فجر) ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں (عصر اور مغرب)

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاة باب وقت العصر، الحدیث ۴۱۱) و بیہقی ص ۴۵۸ ج ۱ و مسند

احمد ص ۱۸۳ ج ۵)

(۱۱) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

شکو نا الی النبی ﷺ حر الرمضاء فلم یشکنا۔

ہم نے نبی مکرم ﷺ سے سخت گرمی کی شکایت کی (مقصد یہ تھا کہ ظہر کی نماز میں دیر کریں تاکہ ٹھنڈک ہو جائے) تو ہماری اس شکایت کو آپ علیہ السلام نے دور نہیں کیا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الصلاة باب وقت الظهر، الحدیث ۶۷۶) و مسند بزار بحوالہ کشف

الاستار ص ۱۸۸ ج ۱ رقم الحدیث ۳۷۰ و طبرانی کبیر ص ۱۵ ج ۱۰ رقم الحدیث ۹۷۹۳

پیشی فرماتے ہیں بزار اور طبرانی کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ص ۳۰۵ ج ۱ و فی نسخة الاخری ص ۳۱۰ ج ۱)

(۱۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

ما رایت احدا کان اشد تعجیلا لظہر من رسول اللہ ﷺ ولا من ابی بکر ولا من

عمر۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو نماز فجر

میں جلدی کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاة باب ما جاء فی التعجیل بالظہر، الحدیث ۱۵۶)

امام ترمذی نے حسن اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (ضعیف ترمذی ص ۱۶)

ان احادیث سے نماز ظہر کو شدید گرمی کے ایام میں اول وقت ادا کرنے کی فضیلت ثابت ہے اور اسی پر ہی نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کا عمل تھا۔

فصل دوم

(۱) عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ اذا كان الحر ابرد بالصلوة واذا كان

البرد عجل۔ (نسائی ص ۵۸ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز گرمی میں ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے اور سردی میں جلدی پڑھ لیتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۷)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سردی کے دنوں میں نماز ظہر جلدی ادا کی جائے، مگر تمام حنفی دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں بھی ظہر کی اذان ڈیڑھ بجے ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ ان ایام میں سورج ۱۲ بجکر چھ سات منٹ تک ڈھل جاتا ہے، مگر کوئی حنفی ان مہینوں میں بھی سوا باراں بجے ظہر کی اذان نہیں کہتا، علاوہ ازیں جون جولائی کے مہینوں میں بھی بعض مقام پر سردی ہوتی ہے، مثلاً پاکستان کے شہر کوئٹہ اور مری وغیرہ میں ان دنوں بھی سردی ہوتی ہے مگر حنفی ان شہروں میں بھی ایک بجے سے لیکر ڈیڑھ بجے تک ظہر کی اذان دیتے ہیں۔ جو کہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

ثانیاً: اس حدیث میں گرمیوں کے دنوں میں نماز ظہر کو قدرے زوال کے بعد ادا کرنے کا بیان ہے، چنانچہ جماعت اہل حدیث بفضلہ تعالیٰ اس پر عامل ہے، ہماری مساجد میں جنوری کے مہینے میں تو سوا باراں بجے اذان ہوتی ہے جبکہ جون جولائی کے دنوں میں پونے ایک اور بعض مقام پر ایک بجے اذان ہوتی ہے، یہی حدیث کا مقصد ہے یہ مقصد نہیں کہ جب نماز کا اول وقت ختم ہو جائے تو تب نماز ظہر کو پڑھا جائے۔

(۲) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ابردوا بالظہر فان شدة الحر من فیح جہنم۔

(نسائی ص ۵۸ ج ۱)۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بھاپ (کی وجہ) سے ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۸)

الجواب جون جولائی کے مہینوں میں گرمی تو رات گئے تک رہتی ہے، سحری کے وقت قدرے خشکی ہوتی ہے، اگر حدیث کا یہ مفہوم لیا جائے جب گرمی ختم ہو جائے تو تب نماز ظہر ادا کرو، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدھی رات کے وقت نماز کو پڑھا جائے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ قدرے ٹھنڈک ہو تو یہ بھی حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ دوپہر تو دو شملوں کے بعد ختم ہوتی ہے، علامہ خورامی حنفی فرماتے ہیں۔ لا یتغیر الحر الا بعد المثلین، یعنی گرمی میں تبدیلی نہیں آتی مگر دو شملوں کے بعد۔ (الکفایہ شرح ہدایہ ص ۱۹۴ ج ۱ مطبوعہ کوئٹہ)

حالانکہ احناف کے نزدیک بھی دو ٹکوں کے بعد نماز ظہر کا وقت نہیں ہے، الغرض حدیث کا یہ مطلب ہی سرے سے نہیں، بلکہ الفاظ نبوی علیہ الخیۃ والسلام اور آپ کے عمل میں موافقت کی صورت یہ ہے کہ نماز ظہر کو اول وقت ہی سخت گرمی میں ادا کیا جائے البتہ سردیوں کی نسبت گرمیوں میں قدرے مؤخر کر کے پڑھا جائے، یہی اہل حدیث کا عمل ہے کہ سردی کے دنوں میں سورج ڈھلتے ہی اور گرمیوں کے موسم میں تھوڑی سی مؤخر کر کے نماز ظہر پڑھتے ہیں، مگر حنفی اس حدیث کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ یہ دونوں موسموں میں نماز ظہر کی اذان ڈیڑھ بجے ہی کہتے ہیں۔

(۳) عن ابی ذر الغفاری کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاراد الموذن ان یؤذن للظہر فقال النبی ﷺ ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد حتی رأینا فیئنی التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة۔

(بخاری ص ۷۷ ج ۱ و مسلم ص ۲۲۲ ج ۱)

حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ٹھنڈا کر، مؤذن نے دوبارہ اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے پھر فرمایا ٹھنڈا کر حتیٰ کہ ہمیں ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا گرمی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے، لہذا جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۸)

الجواب اولاً: پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ ابراد سے مراد قدرے تاخیر ہے اور اس حدیث میں بھی یہی مراد ہے، کیونکہ نماز ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اور خود حنفیہ کے نزدیک بھی نماز ظہر کو ایک مثل سے لیٹ کر کے ادا نہیں کرنا چاہئے۔
ابن نجیم فرماتے ہیں کہ

و ذکر شیخ الاسلام ان الاحتیاط ان الا یؤخر الظہر الی المثل۔
اور شیخ الاسلام نے بیان کیا ہے کہ احتیاط یہی ہے کہ نماز ظہر کو ایک مثل سے زیادہ لیٹ نہ کیا جائے (البحر الرائق ص ۲۴۵ ج ۱ و فتاویٰ شامی ص ۳۰۹ ج ۱)

ثانیاً: جلدی نماز پڑھنے کی احادیث اور انوار صاحب کی نقل کردہ روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ گرمی میں پڑھنے والی احادیث افضلیت پر دلالت کرتی ہیں، اور ابراد والی روایات میں رخصت ہے، افضلیت اور رخصت میں اختلاف نہیں ہوتا، رخصت کی دلیل یہ ہے کہ سخت گرمی کے دنوں میں بھی سورج ڈھلتے ہی نماز ظہر کا وقت بالاتفاق شروع ہو جاتا ہے۔

اور اس وقت نماز ادا کرنا مکروہ و حرام نہیں، حالانکہ ابراد کا حکم ہے، اس حکم کی وجہ حدیث میں یہ

بتائی گئی ہے کہ، گرمی جہنم کی فحش (بھاپ) کی وجہ سے ہے، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فحش جہنم کی وجہ سے یہ وقت مکروہ ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ سخت سردی کے دنوں میں بھی نماز ظہر کو لیٹ کیا جائے کیونکہ جس طرح گرمی فحش جہنم کی وجہ سے ہے اسی طرح سردی بھی جہنم کے سانس لینے سے آتی ہے۔

(بخاری کتاب مواقیب الصلاة باب الابراد بالظھر فی شدة الحر، الحدیث ۵۳۷) و مسلم

کتاب المساجد باب استحباب الابراد بالظھر..... الحدیث ۱۲۰۱)

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ شدید گرمی میں زوال کے بعد نماز ادا کرنا تو جائز ہے مگر افضل نہیں کیونکہ گرمی فحش جہنم کی وجہ سے ہے، تو راقم عرض کرتا ہے کہ پھر سردی میں بھی نماز کو جلدی ادا کرنا افضل نہ رہا، کیونکہ دونوں کی علت ایک ہی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ شدید گرمی میں نماز کو قدرے تاخیر سے ادا کرنا افضل نہیں بلکہ رخصت ہے۔

انوار خورشید کی غلط بیانی فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۵۳ ج ۱ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نماز ہر حالت میں اول

وقت پڑھنی افضل ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۹)

تبصرہ بلاشبہ سخت گرمی میں بھی نماز ظہر کو اول وقت پر ادا کرنا افضل ہے، لیکن خورشید صاحب نے جو عبارت نقل کی ہے، اس کا تعلق نماز ظہر سے نہیں بلکہ نماز فجر کے ساتھ ہے، ہم قارئین کرام کے لیے فتاویٰ ثنائیہ سے سوال و جواب دونوں نقل کرتے ہیں۔

سوال: صبح کی نماز ہر روز اول وقت پڑھنے میں چند اشخاص تہجد خواں سنتیں پڑھ کر شریک ہوتے ہیں اور لمبی قرأت کرنے میں پہلے (خود) تنگ ہوتے ہیں اور (پھر) مسبوق ہر روز سنتیں بعد نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی ہر روز سنتیں فوت ہو جانے کو مد نظر رکھ کر باقی نمازیوں کا انتظار کر کے درمیانہ وقت میں نماز بہتر ہے کہ صبح صادق کے ہوتے ہی موجود اشخاص کے ساتھ نماز جماعت کرا لینا بہتر ہے۔

جواب: نماز ہر حالت میں اول وقت پڑھنی افضل ہے، دیر سے آنے والوں کو جماعت میں شامل ہونے کی ترغیب دیں، ہاں اول وقت پڑھنے والے اس حدیث کا خیال رکھیں جس میں اتنی انتظار کا حکم ہے کہ کھانا کھانے والا اور صاحب حاجت قضائے حاجت سے فارغ ہو کر نماز میں شامل ہو سکے، اس کی مقدار آج کے لحاظ سے پندرہ بیس منٹ ہے، ست نمازیوں کے انتظار میں نماز کو دیر سے پڑھنا گناہ ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۰۳ ج ۱)

اس عبارت کو مگر پڑھیے یہ کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں بلکہ اپنی تفسیر آپ ہے، اس فتاویٰ میں نماز صبح کے متعلق فتاویٰ دیا گیا ہے، مگر دیوبندیہ کا علامۃ العصر اسے نماز ظہر کے بارے باور کر رہا ہے، شاید تقلیدی لغت میں صبح بمعنی ظہر لکھا ہو، لیکن دنیا اہل علم اور عقل مندوں سے ابھی خالی نہیں ہوئی۔ ایک جاہل و اجڈ بھی جانتا ہے کہ صبح، صبح ہی ہے۔

(۲۳) باب طلوع آفتاب اور غروب شمس کے وقت نماز ادا کرنا فصل اول

سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

(۱) ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس وفقد ادرك العصر۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز صبح کی ایک رکعت بھی پالی (پڑھی) تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جس شخص نے نماز عصر کی ایک رکعت پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب من ادرك من الفجر ركعة، الحديث ۵۷۹) و مسلم کتاب المساجد باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، الحديث ۱۳۷۴
(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

قال رسول الله ﷺ اذا ادرك احدكم سجدة من صلاة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلاته واذا ادرك سجدة من صلاة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلاته۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی ایک (بھی) نماز عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالے تو وہ نماز عصر کو پورا کرے اور جب فجر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو (وہ بھی) صبح کی نماز کو پورا کرے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب من ادرك ركعة من العصر قبل الغروب الحديث ۵۵۶)
(۳) ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

قال رسول الله ﷺ من ادرك من العصر سجدة قبل ان تغرب الشمس او من الصبح قبل ان تطلع، فقد ادركها، والسجدة انما هي الركعة۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر کا ایک سجدہ بھی سورج غروب ہونے سے پہلے، یا صبح کی نماز کا ایک سجدہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پالیا تو اس نے (ان دونوں نمازوں کو) پالیا، اور سجدہ کا مطلب رکعت ہے۔

(مسلم کتاب المساجد باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة۔ الحديث ۱۳۷۵)

(۴) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ

من ادرك من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك، ومن ادرك من الفجر ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك۔

جس شخص نے نماز عصر سے ایک رکعت پالی سورج غروب ہونے سے پہلے تو اس نے نماز پالی اور جس نے صبح کی نماز سے ایک رکعت پالی سورج طلوع ہونے سے پہلے تو اس نے نماز پالی۔

(مسلم کتاب المساجد باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، الحديث

۱۳۷۷)

(۵) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

عن النبي ﷺ قال من صلى سجدة واحدة من العصر قبل غروب الشمس ثم صلى ما بقى بعد غروب الشمس فلم تفته العصر، قال ومن صلى سجدة واحدة من الصبح قبل طلوع الشمس ثم صلى ما بقى بعد طلوع الشمس فلم تفته الصبح۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصر کی نماز سے ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی پھر بقیہ نماز کو آفتاب غروب ہونے کے بعد ادا کیا تو اس کی نماز فوت نہ ہوئی، اور جس نے صبح کی نماز سے ایک رکعت بھی سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی پھر بقیہ نماز کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھا تو اس کی نماز فوت نہ ہوئی۔

(مسند السراج ص ۳۰۴ رقم الحدیث ۹۳۶) و ارواء الغلیل ص ۲۷۴ ج (۱)

(۶) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان رسول الله ﷺ قال من ادرك من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فقد ادركها ومن ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادركها۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص عصر کی نماز سے ایک رکعت پالے سورج کے غروب ہونے سے پہلے اس نے عصر کی پوری نماز (وقت پر) پالی اور جو شخص صبح کی نماز میں سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پالے اس نے صبح کی نماز (وقت پر) پالی۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الصلاة باب وقت الصلاة في العذر والضرورة، الحديث ۶۹۹) و ابو

عوانہ ص ۳۵۸ ج (۱)

(۷) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبي ﷺ قال من صلى من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فلم تفته۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر سے ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے

پہلے پڑھ لی تو اس کی نماز فوت نہ ہوئی۔ (مسند ابو عوانہ ص ۳۸۸ ج ۱)

(۸) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

قال رسول الله ﷺ من ادرك من العصر ركعتين او ركعة قبل ان تغرب الشمس فلم تفته ومن ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فلم تفته۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر کی دو یا ایک رکعت آفتاب غروب ہونے سے پہلے پالی اس کی نماز عصر فوت نہ ہوئی، اور جس نے صبح (کی نماز) سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پالی اس کی نماز صبح فوت نہ ہوئی۔

(مسند ابو داؤد طیالسی ص ۳۱۳ رقم الحدیث ۲۳۸۱)

(۹) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبي ﷺ قال اذا ادرك احدكم اول سجدة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلوته واذا ادرك اول سجدة من صلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلوته،

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک عصر کی نماز کی پہلی رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالے (پڑھ لے) تو وہ نماز پورا کرے، اور جب صبح کی نماز کی پہلی رکعت آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے پالے وہ نماز کو پورا کرے۔

(سنن نسائی کتاب المواقیب باب من ادرك ركعتين من العصر، الحدیث ۵۱۷ و بیہقی ص ۳۷۸ ج ۱)

(۱۰) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ان رسول الله ﷺ قال من صلى من صلوة الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فطلعت فليصل اليها اخرى۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز صبح میں سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی، پھر سورج (اسی حالت میں) طلوع ہو گیا تو وہ (شخص) باقی نماز بھی پڑھ لے۔

(بیہقی ص ۳۷۹ ج ۱ و مسند احمد ۳۸۹ و ۵۲۱ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۸۲ ج ۱)

(۱۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

عن النبي ﷺ قال اذا صلى احدكم ركعة من صلوة الصبح ثم طلعت الشمس فليصل اليها اخرى۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک صبح کی ایک رکعت نماز پڑھ لے پھر سورج طلوع

ہو جائے تو وہ باقی نماز بھی پڑھ لے۔

(بیہقی ص ۳۷۹ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۸۲ ج ۱)

(۱۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

قال النبی ﷺ من نسی عن صلاة فليصل اذا ذكر لا كفارة لها الا ذلك۔ الحديث۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز بھول گیا تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھ لے، اس (نماز کا) کوئی کفارہ نہیں مگر یہی (کہ اسے پڑھا جائے)

(بخاری کتاب مواقیب الصلاة باب من نسی صلاة فليصل اذا ذكر، الحديث ۵۹۷ و

مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلاة الفائتة الحديث ۱۵۶۱)

(۱۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

من نسی الصلاة فليصلها اذا ذكر، الحديث

جو شخص نماز بھول گیا اسے جب یاد آئے وہ نماز پڑھ لے۔

(مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، الحديث ۱۵۶۰)

(۱۴) سیدنا ابی قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

اما انه ليس في النوم تفريط انما التفريط على من لم يصلي الصلاة حتى يجنى وقت

الصلاة الاخرى فمن فعل ذلك فليصلها حين ينتبه لها۔

سو جانے میں تفريط نہیں ہے تصور تو اس پر ہے جو شخص نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آ

جائے، لہذا اگر کسی سے یہ فعل سرزد ہو جائے تو جب وہ بیدار ہو تو نماز پڑھ لے۔

(مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلاة لفائتة واستحباب تعجيل قضائها، الحديث ۱۵۶۲)

(۱۵) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن صبح کی نماز میں اتنی قرأت لمبی کی

کہ عوام الناس نے خدشہ ظاہر کیا کہ سورج طلوع ہو گیا ہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو طلعت لم تجدنا غافلين۔ یعنی اگر سورج طلوع ہو جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔

(بیہقی ص ۳۷۹ ج ۱ و طحاوی ص ۱۲۵ ج ۱)۔

(۱۶) اسی طرح کا واقعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور آپ نے بھی یہی فرمایا تھا

(بیہقی ص ۳۷۹ ج ۱) لیکن اس اثر کی سند ضعیف ہے۔ راجع: (دین الحق ص ۱۷۰ ج ۱)۔

(۱۷) ابو سعید الخدری فرماتے ہیں:

كان ابو هريرة يقول من نام أو غفل عن صلوة الصبح فصلى ركعة من صلاة الصبح قبل

ان تطلع الشمس ولاخرى بعد طلوعها فقد اجداها ومن نام او غفل عن صلاة العصر فصلى

رکعتیں قبل غروب الشمس ورکعتیں بعدہ فقد ادر کہا۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (توی دیا) کرتے تھے کہ جو شخص سو گیا یا صبح کی نماز بھول گیا اور اس نے ایک رکعت نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی اور باقی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھی تو اس کی نماز ہو گئی اور ایسا ہی جس کی نماز عصر نیند یا بھول سے رہ گئی اور اس نے دو رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لیں اور دو غروب کے بعد ادا کی تو اس کی نماز ہو گئی۔

(معرفة السنن والآثار بحوالہ اعلام اهل العصر ۱۷۹)

ان احادیث واثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے دوران اگر سورج طلوع ہو جائے تو نماز ہو جائے گی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعدد طرق کے مختلف الفاظ اس بات کا کھلا اور واضح ثبوت ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، اور احادیث ۱۲، ۱۳، ۱۴ کا مقصود بھی واضح ہے کہ نیند سے بیدار ہونے والا اور نماز کو بھول جانے والا بھی تمام اوقات میں نماز پڑھ لے، اور آخری تین آثار صحابہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عمل تھا، اس کے برعکس حنفیہ کا موقف ہے کہ صبح کی نماز کے دوران اگر سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی جبکہ عصر کی نماز کا پڑھنا درست ہے اور اس صورت میں نماز ہو جائے، تفصیل فصل دوم میں آرہی ہے۔

قارئین کرام! فیصلہ کریں کہ یہ حدیث کی مخالفت ہے کہ نہیں؟

فصل دوم

(۱) عن عقبہ بن عامر الجہنی یقول ثلث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہانا ان نصلی فیہن او ان نقبر فیہن موتا ناحین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع وحين یقوم یقوم قائم الظہیرة حتی تمیل الشمس وحين تضیف الشمس للغروب حتی تغرب۔ (مسلم جلد اول ص ۲۷۶)
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں منع فرماتے تھے تین اوقات میں نماز پڑھنے سے بھی اور مردوں کے دفنانے سے بھی ایک تو جب سورج طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے، دوسرے جس وقت، کہ ٹھیک دوپہر ہو جب تک زوال نہ ہو جائے، تیسرے جس وقت سورج ڈوبنے لگے جب تک کہ پورا ڈوب نہ جائے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ جن میں کوئی نماز بھی جائز نہیں، نہ فرض نہ واجب نہ سنت، نہ نفل (۱) طلوع آفتاب (۲) زوال آفتاب (۳) غروب آفتاب، حضور علیہ الصلوٰۃ

و اسلام نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور کسی نماز اور کسی دن کو اس ممانعت سے خاص نہیں کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۰)

الجواب اولاً: اس حدیث میں جس طرح تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے اسی طرح ان اوقات میں مردوں کو دفن کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، حالانکہ ان اوقات میں احناف کے نزدیک مردوں کو دفن کرنا جائز ہے، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ ص ۸۷ ج ۱ کی مراجعت کریں، بعض حنفیہ نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ، دفنانے، سے مراد نماز جنازہ پڑھنا ہے، (اعلاء السنن ص ۵۷ ج ۳) یہ تاویل جیسی بھی ہے، اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی حدیث ان کے خلاف ہی ہے، کیونکہ، تقبر، سے دفنانا مراد لیں یا جنازہ بہر حال نبی مکرم ﷺ نے تینوں اوقات میں ان کا کرنا منع فرمایا ہے، حالانکہ احناف کے نزدیک ان مکروہ اوقات میں جنازہ کا پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ (معارف السنن ص ۸۷ ج ۲ و البحر الرائق ص ۲۰۰ ج ۱)۔

ثانیاً: سابقہ فصل کی احادیث میں تفصیل گزر چکی ہے کہ اگر صبح اور عصر کی نماز کے دوران سورج طلوع یا غروب ہو گیا تو نمازی اپنی نماز کو پورا کر لے اور اس کی نماز (ان شاء اللہ) ادا ہو جائے گی، لیکن فسوس حنفیہ کے نزدیک صبح کی نماز کے دوران اگر سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی جبکہ عصر کی نماز کے دوران اگر غروب ہو جائے تو نماز ادا ہو جائے گی، پھر ان پر جو دلائل بیان کیئے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام من گھڑت اور قیاس فاسد سے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

اس حدیث (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) میں فجر اور عصر کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا، حدیث باب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے، مختلف مشائخ حنفیہ نے اس کا جواب دینے میں بڑا زور لگایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی شافی جواب نہیں دیا جاسکا یہی وجہ کہ حنفیہ کے مسلک پر اس حدیث کو مشکلات میں شمار کیا گیا ہے (درس ترمذی ص ۴۳۴ ج ۱)

مولانا آگے ایک ایک تاویل کو نقل کر کے ان کا رد تحریر کرتے ہیں، بحث کے آخر میں فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کی طرف سے کوئی ایسی توجیہ اب تک احقر کی نظر سے نہیں گزری جو کافی اور شافی ہو، اس لئے حدیث کو توڑ موڑ کر حنفیہ کے مسلک پر فٹ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں حنفیہ کی تمام تاویلات بارہ ہیں، اور حدیث میں کھینچ تان کرنے کے بجائے کھل کر یہ کہنا چاہئے کہ اس بارے میں حنفیہ کے دلائل ہماری سمجھ میں نہیں آسکے، اور ان اوقات میں نماز پڑھنا ناجائز تو ہے لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو ادا ہو جائے گی، حضرت گنگوہی کے علاوہ صاحب بحر الرائق اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی دلائل کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ

طلوع شمس سے فجر کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(درس ترمذی ص ۲۳۹ ج ۲۳۰ ج ۱)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ خود احتاف بھی ان مکروہ اوقات میں مردے دفنانے کے قائل ہیں اور یہ کہ عصر کی نماز کو جائز کہتے ہیں۔

ثالثاً: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور سابقہ فصل کی حدیث کے درمیان قطعاً تعارض نہیں ہے، سابقہ فصل کی احادیث سے ان اوقات میں، فرض نماز، واجب نماز اور سنن وغیرہ کی اجازت ثابت ہے، اور سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ممانعت عام نوافل کی ہے۔

امام شافعی امام احمد مالک اور جمہور آئمہ محدثین کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک و مذہب اور موقف ہے، آثار صحابہ کرام بھی اس کے مؤید ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے۔

(فتح الباری ص ۲۵ ج ۲ و اعلام اہل العصر ص ۱۳۷ و التمهید ص ۲۷۰ ج ۳ والاستذکار ص ۶۳ ج ۱ مطبوعہ نشر المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیہ ۱۳۹۱ھ)

جمعہ کے دن زوال وقت نوافل پڑھنا:

ہمارے معاصر نے، فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۳۳ ج ۱ سے نقل کیا ہے کہ مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنی جائز ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۱)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نوافل ادا کرنے کی روایات سنداً سخت ضعیف ہیں، تفصیل کے (التلخیص الحبیر ص ۱۸۸ ج ۱) کی مراجعت کریں۔

اس لیے ہماری تحقیق یہ ہے کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا فتویٰ درست نہیں ہے، لیکن یہ موقف فقط مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کا ہی نہیں بلکہ متعدد اہل علم کا ہے، اور احتاف سے قاضی ابو یوسف کا بھی یہی نظریہ ہے (فیض الباری ص ۱۰۶ ج ۲)

امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ جو فقہ حنفی میں محقق علی الاطلاق اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے ہیں انہوں نے قاضی ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے اور صاحب حلیہ وغیرہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

(البحر الرائق ص ۲۵۰ ج ۱ و فتح القدیر ص ۲۰۵ ج ۱ و حلیہ کبیر ص ۲۳۷ و بذل المعهود ص ۱۷۹ ج ۲) قاضی ابو یوسف کی حیثیت حنفیت میں جو کچھ ہے وہ محتاج بیان نہیں، افسوس کہ خورشید صاحب نے قاضی ابو یوسف کے قول کو نظر انداز کر کے حضرت شیخ الاسلام کا فتویٰ نقل کر کے اہل حدیث کو مطعون کیا ہے مگر یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ اس رد میں ان کا نامور امام بھی شامل ہے، خلاصہ کلام یہ کہ قاضی ابو یوسف نے حدیث کی مخالفت کی ہے یا موافقت کی ہے، جو بھی مولانا صورت اختیار کریں پھر اس کے دفاع میں جو بھی زیب رقم فرمائیں وہی ہماری طرف سے حضرت امرتسری رحمہ اللہ کا سمجھ لینا۔

(۲۵) باب عذر کی وجہ سے دو نمازیں جمع کرنا

فصل اول

(۱) سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

خروج علينا رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی بالطحاء الظهر والعصر ركعتين ونصب بين يديه عنزة الحديث۔

یعنی رسول اللہ ﷺ دوپہر میں بطحاء کی طرف نکلے (اور وضو کیا) دو رکعت ظہر کی اور دو ہی عصر کی پڑھیں، اور آپ علیہ التحیة والسلام کے آگے نیزہ گاڑا ہوا تھا۔

(بخاری کتاب الصلاة باب السترة بمكة وغيرها، الحديث ۵۰۱ و مسلم کتاب الصلاة باب سترة المصلی والندب..... الحديث ۱۱۲۲)

(۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كان النبي ﷺ اذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر الى وقت العصر ثم نزل فجمع بينهما فاذا زاغت الشمس قبل ان يرتحل صلى الظهر ثم ركب۔

یعنی نبی مکرم ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر پر جاتے تھے تو ظہر کی نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر (سواری سے) اتر کر دونوں نمازوں کو جمع کرتے اور اگر سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کرتے تو ظہر کی نماز پڑھ کر (سواری پر) سوار ہوتے۔

(بخاری کتاب التقصیر باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب، الحديث ۱۱۱۴ و مسلم کتاب صلاة المسافرين باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، الحديث ۱۶۲۵)

(۳) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كان النبي ﷺ اذا اراد ان يجمع بين الصلاتين في السفر اخر الظهر حتى يدخل اول وقت العصر ثم يجمع بينهما۔

نبی مکرم ﷺ جب سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے تو ظہر کی نماز کو اتالیٹ کرتے یہاں تک نماز عصر کا اول وقت داخل ہو جاتا پھر ظہر و عصر کی دونوں نمازوں کو جمع کرتے،

(مسلم کتاب صلاة المسافرين باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، الحديث ۱۶۲۶)

(۴) سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

عن النبی ﷺ اذا عجل عليه السفر يؤخر الظهر الى اول وقت العصر فيجمع بينهما و يؤخر المغرب حتى يجمع بينها و بين العشاء حين يغيب الشفق۔

جب نبی مکرم ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو نماز ظہر کو اتالیٹ کرتے کہ عصر کی نماز کا اول وقت آجاتا، پھر دونوں نمازوں کو جمع کرتے، اور مغرب کی نماز کو اتالیٹ کرتے یہاں تک کہ شفق ڈوب جاتی تو پھر مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھتے تھے۔

(مسلم کتاب صلاة المسافرين باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، الحدیث ۱۶۷۷)

(۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كان رسول الله ﷺ اذا كان في السفر فزال الشمس صلى الظهر و العصر جميعا ثم ارتحل،

یعنی رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کر کے پڑھتے تھے پھر کوچ فرماتے

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۱۶۲ ج ۳)

(۶) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبي ﷺ كان اذا كان في سفر فزاغت الشمس قبل ان يرتحل صلى الظهر و العصر جميعا و ان ارتحل قبل ان تزيغ الشمس جمع بينهما في اول وقت العصر و كان يفعل في المغرب و العشاء۔

جب نبی مکرم ﷺ سفر میں ہوتے اور کوچ کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر و عصر کی دونوں نمازوں کو کوچ کرنے سے پہلے جمع کر کے پڑھتے تھے، اور جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو نماز عصر کے وقت میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، اسی طریقہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں میں کرتے تھے۔

طبرانی الاوسط ص ۲۷۲ ج ۸ رقم الحدیث ۷۵۴۸)

پہلی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۶۰ ج ۲) یہ روایت دوسری سند سے امام حاکم نے بھی، الاربعین، میں روایت کی ہے، علامہ البانی اور منذری اور حافظ ابن حجر اور علامہ العلاء فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(ارواء الغلیل ص ۳۳ ج ۳) التلخیص الجبیر ص ۴۹ ج ۲)

تیسری سند امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے امام اسماعیلی نے اور ان سے امام بیہقی نے (السنن الكبرى ص ۱۶۲ ج ۲) میں روایت کیا ہے، نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (المجموع

(۷) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان في غزوة تبوك اذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر حتى يجمعها الى العصر فيصلحها ثم سار وكان اذا ارتحل قبل المغرب اخر المغرب حتى يصلحها مع العشاء واذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب۔

یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں جب آفتاب ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو نماز ظہر کو لیٹ کرتے یہاں تک اسے عصر کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھتے تھے اور جب سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کرتے تو ظہر و عصر پڑھ کر چلتے اور جب مغرب سے پہلے کوچ کرتے تو نماز مغرب میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ اسے عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھتے اور جب سورج غروب ہونے کے بعد چلتے تو عشاء کی نماز کو مغرب کی نماز کے ساتھ پڑھ کر چلتے تھے۔

(سنن ابی داؤد کتاب صلاة السفر باب الجمع بين الصلاتين، الحديث ۱۲۲۰) و ترمذی کتاب الجمعة باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين، الحديث ۵۵۳، و مسند احمد ص ۲۴۱ و ۱۲۲ ج ۵ و دارقطنی ص ۳۹۲ ج ۱ و ابن حبان رقم الحديث ۱۵۹۱)

(۸) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

انهم خروا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عام تبوك فكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يجمع بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء قال فاخر الصلوة يوماً ثم خرج فصلی الظهر والعصر جميعاً ثم دخل ثم خرج فصلی المغرب والعشاء جميعاً، الحديث۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک کے سال (سفر کے لیے) نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا کرتے تھے ایک دن ظہر کی نماز میں تاخیر کر کے نکلے اور اسے عصر کے ساتھ جمع کر کے پڑھا پھر ایک مقام پر داخل ہوئے تو مغرب کی نماز میں تاخیر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھی، الحدیث

(موطا امام مالك كتاب الصلاة باب الجمع بين الصلاتين في الحضر والسفر، و مسلم كتاب الفضائل باب في معجزات النبي صلی اللہ علیہ وسلم، الحديث ۵۹۳۷)

(۹) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

الاحدثكم عن صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في السفر؟ قلنا بلى، قال كان اذا زاغت الشمس في منزله جمع بين الظهر والعصر قبل ان يركب واذا لم ترغ له في منزله سار حتى اذا حانت العصر نزل فجمع بين الظهر والعصر و اذا حانت المغرب في منزله جمع بينها و بين العشاء و اذا لم تحن في منزله ركب حتى اذا حانت العشاء نزل فجمع بينهما۔

کیا میں آپ کو نبی مکرم ﷺ کی سفر کی نماز نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں، تب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب سورج ڈھل جاتا اور آپ ابھی منزل میں ہی ہوتے تو کوچ کرنے سے پہلے ظہر و عصر کی دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، اور جب منزل میں ہی ہوتے اور سورج نہ ڈھلتا تو چل پڑتے حتیٰ کہ جب نماز عصر کا وقت آتا تو سواری سے اتر کر ظہر و عصر کو جمع کر کے پڑھتے اور جب نماز مغرب کا وقت منزل میں ہی ہو جاتا تو مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، اور جب منزل میں مغرب کی نماز کا وقت نہ آتا تو کوچ کرتے حتیٰ کہ جب عشاء کی نماز کا وقت آتا تو تب اتر کر ان دونوں کو جمع کرتے۔

(مسند احمد ص ۳۶۷، ۳۶۸ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۸۸ ج ۱ و بیہقی ص ۱۶۳، ۱۶۴ ج ۳ و مصنف

عبدالرزاق ص ۵۲۸ ج ۲)

(۱۰) امام اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كنت مع عبد الله بن عمر رضي الله عنهما بطريق مكة فبلغه عن صفية بنت ابي عبيد شدة وجع فاسرع السير حتى اذا كان بعد غروب الشفق ثم نزل فصلى المغرب والعتمة جمع بينهما وقال اني رايت النبي ﷺ اذا جد به السير اخر المغرب وجمع بينهما۔

میں مکہ مکرمہ کے راستہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا آپ کو صفیہ بنت ابی عبید (بیوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی سخت بیماری کی خبر پہنچی وہ (ابن عمر) جلدی جلدی چلنے لگے یہاں تک شفق غروب ہو گئی تو تب آپ (اونٹ سے) اترے اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں، اور فرمایا کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو لیٹ کر کے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر جمع کر کے پڑھتے تھے۔

(بخاری کتاب الجہاد والسير باب السرعة فی السير، الحدیث ۳۰۰۰)

(۱۱) امام نافع بیان کرتے ہیں کہ

ان ابن عمر كان اذا جد به السير جمع بين المغرب والعشاء بعد ان يغيب الشفق ويقول ان رسول الله ﷺ كان اذا جد به السير جمع بين المغرب والعشاء سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جب سفر میں جلدی چلنا ہوتا تو غروب شفق کے بعد مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بھی جلدی چلنا ہوتا تو مغرب و عشاء کی نمازیں اسی طرح جمع کرتے تھے۔

(مسلم کتاب صلاة المسافرين باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، الحدیث ۱۲۲۲)

(۱۲) امام عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ

غابت الشمس وانا عند عبد الله بن عمر فسرنا فلما رايناه قدامسى قلنا الصلاة فسار حتى غاب الشفق وتصوبت النجوم ثم انه نزل فصلى الصلاتين جميعا ثم قال رايت رسول الله ﷺ اذ اجد به السير صلى صلاتي هذه، يقول يجمع بينهما بعد ليل،

میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور آفتاب غروب ہو گیا جب ہم نے سمجھا کہ رات ہو گئی ہے تو انہیں نماز پڑھنے کے لیے کہا مگر آپ نے سفر جاری رکھا اور جب شفق غروب ہو گئی اور تارے نکل آئے تو تب اونٹ سے اتر کر مغرب و عشاء کی دونوں نمازیں جمع کی، پھر کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بھی جلدی چلنا ہوتا تو ایسا ہی کرتے، رات میں دونوں نمازوں کو جمع کرتے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاة السفر باب الجمع بین الصلاتین، الحدیث ۱۲۱۷)

(۱۳) امام اسماعیل بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ

صحبت ابن عمر الى الحمى فلما غربت الشمس هبت ان اقول له الصلوة فسار حتى ذهب بياض الافق فحمة العشاء ثم نزل فصلى المغرب ثلاث ركعات ثم صلى ركعتين على اثرها ثم قال هكذا رايت رسول الله ﷺ يفعل۔

میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (سفر میں گیا) حمی تک، جب سورج غروب ہو گیا تو میں انہیں نماز کے متعلق کہنے سے ڈرا، آپ نے سفر جاری رکھا حتیٰ کہ آسمان کے کناروں سے سفیدی چلی گئی، اور رات کے ابتدائی حصے کا اندھیرا اچھا گیا تب آپ سواری سے اترے اور مغرب کی تین رکعت نماز پڑھی اس کے بعد دو رکعتیں (عشاء کی نماز) ادا کیں اور کہا کہ نبی مکرم ﷺ اسی طرح (سفر میں) کرتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت باب الوقت الذى يجمع فيه المافرین المغرب العشاء الحدیث

۵۹۲ ومسند حمیدی ص ۲۹۹ ج ۲)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مزید بھی طرق ہیں، تفصیل کے لیے، دین الحق ص ۵۷۷ ج ۱ اور بیہقی

ص ۱۵۹ ج ۳ کی مراجعت کریں،

(۱۴) امام سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ

عن ابن عباس قال جمع رسول الله ﷺ بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة في غير خوف ولا مطر وفي حديث وكيع قال قلت لابن عباس لم فعل ذلك؟ قال كيلا يحرج امته، وفي حديث ابى معاوية قيل لابن عباس ما اذا اراد الى ذلك قال اراد ان لا يحرج امته۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر خوف اور بارش

کے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا، اور کعب کی روایت میں ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ آپؓ نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے فرمایا تاکہ امت کو حرج نہ ہو، اور ابو معاویہ کی روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپؓ نے ایسا کیوں کیا؟ بولے کہ یہ چاہا کہ آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو،

(مسلم کتاب صلاة المسافرين باب الجمع بین الصلاتین الحضر، الحدیث ۱۲۳۳)
سیدنا ابن عباسؓ کی اس روایت کے متعدد طرق ہیں، تفصیل کے لیے، ارواء الغلیل ص ۳۶ ج ۳ کی مراجعت کریں، اس حدیث سے آفتاب کی طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے مبارک عہد میں مدینہ منورہ میں بوجہ بارش نمازیں جمع کی جاتی تھیں ورنہ اس روایت میں نفی کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا۔

(۱۵) امام نافع بیان کرتے ہیں کہ

ان عبد اللہ بن عمر کان اذا جمع الامراء بین المغرب والعشاء فی المطر جمع معهم۔
سیدنا ابن عمرؓ بوجہ بارش امراء کے ساتھ مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے
(موطا امام مالک باب الجمع بین الصلواتین فی الحضر والسفر، و بیہقی ص ۱۲۸ ج ۳)

(۱۶) امام ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ

ان اباہ عروہ و سعید بن المسیب و ابا بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام بن المغیرة المخدومی كانوا یجمعون بین المغرب والعشاء فی اللیلة المطیرة اذا جمعوا بین الصلاتین ولا ینکرون ذلك

ان کے والد امام عروہ بن زبیر اور سعید بن مسیب اور ابا بکر بن عبدالرحمن مخدومی بارش کی رات مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر لیا کرتے تھے اور جب دو نمازوں کو جمع کرتے تھے تو کوئی بھی انکار نہ کرتا تھا۔ (بیہقی ص ۱۶۸ ج ۳)

(۱۷) امام موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ

ان عمر بن عبدالعزیز کان یجمع بین المغرب والعشاء الاخرة اذا کان المطر وان سعید بن المسیب و عروہ بن الزبیر و ابا بکر بن عبدالرحمن و مشیخہ ذلك الزمان كانوا یصلون معهم ولا ینکرون ذلك۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز جب بارش ہوتی تو مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کرتے تھے، اور سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور ابا بکر بن عبدالرحمن وغیرہ اس زمانے کے شیوخ آپ کے ساتھ نمازیں (جمع کر کے) پڑھا کرتے اور کوئی انکار نہ کرتا تھا۔ (بیہقی ص ۱۶۹ ج ۳)

فصل دوم

حفظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی (۲۳۸.۲)

محافظة کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی۔

ان الصلوة كانت علی المومنین کتابا موقوتا (۴-۱۰۳)

بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں۔

فویل للمصلین الذین ہم عن صلاتهم ساهون۔ (۱۰۷-۱ تا ۵)

پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

وجہ استدلال میں مولانا فرماتے ہیں۔

آیات کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں ان کی محافظت واجب ہے اور

ان کی خلاف ورزی باعث عذاب ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۲، ۲۵۶)

الجواب اولاً: اگر ان آیات سے وہی بات ثابت ہے جو مولانا کہی ہیں تو اوقات کی محافظت

واجب نہیں فرض ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جو چیز نص قطعی سے ثابت ہو وہ فرض ہوتی ہے، اور جو دلیل ظنی

سے ثابت ہو وہ واجب کہلاتی ہے، مگر مولانا اسے واجب کہتے ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ وہ خود بھی ان

آیات کو زیر بحث مسئلہ میں قطعی نہیں بلکہ غیر منصوص تسلیم کرتے ہیں۔

ثانیاً: نبی مکرم ﷺ نے جس طرح سفر و حضر میں نمازیں ادا فرمائی ہیں وہ دراصل حفظوا علی

الصلوة، اور کتابا موقوتا، کی عملی تفسیر ہیں۔ لہذا سفر وغیرہ میں نمازوں کو جمع کرنا، ساهون، میں

شامل نہیں ہے، تفصیل کے لیے دین الحق ص ۵۸۶ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

ثالثاً: حفاظت نماز، اور، اقامت صلوة، میں فقط وقت ہی شامل نہیں بلکہ نماز کے تمام ارکان و شرائط

بھی داخل ہیں، مگر حنفی جس برق رفتاری سے نمازیں ادا کرتے ہیں وہ ان آیات کے خلاف ہیں۔

قارئین کرام آپ کسی بھی حنفی مسجد میں جا کر اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ (مسجد خواہ بریلویوں کی ہو یا

دیوبندیوں کی) اول تو نماز کے اوقات کا لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ پھر اس کے بے جا شروط کا تو پاس رکھا

جائے گا مگر مسنون طریقہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا جائے گا، رکوع و سجود کی تسبیحات اور دونوں سجدوں کے

درمیان کی دعا، اور تشہد میں مسنون دعائیں عوام الناس تو کجا بعض علماء احناف کو بھی نہیں آتیں، ہمارے

گاؤں کے ساتھ میوات کے مہاجر راجپوت فیملی کا ڈیرہ ہے جو، بنگلہ کوٹلی ورکاں، کے نام سے معروف

ہے، تھوڑا عرصہ قبل کی بات ہے کہ وہاں ایک جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، (مماتی دیوبندی ہیں مگر جس

مولوی صاحب کو انہوں نے جنازہ کے لیے بلایا ہوا تھا وہ بریلوی تھا) خیر مولوی صاحب نے جنازہ

پڑھایا، سلام کے بعد فرمانے لگے کہ گیارہ بار قل اور درود کو پڑھا جائے، خاکسار نے کہا کہ یہ کام بدعت ہے، جنازہ میں شامل نہیں، مولوی صاحب نے اصرار کیا تو، راقم نے کہا کہ آپ کو مکمل جنازہ نہیں آتا، اگر آپ سنا دیں تو میری طرف سے آپ کو دس ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا، جس پر انہوں نے تھوڑی سے خفت کے بعد تسلیم کر لیا کہ واقعی مجھے جنازہ نہیں آتا، یہ بالکل سچا واقعہ ہے، وکفی باللہ شہید۔

الغرض شرعی طور پر، حفاظت، اقامت اور ساہون کا جو مفہوم پایا جاتا ہے وہ حقیقت کے صریحاً خلاف ہے۔

راقم کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اگر یہاں کبھی کوئی میں تبلیغی جماعت آ جائے تو انہیں کافی دقت پیش آتی ہے، پیش امام ابھی رکوع سے کھڑا ہی ہوتا ہے اور اللھم ربنا ولك الحمد الخ پڑھ رہا ہوتا ہے، اور پیچھے سے دیوبندی مقتدی سجدہ میں جا چکے ہوتے ہیں، پھر جب پہلے سجدہ سے سر اٹھا کر پیش امام، اللھم اغفر لی، کو شروع ہی کرتا ہے تو سجدہ میں جبین لگا چکے ہوتے ہیں۔ دیوبندی وضاحت کریں کہ امام کی مخالفت، حفظوا، موقوفتا، کے خلاف ہے یا نہیں اور آیا یہ، ساہون، میں داخل ہے کہ نہیں۔

ثالثاً: ہمارے فاضل بھائی کے نزدیک بھی عذر کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ انہوں نے کتاب میں اس باب کا عنوان، بلا عذر دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا جائز نہیں (حدیث اور اہل حدیث ۲۵۲) قائم کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ عذر شرعی کی وجہ سے جائز ہے، ورنہ یہ عنوان بے معنی ہو جاتا ہے، اور سفر عذر شرعی ہے کہ کیونکہ سفر میں نمازیں جمع کرنا سنت سے ثابت ہیں۔

(۱) عن عبد الله قال كان رسول الله ﷺ يصلي الصلوة لوقتها الا بجمع و عرفات۔

(نسائی ص ۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز وقت پر پڑھتے تھے، سوائے

مزدلفہ اور عرفات کے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۲۵۲)

الجواب: یہ حدیث (بخاری ص ۲۲۸ ج ۱، مسلم ص ۳۱۷ ج ۱) میں بھی ہے مگر اس میں فقط مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے، دیکھئے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۰) مگر اس حدیث میں عرفات میں بھی ظہر وعصر کو جمع کرنے کا ذکر ہے حالانکہ بخاری کی حدیث میں نفی ہے، اگر کہا جائے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے گو بخاری کی روایت میں نفی ہے مگر اس میں اثبات ہے لہذا مسلمہ اصول سے نسائی کی روایت مقدم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ واقعی ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے، اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی دید کو بیان کیا ہے جبکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہم نے اپنی دید بیانی کی ہے کہ نبی مکرم ﷺ سفر میں نمازیں جمع کرتے تھے، اور حنفیہ کا مسلمہ

اصول کہ ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے (دیکھئے احسن الکلام ص ۲۵۹ ج ۱) کے پیش نظر سفر میں نمازیں جمع کرنے کی احادیث مقدم ہیں۔

(۲) عن عبد الله قال ما رایت رسول الله ﷺ صلی صلاة الالمیقاتها، الاصلابین صلوة المغرب والعشاء یجمع و صلی الفجر یومئذ قبل میقاتها، (مسلم ص ۴۱۷ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب دیکھا نماز وقت پر پڑھتے دیکھا سوائے دو نمازوں یعنی مغرب و عشاء کے مزدلفہ میں اس دن آپ نے فجر کی نماز وقت (معتاد) سے پہلے پڑھی (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۳)

الجواب اولاً: یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے تفصیل نماز فجر کے وقت کے سلسلہ میں کتاب ہذا میں گزر چکی ہے، مزید دیکھئے، تجتہ حنفی ص ۸۶ ج ۱ و دین الحق ص ۱۶۲ ج ۱)

ثانیاً: اگر اس حدیث سے سفر میں نمازیں جمع کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو عرفات میں ظہر و عصر کو جمع کرنا بھی ناجائز ہے، کیونکہ اس میں اس کی بھی نفی ہے، حالانکہ احتاف کے نزدیک بھی عرفات میں ظہر و عصر کو اکٹھا کرنے کا حکم ہے، دیکھئے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۷۰ ج ۲) فما کان جوابکم فہو جوابنا۔

(۳) عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال سئل ابو هريرة رضی اللہ عنہ ما التفریط فی الصلوة قال ان تؤخر حتی یجنى وقت الاخری۔ (طحاوی ص ۱۱۳ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ نماز میں تفریط (قصور) کا کیا مطلب ہے، آپ نے فرمایا کہ نماز کو اس قدر تاخیر سے پڑھے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۳)

الجواب اولاً: مولانا صاحب نے اس اثر کے متعلق کوئی وضاحتی نوٹ رقم نہیں فرمایا کہ اس سے سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کا رد کس طرح ہوتا ہے، اگر مؤلف کا اس سے یہ استدلال ہے کہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھا جاتا ہے، کیونکہ تفریط (قصور) ہے، تو جواباً عرض ہے کہ خود احتاف بھی مزدلفہ میں مغرب کو لیٹ کر کے عشاء کے وقت میں ادا کرتے ہیں، فما کان جوابکم فہو جوابنا،

ثانیاً: سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے جبکہ زیر بحث اثر سفر کے متعلق نہیں جیسا کہ علامہ نیوی نے، آثار السنن ص ۲۷۷ میں، باب النهی عن الجمع فی الحضر، کے تحت اس قول کو نقل کر کے صراحت کی ہے۔

امید ہے کہ دیوبندی اپنے محدث اعظم کی گواہی پر اعتماد کر لیں گے۔

(۴) عن ابی قتادة (فی حدیث طویل) ان رسول اللہ ﷺ قال اما انه ليس فى النوم تفریط انما التفریط على من لم يصل الصلوة حتى يعنى وقت الصلوة الاخرى، الحدیث (مسلم ص ۲۳۹ ج ۱)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار نیند میں کوئی تفریط نہیں ہے، تفریط اس شخص کی طرف سے ہے جو نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۳)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حالت نیند میں نماز قضاء نہیں ہوتی اور جب بھی انسان بیدار ہو تو وہ نماز کو پڑھ لے، خواہ سورج طلوع ہی ہو رہا ہو، حدیث کے اگلے الفاظ ہیں کہ فمن فعل ذلك فليصلها حين يتنبه لها،

یعنی جس سے یہ فعل سرزد ہو تو وہ جب بیدار ہو تو نماز پڑھ لے،

(صحیح مسلم ص ۲۳۹ ج ۱ کتاب المساجد باب قضاء الصلاة الفاتئة و استحباب تعجيل قضائها، الحدیث ۱۵۶۲)

ان الفاظ نبوی میں اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ بیدار ہونے والا اسی وقت ہی نماز پڑھ لے خواہ سورج طلوع ہی ہو رہا ہو۔

ثانیاً: اگر اس حدیث سے سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا ناجائز ثابت ہوتا ہے تو مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنے کا بھی رد ہوتا ہے، حالانکہ حنفیہ کا مسلک اس کے خلاف ہے، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۵) عن ابی ذر قال قال لى رسول الله ﷺ كيف انت اذا كانت عليك امراء يؤخرون الصلوة عن وقتها او يمتنون الصلوة عن وقتها، قال قلت فما تامرنى قال صلى الصلوة لوقتها فان ادر كتبها معهم فصل فانها لك نافلة۔ (مسلم ص ۲۳۹ ج ۱)

حضرت ابو ذر (غفاری) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ (اے ابا ذر) تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ تمہارے حکران ایسے ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے یا نماز کو مار کے پڑھیں گے، حضرت ابو ذر فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ پھر میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لینا، پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو پھر پڑھ لینا کہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائیں گے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۳)

الجواب اولاً: اس حدیث میں سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی بلکہ حالت حضر میں اول وقت میں تاخیر مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ نماز تو وقت پر ہی پڑھی جائے مگر اس کا اول وقت جو افضل ہے اس میں تاخیر نہ کی جائے، علامہ عثمانی، یوخرن الصلوٰۃ عن وقتها، کا معنی کرتے ہیں کہ قال النووی ای عن وقتها المختار لا عن جمیع وقتها، نووی نے کہا ہے کہ مختار وقت (میں تاخیر مراد ہے) ناکہ تمام وقت نکلنا۔

(فتح الملہم ص ۲۱۵ ج ۲)

ثانیاً: جب پیش امام نماز کے اول وقت میں تاخیر کرے تو مقتدی کو اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے، جس پر حدیث کے الفاظ، صل الصلوٰۃ لوقتہا فان ادرکتہا معہم فصل، دلالت کرتے ہیں۔ مگر حنفیہ کے نزدیک اول وقت کی بجائے امام کے ساتھ تاخیر میں نماز پڑھنا افضل ہے، مولانا عثمانی پہلے مذکورہ الفاظ کا اوپر والا مفہوم تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیہ ان الامام اذا اخرها عن اول وقتها يستحب للماموم ان یصلیہا فی اول الوقت منفرد اثم یصلیہا مع الامام فیجمع فضیلتی اول الوقت والجماعۃ فلو اراد الاقتصار علی احدہما فہل الافضل الاقتصار علی فعلہا جماعۃ فی آخر الوقت فیہ خلاف مشہور لاصحابنا والمختار استحباب الانتظار ان لم یفحش التاخر۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ جب امام نماز کو اول وقت سے لیٹ کرے تو مقتدی منفرد ہی اول وقت میں نماز پڑھ لے، پھر امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ لے، تو دریں صورت اول وقت اور جماعت کی (دونوں) فضیلتیں جمع ہو جائیں گی، اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرے تو پھر افضل منفرد کی نماز ہے یا جماعت کے ساتھ ہے؟ اس مسئلہ میں ہمارے اصحاب کا اختلاف مشہور ہے، اور مختار و مستحب یہ ہے کہ جماعت کا انتظار کرے اگر زیادہ تاخیر نہ ہو۔

(فتح الملہم ص ۲۱۵ ج ۲)

ثالثاً: اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر پیش امام وغیرہ نماز کو اول وقت سے تاخیر کر کے ادا کرے تو مقتدی گھر میں ہی نماز ادا کر لے، پھر اگر پانچوں نمازوں میں سے کسی بھی ایک کی جماعت پالے تو نماز کو دوبارہ پڑھ لے یہ اس کے حق میں نفل ہو گی، مگر حنفی اس حدیث کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ صرف، ظہر اور عشاء کی نماز کو ہی دوبارہ جماعت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے، عصر، مغرب، اور فجر کی نمازیں نہیں پڑھ سکتا۔

(شرح معانی الآثار ص ۲۱۲ ج ۱ و موطا امام محمد ص ۱۳۳ و فتح الملہم ص ۲۱۲ ج ۲ و مرقاة ص ۱۳۲ ج ۲ و معارف السنن ص ۹۶ ج ۲ و درس ترمذی ص ۴۱۲ و بدل المجہود ص ۲۴۹ ج ۱)

رابعاً: اگر اس سے نمازیں جمع کرنے کی نئی ہوتی ہے تو یہ آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ حج میں جناب بھی جمع کرتے ہیں، لہذا کان جوابکم فہو جوابنا۔

(۶) عن طاؤس، عن ابن عباس قال لا يفوت صلوة حتى يجئني وقت الاخرى۔ (طحاوی

ص ۱۱۳ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز اس وقت (قضا) ہوتی ہے، جب دوسری نماز کا وقت آجائے۔ (حدیث اور اہل تقلید ص ۲۵۴)

الجواب اولاً: مولانا صاحب نے، لایفوت، کے الفاظ کا لغوی معنی کیا نہیں مگر بریکٹ میں، قضاء کا لفظ ڈال دیا ہے، سنئے اس اثر کا مفہوم یہ ہے کہ نماز فوت نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے، چونکہ اثر کا لغوی معنی مؤلف کے مذہب کے خلاف تھا، اس لیے انہوں نے معنی میں ہی تحریف کر دی، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جان بوجھ کر نماز کو مؤخر کرنا حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے، اس سے پہلی نماز فوت ہو جاتی ہے فوت ہونے سے مراد قضا نہیں جیسا کہ مولانا بتا رہے ہیں بلکہ فوت کا یہ مطلب ہے کہ جیسے موت آنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں مل سکتی، ایسے ہی فوت ہونے والی نماز کی قضا نہیں ورنہ حج کے موقعہ پر عرفات و مزدلفہ میں بھی دو نمازوں کا جمع کرنا ناجائز ہوگا، یہ فتویٰ بھی تغلیب کے طور پر ہے، ہر نماز کے متعلق نہیں، ورنہ فجر کی نماز کا وقت ظہر تک مانتا بیڑے گا؛ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، مولانا جس دلیل سے فجر کی تخصیص کریں گے، وہی دلیل سفر میں جمع کی ہوگی۔

ثالثاً: اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے، تقریب، علاوہ ازیر الیث مدرس بھی ہے جیسا کہ علامہ بیہقی نے (مجمع الزوائد ص ۲۷ ج ۳ و ص ۱۸۹ ج ۵) میں اور بوسیر نے (زوائد ابن ماجہ ص ۷۳۸ ج ۲) میں صراحت کی ہے، اور اس سند میں، تحدیث کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت لیث کی تدلیس و ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۷) عن ابن عباس النبی ﷺ قال من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتى بابا من الکبائر۔

(ترمذی ص ۲۸ ج ۱ مستدر حاکم ص ۲۷۵ ج ۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھا وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہوا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۴)

الجواب اولاً: سفر عذر شرعی ہے (مفصل دیکھئے دین الحق ص ۵۸۷ ج ۱) لہذا مؤلف کا اس حدیث سے سفر میں جمع بین الصلواتین کا رد کرنا زیادتی اور خط ہے، کیونکہ روایت میں بلا عذر کی بات ہے، جبکہ

ہم عذر میں قائل ہیں۔

ثانیاً: آپ نے اس کے زردی سے روایت تو نقل کر دی مگر آگے امام ترمذی نے اس پر جرح بھی کی ہے۔ اس سند میں، حنش بن قیس راوی ہے، وهو ضعيف عند اهل الحديث منصفه احمد وغيره، یعنی حنش ائمہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اس کی امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے تصحیف کی ہے۔

(سنن ترمذی زیر رقم الحدیث ۸۸ باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين)۔

امام دارقطنی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سند میں حنش راوی متروک الحدیث ہے (سنن دارقطنی ص ۳۹۰ ج ۱) علامہ ذہبی نے، (تلخیص مستدرک ص ۲۷۰ ج ۱) میں کہا ہے کہ حنش کو محدثین ضعیف کہتے ہیں، امام بیہقی نے (سنن الکبریٰ ص ۱۰۹ ج ۳) میں ابن حبان نے کتاب الضعفاء (۲۹۰ ج ۱) و نصب الراية ص ۱۹۳ ج ۲) میں ابن عبد البر نے (التمهيد ص ۲۷ ج ۵) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، (کتاب الموضوعات ص ۱۰۱ ج ۲) عقیلی نے (الضعفاء الکبیر ص ۲۴۸ ج ۱) میں کہا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حنش ضعیف و متروک اور مکر الحدیث ہے، کوئی ادنیٰ کلمہ تو شیخ بھی راقم کو کتب رجال سے اس کے متعلق نہیں ملا (دیکھئے ہدیب ص ۳۱۳ ج ۱)۔

اکابر احناف سے علامہ زیلعی نے (نصب الراية ص ۱۹۳ ج ۲) میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے (الکوکب الہدیٰ ص ۱۰۶) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص ۱۶۶ ج ۲) میں اور مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص ۴۴۳ ج ۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۸) قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب انه كتب في الافاق بينها هم ان يجمعوا بين الصلوتين ويخبرهم ان الجمع بين الصلوتين في وقت واحد كعبرة من الكبائر۔

(موطا امام محمد ص ۱۲۹)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے تمام اطراف میں یہ لکھ بھیجا تھا کہ لوگ دو نمازیں اکٹھی کر کے نہ پڑھیں اور انہیں اطلاع دی گئی کہ ایک وقت میں اکٹھی دو نمازیں پڑھنا گناہ کبیرہ ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۰)

الجواب اولاً: امام محمد نے یہ قول بلا سند نقل کیا ہے، اس کی صحیح سند ثابت کی جائے، ورنہ اس کی حیثیت دھڑکی کی بھی نہیں، امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

الاسناد من الدين ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء،

یعنی سند دین میں سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدين، رقم ۳۲)

الغرض دین میں بلاسند بات حجت نہیں ہوتی، اور خاص کر اہل کوفہ کی وہ روایات جن کی کوئی اصل حجاز میں نہ ہو وہ تو خاص کر ناقابل قبول ہے (مفصل دیکھئے تحفہ حنفیہ ص ۸۰ ج ۱) علاوہ ازیں امام محمد کی ثقات بھی مختلف فیہ ہے، تفصیل کے لیے (تحفہ حنفیہ ص ۴۴۰ ج ۱) کی مراجعت کریں، الغرض یہ روایت مخالف پر حجت قائم کرنے سے پہلے اس کی صحیح سند درج کریں۔

ثانیاً: اگر بالفرض اس کی صحیح سند ثابت بھی کر دی جائے تو تب بھی اس سے حنفیہ کا موقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عرفات و مزدلفہ میں تو یہ خود نمازوں کو جمع کر کے ادا کرتے ہیں۔

(۹) عن ابی موسیٰ انه قال الجمع بین الصلاتین من غیر عذر من الکبائر، (مصنف ابن ابی

شیبہ ص ۳۵۹ ج ۲)

حضرت ابو موسیٰؓ (اشعری) فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنا کبیرہ گناہوں میں

سے ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۰)

الجواب اولاً: سفر عذر شرعی ہے، فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ سفر عذر نہیں ہے ثانیاً: اس کی سند میں، حظّہ سدوسی راوی ہے، جو مختلط ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اختلاط سے پہلے اور بعد کی روایات مل جل گئی ہیں، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضعیف اور منکر الحدیث ہے سیدنا انس سے مناکیر روایت کرتا ہے، ابن معین نسائی نے ضعیف اور ابو حاتم نے لیس بقوی کہا ہے

(تہذیب ص ۶۲ ج ۳ و میزان ص ۶۲۱ ج ۱)

(۱۰) عن ابی قتادۃ العدوی ان عمر کتب الی عامل له ثلث من الکبائر الجمیع بین

الصلواتین الا من عذر والفرار من الزحف والنہبی۔

(بیہقی ص ۱۶۹ ج ۳ و مستدرک حاکم ج ص)

حضرت ابوقادہ عدوی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل کو لکھا تین چیزیں گناہوں میں سے ہیں، بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا، لڑائی سے بھاگنا اور لوٹنا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۵)

الجواب اولاً: اس اثر میں بغیر عذر کے جمع کے متعلق فتویٰ ہے اور سفر عذر شرعی ہے کہ اس میں احکام شرعی بدل جاتے ہیں، نماز روزہ میں تحفیف ہے جمعہ کی فرضیت ساقط ہے، موزوں پر مسح ایک دن کی بجائے تین دن کی رخصت ہے، چار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز فرض ہے، یہ تمام احکام سفر کی وجہ سے ہیں، کیونکہ یہ عذر شرعی ہے ایسا ہی نمازوں کو جمع کرنے کی رخصت ہے۔

ثانیاً: اگر اس سے مطلق جمع کی نفی ہوتی ہے تو عرفات و مزدلفہ میں نمازوں کو جمع کرنا بھی کبیرہ

گناہوں میں کیوں شمار نہیں کیا جاتا؟

ثالثاً: امام بیہقی نے اس اثر کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابو قتادہ عدوی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ گو پایا ہے، اگر وہ مکتوب لکھتے وقت موجود تھے تو تب یہ روایت موصول ہے، (بیہقی ص ۱۶۹ ج ۳) اس قول کا واضح مفاد یہ ہے کہ موجودگی ثابت نہ ہو تو تب منقطع ہے، لہذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ موجودگی ثابت کرے،

(۱۱) عن قتادة عن ابی العالیة ان عمر كتب الی ابی موسیٰ، واعلم ان جمعاً بین

الصلواتین من الكبائر الامن عذر۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۵۵۲ ج ۲)

حضرت ابو العالیہ الریاحی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جان لیجئے کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۶)

الجواب اولاً: یہ اثر اور مذکورہ اثر، اس بات کی دلیل ہے کہ عذر کی وجہ سے نمازیں جمع کرنی جائز ہیں۔ امام بیہقی نے اس اثر کو روایت کرنے کے بعد امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ بارش اور سفر عذر ہیں۔ اور یہ اثر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اور اس کی سند مرسل ہے۔

(السنن الکبریٰ ص ۱۶۹ ج ۳)

ثانیاً: اس کی سند میں امام قتادہ ہیں۔ جو مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص ۴۳) ان کی تدلیس کی وضاحت پہلے بھی کسی جگہ پر گزر چکی ہے اور آگے مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مفصل آ رہی ہے اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں اور مدلس راوی جب عن کر کے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق ضعیف ہوتی ہے۔

ثالثاً: قتادہ امام ابو العالیہ سے نقل کر رہے ہیں اور امام شعی فرماتے ہیں کہ قتادہ نے صرف تین روایات ابو العالیہ سے سنی ہیں باقی نہیں، (۱) القضاء ثلاثہ (۲) حدیث یونس بن متی، (۳) لا صلاة بعد العصر۔ (تہذیب ص ۳۰۴ ج ۸)

جس روایت میں تدلیس و انقطاع اور ارسال ہو اس کے ضعیف ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے مولانا ظفر احمد تھانوی نے ان دونوں آثار کو دلیل بناتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کہا جائے کہ عذر کی وجہ سے جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم ہے جو آپ کے نزدیک حجت نہیں علاوہ ازیں ہمارے (احناف) کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے مگر سفر عذر نہیں ہے (اعلاء السنن ص ۹۸ ج ۲) کاش مولانا حوالہ بھی دیتے کہ کہاں لکھا ہے کہ مفہوم حجت نہیں، پھر قرآن و سنت سے سفر کے عذر نہ ہونے کی دلیل بھی عنایت کرتے، ان بڑے لوگوں کے دماغ میں یہ چھوٹی سی بات کون ڈالے کہ اگر سفر عذر نہیں تو روزہ

میں رخصت نماز میں تخفیف کیوں ہے؟ اور فرضیت جمعہ ساقط کس لیے ہے؟ حضرت نے فقہ حنفی سے ہی سفر کی تعریف پڑھی ہوتی تو اتنا فضول دعویٰ نہ کرتے، فقہاء احناف کی عبارات کے لیے (دین الحق ص ۵۸۷ ج ۱) کی مراجعت کریں۔

الغرض ان آثار سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ عذر کی وجہ سے نمازیں جمع کرنی جائز ہیں، خواہ نمازوں میں جمع تاخیر ہو، بہر حال ان آثار کا یہی معنی و مفہوم اور مطلب ہے، مگر افسوس کہ مولانا صاحب ان آثار سے مطلق جمع کی ممانعت ثابت کرتے ہیں، اس ہٹ دھرمی اور ضد کو بنیاد بنا کر مولانا امرتسری کے دو فتاویٰ کا ذکر کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کرتے ہیں کہ قارئین کرام فیصلہ فرمائیے۔ (ص ۲۵۹)۔

محترم اگر آپ ان آثار کو قبول کرتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں تو حضرت امرتسری کے دونوں فتاویٰ آپ کے موافق ہیں اگر ایمان نہیں رکھتے تو یہ الگ بات ہے مگر ہم اتنا تو ضرور کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ جس بات کو آپ فریق ثانی پر حجت کے لیے نقل کرتے ہیں کم از کم ان کو خود بھی قبول کریں، دل سے نہ سہی دنیا رکھنی سے ہی سہی، مگر مولانا فقط دوسروں کو وعظ نصیحت کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے نفس امارہ کی اصلاح کی وہ ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان حالات کا ہی اثر ہے کہ وہ دھڑا دھڑا احادیث و آثار کو نقل تو کرتے ہیں مگر خود ان پر عمل نہیں کرتے، دوسروں کو تو ان پر عمل کی دعوت دیتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آثار کی صحت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے موافق نہیں، آپ کے موافق تب تھے جب ان میں عرفات و مزدلفہ کے علاوہ کسی بھی ضرورت کے تحت نمازوں کو جمع کرنا، کبیرہ گناہوں میں سے کہا گیا ہوتا۔

(۱۲) عن ابی بن عبد اللہ قال جاءنا کتاب عمر بن عبد العزیز لا یجمعوا بین الصلوتین

الا من عذر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۵۸ ج ۲)

حضرت ابی بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر بن عبد العزیز کا خط پہنچا (جس میں یہ تھا کہ دو نمازوں کو بغیر عذر کے اکٹھے نہ پڑھو، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۶)

الجواب اولاً: ابی بن عبد اللہ جمہول الحال ہے، امام بخاری رضی اللہ عنہ نے، (تاریخ کبیر ص ۴۱ ج ۱ ق ۲) میں اسے ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، باقی کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ ابی بن عبد اللہ راوی مجہول ہے۔

اس سے نیچے کا راوی حفص بن غیاث ہے، جو مدلس ہیں، (طبقات المدلسین ص ۲۲) اور روایت بھی تحدیث کے بغیر ہے، الغرض یہ روایت راوی کی جہالت و تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: اس روایت میں بغیر عذر نمازیں جمع کرنے کی ممانعت ہے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ ہماری دلیل ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام مولانا انوار صاحب نے کل ۱۲ دلائل نقل کیے ہیں، جن میں سے پانچ مرفوع احادیث ہیں، چھ آثار صحابہ کرام اور ایک قول تابعی ہے، مرفوع احادیث میں سے ایک سخت ضعیف ہے، باقی چار سے مولانا صاحب کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، آثار میں سے بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں، اس کے باوجود ان سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا ہاں دلیل نمبر ۸ سے حنفیہ کا نظریہ ضرور ثابت ہوتا ہے، مگر یہ بلاسند ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ امام محمد کو فی کی وضع کردہ ہو کیونکہ موصوف کو امام یحییٰ بن معین اور ابن حبان نے کذاب قرار دیا ہے،

(ابن عدی ص ۲۱۸۳ ج ۵ ولسان المیزان ص ۱۲۲ ج ۵ و کتاب المجروحین ص ۲۷۶ ج ۲)

باقی قرآن کریم کی آیات میں لغوی تحریف ہے، کسی ایک آیت کا بھی یہ معنی نہیں کہ عذر شرعی کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا گناہ ہے۔

(۲۶) باب اکہری اقامت

فصل اول

(۱) عن انس قال فامر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة، الحديث، سيدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) سيدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا، اذان کے کلمات کو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات کو ایک دفعہ کہنے کا۔

(بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان، الحديث ۶۰۲) و مسلم کتاب الصلاة باب الامر بشفع الاذان و ايتار الاقامة الاكلمة الاقامة فانها مثناة، الحديث ۸۳۸)

(۲) عن انس قال امر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة الا اقامة۔ سيدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (نبی مکرم ﷺ کی طرف سے) سيدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا اذان کے کلمات دو دفعہ اور اقامت کے کلمات سوائے، قامت الصلاة، کے ایک ایک بار کہنے کا۔ (بخاری کتاب الاذان باب الاذان مثنى مثنى، الحديث ۶۰۵)

(۳) عن انس قال ان رسول الله ﷺ امر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة۔ سيدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سيدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اذان کے کلمات دو دفعہ اور اقامت کو ایک ایک بار کہنے کا،

(نسائی کتاب الاذان باب ثغية الاذان، الحديث ۶۲۸، و مستدرک حاکم ص ۱۹۸ ج ۱ و دارقطنی ص ۲۴۰ ج ۱ و بیہقی ص ۱۳۴ ج ۱)

(۴) عن عبد الله بن زيد قال لما امر رسول الله ﷺ بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلاة، طاف بي، وانا نائم، رجل يعمل ناقوسا في يده، فقلت: يا عبد الله! أتبيع الناقوس؟ قال وما تصنع به؟ فقلت تدعوه الى الصلاة، قال، افلا ادلك على هو خير من ذلك؟ فقلت له، بلى، قال فقال، تقول، الله اكبر الله اكبر، الله اكبر الله اكبر، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حتى على الصلاة، حتى على الصلاة، حتى على الفلاح، حتى على الفلاح، الله اكبر الله اكبر، لا اله الا الله، قال ثم استأخر عنى غير بعيد، ثم قال ثم تقول اذا اقامت الصلاة، الله اكبر الله اكبر، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حتى على الصلاة، حتى على الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت، الله اكبر، الله اكبر، لا اله الا الله، فلما اصبحت اتيت رسول الله ﷺ، فاخبرته بما رايت، فقال، انها لروياحق ان شاء الله، فقم مع بلال فالق عليه

ما رایت فلیؤذن بہ فانہ اندی صوتا منک، فقمتم مع بلال فجعلت القیہ علیہ و یؤذن بہ، قال فسمع ذلك عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وهو فی بیتہ فخرج یجور رداءہ یقول، والذی بعثک بالحق، یا رسول اللہ! لقد رایت مثل ما یری، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فلیہ الحمد۔

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی خبر کرنے کے لیے ناقوس بنانے کا حکم دیا تو میں (رات کو) سویا ہوا تھا، کہ (خواب دیکھا) ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے ہے، میں نے اس سے کہا کہ کیا ان کو فروخت کرنا ہے؟ تو اس نے کہا تو نے کیا کرنا ہے؟ میں نے کہا کہ اس سے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے، وہ بولا کہ کیا میں تجھے اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں، میرے کہنے پر اس نے بتایا کہ (نماز کے لیے لوگوں کو بلانے کے لیے یہ کہا کرو)۔

اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلاة، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (خواب میں ہی) پھر وہ شخص پیچھے ہٹ گیا مگر دور نہ گیا تھا تو کہنے لگا، جب نماز کے لیے اقامت کہو تو یہ کلمات کہا کرو۔

اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جو رات کو میں نے خواب دیکھی تھی وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دی، تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا، ان شاء اللہ یہ خواب سچا ہے تو بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھ اور جو تو نے دیکھا ہے اس کو سکھا دے کیونکہ بلال کی آواز تجھ سے بلند ہے، تب میں بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، میں ان کو بتاتا جاتا تھا اور وہ پکارتے جاتے تھے، جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اذان سنی اور وہ اپنے گھر میں تھے، جلدی جلدی اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکل آئے اور کہنے لگے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے خواب میں اسی طرح دیکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، الحمد للہ۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاة باب کیف الاذان، الحدیث ص ۴۹۹، واللفظ لہ، و ابن حبان رقم الحدیث ۱۶۷۷) و بیہقی ص ۳۹۰ ج ۱ و مسند احمد ص ۴۳ ج ۴

(۵) عن انس قال، کان بلال یثنی الاذان ویوتر الاقامة الا قوله قد قامت الصلاة۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہتے تھے، سوائے قد قامت الصلاة، کے (یعنی انہیں دو بار کہتے تھے)۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۴۶۴ رقم الحدیث ۱۷۹۴) سنن دارقطنی ص ۲۳۹ ج ۱ و ابو عوانہ ص ۳۲۸ ج ۱ و صحیح ابن خذیمہ ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۳۷۵ و مسند السراج ص ۴۶ رقم الحدیث (۴۱)

(۶) عن سعد (بن عائذ) مؤذن رسول اللہ ﷺ ان اذان بلال كان مثنى مثنى و اقامته مفردة۔ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا سعد بن عائذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک دفعہ ہوتے تھے۔

(ابن ماجہ کتاب الاذان باب افراد الاقامة، الحدیث (۷۳)

(۷) عن ابی رافع قال رایت بلالاً یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ مثنى مثنى و یقیم واحدا۔ سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے اور اقامت کے ایک ایک بار کہتے تھے۔

(ابن ماجہ کتاب الاذان باب افراد الاقامة، الحدیث (۷۳۲) و دارقطنی ص ۲۴۱ ج ۱)

(۸) عن ابن عمر انه قال كان الاذان على عهد رسول اللہ ﷺ مثنى مثنى و الاقامة مرة مرة غیر انه كان اذا قال، قد قامت الصلاة، قالها مرتین، الحدیث

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاتے تھے، ہاں مؤذن قد قامت الصلاة کے الفاظ کو دو بار کہتا تھا۔

(سنن دارمی کتاب الصلاة باب الاذان مثنى مثنى و الاقامة مرة، الحدیث (۱۱۹۳) و ابو داؤد کتاب الصلاة باب فی الاقامة، الحدیث (۵۱۰) و نسائی کتاب الاذان باب تثنية الاذان الحدیث (۶۲۹) و ابن خزیمہ ۱۹۳ ج ۱ رقم الحدیث (۳۷۴) و ابن حبان رقم الحدیث ۱۶۷۵ و مسند طرابلسی ص ۲۶۰ و طحاوی ص ۹۳ ج ۱ و مسند احمد ص ۸۷ ج ۲ و مستدرک حاکم ص ۱۹۷ ج ۱ و بیہقی ص ۴۳۱ ج ۱)

(۹) عن نافع عن ابن عمر قال كان الاذان على عهد رسول اللہ ﷺ مثنى مثنى و الاقامة فرادی۔

امام نافع سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے تھے۔

(ابو عوانہ ص ۳۲۹ ج ۱ و سنن دارقطنی ص ۲۳۹ ج ۱)

(۱۰) عن ابن عمر قال كان بلال يشفع الاذان و يوتر الاقامة۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک دفعہ کہتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۵ ج ۱)

(۱۱) عن قتادة ان انس بن مالك كان اذا انه مثنى مثنى و اقامته مرة مرة۔

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی اذان کے کلمات دو دو اور اقامت کے ایک ایک ہوتے

تھے، (بیہقی ص ۴۱۳ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۵ ج ۱)۔

(۱۲) عن ابن عمر قال الاذان مشئاً والاقامة واحدة۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک بار ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۵ ج ۱)

(۱۳) عن سلمة بن الاكوع قال كان الاذان على عهد رسول الله ﷺ مشئاً مشئاً

والاقامة فرداً۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہے جاتے اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے تھے،

(سنن دارقطنی ص ۲۴۱ ج ۱ و طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزوائد ص ۳۳۲ ج ۱)۔

پیشی فرماتے ہیں سند حسن ہے۔

(۱۴) عن عون بن ابی جحيفة عن ابیه قال كان الاذان على عهد رسول الله ﷺ مشئاً

مشئاً والاقامة مرة واحدة۔

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے تھے، (بیہقی بحوالہ نصب الراية ص ۲۷۲ ج ۱)۔

(۱۵) عن ابن هرويرة رضي الله عنه قال امر ابو محذورة ان يشفع الاذان ويوتر الاقامة۔ الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) ابو محذورہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات کو دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہے۔

(سنن دارقطنی ص ۲۳۹ ج ۱)

(۱۶) عن عبدالمالك بن ابی محذورة انه سمع ابا محذورة يقول ان النبي ﷺ امره ان

يشفع الاذان ويوتر الاقامة۔

امام عبدالمالک اپنے والد، سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے سنا کہ فرماتے تھے کہ نبی مکرم ﷺ نے انہیں، اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا۔

(تاریخ کبیر للبخاری بحوالہ نصب الراية ص ۲۷۳ ج ۱ و ابن خزيمة بحوالہ التلخیص الجبیر ص ۱۹۸ ج ۱)

(۱۷) عن بلال انه كان يقيم للنبي ﷺ فيفرد الاقامة فيقول، الله اكبر، الله اكبر،

اشهدان الا اله الا الله، اشهدان محمدا رسول، حي على الصلاة، حي على الفلاح، قد

قامت الصلاة، مرتین، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، الحدیث۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی مکرم ﷺ کے لیے اقامت کہتا، اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار ہی کہتا تھا، (جن کی تفصیل یہ ہے کہ)

اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان محمد رسول اللہ، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاة کو دو مرتبہ، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، الحدیث۔

(طبرانی کبیر ص ۳۰۳ ج ۱ رقم الحدیث ۱۰۷۳) و مجمع الزوائد ص ۳۳۰ ج ۱ و اللفظ له

(۱۸) عن ابی المثنیٰ ان ابن عمر کان یامر المؤذن ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة، الحدیث ابی مثنیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم مؤذن کو اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا کرتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۰ ج ۱)

(۱۹) عن هشام بن عروة ان اباه کان یشفع الاذان ویوتر الاقامة۔

امام ہشام فرماتے ہیں کہ میرے والد عروہ بن زبیر اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۰ ج ۱)

(۲۰) عن یونس عن الحسن قال کان یقول الاقامة مرة مرة فاذا قال قد قامت الصلاة قال مرتین۔

امام حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار اور، قد قامت الصلاة، کے الفاظ کو دو مرتبہ کہتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۰ ج ۱)

دعوت فکر:

قارئین کرام اس سلسلہ میں مزید مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام اور اقوال تابعین عظام بھی پیش کیے جاسکتے ہیں، مگر ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، ان احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دربار نبوی سے اکہری اقامت کہنے کا حکم ملا تھا، جیسا کہ پہلی تین احادیث کا مفاد ہے، اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے بھی اکہری تھے جیسا کہ روایت نمبر ۵، ۶، ۷، ۱۰، ۱۱ سے ثابت ہے، اصل اقامت بھی یہی ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۴ سے ثابت ہو رہا ہے کیونکہ صحابی کو اکہری اقامت کی ہی خواب آئی تھی اور اسی اقامت کی ہی انہوں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو تلقین کی تھی، پورے عہد نبوی علیہ التحیۃ والسلام میں اسی پر ہی عمل تھا جیسا کہ روایت نمبر ۸، ۹، ۱۳، ۱۴ سے ثابت ہو رہا ہے، یہی اقامت نبی مکرم ﷺ نے سیدنا ابو محذور، رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی، جیسا کہ روایت ۱۶، ۱۵ کا مفاد ہے، اسی پر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا اور اسی چیز کا صحابہ کرام حکم دیا کرتے تھے جیسا کہ روایت نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۸ سے ثابت ہوتا ہے، تابعین کرام بھی اس پر عمل پیرا تھے جیسا کہ روایت ۱۹، ۲۰، اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ فقط اہل حدیث ہی کا موقف و مذہب نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور عہد رسالت سے امت مرحومہ کا اسی پر عمل ہے ہم یہاں ایک بات کی وضاحت بھی کر دینا چاہتے ہیں کہ بعض صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو دوہری اقامت سکھائی تھی، اس حدیث اور ہماری نقل کردہ روایات میں قطعاً تعارض نہیں، کیوں، اس لیے کہ اسی حدیث میں اذان جو سکھائی گئی ہے وہ ترجیح کے ساتھ ہے، اور بلا شبہ اذان ترجیح کے ساتھ ہو تو اقامت بھی دوہری کہنا سنت ہے، اسی پر بفضلہ تعالیٰ جماعت اہل حدیث کا عمل ہے، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بغیر ترجیح کے اذان ہو تو تب دوہری اقامت کسی صحیح مرفوع حدیث سے تو کجا کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں ہے، پوری حقیقت (خواہ اس کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہو یا بریلوی مسلک کا حامل ہو) اس کو ثابت نہیں کر سکتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے جو اکہری اقامت کی روایات مروی ہیں وہ ترجیح کے بغیر اذان پر محمول ہیں۔

فصل دوم

(۱) عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحاب رسول اللہ ﷺ ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ رأیت فی المنام کان رجلاً قام و علیہ بردان، اخضر ان علی جذمة حائط فاذن مشئاً و اقام مشئاً و قعد قعدة قال فسمع ذالک بلال فقام فاذن مشئاً و اقام مشئاً و قعد قعدة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۳ ج ۱)

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک شخص دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے ایک دیوار کے ٹکڑے پر کھڑا ہوا اور اس نے اذان و اقامت دو دو بار کہے اور تھوڑی دیر بیٹھا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو آپ بھی کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی اسی طرح اذان و اقامت کہی کہ دونوں میں (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی کلمات کو) دو دو دفعہ کہا اور تھوڑی دیر بیٹھے۔

(۲) عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال حدثنی اصحاب محمد ﷺ ان عبد اللہ بن زید

الانصارى رأى فى المنام الاذان، فاتى النبى ﷺ فاخبره فقال علمه بلالا فاذن مثنى مثنى و اقام مثنى مثنى و قعد قعدة - (طحاوى ص ۹۳ ج ۱)

حضرت عبدالرحمن بن ابى ليلى فرماتے ہیں کہ مجھے اصحاب محمد ﷺ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زید انصارى رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی تو نبی علیہ السلام کے پاس آ کر آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا بلال کو سکھا دو چنانچہ آپ نے اذان دی تو (شروع کی ۴ تکبیرات کے باقی کلمات کو) دو دو دفعہ کہا اور اقامت کہی تو بھی ان کلمات کو دو دو دفعہ ہی کہا اور تھوڑی دیر بیٹھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۹ تا ۲۶۰)

الجواب اولاً: معلوم نہیں کہ مؤلف نے اس روایت کو دو بار نقل کیوں کیا ہے، جبکہ اس کی سند ایک ہی ہے، اگر مولانا صاحب کہہ دیں کہ ان کا متن مختلف ہے، تو راقم کہتا ہے کہ یہی بات اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، کیوں؟ اس لیے کہ متن میں اضطراب ہے، دوسری روایت میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان سکھانے کا حکم نبوی ہے جبکہ پہلی روایت اس سے ساکت ہے، علاوہ ازیں، متن کی طرح اس کی سند میں بھی اضطراب ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے۔

اس اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ، ابن ابى ليلى کبھی تو کسی سے روایت کرتا ہے اور کبھی کسی سے روایت کرتا ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) عن اصحاب محمد ﷺ يا عن اصحاب النبى ﷺ۔

(طحاوى ص ۹۳ ج ۱ و مصنف ابن ابى شيبه ص ۲۰۳ ج ۱)

(۲) عن عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ۔

(طحاوى ص ۹۳ ج ۱ و دار قطنى ص ۲۴۱ ج ۱ و بیہقى ص ۴۲۱ ج ۱ و ترمذى مع تحفه ص ۱۷۳ ج ۱ باب ما جاء فى الاقامة مثنى مثنى، الحدیث ۱۹۴)

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، (بیہقى ص ۴۲۰ ج ۱ و دار قطنى ص ۲۳۲ ج ۱)

ثانیاً: مؤلف کا حق تھا کہ وہ اس اضطراب کو دلائل سے دور کرتا، مگر انہوں نے علل الحدیث کی طرف مطلق توجہ نہیں دی، اور پہلے طریق کو دو بار نقل کر کے اندھیرے میں تیر چلا یا ہے، واضح رہے کہ آخری دونوں طریق ضعیف و مرسل ہیں جیسا کہ امام دارقطنی اور ترمذی نے صراحت کی ہے اور پہلا طریق جو مولانا انوار خورشید صاحب نے درج کیا ہے وہ بوجہ ضعیف ہے، سند میں، الاعمش، راوی ہے جو مدلس ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ کان یدلس و صفہ الکرابیسی و النسائی و الدارقطنی، یعنی اعمش راوی مدلس ہے جیسا کہ امام کرابیسی، دارقطنی اور نسائی نے صراحت کی ہے، (طبقات

المدلسین ص ۳۳)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اعمش مدلس ہے اور کبھی ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتا ہے، (میزان ص ۲۲۴ ج ۲) اور زیر بحث روایت تحدیث کی صراحت کے بغیر ہے، الغرض یہ روایت اضطراب و تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ روایت متصل سند کے ساتھ ثابت نہیں، ہاں البتہ مرسل طریق اس کا محفوظ ہے، جیسا کہ امام شعبہ نے روایت کیا ہے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب کیف الاذان، الحدیث ۵۰۶)۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہی درست ہے (سنن دارقطنی ص ۲۴۱ ج ۱)

اور ہم مقدمہ میں وضاحت کر آئے ہیں کہ مرسل ضعیف ہوتی ہے، الغرض یہ روایت کسی بھی لحاظ سے صحیح اور دلیل کے قابل نہیں ہے۔

(۳) عن ابی العمیس قال سمعت عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن زید الانصاری یحدث عن ابیہ عن جدہ انہ ارى الاذان مثنیٰ مثنیٰ والاقامة مثنیٰ مثنیٰ قال فاتیت النبی ﷺ فاخبرته فقال علمہن بلالا قال فتقدمت فامرنی ان اقیم۔

(خلافیات بیہقی بحوالہ درایہ ص ۱۱۵ ج ۱)

حضرت ابو العمیس فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن محمد بن زید انصاری سے سنا وہ بواسطہ اپنے والد کے اپنے دادا سے روایت کر رہے تھے کہ (حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے فرمایا) میں نے ایسی اذان و اقامت دیکھی جن میں (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی کلمات) دو دو دفعہ کہے گئے تھے، میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا یہ کلمات بلال کو سکھا دو، حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ پھر میں آگے بڑھا تو آپ نے مجھے اقامت کہنے کا حکم دیا (حدیث اور

اہل حدیث ص ۲۶۱)

الجواب اولاً: ابو العمیس سے روایت کرنے والے راوی ابو اسامہ کوئی ہیں جو کہ مدلس ہیں، امام ابن سعد اور قسطلی نے مدلس کہا ہے (طبقات الدلسین ص ۳۰) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ، ربما دللس، کبھی کبھار تدلیس کرتے ہیں (تقریب ۸۱)

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے (نصب الراہیہ ص ۲۷۰ ج ۱) اور مدلس راوی کی روایت تحدیث کے بغیر ناقابل قبول ہوتی ہے۔

ثانیاً: بیہقی ص ۳۹۹ ج ۱، اور طحاوی ص ۹۸ ج ۱، میں ابو عمیس سے عبدالسلام بن حرب روایت نقل کر رہا ہے، اور اس میں دوہری تکبیر کا ذکر نہیں، اور عبدالسلام ثقہ راوی ہے، اور تدلیس بھی نہیں کرتا، اور اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ جب دو ثقہ راویوں میں اختلاف ہو تو جس راوی میں تدلیس کا عیب نہ ہو

اس کی روایت کو ترجیح ہوتی، علامہ نیوی فرماتے ہیں کہ

عندی وجه حسن لترجیح روایة شعبة علی مارواه الثوری وهو ان شعبة لم یکن یدلس..... واما الثوری فکان ربما یدلس،

میرے نزدیک امام شعبہ کی روایت کے راجح ہونے کے ایک، صورت یہ ہے کہ امام شعبہ تدلیس نہیں کرتے جبکہ ثوری کبھی کبھار تدلیس کرتے ہیں۔ (تعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۱۲۶)

(۴) عن الشعبي عن عبد الله بن زيد الانصاري قال سمعت اذ ان رسول الله ﷺ فکان

اذانه و اقامته مشنی مشنی۔ (صحیح ابو عوانہ ص ۳۳۱ ج ۱)

امام شععی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اذان سنی، آپ کی اذان و اقامت دونوں میں کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۱) الجواب اولاً: یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ امام شععی کا سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، جیسا کہ علامہ نیوی صاحب جیسے معتبر حنفی نے بھی اعتراف کیا ہے۔ (التعلیق الحسن ص ۶۵) اور مرسل ضعیف ہوتی ہے، راجع مقدمہ

ثانیاً: اس کی سند میں مغیرہ بن مقسم راوی ہے۔

(ابو عوانہ ص ۳۳۱ ج ۱ و الجوهر النقی ص ۴۲۲ ج ۱ اور مغیرہ مدلس ہے، امام ابن فضیل امام ابن حبان اور قاضی اسماعیل (تہذیب ص ۲۷۰ ج ۱۰)

امام نسائی (طبقات المدلسین ص ۳۶) نے مدلس کہا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ کان یدلس ولا سیما عن ابراہیم، یعنی مغیرہ تدلیس کرتا بالخصوص ابراہیم نخعی سے (تقریب ص ۳۳۵) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معصن مروی ہے، الغرض یہ روایت بوجہ تدلیس و مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(۶، ۵) ان دونوں احادیث سے دوہری اذان بھی ثابت ہے مگر حنفی ترجیح والی اذان کو ناجائز کہتے ہیں۔ اس تناقض پر مٹی ڈالنے کے لیے حنفیت کے شیر بہادر اور مبتدعین دیانہ کے محرف نے یہ چال چلی ہے کہ دوہری اذان کے الفاظ کو ہی درمیان سے کاٹ دیا، یہ کردار بالکل اس یہودی کی طرح کا ہے جس نے آگے پیچھے سے تورات تلاوت کر دی تھی مگر آیات رجم پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ قارئین کرام آپ خود، (ابن ماجہ کتاب الاذان باب الترجیع فی الاذان، رقم الحدیث ۷۰۹) ابو داود کتاب الصلاة باب کیف الاذان الحدیث ۵۰۴) دیکھ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں دوہری اذان کا ذکر ہے، اور بلاشبہ جب دوہری اذان دی جائے تو اقامت بھی دوہری ہوتی ہے، بفضلہ تعالیٰ جماعت اہل حدیث کا اسی پر عمل ہے جو شخص ان احادیث کو اہل حدیث کے خلاف پیش کرتا ہے، وہ یا تو ناقص العقول ہے یا مغالطہ دیتا ہے۔

(۷) عن عبدالعزیز بن رفیع قال سمعت ابا محذورة يؤذن مثنیٰ مثنیٰ ويقیم مثنیٰ مثنیٰ۔

(طحاوی ص ۹۵ ج ۱)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ میں نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سنا وہ اذان میں (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی کلمات) دو دو دفعہ کہتے تھے اور اقامت میں بھی اسی طرح دو دو کلمات کہتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۳)

الجواب اولاً: اس کی سند میں شریک بن عبداللہ راوی ہے، اسے امام دارقطنی علامہ اشبیلی نے مدلس قرار دیا ہے، امام ابن قطعان فرماتے ہیں کہ تدلیس کرنے میں مشہور ہے، (طبقات المدلسین ص ۳۳ و تہذیب ص ۲۹۶ ج ۴) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معتن مروی ہے، اور مدلس راوی جب عن سے روایت کرے اس کی روایت بالاتفاق ضعیف ہوتی ہے۔

ثانیاً: شریک مخطوط بھی ہے، آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے جس نے ان سے قاضی کوفہ بننے سے پہلے روایت کی ہے اس کی روایت صحیح ہے باقی کی اختلاط کے بعد کی ہیں۔ (تقریب ص ۱۳۵) لہذا فریق ثانی یہ ثابت کرے کہ شریک سے روایت کرنے والے راوی، محمد، نے شریک سے یہ روایت اختلاط سے پہلی سنی ہے، امام ابن حبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شریک سے یزید بن ہارون اور اسحاق ارزق نے اختلاط سے پہلے سنا ہے باقی راویوں کی روایات اختلاط کے بعد کی ہیں جن میں کثرت سے اوہام پائے جاتے ہیں (کتاب الثقات ص ۴۴۲ ج ۶)

الغرض یہ روایت شریک کی تدلیس و اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے

(۸) عن الاسود بن یزید ان بلال کان یثنیٰ الاذان و یثنیٰ الاقامة و کان یبدأ بالتکبیر و

یختم بالتکبیر۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۴۶۲ ج ۱ و طحاوی ص ۹۴ ج ۱ و دارقطنی ص ۲۴۲ ج ۱)

حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت بلال اذان کے (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی) کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے، اور اسی طرح اقامت کے کلمات بھی دو دو دفعہ کہتے تھے، اور اذان و اقامت کی ابتداء و انتہا اللہ اکبر پر کرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۳)

الجواب اولاً: اسود بن یزید تابعی ہیں، یعنی نبی مکرم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا، اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد اذان نہیں دی، امام ابن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

لا یختلف فیہ اثنان من اهل النقل ان بلال رضی اللہ عنہ لم يؤذن قط لا حد بعد موت رسول اللہ ﷺ الامرة واحدة بالشام ولم يتم اذانه فیہا۔

یعنی دو اہل نقل نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی

وفات کے بعد کسی ایک کے لیے بھی اذان نہیں دی، مگر فقط ایک دفعہ شام میں، لیکن وہ بھی پوری نہ کر پائے تھے (المحلی بالاثار ص ۱۸۸ ج ۲)۔

علامہ خراجی فرماتے ہیں کہ

لم یؤذن لاحد بعده الامرة وقیل لم یتمها من کثرة الضحیح۔

نبی مکرم ﷺ کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کسی کے لیے بھی اذان نہیں دی، مگر ایک بار اور کہا گیا ہے کہ کثرت رقیق القلبی کے باعث پوری نہ کر پائے تھے (خلاصہ ص ۱۴۰ ج ۱)۔

مزید تفصیل کے لیے، ابکار الحسن ص ۹۴ کی مراجعت کریں، جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وفات النبی ﷺ کے بعد آپ نے اذان نہیں دی تو ثابت ہوا کہ اسود بن یزید نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان و اقامت کا زمانہ نہیں پایا، جس سے لازم آیا کہ یہ روایت مرسل ہے، اور مراسیل حجت نہیں ہوا کرتیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابراہیم نخعی راوی مدلس ہے، جیسا کہ امام حاکم نے صراحت کی ہے، (طبقات المدلسین ص ۲۸) اور زیر بحث روایت معتعن مروی ہے۔

ثالثاً: اس کی سند میں، حماد بن ابی سلیمان راوی متکلم فیہ اور مختلط ہے اور علامہ بیہقی نے صراحت کی ہے کہ حماد سے فقط امام سفیان ثوری امام شعبہ اور دستوائی نے حافظ بگڑنے سے پہلے سماع کیا ہے باقی کا سماع اختلاط کے بعد کا ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۲۴ ج ۱)۔

جبکہ زیر بحث روایت میں حماد سے روایت نقل کرنے والے، معمر، ہیں خلاصہ کلام یہ کہ اس اثر پر تین وجہ سے کلام ہے، مرسل ہے، سند میں تدلیس کا شبہ ہے، اور حماد کا اختلاط بھی ہے، اور جس روایت کی سند میں یہ تین علتیں ہوں اس کے ضعیف ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے،

(۹) عن سوید بن غفلة قال سمعت بلالاً یؤذن مثنیٰ ویقیم مثنیٰ۔

(طحاوی ص ۹۶ ج ۱)

حضرت سوید بن غفلة فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۴)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، شریک بن عبد اللہ قاضی ہے، اور یہ مجروح ہے، تفصیل روایت نمبر ۷ کے جواب میں گزر چکی ہے۔

ثانیاً: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد اذان نہیں دی، تفصیل گزشتہ روایت کے جواب میں گزر چکی ہے۔

جبکہ سوید بن غفلة تابعی ہے جس روز نبی مکرم ﷺ نے وفات پائی ہے، اس دن یہ مدینہ منورہ میں آئے تھے (تقریب والتعلیق الحسن ص ۶۷) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۰) عن عون بن ابی جحیفہ عن ابیہ ان بلال یؤذن للنبی ﷺ منثنیٰ منثنیٰ ویقیم منثنیٰ

منثنیٰ۔ (دارقطنی ص ۲۴۲ ج ۱)

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۴)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، زیادہ بن عبداللہ بکائی راوی ہے۔ (طبرانی الاوسط ص ۴۰۱ ج ۸ رقم الحدیث ۷۸۱۶) و طبرانی کبیر ص ۱۰۰ ج ۲۲ رقم الحدیث ۲۳۶، ۲۳۷ اور یہ متکلم فیہ راوی ہے

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے، ابو حاتم کہتے ہیں اس سے احتجاج نہ کیا جائے امام نسائی اور ابن سعد اس کو ضعیف میں شمار کرتے ہیں۔ (میزان ص ۹۱ ج ۲ و تہذیب ص ۳۷۶ ج ۳) امام یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے (الضعفاء الکبیر ۸۰ ج ۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ابن اسحاق کے علاوہ جس سے یہ روایت کرے اس میں، لین، ہے، تقریب، علامہ نیوی خفی اس جرح کو قبول کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اسنادہ لین، (آثار السنن ص ۶۷)

ثانیاً: بیہقی میں ابن اسحاق کی سند سے سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

کان الاذان علی عہد رسول اللہ ﷺ منثنیٰ منثنیٰ والاقامة مرة واحدة،

نبی مکرم ﷺ کے عہد میں اذان (کے کلمات) دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک بار (کہے جاتے) تھے۔ (بحوالہ نصب الرایہ، ص ۲۷۲ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت یہی ہے، کیونکہ یہ ابن اسحاق کی سند سے مروی ہے، اور پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ زیاد بن عبداللہ بکائی کی روایات جو ابن اسحاق سے مروی ہیں صرف وہی صحیح ہیں۔

(۱۱) عن ابراہیم قال ان بلال کان یثنیٰ الاذان والاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے

تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۴)

الجواب اولاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ابراہیم نخعی کی ملاقات ثابت نہیں، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں۔

ابراہیم النخعی لم یلق احدا من اصحاب النبی ﷺ، یعنی ابراہیم نخعی کی کسی بھی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (مراہیل ابن ابی حاتم ص ۹) یہی بات امام ابو حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تہذیب

ص ۱۵۵ ج ۱) علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

لہ یصح لہ سماع من صحابی، یعنی ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، آگے لکھتے ہیں، استقر الامر علی ان ابراہیم حجة وانہ اذا ارسل عن ابن مسعود وغیرہ فلیس ذلك بحجة، یعنی بات یہ ٹھہری کہ ابراہیم حجت ہے مگر جب ابن مسعود وغیرہ سے مرسل روایت کرے تو تب نہیں (میزان الاعتدال ص ۷۵ ج ۱)

ثانیاً: اس کی سند میں، سعید بن ابی عروبہ ہیں۔ جو بلاشبہ ثقہ ثبت اور حجت ہیں مگر ان کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، تفصیل کے لیے (تہذیب ص ۵۷ ج ۴) کا مطالعہ کریں، اصول حدیث کی رو سے ان کی صرف وہی مرویات صحیح ہیں جو انہوں نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہیں، لہذا دلائل سے ثابت کیا جائے کہ سعید سے روایت کرنے والے راوی، اسامہ، کا سماع اختلاط سے پہلے کا ہے، ورنہ مختلط کی مشکوک روایت بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

ثالثاً: پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد اذان نہیں دی۔

(۱۲) عن سلمة بن الاكوع رضی اللہ عنہ انه كان اذا لم يدرك الصلوة مع القوم اذن واقام ويشي الاقامة،

(دارقطنی ص ۲۴۱ ج ۱)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں جس وقت نماز جماعت کے ساتھ نہ ملتی تو وہ خود ہی اذان و اقامت کہہ لیتے اور اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۲)

الجواب اولاً: ظاہر ہے کہ اذان و اقامت دوسری بار جماعت کے لیے ہی کہتے تھے، جس سے ثابت ہوا کہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے نزدیک جماعت ثانیہ جائز تھی، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک دوسری جماعت مکروہ ہے، مبتدعین دیانہ کے محدث شہیر رشید احمد گنگوہی صاحب نے دوسری جماعت کے مکروہ ہونے پر،

القطوف الدانية في كراهة الجماعة الثانية، کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ تحریر کیا تھا، خود ہمارے معاصر مقلد انوار خورشید صاحب نے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۲۰) میں ایک باب جماعت ثانیہ کے مکروہ ہونے کا لکھا ہے۔

الغرض یہ اثر آپ کے بھی خلاف ہے، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیاً: علامہ نیوی حنفی نے، (آثار السنن ص ۶۸) میں دارقطنی سے نقل کر کے لکھا تھا کہ اس کی سند صحیح ہے، اس پر محدث مبارکپوری تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

قلت فی اسنادہ ابن الجنید ورواہ عنہ ابو عمر القاضی شیخ الدارقطنی لم اقف علی اسمہما وحالہما فمن یرعی صحۃ اسنادہ فعلیہ ان یرین اسمہما وحالہما۔
میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں، ابن جنید، راوی ہے جس سے ابو عمر قاضی، امام دارقطنی کا استاذ روایت نقل کر رہا ہے، ان کے اسماء اور حالات سے میں واقف نہیں ہوں، جو اس سند کی صحت کا مدعی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں راویوں کے نام اور حالات واضح کرے۔
(ابکار المنن ص ۹۵)

محدث مبارکپوری کے اس چیلنج کو آج تک دیوبندی توڑ نہیں سکے، حالانکہ آثار السنن کے ترجمہ کے علاوہ ان کی طرف سے اس کی ایک مفصل شرح، توضیح السنن، کے نام سے طبع ہو چکی ہے، مگر اس اعتراض کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔

(دیکھئے توضیح السنن ص ۲۷۱ ج ۱ مطبوعہ ادارۃ العلم والتحقیق نوشرہ ص ۱۹۹۳ء) ان حقائق سے غالباً مقلد انوار خورشید صاحب بھی واقف ہیں مگر وہ حقیقت کے دفاع پر مجبور ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔
ثالثاً: امام دارقطنی نے مذکورہ روایت سے پہلے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ
عن سلمۃ بن الاکوع قال کان الاذان علی عہد رسول اللہ ﷺ مثنیٰ مثنیٰ والاقامۃ فرداً۔
سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک دفعہ کہے جاتے تھے۔ (سنن دارقطنی ص ۲۴۱ ج ۱)
(۱۳) عن ابراہیم قال کان ثوبان یؤذن مثنیٰ ویقیم مثنیٰ۔

(طحاوی ص ۹۵ ج ۱)
حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۵)

الجواب اولاً: روایت نمبر ۱۱ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے کہ ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ نیوی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل ہے، (آثار السنن ص ۶۹۸) اور مراسیل ضعیف ہوتی ہیں، راجح مقدمہ۔

ثانیاً: سند میں حماد بن سلمہ راوی مخطط ہے (تقریب ص ۸۲ و تہذیب ص ۱۳ ج ۳) اور یہ ثابت نہیں کہ مروی عنہ نے اختلاف سے پہلے روایت کیا ہے، الغرض یہ روایت مرسل اور حماد کے مخطط ہونے کی

وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۳) عن فطر بن خلفیة عن مجاهد قال ذكر له الاقامة مرة مرة فقال هذا شئى استخلفه

الامراء الاقامة مرتين مرتين۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۴۶۳ ج ۱ و طحاوی ص ۹۰ ج ۱)۔

حضرت فطر بن خلفیہ حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد کے سامنے اقامت کے کلمات کو ایک ایک دفعہ کہنے کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ چیز امراء نے اپنی آسانی کے لیے پیدا کر لی ہے، اقامت کے کلمات تو دو دو ہی ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۵)۔

الجواب امام مجاہد تابعی ہیں، اور تابعی کا قول حجت نہیں ہوتا بالخصوص جب وہ مرفوع حدیث کے خلاف ہو، راجح مقدمہ، ثانیاً: امام مجاہد کے قول کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ ایک بار اقامت کہنا بدعت ہے، چنانچہ طحاوی نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے ان کے الفاظ ہیں۔
فاخبر مجاهد ان ذلك محدث وان الاصل هو التثنية، (شرح المعانی الاثار ص ۹۵ ج ۱) حالانکہ اسے بدعت کوئی بھی نہیں کہتا، کیونکہ ایک ایک بار اقامت کہنا تو احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ثابت ہے (جن کی تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے) حتیٰ کہ حنفی بھی صرف دوہری اقامت کو ترجیح دیتے ہیں، مولانا محمود حسن خان فرماتے ہیں کہ تکبیر میں بھی تکرار و عدم تکرار کے جواز میں کلام نہیں، خلاف اولیت میں ہے۔
(الورد الشذی ص ۴۴)

مولانا تفتی عثمانی فرماتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے تشفیج (دو دو دفعہ) اور ایثار (ایک دفعہ) دونوں ثابت ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ اور کلام نہیں، البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ترجیح کس کو حاصل ہے۔

(درس ترمذی ص ۴۶۱ ج ۱)

مولانا عبدالقیوم حقانی فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ایثار جائز ہے، لیکن بہتر شفع ہے۔ (توضیح السنن ص ۳۶۵ ج ۱)

مولانا شبیر احمد عثمانی، شرح نقایہ، سے نقل کرتے ہوئے فرماتے۔

ان الامر بایثار الاقامة من باب الاختصار فى بعض الاحوال للجواز۔

یعنی ایک دفعہ اقامت کے کلمات کہنا اختصار کے قبیل سے ہے اور بعض اوقات (ضرورت کے تحت) جائز ہیں (فتح الملہم ص ۴ ج ۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اکابر احناف کے نزدیک اکہری اقامت کہنا بھی جائز ہے، ہاں البتہ،

ان کے نزدیک دوہری اقامت رائج ہے، مگر مذکورہ اثر مجاہد میں اسے بدعت قرار دیا گیا ہے، لہذا یہ اثر بچارے اہل حدیث حضرات کے ہی خلاف نہیں بلکہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے، مگر مولانا انوار خورشید صاحب ان حقائق سے چشم پوشی کر کے فقط ہمارا ہی رد کر رہے ہیں۔

(۱۵) عن الہجیع بن قیس ان علیا کان یقول الاذان والاقامة مثنیٰ واتی علی مؤذن یقیم مرة مرة فقال الاجعلتها مثنیٰ لام للاخر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶ ج ۱)

ہجیع بن قیس سے مروی ہے کہ سیدنا علیؑ اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے، آپ مؤذن کے پاس تشریف لائے جو اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہتا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تو اقامت کے کلمات کو دو دو کیوں نہیں کر دیتا..... (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۵)

الجواب اولاً: اس کی سند کا راوی، ہجیع بن قیس، مجہول ہے، کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں، جو اس اثر کی صحت کا مدعی ہے وہ ہجیع کی عدالت وثقات ثابت کرے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، ہشیم بن بشیر واسطی راوی زبردست قسم کا مدلس ہے، امام عجلی امام ابن سعد امام حاکم، امام ابن حبان امام نسائی نے مدلس قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص ۶۳ ج ۱۱ و طبقات المدلسین ص ۴۷)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کثیر التذلیس و الارسال، یعنی کثرت سے تدلیس و ارسال کرتے ہیں (تقریب ص ۳۶۵)

اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ مععن ہے، الغرض یہ روایت ہجیع کی جہالت اور ہشیم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۲) ثناء الحجاج بن ارطاة قال انا ابو اسحق قال کان اصحاب علی و اصحاب عبداللہ یشفقون الاذان والاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶ ج ۱)۔

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کے اصحاب اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۶)۔

الجواب اسکی سند میں حجاج بن ارطاة راوی ہے جو گو صدوق ہے مگر کثرت سے خطائیں کرتا اور مدلس ہے، (تقریب ص ۶۴) اور حجاج کا استاذ (عمر بن عبد اللہ) ابو اسحاق مخطوط ہے، (تقریب ص ۲۶۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ یہ ثابت کرے کہ حجاج نے ابو اسحاق سے اختلاط سے پہلے سنا ہے۔

(۱۷) عن ابراهیم قال لا تدع ان تشنی الاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ تو اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا نہ چھوڑنا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۶)

الجواب اس کی سند میں، ابن ابی لیلیٰ (محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ) راوی ہے جو سبیلی الحفظ ہے امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سبیلی الحفظ اور مضطرب الحدیث ہے، امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے بدتر حافظے والا کوئی نہیں دیکھا، ابو حاتم فرماتے ہیں کہ صدوق تو ہے مگر سبیلی الحفظ ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ فاش اغلاط کرتا ہے روى الحفظ ہے، اس کی مرویات میں کثرت سے مناکیر ہیں امام علی بن مدینی فرماتے ہیں سبیلی الحفظ اور واہی الحدیث ہے، امام ابو احمد حاکم کا کہنا ہے کہ اس کی عام مرویات مقلوب ہیں، ساجی فرماتے ہیں، سبیلی الحفظ ہے، (تہذیب ص ۳۰۲ ج ۹) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سخت خراب حافظے والا ہے۔ (تقریب ص ۳۰۸)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے، علاوہ ازیں تابعی کا قول ہے جو حدیث نبوی کا معارض نہیں ہو سکتا،

راجع مقدمہ

(۱۸) عن ابی العالیة قال اذا جعلتها اقامة فائنها۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶ ج ۱)

حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ جب تو اقامت کہے تو اس کے کلمات کو دو دو دفعہ کہہ۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۶)

(۱۹) قال عبدالرزاق سمعت الثوری و اذن لنا بمنی فقال، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہدان

لا الہ الا اللہ مرتین اشہد ان محمد رسول اللہ، مرتین، فصنع کما ذکر فی حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فی الاذان والاقامة تمام مثل الحدیث۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۴۶۲ ج ۱)

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے میدان منیٰ میں ہمارے سامنے اذان کہی، میں نے سنا کہ آپ نے کہا، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہدان لا الہ الا اللہ، دو مرتبہ، اشہدان محمد رسول اللہ، دو مرتبہ، پھر آپ نے اذان و اقامت بعینہ اسی طرح کہی جس طرح حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی

حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۶)

الجواب اولاً: بلاشبہ یہ اقوال سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ مگر پہلا قول تابعی کا ہے اور دوسرا قول اتباع تابعی کا ہے، ظاہر ہے کہ دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے، کسی امتی کے اقوال کا نام دین نہیں ہے، ہم مقدمہ میں وضاحت کر آئے ہیں کہ جب مرفوع حدیث کے خلاف صحابی کا بھی قول ہو تو وہ ناقابل حجت ہوتا ہے، اور یہ تو تابعی اور تبع تابعی کے اقوال ہیں

ثانیاً: امام سفیان ثوری نے اذان کے ابتدائی کلمات، اللہ اکبر، کو چار بار کہنے کی بجائے دو دفعہ ہی کہا ہے، حالانکہ حنفی چار بار کہتے ہیں، فما كان جوابكم فهو جوابنا
خلاصہ کلام مولانا انوار خورشید صاحب نے اپنے مؤقف و مذہب پر کل دلائل ۱۹۔ ذکر کیئے ہیں، پانچ مرفوع احادیث میں سے تین ضعیف ہیں، دو خود حنفیہ کے خلاف ہیں کیونکہ ان دونوں احادیث سے جہاں دوہری اقامت ثابت ہے وہاں ہی ترجیح والی اذان بھی سنت ثابت ہوتی ہے، آثار صحابہ کرام کل کے کل ضعیف ہیں، تابعین کے اقوال میں سے صرف ایک کی سند صحیح ہیں تین کی ضعیف اور ایک خود ان کے مذہب کے خلاف ہے، تبع تابعی کا صرف ایک ہی قول نقل کیا ہے مگر وہ بھی حنفیہ کے خلاف ہے، ان تمام باتوں کی تفصیل گزر چکی ہے ہمارا دعویٰ ہے اور ہم اپنے دین و ایمان کی محکمی سے پورے وثوق کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ کوئی ایک بھی صحیح مرفوع متصل حدیث موجود نہیں جس میں اذان ترجیح کے بغیر ہو اور اقامت دوہری ہو، اگر کوئی ایسی صحیح حدیث نبوی دکھا دی جائے تو ہم اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، ہم اس جگہ پر کوئی انعام مقرر نہیں کرنا چاہتے صرف یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اپنے مذہب کو سچا ثابت کیجئے، ہم اسے قبول کر لیں، مگر قارئین کرام یاد رکھئے کہ یہ صبح ازل تک پوری حقیقت پر ادھار رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس کے باوجود مؤلف، حدیث اور اہل حدیث، پوری ڈھٹائی کے ساتھ لکھتا ہے کہ ان بیچاروں کا مبلغ علم ہی اتنا ہے کہ انہیں یہ احادیث نظر نہیں آتیں، ص ۲۶۹ ہمیں اپنے علم پر فخر نہیں مگر اللہ کی عطاء کردہ ہدایت پر یقین ضرور ہے، شکر ہے کہ آپ کا علم کامل ہے اور احادیث بھی نظر آتیں ہیں، مگر ان کی نشان دہی بھی کیجئے نا، محض ہوائی فائر اور تقلیدی موقف سے بات نہیں بنے گی۔ آخر میں اس بات کا اظہار کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ دوسروں کے علم پر نقد کرنے والا مقلد انوار خورشید تقلیدی ہونے کا مدعی ہے اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ مقلد عالم نہیں جاہل ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اعلام الموقعین۔

(۲۷) باب تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کس جگہ تک اٹھائیں جائیں

فصل اول

(۱) عن ابن عمر قال رايت رسول الله ﷺ اذا قام في الصلوة رفع يديه حتى تكونا حدو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع و يفعل ذلك اذ رفع راسه من الركوع و يقول سمع الله لمن حمده، ولا يفعل ذلك في السجود،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو تب بھی رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمده کہتے اور رفع یدین کرتے تھے، اور سجدوں میں نہ کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع، الحدیث ۷۳۶)

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنهما ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حدو منكبيه اذا افتتح الصلاة واذا كبر للركوع واذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك ايضاً وقال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد، وكان لا يفعل ذلك في السجود،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے تھے، اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور سمع اللہ لمن حمده ربنا ولك الحمد، کہتے تھے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین فی التکبیر الاولیٰ مع الافتتاح سواء، الحدیث ۷۳۵)

(۳) عن ابن عمر قال رايت النبي ﷺ افتتح التکبير في الصلوة فرفع يديه حين يكبر حتى يجعلهما حدو منكبيه واذا كبر للركوع فعل مثله واذا قال سمع الله لمن حمده، فعل مثله، وقال، ربنا ولك الحمد، ولا يفعل ذلك حين يسجدو لا حين يرفع راسه من السجود، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ نماز کو شروع تکبیر سے کرتے تھے اور جب تکبیر کہتے تو ہاتھ کو اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے، اور جب رکوع کرتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے، اور جب سمع اللہ لمن حمده، کہتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے، اور ربنا ولك الحمد، کہتے اور جب سجدہ کرتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب الی این یرفع یدیه، الحدیث ۷۳۸)

(۳) عن سالم عن ابيه قال رايت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى

يحاذى منكبيه وقبل ان يركع واذا رفع من الركوع ولا يرفعهما بين السجدين
امام سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز
شروع کرتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور رکوع کرنے سے پہلے اور
جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو تب بھی رفع یدین کرتے اور سجدوں کے درمیان نہ کرتے تھے

(مسلم کتاب الصلاة باب استحباب رفع اليدين حذو منكبيه..... الحدیث ۸۶۱)

(۵) عن ابن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا قام للصلاة رفع يديه حتى تكونا

بحذو منكبيه ثم كبر فاذا اراد ان يركع فعل مثل ذلك واذا رفع من الركوع فعل مثل ذلك
ولا يفعله حين يرفع راسه من السجود،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو
بلند کرتے حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو پھر تکبیر (تحریمہ) کہتے تھے اور جب رکوع
کرنے کا ارادہ فرماتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی
طرح کرتے تھے، اور جب سجدہ سے اٹھتے تو رفع یدین نہ کرتے تھے،

(مسلم کتاب الصلاة باب سابق، الحدیث ۸۶۲)

(۶) ان عبدالله بن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلاة رفع يديه حتى اذا

كانتا منكبيه كبر، الحدیث

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو
ہاتھوں کو بلند کرتے جب کندھوں تک ہو جاتے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

(ابن جارود ص رقم الحدیث ۱۸۷) و مسند احمد ص ۱۳۴ ج ۲ و مسند السراج ص ۶۱ رقم الحدیث ۹۰ و
دارقطنی ص ۲۸۹ ج ۱ و بیہقی ص ۲۹۳ ج ۳ و ص ۸۳ ج ۲)

(۷) عن ابن عمر عن رسول الله ﷺ انه كان اذا كبر للصلاة يجعل يديه حذو منكبيه

الحدیث،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ التحیة والسلام جب نماز کے
لیے تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے تھے،

(مسند السراج ص ۶۲ رقم الحدیث ۹۶)

(۸) عن علي بن ابي طالب عن رسول الله ﷺ انه كان اذا قام الى الصلاة المكتوبة كبر

و رفع یدیه حدو منکبیه و یصنع مثل ذلك اذا قضیٰ قرانہ و اراد ان یرکع ویصنعه اذا رفع من الركوع ولا یرفع یدیه فی شئی من صلاته وهو قاعد، و اذا قام من السجدتین رفع یدیه كذلك و کبر،

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور اسی طرح ہی کرتے جب قرأت ختم کر کے رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور اسی طرح ہی کرتے جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تھے، اور نماز کا جو حصہ بیٹھ کر پڑھتے تھے اس میں رفع یدین نہ کرتے تھے، اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور تکبیر کہتے تھے،

ابو داؤد کتاب الصلاة باب من ذکرانہ یرفع یدیه اذا قام من الثننین، الحدیث (۷۴۴) و ترمذی کتاب الدعوت باب (۳۲) منه (دعاء و جہت و جہی للذی فطر السماوات و الارض الحدیث (۳۴۲۳) و ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوت باب رفع الیدین اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع، الحدیث (۸۶۴)

(۹) عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا في نفر من اصحاب النبي ﷺ فقال ابو حميد الساعدي انا كنت احفظكم لصلاة رسول الله ﷺ رايته اذا كبر جعل يديه حدو منکبیه الحدیث،

امام محمد بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں ایک گروہ صحابہ کرام کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ نبی مکرم ﷺ کی نماز کو یاد رکھنے والا ہوں، میں نے آپ علیہ التحیۃ والسلام کو دیکھا کہ جب (نماز کے لیے) تکبیر تحریمہ کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب سنة الجلوس فی التشهد، الحدیث (۸۲۸)

(۱۰) عن محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حميد الساعدي في عشرة من اصحاب رسول الله ﷺ منهم ابو قتادة قال ابو حميد، انا اعلمكم بصلاة رسول الله ﷺ قالوا، فاعرض، قال، فوالله! ما كنت باكثر ناله تبعه، والا اقدمنا له صحبة، قال بلى قالوا، فاعرض، قال، كان رسول الله ﷺ اذا قام الصلاة یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه، ثم کبر، حتی یقر کل عظم فی موضعه معتدلا ثم یقرأ، ثم یکبر فیرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یرکع ویضع راحتیہ علی رکتیہ ثم یعتدل فلا یصب راسه ولا یقنع، ثم یرفع راسه فیقول، سمع الله لمن حمده، ثم یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه معتدلا، الحدیث

میں نے سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ دن صحابہ کرام میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سیدنا

ابوقادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کیسے؟

جبکہ تم ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی ہم سے زیادہ صحبت ہے، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو ٹھیک ہے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اچھا بیان کرو، تو سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، پھر تکبیر تحریر کہتے جب ہر ایک ہڈی اپنے مقام پر آ جاتی اعتدال سے تو آپ علیہ الخیر والسلام قراۃ شروع کرتے تھے پھر تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، پھر رکوع کرتے اور دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور پیٹھ سیدی کرتے یعنی سر کو اپنی پیٹھ کے برابر کرتے، جھکاتے نہ بچا کرتے، پھر سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، الحدیث یہ ایک لمبی حدیث ہے، سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے بیان کو سن کر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ صدقت ہکذا کان یصلی ﷺ۔

ابو حمید رضی اللہ عنہ نے سچا کہا ہے رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے،

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب افتتاح الصلاة الحدیث ۷۳۰) و ترمذی کتاب الصلاة باب منه (ممایلی ما جاء فی وصف الصلاة) الحدیث ۳۰۴) و ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب رفع الیدین اذ رکع و اذا رفع راسه من الركوع، الحدیث ۸۶۲) و ابن حبان رقم الحدیث ۱۸۶۷) و ابن خزیمہ ۱/ ۲۹۷) و مسند احمد ص ۵۴۲ ج ۱ و بیہقی ص ۷۲ ج ۲ و شرح السنة ص ۱۲ ج ۳ و ابن ابی شیبہ ص ۲۳۵ ج ۱) (۱۱) عن ابی ہریرة انه قال قال رسول الله ﷺ اذا كبر للصلاة جعل يديه حذو منكبيه

و اذا ركع فعل مثل ذلك و اذا رفع للسجود فعل مثل ذلك و اذا قام من الركعتين فعل مثل ذلك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے تکبیر تحریر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا کرتے تھے، اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سجدہ کے لیے سر اٹھاتے اور دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو رفع یدین اسی طرح ہی کرتے تھے،

ابو داؤد کتاب الصلاة باب افتتاح الصلاة، الحدیث ۷۴۸)

(۱۲) عن الحكم قال رایت طاؤس کبر فرفع يديه حذو منكبيه عند التكبير و عند ركوعه و عند رفعه راسه من الركوع فسالت رجلا من اصحابه فقال انه يحدث به عن ابن عمر عن عمر عن النبي ﷺ،

امام حکم فرماتے ہیں کہ میں نے امام طاؤس کو دیکھا کہ وہ تکبیر تحریر کے وقت ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور (اسی طرح) رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کرتے تھے، آپ کے

کسی دوست نے آپ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نبی مکرم ﷺ سے یہ (عمل) بیان کرتے تھے، (بیہقی ص ۷۴ ج ۲)

(۱۳) عن عبد الله بن القاسم قال بينما الناس يصلون في مسجد رسول الله ﷺ اذا خرج عليهم عمر بن الخطاب فقال اقبلوا على بوجوهكم، أصلى بكم صلاة رسول الله ﷺ التي كان يصلي و يامر بها فقام مستقبل القبلة و رفع يديه حتى حاذى بهما منكبيه ثم كبر، الحديث۔
امام عبد اللہ بن قاسم فرماتے ہیں کہ ہم مسجد نبوی میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما باہر تشریف لائے اور لوگوں سے کہا کہ میری طرف متوجہ ہوں، ارشاد فرمایا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز نہ پڑھوں؟ جسے آپ علیہ التحیۃ والسلام خود بھی پڑھا کرتے اور ہمیں بھی اسی طرح پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے، (یہ کہہ کر آپ نے) قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر بلند کیا پھر تکبیر تحریمہ کہی۔

(خلافيات بيهقي بحواله نصب الرايه ص ۴۱۵ ج ۱)

(۱۴) عن سعيد بن المسيب قال رايت عمر بن الخطاب يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلاة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

امام سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے، (بیہقی بحواله نصب الرايه ص ۴۱۷ ج ۱)

(۱۵) عن الاسود ان عمر بن الخطاب كان يرفع يديه الى المنكبين،

امام اسود فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے،

(مصنف عبدالرزاق ص ۷۱ ج ۲ (۲۰۳۲) و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳ ج ۱ و بیہقی ص ۲۰ ج ۲)

(۱۶) عن سليمان بن يسار ان النبي ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه،

سیدنا سلیمان بن یسار (تابعی مدینہ منورہ کے جید اور نامور محدث) فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ

کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳ ج ۱)

(۱۷) عن وائل بن حجر قال رايت النبي ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى حاذتا

منكبيه و حين اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع، الحديث

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب نماز کو شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے،

(سنن دارقطنی ص ۲۹۰ ج ۱ و مسند احمد ص ۳۱۹ ج ۴ و بیہقی ص ۲۴ ج ۲)

(۱۸) عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه اذا كبر واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع فقال سمع الله لمن حمده، يرفع يديه حذو منكبيه، سيدنا مالك بن حويرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھا کر، سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، (سنن دارقطنی ص ۲۹۲ ج ۱)

(۱۹) عن علي ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه اذا كبر في الصلاة حذو منكبيه واذا اراد ان يركع واذا رفع راسه من الركوع، واذا قام في الركعة فعل مثل ذلك، سيدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے اور جب (تیسری) رکعت کے لیے گھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے تھے،

ابن عساکر بحوالہ کنز العمال ص ۴۷ ج ۸ رقم الحدیث ۶۳ ۲۲۰) مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

(۲۰) عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا ابتداء الصلاة يرفع يديه حذو منكبيه واذا رفع راسه من الركوع رفعهما دون ذلك،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو ہاتھوں کو کندھوں سے ذرا نیچے تک اٹھاتے تھے،

ابو داؤد کتاب الصلاة باب رفع الیدین فی الصلاة، الحدیث ۷۴۲)

(۲۱) عن سالم قال كان ابن عمر اذا قام الى الصلاة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه،

الحدیث

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز کے لیے گھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے، (مصنف عبدالرزاق ص ۶۸ ج ۲ رقم الحدیث ۲۵۱۹)

(۲۲) عن نافع عن ابن عمر انه كان يرفع يديه حذو منكبيه،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳ ج ۱ کتاب الصلاة باب الی این یتلف بیدیه)،

(۲۳) عن نافع عن ابن عمر انه كان يرفع يديه حين يفتتح الصلوة واذا ركع واذا استوى

قائم من ركوعه حذو منكبيه و يقول كان رسول الله صلى الله يفعل ذلك،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے اور جب رکوع سے سیدھے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے، اور (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے،

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۱ ج ۲)

(۲۴) عن عطاء قال رايت ابا سعيد الخدري و ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبير يرفعون ايديهم نحو احدى الزهري،

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ امام زہری کی حدیث کے موافق ہاتھوں کو اٹھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۵ ج ۱)

امام زہری کی روایت کی کیفیت:

رفع یدین کے متعلق حدیث بخاری و مسلم میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بواسطہ امام سالم مروی ہے، جس میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، تفصیل کے لیے پہلی سات احادیث کی مراجعت کریں۔

(۲۵) عن عبدربه قال رايت ام الدرداء رضی اللہ عنہا، ترفع يديها في الصلوة حذو منكبيها حين تفتح الصلوة و حين ترقع فاذا قالت سمع الله لمن حمده، رفعت يديها وقالت ربنا ولك الحمد، عبدربه سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتیں تھیں، جب نماز شروع کرتیں اور جب رکوع کرتیں اور جب رکوع سے سر اٹھاتیں تو سمع اللہ لمن حمده، کہتیں اور رفع یدین کرتیں اور ربنا ولك الحمد، کہتیں تھیں۔

(جزء رفع الیدین ص ۲۸ و التاریخ الکبیر ص ۷۸ ج ۶)

(۲۶) عن خالد بن ابی بکر قال رايت سالما اذا قام يرفع يديه حذو منكبيه۔ امام خالد بن ابی بکر فرماتے ہیں کہ میں نے امام سالم (سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے) کو دیکھا وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳ ج ۱)۔

(۲۷) عن ابن ابی ذئب عن سالم انه كان يرفع يديه حذو منكبيه۔ امام ابن ابی ذئب فرماتے ہیں کہ امام سالم کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۴ ج ۱)

خلاصہ کلام مذکورہ ۲۷ دلائل جن میں سے اٹھارہ مرفوع احادیث ہیں، باقی آثار صحابہ کرام اور تابعین عظام ہیں، پہلی سات آٹھ احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے

تھے، ان احادیث کے راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی کندھوں تک اٹھانے کا تھا، جیسا کہ روایت ۲۰'۲۱'۲۲'۲۳ سے معلوم ہو رہا ہے اور روایت ۱۲'۱۳'۱۴'۱۵ سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے، روایت نمبر ۱۰ سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل تھا اور ان کے عمل کی دس صحابہ کرام نے تصدیق بھی کی تھی، روایت نمبر ۲۴ سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو سعید خدریؓ سیدنا ابن عمرؓ سیدنا ابن عباسؓ سیدنا ابن زبیرؓ بھی کندھوں تک ہی اٹھاتے تھے، روایت نمبر ۲۵ سے معلوم ہوا کہ صحابیات بھی ایسا ہی کرتی تھیں، روایت نمبر ۱۲، ۲۶، ۲۷ سے ثابت ہو رہا ہے کہ تابعین کرام کا بھی یہی عمل تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ تمام بلاد اسلام میں اسی پر ہی عمل ہے صرف اہل کوفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے (اتمہد ص ۲۲۶ ج ۹)

حرف آخر بلاشبہ بعض صحیح احادیث میں کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھانے کا ذکر بھی ہے، اور بعض احادیث میں کانوں کے اوپر کے حصے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اور بعض احادیث میں کانوں کے نیچے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، (التلخیص الجبیز ص ۲۱۸ ج ۱)

یہ تمام احادیث فصل دوم میں آرہی ہیں، اور اس کیفیت کو بیان کرنے والے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان میں جو طریقہ بھی کر لیا جائے وہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا اسوہ ہے، کسی امتی کو قطعی طور پر یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی افضل قرار دے، ہاں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی طریقہ سند کے لحاظ سے قوی ہے، بعض نے جو تطبیق کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ انگلیوں کے پورے کانوں کے اوپر والے حصے کے برابر ہو جائیں تو انگوٹھے کانوں کی لوتک برابر اور ہتھیلیاں کندھوں تک ہو جائیں گی یہ تطبیق کی صورت نہیں بلکہ مغالطہ ہے۔

کیونکہ عربی زبان میں، یدی، کا لفظ انگلیوں کے پوروں پر بھی بولا جاتا ہے، قرآن میں ہے، فویل لهم مما کتبت ایدیہم، ان کے لیے ہلاکت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے (بے اصل باتیں) لکھتے ہیں (۲-۷۹) اس آیت میں ایدیہم سے مراد انگلیاں کے پورے ہیں کیونکہ تحریر ہتھیلی سے نہیں بلکہ انگلیوں کے پوروں سے لکھی جاتی ہے،

علاوہ ازیں بعض احادیث میں صاف وضاحت ہے کہ

انگوٹھے کانوں کی لوتک نہیں گئے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ کانوں کے نیچے تک ہاتھ اٹھاتے تفصیل فصل دوم میں نمبر ۷ کے تحت آرہی ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمع و تطبیق کی یہ صورت درست نہیں حق یہ ہے کہ یہ تمام طریقے نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہیں، محدث گوندلوی، فرماتے ہیں کہ رفع یدین کانوں تک بھی ثابت ہے۔

(التحقیق الراسخ ص ۴۷)

لہذا مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی احادیث کو نقل کر کے یہ کہنا کہ قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت ص ۲۷۵۔

اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا بلکہ انوار خورشید صاحب کا یہ حق تھا کہ وہ کسی صحیح یا حسن حدیث سے یہ ثابت کرتے کہ عورت چھاتی تک ہاتھ اٹھائے اور مرد مذکورہ تطبیق کے موافق ہاتھ اٹھائیں، تو ایک بات تھی، مگر انہوں نے اصل موضوع پر ایک حرف بھی تحریر نہیں کیا، واضح رہے کہ مؤلف نے حدیث نبوی سے اہل حدیث کا رد کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، مگر رد امام شافعی کی تطبیق سے کرتے ہیں، قارئین کرام فیصلہ فرمائیں یہ خط اور خط بحث ہے کہ نہیں؟

فصل دوم

(۱) عن البراء بن عازب قال قال كان النبي ﷺ اذا كبر رفع يديه حتى نرى ابهاميه قريباً من اذنيه۔

(مسند احمد ص ۳۰۳ ج ۴)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ ہم آپ کے دونوں انگوٹھے کانوں کے قریب دیکھتے۔

(۲) عن البراء بن عازب قال رایت رسول اللہ ﷺ حين قام الى الصلوٰۃ فكبر ورفع يديه

حتى ساوى بهما اذنيه ثم لم يعد، (دارقطنی ص ۲۹۳ ج ۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے تکبیر (تحریمہ) کہی اور دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ کانوں کے برابر لے گئے پھر دوبارہ نہیں اٹھائے،

(۳) عن البراء بن عازب قال قال كان النبي ﷺ اذا كبر لا فتاح الصلوٰۃ رفع يديه حتى

يكون ابهاماه قريباً من شحمتي اذنيه۔

(طحاوی ص ۱۳۵ ج ۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۰)

الجواب اولاً: مؤلف، حدیث اور اہل حدیث، نے ایک ہی روایت کو تین کتابوں سے نقل کر کے تین دلائل باور کرایا ہے، حالانکہ یہ صرف ایک ہی روایت ہے، جو یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء، کے طریق سے مروی ہے، علم حدیث کا جسے دھواں بھی لگا ہے، وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ تین روایتیں نہیں بلکہ ایک ہی ہے کیونکہ اس کے مرکزی راوی ایک ہی ہیں۔ علامہ زلیعی فرماتے ہیں کہ

واما حدیث البراء فرواہ احمد واسحاق بن راہویہ فی مسند یہما والدارقطنی فی سننہ
و الطحاوی فی، شرح الاثار، کلہم من حدیث یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بی ابی
لیلیٰ عن البراء بن عازب،

یعنی براء بن عازب کی روایت کو امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسانید میں، دارقطنی
نے اپنی، سنن، میں طحاوی نے، شرح معانی الاثار، میں یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن
البراء بن عازب، کی سند سے روایت کیا ہے، (نصب الراية ص ۳۱۱ ج ۱)
لیکن مولانا اس کو تین روایات باور کراتے ہیں، جو غلط بیانی ہی نہیں بلکہ عوام الناس کو مغالطہ دیا
گیا ہے۔

ثانیاً: سند کا مرکزی راوی، یزید بن ابی زیاد کوئی ہے، جو ضعیف ہونے کے علاوہ آخری عمر میں مختلط
بھی ہو گیا تھا، لقمہ کو قبول کر لیتا تھا (تقریب ص ۳۸۲) مزید تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں، براء بن
عازب، کی روایت کے زیر عنوان آرہی ہے، ان شاء اللہ۔

ثالثاً: اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کے نزدیک مرد تو کانوں کی لو تک
ہاتھ اٹھائے جبکہ عورت کندھوں تک اٹھائے۔ (ہدایہ ص ۶۴ ج ۱ و مستملی ص ۳۳۰ و شرح نقایہ ص ۷۲
ج ۱ و بہشتی زیور ص ۱۵ حصہ دوم) جبکہ زیر بحث روایت میں اس کی تفریق نہیں لہذا یہ آپ کے دعویٰ
پر تقریب تام نہیں۔

رابعاً: کانوں کی لو تک، سے کیا مراد ہے، متاخرین فقہائے احناف میں سے اکثر کا قول یہ ہے
کہ کانوں کو ہاتھ لگائے، آج کی پوری حنفیت کا اسی پر ہی عمل ہے، اس پر کسی حوالے کی تو ضرورت نہ
تھی کیونکہ آپ کسی بھی حنفی کو نماز پڑھتے دیکھ سکتے ہیں، مگر پھر بھی چند عبارات فقہائے احناف کی ذکر
کردی جاتی ہیں تاکہ قارئین کرام کی تسلی و تشفی ہو جائے حنفیہ کے صدر الشریعہ فرماتے ہیں۔

ما سا باہامیہ شحمتی اذنیہ والمرأة ترفع حذاء منکبہا،
یعنی ہاتھ کانوں کی لو کو مس کریں اور عورت کندھوں کے برابر تک اٹھائے۔

(شرح وقایہ ص ۱۴۳ ج ۱)

فخر الحسن بن حسن التتونی ۲۹۵ فرماتے ہیں کہ

ویرفع یدیدہ حذاء اذنیہ ویمس طرف ابہامیہ شحمة اذنیہ،

(یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھائے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کو لگ

جائیں۔ (فتاویٰ قاضی خان بر حاشیہ ہندیہ ص ۸۵ ج ۱)۔

اسی کے قریب قریب، البحر الرائق ص ۳۰۵ ج ۱ و مستملی ص ۲۹۹ و السعایہ ص ۱۵۲ ج ۲) وغیرہ میں ہے۔

لیکن مذکورہ روایت میں کانوں کو ہاتھ لگانے کا ذکر نہیں، یہ یار لوگوں کی اختراع ہے راجاً: ہاتھوں کو کب اٹھایا جائے فقہائے احناف میں تین مسلک ہیں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے، یہی راجح ہے (ہدایہ ص ۶۴ ج ۱)۔

اسی پر ہی مبتدعین دیا نہ کا فتویٰ ہے (احسن الفتاویٰ ص ۱۹ ج ۳) لیکن مذکورہ روایت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ میں تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے،

الغرض یہ روایت حنفیہ کے متعدد مسائل و اعمال کے خلاف ہے،

خامساً: محل رفع میں یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم اسے بھی قبول کرتے ہیں، اور ان تمام احادیث کو مختلف اوقات پر محمول کرتے ہیں، ہاں البتہ حدیث ابن عمر سنداً قوی ہے، جس میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے،

(۴) عن انس قال رايت رسول الله صلى الله كبر فحاذى بابهاميه اذنيه ثم ركع حتى استقر كل مفصل منه وانحط بالتكبير حتى سبقت ركبتاه يديه، هذا اسناد صحيح على شرط الشيخين ولا اعرف له علة ولم يخرجاه۔

(مستدرک حاکم ص ۲۲۶ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۴۵ ج ۱ و سنن کبزی بیہقی ص ۹۹ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی تو اپنے دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر لے گئے، پھر رکوع کیا تو اس طرح سے کہ آپ کا ہر جوڑ اپنی جگہ ٹھہر گیا اور تکبیر کہہ کر سجدہ کے لیے نیچے گئے تو آپ کے دونوں گھٹنوں نے ہاتھوں پر سبقت کی، یعنی زمین پر پہلے دونوں گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۱)۔

الجواب اولاً: امام بیہقی اور امام دارقطنی نے روایت کر کے لکھا ہے کہ اسے بیان کرنے میں علاء بن اسماعیل عطار، راوی منفرد ہے، اور امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مجہول ہے، (زاد المعاد ص ۸۱ ج ۱ و لسان المیزان ص ۱۸۲ ج ۴) امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے (علل الحدیث ص ۱۸۸ ج ۱) باقی رہا مولانا صاحب کا امام حاکم سے نقل کرنا، ہذا اسنادہ صحیح علی شرط الشيخین، تو یہ معتبر نہیں کیونکہ علاء سے بخاری و مسلم تو کجا سنن اربعہ میں بھی کوئی روایت نہیں لی گئی، علاوہ ازیں امام حاکم تصحیح میں متساہل ہے، راجح مقدمہ۔

ثانیاً: علاء نے یہ روایت، حفص بن غیاث، سے نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حفص سے ان کے بیٹے عمر نے بھی روایت نقل کی ہے جو کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور عمر دوسرے لوگوں سے والد کی روایت میں اثبت ہے، لہذا موقوف ہی درست ہے، (لسان المیزان ص ۱۸۳ ج ۴) اس روایت میں مزید ضعیف ہونے کے دلائل بھی ہیں تفصیل کے لیے دین الحق ص ۴۱۰ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

(۵) عن انس قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة كبر ثم رفع يديه حتى يحاذى ابهاميه اذنيه ثم يقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك۔
(دارقطنی ص ۳۲۰ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے، پھر اپنے ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر ہو جاتے پھر سبحانک اللهم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا اله غیرک، پڑھتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۱)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، حمید الطویل راوی ہے، جو مدلس ہے، جیسا کہ امام نسائی، امام ابن حبان ابن سعد، حافظ علائی، اور امام ابو بکر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے (تہذیب ص ۴۰ ج ۳) علامہ ذہبی نے (میزان ص ۴۱۰ ج ۱) میں حافظ ابن حجر نے (تقریب ص ۸۴ و طبقات ص ۳۸) میں مدلس قرار دیا ہے، اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ہذا حدیث کذب لا اصل له، یعنی یہ روایت محض جھوٹ ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

(علل الحدیث ص ۱۳۵ ج ۱ و نصب الراية ص ۳۲۰ ج ۱)

ثانیاً: یہ اور اس سے پہلی روایت حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک پہلے ہاتھ اٹھانے چاہیے جیسا کہ پہلی روایت کے جواب میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے،

(۶) عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه انه ابصر النبي ﷺ حين قام الي الصلوة رفع يديه حتى كانتا بجيال منكبيه و حاذى بابهاميه اذنيه ثم كبر۔
(ابو داؤد ص ۱۰۵ ج ۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ نے دونوں ہاتھ موٹھوں تک اٹھائے اور انگوٹھے کانوں کے برابر کئے، پھر اللہ اکبر کہا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۲)

الجواب اولاً: یہ روایت سنداً منقطع ہے، کیونکہ عبد الجبار کا سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام علی بن مدینی امام بخاری، امام ابن حبان امام ابو حاتم امام ابن جریر طبری امام جریدی امام یعقوب بن سفیان امام دارقطنی امام حاکم اور امام ابن سعد رحمہم نے صراحت کی ہے، (تہذیب ص ۹۶ ج ۶) مولانا ظفر احمد تھانوی نے، (اعلاء السنن ص ۱۳۲ ج ۲) میں وضاحت کی ہے کہ عبد الجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں، اس سلسلہ میں مبتدعین دیانہ اور مبتدعین بریلویہ کے اکابرین کی بیسیوں عبارات پیش کی جا سکتی ہیں کہ عبد الجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں لیکن ہم اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں اور قارئین کرام کو اشارہ دے دیتے ہیں کہ آئین بالجہر کے رد میں لکھی ہوئی کسی بھی حنفی کی

کتاب کا مطالعہ کر لیں، وہاں سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کے تحت یہ بحث لکھی ہوئی ہوگی، ان شاء اللہ۔

ثانیاً: ان الفاظ سے مروی یہ روایت ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے موافق نہیں ہے، پہلی روایت میں تفصیل گزر چکی ہے، مزید اگلی روایت میں آرہی ہے۔

(۷) عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه انه رأى النبي ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى تكاد ابهاماه تحاذى شحمة اذنيه۔

(نسائی ص ۱۰۲ ج ۱)۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نے نماز شروع کی تو آپ نے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو گئے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۲)۔

الجواب اولاً: یہ روایت بھی سنداً منقطع ہے، کیونکہ عبد الجبار اپنے والد سے روایت کر رہا ہے۔ اور پچھلی روایت کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے کہ عبد الجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں، ثانیاً: آپ نے حدیث میں معنوی تحریف کی ہے، حتیٰ کاد، کے الفاظ کا معنی ترک کر دیا ہے، کاد بمعنی کسی فعل کے قریب الوقوع ہونے کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے، مثلاً کاد يفعل، قریب تھا کہ وہ اس کام کو کر گزرتا، یعنی کرنے والا تھا، مگر کیا نہیں دیکھئے

(مفردات القرآن ص ۴۴۳ و قاموس ص ۲۸۶ و المعجم الوسيط ص ۸۰۴ و المصباح المينر ص ۵۴۵)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر نہیں ہوئے تھے، الغرض حتیٰ کاد، کے الفاظ کے لغوی معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو حدیث کے الفاظ کا معنی یہ بنتا ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دونوں ہاتھ اٹھائے قریب تھا کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

اس معنی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام نسائی نے عبد الحمید کے طریق سے نقل کی ہے کہ عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه قال صليت خلف رسول الله ﷺ فلما كبر رفع يديه اسفل من اذنيه، الحديث

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تو آپ نے تکبیر تحریر یہ کہی اور دونوں ہاتھ کانوں کے نیچے تک بلند کیئے،

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب قول الماموم اذا عطس خلف الامام، الحديث ۹۳۳)

الغرض سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے حنفیہ کے موقف کی تائید نہیں ہوتی بلکہ رد ہوتا ہے، مگر افسوس کہ انوار صاحب معنوی تحریف کر کے حنفیت کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینا چاہتے ہیں انا

لله وانا اليه راجعون

(۸) عن وائل بن حجر قال قال رسول الله ﷺ يا وائل بن حجر اذا صليت فاجعل يدك حذاء اذنك والمرأة تجعل يديها حذاء ثديها۔

(معجم طبرانی کبیر ص ۱۸ ج ۲۲)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے وائل بن حجر جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، اور عورت اپنے دونوں ہاتھ پستانوں تک اٹھائے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۲، ۲۷۳)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، ام یحییٰ بنت عبد الجبار، راویہ مجہول ہیں، علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ میں انہیں نہیں جانتا (مجمع الزوائد ص ۱۰۳ و ۱۰۴ ج ۳)

جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ ام یحییٰ کی عدالت و ثقات ثابت کرے،

ثانیاً: یہ اثر خود حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ وہ کندھے تک ہاتھ اٹھائے کیونکہ یہ اس کے لیے زیادہ استر (پردہ پوشی کا ذریعہ) ہے۔

(ہدایہ ص ۶۴ ج ۱ و مستملی ص ۳۰۰ و شرح نقایہ ص ۷۲ ج ۱)

گو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے حسن نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عورت مرد کی طرح ہی ہاتھ اٹھائے اس لیے کہ کف پردہ میں داخل نہیں جبکہ صاحب ہدایہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

(البحر الرائق ص ۳۰۵ ج ۱)

بہر حال یہ ان کی صواب دید پر ہے کہ کس روایت کو اختیار کرتے ہیں؟ ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دونوں اقوال میں سے کسی کو بھی منتخب کریں بہر نوع انوار صاحب کی پیش کردہ روایت ان کے خلاف ہی رہے گی، کیوں؟ اس لیے کہ مذکورہ روایت میں، پستانوں تک اٹھانے کا حکم ہے جبکہ حنفیہ کا مسلک اس کے برعکس ہے،

(۹) عن وائل بن حجر انه رأى النبی ﷺ رفع يديه حين دخل في الصلوة كبر وصف

همام حيال اذنيه

(الحديث مسلم ص ۱۷۳ ج ۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے، اور اللہ اکبر کہا (حدیث کے راوی ہمام کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھائے تو کانوں تک اٹھائے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۳)

الجواب اولاً: مرفوع حدیث میں صرف ہاتھوں کے اٹھانے کا ذکر ہے، حیال انیہ، (کانوں

کے برابر) کے الفاظ امام ہمام راوی حدیث کی تفسیر ہے مرفوع حدیث قطعاً نہیں، جیسا کہ انوار صاحب مغالطہ دے رہے ہیں۔

ثانیاً: اس حدیث میں آگے مرفوع الفاظ مروی ہے کہ

ثم التحف بثوبه ثم وضع يديه اليمنى على اليسرى فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب ثم رفعهما ثم كبر فرقع فلما قال سمع الله لمن حمده، رفع يديه، فلما سجد سجد بين كفيه،

پھر کپڑا لپیٹ کر داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جب رکوع کرنے لگے تو ہاتھوں کو کپڑے سے باہر نکالا پھر ان کو اٹھایا (رفع یدین کیا) اور تکبیر کہی اور رکوع کیا پھر جب سمع اللہ حمدہ، کہا تو پھر رفع یدین کیا اور جب سجدہ کیا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا۔

(مسلم کتاب الصلاة باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيرة الاحرام تحت صدره، الحديث ۸۹۶)
ان الفاظ کو انوار صاحب نے محض اس لیے نقل نہیں کیا کہ یہ ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھے، اور انوار صاحب نے آگے یہ بحث بھی لکھنی تھی کہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں اور یہ جھوٹا دعویٰ کرنا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۹)

اس لیے انوار صاحب نے اس پر خط نسخ کھینچ دینا ہی مناسب سمجھا، جیسے یہودی نے رجم کی آیات کو تورات پر ہاتھ رکھ کر چھپایا تھا ویسے ہی خورشید صاحب نے اسوہ سید الرسل امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو چھپانے کی کوشش کی ہے، لا حول ولا قوة الا بالله العظیم
(۱۰) عن مالك بن حويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما اذنيه وفي رواية عنه حتى يحاذي بهما فروغ اذنيه۔

(مسلم ص ۱۶۸ ج ۱)

حضرت مالک بن حورث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے انہی سے ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کانوں کے اوپر کے حصے تک ہاتھ اٹھاتے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۳)

الجواب اولاً: مقلد انوار صاحب نے، دو احادیث کے متن کو گڑ بڑ کر کے حنفیت کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے، چھپلی حدیث کے آخر میں، الحدیث، لکھ کر قدرے دیانت اختیار کی تھی لیکن اس میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھا گئے ہیں، سنئے، وفی روایۃ، کے الفاظ سے پہلے بھی کچھ عبارت تھی۔ جسے انوار صاحب نے حنفی فقہ کے خلاف سمجھ کر حذف کر دیا ہے، مکمل متن حدیث اس طرح ہے۔

عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما اذنيه واذا ركع رفع يديه حتى يحاذي بهما اذنيه واذا رفع راسه من الركوع فقال سمع الله لمن حمده فعل مثل ذلك،

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرتے تو تب بھی رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

(مسلم ص ۱۶۸ ج ۱ کتاب الصلاة باب استحباب رفع یدین حدو المنکبین مع تکبیر الاحرام والركوع و فی الرفع من الركوع وانه لا یفعله اذا رفع من السجود، الحدیث ۸۴۵)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حدیث میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا بھی ذکر ہے، اس اسوہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر انوار خورشید صاحب کے پیٹ میں مروڑ پیدا ہوا تو اس کے لیے یہ مخلص تلاش کیا کہ پوری حدیث ہی نقل نہ کی، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی ہیرا پھیریاں انہیں بطور ورثہ ملی ہیں،

خیر مقلد انوار خورشید صاحب تو یہ بہانا کر سکتے ہیں کہ میرا مقصود حدیث بیان کرنا نہ تھا، صرف محل رفع کی وضاحت کرنا تھا، لیکن دیوبندی مولوی عابد الرحمن صدیقی کا ندھلوی کا کیا بہانا بنائیں گے جنہوں نے صحیح مسلم کا ترجمہ کرتے وقت ان الفاظ کو متن مسلم سے نکال دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو مترجم مسلم ص ۳۶۷ ج ۱ مطبوعہ قرآن محل کراچی)

ثانیاً: مذکورہ حدیث جو ہم نے (مسلم رقم الحدیث ۸۶۵) سے نقل کی ہے، یہ امام مسلم نے ابو عوانہ عن قتادہ کی سند سے درج کی ہے، آگے امام مسلم سعید بن قتادہ کی سند سے نقل کرتے ہیں جس میں، حتیٰ یحاذی بہما فروغ اذنیہ، کے الفاظ ہیں، امام مسلم محل رفع میں راویوں کا اختلاف بتا کر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یحاذی بہما اذنیہ، اور، یحاذی بہما فروغ اذنیہ، ہم معنی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ، سعید بن قتادہ کے طریق میں، رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں۔

جیسا کہ ہمارے معاصرے کو بھول لگی ہے، کاش انہوں نے دورہ حدیث کی بجائے کہیں سے حدیث نبوی کا بھی درس لیا ہوتا، سنئے سعید بن قتادہ، کی سند میں بھی رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔

(سنن نسائی کتاب التطبيق باب رفع یدین للركوع هذا فروع الاذنین، الحدیث ۱۰۲۵) و باب رفع یدین حدو فروغ الاذنین عند الرفع من الركوع، الحدیث ۱۰۵۷)

الغرض دونوں سندوں میں آپ کے خلاف سنت نبوی علیہ التحیۃ والسلام موجود ہے جسے آپ قبول

کرنے کی بجائے پردہ پوشی کر رہے ہیں،

ثالثاً: یہ تمام صورتیں مختلف اوقات پر مبنی ہیں، اور تمام جائز اور سنت خیر الانام میں داخل ہیں، لیکن اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، تفصیل پہلی حدیث میں عرض کر دی ہے، باقی مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا، مرقاۃ ص ۲۵۴ سے امام شافعی کے حوالے سے تطبیق کی حسب ذیل صورت نقل کرنا کہ دونوں ہتھیلیاں تو کندھوں کے برابر ہو جائیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں، کیونکہ ایک میں کندھوں تک اٹھانے کا ذکر ہے، دوسری میں کانوں تک اور تیسری میں کانوں کے اوپر کے حصے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۴)

بلاشبہ امام شافعی کے علاوہ متعدد اہل علم اور بزرگان نے یہ صورت اختیار کی ہے، مگر تطبیق کی یہ صورت محض ان کی ذاتی رائے ہے، حکم شرعی اور فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام نہیں ہے، اس تطبیق کو قبول نہ کرنے کی ہم فصل اول کے آخر میں وضاحت کر چکے ہیں، اس تطبیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے، لہذا مؤلف کا اس پر ضد کرنا کہ نہیں یہ حدیث کی موافقت نہیں (ص ۲۷۵ مفہوم) اپنے اندر تضاد و تناقض رکھتا ہے، علاوہ ازیں آپ تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں مختلف احادیث میں جمع و تطبیق ان سے ثابت کرتے تو ایک بات تھی مگر افسوس کہ ہمیشہ تو محدثین کو پنساری کہتے ہو مگر جب مختلف احادیث میں تطبیق کی صورت آئی تو اپنے امام کی بجائے ان کے در دولت پر حاضری دی جنہیں اہل الرائے ہمیشہ پنساری کہہ کر ان کی توہین کرتے رہے ہیں، یہ مطلب براری نہیں تو اور کیا ہے، وضاحت کیجئے امام شافعی کا صرف یہاں ہی قول حجت ہے یا مسئلہ رفع یدین میں بھی حجت ہے، وہ صاف وضاحت کرتے ہیں کہ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیا جائے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مرفوعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وبهذا نقول، فنامر كل مصل اماما، او ماموما، او منفردا رجلا او اطراة، ان يرفع يديه اذا افتح الصلاة، واذا اكبر للركوع واذا رفع راسه، ويكون رفعه في كل واحدة من هذه الثلاث حذو منكبيه۔

یعنی یہی ہم کہتے ہیں، اور حکم کرتے ہیں کہ ہر نمازی خواہ امام ہو، یا مقتدی ہو مرد ہو یا عورت ہو وہ جب نماز شروع کرے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہے اور جب رکوع سے سر اٹھائے تو رفع یدین کرے، اور ان تینوں مقامات میں ہر ایک جگہ پر کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے۔

(کتاب الام ص ۲۰۶ ج ۱ کتاب الصلاة باب رفع الیدین فی التکبیر فی الصلاة، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۲ء)

امام شافعی کی اس صراحت کے بالمقابل صاحب مرقاۃ کے قول کی کیا حیثیت ہے۔

(۲۸) باب سینہ پر ہاتھ باندھنا

فصل اول

(۱) عن وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله ﷺ ووضع يده اليمنى على يده

اليسرى على صدره،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھا،

(صحیح ابن خذیمہ ص ۲۴۳ ج ۱ رقم الحدیث ۴۷۹)

حنفیہ میں سے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کی سند میں، مؤمل بن اسماعیل، راوی ہے اور اسے

امام بخاری نے، منکر الحدیث، کہا ہے (میزان الاعتدال ص ۲۲۸۹ ج ۴)

مؤمل بن اسماعیل ثقہ و صدوق ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ سے جرح نقل کرنے میں خطا ہوئی

ہے، امام بخاری کی مذکورہ جرح مؤمل بن اسماعیل پر نہیں بلکہ مؤمل بن سعید پر ہے دیکھئے (التاریخ الکبیر

ص ۳۹ ج ۴ تم دوم) دراصل علامہ ذہبی کو جرح نقل کرتے وقت اشتباہ ہوا ہے کہ نظر اوپر والی سطر کی بجائے

نیچے آگئی ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے یہ جرح مؤمل بن اسماعیل کے متعلق نقل کر دی ہے، جبکہ یہ

جرح مؤمل بن سعید راوی پر ہے، واضح رہے کہ مؤمل بن اسماعیل کو امام ابن معین امام ابن سعید امام

دارقطنی نے ثقہ کہا ہے امام ابو حاتم امام ساجی نے صدوق کہا ہے، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے

امام احمد امام علی بن مدینی وغیرہ آئمہ اس سے روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب ص ۳۸۱ ج ۱۰)

(۲) عن وائل بن حجر قال حضرت رسول الله ﷺ يهض الى المسجد فدخل

المحراب ثم رفع يديه بالتكبير ثم وضع يمينه على يساره على صدره،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ

علیہ التحیۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے اور محراب میں داخل ہوئے پھر تکبیر کہہ کر رفع یدین کیا اور

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا۔

(ابن عدی ص ۲۱۶۶ ج ۶ و بیہقی ص ۳۰ ج ۲)

(۳) عن هلب الطائي قال رايته النبي ﷺ ينصرف عن يمينه و عن يساره و رايته قال

يضع هذه على صدره،

سیدنا ہلب طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) دائیں اور بائیں سلام پھیرتے تھے اور ان (ہاتھوں کو) سینہ پر رکھتے تھے۔
(مسند احمد ص ۲۲۶ ج ۵)

(۴) عن طاوس قال كان النبي ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره۔

امام طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے پھر دونوں ہاتھ سینہ پر باندھتے تھے اور آپ علیہ التحیۃ والسلام نماز میں ہوتے تھے۔

— ابو داؤد کتاب الصلاة باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة، الحديث ۷۵۹ و مراسيل ابو داؤد ص ۶ و ابو داؤد مع عون ص ۲۷۵ ج ۱ و ابو داؤد مع بذر المجهود ص ۲۵ ج ۲ و تحفته الاشراف ص ۲۳۷ ج ۱۳ رقم الحديث ۱۸۸۲۹

(۵) عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه قال كان الناس يؤمرون ان يضع الرجل اليد اليمنى على يده اليسرى فى الصلوة قال ابو حازم ولا اعلم الا انه ينمى ذلك الى النبي ﷺ۔
سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (زمانہ نبوی میں) لوگ حکم کیے جاتے تھے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھنے کا راوی ابو حازم فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نبی مکرم ﷺ تک مرفوع روایت کرتے تھے۔

(موطا امام مالک، باب وضع اليدين احدهما على الاخرى فى الصلوة، و بخارى كتاب الاذان باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة، الحديث ۷۴۰، و ابو عوانه ص ۹۷ ج ۲)

(۶) عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الى صلاة رسول الله ﷺ كيف يصلي؟ فنظرت اليه فقام فكبر ورفع يديه حتى حادثا باذنيه ثم وضع يده اليمنى على كفه اليسرى والرسخ والساعد، الحديث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (دل میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا کیسے پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی پھر دونوں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھائے پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے گٹ اور کلائی کی پشت پر رکھا،

(نسائی کتاب الافتتاح باب موضع اليمين من الشمال فى الصلوة، الحديث ۸۹۰) و ابو داؤد کتاب الصلاة باب رفع اليدين فى الصلاة الحديث ۷۲۷ و ابن حبان (موارد) ۴۸۵ و ابن خزيمة ۴۸۰

(۷) عن جرير الضبي قال رايت عليا رضي الله عنه يمسك شماله بيمينه على الرسغ فوق السرة۔
امام جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کے گٹ کو پکڑا ہوا تھا (اور ہاتھ) ناف سے اوپر باندھے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاة، الحدیث ۷۵۷) و ابو داؤد مع عون ص ۲۷۵ ج ۱ ابو داؤد مع بذل المجهور ص ۲۳ ج ۲ و تحفة الاشراف ص ۳۴۹ ج ۷ رقم الحدیث ۱۰۰۳۰ و بیہقی ص ۳۰ ج ۲)

(۸) مولانا انوار خورشید صاحب نے۔ حدیث اور اہل حدیث ص ۱۸۵ میں، طبرانی کبیر ص ۳۲ ج ۲۲

سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کا ٹکڑا نقل کیا ہے، اس پوری روایت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر بھی ہے (تفصیل گردن کے مسح میں فصل دوم میں نمبر ۶ کے تحت گزر چکی ہے) گو ہم اس سے استدلال نہیں کر رہے مگر ہمارے معاصر پر یقیناً حجت ہے، کیونکہ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔

(۹) عن ابی الزبیر قال امرنی عطاء ان اسال سعیدا ابن تکون الیدان فی الصلوٰۃ فوق

السرة او اسفل من السرة فسالته عنه فقال فوق السرة۔

امام ابو زبیر فرماتے ہیں کہ مجھے امام عطاء بن ابی رباح نے حکم دیا کہ میں امام سعید بن جبیر سے سوال کروں کہ نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر ہوں یا ناف سے نیچے ہوں چنانچہ میں نے ان سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ (نماز میں ہاتھوں کو) ناف سے اوپر (باندھا جائے)

(بیہقی ص ۳۱ ج ۲) کتاب الصلوٰۃ باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ من السنة

(۱۰) عن معاهد قال ان کان وضع الیمین علی الشمال فعلى كفه أو علی الرسغ عند

الصدر۔

امام مجاہد تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر (نماز میں) دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا جائے، خواہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر یا گٹ کو گٹ پر تو یہ (بہت و کیفیت) سینہ کے قریب ہے۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص ۷۹ ج ۲۰)

خلاصہ کلام پہلی چار مرفوع احادیث تو اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز

میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے، پانچویں حدیث میں وضاحت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اور چھویں حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہاتھ باندھنے کی کیفیت یہ تھی کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے گٹ اور کلائی پر رکھا جاتا تھا اور ساتویں حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس حکم و ارشاد پر عمل کرتے تو ہاتھ رکھنے کی جگہ ناف سے اوپر ہوتی تھی، اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ جب دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے تو یہ کیفیت سینہ کے قریب بنتی ہے، تجربہ کر دیکھئے کہ جب دائیں ہاتھ کو بائیں کے گٹ اور کلائی پر رکھا جائے تو اس کی بہت سینہ یا کم از کم سینہ کے قریب بنتی ہے، حنفی جس طریقہ سے ہاتھ باندھتے ہیں اس

کیفیت سے دایاں ہاتھ اوپر نہیں رہتا بلکہ نیچے ہو جاتا ہے یا کم از کم بائیں کے برابر ہو جاتا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھا جائے۔

تفسیر قرآن کی تائید

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قول اللہ عزوجل فصل لربک وانحر، قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ عند النحر۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمان رب تعالیٰ، فصل لربک وانحر، کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر سینہ کے قریب رکھا جائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۱ ج ۲)

عن عقبہ بن صہبان قال ان علیاً رضی اللہ عنہ فی هذه الاية فصل لربک وانحر، قال وضع یدہ الیمنیٰ علی وسط یدہ الیسری ثم وضعهما علی صدرہ۔

عقبہ بن صہبان فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے، فصل لربک وانحر، کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھنا ہے۔ (بیہقی ص ۳۰ ج ۲ و تاریخ کبیر للبخاری ص ۴۳۷ ج ۳ ق ۲)

فوق کا معنی: ائمہ لغت فرماتے ہیں کہ فوق تحت، کی نفیض ہے یعنی فوق نیچے کی ضد ہے (قاموس ص ۸۲۷ لسان العرب ص ۳۱۵ ج ۱۰) اس لغوی معنی کو ملحوظ رکھا جائے، تو فوق السرة، کا یہ معنی بنتا ہے کہ ناف سے اوپر (ہاتھ باندھتے تھے) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ (الملک آیت ۱۹) کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا (۶۷ تا ۱۹) اس کا یہ معنی نہیں کہ پرندے انسان کے سر پر بیٹھے ہوتے ہیں ایسے ہی، فوق السرة، کا یہ معنی غلط ہے کہ ناف پر ہاتھ باندھتے۔

علمائے امت کا عمل:

حدیث صحیح و حسن کی موجودگی میں کسی بزرگ کے قول کی ضرورت تو نہ تھی لیکن انوار صاحب نے چونکہ یہاں بھی مغالطہ دیا ہے لہذا دو بزرگان اہل سنت کا ذکر کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ

رایت ابی اذا صلی وضع یدہ احدہما علی الاخری فوق السرة،

میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ جب نماز پڑھتے تو ایک ہاتھ دوسرے کے اوپر رکھتے اور ناف سے اوپر باندھتے تھے، (المسائل ص ۶۲ بحوالہ صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۶۱)۔
امام مروزی فرماتے ہیں کہ

كان اسحاق يوتر بنا..... ويرفع يديه في القنوت ويقنت قبل الركوع ويضع يديه على ثدييه او تحت الثديين۔

(المسائل ص ۲۲۲ بحوالہ ایضاً)۔

یعنی امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ وتر پڑھتے تھے، قنوت میں رفع یدین کرتے تھے، اور قنوت رکوع سے پہلے مانگتے تھے، اور ہاتھوں کو چھاتی پر یا چھاتی کے نیچے رکھتے تھے۔

فصل دوم

(۱) اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألته قال قلت كيف يضع قال يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله و يجعلهما اسفل من السرة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۱ ج ۱)

حجاج بن حسان فرماتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز سے سنا، یا ان سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیونکر باندھے جائیں؟ انہوں نے فرمایا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اندر کے حصہ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اوپر کے حصہ پر رکھے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۶)

الجواب اولاً: ابو مجلز تابعی ہیں۔ اور تابعی کا قول مرفوع احادیث کے بالمقابل حجت نہیں ہوتا، مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے،

ثانیاً: یہ آپ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ منقول ہے وہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی کلائی کو دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑے اور باقی انگلیوں کو پھیلا دے، (شرح نقایہ ص ۷۲ ج ۱، دستلی ص ۳۳۰) درمختار میں اسی کو ہی مختار لکھا ہے اور ابن عابدین نے اسی کو مستحسن قرار دیا ہے (فتاویٰ شامی ص ۲۸ ج ۱) اور عملاً حنفیت میں یہی معروف ہے، اس کیفیت سے دائیں ہاتھ کا گھٹنا بائیں ہاتھ کے گھٹنے پر آ جاتا ہے، جبکہ مذکورہ قول میں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھنا آیا ہے، جب اس کیفیت سے ہاتھ باندھے جائیں تو چھنگلی اور انگوٹھے سے کلائی نہیں پکڑی جاسکتی، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیاً: حنفیہ کے نزدیک بیچرا اور عورت کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھے بعض کے

نزدیک چھاتی کے نیچے اور بعض کے نزدیک چھاتی کے اوپر باندھے۔

(فتاویٰ شامی ص ۴۸۷ ج ۱)

مبتدعین دینہ کے نزدیک سینہ پر باندھنا ہی آیا ہے، (بہشتی زیور ص ۱۵ حصہ دوم) جبکہ مذکورہ اثر میں مرد و عورت اور خلش کا فرق منقول نہیں، لہذا یہ آپ کے دعویٰ و عمل پر تقریب تام نہیں، بلکہ انوار خورشید صاحب نے اس فرق کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دی، صحیح یا حسن حدیث تو کجا کوئی ضعیف و موضوع بلکہ کسی امتی کا قول بھی پیش نہیں کیا کہ مرد و عورت کے ہاتھ باندھنے کی کیفیت کا یہ فرق ہے، حالانکہ مردوں کی نسبت عورتوں کی آبادی زیادہ ہے، یا کم از کم وہ ہماری آبادی کا نصف ہیں، لیکن افسوس کہ انہوں نے نصف آبادی کو تو نظر انداز کر دیا ہے، اور آبادی کے عشر عشر بچارے اہل حدیثوں کا رد لکھنا شروع کر دیا ہے۔

(۲) عن ابراہیم قال یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۱ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نمازی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۶)

الجواب اولاً: ابراہیم نخعی تابعی ہیں، اولاً مرفوع کے بالمقابل تابعی کا قول حجت نہیں ہوتا، راجح

مقدمہ۔

ثانیاً: اس قول میں بھی مرد و عورت کا فرق بیان نہیں کیا گیا، علاوہ ازیں اس میں ہاتھ باندھنے کی

کیفیت کا بھی ذکر نہیں،

ثالثاً: اس کی سند میں، ربیع بن صبیح، راوی ہے جو سبکی الحفظ، ہے، (تقریب ص ۱۰۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے،

(۳) عن ابراہیم النخعی انه کان یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری تحت السرة،

(کتاب الاثار للامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد ص ۲۸)

حضرت امام ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۶)۔

الجواب یہ بھی ابراہیم نخعی کا ہی قول ہے، اور حنفیہ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں تفصیل پہلے عرض

کردی گئی ہے، علاوہ ازیں سند میں وہی علت ہے جو پہلی روایت میں تھی کہ اس کی سند میں، ربیع بن

صبیح، راوی سبکی الحفظ ہے، یہاں قدرے تفصیل عرض کر دی جاتی ہے۔

امام عفان فرماتے ہیں کہ اس کی تمام مرویات مقلوب ہیں، امام یحییٰ بن سعید اس سے راضی نہ

تھے، امام ابن معین امام ابن سعد امام نسائی امام ساجی اور عقیلی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں عابد و زاہد تھا مگر احادیث میں وہم کرتا ہے اور کثرت سے روایت کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی مرویات میں مناکیر داخل ہو گئی ہیں، جب منفرد ہو تو حجت نہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں کینہ پرور تھا (تہذیب ص ۲۳۸ ج ۲)
الغرض یہ روایت ضعیف ہے،

(۴) عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رايت النبي ﷺ يضع يمينه على شماله

في الصلوة تحت السرة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۰ ج ۱)۔

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۶)

الجواب مصنف ابن ابی شیبہ میں، تحت السرة کے الفاظ نہیں، یہ دیوبندی حضرات نے تحریف کر کے اس میں داخل کیے ہیں، تفصیل کے لیے، دین الحق ص ۲۱۹ ج ۱ کی مراجعت کریں، یہاں پر ہم قارئین کرام کی تسلی و تسہی کے لیے، مصنف ابن ابی شیبہ، کے چند مطبوعہ نسخوں کی اصل فوٹو دے رہے ہیں، اور خطی نسخہ کا اصل بھی درج کر رہے، قارئین کرام انہیں دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔

ملوظ: پاکستان میں سب سے اول اس تحریف کا آغاز، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی نے کیا، بعد میں جتنے بھی دیوبندی ناشرین نے نسخے شائع کیے ان میں تحریف کر دی گئی۔

جی فی اللہ شیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن میں مارکیٹ میں گیا تو وہاں ایک تازہ نسخہ مصنف کا ملتان سے دیوبندی ناشر مکتبہ امدادیہ کی طرف سے چھپ کر آیا ہوا تھا میں نے دوکان پر ہی اس سے مذکورہ روایت کو دیکھا تو اس میں، تحت السرة، کے الفاظ نہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ پھر کسی دن اسے خرید لیں گے، اگلے روز خریدنے کے لیے دوکان پر تھا، مگر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اس میں بھی تحریف کر دی گئی تھی کہ ایک ورق علیحدہ شائع کر کے اس میں درج کر دیا جس میں، تحت السرة کا اضافہ تھا اور بغیر اضافہ والے ورق کو درمیان سے کاٹ دیا ہوا تھا، مکتبہ امدادیہ کا تحریف سے پاک نسخہ جماعت اسلامی کے مرکز منصورہ (لاہور) میں موجود ہے۔

ملتان سے ہی ایک دیوبندی ادارہ نے مصنف کو مکرر شائع کیا ہے، جس پر ماسٹر امین کے پیش لفظ ہیں۔ اس میں بددیانتی کی انتہاء کر دی کہ اپنے پاس سے خطی نسخہ میں، تحت السرة، کا اضافہ کیا پھر اس کی فوٹو کتاب میں شامل کر دی اور لکھا کہ یہ نسخہ پیر جھنڈا کے کتب خانہ میں ہے، حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے،

پیر صاحب کے خطی نسخہ میں ان الفاظ کا اضافہ قطعاً نہیں، جس کا جی چاہے وہ سند میں جا کر اس کی تصدیق کر سکتا ہے۔

المصنف لابن ابی شیبہ میں تحریف

شیخ محمد عوامہ کی جسارت
تحقیق و تنقید

ابو البدر مولانا ارشاد الحق اثری (فیصل آباد)

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت وائل بن حجر کی حدیث نماز میں ہاتھ باندھنے کے حوالے سے ایک عرصہ سے موضوع بحث بنی ہوئی ہے کہ اس میں ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں یا نہیں؟ المصنف کی پہلی جلد سب سے پہلے ہندوستان سے مولانا ابوالکلام اکادمی حیدرآباد سے ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء میں طبع ہوئی۔ اس کے (ج: ۱، ص: ۳۹۰) پر یہی حدیث ہے۔ مگر اس میں ”تحت السرة“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کا عکس دوبارہ مدار السلفیہ بمبئی سے طبع ہوا۔ لیکن اسی نسخہ کو جب ادارۃ القرآن کراچی کے کارپردازان نے شائع کیا تو اس میں پورے صفحہ کے الفاظ کے مقابلے میں جلی حروف سے ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ جسے ہر انسان پچشم خود دیکھ سکتا ہے۔

اس کے بعد طیب اکادمی ملتان اور مکتبہ امداد یہ ملتان کے منتظمین نے استاد سعید اللہام کی تحقیق سے مصنف ابن ابی شیبہ کا نسخہ شائع کیا، اور انہوں نے بھی اپنی جانب سے اس حدیث میں ”تحت السرة“ کا اضافہ کیا۔ بددیانتی اور تحریف کی انتہا دیکھیے کہ استاذ سعید اللہام کی تحقیق سے یہی نسخہ اس سے قبل دار الفکر بیروت نے شائع کیا مگر اس میں یہ اضافہ قطعاً نہیں۔ ارباب طیب اکادمی نے مکتبہ راشدیہ پیرآف جھنڈا سندھ کے نسخہ مخطوطہ مصنف ابن ابی شیبہ کے متعلقہ صفحہ میں جو شرم ناک تحریف کر کے اس کا عکس شائع کیا وہ ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصدق ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

اور اب حال ہی میں ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء میں المصنف کا ایک ایڈیشن شیخ محمد عوامہ کی تحقیق سے دارالقبلہ مؤسسۃ علوم القرآن سے شائع ہوا ہے اور اس میں بھی ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ دارۃ القرآن، کراچی کا یہ اقدام تو سراسر چوری اور سینہ زوری کا مصداق ہے کس نسخہ کی بنیاد پر انہوں نے یہ جسارت کی؟ اس بات کی کوئی وضاحت انہوں نے نہیں کی، طیب اکادمی ملتان کی کارستانی ہی ان کی کذب بیانی کی دلیل ہے جیسا کہ ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے۔ البتہ شیخ محمد عوامہ نے دونوں کی بنیاد پر ”تحت السرة“ کا اضافہ کیا۔ ان میں ایک نسخہ شیخ محمد عابد سندھی کا ہے اور دوسرا شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی کا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث (رقم: ۳۹۵۹، ج: ۳، ص: ۳۲۰) کے تحت انہوں نے لکھا ہے۔

”تحت السرة زیادة ثابتة فی ت، ع كما یرى القارى الکریم صورتها فی مقدمة هذا

المجلد“

”کہ ”تحت السرة“ کی زیادتی نسخہ ”ت“ اور ”ع“ میں ثابت ہے، جیسا کہ محترم قاری اس جلد کی ابتدا میں ان دونوں نسخوں کا عکس دیکھتا ہے۔“

”ت“ سے مراد علامہ محمد مرتضیٰ الزبیدی کا نسخہ ہے، اور ”ع“ سے شیخ محمد عابد سندھی کا نسخہ مراد ہے۔ شیخ محمد عوامہ کے ارشاد کے مطابق ہم نے ان دونوں نسخوں کا عکس بھی دیکھا، اور ان دونوں نسخوں کا جو تعارف انہوں نے المصنف کے نسخوں کی تفصیل کے ضمن میں پیش کیا اسے بھی دیکھا۔ لیکن انہی کی تفصیلات کے مطابق ”تحت السرة“ کا یہاں اضافہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ شیخ محمد عابد سندھی مرحوم کے نسخہ کے مطابق خود شیخ محمد عوامہ نے وضاحت کر دی ہے کہ

”هی نسخة للاستئناس لا للاعتماد علیها“

”کہ یہ نسخہ مانوس ہونے کے لیے ہے، اس پر اعتماد کے طور پر نہیں۔“ (ص: ۲۷)

لہذا جب اس نسخہ کی یہ غیر یقینی پوزیشن خود انہوں نے بیان کر دی ہے تو پھر اس پر ”اعتماد“ محض مسلکی حمیت کا شاخسانہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ نسخہ قابل اعتماد کیوں نہیں؟ اس کا ارشاد بھی انہوں نے خود کر دیا ہے؟ یہ ”لیست بخطہ“ خود شیخ محمد عابد سندھی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں بلکہ انہوں نے اسے محسن بن حسن الزرقاتی سے ۱۲۲۹ھ میں لکھوایا تھا۔ شیخ سندھی نے اس کی ابتدا میں صرف اس کے ابواب کی فہرہ لکھی ہے۔ اس نسخہ کا تقابل اصل نسخہ سے ہوا؟ اور جس اصل سے شیخ سندھی کے لیے نسخہ نقل کیا اس کی استنادی پوزیشن کیا ہے؟ یہ تفصیل بھی شیخ محمد عوامہ نے نہیں لکھی، بظاہر یہ تفصیلات بھی مفقود ہیں جس سے مزید اس نسخہ کے ناقابل اعتماد ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

رہا دوسرا نسخہ جو شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی لکھی کا ہے جس کے بارے میں خود انہوں نے لکھا ہے کہ کئی مقامات پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے اس پر حواشی ہیں اور یہی نسخہ شیخ قاسم بن قطلوبغا کے پیش نظر تھا اور اسی نسخہ سے شیخ قاسم نے ”التعریف والاختیار بتخرج احادیث الاختیار“ میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ اس نسخہ کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ ”والاعتماد علیہا مفید“ اس پر اعتماد مفید ہے۔ گویا اس پر بھی اعتماد یقینی نہیں، اعتماد کی گنجائش ہے۔ مگر اس نسخہ میں بھی وہی نقص ہے جس کی طرف علامہ محمد حیات سندھی نے ”فتح الغفور فی وضع الأیدی علی الصدور“ میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”فی ثبوت زیادة تحت السرة نظر، بل هی غلط، منشأ السهو، فانی راجعت نسخة صحیحة للمصنف فرأیت فیہا هذا الحدیث بهذا السند وبهذا اللفظ الا انه لیس فیہا تحت

السرة و ذکر فيها بعد هذا الحديث اثر النخعي ولفظه قريب من لفظ هذا الحديث، وفي آخره ”في الصلاة تحت السرة“ فلعل بصر الكتاب زاغ من محل الى آخره، فادرج لفظ الموقوف في المرفوع، ويبدل على ما ذكرت ان كل النسخ ليست متفقة على هذه الزيادة، وأن غير واحد من اهل الحديث روى هذا الحديث ولم يذكر ”تحت السرة“ بل ما رأيت ولا سمعت أحداً من اهل العلم ذكر هذا الحديث بهذه الزيادة الا القاسم“
(فتح الفور، ص: ۷۷، ۷۸. المطبوعة: ۱۹۷۷ بتحقيق الشيخ ضياء الرحمن الاعظمي)

”تحت السرة“ کی زیادت میں نظر ہے، بلکہ یہ زیادت غلط ہے اور اس کا سبب سہو ہے۔ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کا صحیح نسخہ دیکھا ہے جس میں یہ حدیث اسی سند اور انہی الفاظ سے ہے مگر اس میں ”تحت السرة“ کے الفاظ نہیں۔ اس حدیث کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر تقریباً انہیں الفاظ سے ہے جو حدیث کے الفاظ ہیں اور اس کے آخر میں ”فی الصلاة تحت السرة“ کے الفاظ ہیں۔ غالباً کاتب کی نظر حدیث سے اس اثر کے آخری حصہ پر چلی گئی جس کی بنا پر موقوف کا لفظ مرفوع میں درج کر دیا اور یہ جو میں نے ذکر کیا ہے اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ المصنف کے نسخے اس زیادت کے نقل کرنے میں متفق نہیں ہیں اور بہت سے محدثین نے یہ حدیث بیان کی ہے مگر وہ ”تحت السرة“ کے الفاظ ذکر نہیں کرتے، بلکہ میں نے شیخ قاسم کے علاوہ کسی عالم سے یہ روایت اس زیادت کے ساتھ نہ سنی، نہ ہی کہیں دیکھی۔“

یہی بات علامہ محمد حیات سندھی نے ”درة في اظهار غش نقد الصرة“ میں بھی کہی ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”روى هذا الحديث ابن بي شيبه وروى بعده اثر النخعي ولفظهما قريب وفي آخر الاثر لفظ تحت السرة، واختلفت نسخه، ففي البعض ذكر الحديث مطلقاً من غير تعيين محل الوضع مع وجود الاثر المذكور، وفي البعض وقع الحديث المرفوع بزيادة لفظ تحت السرة بدون اثر النخعي، فيحمل ان هذه الزيادة منشأها ترك الكتاب سهواً نحو سطر في الوسط واذراج لفظ الاثر في المرفوع۔“ (درة، ص: ۵)

”یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے اور اس کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر بیان کیا ہے، اور ان دونوں کے الفاظ ایک جیسے ہیں اور ابراہیم نخعی کے اثر کے آخر میں ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں۔ ابن ابی شیبہ کے نسخے مختلف ہیں۔ چنانچہ بعض میں ابراہیم نخعی کے اثر کے ساتھ ساتھ ہاتھ باندھنے کی تعیین کے بغیر مطلقاً حدیث کا ذکر ہے اور بعض نسخوں میں مرفوع حدیث کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں ان میں ابراہیم نخعی کا اثر نہیں ہے۔ اس لیے یہ احتمال ہے کہ مرفوع حدیث میں زیادت کا

تب کے سہو کا نتیجہ ہے۔ جس سے درمیان میں ایک سطر کے قریب عبارت رہ گئی اور ابراہیم نخعی کے اثر کے الفاظ مرفوع حدیث میں درج ہو گئے۔“

علامہ سندھی نے یہ بات جو ہیکرار کہی بالکل یہی صورت شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی کے نسخہ کی ہے اور یہی نسخہ اس سے قبل علامہ قاسم بن قطلوبغا کے پاس تھا جیسا کہ شیخ محمد عوامہ نے تصریح کی ہے، وراں نسخہ میں صرف مرفوع حدیث ہے حضرت ابراہیم نخعی کا اثر اس سے ساقط ہے۔ جیسا کہ اس عکس سے نمایاں ہوتا ہے جو شیخ محمد عوامہ نے الجملہ الثالث کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس لیے جب اس میں سے ابراہیم نخعی کا اثر ساقط ہے تو اس سے علامہ محمد حیات سندھی کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے۔ کہ کاتب کی صرف نظر اثر نخعی میں ”تحت السرة“ کے الفاظ مرفوع روایت کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں، اور درمیان میں اثر کے الفاظ مع سند ساقط ہو گئے ہیں۔ مگر شیخ محمد عوامہ کی اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ انھوں نے اس اشکال کا جواب دیا وہ بڑا مضحکہ خیز اور تعجب ناک ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”ان هذا تظنن وتشكك يفرح به اعداء الله والاسلام، لو فتح لما بقى لنا ثقة بشيء من مصادر ديننا، و مع ذلك فما اذا فعل بثبوت ذلك كله في نسخة الشيخ محمد عابد السندي، التي فيها الحديث ولا اثر، وفي آخر كل منهما تحت السرة۔“ (ج ۳، ص ۳۲۱)

”اس شک اور گمان سے اللہ تعالیٰ اور اسلام کے دشمن خوش ہوں گے، اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ہمارے مصادر دریدہ کا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں پھر ہم کیا کریں گے جب کہ یہ سب شیخ محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ میں ثابت ہے جس میں اثر اور حدیث دونوں ہیں اور دونوں کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں۔“

ہم شیخ محمد عوامہ سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ایمانداری سے بتلائیں کہ کیا قلمی نسخوں اور مطبوعہ کتابوں میں اس نوعیت کی کاتبوں کے صرف نظر کی مثالیں نہیں پائی جاتیں؟ اور نقل عبارت میں اس قسم کا تسامح نہیں ہوتا؟ قارئین کرام کی تشفی کے لیے ہم اس کی چند مثالیں عرض کرتے ہیں۔

۱۔ مسند امام احمد (ج: ۱، ص: ۳۲۷) مطبوعہ مہینہ، طبع دار احیاء التراث اور طبع المکتب الاسلامی بیروت، رقم: ۳۰۱۲ میں ایک حدیث کی سند اور اس کا متن یوں ہے:

”لنا سليمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقف بجمع فلما اضاء كل شيء قبل ان تطلع الشمس افاض۔“

(المسند، ج: ۱، ص: ۳۲۷، رقم: ۳۰۱۲)

مسند امام احمد کی تینوں طبقات میں یہ روایت اسی طرح مندرج ہے۔ حالاں کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اس سند کا متن اور اس کے مابعد روایت کی سند کا

کچھ حصہ کاتب کے سہو سے حذف ہو گیا ہے۔ اصل سند اور متن یوں ہے:

”حدثنا سليمان بن داود حدثنا عباد بن منصور عن عكرمة (عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ بعث إلى ابى طيبة عشاءً فجمعهم و اعطاء أجره، حدثنا ابو داود عن زمعة عن عكرمة) عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ وقف بجمع فلما أضاء كل شيء قبل أن تطلع الشمس افاض۔“

مسند امام احمد جو بیت الافکار الدولیہ، الریاض سے ایک ہی جلد میں طبع ہوئی اس کے (ص: ۲۷۰) پر یہ روایت ہے، اور محقق نے اشارہ کیا ہے کہ مسند احمد مطبوعہ مطبع میمنیہ میں پہلی سند کا کچھ حصہ اور اس کا متن اور دوسری سند کا ابتدائی حصہ کاتب کی غلطی سے ساقط ہو گیا ہے۔ قوسین میں ہم نے اسے واضح کر دیا ہے۔ کاتب کی نظر پہلی سند میں عکرمہ کے بعد دوسری سند میں عکرمہ پر پڑ گئی اور دوسری سند کا متن پہلی سند کے متن سے ملا دیا۔

دوسری روایت علامہ ابن جوزی نے (التحقیق، ج: ۳، ص: ۴۷۵) حافظ ابن حجر نے اطراف المسند (ج: ۳، ص: ۲۰۰) اور علامہ زیلعی نے نصب الراية (ج: ۴، ص: ۷۴) میں اسی طرح نقل کی ہے۔ یعنی ”ابو داؤد عن زمعة عن عكرمة“ سے، اور محشی نے حاشیہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ مسند امام احمد (ج: ۱، ص: ۳۲۷) میں یہ روایت اس سند سے نہیں بلکہ ”سليمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة“ سے ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”لم أجد حديث ابن عباس في مسند احمد بهذا السند، بل اسناده هكذا: حدثنا عبد الله حدثني ابى ثنا سليمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس، الحديث۔“

جس طرح مسند احمد میں عکرمہ سے کاتب کی نظر نیچے کی سطر میں عکرمہ پر پڑی اور درمیانی حصہ حذف ہو گیا۔ بعینہ المصنف میں علامہ الزبیدی کے نسخہ میں مرفوع روایت لکھتے ہوئے ”فی الصلاة“ سے نظر نیچے کی سطر میں ابراہیم نخعی کے اثر میں ”فی الصلاة“ پر پڑی اور مرفوع کے ساتھ اس کے بعد کے الفاظ ”تحت السرة“ لکھ دیے گئے اور درمیان میں ابراہیم نخعی کے اثر کی سند اور اسی کے متن کا ابتدائی حصہ سہو کاتب کی نظر ہو گیا۔ اگر اس سیدھی سی بات سی مصادر دینیہ پر سے اعتماد اٹھ جانے کا خطرہ ہے تو مسند امام احمد پر اعتماد چہ معنی دارو؟ مسند احمد میں یہی ایک حدیث نہیں اہل علم خوب جانتے ہیں کہ مطبع میمنیہ میں بہت سی احادیث ساقط ہیں۔ مگر کسی نے اختلاف نسخ کو بد اعتمادی پر محمول نہیں کیا۔ شیخ محمد عوامہ ان حقائق سے بے خبر نہیں مگر عصبیت مذہبی اس کے قبول سے مانع ہے۔

۲۔ مسند امام احمد پر ہی موقوف نہیں جامع ترمذی جیسی متداول اور داخل نصاب کتاب کے اکثر نسخوں میں ”باب مناقب معاذ بن جبل وزید بن ثابت و ابی بن کعب و ابی عبیدہ رضی اللہ عنہم“ میں امام

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ عن انس سے ایک روایت ”ارحم امتی بامتی ابو بکر، الحدیث“ لاتے ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے:

”وقد رواہ ابو قلابہ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه، حدثنا محمد بن بشارنا عبد المجید الثقفی نا خالد الحذاء عن ابی قلابہ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لأبی بن کعب ان الله امرنی ان اقرأ علیک لم یکن الذین کفروا۔“ الخ (ترمذی مع التحفة، ج: ۴، ص: ۳۴۴)

حالان کہ یہ روایت اس سند سے قطعاً نہیں بلکہ اس سند سے ”ارحم امتی بامتی ابو بکر، الحدیث“ ہی مروی ہے، اور حدیث ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لأبی بن کعب ان الله امرنی“ کی سند یوں ہے:

”حدثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة قال سمعت قتادة يحدث عن انس“ کاتب کی غلطی سے پہلی سند نقل کرتے ہوئے بعد کی سند میں ”عن انس“ پر پڑی اور درمیان میں پہلی سند کا متن، جو ”ارحم امتی، الحدیث“ کے الفاظ سے تھا، اور دوسری حدیث کی سند حذف ہو گئی۔ علامہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفۃ الاشراف (ج: ۱، ص: ۲۵۹، ۳۲۵) میں اس غلطی پر خبردار کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ حافظ ابن عساکر نے بھی یہ روایت اسی طرح غلط سند سے نقل کی ہے، اور صراحت کی ہے کہ ”قد دخل علیہ حدیث فی حدیث، ترمذی کے اکثر نسخوں میں یہ روایت اسی طرح ہے البتہ علامہ ابن العربی کی شرح عارضۃ الاحوذی (ج: ۱۲، ص: ۲۰۲، ۲۰۳) میں اور دکتور بشار عواد کی تحقیق سے دار الغرب الاسلامی سے جو نسخہ شائع ہوا اس کی (ج: ۶، ص: ۱۲۷، ۱۲۸) میں یہ درست سند اور متن سے منقول ہے۔ کتب حدیث ہی میں نہیں رجال کی کتابوں میں بھی اسی نوعیت کا سہو موجود ہے۔ چنانچہ لسان المیزان میں ہے:

”محمد بن عبد الله عن معاوية بن ابی سفیان قال فذکر حدثنا منکراً فی مدمن الخمر لا یعرف انتہی۔“

(لسان المیزان، ج: ۵، ص: ۲۲۴)

اب میزان الاعتدال سے اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ حقیقت کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ محمد بن عبد اللہ بن معاویہ بن سفیان قال فذکر حدیثاً، لا یعرف، محمد بن عبد اللہ عن ابیہ قال فذکر حدیثاً، منکرانی مدمن الخمر لا یعرف“ (المیزان ص ۶۰۳ ج ۳)

غور فرمایا آپ نے کہ لسان میں ”محمد بن عبد الله عن ابیہ“ کا ترجمہ کاتب کے سہو سے گر گیا ہے۔ پہلی سطر میں ”فذکر حدیثاً“ سے دوسری سطر میں لکھے ہوئے، ”فذکر حدیثاً“ الفاظ پر نظر چلی

گئی اور یوں درمیان کا حصہ ساقط ہو گیا جیسا کہ قوسین سے ہم نے واضح کر دیا ہے۔ ”بن معاویہ بن سفیان“ کا عن معاویہ بن ابی سفیان ہو جانا تو معمولی مسئلہ ہے۔

کتب احادیث اور کتب رجال میں اس نوعیت کی متعدد مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہمیں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کاتب سے اس قسم کا تغافل و تسامح ناممکن نہیں۔ اصول حدیث میں کتابت کے اصول اور کتاب کے معتبر ہونے کے لیے جو اصل سے تقابل وغیرہ کی شروط کا ذکر ہے وہ انہی خطرات کی بنا پر ہے۔ کاتب کی اس نوعیت کی غفلت کا کوئی مبتدئ تو انکار کر سکتا ہے مگر حیرت ہے کہ شیخ محمد عوامہ بھی اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ اسے مصادر دین پر عدم اعتماد کا باعث قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس نوعیت کی بشری لغزشوں سے تو کیا وضاعین کی دسیسہ کاریوں کے باوجود آج تک کسی صاحب علم نے مصادر دین پر شک نہیں کیا۔ یہ تو ایک دو لفظوں یا سطروں کی بات ہے وضاعین نے کتابوں میں کیسے کیسے تبدیلی کی، رسائل لکھ کر ائمہ اسلام کی طرف انہیں منسوب کیا، کتابیں مستعار لے کر ان میں حک و اضافہ کرتے رہے۔ مگر ان کی ان تمام کارستانیوں کے باوجود کسی قابل اعتماد عالم نے مصادر دین میں شک و ریب کے ڈورے نہیں چھوڑے محدثین اور اہل علم نے ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا۔ مگر افسوس ہے کہ شیخ محمد عوامہ کو سہو کاتب میں مصادر دین مجروح ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ہماری اس مختصر وضاحت سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کاتب کا سہو اور تسامح ناممکن نہیں علامہ محمد حیات سندھی نے جو بات المصنف میں ”تحت السرة“ کی زیادہ کے بارے میں کہی ہے وہ ایک واضح حقیقت ہے اور اس جیسے تسامح کی اور بھی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ شیخ محمد عابد سندھی کے نسخہ میں جب مرفوع حدیث اور ابراہیم نخعی کے اثر کے ساتھ دونوں جگہ پر ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں تو اس سے اس خدشہ کا جواب ہو جاتا ہے جس کا اظہار علامہ محمد حیات سندھی نے کیا ہے۔ ہمیں رہ رہ کر شیخ محمد عوامہ پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف مقدمہ کتاب میں نسخوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صاف صاف فرماتے ہیں شیخ محمد عابد کا نسخہ قابل اعتماد نہیں۔ اس سے صرف ہم مانوس ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہاں اسی ناقابل اعتماد نسخہ پر بڑے رسوخ سے اعتماد کا اظہار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم حیران ہیں کہ جس نسخہ کو شیخ محمد عوامہ نے خود ناقابل اعتماد قرار دیا، اس پر یہ اعتماد کیسا؟ اور اس کے مقابلے میں جن چار نسخوں میں یہ زیادت نہیں ان پر عدم اعتماد کیوں کر؟ حالانکہ ان نسخوں میں ایک نسخہ وہ ہے جس کے بارے میں خود شیخ عوامہ نے فرمایا ہے: ”ہی اقدم نسخة وقضت علیہا“ کہ یہ سب سے قدیم نسخہ ہے جو ۶۲۸ھ میں لکھا ہے اس کا خط بھی بڑا واضح اور صاف ہے۔ اس کا نسخہ بھی ”متقن“ ہے اور یہ نسخہ بھی اصل سے مقابلہ شدہ ہے۔ (ص: ۳۸، ۳۹) جس کی علامت انہوں نے

”خ“ دی ہے۔ اس سب سے صحیح اور قدیم نسخہ پر اعتماد کیوں نہیں؟ تین مزید نسخوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ان چار نسخوں پر تو اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اس پر اعتماد کو پھر مذہبی طبیعت کا شاخشاہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

گل دیگر شگفت

یہی نہیں بلکہ مزید تعجب ناک بات یہ ہے کہ ان دو نسخوں (علامہ محمد عابد سندھی اور علامہ زبیدی کے نسخوں) کے علاوہ ”ثلاث“ تین اور نسخے بھی اس زیادت کے مؤید ہیں۔ وہ نسخے کون سے ہیں ان کے الفاظ ہیں:

”نسخة العلامة قاسم، وقد تكون هي نسخة“ ت، ونسخة العلامة عبد القادر بن ابی بکر الصدیقی مفتی مکة المكرمة، و نسخة العلامة محمد اكرم السندهی، نقل ذلك منها العلامة محمد هاشم التتوی السندی فی رسالته تر صیغ الدررة علی درهم الصر۔“
(حاشیة المصنف، ج: ۳، ص: ۲۲۱)

”ایک نسخہ علامہ قاسم کا اور یہ وہی ت یعنی علامہ الزبیدی) والا نسخہ ہے۔ دوسرا علامہ عبد القادر الصدیقی مفتی مکہ مکرمہ کا، اور تیسرا نسخہ علامہ محمد اكرم السندهی کا جیسا کہ ان سے علامہ محمد ہاشم غٹھوی سندھی نے اپنے رسالہ ”ترصیح الدررة علی درهم الصرة“ میں نقل کیا ہے۔“

حیرت ہے کہ علامہ قاسم کے نسخہ کو علامہ زبیدی والا نسخہ قرار دینے کے باوجود اسے ایک اور نسخہ کیوں کر باور کرایا جاتا ہے؟ پھر اس نسخہ کو شیخ عابد کے نسخہ کا مؤید قرار دینا بھی ظللمات بعضها فوق بعض کا مصداق ہے۔ جب شیخ قاسم کے نسخہ میں اثر نخعی نہیں ہے تو یہ شیخ عابد کے نسخہ کا مؤید کیوں کر بن گیا؟ صرف اسی وجہ سے کہ اس میں ”تحت السرة“ مرفوع روایت کے ساتھ ہے۔ اگر یہ زیادت مرفوع میں صحیح ہے تو اثر نخعی کے ساقط ہونے کا انکار اتنی دیدہ وری سے کیوں ہے؟ اور یہ قابل اعتماد نسخہ کیوں کر ہے؟ جب آپ نے خود فرمایا ہے کہ ”اس نسخہ پر اعتماد مفید ہے۔“ تو اب اس پر یہ کامل اعتماد علم کی کون سے خدمت ہے؟

رہا علامہ محمد اكرم السندهی کا نسخہ تو اس کے ذکر کرنے میں بھی شیخ محمد عوامہ نے دیانت و امانت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کیوں کہ جس کتاب کے حوالے سے انہوں نے اس نسخہ کا ذکر کیا اسی کتاب میں شیخ محمد ہاشم سندھی نے فرمایا ہے:

”اذ الظاهر فی نسخة الشيخ محمد اكرم ان لفظة تحت السرة من تنمة الحدیث كما هو الموجود الآن فیها وان اثر النخعی ساقط منه بتمامه مع لفظة تحت السرة۔“

(ترصیح الدرۃ علی درہم الصرۃ، ص: ۷)

”ظاہر ہے کہ شیخ محمد اکرم کے نسخہ میں ”تحت السورۃ“ کے الفاظ حدیث کا تتمہ ہیں جیسا کہ اب بھی اس میں موجود ہے اور اس سے اثر نخعی ”تحت السورۃ“ کے ساتھ مکمل طور پر ساقط ہے۔“

بیچے جناب! شیخ محمد اکرم کے نسخہ کا پردہ تو خود شیخ محمد ہاشم نے چاک کر دیا۔ اس میں بھی وہی نقص اور عیب ہے جو شیخ قاسم اور بعد میں علامہ الزہیدی کے نسخہ میں ہے۔ اب انصاف شرط ہے کہ یہ ”تحت السورۃ“ کے صحیح ہونے کا مؤید کیسے ہوگا؟ جیسا کہ قبل ازیں ہم وضاحت کر آئے ہیں۔

رہا علامہ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کا نسخہ تو اس کے بارے میں بلاشبہ شیخ محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ اس میں مرفوع اور اثر نخعی دونوں ہیں اور دونوں میں ”تحت السورۃ“ کے الفاظ ہیں۔ مگر انہوں نے یہ قطعاً ذکر نہیں کیا کہ یہ نسخہ کس نسخہ سے منقولہ ہے اور اس کا ناخ کون ہے۔ یہ اصل سے مقابلہ شدہ اور قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تک یہ امور ثابت نہ ہوں اس پر اعتماد اہل علم کی شان نہیں۔ ایسے نسخہ سے استدلال ٹھن ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ کا مصداق ہے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ

شیخ محمد عوامہ نے ”تحت السورۃ“ کے ”ثبوت“ اور ”تین نسخوں“ میں اس کے ”وجود“ پر بحث کے بعد یہ بھی ضروری سمجھا کہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کی جانب سے شائع ہونے والے المصنف کے نسخہ میں ”تحت السورۃ“ کے اضافہ کی شرم ناک تحریف کو ثابت کیا جائے۔ چنانچہ اس حوالے سے انہوں نے فرمایا کہ ادارۃ القرآن کے منتظم شیخ نور احمد نے مجھ سے حرم نبوی میں ذکر کیا کہ المصنف کے نسخہ میں ”تحت السورۃ“ کا اضافہ شیخ محمد ہاشم کی تحقیق کی بنیاد پر کیا ہے جو انہوں نے ”ترصیح الدرۃ“ میں کی ہے اور فرمایا ہے کہ تین خطی نسخوں میں یہ اضافہ موجود ہے۔ اس سے انہیں مکمل اطمینان ہوا تو ”تحت السورۃ“ کا اضافہ کر دیا۔ انہوں نے کوئی رسول اللہ ﷺ پر کذب کی جرأت نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے مذہب کی تائید میں نص کو بدلا ہے۔“ (ملخصاً حاشیہ،

ج: ۳، ص: ۲۲۱، ۲۲۲)

عرض ہے کہ یہی بات راقم سے خود مولانا نور احمد صاحب نے ذکر کی تھی۔ راقم استاذی مکرم حضرت مولانا محمد عبداللہ محدث فیصل آبادی نور اللہ مرقدہ کے ہمراہ کتابوں کی خریداری کے لیے ادارۃ القرآن میں پہنچا۔ حضرت الاستاذ تو کتابوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے اور یہ ناکارہ مولانا نور محمد کے پاس کھڑا ہو گیا اور انہوں نے المصنف کے بارے میں وہی بات بتائی جو شیخ محمد عوامہ نے ذکر کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۷ء میں سب سے پہلے راقم ہی نے اس تحریف سے عالم اسلام کو خبردار

کیا۔ چنانچہ مسلک محدثین کے معروف ترجمان ہفت روزہ ”الاعتصام“ کی ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ، ۲۰ فروری ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں اس حوالے سے مفصل مضمون شائع کروایا جو بعد میں راقم ہی کے ”مقالات“ کی جلد اول میں طبع ہوا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ مولانا نور محمد مرحوم نے جو فرمایا کیا اس کی بنیاد پر ”تحت السرة“ کا اضافہ درست اور صحیح ہے؟ جس مطبوعہ نسخہ کا عکس انہوں نے شائع کیا۔ اس کی دو اشاعتوں میں یہ اضافہ بہر حال نہیں جیسا کہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں۔ اس نسخہ کی تصویر میں یہ اضافہ جو کمپوز میں دوسرے حروف سے نمایاں ہے اور اپنے جعلی اور محرف ہونے کی چغلی کھا رہا ہے۔ کیا کتب حدیث میں سقط اور نقص کو دور کرنے کا کوئی ضابطہ ہے یا نہیں؟

المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع، الالماع۔ مقدمہ ابن الصلاح اور اصول حدیث کی دیگر کتب میں تصحیح والحاق کا کوئی قاعدہ نہیں؟ اگر ہے تو اسے نظر انداز کر کے بے لگام اس کا اضافہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

”المصنف“ مولانا حبیب الرحمن اعظمی کی تحقیق و مراجعت سے مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی۔ انہوں نے مرفوع روایت جوں کی توں ”تحت السرة“ کے بغیر نقل کی، اور ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کا اثر قوسین میں یوں نقل کیا:

(۳۹۰۷۔ حدیثنا و کعب عن ربیع عن ابی معشر عن ابراہیم قال: یصع یمینہ علی شمالہ

فی الصلاة تحت السرة۔)

اسی اثر پر حاشیہ نمبر (۱) کے تحت انہوں نے لکھا ہے:

”سقط من الاصل الا آخره مدرجا فیما فوقه واستدر کتہ من ب والحدیدر آبادیة۔“

(ص: ۳۵۱)

کہ یہ اثر اصل نسخہ میں ساقط ہے۔ مگر اس کا آخری حصہ (یعنی ”تحت السرة“) اوپر کی روایت میں مدرج ہے اور میں نے اس کا استدراک ب اور حدیدر آبادی نسخہ سے کیا ہے۔ مولانا اعظمی مرحوم کے ان الفاظ اور اشارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

۱۔ ان کے پاس بھی ”المصنف“ کا ویسا ہی نسخہ تھا جو شیخ مرتضیٰ زبیدی اور شیخ قاسم کے پاس تھا۔ جس میں حضرت ابراہیم نخعی کا اثر ساقط تھا، اور اس کا آخری حصہ ”تحت السرة“ مرفوع روایت کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ علامہ محمد حیات سندھی نے بھی ایسے ہی نسخہ کی نشان دہی کی ہے۔

۲۔ مولانا اعظمی نے دو نسخوں کی بناء پر ابراہیم نخعی کا اثر قوسین میں کیا۔ کیوں کہ جس نسخہ کو انہوں نے اصل اور بنیاد قرار دیا اس میں یہ اثر ساقط تھا۔

۳۔ مولانا اعظمی اصل نسخہ میں سقط کی بنا پر ذخیرہ احادیث اور ”مصادر دین“ کے بارے میں اس خدشہ کا شکار نہیں جس کی فکرمندی کا اظہار شیخ محمد عوامہ نے کیا ہے۔

۴۔ انہوں نے اصل نسخہ میں مرفوع روایت کے ساتھ ”تحت السرة“ کا لفظ ہونے کے باوجود اس پر اعتماد نہیں کیا جیسا کہ شیخ محمد عوامہ نے اس پر اعتماد کر کے مرفوع کے ساتھ اسے باقی رکھا ہے، اور اس کے ثبوت میں دو صفحات سیاہ کر ڈالے۔

۵۔ جس نسخہ پر مرفوع روایت میں شیخ عوامہ نے اعتماد کیا۔ اس میں اثر نخعی ساقط ہونے میں وہ پھر ناقابل اعتماد ٹھہرتا ہے، اور دوسرے نسخہ ”ب“ سے جو خود ان کے نزدیک قابل اعتماد نہیں سے اثر نقل کرتے ہیں اور اس فرق کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اور یہ سارا کتب نہایت تحقیق اور دیانت داری سے مسلکی عصبيت کے بغیر کیا جا رہا ہے۔ سبحان اللہ

ہماری ان گزارشات سے اور مولانا اعظمی کے اسلوب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ادارۃ القرآن کے کارپردازوں نے بلا تشبیہ و اشارہ جو اضافہ کیا وہ بھی غلط اور امانت علمی کے منافی ہے اور شیخ عوامہ کا دفاع ”عذر، عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا مصداق ہے۔

گل دیگر شگفت

شیخ عوامہ ادارۃ القرآن کا دفاع ہی نہ کریں طیب اکادمی ملتان اور مکتبہ امدادیہ ملتان کی کارستانی کی بھی فکر کریں، جنہوں نے دارالفکر سے استاذ سعید اللحام کی تحقیق سے شائع ہونے والے المصنف کے نسخہ میں صریح دھاندلی کی اور بڑے دھڑلے سے اس میں ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ البتہ انہوں نے اسے قوسین [] میں نقل کیا اور حاشیہ میں اضافہ کا سبب بھی ذکر کیا۔ جس کے بارے میں ہم ان شاء اللہ آئندہ عرض کریں گے۔

دارالفکر سے یہ نسخہ شائع ہوا تو مرفوع روایت میں ”تحت السرة“ کا اضافہ نہ تھا مگر طیب اکادمی اور مکتبہ امدادیہ ملتان نے اسی نسخہ کا عکس شائع کیا تو اس میں ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ انہوں نے اسی پر اکتفاء نہ کی بلکہ مکتبہ راشدہ پیر آف جھنڈا کے نسخہ سے ہاتھ باندھنے کے متعلقہ صفحہ کا عکس بھی ”تحت السرة“ کے اضافہ کے ساتھ شائع کر دیا۔ مکتبہ راشدہ کا یہ نسخہ راقم نے ایک سے زائد بار دیکھا اور اس سے استفادہ کیا، اور اسی متعلقہ روایت کے حوالے سے دوبارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں مرفوع روایت کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ قطعاً نہیں۔ یہی بات اس نسخہ کے حوالے سے محترم حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں“ کے ص: ۷۴ پر حلفاً کہی کہ اس نسخہ میں مرفوع روایت کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ بالکل نہیں

ہیں۔ بلکہ انہوں نے حضرت سید محبت اللہ شاہ الراشدی نور اللہ مرقدہ کا وضاحتی بیان بھی ذکر کیا ہے کہ اس نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بصارت عطا فرمائی ہے وہ آج بھی مکتبہ راشدیہ میں اس نسخہ کو دیکھ کر تشفی کر سکتا ہے۔ شیخ عوامہ بتلائیں کہ کیا یہ تحریف کی بدترین جسارت نہیں؟ اور کیا یہ سارے کرتب مذہبی حمیت میں روا نہیں رکھے جا رہے؟

مزید عرض ہے

شیخ محمد عوامہ نے فرمایا ہے کہ نسخہ ”ت“ پر کئی مقامات پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی ہیں۔ یہی نسخہ شیخ قاسم کے پیش نظر تھا، اور انہوں نے ”التصریف والاخبار“ میں ”تحت السورة“ کے الفاظ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور یہی نسخہ شیخ محمد مرتضیٰ زبیدی صاحب التاج کے پاس تھا۔ بلکہ جب وہ احیاء العلوم کی شرح لکھ رہے تھے تب بھی یہ نسخہ ان کے پیش نظر تھا اور اس نسخہ سے وہ آثار وغیرہ نقل کرتے ہیں بلکہ اس شرح کی (ج: ۳، ص: ۲۷۰) میں اس نسخہ کے ناخ اور تاریخ نسخ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ کتاب (ص: ۲۹) میں انہوں نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

۱۔ مگر قابل غور بلکہ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ علامہ مرتضیٰ الزبیدی اسی احیاء العلوم کی شرح ”اتحاف السادة المتقين“ کی اسی تیسری جلد میں ہاتھ باندھنے سے متعلقہ بحث کے ضمن میں حنفی مسلک کی دلیل حضرت علی کی معروف روایت مسند احمد اور دارقطنی وغیرہ سے تو ذکر کرتے ہیں مگر ”المصنف“ کی یہ ”صحیح“ اور ”جید سند“ سے مقول ”روایت“ ذکر کیوں نہیں کرتے؟ ان کے الفاظ ہیں:

”دلیل ابی حنیفہ مارواہ احمد والدارقطنی والبیہقی عن علی۔“

(اتحاف السادة، ج: ۳، ص: ۳۷)

یہی نہیں بلکہ مسلک حنفی کی تائید میں انہوں نے ”عقود الجواہر المہیفہ“ کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے ”المصنف“ کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں بھی انہوں نے ”المصنف“ کی یہ روایت ذکر نہیں کی۔ آخر کیوں؟ ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک یہ روایت اسی طرح درست اور قابل اعتماد ہوتی تو اس کا ذکر کرتے، یہ اس بات کا قرینہ قویہ ہے کہ ”المصنف“ کے نسخہ میں اس روایت کے نقل میں وہ مطمئن نہ تھے۔ علامہ قاسم کا اسی نسخہ سے روایت نقل کرنا تو قابل اعتماد ٹھہرے مگر علامہ الزبیدی کا اسے نظر انداز کر دینا اس کے ناقابل اعتماد ہونے کی دلیل کیوں نہیں؟

۲۔ بلکہ علامہ عینی جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نسخہ میں کئی مقامات پر ان کے حواشی ہیں۔ انہوں نے بھی صحیح بخاری کی شرح ”عمدة القاری“ میں اور ہدایہ کی شرح ”البنایہ“ میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا۔ وہ حضرت علی کی ضعیف روایت کے دفاع کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے ”المصنف“

کی ”سند جید“ سے اس روایت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ کیا یہ قرینہ نہیں کہ علامہ یعنی بھی اس سند اور متن پر مطمئن نہیں تھے؟

۳۔ علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے التمهید (ج: ۲۰، ص: ۷۴، ۷۶) میں نماز میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ کے بارے میں ”المصنف“ سے متعدد آثار نقل کیے ہیں اور (ج: ۲۰، ص: ۷۵) پر اجمالاً ذکر کیا ہے کہ ابراہیم نخعی اور ابو جکاز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل تھے، اور کسے علم نہیں کہ ان دونوں کے یہ آثار ”المصنف“ میں موجود ہیں۔ بلکہ علامہ ابن عبدالبر نے ابراہیم نخعی کے اثر کے بارے میں ”لایثبت“ کہہ کر اس کے ضعف کا اشارہ بھی کر دیا ہے۔ اگر حضرت وائل کی روایت میں بھی ”تحت السرة“ کے لفظ ہوتے تو انہیں بھی وہ ذکر کرتے۔ اسے ذکر نہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ”المصنف“ میں یہ اضافہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ کسی مسئلہ پر کسی دلیل کا ذکر نہ کرنا اور کسی مسئلہ میں کتاب کے متعلقہ باب میں سے متعدد آثار نقل کرنا اور ”قابل اعتبار سند“ سے مذکورہ روایت کو ذکر نہ کرنے میں فرق بالکل واضح ہے۔ علامہ زلیعی، حافظ ابن حجر، علامہ ابن الملقن، علامہ ابن ہمام وغیرہ متاخرین میں سے بھی کسی نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے بارے میں ممکن ہے کہ کہا جائے کہ انہوں نے ”المصنف“ کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ اس باب کے آثار کو ہی المصنف کے حوالے سے ذکر کیا۔ لیکن علامہ ابن عبدالبر کے بارے میں اس کا قطعاً امکان نہیں۔

۴۔ شیخ محمد عوامہ روایات کی تخریج اور اس کے طرق کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اسی باب ”وضع الیمین علی الشمال“ کی روایات کی بھی بالعموم انہوں نے تخریج کی ہے مگر اس روایت کی تخریج کیوں نہیں؟ انہوں نے ساری توجہ بلکہ پوری قوت ”تحت السرة“ کے اضافہ کے صحیح ہونے میں تو صرف کردی مگر اس کی تخریج کے حوالے سے خاموشی اختیار کی، آخر کیوں؟ کیا ”وکعب عن موسی بن عمیر عن علقمہ عن ایبہ“ کی اس سند سے اس موضوع کی کہیں کوئی روایت نہیں تھی کہ اس بارے میں انہوں نے چپ سادھ لی ہے۔ اگر تھی، تو اس سے خاموشی اور بے اعتنائی کیا اس خطرہ کی بنا پر نہیں کہ اس سے تو اس زیادت کا بھرم کھل جائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ”الرقیب العلیم بالنیات“ ہیں جیسا کہ انہوں نے اس روایت پر بحث کے اختتام پر لکھا ہے مگر اسلوب سے ہٹ کر اس کی تخریج سے خاموشی اس بات کی چغلی نہیں کھا رہی کہ یہاں معاملہ رکھ رکھاؤ اور صفاتی ہے۔ بصورت دیگر یہ ساری کارروائی طفل تسلی قرار پائے گی اور مسلکی حمیت کا شاخسانہ ٹھہرے گی۔

ہم عرض کرتے ہیں امام وکیع کی اس سند سے یہ روایت مند امام احمد (ج: ۴، ص: ۳۱۶)، سنن دارقطنی (ج: ۱، ص: ۲۸۶) اور شرح السنۃ للبقوی (ج: ۳، ص: ۳۰) میں ”تحت السرة“ کے بغیر

ہے۔ امام وکیع کے معاصر امام عبداللہ بن مبارک نے بھی یہ روایت موسیٰ بن عمیر سے اس زیادت کے بغیر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہونساں (ج: ۱، ص: ۱۰۵) السنن الکبریٰ لہ ایضاً التہمید (ج: ۲۰، ص: ۷۲)، امام وکیع کے تیسرے معاصر امام ابو نعیم رضی اللہ عنہ فضل بن دکین بھی اسے بغیر زیادت کے روایت کرتے ہیں ملاحظہ ہو: التہمید (ج: ۲۰، ص: ۷۲)، السنن الکبریٰ للبیہقی (ج: ۲، ص: ۲۸)، الحکم الکبیر للطبرانی (ج: ۲۲، ص: ۹) تہذیب الکمال للزمزلی (ج: ۱۱، ص: ۳۹۹) ترجمہ موسیٰ بن عمیر۔

یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے معروف وکیل علامہ نیوی نے التعلیق الحسن میں اس اضافہ کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے اس کے بارے میں حافظ قاسم بن قطلوبغا، علامہ ابوالطیب المدنی اور شیخ عابد سندھی کے حوالے سے لکھا ہے انہوں نے اسے سند جید، رجالہ ثقافت قرار دیا ہے۔ پھر علامہ محمد حیات سندھی کا موقف بیان کیا ہے کہ یہ زیادت کا تب کی غلطی کا کرشمہ ہے اس کے بعد اس کے جواب میں علامہ قائم سندھی کی فوز الکرام سے علامہ حیات سندھی کی تردید نقل کی ہے کہ یہ زیادت صحیح ہے۔ یہ ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”الانصاف ان هذه الزيادة وان كانت صحيحة لوجودها في اكثر النسخ من المصنف لكنها مخالفة الروايات الثقات فكانت غير محفوظة“

(التعلیق الحسن، ص: ۷۱ ط ملتان)

انصاف کی بات یہ ہے کہ زیادتی اگرچہ ”المصنف“ کے اکثر نسخوں میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے لیکن یہ زیادت ثقافت کی روایات کے مخالف ہے اس لیے غیر محفوظ ہے۔ ”اکثر نسخوں“ کی بات تو ان شاء اللہ ہم بعد میں کریں گے۔ یہاں ہمیں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علامہ نیوی اس زیادت کو غیر محفوظ قرار دیتے ہیں اور وہ علامہ قاسم وغیرہ کے ہموا نہیں ہیں کہ اسے بطور استدلال پیش کیا جائے۔

بلکہ مولانا بدر عالم نے فیض الباری کے حاشیہ میں علامہ نیوی کا یہی موقف ان کی ایک دوسری کتاب ”الدرة النصرية في وضع الیدین تحت السرة“ سے نقل کیا ہے کہ علامہ موصوف شیخ قاسم اور شیخ عابد سندھی اور علامہ ابوالطیب المدنی کے موقف کے برعکس اس روایت کی توثیق پر مطمئن نہیں ان کے الفاظ ہیں:

لم يترض به العالمه ظهير احسن رحمه الله تعالى وذهب الى ان ”تلك الزيادة معلولة“

(حاشیہ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۶۷)

”علامہ ظہیر احسن نیوی رضی اللہ عنہ اس کی توثیق پر راضی نہیں، وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ زیادت معلول ہے۔“

ظاہر ہے کہ امام وکیع اور ان کے دوسرے معاصرین کی روایات ذخیرہ کتب احادیث میں موجود

ہیں اور ان میں ”تحت السرة“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ المصنف کے کئی نسخوں میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے اب یہ علم و دیانت کی کون سی معراج ہے کہ ”نا قابل اعتماد“ اور ”غلط نسخوں“ کی بنا پر اسے صحیح قرار دیا جائے اور دوسرے نسخہ میں ابراہیم نخعی کے اثر کا ساقط ہونا بھی انہوں نے تسلیم کیا۔ جیسا کہ پہلے ضروری وضاحت گزر چکی ہے۔

رہی علامہ نیوی کی یہ بات کہ المصنف کے ”اکثر“ نسخوں میں یہ زیادتی پائی جاتی ہے۔ تو یہ بات دراصل انہوں نے پہلے علامہ قائم سندھی کے رسالہ فوز الکرام کے حوالے سے نقل کی ہے، اور اسی تناظر میں انہوں نے اکثر نسخوں میں اس کے وجود کا ذکر کیا ہے۔ خود انہوں نے کسی نسخہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ ”الدرة المصرة“ میں مکتبہ محمودیہ کا نام انہوں نے لیا ہے کہ اس کے نسخہ میں یہ زیادت موجود ہے۔ اور یہ وہی نسخہ ہے جسے شیخ عوامہ ”لالا اعتماد علیہا“ کہہ کر نا قابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔

فوز الکرام کا نسخہ پیر جنڈا کے مکتبہ میں راقم کی نظر سے گزرا ہے، اور اس کی ایک نقل راقم کے پاس بحمد اللہ موجود ہے۔ اس کے حوالے سے علامہ نیوی نے جو نقل کیا وہ عبارت اس وقت بھی پیش نظر ہے۔ جس میں شیخ قائم نے شیخ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کے نسخہ اور شیخ قاسم کا ”التصریف والاخبار بتخریج احادیث الاختیار“ میں اس روایت کو نقل کرنے کا ذکر ہے۔ اب بتلائیے کہ یہ ”دو نسخے“ کیوں کر بن گئے۔ ان دونوں نسخوں کے حوالے سے یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے اور شیخ قاسم کا نسخہ ہی ناقص ہے۔ اس پر اعتماد چہ معنی دارد؟

اس کے برعکس علامہ انور شاہ کشمیری مرحوم علامہ حیات سندھی کا موقف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ولا عجب ان یکون كذلك فانی راجعت ثلاث نسخ للمصنف فما وجدته فی واحدة منها“

(فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۶۷)

یعنی کوئی تعجب نہیں کہ بات اسی طرح ہو جیسے علامہ حیات سندھی نے کہی ہے۔ خود میں نے المصنف کے تین نسخے دیکھے ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی میں نے اس (تحت السرة) کو نہیں پایا۔ علامہ کشمیری نے ان تین نسخوں کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کن مکتبات میں تھے۔ لیکن دو کے مقابلے میں یہ بہر حال تین ہیں، اور شیخ عوامہ نے المصنف (ج: ۳، ص: ۳۲۱) کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے کہ چار نسخوں میں یہ زیادت نہیں ہے۔

مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے بھی انہی نسخوں پر اعتماد کیا محرف نسخہ پر نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں شیخ کمال یوسف کی مراجعت سے دارالتاج بیروت سے جو المصنف کا نسخہ شائع ہوا ہے اس میں بھی ”تحت السرة“ کا اضافہ نہیں ہے۔ مگر بعد میں طیب اکادمی ملتان نے اس میں اضافہ کر دیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ شیخ حمد بن عبداللہ اور شیخ محمد بن ابراہیم کی تحقیق سے ”المصنف“ کی ایک

جلد شائع ہوئی۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ مکمل شائع ہوا ہے یا نہیں۔ اس نسخہ کو انہوں نے آٹھ قلمی نسخوں اور تین مطبوعہ نسخوں کے تقابل سے شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں انہوں نے ادراۃ القرآن کی طرف سے محرفہ نسخہ کا بھی ذکر کیا۔ لکھتے ہیں:

”هذا الحديث يوجد في الطبقات الثلاث من المصنف (ج ۱، ص ۳۹۰) بدون هذه الزيادة ولم يعثر ناشرها الى النسخة التي وجدت فيها هذه الزيادة وأين توجد هذه النسخة، فعلى هذا سقطت هذه الطبعة من الاعتماد عليها بل حتى جميع مطبوعات هذه الدار يجب ألا يعتمد عليها، فماذا بعد الكذب على النبي ﷺ“

(مقدمہ المصنف، ج: ۱، ص: ۵۰ الفصل الثانی)

”یہ حدیث المصنف کے تین نسخوں (ج: ۱، ص: ۳۹۰) میں اس زیادت کے بغیر ہے۔ ناشر ادراۃ القرآن نے اس نسخہ کی نشان دہی نہیں کی جس میں یہ زیادتی ہے اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ یہ نسخہ کہاں ہے۔ اس بنا پر ادراۃ القرآن کے شائع کردہ نسخہ پر اعتماد نہیں رہا بلکہ اس کی تمام مطبوعات قابل اعتماد نہیں رہی۔ جو نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے اس پر کیا امید ہو سکتی ہے۔

تین مطبوعہ نسخوں اور آٹھ خطی نسخوں کے برعکس ادراۃ القرآن کی جسارت پر جو صدائے احتجاج ان حضرات نے بلند کی ہے بھلا اس کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ اکثر نسخوں میں یہ زیادت موجود ہے۔ کلام کلا۔

۵۔ علامہ علاء الدین ابن الترمکانی (المتوفی: ۴۵۷ یا ۴۹۷) نے ”الجوہر النقی“ میں امام بیہقی پر تعاقب کے ساتھ ساتھ حنفی مسلک کی جو وکالت کی ہے اہل علم اس کی حیثیت سے باخبر ہیں۔ نماز میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں بھی انہوں نے اپنے مسلک کا دفاع کیا اور اسی ضمن میں امام بیہقی کے موقف کے برعکس مصنف ابن ابی شیبہ سے ابو یوسف کا اثر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے بارے میں بالاستناد نقل کرتے ہیں۔ (الجوہر النقی، ج: ۲، ص: ۳۱) انصاف شرط ہے کہ اگر المصنف میں حضرت وائل کی روایت میں ”تحت السرّة“ کے الفاظ ہوتے تو وہ انہیں ذکر نہ کرتے؟ امام بیہقی نے حضرت وائل کی روایت موسیٰ بن عمیر کی سند سے بھی ذکر کی ہے جس میں ”تحت السرّة“ نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور مؤمل بن اسماعیل عن الثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل کی سند سے ”علی صدرّة“ کے الفاظ بھی ذکر کیے ہیں۔ علامہ مارینی پہلی روایت پر بالکل خاموش ہیں اور دوسری پر مؤمل کی بنا پر جرح کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں المصنف میں ”سند جید“ سے ”تحت السرّة“ کی روایت ہوتی تو وہ بھی یقیناً ذکر کرتے۔ ان کی یہ خاموشی بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ ”المصنف“ کے کسی قابل اعتماد نسخہ میں ۴۵۷ھ تک ”تحت السرّة“ کے الفاظ نہیں ہے۔

ہماری ان گزارشات سے نصف النہار کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”المصنف“ میں ”تحت السرة“ کا اضافہ حضرت وائل بن زینبؓ کی حدیث میں قطعاً صحیح نہیں، اور شیخ محمد عوامہ نے چار نسخوں کے مقابلے میں جن دو نسخوں کی بنیاد پر اضافہ کیا اور اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی، ان کے بنیاد میں درست نہیں۔ قدیم اور صحیح نسخوں کو نظر انداز کر کے ناقابل اعتماد اور غلط نسخہ پر کی بنیاد محض مسلکی حمیت کا شاخسانہ ہے، یہ کوئی علم کی خدمت نہیں۔ پھر ادارۃ القرآن کراچی کے طبع ہونے والے محرف نسخہ کا جو دفاع کیا وہ بھی ان کی علمی ثقاہت و دیانت کے منافی ہے۔ ان تو کسی قدر طیب اکادمی اور مکتبہ امدادیہ ملتان والے ہی بہتر نکلے کہ انہوں نے دارالفکر سے طبع ہونے والے نسخہ کو جب شائع کیا تو اس میں گو ”تحت السرة“ کا اضافہ کیا مگر یہ اضافہ بریکٹ میں (تحت السرة) کیا۔ مگر اس کے حاشیہ میں جو انہوں نے لکھا وہ ان کے تعصب بلکہ ان کی بے خبری کا منہ بولتا ہے، لکھتے ہیں:

”تحت السرة، هذه الفاظ موجودة في بعض نسخ المصنف وزيادة الثقة معتبرة، ولم نرها احد الا محمد حیات السندهی المتوفى ۱۱۶۸ھ الذي كان تلميذا لمحمد معين تنوى

سبعی الخ

”کہ ”تحت السرة“ کے الفاظ ”المصنف“ کے بعض نسخوں میں ہیں اور ثقہ کی زیادت معتبر ہوتی ہے۔ اس کا انکار سوائے محمد حیات سندهی (المتوفى: ۱۱۶۵ھ) کے کسی اور نے نہیں کیا جو محمد معین ٹھٹھوی شیعہ کے شاگرد تھے۔“ لیجیے یہ ہے بنیاد اس اضافے کی۔

اولاً: تو انہوں نے خود کسی نسخہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کے ثبوت کا مدار صرف علامہ محمد ہاشم سندهی کی ”درہم الصرة“ پر ہے جیسا کہ حاشیہ میں انہوں نے لکھا بلکہ اس جلد کے آخر میں یہ رسالہ بھی شائع کر دیا۔ اس رسالہ میں جو بنیاد شیخ محمد ہاشم نے ذکر کی اس کی حقیقت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ ثانیاً: محشی کی علمی پختگی پر یہ جملہ ہی دال ہے ”وزيادة الثقة معتبرة“ جناب من! یہ زیادت ثقہ نہیں ثبوت نسخہ کا مسئلہ ہے۔

ثالثاً: کہا گیا کہ اس کا انکار سوائے علامہ محمد حیات سندهی کے اور کسی نے نہیں کیا۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ علامہ نیوی اور علامہ کشمیری نے بھی اس زیادت کو ”غیر محفوظ“ اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کا انکار مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے بھی کیا جیسا کہ پہلے ہم نقل کر آئے ہیں۔ پھر محشی کو شاید علم نہیں کہ شیخ محمد ہاشم کا رسالہ ”درہم الصرة فی اظہار غش نقد الصرة“ کے سرورق پر لکھا ہے کہ انہوں نے یہ رسالہ اپنے شیخ ابوالحسن کے مشورہ اور تعاون سے لکھا ہے، اور اسی رسالہ میں بھی انہوں نے ”المصنف“ کے نسخہ میں اس اضافہ کو کاتب کی غلطی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ یہ اس بات کا

ثبوت ہے کہ ”تحت السرة“ کے اضافہ کا انکار صرف علامہ محمد حیات سندھی ہی نے نہیں کیا ان کے شیخ ابوالحسن سندھی نے بھی کیا ہے۔ مزید برآں عرض ہے کہ درہم الصرة کا جواب شیخ پیر سید رشد اللہ شاہ پیر آف جھنڈا صاحب العلم الرابع نے ”درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر“ میں دیا ہے۔ جس کے کلمہ افتتاحیہ میں انہوں نے لکھا ہے:

”فہذا تعلیق انیق وتحقیق عمیق ابدیتہ لاظہار ما فی الرسالة المسمدة بدرہم الصرة فی وضع الیدین تحت السرة من الغش الموجب للعار“

اس لیے یہ کہنا کہ اس اضافہ کا انکار شیخ محمد حیات کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا، قطعاً غلط اور محشی کی بے خبری کی دلیل ہے۔

رابعاً: محشی کے تعصب کا اندازہ کیجیے کہ وہ شیخ محمد ہشام کا ذکر خیر تو ”الشیخ محمد ہاشم السندی“ کے الفاظ سے کرتا ہے مگر شیخ محمد حیات کے بارے میں صرف ”محمد حیات“ لکھتا ہے۔

خامساً: اس کے تعصب کی آگ اسی پر سرد نہیں ہوئی بلکہ ”محمد حیات“ کے تعارف میں مزید لکھتا ہے: ”وہ محمد معین ٹھٹھوی شیعہ کا شاگرد تھا۔“ ”محمد معین السندی کون تھے اور کیسے تھے؟ ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے۔ اگر وہ شیعہ تھے اور علامہ محمد حیات کا ان سے تلمذ جرم ہے تو جابر بن یزید محشی جیسے رافضی سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا تلمذ چہ معنی دارد؟ ادھر محمد معین کے تلمذ کا الٹا اثر شیخ محمد حیات پر یہ ہوا کہ ”ابطال الضرائح“ لکھ کر انہوں نے قبورین اور شیعوں کا رد کیا۔ پھر شیخ سندھی نے علامہ ابوالحسن السندی المدنی سے حدیث کا درس لیا اور ان کی وفات کے بعد انہی کی مسند کے امین بنے، اور ۲۴ سال تک حرم نبوی میں ان کی مسند پر درس حدیث دیا۔

ان کے علاوہ شیخ عبداللہ سالم المکی، شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی اور شیخ حسن بن علی العجمی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ مگر محشی کو اپنے خبث باطن کی بنا پر یہ مشائخ نظر نہیں آتے۔ مولانا سید عبدالحی لکھنوی انہیں ان القاب سے یاد کرتے ہیں:

”الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث محمد حیات۔“

(نزہة الخواطر، ج: ۶، ص: ۳۰۱)

سادساً: محشی نے شیخ محمد حیات کی وفات ۱۱۶۸ھ میں ذکر کی ہے مگر یہ بھی غلط ہے ان کی وفات ۱۱۶۳ھ میں ہوئی جیسا کہ سید عبدالحی نے ذکر کیا ہے: ”سنة ثلاث وستین و مائة والف“ اس وضاحت سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ”تحت السرة“ کا اضافہ کرنے والے کس قدر حق و انصاف کے پاسدار ہیں۔ جن کے تعصب کا یہ عالم ہو وہ اگر اسے صحیح قرار دیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

الکتاب المصنف

فی
الأحادیث والآثار

للإمام الحافظ
أبي بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة
الكوفي العباسي
المتوفى سنة ۲۴۵هـ

نسطر وصححه وترجمته وأبوابه وأعاديه
محمد عبد السلام شاهين

الجزء الأول

يحتوي على الكتب التالية:
الطهارات - الأذان والإقامة - الصلوات

دار الكتب العلمية

بيروت - لبنان

لا یصلی رکعتی الفجر فی السفر.

۳۹۲۹ — **حدَّثنا** جریر عن قابوس عن أبيه عن عائشة قالت: أما ما لم يدع مسحاً ولا مريئاً في سفر ولا حضر غائباً ولا شاهداً، تعني النبي ﷺ فركعتان قبل الفجر.

۳۹۳۰ — **حدَّثنا** هشيم قال أخبرنا حصين قال سمعت عمرو بن ميمون الأودي يقول: كانوا لا يتركون أربعاً قبل الظهر وركعتين قبل الفجر على حال.

۳۹۳۱ — **حدَّثنا** زكيع عن حبيب بن جري عن أبي جعفر قال: كان رسول الله ﷺ لا يدع الركعتين بعد المغرب والركعتين قبل الفجر في حضر ولا سفر.

۳۹۳۲ — **حدَّثنا** هشيم قال أخبرنا ابن غون عن مجاهد قال سأله أكان ابن عمر يصلی رکعتی الفجر قال: ما رأيته يترك شيئاً في سفر ولا حضر.

(۱۶۵) وضع اليمين على الشمال

۳۹۳۳ — **حدَّثنا** أبو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال: حدثنا مغيرة بن صالح قال حدثني يونس بن سيف العنسي عن الحرث بن غطفان أو غطفان بن الحرث الكندي شك مغيرة قال: مهما رأيت نسيت لم أفس اني رأيت رسول الله ﷺ وضع يده اليمنى على اليسرى، يعني في الصلاة.

۳۹۳۴ — **حدَّثنا** زكيع عن شفيق عن سماك عن قبيصة بن هنب عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ واضعاً يمينه على شماله في الصلاة.

۳۹۳۵ — **حدَّثنا** ابن إدريس عن عاصم بن كليب عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله ﷺ حين كتب أخذ بشماله بيمينه.

۳۹۳۶ — **حدَّثنا** زكيع عن إسعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورق العجلي عن أبي اندرداه قال: من أحلقت اليمين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

۳۹۳۷ — **حدَّثنا** زكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ «كأنني أنظر إلى أخبار بني إسرائيل واسمعي آياتهم على شمالاهم في الصلاة».

۳۹۳۸ — **حدَّثنا** زكيع عن موسى بن عمير عن علفمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة.

۳۹۳۹ — **حدَّثنا** زكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت اليد.

الکتاب المصنف

الاحادیث والاشیاء

الإمام الحافظ
أبو بكر عبد الله بن محمد بن أحمد بن حنبل
الثقفي سنة ۲۴۵ هـ

تقديم وضبط
كمال يوسف الحوت

الجزء الأول

دار التناج

(۱۶۳) الرجل یصلی رکعة قائماً ورکعة جالساً

۳۹۲۶ - حدثنا أبو بكر قال حدثنا عباد بن العوام عن هشام عن الحسن قال لا بأس أن یصلی الرجل رکعة قائماً ورکعة قاعداً.

۳۹۲۷ - حدثنا وكيع قال حدثنا شعبة عن الحكم وحماد قال لا بأس أن یصلی الرجل رکعة قائماً ورکعة قاعداً ثم قال وكيع بأخرة عن شعبة عن الحكم وثم يذكر حماداً.

(۱۶۴) رکعتا الفجر تصليان في السفر

۳۹۲۸ - حدثنا أبو بكر قال أنا أبو أسامة قال حدثنا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال كان لا یصلی رکعتی الفجر في السفر.

۳۹۲۹ - حدثنا جرير عن قابوس عن أبيه عن عائشة قالت: أم ما لم یدع صحیحاً ولا مریضاً في سفر ولا حضر غائباً ولا شاهداً تعني النبي ﷺ فرکعتان قبل الفجر.

۳۹۳۰ - حدثنا هشيم قال أخبرنا حصين قال سمعت عمرو بن ميمون الأودي يقول كانوا لا یترکون أربعاً قبل الظهر ورکعتين قبل الفجر على حال.

۳۹۳۱ - حدثنا وكيع عن حبيب بن جري عن أبي جعفر قال كان رسول الله ﷺ لا یدع الرکعتين بعد المغرب والرکعتين قبل الفجر في حضر ولا سفر.

۳۹۳۲ - حدثنا هشيم قال أخبرنا ابن عون عن مجاهد قال سأته أكان ابن عمر یصلی رکعتی الفجر قال ما رأيت یترک شيئاً في سفر ولا حضر.

(۱۶۵) وضع اليمين على الشمال

۳۹۳۳ - حدثنا أبو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال حدثنا معاوية بن صالح قال حدثني يونس بن سيف العنسي عن الحارث بن عطف أو عطف بن الحارث الكندي شك معاوية قال: بما رأيت نسيت لم أنس أني رأيت رسول الله ﷺ وضع يده اليمينى على اليسرى يعني في الصلاة.

۳۹۳۴ - حدثنا وكيع عن سفيان عن سماك عن قبيصة بن هلب عن أبي قال رأيت النبي ﷺ واضعاً يمينه على شماله في الصلاة.

۳۹۳۵ - حدثنا ابن إدريس عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال رأيت رسول الله ﷺ حين كبر أخذ شماله بيمينه.

۳۹۳۶ - حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مروق العنجي عن أبي الدرداء قال من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

مُصَنَّفٌ

ابن ابی شیبہ

فی الأحادیث والآثار

للحافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان
ابن ابی بکر بن ابی شیبہ الکوفی فی العیسوی المتوفی سنة ۲۴۵ھ

طبعة مستكملة النص ومنقحة ومشكولة ومرقمة الأحاديث ومفهرسة

الجزء الأول

الطهارات، الأذان والإقامة، الصلاة

صَبَّطَهُ وَعَلَّقَ عَلَيْهِ
الامتاز سعيد اللحام

الإشراف الفني والمراجعة والتصحيح: مكتب الدراسات والبحوث في دار الفكر

دار الفكر

کتاب الصلاة - رکعتا الفجر نصیان - وضع اليمين على الشمال ۴۴۷

(۴) حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورق العجلي عن أبي الدرداء قال: من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(۵) حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَحْبَابِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَضْعِي أَيْمَانَهُمْ عَلَى شِمَائِلِهِمْ فِي الصَّلَاةِ.

(۶) حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وإيل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة.

(۷) حدثنا وكيع عن ربع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

(۸) حدثنا وكيع قال: حدثنا عبد السلام بن شداد الحريري أبو طالوت قال: سأ غزوان بن جريز الضبي عن أبيه قال: كان علي إذا قام في الصلاة وضع يمينه على راسه ولا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع إلا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده.

(۹) حدثنا وكيع قال: حدثنا يزيد بن زياد عن أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عتبة بن زهير عن علي في قوله ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرْ﴾ قال: وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(۱۰) حدثنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا حجاج بن حسان قال: سمعت أبا مجلز أو سأله قال: قلت كيف يصنع قال: يضع يمينه على ظاهر كفه شماله ويجعلها أسفل من السرة.

(۱۱) حدثنا يزيد قال: أخبرنا الحجاج بن أبي زبيب قال: حدثني أبو عثمان أن النبي ﷺ مر برجل يصلي وقد وضع شماله على يمينه فأخذ النبي ﷺ يمينه ووضعها على شماله.

(۱۲) حدثنا جرير عن مغيرة عن أبي معشر عن إبراهيم قال: لا بأس بأن يضع اليمنى على اليسرى في الصلاة.

(۱۳) حدثنا أبو معاوية عن عبد الرحمن بن إسحاق عن زياد بن زيد السوائي عن أبي جحيفة عن علي قال: من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر.

(۱۴) حدثنا يحيى بن سعيد عن ثور عن خاتم بعدان عن أبي زياد مولى آل دراج ما رأيت فنتسيت فإني لم أنس أن أبا بكر كان إذا وضع يمينه على اليسرى في الصلاة قال هكذا فوضع اليمنى على اليسرى.



(ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا)

الجزء الاول

من

مصنف

ابن ابی شیبہ

فی

الاحادیث

و الاثار و استنباط أئمة التابعين و اتباع التابعين المشهودين لهم بالخير
للامام الحافظ المتقن النحرير الثبت الثقة الشهير بابي بكر عبد الله بن محمد بن
ابراهيم بن عثمان بن ابی شيبه الكوفي العباسي المتوفى سنة ۲۳۵ هـ و كوفي
من مفاخره التي امتاز بها بين الأئمة المشهورين كونه من اساتذة البخارى
و مسلم و أبى داود و ابن ماجه و خلائق لا تحصى

(و اعتنى بتصحيحه و تنسيقه و نشره بحب السنة النبوية و خادمتها)

(عبد الخالق خان الافغانى رئيس المصححين بدائرة المعارف العثمانية فى الغابر)

و نائب صدر جمعيت العلماء حيدرآباد - اے - پی (الهند)

عنى بطبعه و اهتم بنشره خادم القوم

محمد جهانگير على الانصارى

و عميد مولانا ابو الكلام اكادمى

انصارى لاج، مدينه بلذينگ، حيدرآباد (الهند)

فون : ۴۴۲۳۲ (حقوق الطبع محفوظه) سنه ۱۳۸۶ ۱۹۶۶ م

طبع هذا الكتاب فى المطبعة العزيزية سنه ۱۳۸۶ ۵ بحيدرآباد (الهند)

مکتبه نشاۃ ثانیہ

عظم جامہی مارکیٹ حیدرآباد ۱۰۵



کتاب الصلوات ج ۱ -

مصنف ابن ابی شیبہ

و وضع الیمین علی الشمال

حدثنا ابو بکر قال حدثنا زید بن حباب قال حدثنا معاویہ بن صالح قال حدثنی یونس بن سیف العنسی عن الحارث بن غطفان أو غطفان بن الحارث الکندی شک معاویہ قال مہما رأیت نسیت لم أنس انی رأیت رسول اللہ ﷺ وضع یدہ الیمنی علی الیسری یعنی فی الصلوۃ ، حدثنا وکیع عن سفیان عن سماک عن قیصۃ بن کلب عن ایہ قال رأیت النبی ﷺ واضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ ، حدثنا ابن ادریس عن عاصم بن کلب عن ایہ عن وائل ابن حجر قال رأیت رسول اللہ ﷺ حین کبر أخذ بشمالہ یمینہ ، حدثنا وکیع عن اسماعیل بن ابی خالد عن الاعمش عن بخامد عن موروک العجلی عن ابی الدرداء قال من اخلاق النیین وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ، حدثنا وکیع عن یوسف بن میمون عن الحسن قال قال رسول اللہ ﷺ کأنی أنظر الی أجار بنی اسرائیل واضعی أیمانہم علی شمالہم فی الصلوۃ ، حدثنا وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ایہ قال رأیت النبی ﷺ وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ ، حدثنا وکیع عن ربیع عن ابی معشر عن ابراہیم قال یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السرة ، حدثنا وکیع قال حدثنا عبد السلام بن شداد الحریری ابوطالوت قال نا غروان ابن جریر الضبی عن ایہ قال کان علی اذا قام فی الصلوۃ وضع یمینہ علی رسع یمارہ ولا یزال کذلک حتی یرکع متی ما رکع الا أن یصلح ثوبہ أو ینسہ ، حدثنا وکیع قال حدثنا یزید بن زیاد عن ابی الجعد عن عاصم الجحدری عن عقبۃ بن ظہیر عن علی فی قوله فصل لربک وانحر قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ، حدثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا

الحجاج

الاصول

للإمام الأکبر حجة الثقة الثابت
عبد الله بن محمد بن إسماعيل بن محمد بن أبي بكر العمري المعروف بابن أبي شيبة
رحمه الله تعالى. للثبوت ۱۲۳۵

الجزء الثاني

حقيقه ومان عليه فضيلة الشيخ الحدوت شهبزو والناظر المصنف

عبد الله بن محمد بن إسماعيل بن محمد بن أبي بكر العمري



۳۹۰۴ - حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورق عن أبي الدرداء قال : من أحلق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة .

۳۹۰۵ - حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال : قال رسول الله ﷺ : كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعى أيماهم على شمالتهم في الصلاة .

۳۹۰۶ - حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال : رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة .
 [۳۹۰۷^(۱)] - حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال : يضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة .

۳۹۰۸ - حدثنا وكيع قال : حدثنا عبدالسلام بن شداد الحريري^(۲) بوظالوت عن غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال : كان عليّ إذا قام في الصلاة وضع يمينه على راسه ، ولا يزال كذلك حتى يركع متى ماركع ، إلا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده .

۳۹۰۹ - حدثنا وكيع قال : حدثنا يزيد بن زياد عن^(۳) أبي الجعد عن ناصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن علي في قوله : ﴿فصل لربك انحر﴾ قال : وضع اليمين على الشمال في الصلاة .

(۱) سقط من الأصل إلا آخره مدرجا فيما فوقه ، واستدركنه من ب والخذراآبادية .

(۲) كذا في الأصول ، ونسبه في التهذيب عبد يا قبا ولم ينعه بالحريري .

(۳) كذا في الأصول كلها ، وإعل الصواب (بن) لأن جده أبو الجعد واليروي عنه إنما يروي عن ابن أبي الجعد (عمه) .

(۵) عن ابی جحیفۃ ان علیا قال السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ۔
(ابو داؤد، نسخۃ ابن الاعرابی ص ۲۸۰ و بیہقی ص ۳۱ ج ۲ و مسند احمد ص ۱۱۰ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۱ ج ۱ و دارقطنی ص ۲۸۶ ج ۱)
حضرت ابو جحیفۃ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا مسنون ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)

الجواب اولاً: ہتھیلی پر ہتھیلی، رکھنا حنفیہ کے خلاف ہے، تفصیل پہلی دلیل کے جواب میں درج کردی گئی ہے، ایسا ہی اس میں مرد و عورت کا فرق نہیں، الغرض یہ حنفیہ کے موافق نہیں
ثانیاً: بعد کی مطبوعات میں انوار خورشید صاحب نے آخری تین کتابوں کا حوالا حذف کر دیا ہے سمجھ سے بالا ہے کہ ایسا کیوں کیا ہے۔

ثالثاً: اس کی سند میں، زیاد بن زید راوی مجہول ہے، جیسا کہ امام ابو حاتم نے (الجرح والتعذیل ص ۵۳۲ ج ۳ و تہذیب ص ۳۶۹ ج ۳) میں علامہ خزرجی نے (خلاصہ ص ۳۳۴ ج ۱) میں علامہ ذہبی نے (میزان الاعتدال ص ۸۹ ج ۲) میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (تقریب ص ۱۱۰) میں صراحت کی ہے، اور زیاد سے روایت نقل کرنے والا، عبدالرحمن بن اسحاق راوی ہے، یہ بالا اتفاق ضعیف ہے، علامہ ابن ہمام حنفی اور علامہ حلبی حنفی فرماتے ہیں کہ

قال النووی اتفقوا علی تضعیفہ لانہ من رواۃ عبدالرحمن بن اسحاق الواسطی مجمع علی ضعفہ،

یعنی اس روایت کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے کیونکہ یہ عبدالرحمن بن اسحاق واسطی کی روایت سے مروی ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر آئمہ و جرح تعدیل متفق ہیں۔

(فتح القدیر ص ۲۴۹ ج ۱ و مستملی ص ۳۰۱)
امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ضعیف اور منکر الحدیث ہے، امام ابن معین امام بخاری رحمہ اللہ نے فیہ نظر اور امام ابو زرہ نے منکر الحدیث اور ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے،

(تہذیب التہذیب ص ۱۳۷ ج ۶ و میزان الاعتدال ص ۵۴۸ ج ۲ و تاریخ کبیر ص ۲۵۹ ج ۳ ق ۱ و تقریب ص ۱۹۸)
کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی کتب رجال میں واسطی کے حق میں منقول نہیں، امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص ۳۱ ج ۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، دیوبندی مکتب فکر میں سے مولانا عبدالحی لکھنوی نے (السعایہ ص ۱۵۶ ج ۲) میں ان کے شاگرد علامہ نیوی نے (التعلیق الحسن ص ۹۱) میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے (بذل المجہود ص ۲۳ ج ۲) میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے (فتح الملہم ص ۴۰ ج ۲) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص ۴۴۴ ج ۲) میں مولانا تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص ۲۴ ج ۲)

میں اور مولوی عبدالقیوم تھانی نے (توضیح السنن ص ۵۵۶ ج ۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) عن ابی وائل قال قال ابو ہریرۃ اخذ الاکف علی الاکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔

(ابو داؤد نسخۃ ابن الاعرابی ص ۲۸۰ ج ۱ و محلی ابن حزم ص ۳۰ ج ۳)

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں

پر ناف کے نیچے رکھا جائے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)

الجواب اولاً: اس کی سند میں بھی، عبدالرحمن بن اسحاق واسطی کوفی ہے، امام ابو داؤد اسے روایت

کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ

قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یضعف عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی۔

میں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے سنا وہ (اس کے راوی) عبدالرحمن بن اسحاق کوفی کی تضعیف

کرتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاة الحدیث ۷۵۸، مطبوعہ دارالسلام) و

ابو داؤد مع عون المعبود ص ۲۷۵ ج ۱ و تحفۃ الاشراف بمعرفة الاطراف ص ۱۱۱ ج ۱، رقم الحدیث ۱۳۴۹۴)

جبکہ ایک نسخہ میں ہے۔

قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یضعف حدیث عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی۔

یعنی میں نے امام احمد رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ عبدالرحمن بن اسحاق کوفی کی (اس روایت کو) ضعیف

قرار دیتے تھے (ابو داؤد مع بذل المجہود ص ۲۲ ج ۲) الغرض یہ روایت بھی بوجہ عبدالرحمن بن اسحاق ضعیف

ہے، عبدالرحمن کا حال گذشتہ روایت کے ضمن میں گزر چکا ہے، دیوبندی علماء میں سے علامہ نیوی نے،

(العلیق الحسن ص ۹۱) میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے (فتح الملہم ص ۴۰ ج ۲) میں اور مولانا خلیل احمد

سہارنپوری نے، (بذل المجہود ص ۲۲ ج ۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے،

ثانیاً: امام ابن حزم رضی اللہ عنہ نے، محلی میں اس روایت کو تعلیقاً (بلا سند) درج کیا ہے، لہذا ابو داؤد

کے حوالے کے ساتھ اس کا ذکر مناسب نہ تھا۔

ثالثاً: یہ حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے، ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ہتھیلی پر ہتھیلی رکھنا ان کے

ہاں معمول نہیں۔

رابعاً: محترم نے، ابو وائل کے ساتھ رضی اللہ عنہ، کا اضافہ بھی کیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انوار

صاحب انہیں صحابی خیال کرتے ہیں، حالانکہ ابو وائل (شفیق بن سلمہ) تابعی ہیں صحابی نہیں۔

(دیکھئے، تہذیب ص ۳۱۷ ج ۴ و الجرح والتعديل ص ۳۷۱ ج ۴، و کتاب الثقات ص ۳۰۴ ج ۴ و طبقات ابن سعد

ص ۹۶ ج ۶ و تاریخ ابن معین ص ۲۵۸ ج ۲ و تاریخ کبیر للبخاری ص ۲۴۵ ج ۲ ق ۲ و تاریخ بغداد ص ۲۶۸

ج ۹ و ابن خلکان ص ۳۸۶ ج ۲ مترجم)۔

بلاشبہ ابو وائل نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے مگر اسلام نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد قبول کیا ہے، الغرض ابو وائل صحابی نہیں تابعی ہیں، مقلد انوار خورشید صاحب نے بعض علماء اہل حدیث کے شاذ اقوال اور تسامحات کو چن چن کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جماعت اہل حدیث جاہلوں کا ٹولہ ہے، ہم انہیں اس غلطی پر جاہل کہنے کی جسارت تو نہیں کرتے مگر اتنا ضرور عرض کرتے ہیں کہ بشری تقاضا کی وجہ سے اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو اسے اچھالنے کی بجائے درگزر کرنا اہل علم کا شیوہ ہے۔

(۷) عن علی قال ثلثة من اخلاق الانبياء تعجيل الافطار و تاخير السحور و وضع الاكف تحت السرّة في الصلاة۔ (منتخب كنز العمال برمسند احمد ص ۳۵۰ ج ۶)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق سے ہیں (۱) افطاری جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)۔

الجواب اولاً: صاحب کنز العمال (ص ۹۶ ج ۱۶ رقم الحدیث ۴۳۲۶۴) نے اس روایت کو ابن شاپین اور ابو محمد ابراہیم کی تالیف، کتاب الصلوٰۃ، سے نقل کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کتابیں نہ معروف ہیں نہ متداول، جو شخص اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح یا حسن سند بیان کرے۔

ثانیاً: یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، مثلاً: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (دارقطنی ص ۲۸۴ ج ۱) و ابن حبان (موراد) ص ۲۲۳ (۸۸۵) و بیہقی ص ۲۳۸ ج ۴ و مسند طیلکی ص ۳۴۶ (۲۶۵۴) و طبرانی کبیر ص ۱۵۹ ج ۱۱ (۱۱۴۸۵) و طبرانی الاوسط ص ۱۳۷ ج ۵ (۴۲۶۱) و ص ۵۲۶ ج ۲ (۱۹۰۵) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے (طبرانی الاوسط ص ۴۱ ج ۴ (۳۰۵۳) و عقیلی ص ۴۰۵ ج ۴ میں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، دارقطنی ص ۲۸۴ ج ۱ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، دارقطنی ص ۲۸۴ ج ۱ میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳ ج ۳ و طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزوائد ص ۱۰۵ ج ۲ و کنز العمال ص ۳۴۳ ج ۱۵ (۴۳۲۲۴) و نصب الراية ص ۴۷۰ ج ۲ میں، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دارقطنی میں (بحوالہ نصب الراية ص ۴۷۰ ج ۴) سیدنا یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے، طبرانی کبیر ص ۲۶۳ ج ۲۲ (۶۷۶) میں مروی ہے، مگر ان میں سے کسی کی روایت میں، تحت السرّة، کا اضافہ نہیں ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن شاپین وغیرہ میں، تحت السرّة، کا اضافہ کسی کمزور و سبکی الحفظ، راوی کا ہے۔ یا پھر کنز العمال میں تصحیف ہے۔

جب خاکسار پروف پڑھ رہا تھا تو ”دین الحق“ کے رد اور احیاء باطل کے لیے مبتدعین بریلویہ کے ایک صاحب نے ”نصرت الحق“ کے نام سے ادہام کا مجموعہ شائع کیا تھا۔ جس کے صفحہ ۳۷۶ پر اس اثر کی سند بھی درج کی ہے۔

اخبرنا ابو الحسن الفضل ببغداد انبا ابو عمر ابن السماك ثنا محمد بن عبد الله بن

المنأوی نا ابو حذيفة ثنا سعيد بن زربي عن ابيه عن انس الخ۔

(خلافيات البيهقي ص ۳۷ مخطوطه مكتبه ظاهريه دمشق شام).
مؤلف نصرت الحق (ای الباطل) بوجہ سند کو درست نہیں پڑھ سکا،
جبکہ سند کے صحیح الفاظ اس طرح ہیں:

اخبرنا ابو الحسين بن الفضل ببغداد انبا ابو عمرو ابن السماك ثنا محمد بن عبید الله
بن المنادی ثنا ابو حذیفه ثنا سعید بن زربی عن ثابت عن انس۔

سند کے الفاظ نقل کرنے میں مؤلف نصرت الحق سے کئی ایک اوہام ہوئے ہیں۔
(الف) ابو الحسین بن الفضل کو ابو الحسن الفضل، کر دیا۔ (ب) ابو عمرو کو ابو عمر لکھا۔ (د) المنادی کو
المنادی بنا دیا۔ (ر) عن ثابت کو عن ابیہ سے بدل دیا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی خلافيات کا مختصر چھپ گیا ہے،
اس کے صفحہ ۳۴۲ ج ۱ میں سعید بن زربی عن ثابت عن انس ہی ہے، اور مخطوط میں بھی صاف عن ثابت
ہے، ہم نے ان اغلاط کو بغرض اصلاح تحریر کر دیا ہے، امید ہے کہ اندھوں (بریلویوں) میں کا نا راجہ
(محبت علی) اس کی اصلاح کر لے گا۔

سند کا مرکزی راوی سعید بن زربی ہے، اسے امام یحییٰ بن معین نے لیس ہشیء (بچ محض) قرار دیا
ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صاحب عجائب ہے، امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے، امام
نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ثقہ نہیں، امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے پاس مناکیر سے عجائب ہیں
(تہذیب الکمال ص ۱۵۸ ج ۳)، ابو احمد الحاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سخت منکر الحدیث ہے (تہذیب
التہذیب ص ۲۵ ج ۳)، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قلت روایت کے باوجود وثقات سے موضوع ومن
گھڑت روایات نقل کرتا ہے (المجر و چین ص ۳۹۹ ج ۱)، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے متروک قرار دیا ہے
(الضعفاء والمتر وکین رقم ۲۷۲) عقیلی، ابن جوزی، ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے
(الضعفاء الکبیر ص ۱۰۶ ج ۲، میزان ص ۱۳۶ ج ۲، تقریب ص ۱۲۱)، الغرض ائمہ جرح وتعديل کے نزدیک
سعید بن زربی بالاتفاق ضعیف و متروک راوی ہے، سعید سے روایت کرنے والا راوی ابو حذیفہ کون ہے؟
اگر سعید کا ہم وطن ابو حذیفہ بصری ہے تو یہ مجہول ہے (میزان ص ۵۱۳ ج ۴، لسان ص ۳۲ ج ۷) اگر کوئی
اور ہے تو اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کی جائے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، اگر بریلوی
مکتب فکر کی بیان کردہ سند کو درست تسلیم کیا جائے تو سعید کا والد زربی بھی سعید کی طرح شدید ضعیف
ہے، جس کی وجہ سے سند میں ایک مزید خامی بھی آجاتی ہے، مگر سعید بن زربی عن ابیہ درج کرنا مولوی
محبت علی کی جہالت ہے۔

(۸) عن انس قال ثلث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار و تاخير السحور و وضع اليد.

(اليمنى على اليسرى تحت السرة). (محلئ ابن حزم ص ۳۰ ج ۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں۔ (۱) افطار جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) اور دوران نماز دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)

الجواب امام ابن حزم رضی اللہ عنہ نے محلی ص ۳۰ ج ۳ میں اس قول کو بغیر سند کے درج کیا ہے، جو شخص اس قول کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی سند درج کرے،

(۹) ذکر الاثرم قال حدثنا ابو الوليد الطيالسي قال حماد بن سلمة عن عاصم الجحدري عن عقبه بن صهبان سمع عليا يقول في قوله الله عز وجل، فصلی لربك وانحر، قال وضع اليمنى على اليسرى تحت السررة۔ (التمهيد ص ۷۸ ج ۲۰)

حضرت عقبہ بن صہبان فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد، فصل لربك وانحر، کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)

الجواب اولاً: حماد بن سلمہ سے روایت کرنے والے ابو ولید طیلوسی ہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ابو ولید نے حماد بن سلمہ سے آخری عمر میں سنا تھا جب ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، (تہذیب ص ۴۷ ج ۱۱ والجرح والتعديل ص ۶۶ ج ۳ ق ۲) اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب مختلط راوی سے روایت کرنے والا اختلاط کے دور میں روایت کرے تو اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

ثانیاً: اس میں دوسری خرابی یہ ہے کہ سند منقطع ہے، کیونکہ عاصم جحدری کی عقبہ سے ملاقات و سماع ثابت نہیں، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ عقبہ سے عاصم اپنے والد کے واسطے سے روایت نقل کرتا ہے (الجرح والتعديل ص ۳۱۳ ج ۳ قسم دوم حصہ اول) جبکہ زیر بحث سند میں والد کا واسطہ ساقط ہے۔

ثالثاً: امام حماد بن سلمہ سے موسیٰ بن اسماعیل اور شیبان دونوں راوی، علی صدرہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ لہذا ان کی روایت کو ترجیح ہے۔ کیونکہ ان کی روایات اختلاط سے قبل کی ہے، اور متصل بھی، فصل اول میں، تفسیر قرآن کی تائید، کے زیر عنوان یہ روایات گزر چکی ہیں۔

خلاصہ کلام ہمارے معاصرے نے کل ۹ دلائل نقل کیے ہیں۔ بنیاد ابو جحول تابعی کے قول کو بنایا ہے، جو نہ قرآن ہے نہ ہی حدیث نہ ہی اجماع امت اور نہ ہی قیاس صحیح ہے، حالانکہ اصول فقہ حنفی کی تمام متداول کتابوں میں انہیں چار چیزوں کو دلائل قرار دیا گیا ہے، ایسا ہی نمبر ۳۲ تا ۳۵ تابعین کے اقوال ہیں، نمبر چار مرفوع حدیث ہے مگر اس میں، تحت السرہ، کے الفاظ مبتدعین دیانہ نے بددیانتی کر کے داخل کیے ہیں، نمبر ۵ اور ۶ ضعیف روایات ہیں، نمبر ۷، ۸ بلا سند ہیں، نمبر ۹ کی سند اور متن میں اضطراب ہے (تفصیل گزر چکی ہے) الغرض مولانا محترم اپنے موقف پر کوئی صحیح یا حسن صریح مرفوع متصل حدیث

پیش نہیں کر سکے۔

سب جائز ہے: فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو کہ عام طور پر ترمذی شریف میں فقہاء کے مسالک بھی ذکر کرتے ہیں، ہاتھ باندھے کے متعلق صرف دو مسلک ذکر کئے ہیں ایک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا دوسرا ناف کے اوپر، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ورأى بعضهم ان يضعهما فوق السرة وراى بعضهم ان يضعهما تحت السرة وكل

ذلك واسع عندهم۔ (ترمذی ص ۵۹ ج ۱)

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ دونوں ہاتھ ناف کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے کہ ناف کے نیچے رکھے اور محدثین کے نزدیک یہ سب جائز ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۲)

فوق السرة کی ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ اس کا معنی ناف پر نہیں بلکہ ناف کے اوپر ہے، اور ان دونوں فقروں میں فرق ہے، جیسے کتاب میز پر ہے، پنکھا میز کے اوپر ہے، میں فرق ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ، فوق کا لفظ اپنے معنوی لحاظ سے فاصلہ پر دلالت کرتا ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ خلاصہ یہ کہ جب فوق کا لفظ جگہ کی طرف مضاف ہو تو بمعنی، علی، آتا ہے، قرآن میں۔

افلم ينظرون الى السماء فوقهم (ق ۶) کیا یہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے جو ان کے اوپر ہے۔

فوق السرة کی وضاحت: احادیث میں، صدرہ، آئی ہے، جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی

ہے کہ فوق السرة، کا معنی سینہ ہے، مولانا محترم امام ترمذی سے فوق السرة، کا جائز ہونا نقل کرتے، مگر افسوس، حاطب اللیل، کی طرح ان کی عبارت سے مغالطہ کھاتے ہوئے اہل حدیث کا رد تحریر کرتے ہیں، انا لله وانا اليه راجعون۔

فتاویٰ ثنائیہ: فرماتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات جب کوئی عمل اختیار کرتے ہیں تو چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو، اسے ثابت کرنے کے لیے دروغ گوئی سے بھی گریز نہیں کرتے چنانچہ مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کا کہنا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیثیں بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

وہ لکھتے ہیں

سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری و مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت

ہیں، (فتاویٰ ثنائیہ ص ۴۳۳ ج ۱)

اگر کوئی غیر مقلد ہمت کر سکے تو ہمیں بخاری و مسلم سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی (روایات تو درکنار) صرف ایک روایت ہی دکھا دے، لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی غیر مقلد بھی قیامت تک بخاری و مسلم سے یہ نہیں دکھا سکتا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۳)

پہلے فتاویٰ ثنائیہ کی عبارت پر غور کریں، پھر انوار صاحب کا چینج پڑھے، اس نالائق کو ادھیڑ عمر میں بھی اردو کی عبارت سمجھنے کی لیاقت نہیں، فارح قادیان نے صرف بخاری و مسلم کا ہی حوالہ نہیں دیا، بلکہ ان کی شروح کا بھی دیا ہے، لیکن انوار صاحب چینج کرتے وقت شروحات کا نام نہیں لیتے، اس کے بعد ان کے مطالبہ کی کوئی حیثیت رہ جاتی ہے نہیں قطعاً نہیں پھر محترم نے (فتاویٰ ثنائیہ ص ۴۳۳ ج ۱) سے مکمل عبارت نقل نہیں کی، آگے کی عبارت یہ ہے، ان دونوں فعلوں کو ناجائز کہنا صحیح نہیں، علمائے حنفیہ مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم اور مولانا رشید صاحب گنگوہی مرحوم بھی اس کے قائل تھے (ص ۴۳۳ ج ۱) اس عبارت کو مذکورہ عبارت کے ساتھ ملا کر پڑھے، تو بات صاف ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنا، مولانا رشید احمد صاحب اور علامہ لکھنوی کے نزدیک سنت سے ثابت ہے، ہمارے معاصر کو اس پر کوئی اعتراض نہیں، بلاشبہ مذکورہ دونوں حنفی بزرگوں کا یہی موقف تھا، تفصیل کے لیے، ”مسلك احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی، مؤلفہ مولانا ارشاد الحق اثری، حفظہ اللہ تعالیٰ اور فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۹۲، ۲۹۶ کا مطالعہ کریں۔

اس کے علاوہ محترم خورشید صاحب کو یہ بھی مسلم ہے کہ بخاری و مسلم میں رفع یدین کرنے کی احادیث بکثرت ہیں، اختلاف ہے تو صرف سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق ہے، اس سلسلہ میں ہم فصل اول میں وضاحت کر آئے ہیں کہ بخاری و مسلم کی احادیث سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت ہے، لہذا خورشید صاحب کا دعویٰ محض مغالطہ اور دھوکا ہے،

حقیقت الفقہ کی عبارات فرماتے ہیں کہ

ایک جھوٹ مولوی یوسف جے پوری کا ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق آئمہ محدثین ضعیف ہے (ہدایہ ص ۳۵۰ ج ۱) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں وہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے، اور ضعیف (شرح وقایہ ص ۹۳) حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھنے تھے

(مقدمہ ہدایہ ص ۱۱۱ ج ۱ و ص ۳۵۱ حقیقت الفہ ص ۱۹۳)

بعینہ یہی جھوٹ فیض عالم صدیقی صاحب نے بولا ہے، ملاحظہ ہو۔ (اختلاف امت کا المیہ ص ۹۶) اسی جھوٹ کا اعادہ خالد گرجاکی صاحب نے کیا ہے، ملاحظہ ہو، (صلاة الہی ص ۱۵۷)

قارئین کرام، ہم نے ان حوالوں کی تلاش میں شرح وقایہ، ہدایہ، مقدمہ ہدایہ، ساری کی ساری چھان ماریں لیکن یہ حوالے ہمیں نہ مل سکے، اس لیے ان حوالوں کو جھوٹ سمجھنے پر مجبور ہیں،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۴)

(۱) ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے، آپ نے ان کتب کو ان عبارات کے تلاش کرنے کی عرض سے قطعاً مطالعہ نہیں کیا، اگر آپ اپنے قول میں صادق ہیں تو کسی بھی حنفی مدرسہ کے شیخ الحدیث سے اس پر قسم دلا دیں، ورنہ لعنت علی الکاذبین، کی وعید سے ڈر جائیے، ماشاء اللہ آپ کی داڑھی میں چاندی آچکی ہے اور پیرانہ سالی میں داخل ہو چکے ہیں، بوڑھی عمر میں جھوٹ آپ کو زیب نہیں دیتا،

(۲) آپ مجبور نہ ہوں ہم آپ کی مجبوری دور کر دیتے ہیں، حقیقت الفقہ کا مذکورہ ص ۱۹۳ ہی نکال لیں، اس کی آخری سطر کا مطالعہ کریں، لکھا ہے، کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں۔

تھوڑی سی مزید تکلیف کریں اور حقیقت الفقہ ص ۱۳۷ نکال لیں، اس میں مولانا محمد یوسف جے پوری مرحوم نے کتاب کے مراجع کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، وہاں تمام کی تمام کتب فقہ مترجم ہیں، مولانا فرماتے ہیں کہ جن کتب فقہیہ مترجمہ کا ان ہر دو حصوں میں اقتباس لیا گیا ہے ان کا مطبع و سنہ طبع قلمبند کئے دیتا ہوں تاکہ ناظرین کو اصل کتاب سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو۔

(حقیقت الفقہ ص ۱۳۷)۔

مولانا خالد گرجا کھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میری کتاب صلوٰۃ النبی، میں سات آٹھ جگہ ہدایہ کے حوالا جات ہیں۔ ہمارے حوالے اردو ہدایہ کے ہیں جس کا ترجمہ مولانا امیر علی صاحب نے کیا ہوا ہے،

(مقدمہ حدیث اور غیر اہل حدیث ص ۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حوالے فقہ حنفی کی مترجم کتب کے ہیں۔

اور ان مترجم کتب میں مذکورہ تمام حوالے موجود ہیں، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ ص ۵۰۵ ج ۱ کی مراجعت کریں، اگر اب بھی آپ انکار پر ہی اصرار کرتے ہیں، تو آپ وقت جگہ اور منصف بنا دیں ہم فی سبیل اللہ آپ کو یہ عبارات دکھا دیں گے۔ ہاں اگر آپ میزبان کی حیثیت سے کوئی ضیافت کر دیں گے تو اس سے ان شاء اللہ ہم انکار نہ کریں گے۔

قارئین کرام یاد رکھیے کہ انوار خورشید صاحب کبھی بھی اس پر تیار نہ ہوئے، کیونکہ اس حقیقت کو وہ بخوبی جانتے ہیں کہ حقیقت الفقہ میں فقہ حنفی کی مترجم کتابوں کے حوالے ہیں۔ آخر میں محترم کا حسب ذیل شعر درج کرنا، خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے، یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔

نہایت بے موقع ہے، ہماری معلومات کی حد تک انوار خورشید صاحب نے باضابطہ کسی سلفی سے تادم تحریر مناظرہ نہیں کیا، تو بازو آزمائے ہوئے، کیسے ہوئے۔

(۲۹) باب تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعائیں

فصل اول

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیانی وقفہ میں کیا پڑھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھتا ہوں۔

اللهم باعدبيني و بين خطاياي كما باعدت بين المشرق و المغرب اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس، اللهم اغسل خطاياي بالماء و الثلج و البرد۔
(بخاری کتاب الاذان باب ما يقول بعد التكبير، الحديث ۷۴۴ و مسلم کتاب المساجد باب ما يقال بين تكبير الاحرام و القراءة الحديث ۱۳۰۴)

اس افتتاحی دعا میں انسان کی عبدیت کا اظہار مبالغہ کے ساتھ پایا جاتا ہے، اور افتتاحی دعاؤں میں سے سند کے لحاظ سے سب سے قوی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

و حدیث ابی ہریرۃ اصح ماورد في ذلك، یعنی اس سلسلہ میں مروی تمام روایات سے حدیث سیدنا ابو ہریرہ کی زیادہ صحیح ہے (فتح الباری ص ۱۸۳ ج ۲)

اس حقیقت کا اعتراف اکابر احناف نے بھی کیا ہے، (تفصیل فصل دوم کے آخر میں ہے) گو اس دعا کے علاوہ بھی دعائیں نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہیں، جن کی تفصیل علامہ البانی کی تالیف، (صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۶۳) میں دیکھی جاسکتی ہے، ان مسنون دعاؤں میں سے کسی ایک کا یا زیادہ کا پڑھنا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ گویا پڑھنے میں ہمارا اختلاف نہیں، یہ تمام ہمارے نزدیک مسنون ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مختلف اوقات میں مختلف دعائیں صحابہ کرام نے روایت کی ہیں۔ ایسے ہی کبھی کسی کو اور کسی وقت دوسری دعاؤں میں سے بھی پڑھا جاسکتا ہے، مگر ہمارے معاصر کو بلا وجہ، اللهم باعدبيني، سے عداوت ہے حالانکہ بعض اکابر دیوبند اس کے جواز کے قائل ہیں (دیکھئے نماز مسنون ص ۳۲۳)

بعض علمائے اہل حدیث نے اللهم باعدبيني، کو راجح لکھا تھا، جس پر انوار صاحب نے سبحانك اللهم و بحمدك کو راجح ثابت کرنے کے لیے باب لکھا ہے، مگر راجح کی کوئی معقول دلیل درج نہیں کر سکے، واضح رہے کہ، سبحانك اللهم، کے متعلق جس قدر مرفوع روایات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام معلول اور ضعیف ہیں۔

کوئی طریق بھی جرح سے خالی نہیں، ہاں موقوف روایات میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پڑھنا ثابت ہے، لیکن جس طریق (اسود بن یزید) سے مروی ہے اسے انوار صاحب نے قبول نہیں کیا، کیونکہ

اس میں بلند پڑھنے کا ذکر تھا ظاہر ہے کہ مرفوع موقوف پر مقدم ہوتی ہے، مقدمہ میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ جب موقوف و مرفوع کا اختلاف ہو تو تب موقوف روایت ناقابل دلیل ہوتی ہے۔

فصل دوم

(۱) عن انس رضي الله عنه عن النبي ﷺ انه اذا كبر رفع يديه حتى يحاذي اذنيه يقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك۔ (مجمع الزوائد ۱۰ ج ۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو دونوں ہاتھ کانوں تک لے جاتے اور یہ پڑھتے سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا اله غیرک۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۵)

الجواب اولاً: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی عائد بن شریح، کو کسی نے بھی ثقہ قرار نہیں دیا بلکہ امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے، (الجر والتعديل ص ۱۷ ج ۳ ق ۲ حصہ اول ولسان المیزان ص ۲۲۶ ج ۳) مولانا عبدالعزیز حنفی دیوبندی مرحوم نے، نصب الراية کے حاشیہ میں عائد کو ضعیف قرار دیا ہے، (بغیۃ المعنی ص ۳۲۱ ج ۱ عائر) سے روایت کرنے والا راوی مخلد بن یزید ہے۔ (الاجم الاوسط للطبرانی ص ۴۸ ج ۴ رقم الحدیث ۳۰۶۳) یہ مختلف فیہ اور حسن درجہ کا راوی ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے (تہذیب ص ۷۷ ج ۱۰) اس کا شاگرد عبدالعزیز بن یحییٰ الحرانی ہے، یہ بھی مختلف فیہ ہے (تہذیب ص ۳۲۳ ج ۶) حافظ ابن حجر نے، مخلد اور عبدالعزیز دونوں کے متعلق کہا ہے کہ صدوق لہ اوہام، (تقریب ص ۳۳۱ و ۲۱۶) ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی، لہذا علامہ بیہقی کا، (مجمع الزوائد ص ۱۰۷ ج ۲) میں کہنا کہ (رجالہ موثقون) یعنی اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، درست نہیں، کیونکہ عائد بن شریح کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی۔

ثانیاً: (طبرانی اوسط ص ۴۸ ج ۴ رقم الحدیث ۳۰۶۳) میں تصحیف سے عائد بن شریح کی بجائے عبید بن شریح ہے، تصحیف کی یہ دلیل ہے کہ علامہ زیلعی حنفی نے، (نصب الراية ص ۳۲۱ ج ۱) میں اور علامہ البانی نے، (ارواء الغلیل ص ۵۲ ج ۲) میں طبرانی سے، عائد بن شریح ہی نقل کیا ہے، اگر ہمارے معاصر انوار خورشید صاحب، عبید، پر ہی اصرار کریں تو ان پر لازم ہے کہ عبید کی عدالت ثابت کریں، ثقات کا ہم مطالبہ نہیں کرتے۔

(۲) عن حميد الطويل عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ اذا استفتح الصلوة قال سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك۔ (كتاب الدعاء للطبرانی ص ۱۰۳ ج ۲ و اسنادہ جید، آثار السنن ص ۹۲)

حضرت حمید طویل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کہتے، سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۶)۔

الجواب اولاً: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی، حمید بن طویل ہے جو کہ مدلس ہے، جیسا کہ امام نسائی، امام ابن حبان، امام ابن سعد، امام علائی، امام ابو بکر علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ نے صراحت کی ہے، (تہذیب ص ۴۰ ج ۳ و میزان ص ۶۱۰ ج ۱ و طبقات المدلسین ص ۳۸) اور زیر بحث روایت کی سند میں تحدیث کی صراحت نہیں ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ روایت جھوٹ اور بے اصل ہے، (اللحدیث ص ۱۳۰ ج ۱)۔

ثانیاً: محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ سند کے دو راوی، محمود بن محمد واسطی اور زکریا بن یحییٰ بن یحییٰ بن رحمویہ کے تراجم سے میں واقف نہیں ہوا، (ابکار السنن ص ۱۲۵) فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ ان کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کریں،

(۳) عن ابی سعید ان النبی ﷺ کان اذا افتتح الصلاة قال سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک۔ (نسائی ص ۱۰۳ ج ۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز شروع فرماتے تو یہ پڑھتے۔
سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک۔

(۴) عن ابی سعید قال کان رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاة قال سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک۔ (نسائی ص ۱۰۴ ج ۱)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے۔
سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۶)۔

الجواب اولاً: انوار صاحب نے ایک ہی سند میں معمولی اختلاف کی بنا کر انہیں دو روایات بنا دیا ہے حالانکہ یہ صرف ایک ہی ہے،

ثانیاً: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وقد تکلم فی اسناد حدیث ابی سعید، کان یحییٰ بن سعید یتکلم فی علی بن علی وقال احمد لا یصح هذا الحدیث،

یعنی اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے امام یحییٰ بن سعید اس کے راوی علی بن علی رفاعی پر جرح کرتے تھے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

(ترمذی کتاب الصلاة باب ما یقول عند افتتاح الصلاة، زیر حدیث ۲۴۲)
امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ علی بن علی سے یہ روایت عن الحسن مرسل ہے اور اسے متصل بیان کرنے میں جعفر بن سلیمان راوی نے غلطی کی ہے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من رای الاستفتاح بسبحانک اللہم و بحمدک، زیر حدیث ۷۷۰)
ثانیاً: اس روایت میں وضاحت ہے کہ جب رات کو تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو تب مذکورہ ثنا پڑھتے تھے۔ (ابو داؤد الحدیث ۷۷۰ و ترمذی الحدیث ۲۴۲ و مصنف عبدالرزاق ص ۷۰ ج ۲ و بیہقی ص ۳۴ ج ۲ و دارقطنی ص ۲۹۸ ج ۱) جس سے ثابت ہوا کہ یہ نوافل سے خاص ہے مگر حنفی تو فرضوں میں بھی یہی پڑھتے ہیں۔

ثالثاً: اس روایت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ سبحانک اللہم، کے بعد تین بار لا الہ الا اللہ، اور تین بار اللہ اکبر کبیراً، پڑھتے تھے، حوالے کے لیے دیکھئے ثانیاً کے تحت کتب حدیث کے متعلقہ مقامات، حالانکہ حنفی یہ کلمات نہیں پڑھتے۔

رابعاً: بعض طرق میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) تین بار کہتے تھے (صحیح ابن خزیمہ ص ۲۳۸ ج ۱ رقم الحدیث ۴۶۷) حالانکہ حنفی تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ اکبر ایک ہی بار کہتے ہیں۔

انہیں صعوبتوں کو دیکھ کر علامہ تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ
امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ثناء کے ثبوت کے لیے حضرت ابوسعید خدریؓ اور سیدہ عائشہؓ کی دو حدیثیں تخریج کی ہیں لیکن یہ دونوں سنداً متکلم فیہ ہیں۔ (درس ترمذی ص ۳۹۸ ج ۱)
(۵) عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استفتح الصلاة قال سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک۔

(مستدرک حاکم ص ۲۳۰ ج ۱ و ابو داؤد ص ۱۱۳ ج ۱)
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کہتے۔ سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۷)
الجواب اولاً: اس کے راوی تو ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے، ابو جوزاء، راوی کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام بخاری اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، (التلخیص الحبیر ص ۲۱۷ و ۲۲۹ ج ۱ و تہذیب ص ۳۳۶ ج ۱)
امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

هذا الحديث ليس بالمشهور عن عبدالسلام بن حرب لم يروه الاطلاق بن غنام و قد روى قصة الصلاة عن بدليل جماعت لم يذكروا فيه شيئا من هذا۔
یعنی یہ روایت عبدالسلام بن حرب کے طریق سے معروف نہیں، اور عبدالسلام سے صرف طلق بن غنام روایت کرتا ہے، جبکہ (عبدالسلام کے استاذ) بدیل سے ایک جماعت نے نماز کے واقعہ کی روایت نقل کی ہے، مگر کسی نے بھی یہ ثناء بیان نہیں کی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من رآى الاستفتاح بسبحانك اللهم و بحمدك، زیر حدیث ۷۷۶) امام ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ (صحیح مسلم ص ۱۹۴ ج ۱) میں موجود ہے مگر اس میں ثناء کا ذکر نہیں ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ
وليس هذا الحديث بالقوى، یعنی یہ حدیث قوی نہیں۔

(سنن دارقطنی ص ۲۹۹ ج ۱)

ثانياً: ممکن ہے کہ کوئی حنفی یہ کہہ دے کہ اس کا ایک دوسرا طریق، عمرہ کی سند سے بھی ہے، جو اباً عرض ہے کہ اس کی سند میں، حارثہ بن رجال، راوی ہے،

(ترمذی کتاب الصلاة باب ما يقول عند افتتاح الصلاة، الحدیث ۲۴۳ و ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب افتتاح الصلاة الحدیث ۸۰۶) و ابن خزيمة (۴۷۰) و ضعفاء الكبير ص ۲۸۹ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۰۱ ج ۱ و بیہقی ص ۳۴ ج ۲)

حارثہ متروک و ضعیف ہے، امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ضعیف اور ہیچ محض ہے ابن معین کہتے ہیں ثقہ نہیں ضعیف ہے، ابو زرہ فرماتے ہیں کہ وہی الحدیث اور ضعیف ہے، ابو حاتم کہتے ہیں ضعیف اور منکر الحدیث ہے، امام بخاری رضی اللہ عنہ منکر الحدیث قرار دیتے ہیں نسائی فرماتے ہیں متروک ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی عام مرویات منکر ہیں۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے اس کی اس روایت کو سخت منکر قرار دیا ہے، امام مالک حارثہ سے راضی نہ تھے (تہذیب ص ۱۳۵ ج ۱)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، علاوہ ازیں اس طریق میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریر کے وقت ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے۔

(دارقطنی ص ۳۰۱ ج ۱ و بیہقی ص ۳۴ ج ۱ و ابن خزيمة ص ۲۳۹ ج ۱ وغیرہ)۔

مگر حنفی اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ مقلد انوار خورشید صاحب نے اپنی تالیف میں ایک مستقل باب اس کے رد میں تحریر کیا ہے، مگر افسوس کہ یہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو مطلب برآری کے لیے قبول کیا جا رہا ہے لیکن اپنے مخالف حصے کو چھپایا جا رہا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يعلمنا اذا استفتحنا الصلوة ان نقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جددك ولا اله غيرك و كان عمر بن

الخطاب يعلمنا و يقول كان رسول الله ﷺ يقولہ۔

(مجمع الزوائد ص ۱۰۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھاتے کہ جب ہم نماز شروع کریں تو کہیں، سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک، حضرت عمر بن خطابؓ بھی ہمیں یہی سکھاتے تھے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ یہی کہتے تھے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۷)

الجواب علامہ پیشی نے (مجمع الزوائد ص ۱۰۶ ج ۲) میں آگے جرح کی تھی جسے مقلد انوار خورشید صاحب نے دیوبندی دیانت استعمال کر کے ہضم کر لیا ہیں۔ پیشی فرماتے ہیں کہ اسے، طبرانی نے (معجم الاوسط (ص ۱۹ ج ۲ رقم الحدیث ۱۰۳۰) میں روایت کیا ہے اور ابو عبیدہ (ابن مسعودؓ سے روایت کرنے والے) نے ابن مسعودؓ سے کچھ بھی سنا نہیں اور طبرانی نے (معجم الکبیر (ص ۱۰۸ ج ۱۰ رقم الحدیث ۱۰۱۱۷ و ص ۱۵۰ رقم الحدیث ۱۰۲۸۰) میں مختصر روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مسعود بن سلیمان راوی ہے جسے امام ابو حاتم نے مجہول قرار دیا ہے،

(۷) عن ابن جریج قال حدثنی من اصدق عن ابی بکر و عمر و عثمان و عن ابن مسعودؓ انہم کانوا استفتحوا قالوا سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک قبل القراءة۔

(مجمع الزوائد ص ۲۰۶ ج ۲)

ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس کی میں تصدیق کرتا ہوں حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں کہ یہ اصحاب جب نماز شروع کرتے تو کہتے، سبحانک اللہم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الہ غیرک، قرأت شروع کرنے سے پہلے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۸)

الجواب اس کی سند میں ابن جریج کا استاد راوی مبہم ہے (طبرانی کبیر ص ۲۶۲ ج ۹ رقم الحدیث ۹۳۰۱ و عبدالرزاق ص ۷۶ ج ۲ رقم الحدیث ۲۵۵۸) خود ہیثمی نے آگے وضاحت کی تھی جسے انوار خورشید صاحب نے نقل نہیں کیا، ہمارے معاصر کی نقل کردہ عبارت میں بھی یہ ہے، حدثنی من اصدق، الغرض یہاں ایک مبہم راوی ہے، اس کی بحوالہ وضاحت کر کے عدالت وثقات ثابت کیجئے، ابن عدی نے، (الکامل ص ۱۸۳۵ ج ۵) میں اسے بواسطہ، ابی عبیدہ، نقل کیا ہے، اور اس کی نمبر ۶ میں پیشی کے حوالے وضاحت گزر چکی ہے کہ ان کا سیدنا ابن مسعودؓ سے سماع ثابت نہیں ہے، مزید سنئے کہ امام ترمذی امام ابن حبان امام ابو حاتم اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان کا عبداللہ بن مسعودؓ سے سماع

نہیں ہوا (تہذیب ص ۷۵ ج ۵) الغرض یہ روایت ہر لحاظ سے ضعیف ہے

(۸) عن عمر رضی اللہ عنہ انه كان اذا كبر للصلوة قال سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك۔

(دارقطنی ص ۲۹۹ ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ جب نماز کے لیے تکبیر تحریر یہ کہہ لیتے تو کہتے سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۸)۔

الجواب اس کی سند میں، عمر بن شیبہ راوی مجہول ہے، لہذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ اس کی بحوالہ عدالت و ثقات ثابت کرے، اور اصول حدیث کے مطابق اس کی تعیین کرے، امام ابو حاتم نے (الجرح والتعديل ص ۱۱۲ و ۱۱۵ ج ۳ ق ۱ حصہ اول) میں اس نام کے تین راوی بتائیں ہیں جو تقریباً ہم عصر ہیں۔ الغرض یہ روایت بوجہ جہالت، عمر، ضعیف ہے۔ جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ عمر بن شیبہ کی عدالت و ثقات ثابت کرے۔

(۹) عن عبدة و هو ابن ابی لبابة ان عمر بن الخطاب كان يجهر بهؤلاء الكلمات يقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك،

(مسلم ص ۱۷۲ ج ۱)

حضرت عبدة بن ابی لبابة سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب یہ کلمات اونچی آواز سے پڑھتے تھے، سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۹)

الجواب اولاً: اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ موقوف ہے اور موقوف جبکہ مرفوع کے خلاف ہو تو تب حجت نہیں ہوتی، راجع مقدمہ، خود احناف بھی اس روایت کا آدھا حصہ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جہاں اس روایت سے، سبحانك اللهم، کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے وہاں ہی اس کا بلند آواز سے پڑھنا، بھی ثابت ہے لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول و عمل کو دلیل بنانے والے صرف ثناء کے پڑھنے کو ہی مانتے ہیں جبکہ اس کی کیفیت کو تسلیم نہیں کرتے، انصاف شرط ہے کہ اگر یہ حنفیہ کی ثناء پڑھنے کی دلیل ہے تو اسے بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھتے،

ثانیاً: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی، عبدة بن ابی لبابة، ہے اور اس کی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات و سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے، (شرح صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱)

میں صراحت کی ہے،

لطیفہ: مکرم حکیم محمد صادق صاحب نے، صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۳ پر مذکورہ روایت کو منقطع قرار دیا تھا، یہ جرح چونکہ اپنے اندرون رکھتی تھی، اور انوار خورشید صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا، اور جواب دینا بھی ضرور تھا۔

کیونکہ انوار صاحب نے ان کی ایک مفید مطلب عبارت نقل کی تھی، جس میں اس جرح کا بھی بیان تھا، مقلد انوار خورشید صاحب کی رگ حمیت بھڑک اٹھی، رعب جماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
نوٹ: صادق سیالکوٹی صاحب کا اس ثناء والی حدیث کی سند کو منقطع قرار دینا غلط ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، (اعلاء السنن ص ۱۷۶ ج ۲)

اب اٹھائیے، اعلاء السنن، اور اس کا بغور مطالعہ کریں، اس میں اس جرح کا تسلی بخش جواب تو کجا خود تھا نوی صاحب فرماتے ہیں۔

قلت ولو سلم الانقطاع فهو لا يضر عندنا كما مر غير مرة،

میں کہتا ہوں کہ اگر انقطاع کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارے نزدیک نقصان دہ نہیں جیسا کہ متعدد بار گزر چکا ہے (اعلاء السنن ص ۲۰۲ ج ۲ باب ما جاء في سنية الغناء بعد التكبير) یہ ایک الگ بحث ہے کہ حنفیہ کے نزدیک انقطاع مضر ہے کہ نہیں! سوال یہ ہے کہ دب لفظوں میں اس کے انقطاع کو وہ تسلیم کرتے ہیں، مگر ہمارے محترم خورشید صاحب حکیم صاحب رحمہ اللہ کی تردید کے لیے اس کے مطالعہ کا مشورہ دے رہے ہیں، مکرم ہم آپ کی ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں مگر اتنا ضرور مشورہ دیتے ہیں کہ گردانی کی بجائے پڑھ کر حوالا دیا کریں، واضح رہے کہ اس روایت کو علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی ابو علی غسانی سے منقطع ہونا نقل کر کے سکوت کیا ہے (فتح الملہم ص ۳۸ ج ۲) جو اس بات کا روشن پہلو ہے کہ وہ بھی اسے منقطع تسلیم کرتے ہیں اسی طرح علامہ عثمانی سے بھی پہلے مولانا عبدالحی لکھنوی نے (حاشیہ السعایہ ص ۱۶۰ ج ۲) میں۔ مذکورہ روایت کو منقطع قرار دیا ہے، لہذا اتنا حکیم صاحب مرحوم ہی زیر عتاب کیوں ہیں؟

(۱۰) عَنْ ابِي وائل قال كان عثمان اذا افتتح الصلوة يقول سبحانك اللهم و بحمدك و

تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غيرك

(دارقطنی ص ۳۰۲ ج ۱)

حضرت وائل فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی نماز شروع کرتے تو کہتے، سبحانك اللهم و

بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك، و لا اله غيرك۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۹)۔

الجواب اس کی سند میں ابو بکر بن عیاش راوی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ، لما کبر ساء حفظه یعنی بڑھاپے میں حافظہ خراب ہو گیا تھا (تقریب ص ۳۹۶)، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ، اختلط بآخروہ، یعنی آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ (بحوالہ نصب الراية ص ۲۰۹ ج ۱)

جتنی دیر تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ اس سے روایت کرنے والے نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے تب تک یہ روایت قابل قبول نہیں، علاوہ ازیں اس سے اوپر کا راوی عاصم بن بہدلہ ہے اور یہ احناف کے نزدیک سنی الحفظ ہے۔ (جوہر النہی ص ۱۸۷ بحوالہ اہل السنن ص ۱۲۵)

خلاصہ کلام مقلد انوار خورشید نے کل دس دلائل ذکر کیے ہیں، چھ مرفوع احادیث اور چار اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اگر مرفوع روایات کی اسناد کی تعداد کو الگ کر لیا جائے تو چارہ جاتی ہیں۔

کیونکہ نمبر ۲۱، ایک ہی روایت ہے ایسے ہی ۴۳، ایک روایت ہے، مگر ان میں سے کوئی بھی صحت کے معیار کو نہیں پہنچی پھر ان میں مزید ایسی چیزیں بھی ہیں جن کو حنفی حضرات تسلیم بھی نہیں کرتے موقوف روایات کی اسنادی حیثیت بھی تسلی بخش نہیں، ان تمام باتوں کی تفصیل گزر چکی ہے، مگر ہمارے معاصر مقلد نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں۔ ان تمام احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد، اللہم باعد بینی، پڑھنا چاہئے یہی راجح ہے یہی افضل ہے، یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کے بعد آہستہ سے یہ دعا پڑھیں جو سب سے زیادہ صحیح اور متفق علیہ ہے، اللہم باعد بینی الخ، (دستور المتقی ص ۹۷)۔

اس کے بعد انہوں نے نواب وحید الزمان اور حکیم صاحب کی عبارت ذکر کی ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۰)

علمائے اہل حدیث کی عبارات پر ہم نے متعدد بار غور کیا ہے، قارئین کرام آپ خود بھی غور کریں اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہمیں سمجھائیں ہم حق بات قبول کرنے کو تیار ہیں، ضد ہے نہ تعصب، ہم جہاں تک سمجھے ہیں وہ یہ کہ اللہم باعد بینی کی دعا، سبحانک اللہم و بحمدک سے زیادہ معتبر اور قوی اور صحیح سند سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور بوجہ پختہ ثبوت ہونے کے یہ راجح ہے، ہمارے معاصر کو اس پر اعتراض ہے، پوری کوشش اور محنت سے اس کے رد پر ایک مستقل باب تحریر کرتے ہیں۔ مگر ایک بھی حدیث صحیح مرفوع متصل ثابت نہیں کرتے، جو بھی زبیر رقم فرمایا ہے وہ متروک و سنی الحفظ اور ضعیف راوی اور منقطع اسناد سے ہیں۔ مولانا محترم کی پیدائش سے بھی پہلے علمائے اہل حدیث کی طرف سے اس کی متعدد بار وضاحت ہو چکی تھی، حق یہ تھا کہ ان اعتراضات کا جواب تحریر کرتے اور علمی طور پر سبحانک اللہم و بحمدک، کی صحت اللہم باعد بینی سے فائق یا برابر کی ثابت کرتے، تو پھر

ان کا اعتراض درست تھا، مگر یہ کام مشکل بلکہ ناممکن تھا، اس لیے انوار صاحب نے اس مضبوط قلعہ کو محض فریب سے فتح کرنے کی کوشش کی ہے۔

سنئے یہ تحقیق صرف علمائے اہل حدیث کی ہی نہیں بلکہ بعض اکابر علمائے دیوبند کی بھی ہے۔ مولانا انور شاہ صاحب کا شمیری فرماتے ہیں۔

وهو اولی بالنظر الی قوة الاسناد و ما اخترناه اخری بالنظر الی العمل،
(یعنی جسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے) وہ قوت سند کے لحاظ سے اولیٰ ہے اور جسے ہم نے
اختیار کیا وہ عمل اور قیاس کے لحاظ سے اولیٰ ہے (فیض الباری ص ۲۶۸ ج ۲)
علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں کہ

وان كان رفع غيره اقوى على طريق المحدثين الايري انه روى في الصحيحين من
حدیث ابی ہریرة۔

یعنی گو سبحانک اللہم کی بجائے اللہم باعدیبینی کا مرفوع طریق محدثین کے اصول پر زیادہ
قوی ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں یہ بخاری و مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،
(فتح القدیر ص ۲۵۲ ج ۱)

اسی چیز کا اظہار علامہ حلبی نے، (مستملی ص ۳۰۱) میں کیا ہے،

یہ تینوں بزرگ اللہم باعدیبینی کو سند کے لحاظ سے قوی تسلیم کرتے اور قیاس کے لحاظ سے سبحانک
اللہم و بحمدک، کو اولیٰ مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ترجیح کی یہ صورت معقول نہیں۔

اور خود انوار صاحب بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ انوار صاحب نے، (حدیث اور
اہل حدیث ص ۸۹) میں یہ بحث اٹھائی ہے کہ ہم حنفی قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں، ظاہر ہے
کہ وہ یہاں پر بھی قیاس سے ترجیح کے قائل نہ ہونگے۔

(۳۰) باب نماز میں بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھنے کا جواز

فصل اول

نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنے میں اختلاف ہے، امام مالک رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ مکروہ ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے، امام شافعی رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے، یہی اہل حدیث کا موقف ہے، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک بسم اللہ کا پڑھنا مسنون ہے، جبکہ امام احمد سے دوسری روایت امام شافعی کے موافق ہے، پھر پڑھنے میں تین اقوال ہیں، امام شافعی وغیرہ کا موقف ہے کہ بلند پڑھا جائے جبکہ امام ابن حزم اور امام اسحاق بن راہویہ کا نظریہ ہے کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے خواہ بلند پڑھا جائے یا آہستہ دونوں طریقے درست ہیں، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے مقلدین کا موقف ہے کہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔

(احکام القنطرة ص ۳۹ و مجموعة رسائل الكنوی ص ۷۱ ج ۱)

امام مالک سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس کے الفاظ ہیں۔

عن انس بن مالك قال صليت خلف النبي صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بكر و عمر و عثمان فكانوا يستفتحون الحمد لله رب العالمين لا يذكرون بسم الله الرحمن في اول قراءة ولا في آخرها۔
سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نمازیں پڑھی ہیں وہ الحمد لله رب العالمين سے قرآءة شروع کرتے تھے، اور قرأت کے شروع اور آخر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب حجة من قال لا يجهر بالبسمة، الحدیث ۸۹۲)

امام مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے موقف کے حامی حضرات کا کہنا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی باقی روایات بالمعنی ہیں، دین الحق میں تفصیل ہے وہاں سے دیکھی جائے، امام مالک نے ان کے علاوہ احادیث و آثار سے بھی استدلال کیا ہے، لیکن ہماری کتاب اس کی محتمل ہے اور نہ ہی ہمارا یہ موضوع ورنہ ان کا تفصیل سے ذکر کر کے جوابات بھی عرض کر دیئے جاتے، جن حضرات کے نزدیک بسم اللہ کو پڑھنا چاہیے پھر اس کے پڑھنے کی کیفیت میں جو اختلاف ہے اس اختلاف کی اصل بنیاد اس بات پر قائم ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں، حنفیہ کا موقف ہے کہ یہ قرآن کا تو جزو ہے مگر فاتحہ کا نہیں لہذا نماز میں اسے آہستہ پڑھا جائے اس لیے ہم یہاں دونوں مسکلوں پر بات کرنا چاہتے ہیں، فصل اول کے دو حصے کر رہے ہیں پہلے حصے میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو سورہ فاتحہ کی آیت اور جزو ثابت کرنے کے لیے اور دوسرے حصے میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنے کے دلائل ہوں گے (ان شاء اللہ)

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سورہ فاتحہ کی آیت ہے

(۱) عن انس بن مالك قال بينا رسول الله ﷺ ذات يوم بين اظهرنا، اذ اغفى اغفاءة ثم رفع راسه متبسما فقلنا ما اضحك يا رسول الله؟ قال انزلت علي انفا سورة، فقرا: بسم الله الرحمن الرحيم، انا اعطيتك الكوثر، فصل لربك وانحر ان شانك هو الابتر۔ (الحديث)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول مکرم ﷺ ہمارے درمیان تھے کہ اتنے میں آپ علیہ التحیۃ والسلام کو نیند آگئی پھر مسکراتے ہوئے سر اقدس اٹھایا، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مسکرائے کیوں ہیں؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی، (پھر آپ نے اسے) پڑھا، بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطیتک الکوثر، فصل لربک وانحر ان شانک ہو الابتر، الحدیث

صحيح مسلم كتاب الصلاة باب حجة من قال البسمة آية من اول كل سورة سوى برأة، الحديث (۸۹۴) و نسائی كتاب الافتتاح باب البدأة بفاتحة الكتاب قبل السورة، الحديث (۹۰۵)

(۲) عن مختار بن فلفل قال سمعت انس بن مالك يقول قال رسول الله ﷺ، انزلت علي انفا سورة، فقرا، بسم الله الرحمن الرحيم، انا اعطيتك الكوثر، حتى ختمها، الحديث، مختار بن فلفل سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر ابھی ہی ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے اسے تلاوت کیا، بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطیتک الکوثر، سورت کے آخر تک

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من لم ير الجهر بسم الله الرحمن الرحيم، الحديث ۷۸۴)

(۳) عن ابن عباس قال كان النبي ﷺ لا يعرف فصل السورة، حتى تنزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم،

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ایک سورت کا (دوسری سورت سے) جدا ہونا نہ جانتے تھے یہاں تک کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام پر، بسم اللہ الرحمن الرحیم، نازل ہوتی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من جهر بها، الحديث ۷۸۸، بیہقی ص ۴۲ ج ۲)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۱۶ ج ۱)

(۴) عن ام سلمة انها ذكرت او كلمة غيرها، قراءة رسول الله ﷺ، بسم الله الرحمن

الرحیم، الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم، ملک یوم الدین، یقطع قرانته آية آية،
ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قرآءت اس طرح تھی، بسم الله
الرحمن الرحیم، الحمد لله رب العالمین، الرحمن الرحیم، مالک یوم الدین ہر ہر
آیت کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے (ملا تے نہ تھے)۔

(ابو داؤد کتاب الحروف والقرآت الحدیث ۴۰۱) مسند احمد ۳۰۲ ج ۶ و بیہقی ص ۴۴ ج ۲ و مستدرک
للحاکم ص ۲۳۱ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۱۳ ج ۱)

حاکم و ذہبی اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے اور اس کے متعدد طرق ہیں، تفصیل کے لیے،
ارواء الغلیل ص ۶۰ ج ۲ (۳۳۳) کی مراجعت کریں،

(۵) عن ابن عباس قال كان النبي ﷺ لا يعرف خاتمة السورة حتى تنزل بسم الله
الرحمن الرحيم فاذا انزل بسم الله الرحمن الرحيم ان السورة قد ختمت واستقبلت او
ابتدئت سورة اخرى،

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ سورۃ کا خاتمہ نہ جانتے تھے، یہاں تک کہ آپ
علیہ التحیۃ والسلام پر بسم الله الرحمن الرحیم نازل ہوتی، جب بسم الله الرحمن الرحیم نازل
ہوتی تو جان لیتے کہ ایک سورت ختم ہو کر دوسری شروع ہو گئی ہے۔

(رواء البزار باسنادین رجال احدهما رجال الصحيح، مجمع الزوائد ص ۱۱۲ ج ۲ و ص ۳۱۳ ج ۶)

(۶) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ولقد آتيناك سبعا من المثاني قال فاتحة الكتاب ثم قال بسم الله
الرحمن الرحيم، والحمد لله رب العالمين، فقلت لابي لقد اخبرك سعيد ان ابن عباس قال
بسم الله آية قال نعم،

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، ولقد آتيناك سبعا من المثاني، کے متعلق فرماتے، فاتحہ کتاب ہے۔

پھر فرمایا کہ: بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله رب العالمين (راوی حدیث امام ابن
جریر فرماتے ہیں کہ) میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ نے سعید بن جبیر سے خبر دی کہ سیدنا ابن
عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ بسم الله الرحمن الرحيم، (سورہ فاتحہ کی) آیت ہے تو انہوں نے کہا: ہاں۔
(مستدرک للحاکم ص ۲۵۷ ج ۲ و بیہقی ص ۴۵ ج ۲)

حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے

(۷) قال ابن جرير اخبرني ابي ان سعيد بن جبير اخبره فقال، ولقد آتيناك سبعا من
المثاني، قال هي ام القرآن قال ابي وقرأ على سعيد بن جبير لابي وقرأ على ابن عباس كما

قرأتها عليك ثم قال بسم الله الرحمن الرحيم الآية السابعة۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے خبر دی کہ امام سعید بن جبیر نے مجھے خبر دی کہ ولقد آتيناك سبعا من المثاني، ام القرآن (یعنی سورہ فاتحہ) ہے، میرے والد کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے مجھ پر اس سورت کو تلاوت بھی کیا، بسم اللہ الرحمن الرحیم، سے آخر سورت تک، اور امام سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اسی طرح مجھ پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تلاوت کیا تھا جیسا کہ میں نے پڑھا ہے، پھر سیدنا ابن عباس نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، سورہ فاتحہ کی ساتویں آیت ہے۔ (بیہقی ص ۴۴ ج ۲)۔

(۸) عن ابن عباس في قوله، ولقد آتيناك سبعا من المثاني، قال فاتحة الكتاب قيل لا بن عباس فاين السابعة قال بسم الله الرحمن الرحيم۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، ولقد آتيناك سبعا من المثاني، کے متعلق فرمایا کہ سورہ فاتحہ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ساتویں آیت کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا، ساتویں آیت، بسم اللہ الرحمن الرحیم، ہے۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۴۵ ج ۲)۔

(۹) عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا قرأتم الحمد لله رب العلمين فاقروا بسم الله الرحمن الرحيم انها ام القرآن و ام الكتاب و السبع، المثاني و بسم الله الرحمن الرحيم احداها۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم، الحمد لله رب العلمين، کی تلاوت کرو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم، بھی پڑھا کرو، یہ ام القرآن، ام الكتاب اور سبع مثاني ہے، اور بسم اللہ الرحمن الرحیم، اس کی ساتوں آیات میں سے ایک آیت ہے۔ (بیہقی ص ۴۵ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۱۲ ج ۱)۔

علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے (سلسلہ احادیث الصحیحة ۱۷۸/۳ (۱۱۸۳)۔

(۱۰) عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ انه كان يقول، الحمد لله رب العلمين سبع آيات احداهن بسم الله الرحمن الرحيم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ سورہ الحمد لله رب العلمين، سات آیات ہیں، ان میں سے ایک آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم، ہے۔

(بیہقی ص ۴۰ ج ۲ و طبرانی الاوسط ص ۴۷ ج ۶ رقم الحدیث ۵۰۹۸)

(II) عن عبد خیر قال سئل علیؑ عن السبع المثانی فقال الحمد لله، فقيل له انما هي ست آیات فقال بسم الله الرحمن الرحيم آية،
عبد خیر راوی ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰؑ سے، سبع مثانی، کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورہ الحمد للہ ہے، آپ سے کہا گیا یہ چھ آیات ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، آیت ہے۔

(بیہقی ص ۴۰ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۱۳ ج ۱)۔
اس سلسلہ میں مزید مرفوع روایات بھی پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ہم انہیں پر ہی اکتفا کرتے ہیں، قارئین کرام غور فرمائیے، مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، ہر سورت کا جزو ہے (سوائے سورہ توبہ کے) پہلی اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر سورہ کوثر کی تلاوت فرمائی جس میں، بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بھی پڑھا، حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب بسم اللہ کا نزول ہوتا تو تب آپ دو سورتوں کے درمیان فصل جانتے تھے، چوتھی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام ایک ایک آیت پر وقف کرتے اور سورہ فاتحہ کی تلاوت میں بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور بسم اللہ کو بطور آیت تلاوت کرتے تھے۔

چھبیس ساتویں اور آٹھویں حدیث سے ثابت ہے کہ سورہ فاتحہ سبع مثانی ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم مستقل اس کی آیت ہے، نویں حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنا حکم نبوی ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے، ایسا ہی دسویں اور گیارہویں حدیث سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا آیت سورہ فاتحہ ہونا ثابت ہے،

ان مرفوع حدیث کے ساتھ اگر ہم اقوال صحابہ کرام اور تابعین عظام کو بھی داخل کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے، امت مرحومہ کا اس پر اجماع ہے کہ مصحف قرآن پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور یہ کہ تحریف سے پاک و منزه ہے۔

دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند پڑھنے کے دلائل

(۱) عن قتادة قال سئل انس، كيف كانت قراءة النبي ﷺ فقال، كانت مدًا، ثم قرأ،

بسم الله الرحمن الرحيم، يمد بسم الله، ويمد بالرحمن، ويمد بالرحيم۔

امام قتادہ (تابعی) کہتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی مکرم ﷺ کی قرأت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کھینچ کر (مد سے) ہوتی تھی، پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اس طرح پڑھا کہ، بسم اللہ کو کھینچ کر الرحمن کو کھینچ کر اور الرحم کو کھینچ کر پڑھا۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب مدّ القراءة، الحدیث ۵۰۴۶)

اس حدیث کا مقصد واضح ہے کہ لفظ، اللہ، کے الف کو، الرحمن، کی میم کو اور، الرحیم، کی یا کو لمبا کر کے پڑھتے تھے، قرأت کی اس کیفیت کا تب ہی علم ممکن ہے جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز سے پڑھا جائے چنانچہ بعض روایات میں وضاحت بھی ہے کہ کان یمد صوتہ، یعنی آواز کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

(ابو نعیم بحوالہ عمدة القاری ص ۵۰ ج ۲۰ و فتح الباری ص ۷۴ ج ۹)

(۲) عن نعیم بن المجهر قال صلیت وراء ابی هريرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، ثم قرأ بام القرآن حتى اذا بلغ غير المغضوب عليهم والضالين، فقال، آمين، فقال الناس، آمين، ويقول كلما سجد، الله اكبر، واذا قام من الجلوس في الاثنتين قال، الله اكبر، واذا سلم قال، والذي نفسى بيده ان لا شبهكم صلاة برسول الله ﷺ۔

امام نعیم بن مجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی، آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھا، پھر سورہ فاتحہ کو، یہاں تک جب آپ، غیر المغضوب علیہم والاضالین، پر پہنچے تو، آمین، کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہا اور جب سجدہ کرتے تو، اللہ اکبر، کہتے اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوئے تو آپ نے دوبارہ، اللہ اکبر، کہا جب سلام پھیرا تو کہا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ بے شک میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب قرأة بسم الله الرحمن الرحيم، الحدیث ۹۰۶، و دارقطنی ص ۳۰۶ ج ۱ و ابن حبان رقم الحدیث ۱۷۹۴ و ابن خزيمة ص ۲۵۱ ج ۱ رقم الحدیث ۴۹۹، و بیہقی ص ۴۶ ج ۲ و مستدرک حاکم ص ۳۳۲ ج ۱ و طحاوی ص ۱۳۷ ج ۱ و بخاری تعلیقا ص ۱۰۸ ج ۱)

ابن حبان ابن خزیمہ، دارقطنی، امام بیہقی حاکم و ذہبی حافظ ابن حجر اور علامہ نیوی حنفی دیوبندی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے،

(۳) عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلاة۔
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز میں، بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے،

(رواہ البزار ورجاله موثقون، مجمع الزوائد ص ۱۱۲ ج ۲)

(۴) عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(طبرانی الاوسط ص ۵۲ ج ۱ رقم الحدیث ۳۵ و سنن دارقطنی ص ۳۰۳ ج ۱)

حافظ ابن حجر نے (التلخیص الحبیر ص ۲۳۵ ج ۱) میں اس روایت پر سکوت کیا ہے اور اکابر علمائے دیوبند کا موقف ہے کہ جس روایت پر حافظ ابن حجر فتح الباری اور تلخیص میں سکوت کریں وہ روایت کم از کم حسن ہوتی ہے،
(درس ترمذی ص ۷۴ ج ۱ و معارف السنن ص ۳۸۵ و ۱۶۸ و ۴۸۲ ج ۱)۔

(۵) عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یفتح صلاته بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز (کی قرآءة) کو، بسم اللہ الرحمن الرحیم، سے شروع کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الصلاة باب من رأى الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، الحدیث (۲۴۵) و دارقطنی ص ۳۰۴ ج ۱)

(۶) عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یستفتح القراءة بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ قرآءة کو بسم اللہ الرحمن الرحیم، سے شروع کرتے تھے۔ (بیہقی ص ۴۷ ج ۲)

(۷) عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلوة یعنی کان یجهر بها۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھتے تھے، (بیہقی ص ۴۷ ج ۲)

(۸) عن علی و عمار رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجهر فی المكتوبات بسم الله الرحمن الرحيم۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

دارقطنی ص ۳۰۲ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۲۹۹ ج ۱ و طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ص ۱۱۲ ج ۲
(۹) عن نافع ان ابن عمر کان اذا افتتح الصلاة يبدأ بسم الله الرحمن الرحيم في ام القرآن وفي السورة التي تليها و يذكر انه سمع ذلك من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو سورہ فاتحہ کو بسم اللہ الرحمن سے شروع کرتے تھے، دوسری سورت جب ملاتے تو تب بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم، پڑھتے تھے، اور بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسم اللہ الرحمن الرحیم، کہتے سنا ہے،
(طبرانی الاوسط ص ۴۶۶ ج ۱ رقم الحدیث ۸۴۵)

(۱۰) عن ابن عمر قال صليت خلف النبي صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فكانوا يجهرون بسم الله الرحمن الرحيم -

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں ہیں یہ سب بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ (سنن دارقطنی ص ۳۰۵ ج ۱)۔

ان کے علاوہ بھی متعدد مرفوع روایات ہیں، تفصیل کے لیے دارقطنی اور، دین الحق کی مراجعت کریں،

(۱۱) عن عبد الرحمن قال صليت خلف عمر بن الخطاب فجهر بسم الله الرحمن الرحيم۔
امام عبدالرحمن بن ایزی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھا،
(بیہقی ص ۴۸ ج ۲ و ابن ابی شیبہ ص ۴۱۲ ج ۱ و طحاوی ص ۱۲۷ ج ۱)
(۱۲) امام نافع بیان کرتے ہیں۔

عن ابن عمر انه كان اذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم،
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو قرأت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۲ ج ۱ و بیہقی ص ۴۸ ج ۲ و طحاوی ص ۱۳۸ ج ۱)۔

(۱۳) امام سعید بن ابی سعید بیان کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ انه كان يجهر بسم الله الرحمن الرحيم،
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۲ ج ۱)

(۱۴) امام عامر بن شراہیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رایت علی بن ابی طالب وصليت ورائه فسمعتہ يجهر بسم الله الرحمن الرحيم
میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے آپ بسم اللہ
الرحمن الرحيم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے (یعنی ص ۴۸ ج ۲)۔

(۱۵) امام سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه كان يقول تفتح القراءة بسم الله الرحمن الرحيم۔
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ قرأت کو بسم اللہ الرحمن الرحيم سے شروع کیا
جائے، (یعنی ص ۴۹ ج ۲)۔

(۱۶) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

صلى معاوية بالمدينة صلاة فجرها فيها بالقراءة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم لام
القرآن ولم يقرأ بها للسورة التي بعدها حتى قضى تلك القراءة ولم يكبر حين يهوى حتى
قضى تلك الصلوة فلما سلم ناداه من شهد ذلك من المهاجرين من كل مكان يا معاوية
اسرقت ام نسيت فلما صلى بعد ذلك قرأ بسم الله الرحمن الرحيم للسورة التي بعد ام
القرآن و كبر حين يهوى ساجداً۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں امامت کروائی اور آپ نے اس میں قرأت کو بلند آواز
سے پڑھا اور سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحيم، کو بھی پڑھا البتہ فاتحہ کے بعد والی سورت
کے ساتھ بسم اللہ کو نہ پڑھا، یہاں تک کہ آپ نے قرأت کو پورا کر کے سجدہ کے لیے تکبیر (بلند) نہ
کہی، جب آپ نے نماز سے سلام پھیرا تو تمام مہاجرین صحابہ کرام نے اپنی اپنی جگہ سے پکارنا شروع
کر دیا کہ اے معاویہ رضی اللہ عنہ آپ نے نماز میں کمی کر دی ہے یا بھول گیا ہے (سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
کہ) جب آپ نے دوبارہ امامت کروائی تو فاتحہ کے بعد والی سورت کے لیے بھی بسم اللہ کو پڑھا اور
سجدہ کے لیے تکبیر بھی (بلند) کہی۔

(بیہقی ص ۴۹ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۱۱ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۲۳۳ ج ۱)

(۱۷) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

فذهب الشافعی رحمہ اللہ الی انہ یجہر بها مع الفاتحة والسورة وهو مذهب طوائف من الصحابة والتابعین وأئمة المسلمین سلفاً وخلفاً فجہر بها من الصحابة، ابو ہریرة و ابن عمر و ابن عباس و معاویة و حکاہ ابن عبدالبر والبیہقی عن عمر و علی ونقلہ الخطیب عن الخلفاء الاربعة وهم ابو بکر و عمر عثمان و علی وهو غریب و من التابعین عن سعید بن جبیر و عکرمة و ابی قلابة والزہری و علی بن الحسن و ابنہ محمد و سعید بن المسیب و عطاء و طاوس و مجاہد و سالم و محمد بن کعب القرظی و عبید و ابی بکر بن محمد بن عمر بن حزم و ابی وائل و ابن سیرین و محمد بن المنکدر و علی بن عبداللہ بن عباس و ابنہ محمد و نافع مولیٰ ابن عمر و زید بن اسلم و عمر بن عبدالعزیز و الازرق بن قیس و حبیب بن ابی ثابت و ابی الشعثاء و مکحول و عبداللہ بن مغفل بن مقرن زاد البیہقی و عبداللہ بن صفوان و محمد بن حنفیة زاد ابن عبدالبر، و عمر و بن دینار۔

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور اگلی کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھا جائے یہ موقف صحابہ کرام تابعین عظام سے ایک گروہ کا ہے، اور یہی موقف آئمہ مسلمین کا سلف و خلف سے ہے۔ جو صحابہ کرام بلند آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں وہ یہ ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، امام ابن عبدالبر اور بیہقی رحمہما اللہ نے یہی روایت کیا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے، اور خطیب نے چاروں خلفاء سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر یہ غریب ہے، تابعین کرام میں، سعید بن جبیر، عکرمہ، ابی قلابہ، زہری، علی بن حسن اور ان کا بیٹا محمد، سعید بن مسیب، عطاء، طاوس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب، عبید، ابی بکر بن حزم، ابی وائل، ابن سیرین، محمد بن منکدر، علی بن عبداللہ بن عباس، اور ان کا بیٹا محمد، نافع مولیٰ ابن عمر، زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ازرق، حبیب بن ثابت، ابی شعثاء، مکحول، عبداللہ بن مغفل بن مقرن، عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ، عمر و بن دینار، یہ بسم اللہ کو نماز میں بلند پڑھنے کے قائل ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۶ ج ۱)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے علاوہ خود پیغمبر دو عالم سرور کائنات امام الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے، اگر ہم بسم اللہ بالجہر کی مرفوع روایات کے تمام طرق کو اکٹھا کرتے تو ایک اچھا خاصہ کتابچہ بن جاتا، امام ابن خزیمہ خطیب بغدادی اور دارقطنی وغیرہ نے بسم اللہ بالجہر پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھنے کی روایات تقریباً تیس صحابہ

کرام سے مروی ہیں، گو ان میں سے اکثر روایات ضعیف و منکر اور سخت ضعیف ہیں، لیکن ہماری پیش کردہ پہلی دو احادیث بالاتفاق صحیح ہیں، صحابہ کرام تابعین عظام کے آثار بھی ان کے موافق ہیں، آئمہ اربعہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی یہی ہے، لیکن ہم خدا لگتی کہتے ہیں کہ گو بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو آہستہ آواز سے پڑھنے کی روایت صرف سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، لیکن یہ ایکلی قوت و صحت کے لحاظ سے ان تمام روایات پر فائق اور بالا ہے۔

اس لیے حق و انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ گو بسم اللہ الرحمن الرحیم، بلند پڑھنے کی صحیح احادیث بھی موجود ہیں لیکن آہستہ پڑھنا بوجہ صحت سند کے رائج ہے، الغرض آہستہ اور بلند پڑھنا دونوں سنت ہیں لیکن دلائل کے اعتبار سے آہستہ پڑھنا قوی ہے، محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں۔

والحق ان احادیث الاسرار قوية من حيث الاسناد فالمختار الاسرار بالقرأة وان كان الجهر جائزاً ايضاً وهو قول شيخنا العلامة المحدث السيد محمد نذير حسين الدهلوی۔
حق بات یہ ہے کہ اسناد کے لحاظ سے سری احادیث قوی ہیں اور مختار یہ ہے کہ قرأت کے ساتھ اسے سری کیا جائے اگرچہ جہری بھی جائز ہے، یہی قول ہمارے شیخ علامہ محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا ہے (التعلیق المغنی ص ۳۱۵ ج ۱)۔

ہماری اس بات کا کوئی حنفی یہ مطلب نہ نکال لے کہ ہم نے مطلق بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کو ناجائز کہہ دیا ہے، ہمارے قول کا مقصد فقط اتنا ہے کہ دونوں طرح جائز ہے مگر قوی سری ہے، آخر میں ہم مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی کا ایک قول نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں۔

هذا هو الحق عندی ايضاً فان انكار الجهر عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً متعسر بل متعذر ولو صح انكاره او حملة على تعليم المقتدى و نحو ذلك فلا يتيسر مثله، نعم المعلوم من جميع الروایات ان السر اكثر و قوعاً و اقوی عملاً و هو لا يستلزم انكار الجهر مطلقاً فالقول بان السرمكروه والجهر مسنون كما ذهب اليه الشافعية في غاية افراط في حق الجهر وتفريط في حق السر والقول بالعكس كما ذهب اليه اكثر اصحابنا بالعكس و خير الامور اوسا طها فاحفظه فانه تحقيق شريف قل من تنبه عليه ،

یعنی میرے نزدیک بھی یہی حق ہے کہ جہراً اور سرراً دونوں طرح درست اور ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونچی آواز سے بسم اللہ کا مطلقاً انکار بہت ہی مشکل ہے، اور اگر اس کا انکار درست ہو یا اسے مقتدی کی تعلیم وغیرہ پر محمول کیا جائے تو اس قسم کی تاویل کی صحابہ اور تابعین کے آثار میں گنجائش نہیں، ہاں تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آہستہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، پڑھنا اکثر اور عملاً زیادہ قوی روایات سے منقول ہے، مگر اس کو اونچی آواز سے پڑھنے کا مطلقاً انکار مستلزم نہیں، لہذا یہ بات

کہ آہستہ پڑھنا مکروہ اور بلند پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ شوافع کا قول ہے، اونچی آواز کے حق میں یہ قول افراط اور آہستہ پڑھنے کے حق میں تفریط پر مبنی ہے، اور اس کے برعکس جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے وہ بھی افراط و تفریط پر مبنی ہے، درمیانی راستہ اور عمل ہی بہتر ہے، اس تحقیق شریف کو خوب یاد کر لو، بہت کم لوگوں نے اس پر متنبہ کیا ہے،

(احکام القنطرة ص ۶۷ و مجموعہ رسائل الکنوی ص ۹۹ ج ۱)

ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں۔

والقول الحق ثبوت الجهر من النبي ﷺ احيانا وكون السرا قوی من الجهر كما حققته احكام القنطرة في احكام البسمة۔

حق قول یہ ہے کہ کبھی کبھی نبی مکرم ﷺ سے اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم، پڑھنا ثابت ہے اور آہستہ پڑھنا اونچی آواز سے پڑھنے سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ میں نے اس کی تحقیق، احکام القنطرة، میں کی ہے،

(اقامة الحجج ص ۱۶ و مجموعہ رسائل الکنوی ص ۱۶۶ ج ۲)۔

بریلوی مکتب فکر کی طرف سے، اقامتہ الحجج، کا اردو ترجمہ بنام، عبادت میں کثرت بدعت نہیں، کے عنوان سے فرید بک سٹال نے شائع کر دیا ہے، اس کے صفحہ ۴۴ پر مذکورہ عبارت بعینہ موجود ہے،

فصل دوم

(۱) عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ كان ينسر بسم الله الرحمن الرحيم و ابو بكر و

عمر رواه الطبراني في الكبير والوسط و رجاله موثقون۔ (مجمع الزوائد ص ۱۰۸ ج ۲)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سب بسم اللہ

آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۲)

الجواب اولاً: بلاشبہ یہ روایات (طبرانی الاوسط ص ۱۲۹ ج ۹ رقم الحدیث ۷۲۷۳) میں موجود ہے، مگر

اس میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کا ذکر نہیں،

سند میں، سوید بن عبدالعزیز راوی متروک ہے جیسا کہ پیشی نے (مجمع الزوائد ص ۱۶۱ ج ۱) میں حکم

لگایا ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں سوید متروک الحدیث ہے، ابن معین کہتے ہیں ثقہ نہیں ہیچ محض اور

ضعیف ہے، ابن سعد اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں مناکیر روایت کرتا ہے، یعقوب سفیان اور نسائی

ضعیف قرار دیتے ہیں ابو حاتم کہتے ہیں لیکن الحدیث ہے اس کی مرویات میں نظر ہے، امام ترمذی

فرماتے ہیں کثرت سے اغلاط کرتا ہے، حاکم کہتے ہیں قائم (پختہ) نہیں، خلال ضعیف قرار دیتے ہیں

ابن حبان نے سخت ضعیف قرار دیکر اس کی مناکیر کی نشان دہی کی ہے۔ (تہذیب ص ۲۳۳ ج ۴)
 ثانیاً: طبرانی کبیر ص ۲۵۵ ج ۱ رقم الحدیث (۷۳۹) میں دوسری سند سے یہ روایت مروی ہے جس
 میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے، غالباً اس سند کے راویوں کے متعلق ہی
 پیشی نے، مؤثوق، کہا ہے، واضح رہے ان الفاظ کا یہ معنی نہیں کہ راوی ثقہ ہیں بلکہ مفہوم یہ ہے کہ ان
 کی توثیق کی گئی ہے گو بعض میں کلام ہے،

بلاشبہ اس کی سند میں، محمد بن متوکل (ابن ابی سری) راوی متکلم فیہ ہے، اسے ابن معین نے ثقہ کہا
 ہے جبکہ جمہور ائمہ جرح و تعدیل نے، کثیر الغلط اور فاش اغلاط کرنے والا قرار دیا ہے، حتیٰ کہ حافظ
 ابن حجر نے لکھا ہے کہ

صدوق عارف لہ اوہام کثیرہ، یعنی سچا اور علم کو جاننے والا ہے لیکن کثرت سے اوہام کرتا
 ہے، (تقریب ص ۳۱۷)۔

ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتیں، اس سے اوپر ایک راوی سلیمان
 بن طرحان، ہے جسے امام نسائی (طبقات ص ۳۳۳) اور یحییٰ بن معین (تہذیب ص ۱۷۷ ج ۴)
 اور علامہ ذہبی نے مدلس قرار دیا ہے (میزان ص ۲۱۲ ج ۲) اس کے اوپر حسن بصری راوی ہیں۔ اور
 حسن بصری بھی مدلس ہیں جیسا کہ امام نسائی اور ابن حبان نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۲۹
 و تہذیب ص ۲۳۶ ج ۲) علامہ ذہبی فرماتے ہیں، کان الحسن کثیر التدلّیس، یعنی حسن کثرت سے
 تدلیس کرتے ہیں (میزان ص ۵۲۷ ج ۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یوسل کثیر و یدلس، یعنی کثرت
 سے ارسال و تدلیس کرتے ہیں (تقریب ص ۶۹) سلیمان اور حسن بصری دونوں نے سماع کی صراحت
 نہیں کی بلکہ عن کے لفظ سے روایت کیا ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

۵۱۳۳۲ ان نمبروں کے تحت ہمارے فاضل دوست نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مختلف اسناد
 و الفاظ سے نقل کیا ہے، بلاشبہ ان احادیث سے آہستہ بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے، صحت سند اور قوت دلائل
 کے اعتبار سے یہی موقف قوی ہے، لیکن سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے، بسم اللہ، کو بلند آواز سے
 پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنی دید بیان کی ہے اور جن صحابہ کرام نے
 بسم اللہ کو بلند پڑھنا بیان کیا ہے انہوں نے اپنی دید بیان کی ہے، ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی
 صورت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ مختلف اوقات کا مشاہدہ ہے۔

(۶) عن ابی وائل قال قال علی و ابن مسعود لا یجہر ان بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا

تعود ولا بامین۔

(معجم طبرانی کبیر ص ۲۶۳ ج ۹)

حضرت ابو وائلؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۳)

الجواب اولاً: مولانا صاحب نے یہاں بھی ابو وائلؓ پر، رضی اللہ عنہ کی علامت ڈالی ہے، ہم ان کے اس خطبہ کا، ہاتھ باندھنے، کے باب میں تفصیل سے رد کر چکے ہیں

ثانیاً: اس کی سند میں ابوسعید البقال (سعید بن مرزبان) راوی ہے، جو ضعیف اور مدلس ہے، امام ابن معین فرماتے ہیں، بیچ محض ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، امام عمرو بن علی فرماتے ہیں ضعیف اور متروک الحدیث ہے، امام ابو زرعہ کہتے ہیں مدلس اور لین الحدیث ہے، امام بخاریؒ کا کہنا ہے منکر الحدیث ہے، ابو حاتم کہتے ہیں اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے، نسائی فرماتے ہیں ضعیف اور غیر ثقہ ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، امام دارقطنی نے متروک اور ساجی، ابن عدی، عجلی ابن عیینہ نے ضعیف قرار دیا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کثرت سے وہم اور فاش اغلاط کرتا ہے (تہذیب ص ۷۱ ج ۴) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ضعیف اور تدلیس کرتا ہے (تقریب ص ۱۲۵) طبقات میں فرماتے ہیں کہ:

مشہور بالتدلیس وصفہ بہ احمد و ابو حاتم و الدارقطنی، یعنی تدلیس کرنے میں مشہور ہے اس کے مدلس ہونے کی صراحت امام احمد ابو حاتم اور دارقطنی نے کی ہے۔

(طبقات المدلسین ص ۵۴)

خلاصہ یہ کہ ابوسعید بقال ضعیف اور مدلس ہے، اور زیر بحث سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے، ابوسعید سے روایت نقل کرنے والا، ابو بکر بن عیاش ہے، یہ بھی متکلم فیہ ہے، تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے، اس سے نیچے کا راوی، احمد بن یونس، ہے اس کا ترجمہ کتب رجال سے راقم کو نہیں ملا، گویا موصوف مجہول ہے۔

ثالثاً: اس کے متن میں بھی اضطراب ہے، (ابن ابی شیبہ ص ۴۱۱ ج ۱) میں یہی روایت ہے، لیکن اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں اور آمین، کی جگہ پر، ربنا لک الحمد، کا ذکر ہے۔

(طحاوی ص ۱۴۰ ج ۱) میں یہی روایت اسی سند کے ساتھ ہے مگر اس میں سیدنا عبداللہ کی بجائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام ہے الغرض یہ روایت سنداً و متناً ضعیف ہے۔

(۷) محمد قال اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم قال قال ابن مسعود فی الرجال

يجهر بسم الله الرحمن الرحيم انها اعرابية وكان لا يجهر بها هو ولا احد من اصحابه
حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بروایت حماد ابراہیم نخعی سے یہ خبر دی کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے شخص کے بارے میں جو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتا ہے فرمایا کہ یہ گنوار پن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود اور ان کے اصحاب میں

سے کوئی بھی بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھتا تھا۔

(کتاب الاثار للامام ابو حنیفہ ص ۲۲، حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۴)

الجواب اولاً: سند میں امام محمد اور امام ابو حنیفہ ہیں جو سبھی الحفظ ہیں تفصیل مسئلہ فاتحہ خلف الامام

میں آ رہی ہے، ایسا ہی حماد بن ابی سلیمان راوی بھی متکلم فیہ ہے،

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرنے والے، ابراہیم

نخعی ہیں، اور ابراہیم کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، جیسا کہ امام علی بن مدینی اور امام ابو حاتم نے

صراحت کی ہے، (مراہیل ابن ابی حاتم ص ۹) علامہ زبیلی حنفی فرماتے ہیں کہ و ابراہیم لم یلق

عبداللہ بن مسعود، یعنی ابراہیم کی سیدنا عبداللہ بن مسعود سے ملاقات نہیں ہوئی (نصب الراية ص ۳۳۵ ج ۱)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ:

ان ابراہیم حجة وانہ اذا أرسل عن ابن مسعود وغيره فليس ذلك بحجة۔

یعنی ابراہیم نخعی حجت ہے لیکن جب سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مرسل روایت کرے تو تب

حجت نہیں (میزان الاعتدال ص ۷۷ ج ۱) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثاً: مسلمہ اصول ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو وہاں اقوال صحابہ کرام حجت نہیں

ہوتے، راجع مقدمہ، اور زیر بحث مسئلہ میں صحابہ کرام مختلف ہیں۔

(۸) عن عكرمة عن ابن عباس في الجهر بسم الله الرحمن الرحيم قال ذلك فعل

الاعراب، (طحاوی ص ۱۴۰ ج ۱)

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بسم اللہ اونچی آواز سے

پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ تو گنواروں کا فعل ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۴)۔

الجواب اولاً: پہلی فصل میں ہم ایسے اقوال سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نقل کر چکے ہیں، جن سے

ثابت ہے کہ وہ بسم اللہ بالجہر بھی پڑھا کرتے تھے، فما كان جوابكم فهو جوابنا،

ثانیاً: جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ہوتا ہے، ان میں اقوال صحابہ کرام حجت نہیں ہوتے، راجع

مقدمہ۔

(۹) عن ابن عبد الله بن مغفل قال سمعني ابي وانا في الصلوة اقول بسم الله الرحمن

الرحيم فقال لي اي بنى محدث اياك والحدث قال ولم ارا احداً من اصحاب رسول

الله صلی اللہ علیہ وسلم كان ابغض اليه الحدث في الاسلام يعني منه وقال قد صليت مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم ومع

ابي بكر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم يقولها فلا تقلها اذا انت صليت فقل الحمد

للہ رب العالمین، قال ابو عیسیٰ حدیث عبد اللہ بن مغفل حدیث حسن والعمل علیہ عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ منهم ابو بکر و عمر و عثمان و علی و غیرہم و من بعدہم من التابعین و بہ یقول سفیان الثوری و ابن المبارک و احمد و اسحاق لا یرون ان ینجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا ویقولہا فی نفسہ،

(ترمذی ص ۵۷ ج ۱)

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا، بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے نزدیک اسلام میں بدعت ایجاد کرنے سے زیادہ کوئی چیز مغضوب ہو اور فرمایا کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان (سب) کے ساتھ نماز پڑھی ہے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ کہتے ہوئے نہیں سنا، لہذا تم بھی نہ کہو، جب تم پڑھو تو کہو، الحمد للہ رب العلمین، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مغفل کی حدیث حسن ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکثر اہل علم صحابہ کا عمل اسی پر ہے، جن میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین بھی ہیں، حضرت سفیان ثوری، حضرت عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے، یہ لوگ اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کو صحیح نہیں سمجھتے، البتہ ان کا کہنا ہے، کہ نمازی بسم اللہ الرحمن الرحیم، اپنے جی میں کہہ لے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۵-۲۹۶)

الجواب اولاً: اس روایت سے بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت ثابت کرنا محترم کی سینہ زوری ہے، روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ بسم اللہ کو بلند نہ پڑھا جائے، بلکہ اس سے مطلق بسم اللہ کے پڑھنے کا رد ہوتا ہے، روایت کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں، فلا تقلہا اذا انت صلیت، یعنی جب تم نماز پڑھو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم، نہ کہو قال بمعنی جبر، نہیں آتا، یہ آپ کی زیادتی ہے، اگر اس کا معنی جبر ہے تو آگے کے الفاظ، فقل الحمد للہ رب العلمین، کا معنی یہ ہوگا کہ فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھا کرو، کاش آپ نے کسی قابل استاذ سے ترمذی پڑھی ہوتی۔

ثانیاً: اس کی سند میں، سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، کا بیٹا ہے، تقریب میں ہے کہ اس کا نام یزید ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (تاریخ کبیر ص ۴۳۱ ج ۴ ق ۲) میں امام ابو حاتم نے (الجرح والتعدیل ص ۳۲۳ ج ۴ ق ۲) میں اور حافظ ابن حجر نے (تہذیب ص ۳۰۲ ج ۱۲) میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی جس سے لازم آتا ہے کہ یہ مجھول ہے، امام ابن خزیمہ امام ابن عبد البر اور

خطیب نے مجہول قرار دیا ہے (نصب الراية ص ۳۳۲ ج ۱) علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ترمذی ص ۲۸)

(۱۰) عن ابراهيم قال جهر الامام بسم الله الرحمن الرحيم بدعة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۱ ج ۱ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام کا بسم اللہ الرحمن

الرحيم، اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے“ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۶)۔

الجواب: یہ قول ایک صغیر تابعی کا ہے، جو دلیل شرعی نہیں، اصول فقہ حنفی میں بھی چار چیزوں کو دلیل قرار دیا گیا ہے، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس شرعی، ظاہر ہے کہ تابعی کا قول مذکورہ چاروں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، ہمارے معاصر نے امام وکیع سے بھی بلند آواز سے پڑھنے کو بدعت، ہونا نقل کیا ہے، ہم یہاں پر سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور آئمہ اہل سنت میں سے جو بزرگ بسم اللہ بالجہر کے قائل ہیں، کیا وہ تمام کے تمام بدعتی اور گمراہ تھے؟ وضاحت کیجئے، فقہ حنفی کی تمام متداول کتب میں صراحت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کے قائل تھے، کیا وہ بدعتی تھے؟۔

محترم انوار خورشید صاحب، حاطب اللیل، کی طرح عبارات پہ عبارات تو نقل کرتے ہیں مگر ان میں کھوٹے اور کھرے کی تمیز نہیں کرتے ادھر اس کا بدعت ہونا نقل کرتے ہیں دوسری طرف امام سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں کہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا، افضل ہے،

(تذکرۃ الحفاظ ص ۲۰۶ ج ۱، حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۶)

محترم افضل کی ضد بدعت نہیں بلکہ مفضول ہوتی ہے، آخر عقل تو اللہ نے ہر ایک کو دی ہے، صراحت کیجئے کہ بسم اللہ بالجہر کو آپ بدعت کہتے ہیں یا مفضول؟ اگر مفضول کہتے ہیں یقیناً مفضول ہی کہتے ہیں جیسا کہ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

اس تمام تر نزاع کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ تسمیہ کے جہر و اخفاء کے مسئلہ میں اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ محض افضل و مفضول کا اختلاف ہے۔

(درس ترمذی ص ۴۹۹ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم نخعی اور امام وکیع کے قول سے آپ کو بھی اتفاق نہیں، صرف پجارے اہل حدیث کو چڑانے کے لیے آپ نے نقل کر دیئے ہیں۔ شاید مجادلہ کے میدان میں اس کردار کی حوصلہ افزائی کی جائے مگر علمی دنیا میں اس روش کو بغض و تعصب اور کمینہ ظرفی سے تعبیر کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام: صرف سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی صحیح ہے، جو حنفی موقف کی ترجمانی کرتی ہے، اس کے مختلف طرق اور الفاظ اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہیں لیکن انہوں نے اس کا بھی جو

پہلا طریق پیش کیا وہ درجہ چہارم سے پیش کیا جو سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، اگر اس میں، یسر، کا لفظ تھا تو سنن نسائی، کی روایت میں، فلم اسمع احدامنہم یجھر، کے الفاظ بھی تھے، جسے خود انوار صاحب نے نمبر ۲ پر نقل کیا ہے، میں حیران ہوں اور میری حیرانگی بجا ہے کہ صحیح کی بجائے ایک ضعیف روایت کا انتخاب کیوں کیا؟

کیا فرق مراتب کو ملحوظ رکھنے کا انہیں علم نہیں، یقیناً ہے، آخر جامعہ مدنیہ کے مدرس اور ماشاء اللہ سفید ریش بزرگ ہو چکے ہیں۔ ہم جیسے نوجوانوں کا انہیں جاہل اور علم حدیث میں نالائق کہنا مناسب نہیں، ہاں اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ بزرگوں کی ترتیب علم دوست لوگوں جیسی نہیں، ممکن ہے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ یہ بشری تقاضہ کی وجہ سے غلطی ہو گئی ہے، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ بزرگوں نے غیر متعلقہ روایات و آثار بھی نقل کر کے ان کا مفہوم بگاڑا ہے۔

(۳۱) باب سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی

فصل اول

قرآن سے ثبوت

پہلی آیت: ولقد اتینک سبعاً من المثنائی والقرآن العظیم۔

(سورہ الحجر آیت ۸۷)

اور ہم نے تجھے وہ سات (آیات) دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن بڑی عظمت والا

(۱) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ام القرآن ہی السبع المثنائی والقرآن العظیم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ام القرآن وہی سات آیات ہیں جو

بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن جو بڑی عظمت والا ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الحجر، باب قوله ولقد اتینک سبعاً من المثنائی والقرآن العظیم،

الحديث ۴۷۰۴)

(۲) یہی حدیث سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے (سنن دارمی ص ۵۳۸ ج ۲ (۳۳۷۲) وغیرہ میں

اور سیدنا ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ سے، بخاری (۴۴۷۴) میں آتی ہے۔

(۳) عن عمر قال السبع المثنائی فاتحة الكتاب تثنى في كل ركعة۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، سبع مثنائی، سورہ فاتحہ ہے کہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے

(ابن جریر بحوالہ اتقان ص ۵۳ ج ۱)

(۵) عن ابن عباس في قوله، ولقد اتینک سبعاً من المثنائی والقرآن العظیم، اما السبع

المثنائی فہی ام القرآن تثنى في كل صلاة في كل ركعتين،

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ولقد اتینک سبعاً من المثنائی والقرآن العظیم، کے متعلق

فرماتے ہیں کہ سبع مثنائی، ام القرآن (سورہ فاتحہ) ہے کہ ہر نماز اور ہر دو رکعت میں دہرائی جاتی ہے،

(شعب الایمان للبيهقي ص ۴۴۴ ج ۲ رقم الحديث ۲۳۵۶)

(۶) عن قتادة قال هي فاتحة الكتاب تثنى في كل ركعة مكتوبة او تطوع،

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ (سبع مثنائی) سورہ فاتحہ ہے کیونکہ یہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے (نماز

خواہ فرض ہو یا، نفل،

(شعب الایمان ص ۴۴ ج ۲ و ابن جریر ص ۵۴ ج ۱۳ و ابن کثیر ص ۵۵۷ ج ۲ و درمنثور ص ۱۰۵ ج ۴)

حدیث مرفوع اور اقوال صحابہ و تابعین سے ثابت ہوا کہ سبع مثانی سورہ فاتحہ کو ہی کہتے ہیں، اس لیے کہ ہر رکعت میں دھرائی جاتی ہے، اس آیت کی یہی تفسیر تمام معتبر کتب تفسیر میں پائی جاتی ہے، اور اس میں امام و منفرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے، مفسرین کے اقوال کی روشنی میں آیت کے عموم میں منفرد اور مقتدی سب شامل ہیں۔

دوسری آیت: فاقروا ما تيسر من القرآن (المزمل ص ۷۳)

پڑھو جو آسان ہو قرآن سے، اس آیت سے حنفیہ نے مطلق قرأت کی فرضیت کا استدلال کیا ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۱۷۲۴۰) ان کے نزدیک یہ آیت نص قطعی ہے، سابقہ آیت سے سورہ فاتحہ کی تعین ہوتی ہے

تو یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے، الغرض اس آیت سے نماز میں قرأت قرآن کی فرضیت بالاتفاق ثابت ہے، اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس نص کو ضعیف اور من گھڑت روایات کے بل بوتے پر خاص نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری آیت: وان ليس للانسان الا ما سعى (النجم آیت ۳۹)

اور انسان کو اس کی کوشش ہی کام آئے گی، اس آیت میں یہ قاعدہ بیان ہوا ہے کہ انسان کو اس کی کوشش ہی کام آئے گی“ سابقہ آیات سے فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، تو مقتدی کا بھی اس آیت کے موافق یہی وظیفہ ہے، کیونکہ عبادات بدینہ میں نیابت تو احناف میں بھی جائز نہیں۔
چوتھی آیت: واذكرو ربك في نفسك تضرعا و خيفة (الاعراف آیت ۲۰۵)۔

اور ذکر کر اپنے رب کا آہستہ اور عاجزی اور ڈر کے ساتھ
اس آیت سے پہلے چونکہ قرآن پاک سننے کا حکم ہے، اس لیے یہاں بتلایا گیا ہے کہ آہستہ پڑھو، آہستہ پڑھنا انصاف و سماع کے منافی نہیں ہے۔

مرفوع احادیث

(۱) عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلاة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب۔
سیدنا عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

(بخاری کتاب الاذان باب وجوب القراءة للامام والمأموم الحديث ۷۰۶، و مسلم کتاب الصلاة باب وجوب قراءة الفاتحة الحديث ۸۷۴)

(۲) عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ لا صلاة لمن يقتري بام القرآن
سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو ام
القرآن کی قرأت نہ کرے۔

(مسلم رقم الحدیث ۸۷۵) باب سابق

(۳) ان محمود بن الربیع ان عبادة بن الصامت اخبره ان رسول الله ﷺ قال لا صلاة
لمن لم يقرأ بام القرآن۔

امام محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ مجھے سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کا
ارشاد ہے جو شخص ام القرآن کی قرأت نہ کرے اس کی نماز نہیں۔

(مسلم رقم الحدیث ۸۷۶) باب سابق۔

(۴) عن عبادة بن الصامت عن النبي ﷺ قال لا صلاة الا بقراءة فاتحة الكتاب۔

سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز نہیں مگر سورہ فاتحہ کی
تلاوت کے ساتھ۔ (صحیح ابن خزیمہ ص ۲۳۷ ج ۱)۔

(۵) عن عبادة بن الصامت يقول قال النبي ﷺ لا تجزى صلاة لا يقرأ الرجل فيها

بفاتحة الكتاب، هذا اسناد صحيح۔

سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جو آدمی سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس
کی نماز جائز نہیں (سنن دارقطنی ص ۳۲۲ ج ۱)۔

(۶) عن ابی هريرة عن النبي ﷺ قال من صلى صلاة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي

خداج، ثلاثا غير تمام، فقيل لابي هريرة، ان نكون وراء الامام، فقال اقرأ بها في نفسك،
فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول، قال الله تعالى، قسمت الصلاة بيني وبين عبدی
نصفين، ولعبد ما سال، فاذا قال العبد، الحمد لله رب العلمين قال الله تعالى، حمدني،
عبدی، واذا قال، الرحمن الرحيم، قال الله تعالى اثنى على عبدی، فاذا قال، ملك يوم
الدين، قال مجدني عبدی وقال مرة فوض الى عبدی فاذا قال اياك نعبد واياك نستعين، قال
هذا بيني وبين عبدی ولعبدی ما سال، فاذا قال، اهدنا الصراط، المستقيم صراط الذين
انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال، هذا لعبدی ولعبدی ما سال،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ
فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، تین بار فرمایا، پوری نہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام
کے پیچھے ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا آہستہ پڑھا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا، نماز میرے اور بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم ہوگی ہے، اور میرا بندہ جو بھی مانگے گا اسے وہی ملے گا، چنانچہ بندہ جب، الحمد لله رب العلمین، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، حمدنی عبدی (میرے بندے نے میری تعریف کی) اور جب الرحمن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا، اثنی علی عبدی (میرے بندے نے میری تعریف کی) اور جب مالک یوم الدین، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے، مجدنی عبدی وقال مرة فوض الی عبدی (بندہ نے میری خوبی اور بزرگی بیان کی اور کبھی یہ فرمایا کہ بندہ نے اپنے کاموں کو میرے سپرد کر دیا) پھر جب وہ، ایاک نعبد و ایاک نستعین، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، هذا بینی و بین عبدی و لعبدی ما سال (یہ میرے اور بندہ کے بیچ ہے اور میرے بندہ کو جو وہ مانگے ملے گا) اور پھر جب وہ، اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندہ کے لیے اور جو وہ مانگے اسے وہی ملے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب وجوب قراءة الفاتحة الحدیث ۸۷۸)

(۷) عن ابی ہریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ من صلی صلاة لم یقرأ فیہا بام القرآن

فہی خداج، فہی خداج، غیر تمام، الحدیث

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے ناقص، ناقص، پوری نماز نہیں ہے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من ترک القراءة فی الصلوة بفاتحة الكتاب، الحدیث (۸۲۱) و موطا امام مالک باب القراءة خلف الامام فیما لا یجہر فی القراءة و نسائی کتاب الافتتاح باب ترک القراء بسم اللہ الرحمن الرحیم فی فاتحة الكتاب الحدیث ۹۱۰)

(۸) عن ابی ہریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ من صلی صلاة لم یقرأ فیہا بام القرآن

فہی خداج غیر تمام، الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے پوری نہیں ہوئی۔

(ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب القراءة خلف الامام، الحدیث ۸۳۸)

(۹) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجزی صلاة لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب

قلت فان كنت خلف الامام؟ قال فاخذ بیدی فقال اقرأ بها فی نفسك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے کہا کہ اگر میں امام کے پیچھے ہوں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میرا ہاتھ آپ نے پکڑ لیا اور فرمایا کہ اپنے نفس (جی) میں پڑھا کر، صحیح ابن حبان رقم الحدیث (۱۷۸۶) و موارد الظمان ص ۱۲۶ رقم الحدیث (۴۵۷) (۱۰) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ کل صلاة لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب فہی خداج غیر تمام قال قلت کنت خلف الامام قال فاخذ بیدی وقال اقرأ فی نفسک یا فارسی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے پوری نہیں ہے، میں نے کہا کہ اگر میں امام کے پیچھے (نماز پڑھ رہا) ہوں تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے فارسی آہستہ پڑھا کرو۔

(مسند ابو عوانہ ص ۱۲۷ ج ۲)

(۱۱) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ کل صلاة لا یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثم ہی خداج۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے پھر فرمایا ناقص ہے۔

(مسند احمد ص ۲۹۰ ج ۲ و أسنادہ حسن، ارواء الغلیل ص ۲۸۱ ج ۲)

(۱۲) عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، (کتاب القراءة للبیہقی ص ۳۳) (۱۳) عن عائشة قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کل صلاة لا یقرأ فیہا بام الكتاب فہی خداج۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہر نماز جس میں ام الكتاب نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص ہے، (ابن ماجہ کتاب اقامة الصلاة باب القراءة خلف الامام، الحدیث ۸۴۰)

(۱۴) عن عائشة قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے رسول مکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں، ام القرآن نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے۔ (مسند احمد ص ۱۴۲ ج ۶)

(۱۵) عن عائشة زوج النبي ﷺ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من صلى صلاة لا يقرأ فيها بام القرآن في خداج-

نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے۔

(مسند احمد ص ۲۷۵ ج ۶) و اسنادہ حسن، آثار السنن ص ۹۵

(۱۶) عن عائشة ان النبي ﷺ قال كل صلاة لا يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج-

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص ہے، (طبرانی صغیر ص ۱۶۲ ج ۱ رقم الحدیث ۲۵۷)

(۱۷) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ كل صلوة لا يقرأ فيها فهي خداج ثلثا-

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نماز جس میں قرأت (فاتحہ) نہ کی جائے وہ ناقص ہے (تین بار فرمایا) (کتاب القراءة للبيهقي ص ۳۷)

(۱۸) عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال كل صلاة لا يقرأ بها بفاتحة الكتاب فهي

خداج فهي خداج فهي خداج-

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔

(طبرانی الاوسط ص ۲۰۶ ج ۸ رقم الحدیث ۷۴۲۲)

(۱۹) عن ابن عمر عن رسول الله ﷺ انه قال من صلى صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن

فهي خداج غير تمام-

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص اور غیر مکمل ہے (کتاب القراءة للبيهقي ص ۳۸)

(۲۰) عن ابن عمرو قال قال رسول الله ﷺ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب-

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ کو نہ پڑھا۔

(کتاب القراءة للبيهقي ص ۳۹)

مولانا سرفراز خان صفدر نے، (حاشیہ احسن الکلام ص ۱۷ ج ۲) میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے

(۲۱) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ قال كل صلاة لا يقرأ

فیہا بفاتحة الكتاب فہی خداج فہی خداج۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو والعاص رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے ناقص ہے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوة باب یقرأ خلف الامام، الحدیث ۸۴۱)

(۲۲) عن عمرو بن شعيب عن ابیه عن جدہ ان رسول اللہ ﷺ قال کل صلاة لا یقرأ فیہا

بفاتحة الكتاب فہی مخدجة، مخدجة، مخدجة۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو والعاص رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز جس میں سورہ

فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے۔

(کتاب القراءة للبيهقي ص ۳۸)

(۲۳) عن عمرو بن شعيب عن ابیه عن جدہ عن النبی ﷺ قال کل صلاة لا یقرأ بها بام

القرآن مخدجة مخدجة مخدجة۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو والعاص رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نماز جس میں ام القرآن

نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے۔

(معجم طبرانی الاوسط ص ۴۲۸ ج ۴ رقم الحدیث ۳۷۱۶)

(۲۴) عن عمرو بن شعيب عن ابیه عن جدہ عن النبی ﷺ قال کل صلوة لا یقرأ فیہا

بفاتحة الكتاب فہی خداج۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو والعاص رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہر نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی

جائے وہ ناقص ہے (کتاب القراءة للبيهقي ص ۳۸)

(۲۵) عن عبادة بن الصامت ان النبی ﷺ قال ام القرآن عوض من غیرها وليس غیرها

منها عوض۔

سیدنا عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ باقی (قرآن کا عوض

ہے اور باقی قرآن فاتحہ کا عوض نہیں ہے۔

(مستدرک حاکم ص ۲۳۸ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۲۲ ج ۱ و کتاب القراءة ص ۱۲)

حاکم و ذہبی نے صحیح کیا ہے۔

(۲۶) عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجزی صلاة لا یقرأ الرجل فیہا

بفاتحة الكتاب۔

سیدنا عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ نماز جائز نہیں جس میں آدمی

سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۱)

(۲۷) عن جابر ذکر قصة معاذ قال وقال يعنى النبي ﷺ للفتى، كيف تصنع يا ابن اخي! اذا صليت؟ قال، اقرء بفاتحة الكتاب واسأل الله الجنة و اعوذ به من النار، وانى لا ادرى ما دندنتك ولا دندنة معاذ فقال النبي ﷺ انى و معاذ حول هاتين او نحو هذا۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا کہ رسول مکرم ﷺ نے اس نوجوان سے کہا میرے بھائی کے بیٹے تو کیا کرتا ہے، جب نماز پڑھتا ہے، اس نے کہا میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں لیکن مجھے سمجھ نہیں کہ آپ علیہ السلام اور معاذ رضی اللہ عنہ کی آواز کو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور معاذ دونوں اسی کے اردگرد ہیں یا اس جیسا کوئی اور لفظ ارشاد فرمایا،

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب تحفیف الصلاة الحدیث ۷۹۳)

(۲۸) عن جابر بن عبد الله قال، كان معاذ بن جبل يصلى مع رسول الله ﷺ العشاء ثم يرجع فيصلى با صحابه، فرجع ذات يوم، فصلى بهم و صلى خلفه فتى من قومه، فلما طال على الفتى، صلى و خرج، فاخذ بخطام بعيره و انطلقوا، فلما صلى معاذ ذكر ذلك له فقال، ان هذا لنفاق لأخبرن رسول الله ﷺ فاحبره معاذ بالذى صنع الفتى، فقال الفتى، يا رسول الله، يطيل المكث عندك، ثم يرجع فيطول علينا، فقال رسول الله ﷺ، افتنان انت يا معاذ؟ وقال لفتى، كيف تصنع يا ابن اخي اذا صليت؟ قال اقرأ بفاتحة الكتاب، واسأل الله الجنة، و اعوذ به من النار، وانى لا ادرى ما دندنتك و دندنة معاذ، فقال رسول الله ﷺ، انى و معاذ حول هاتين، او نحوذى قال، قال الفتى، ولكن سيعلم معاذ اذا قدم القوم و قد خبروا ان أبعده و قد دنا، قال، فقدموا، قال، فاستشهد الفتى فقال النبي ﷺ بعد ذلك لمعاذ، ما فعل خصمى و خصمك؟ قال يا رسول الله ﷺ صدق الله و كذبت، استشهد۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے، پھر وہاں سے واپس آ کر اپنی قوم کے لوگوں کی امامت کرتے، پس ایک دن انہوں نے لوٹ کر نماز پڑھائی، اس نماز میں ان کی قوم کا ایک نوجوان بھی تھا، اس نے جب قرأت لمبی ہوتے دیکھی تو (جماعت سے نکل کر مسجد کے ایک گوشہ میں) نماز ادا کی اور مسجد سے نکل کر اپنے اونٹ کی ٹکیل پکڑی اور چلتا بنا، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے اس کا ذکر کیا گیا، انہوں نے کہا یقیناً اس کے یہاں نفاق ہے، میں اس کی ضرورت نبی مکرم ﷺ کو خبر دوں گا، اور سیدنا

معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوجوان کی حرکت سے باخبر کیا، تو نوجوان نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ آپ کے پاس دیر تک رکے رہتے ہیں، پھر جب لوٹتے ہیں تو بڑی لمبی قرأت کرتے ہیں، اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے معاذ! کیا تم فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو؟ اور نوجوان سے کہا کہ میرے بھائی کے بیٹے تم نماز کیسے پڑھتے ہو؟ نوجوان نے کہا کہ میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں، اور مجھے آپ کی بات کی سمجھ آتی ہے اور نہ ہی معاذ کی، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور معاذ بھی ان دونوں کے ارد گرد گھومتے ہیں، یا اس جیسا کوئی فقرہ فرمایا، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نوجوان نے کہا کہ دشمن کے آنے پر معاذ کو جلدی علم ہو جائے گا، ان دنوں یہ خبر تھی کہ دشمن حملہ آور ہونے والا ہے، جابر بیان کرتے ہیں کہ چنانچہ دشمن آدھکا اور اس نوجوان نے جام شہادت نوش کیا، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے بعد میں کہا کہ میرے اور آپ سے مخاصت کرنے والے کا کیا ہوا؟ تو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے شہادت پائی اور وہ سچا تھا اور میں غلطی پر تھا۔

(صحیح ابن خزیمہ ص ۶۴ ج ۳ رقم الحدیث ۱۶۳۴ و السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۱۷ ج ۳)

(۲۹) عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ جاء فصلی رکعتین لم یقرأ فیہا الا بام الكتاب۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی اس میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کی۔

(ابن خزیمہ ص ۲۵۸ ج ۱ رقم الحدیث ۵۱۳، و مسند احمد ص ۲۸۲ ج ۱ و بیہقی ص ۶۱ ج ۲ و طبرانی

کبیر ص ۱۹۳ ج ۱۲ رقم الحدیث ۱۳۰۱۶) و مسند ابو یعلیٰ ص ۸۶ ج ۳ (۲۵۰۴)

(۳۰) عن ابن عباس قال صلی رسول اللہ ﷺ العید رکعتین لا یقرأ فیہما الا بام

الكتاب لم یزد علیہا شیئا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں

صرف سورہ فاتحہ پڑھی اور اس سے زیادہ قرأت نہ کی، (مسند احمد ص ۲۳۳ ج ۱)

(۳۱) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان النبی ﷺ یخفف الرکعتین اللتین قبل صلاة الصبح

حتى انی لا قول هل قرأ بام الكتاب۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے پہلے جو دو

رکعتیں (سنت کی) پڑھتے تھے وہ ایسی ہلکی پھلکی پڑھتے تھے حتیٰ کہ میں کہتی آپ نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی

ہے یا نہیں؟۔

(بخاری کتاب التہجد باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر، الحدیث ۱۱۷۱ و مسلم کتاب الصلاة المسافرين باب

استحباب رکعتی سنة الفجر..... الحديث ۲۶۸۴ ۱۶۸۵)

(۳۲) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ یقول فی کل صلاة، یقرأ فما أسمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أسمعنا کم وما اخفی عنا اخفینا عنکم وان لم تزد علی ام القرآن اجزات وان زدت فهو خیر، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں قرأت کی جاتی ہے پس جو کچھ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا ہم نے تم کو سنایا اور جو کچھ ہم سے مخفی رکھا ہم نے تم سے مخفی رکھا اور اگر سورہ فاتحہ سے زائد نہ پڑھے تو وہ تیرے لیے کافی ہے اور اگر تو زیادہ پڑھے تو بہتر ہے۔

بخاری کتاب الاذان باب القراءة فی الفجر، الحديث ۷۷۲ و مسلم کتاب الصلاة باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة..... الحديث ۸۸۳، ۸۸۴)

واضح رہے کہ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی نے، عمدة القاری ص ۳۳ ج ۶ و نی نسخہ الاخری ص ۴۸ ج ۶ اور حافظ ابن حجر نے، فتح الباری ص ۲۵۲ ج ۲ میں صراحت کی ہے۔

(۳۳) عن سیار بن سلامة ان عمر بن الخطاب سقط علیه رجل من المهاجرین و عمر یتهدج من اللیل یقرأ بفاتحة الكتاب لا یزید علیها و یکبر و یرکع ثم یرکع و یسجد فلما اصبح الرجل ذکر ذلك لعمر فقال عمر لامک الویل الیست تلك صلاة الملائكة۔ امام سیار بن سلامة بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ایک مہاجر گر پڑا جب کہ وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، آپ صرف سورہ فاتحہ پڑھتے پھر اللہ کی تکبیر و تسبیح بیان کرتے پھر رکوع اور سجدہ کرتے، جب صبح ہوئی تو اس نے اس کا ذکر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کیا، تو انہوں نے فرمایا تیری ماں پر افسوس کیا یہ فرشتوں کی نماز نہیں۔

(الدر المنثور ص ۶ ج ۱ و فصل الخطاب ص ۱۳۰ و السعایہ ص ۱۷۱ ج ۲)

علامہ علی متقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت حکماً مرفوع ہے،

(کنز العمال ص ۵۲ ج ۸ رقم الحديث ۲۲۱۱۰)

(۳۴) عن عبادة بن الصامت قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوات التي یجهر فیها بالقراءة فقال لا یقرون احد منکم اذا جهرت بالقراءة الا بام القرآن۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جہری نماز پڑھائی پھر فرمایا جب میں پکار کر قرأت کروں تو تم میں سے کوئی ایک بھی کچھ نہ پڑھے مگر سورہ فاتحہ۔

(نسائی کتاب الافتتاح باب قراءة ام القرآن خلف الامام فیها جهر به الامام، الحديث ۹۲۱، و دارقطنی ص ۳۲۰ ج ۱ و کتاب القراءة ص ۵۰ و السنن الکبریٰ ص ۱۶۵ ج ۲ للبیہقی)

(۳۵) عن نافع أبطا عبادة عن الصلاة الصبح فاقام ابو نعیم المؤذن الصلاة فصلی ابو نعیم بالناس و اقبل عبادة و انا معه حتی صففنا خلف ابی نعیم و ابو نعیم یجهر بالقراءة فجعل

عبادۃ یقرأ بام القرآن فلما انصرف قلت لعبادة سمعتك تقرأ بام القرآن و ابو نعیم یجهر قال أجل صلی بنا رسول اللہ ﷺ بعض الصلوات التي یجهر فيها القراءة، قال، فالتبست علیه القراءة فلما انصرف اقبل علينا بوجهه فقال هل تقرأون اذا جهرت بالقراءة؟ فقال بعضنا انا نصنع ذلك، قال، فلا، وانا اقول مالی یناز عنی القرآن فلا تقرأوا بشئ من القرآن اذا جهرت الایام القرآن۔

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز کے لیے دیر کی تو ابو نعیم مؤذن نے تکبیر کہہ کر لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کر دی، اتنے میں سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور میں ان کے ساتھ تھا، ہم نے ابو نعیم کے پیچھے صف باندھی اور ابو نعیم بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ پڑھنے لگے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سیدنا عبادہ سے کہا کہ میں نے آپ کو سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا ہے حالانکہ ابو نعیم بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے، انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ نبی مکرم ﷺ نے کوئی جبری نماز پڑھائی اور آپ قرأت سے رکنے لگے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ کیا تم پڑھا کرتے ہو جب میں بلند آواز سے قرأت کرتا ہوں، ہم میں سے بعض لوگوں نے کہا ہاں ہم ایسا ہی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مت پڑھا کرو تب ہی تو میں کہتا تھا مجھے کیا ہوا کہ کوئی مجھ سے قرآن چھین لیتا ہے لہذا جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن سے کچھ نہ پڑھا کرو۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من ترك القراءة فی صلاته بفاتحة الكتاب، الحدیث ۸۲۴) و دارقطنی ص ۳۱۹ ج ۱ و کتاب القراءة ص ۵۰ و بیہقی ص ۱۶۴ ج ۲)

امام ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے، امام دارقطنی اور بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۳۶) عبادۃ بن الصامت قال كنا خلف رسول اللہ ﷺ فی صلاة الفجر فقرا رسول اللہ ﷺ فنقلت علیه القراءة فلما فرغ قال، لعلمكم تقرأون خلف امامكم؟ قلنا نعم هذا یا رسول اللہ! قال، لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لا صلاة لمن یقرأ بها۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی مکرم ﷺ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ قرأت کر رہے تھے اور آپ پر قرأت ثقیل ہو گئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، ہم نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ! ہم ایسا ہی کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو، کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من ترك القراءة فی صلاته بفاتحة الكتاب، الحدیث ۸۲۳ و ترمذی کتاب

الصلاة باب ما جاء في القراءة خلف الامام، الحديث ۳۱۱، و دارقطنی ص ۳۱۸ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۲۳۸ ج ۱ و کتاب القراءة ص ۴۴ و بیہقی ص ۱۶۴ ج ۲ و مسند احمد ص ۲۱۶ ج ۵ و ابن حبان رقم الحديث ۱۷۸۲ و ۱۷۸۹ و ۱۸۴۵) و ابن خزيمة ص ۳۶ ج ۳ رقم الحديث (۱۰۸۱)

امام ترمذی اور دارقطنی نے حسن امام بیہقی امام ابن خزيمة امام ابن حبان، امام ابوداؤد امام بخاری رضی اللہ عنہم وغیرہ نے صحیح کہا ہے، (توضیح الکلام ص ۳۲۲ ج ۱)

(۳۷) عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب امام وغير امام۔

سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی امام ہو یا غیر امام (مقتدی) ہو۔
(کتاب القراءة للبیہقی ص ۴۸)

(۳۸) عن عبادة بن الصامت قام في الناس فقال ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صلى لنا فجهر بالقرآن فلبست عليه القراءة فلما انصرف قال هل تقروؤن خلف الامام اذا جهر قالو نعم نهذا القرآن هذا قال عجبنا انازع القرآن وقال لا تقروؤا اذا جهر الامام الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بام القرآن۔

سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور قرأت کو بلند آواز سے پڑھا اور آپ پر قرأت بوجھل ہو گئی جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ جب امام بلند آواز سے قرأت کرتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہاں ہم جلدی جلدی قرآن کی قرأت کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے قرآن سے منازعت عجیب سی لگی، اور فرمایا کہ جب امام بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو، تو سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔ (کتاب القراءة للبیہقی ص ۵۳)

(۳۹) عن عبادة بن الصامت انه سمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا يقرآن احدكم مع الامام الا بام القرآن۔

سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام فرما رہے تھے کہ تم میں سے کوئی ایک (بھی) امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور قرأت نہ کرے،
(کتاب القراءة للبیہقی ص ۵۱)

(۴۰) عن عبد الله بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربيع عن عبادة ان محمودا صلى الي جانبہ فسمعه يقرأ وراء الامام فسأله حين انصرف عن ذلك فقال ان رسول

اللہ ﷺ اُمنّا یوما فانصرف الینا وقد غلط فی بعض القرآن فقال هل قرأ معی منکم احد؟ قلنا نعم، قال، قد عجبت من هذا الذی یناز عنی القرآن اذا قرأ الامام فلا یقرأ معہ احد منکم الا بام القرآن

امام عبداللہ بن عمرو، محمود بن ربیع سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی ایک جانب (ساتھ کھڑے ہو کر) نماز پڑھی اور انہوں نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قرأت کرتے ہوئے سنا، جب انہوں نے سلام پھیرا تو اس کے متعلق ان سے سوال کیا تو سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک دن امامت کروائی اور آپ کو قرأت قرآن سے سہو ہو گیا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی میرے ساتھ بھی پڑھتا ہے، ہم نے کہا ہاں، فرمایا، مجھے مناظعت قرآن عجیب سی لگی، جب امام قرأت کرے تو اس کے ساتھ سورہ فاتحہ کے سوا کوئی اور قرأت نہ کی جائے، (کتاب القراءة للبیہقی ص ۴۸)

(۳۱) عن عبادة بن الصامت ان محمودا صلی الی جنبہ یوما فسمعه یقرأ وراء الامام فذکرہ بمثلہ وقال عن النبی ﷺ قد عجبت قلت من هذا یناز عنی القرآن اذا قرء الامام فلا یقرآن احدکم معہ الا بام القرآن۔
(کتاب القراءة ص ۴۹)

(۳۲) عن محمود بن الربیع الانصاری قال قام الی جنبی عبادة ابن الصامت فقرأ مع الامام وهو یقرأ فلما انصرف قلت یا ابا الولید تقرأ یسمع وهو یجهر بالقراءة قال نعم انا قرأنا مع رسول اللہ ﷺ فغلط رسول اللہ ﷺ ثم سبح فقال لنا حین انصرف هل قرأ معی احد؟ قلنا نعم، قال، قد عجبت قلت من هذا الذی یناز عنی القرآن اذا قرأ الامام فلا تقرؤا معہ الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم یقرأ بہا۔

محمود بن ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عبادہ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ امام کی قرأت کے وقت قرأت کر رہے تھے، جب سلام پھیرا تو میں نے کہا کہ آپ قرأت کر رہے تھے جب امام بلند آواز کے ساتھ قرأت کر رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ ہاں! ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرأت کرتے تھے، (ایک دن) آپ کو قرأت میں سہو ہو گیا پھر لقمہ دیا گیا تو آپ علیہ السلام نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ میں تعجب میں پڑھ گیا کہ یہ کون ہے جو (میرے ساتھ) قرآن میں مناظعت کر رہا ہے، (لہذا) جب امام قرأت کرے تو اس کے ساتھ سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن سے کچھ بھی نہ پڑھا کرو کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی (کتاب القراءة للبیہقی ص ۴۹)

(۳۳) عن رجاء بن حیوة عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ هل تقرؤن

القرآن اذا كنتم معي في الصلوة قال قلنا نعم يا رسول الله قال فلا تفعلوا الا بام القرآن۔
 امام رجاء بن حيوة، سيدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سيدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا
 کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ نماز میں قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے کہا ہاں یا رسول
 اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور قرأت نہ کیا کرو۔
 (کتاب القراءة للبيهقي ص ۵۳)۔

(۴۴) عن عمرو بن شعيب عن عبادہ ابن الصامت قال سال رسول الله ﷺ اصحابه
 اتقروا القرآن اذا كنتم معي في الصلوة؟ قالوا نعم يا رسول الله نهذه هذا، قال لا تفعلوا
 الا بام القرآن۔

امام عمرو بن شعيب سيدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے
 صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم قرأت قرآن کرتے ہو جب میرے ساتھ نماز میں ہوتے ہو؟ صحابہ کرام
 نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو۔
 (کتاب القراءة للبيهقي ص ۵۴)

(۴۵) عن عبادہ ابن الصامت قال قال رسول الله ﷺ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة
 الكتاب خلف الامام۔

سيدنا عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں جس
 نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔ (کتاب القراءة للبيهقي ص ۵۶)۔
 امام بیہقی اور علامہ علی متقی ہندی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔
 (کنز العمال ص ۱۱۲ ج ۱۲ (رقم الحدیث ۲۲۱۴۰ طبع بیروت و ص ۵۴ ج ۸ رقم الحدیث ۲۲۱۳۰ طبع
 نشر السنة ملتان)

(۴۶) عن عبادہ بن الصامت ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال من صلی خلف
 الامام فليقرأ فيها بام القرآن۔

سيدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے
 نماز پڑھے، وہ سورہ فاتحہ کی قرأت کرے۔

(رواه الطبرانی في الكبير ورجاله موثقون "مجمع الزوائد ص ۱۱۱ ج ۲)
 سیوطی نے، (الجامع الصغير ص ۱۷۴ ج ۱) میں اس پر حسن کی علامت لگائی ہے اور علامہ علقمی نے
 اس کی شرح میں اسے حسن کہا ہے (تحقیق الکلام ص ۹۹ ج ۱)
 علامہ بیہقی فرماتے ہیں اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے اور مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں

کہ اپنے وقت میں اگر ہیثمی کو صحت و سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی۔
(احسن الکلام ص ۲۹۰ ج ۱)

(۴۷) عن رجل من اصحاب محمد ﷺ قال قال النبي ﷺ لعلمكم تقرؤن والامام يقرأ؟ مرتين او ثلاثاً، قالوا، نعم، يارسول الله! انا لنفعل قال: فلا تفعلوا الا ان يقرأ احدكم بفاتحة الكتاب۔

سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک صحابی بیان کرتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا شاید تم اس وقت پڑھتے ہو جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے؟ دو یا تین بار یہ فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ہاں، یارسول ﷺ ہم پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ اور قرأت نہ کیا کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۲۷ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۶۶ و مسند احمد ص ۲۳۶ ج ۴ ص ۶۰ ج ۵)
(۴۸) عن رجل من اصحاب النبي ﷺ عن النبي ﷺ نحو حديث هشيم۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱)

(۴۹) عن محمد بن ابی عائشة عن شهد ذلك صلى النبي ﷺ فلما قضى صلاته قال أتقرؤن والامام يقرأ قالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان يقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه۔ امام محمد بن ابی عائشہ تابعی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک ایسے صحابی سے روایت کی جو اس موقع پر موجود تھا کہ نبی مکرم ﷺ نے جب نماز پڑھ لی تو صحابہ کرام سے کہا کیا تم جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت تم بھی پڑھتے ہو، صحابہ کرام نے کہا ہم ایسا ہی کرتے ہیں، آپ علیہ التحیة والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو ہاں سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھ لیا کرو۔

(جزء القراءة مترجم ص ۴۴)
(۵۰) عن رجل من اصحاب النبي ﷺ قال قال رسول الله صلى الله لعلمكم تقرؤن والامام يقرأ؟ قالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان يقرأ احدكم بفاتحة الكتاب، نبی مکرم ﷺ کا ایک صحابی بیان کرتا ہے کہ آپ علیہ التحیة والسلام نے فرمایا شاید تم قرأت کرتے ہو جب امام قرأت کرتا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا ہم ایسا ہی کرتے ہیں، آپ علیہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو مگر سورہ فاتحہ پڑھا کرو،

(كتاب القراءة للبيهقي ص ۶۱)
(۵۱) عن محمد بن ابی عائشة عن رجل من اصحاب النبي ﷺ قال قال رسول الله ﷺ

لعلکم تقرؤن والامام یقرأ؟ قالوا انا لنفعل قال لا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفتح الکتاب۔
 محمد بن ابی عائشہ نبی مکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ
 نے فرمایا جب امام قرأت کرتا ہے شاید تم بھی اس وقت قرأت کرتے ہو؟ صحابہ کرام نے کہا جی ہاں ہم
 ایسا ہی کرتے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی قرأت نہ کیا کرو۔ (السنن
 الکبزی ص ۱۶۶ ج ۲)

(۵۲) عن ابی قلابہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا صحابہ أتقرون خلفی وانا أقرأ؟ قال
 فسکتوا حتی سألهم ثلاثا قالوا نعم یارسول اللہ! قال فلا تفعلوا ذلك لیقرأ احدکم بفتح
 الکتاب فی نفسه سراً۔

امام ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کیا تم میرے پیچھے
 اس حال میں پڑھتے ہو کہ میں قرأت کرتا ہوں؟
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے تین بار یہ ارشاد فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا جی ہاں یا رسول
 اللہ! تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو ہاں سورہ فاتحہ کو اپنے نفس میں آہستہ پڑھا
 کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۲۷ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۶۵ وکتاب القراءة للبيهقي ص ۵۹)
 یہ روایت مرسل ہے اور سنداً صحیح ہے اور مرسل حنفیہ کے نزدیک حجت ہے، آخر میں یہ بات بھی
 ملحوظ رہے کہ صحابی کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ تمام
 صحابہ کرام ثقہ اور عدول تھے، اور جمہور آئمہ فن کا یہی مسلک و مذہب ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۱۹)
 میں اس پر مفصل بحث ہے باذوق حضرات مراجعت فرمائیں۔

(۵۳) عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ صلی باصحابہ فلما قضی صلاتہ اقبل
 علیہم بوجه فقال أتقرون فی صلاتکم خلف الامام والامام یقرأ؟ فسکتوا فقالها ثلاث
 مرات، فقال قائل او قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا لیقرأ احدکم بفتح الکتاب فی نفسه۔
 سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب نماز
 سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم اپنی نمازوں میں جب امام قرأت کر رہا ہوتا
 ہے اس کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ صحابہ کرام خاموش رہے، تین بار آپ علیہ التحیۃ والسلام نے یہ سوال
 کیا پس کہنے والے نے کہا یا کہنے والوں نے کہا کہ جی حضور ﷺ ہم ایسا ہی کرتے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ
 والسلام نے کہا کہ ایسا نہ کیا کرو، البتہ سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھ لیا کرو،

(مسند ابو یعلیٰ ص ۱۹۳ ج ۳ رقم الحدیث ۲۷۹۷) وصحیح ابن حبان رقم الحدیث (۱۸۴۱) وکتاب القراءة

للبيهقي ص ۱۰۲)

(۵۴) عن انس ان رسول الله ﷺ صلى با صحابه، فلما قضى صلاته اقبل على القوم فقال، أتقرؤون والامام يقرأ؟ فسكتوا ثم قالها ثلاثا فقال قائلون، انا لنفعل فقال فلا تفعلوا، وليقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه۔

(طبرانی الاوسط ص ۳۲۹ ج ۳ رقم الحديث ۲۷۰۱)

(۵۵) عن انس بن مالك ان النبي ﷺ لما قضى صلوته اقبل عليهم بوجهه فقال أتقرؤون في صلوتكم والامام يقرأ؟ فسكتوا فقال لهم ثلاث مرات فقال قائل او قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا ليقراً احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۱۶۶ ج ۲)۔

(۵۶) حدثنا محمد بن اسماعيل الفارسي ثنا ابو زرعة الدمشقي ثنا يحيى بن يوسف الزمي ثنا عبيدالله بن عمرو الرقي عن ايوب عن ابي قلابة عن انس ان رسول الله ﷺ صلى باصحابه فلما قضى صلاته اقبل عليهم بوجهه فقال أتقرؤون في صلواتكم والامام يقرأ؟ فسكتوا قالها ثلاثا فقال قائل او قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا وليقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه لفظ حديث الفارسي (سنن دار قطنى ص ۳۴۰ ج ۱)۔

(۵۷) ثنا علي بن احمد بن الهيثم ثنا احمد بن ابراهيم القوهستاني حدثنا يوسف بن عدى قال ثنا عبيدالله بن عمرو باسناده نحوه لفظ حديث الفارسي۔ (سنن دارقطنى ص ۳۴۰ ج ۱)

(۵۸) عن انس ان رسول الله ﷺ صلى باصحابه فلما قضى صلاته اقبل عليهم بوجهه فقال أتقرؤون في صلواتكم خلف الامام والامام يقرأ فسكتوا قالها ثلاث مرات فقال قائل او قائلون، انا لنفعل قال فلا تفعلوا وليقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه۔ (صحيح ابن حبان (موارد) (۴۰۸)

(۵۹) عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ صلى باصحابه فلما قضى صلوته اقبل عليهم بوجهه فقال أتقرؤون في صلواتكم خلف الامام والامام يقرأ؟ فسكتوا فقالها ثلاث مرات فقال قائل او قال قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا، وليقرأ احدكم فاتحة الكتاب في نفسه۔ (كتاب القراءة للبيهقي ص ۵۸)

(۶۰) عن انس ان رسول الله ﷺ صلى باصحابه فلما قضى صلوته اقبل عليهم بوجهه

فقال، أتقرؤون في صلوتكم والامام يقرأ؟ فسكتوا حتى قالها ثلاث مرات فقال قائل او قائلون انا لنقرأ قال فلا تفعلوا، واليقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه۔ (كتاب القراءة للبيهقي ص ۵۹)

ملاحظہ واضح رہے کہ ۵۳ تا ۶۰ ایک ہی متن ہے، لیکن ان کی اسناد علیحدہ علیحدہ ہیں، یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ابو قلابہ نقل کرتے ہیں اور ان سے ایوب اور ایوب سے عبید اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں۔ اس سے نیچے ایک جماعت روایت کرتی ہے، نمبر ۵۳ میں عبید اللہ سے محمد بن الحسین ابو الزمیل روایت کرتا ہے نمبر ۵۴ میں یحییٰ بن عمر ۵۵ میں ربیع بن نافع، نمبر ۵۶ میں یحییٰ بن یوسف نمبر ۵۷ یوسف بن عدی نمبر ۵۸ میں فرج بن رواحہ نمبر ۵۹ میں عبد اللہ بن جعفر اور نمبر ۶۰ اسماعیل بن علیہ روایت کرتے ہیں۔ انوار صاحب نے چونکہ اسی طرح کی اسناد کو ہی مکرر نہ مکرر نقل کر کے نمبر بڑھائے ہیں۔ اس لیے ہماری یہ کاروائی جوایا ہے، اور ان کے اصول کے موافق یہ علیحدہ علیحدہ آٹھ احادیث ہیں۔ چونکہ ترجمہ پہلی حدیث (۵۳) میں گزر چکا ہے اور متن بھی تقریباً ایک ہی ہے، اس لیے اختصار کی وجہ سے ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

(۶۱) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ أتقرؤون خلفي قالوا نعم انا لنهذه هذا قال فلا تفعلوا الا بام القرآن،

سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ سے فرمایا) تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم جلدی جلدی قرأت کرتے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ نہ پڑھا کرو۔

(جزء القراءة للبخاری ص ۴۳ مترجم)

(۶۲) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ أتقرؤون خلفي؟ قالوا نعم، يا رسول الله انا لنهذه هذا قال فلا تفعلوا الا بام القرآن۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ کرام نے کہا ہاں یا رسول اللہ، ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو۔

(كتاب القراءة للبيهقي ص ۶۴)

(۶۳) عن مهران عن النبي ﷺ قال من لم يقرأ بام الكتاب في صلواته فهي خداج۔

سیدنا مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنی نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز ناقص ہے،

(طبرانی الاوسط ص ۱۶۴ ج ۱۰ رقم الحديث ۹۲۶۴)

(۶۴) عن عبدالرحمن بن سوار قال كنت جالسا عند عمرو بن مهران فقال له رجل من

اہل الکوفہ یا ابا عبد اللہ بلغنی انک تقول من لم یقرأ خلف الامام بام القرآن فصلوته خداج قال عمرو صدق حدثنی ابی میمون ابن مهران عن ابیہ مهران عن رسول اللہ ﷺ انه قال من لم یقرأ بام الكتاب خلف الامام فصلوته خداج۔

امام عبدالرحمن بن سوار بیان کرتے ہیں کہ میں عمرو بن میمون کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کوفہ کے باشندہ نے ان سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز ناقص ہے، تو امام عمرو بن میمون نے کہا کہ ٹھیک ہے مجھ سے میرے والد میمون نے اور انہوں نے اپنے والد مهران رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اسکی نماز ناقص ہے۔ (کتاب القراءة للبيهقي ص ۶۲)

(۶۵) عن ابی قتادة ان النبی ﷺ قال أتقرؤون خلفی قلنا نعم قال لا تفعلوا الا بفاتحة القرآن۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں! آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو،

(کتاب القراءة للبيهقي ص ۶۳ ومسند احمد ۳۰۸ ج ۵ والسنن الكبرى ص ۱۶۶ ج ۲)

(۶۲) عن رجل من اهل البادية عن ابیہ وکان ابوہ اسیرا عند رسول اللہ ﷺ قال سمعت محمد ﷺ قال لا صحابه تقرؤون خلفی القرآن؟ فقالوا نهذه هذا قال لا تقرؤا الا بفاتحة الكتاب۔ ایک دیہاتی اپنے والد سے بیان کرتا ہے جو نبی مکرم ﷺ کے پاس قید تھا کہ میں نے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا کہ آپ علیہ السلام اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرما رہے تھے کہ تم میرے پیچھے قرآن پڑھتے ہو؟ صحابہ کرام نے کہا ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو،

(کتاب القراءة للبيهقي ص ۶۳)

(۶۷) عن عمرو بن شعيب عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمرو، ان النبی ﷺ خطب الناس فقال من صلی مكتوبة او سبحة فليقرأ بام القرآن وقرآن معها، فان انتهی الى ام القرآن اجزات عنه، ومن كان مع الامام فليقرأ قبله او اذا سكت فمن صلی صلاة لم یقرأ فیها فهي خداج ثلاثاً۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ جو شخص فرض نماز یا نفل پڑھے تو وہ سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید قرآن بھی پڑھے، اگر سورہ فاتحہ ہی

پڑھ لے تو یہ اسکو کفایت کر جائے گی۔ اور جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے وہ سورہ فاتحہ امام سے پہلے یا سکتے میں پڑھ لے کیونکہ جس شخص نے نماز پڑھی اور قرأت (فاتحہ) نہ کی تو اسکی نماز ناقص ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۳ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۸۷)۔

(۶۸) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ خطب الناس فقال من صلى صلوة مكتوبة فليقرأ بام القرآن وقرآن معها فان انتهى الى ام الكتاب فقد اجزأت عنه ومن كان مع الامام فليقرأ قبله اذا سكت ومن صلى صلاة فلم يقرأ فيها فهى خداج ثلاث مرات۔
(كتاب القراءة للبيهقي ص ۶۴)

ترجمہ اوپر والی روایت میں گزر چکا ہے۔

(۶۹) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ من صلى صلوة مكتوبة او تطوعا فليقرأ فيها بام الكتاب وسورة معها فان انتهى الى ام الكتاب فقد اجزأ من صلى صلوة مع الامام يجهر فليقرأ بفاتحة الكتاب في بعض سكتاته فان لم يفعل فصلوته خداج غير تمام۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے فرض یا نفل نماز پڑھی اسے چاہیے کہ وہ سورہ فاتحہ کے ساتھ اور قرآن کی بھی قرأت کرے، اگر صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھی تو یہ کفایت کر جائے گی۔ اور جس شخص نے امام کے ساتھ کوئی جہری نماز پڑھی وہ امام کے بعض سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھ لے، اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کی نماز ناقص اور غیر تمام ہے (كتاب القراءة للبيهقي ص ۶۵)

(۷۰) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد لله رب العالمين۔ الحديث۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو اللہ اکبر کہہ کر شروع کرتے اور قرأت کو سورہ فاتحہ سے، الحدیث،

(صحيح مسلم كتاب الصلاة باب ما يجمع صفة الصلاة..... الحديث ۱۱۱۰)

(۷۱) عن انس ان النبي ﷺ وابابكر و عمر و عثمان كانوا يفتتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرأت کو الحمد لله رب العالمين سے شروع کرتے۔

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب من لم يد الجهر بسم الله الرحمن الرحيم، الحديث ۷۸۲)

(۷۲) عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ کان یفتتح القرأہ بالحمد لله رب العلمین۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ قرأت کو الحمد لله رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب افتتاح القرأہ، الحدیث ۸۱۴)

(۷۳) عن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ صلوا کما رایتہمونی اصلی۔ الحدیث۔
سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعة..... الحدیث ۶۳۱)

(۷۴) عن معاویۃ بن الحکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول اللہ ﷺ اذ عطس رجل من القوم فقلت، یرحمک اللہ! فرمانی القوم بابصارہم، فقلت، واثکل امیاء! ماشانکم؟ تنظرون الی، فجعلوا یضربون بایدیہم علی افخاذہم فلما رایتہم یصمتون لی لکنی سکت فلما صلی رسول اللہ علیہ وسلم فبابی ہو وامی مارایت معلما قبلہ ولا بعدہ احسن تعلیما منہ، فواللہ! ما کهرنی ولا ضربنی ولا شتمنی قال، ان هذه الصلاة لا یصلح فیہا شی من کلام الناس انما هو التسیح والتکبیر وقرأۃ القرآن۔ الحدیث۔

سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آئی میں نے کہا، یرحمک اللہ، تو لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا میں نے کہا کاش مجھ پر میری ماں روچکی ہوتی۔ تم مجھے کیوں گھورتے ہو؟ یہ سن کر وہ لوگ اپنے ہاتھ رانوں پر مارنے لگے، جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے آپ سے پہلے نہ آپ کے بعد کوئی آپ سے بہتر سکھلانے والا نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ کی قسم آپ نے مجھے جھڑکانہ مارا اور نہ ہی گالی دی، چنانچہ آپ نے فرمایا یہ نماز انسانوں کی باتوں میں سے کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتی یہ توشیح اور تکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت کا نام ہے، (صحیح مسلم کتاب المساجد

باب تحریم الکلام فی الصلاة..... الحدیث ۱۱۹۹)

(۷۵) عن انس بن مالک قال قال النبی ﷺ ان المؤمن اذا کان فی الصلاة فانما یناجی

ربه، فلا یزقن بین یدیہ ولا عن یمینہ ولكن عن یسارہ او تحت قدمہ۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو گویا اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، تو اپنے سامنے نہ تھو کے اور نہ اپنی داہنی طرف البتہ بائیں

طرف تھوک لے یا دونوں پاؤں کے نیچے۔

(بخاری کتاب الصلاة باب لبصق عن يساره اوتحت قدمه اليسرى، الحديث ۴۱۳، ومسلم كتاب المساجد باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة..... الحديث ۱۲۳۰)

(۷۶) عن ابى هريرة عن النبي ﷺ قال اذا قام احدكم الى الصلاة فلا يبصق امامه فانما يناجى الله مادام في مصلاه ولا عن يمينه فان عن يمينه ملكاً وليبصق عن يساره اوتحت قدمه فيد فيها۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب نماز شروع کر دے تو اپنے سامنے نہ تھو کے کیونکہ وہ جب تک اپنی نماز میں ہوتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے، اور داہنی طرف بھی نہ تھو کے کیونکہ اس کی داہنی طرف فرشتہ رہتا ہے۔ البتہ بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے اور پھر اس کو دفن کر دے،

(بخاری کتاب الصلاة باب دفن النخامة في المسجد، الحديث ۴۱۶)

(۷۷) عن ابى هريرة قال صلى رسول الله ﷺ يوم ثم انصرف وقال يا فلان آلا تحسن صلوتك آلا ينظر المصلي اذا صلى كيف يصلي وانما يصلى لنفسه انى واللہ لا بصره من ورائى كما ابصر من بين يدى۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز پڑھائی پھر نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کیا نمازی خیال نہیں کرتا جس وقت وہ نماز پڑھتا ہے کہ کس طرح نماز پڑھ رہا ہے، اور نہیں وہ نماز پڑھتا مگر اپنے لیے، اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں پیچھے سے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔

(مسلم كتاب الصلاة باب الامر بتحسين الصلاة واتمامها، الحديث ۹۵۷)

(۷۸) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن فما صنع فاصنعوا۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن ہے جو وہ کرے وہی تم کرو (ظہیرانی الاوسط ص ۳۳۱ ج ۴، رقم الحديث ۳۵۶۹)

(۷۹) عن ابى هريرة ان عبد الله بن حذافة صلى فجهر بالقراءة فقال له رسول الله ﷺ يا

ابن حذافة لاتسمعنى واسمع الله عزوجل۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بلند آواز سے قرأت کی تو اسے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا، حذافہ کے بیٹے مجھے نہیں بلکہ اللہ عزوجل کو سناؤ، (یعنی آہستہ پڑھو) (بیہقی ص ۱۶۲ ج ۲)

(۸۰) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلى فسلم على النبي ﷺ فرد، فقال، ارجع فصل فانك لم تصل، فرجع فصل كما صلى، ثم جاء فسلم على النبي ﷺ فقال، ارجع فصل فانك لم تصل، ثلاثا، فقال، والذي بعثك بالحق ما احسن غيره، فعلمني، فقال، اذا قمت الى الصلاة فكبر، ثم اقراء ما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تعتدل قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، وفعل ذلك في صلاتك كلها۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر نبی علیہ السلام کے پاس آکر سلام کیا آپ علیہ التحیۃ والسلام نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جا کر نماز پڑھو تو نے نماز نہیں پڑھی وہ لوٹ گیا اور پھر اسی طرح نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی پھر آیا اور نبی مکرم ﷺ کو سلام کیا آپ نے فرمایا جا نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، تین بار ایسا ہی ہوا بالآخر اس نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے نماز سکھائیے، آپ علیہ السلام نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو، اللہ اکبر کہہ پھر، ماتیسر معک من القرآن، پڑھو پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کر پھر سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ (پھر دوسرا سجدہ کر) اسی طرح ساری نماز پڑھ۔

(بخاری کتاب الاذان باب وجوب القراءة للامام والمأموم..... الحدیث ۷۵۷، ومسلم کتاب الصلاة باب وجوب القراءة الفاتحة فی کل رکعة..... الحدیث ۸۸۴)

(۷۹) عن رفاعۃ بن رافع الزرقی، وكان من اصحاب النبي ﷺ، قال جاء رجل ورسول الله ﷺ جالس فی المسجد، فصلى قریباً منه ثم انصرف الى رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ اعد صلاتك فانك لم تصل، قال، فرجع فصلى كنعو مما صلى، ثم انصرف الى رسول الله ﷺ فقال له، اعد صلاتك فانك لم تصلی، فقال، يا رسول الله ﷺ علمني كيف اصنع؟ قال، اذا استقبلت القبلة فكبر ثم اقرا بام القرآن ثم اقرأ بما شئت فاذا ركعت فاجعل راحتك على ركبتيك وامدد ظهرك ومكن لركوعك فاذا رفعت راسك فاقم صلبك حتى ترجع العظام الى مفاصلها واذا سجدت فمكن لسجودك فاذا رفعت راسك فاجلس على فخذك اليسرى، ثم اصنع ذلك في كل ركعة وسجدة۔

سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ جو اصحاب النبی ﷺ سے تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آپ کے قریب ہی نماز پڑھی پھر پلٹ کر آپ علیہ السلام کے

پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ لوٹ کر گیا اور پہلے کی طرح ہی نماز پڑھ کر دوبارہ نبی مکرم ﷺ کی طرف پلٹا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے نماز سکھائیے کہ میں کیسے نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جب تو (نماز پڑھنے کے لیے) قبلہ کی طرف متوجہ ہو، تو اللہ اکبر کہہ پھر سورہ فاتحہ پڑھ پھر جو چاہے اسے پڑھ جب رکوع کرے تو اپنی دونوں ہتھلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ، اور اپنی پیٹھ کو پھیلا اور برابر رکھ، اور اپنے رکوع میں قرار پکڑ جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی کمر کو سیدھا کر حتیٰ کہ تیری تمام ہڈیاں اپنے مقام پر لوٹ جائیں، اور جب سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں ٹھہر جا جب سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنی بائیں ران پر (دونوں سجدوں کے درمیان) بیٹھ۔

(مسند احمد ص ۳۴۰ ج ۴، واللفظ له، وابوداؤد کتاب الصلاة باب صلاة من یقیم صلبه فی الركوع والسجود، الحدیث ۸۵۹) وجذء القراءة مترجم ص ۶۰

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۱) عن یزید بن شریک انه سال عمر رضی اللہ عنہ عن القراءة خلف الامام قال اقرأ بفاتحة الكتاب قلت وان كنت انت قال وان كنت انا، قلت وان جهرت قال وان جهرت۔
امام یزید بن شریک نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کی قرأت کیا کرو یزید نے کہا خواہ آپ بھی امام ہوں؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خواہ میں ہی امام کیوں نہ ہوں یزید نے مکر سوال کہ اگر آپ بلند آواز سے قرأت کر رہے ہوں! تو آپ نے فرمایا کہ خواہ میں بلند آواز سے ہی قرأت کر رہا ہوں،
(کتاب القراءة ص ۷۲ رقم الحدیث ۱۰۶) و بیہقی ص ۱۶۷ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۱۷ و مستدرک حاکم ص ۲۳۹ ج ۱۔

امام دارقطنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی تمام ثقہ ہیں، حاکم و ذہبی اسے صحیح کہتے ہیں۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی انه کان یامر ان یقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر فی الرکعتین الاولین بفاتحة الكتاب وسورة وفي الرکعتین الاخرین بفاتحة الكتاب۔
امام عبید اللہ بن رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حکم دیتے تھے کہ ظہر و عصر میں مقتدی پہلی

دور کعتوں میں سورہ فاتحہ اور اسکے ساتھ بھی کوئی سورت پڑھے اور آخری دور کعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔
(بیہقی ص ۱۶۸ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۷۴ و مستدرک حاکم ص ۲۳۹ ج ۱ و دارقطنی ص ۲۲۲ ج ۱)
امام بیہقی امام دارقطنی حاکم و ذہبی رضی اللہ عنہم نے صحیح کہا ہے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

(۱) عن ابی المغیرة عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انه کان یقرأ خلف الامام۔
امام ابو مغیرہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے۔
(کتاب القراءة ص ۷۵ و جزء القراءة ص ۱۸)۔

(۲) عن عبد اللہ بن ابی الہذیل قال سالت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اقرأ خلف الامام قال نعم۔
امام عبد اللہ بن ابی الہذیل فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں
امام کے پیچھے پڑھوں تو انہوں نے کہا ہاں۔
(کتاب القراءة ص ۷۵ و جزء القراءة ص ۸)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

(۱) عن عبد اللہ بن زیاد الاسدی قال صلیت الی جنب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلف
الامام فسمعتہ یقرأ فی الظهر والعصر۔
امام عبد اللہ بن زیاد اسدی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ امام کے
پیچھے ظہر و عصر کی نمازیں پڑھیں تو میں نے سنا کہ آپ قرات کرتے تھے۔

(کتاب القراءة ص ۷۶ و کتاب الثقات لابن حبان ص ۵۸ ج ۵ و جزء القراءة ص ۸ و السنن الکبریٰ ص ۱۶۹
ج ۲ و طحاوی ص ۱۴۴ ج ۱ و کتاب الکنیٰ ص ۱۱۱ ج ۲)

(۲) عن الہذیل بن شرحبیل عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انه قرأ فی العصر خلف الامام فی
الرکعتین الاولین بام القرآن وسورة۔

امام ہذیل فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو
رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورت بھی پڑھتے تھے۔

(کتاب القراءة ص ۷۷ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۳ ج ۱)

(۳) عن علقمة قال صلینا فی جنب عبد اللہ فلم اعلم انه یقرأ حتی جهر بهذہ الایة
وقل رب زدنی علما۔

امام علقمہ فرماتے ہیں میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ

پڑھ رہے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے۔ وقل رب زدنی علماً، پڑھا۔ (کتاب القراءة ص ۱۴۰)۔

(۴) عن ابی الاحوص عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال لا تسبقوا قرأکم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا فان احدکم تکلون معہ السورۃ فیکرأھا فاذا فرغ رکع من قبل ان یرکع الامام فلا تسابقوا قرأکم فانما جعل الامام لیؤتم بہ۔ قال ابوبکر بن خزیمۃ افلست تری ابن مسعود فی هذا الخبر ینہی الماموم ان یرکع اذا فرغ من قرأۃ السورۃ قبل رکوع الامام ونہاہ عن مسابقۃ الامام بالقراءة ولم ینہہ عن القراءة خلف الامام۔

امام ابو الاحوص راوی ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے قاریوں سے مسابقت نہ کرو، کیونکہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اسکی متابعت کی جائے، پس جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اگر تم میں سے کسی کو سورۃ یاد ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اسے پڑھے امام کے رکوع جانے سے پہلے پھر رکوع کرے، پس اپنے قاریوں پر مسابقت نہ کرو کیونکہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اسکی متابعت کی جائے،

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ آپ دیکھتے نہیں کہ سیدنا ابن مسعود اس قول میں مقتدی کو قرأۃ سے فارغ ہونے کے بعد امام سے پہلے رکوع کرنے سے منع کرتے ہیں اور امام کی قرأت سے مسابقت سے روکتے ہیں لیکن قرأت سے منع نہیں کرتے۔

(کتاب القراءة ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۳۵۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

(۱) مرفوع روایات کے سلسلہ میں نمبر ۶ پر آپ کا قول گزر چکا ہے کہ آپ جہری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(۲) عن ابی ہریرۃ قال اذا قرأ الامام بام القرآن فاقراء بہا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب امام سورہ فاتحہ پڑھے تو تم (مقتدی) بھی اسکے ساتھ پڑھو۔ (جزء القراءة مترجم ص ۱۰۶)۔

علامہ نیوی حنفی فرماتے ہیں۔ اسکی سند حسن ہے (آثار السنن ص ۱۰۶)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ:

عن مجاہد قال سمعت عبداللہ بن عمرو یقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ ظہر و عصر میں (امام) کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

(کتاب القراءة ص ۷۸ و مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۰ ج ۲ و بیہقی ص ۱۶۹ ج ۲ و جزء القراءة مترجم ص ۴۲)
امام بیہقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسکی سند صحیح ہے اور علامہ نیوی دیوبندی کہتے ہیں حسن ہے (التعلیق الحسن ص ۱۰۸)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

عن ابو نضرة قال سألت ابا سعيد عن القراءة خلف الامام فقال فاتحة الكتاب،
امام ابو نضرة فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا، سورہ فاتحہ پڑھا کرو،

(جزء القراءة مترجم ص ۴۱ و کتاب القراءة ص ۱۷۵ و الكامل لابن عدی ص ۱۴۳۷ ج ۴)
امام ابن عدی نے، اصح اور علامہ نیوی دیوبندی نے حسن کہا ہے، (التعلیق الحسن ص ۱۰۸)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ:

عن ثابت عن انس قال كان يامرنا بالقراءة خلف الامام قال وكنت اقوم الي جنب انس
فيقرأ بفاتحة الكتاب وسورة من المفصل ويسمعنا قرأته لنا خذعنه۔

امام ثابت فرماتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے اور میں سیدنا انس کے پہلو میں کھڑا ہوتا تو آپ سورہ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورہ پڑھتے تھے اور اپنی قرأت ہمیں سناتے تاکہ ہم ان سے لے لیں (یعنی پڑھا کریں)۔

(کتاب القراءة ص ۸۲ و بیہقی ص ۱۷۰ ج ۲)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

عن يزيد الفقير عن جابر بن عبد الله قال كنا نقرأ في الظهر والعصر خلف الامام في
الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب وسورة وفي الاخيرين بفاتحة الكتاب،

امام يزيد الفقير سے روایت ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر و عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک مزید سورت پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے،

(ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب القراءة خلف الامام، الحديث ۸۴۳ و بیہقی ص ۱۷۰ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۸۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

(۱) عن العیزار بن حریث عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اقرأ خلف الامام بفاتحة الكتاب۔
امام عیزار بن حریث بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو۔

(کتاب القراءة ص ۷۷ وطحاوی ص ۱۴۱ و بیہقی ص ۱۶۹ ج ۲ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۵ ج ۱)

(۲) عن عطاء عن ابن عباس قال لا تدع بفاتحة الكتاب جهرا الامام اولم يجهر۔

امام عطاء فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ نہ چھوڑو خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ آواز سے

(کتاب القراءة ص ۷۷ و مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۰ ج ۲ و بیہقی ص ۱۶۹ ج ۲)

(۳) عن حنش قال سمعت ابن عباس يقول اقرأ بفاتحة الكتاب في كل ركعة خلف

الامام۔

امام حنش فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو۔ (کتاب القراءة ص ۷۷)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق تو اکابر احناف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ وہ ظہر و عصر میں امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ دیکھئے (المبسوط ص ۲۰۰ ج ۱ و شرح معانی الآثار ص ۱۴۱ ج ۱)

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ:

(۱) عن حسان بن عطية ان ابا الدرداء قال لا تترك قراءة فاتحة الكتاب خلف الامام جهرا

اولم يجهر۔

امام حسان بن عطیہ راوی ہیں کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ چھوڑو، خواہ امام آہستہ پڑھ رہا ہوں یا بلند آواز سے۔

(کتاب القراءة ص ۱۷ و بیہقی ص ۱۷۰ ج ۲)

(۲) عن حسان بن عطية ان ابا الدرداء قال لو ادرکت الامام وهو راكع لا حبت ان

اقرأ بفاتحة الكتاب۔

امام حسان بن عطیہ راوی ہیں کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع کی حالت میں پاؤں تو محبوب رکھتا ہوں کہ سورہ فاتحہ پڑھ لوں۔

(کتاب القراءة ص ۸۲)

سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ:

(۱) مرفوع احادیث کے نمبر ۳۵ میں آپ کا اثر گزر چکا ہے کہ آپ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں بھی سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، ان کا امام کے پیچھے پڑھنا واقعی پہلو سے استدلال اور فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے تھا، مگر ان احادیث کو ایک بار ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۲) عن محمود بن الربیع قال سمعت عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ یقرا خلف الامام فقال عبادة لا صلوة الا بقراءة۔

امام محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے عبادہ بن صامت سے سنا کہ وہ امام کے پیچھے پڑھ رہے تھے، میں نے پوچھا آپ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ قرأت کے بغیر نماز نہیں ہے۔ (بیہقی ص ۱۶۸ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۷۶)

(۳) عن حملة بن عبد الرحمن يحدث عن عبادة بن الصامت انه رأى رجلاً لا يتم ركوعه ولا سجوده فاتاه فاخذ بيده فقال لا تشبهوا بهذا ولا بامثاله انه لا صلاة الا بام الكتاب، فان كنت خلف امام فاقراً في نفسك وان كنت وحدك فاسمع اذنيك ولا تؤذى عن يمينك ومن عن يسارك۔

امام حملة بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع و سجود صحیح طرح سے نہ کر رہا تھا، آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر فرمانے لگے کہ ان کے ساتھ ایسا نہ کرو اور نہ ہی ان جیسے (ارکان نماز) کے ساتھ ایسا کرو، نماز سورہ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی، اگر تو امام کے پیچھے ہے تو آہستہ پڑھ اور اگر اکیلا ہے تو اپنے آپ کو سنا اور اپنے دائیں بائیں کھڑے نمازی حضرات کو تکلیف نہ دے، (بیہقی ص ۱۶۸ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۷۶)

(۴) عن محمود بن ربیع قال صليت صلوة والى جنبى عبادة بن الصامت قال فقراً بفتحة الكتاب قال فقلت لا يا ابا الوليد الم اسمعك تقرأ بفتحة الكتاب قال اجل انه لا صلوة الا بها۔

امام محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی اور میرے پہلو میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے سورہ فاتحہ کی قرأت کی، میں نے آپ سے کہا کہ کیا میں نے نہیں سنا کہ آپ نے فاتحہ کی قرأت کی ہے؟ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس لیے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۰ ج ۱ و کتاب القراءة ص ۷۰)

(۵) عن ابی امیة الازدی قال قال لی عبادۃ بن الصامت اقرأ بام القرآن فی کل صلوة، او قال فی کل رکعة، قال قلت اتقرأ بها یا ابا الولید مع الامام؟ قال لا ادعها اماما ولا ماموما۔
 امام ابی امیة ازدی کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورہ فاتحہ کو ہر نماز میں پڑھا کرو، یا فرمایا کہ ہر رکعت میں پڑھا کرو، میں نے کہا اے ابو ولید کیا میں امام کے ساتھ (پیچھے) بھی پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کو نہ امام اور نہ مقتدی چھوڑے (یعنی پڑھے)۔
 (مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۰ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۷۰)۔

مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں۔

حضرت عبادہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا (احسن الکلام ص ۱۰۶ ج ۲)۔

سیدنا ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ:

عن حمید بن ہلال ان ہشام ابن عامر قرأ فقیل له أتقرأ خلف الامام قال انا لافعل۔
 امام حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے (امام کے پیچھے) قرأت کی تو آپ سے کہا گیا آپ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہم یوں ہی کرتے ہیں۔
 (کتاب القراءۃ ص ۸۰ و بیہقی ص ۱۷۰ ج ۲ و طبرانی کبیر ص ۱۷۲ ج ۲۲)
 علامہ ہیشمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۱۴ ج ۲)
 مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں۔
 اگر علامہ ہیشمی کو صحت و سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی؟
 (احسن الکلام ص ۲۹۰ ج ۱)

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ:

(۱) عن عمر بن ابی سحیم قال کان عبداللہ بن مغفل المدنی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا خلف الامام فی الظهر والعصر فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الكتاب وسورة وفي الاخریین بفاتحة الكتاب۔

امام عمر بن ابی سحیم بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہمیں ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید سورت بھی اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔

(السنن الکبریٰ ص ۱۷۱ ج ۲ و کتاب القراءۃ ص ۸۳)

(۲) عن عمر بن ابی سحیم البھدی عن عبداللہ بن مغفل انه كان یقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام فی الاولین بفاتحة الكتاب وسورتین وفی الاخریین بفاتحة الكتاب۔
 امام عمر بن ابی سحیم بھدی سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور مزید دو سورتیں بھی تلاوت کرتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے (جزء القراءة مترجم ص ۴۲)

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ وعائشۃ رضی اللہ عنہما انھما کانا یامران بالقراءة خلف الامام فی الظهر والعصر فی الركعتین الاولین بفاتحة الكتاب وشنی من القرآن کانت عائشۃ رضی اللہ عنہا تقول یقرأ فی الاخریین بفاتحة الكتاب۔
 امام ابی صالح سے روایت ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور قرآن کا کچھ پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آخری دو رکعتوں کے متعلق فرماتیں کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔
 (کتاب القراءة ص ۸۰ و بیہقی ص ۱۷۱ ج ۲)۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
 کانت عائشۃ تامر بالقراءة خلف الامام۔
 ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم فرمایا کرتی تھیں۔
 (جزء القراءة ص ۳۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

(۱) عن سالم ان ابن عمر کان ینصت للامام فیما یجہر فیہ من الصلوۃ ولا یقرأ معہ۔
 امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جہری نمازوں میں خاموش رہتے تھے اور امام کے پیچھے نہ پڑھتے تھے۔ (کتاب القراءة ص ۱۲۳)
 علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ اثر دلیل ہے اس بات کی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے (بحوالہ امام الکلام ص ۲۱)

(۲) عن ابی العالیۃ البرأ قال سالت ابن عمر فی کل صلوۃ قراءۃ فقال انی لا استحی من

رب هذا البيت ان اصلى له صلوة لا اقرأ فيها بفتح الكتاب وما تيسر۔

امام ابی عالیہ براء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس گھر (بیت اللہ) کے رب سے حیا آتی ہے کہ میں اس کی نماز پڑھوں اور اس میں سورہ فاتحہ اور ماتیسر کی قرأت نہ کرو،

(کتاب القراءة ص ۷۸ و بیہقی ص ۱۶۱ ج ۲ و جزء القراءة ص ۷)

(۳) عن سالم عن ابيه قال يكفيك قراءة الامام فيما يجهر۔

امام سالم اپنے والد (سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ امام جب بلند آواز سے پڑھے تو اسکی قرأت کافی ہے۔

(کتاب القراءة ص ۱۲۳ و مصنف عبدالرازق ص ۲۱۳۹ ج ۲)

(نوٹ) مصنف میں کتابت کی غلطی یا تصحیف سے، عن ابيه، کا واسطہ گرا ہوا ہے۔

(۴) عن يحيى البكاء سئل ابن عمر عن القراءة خلف الامام فقال ما كانوا يرون باسا ان

يقرأ بفتح الكتاب في نفسه۔

امام یحییٰ بکاء فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھیں، (جزء القراءة

مترجم ص ۳۹)

(۵) عن عقبه بن نافع قال، صليت مع ابن عمر الظهر والعصر فاذا هو يهمس في القراءة فقلت يا ابا عبد الرحمن انك لتفعل في صلاتك شيئا ما فعله قال ما هو؟ قلت تهمس في القراءة ونحن نصلى مع ائمة لا يقرؤن فقال ابن عمر من يصلى معهم فاعلمه ان لا تكون صلاة الا بقراءة وتشهد وصلاة على النبي صلی اللہ علیہ وسلم فان نسيت من ذلك شيئا فاسجد سجدة بعد السلام۔

امام عقبہ بن نافع فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ظہر و عصر کی نماز پڑھی تو وہ آہستہ آہستہ قرأت کر رہے تھے، میں نے کہا اے ابو عبدالرحمن آپ نماز میں وہ کام کرتے ہیں جو ہم نہیں کرتے انہوں نے فرمایا وہ کیا؟ میں نے کہا آپ آہستہ آہستہ قرأت کرتے تھے، اور ہم آہستہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وہ قرأت نہیں کرتے تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا جب ان کے ساتھ نماز پڑھے تو

ان کو خبردار کر دو کہ نماز قرأت تشہد اور درود کے بغیر نہیں ہوتی اگر تم ان میں سے کوئی چیز بھی بھول جاؤ تو سلام کے بعد دو سجدے کرو۔

(عمل الیوم والليلة للحسن بن شعيب المعري المتوفى ۵۲۹۵ بحوالہ القول البدیع ص ۱۳۴)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ:

عن الحسن حدثنی عمران بن حصین قال لا تزکوا صلوة مسلم الا بطهور و رکوع و سجود و فاتحة الكتاب و راء الامام و غیر الامام۔

امام حسن فرماتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مسلمان کی نماز میں پاکیزگی نہیں ہوتی جب تک اس میں وضو رکوع سجدہ اور سورۃ فاتحہ نہ ہو، خواہ امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو۔ (کتاب القرآۃ للبيهقي ص ۸۲)

آثار تابعین عظام

امام سعید بن جبیر کا اثر:

عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر انه قال لا بد ان تقرأ بام القرآن مع الامام ولكن من مضى كانوا اذا كبر الامام سكت ساعة لا يقرأ قدر ما يقرؤن ام القران۔
امام ابن خثیم بیان کرتے ہیں کہ امام سعید بن جبیر نے فرمایا تم امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھو، سلف کا طریقہ یہ تھا کہ جب امام تکبیر کہتا تو تھوڑی دیر سکتہ کرتا اور نہ قرأت کرتا، تا آنکہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیتا۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۴، ۲۳۵ رقم الحدیث ۲۷۸۹، ۲۷۹۴ و کتاب القرآۃ ص ۸۳)

عن عبد الله بن عثمان بن خثیم قال قلت لنعید بن جبیر اقرأ خلف الامام قال نعم وان سمعت قرأته، الحدیث۔

امام عبداللہ بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام سعید بن جبیر سے کہا کہ امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو انہوں نے کہا کہ پڑھو اگرچہ امام کی قرأت تم سن بھی رہے ہو۔
(جزالقرآۃ ص ۱۱۹ مترجم)

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم، حافظ ابن حجر کی، نتائج الافکار للتحریج احادیث الاذکار، سے نقل کرتے ہیں کہ۔

هذا موقوف صحيح فقد ادرك سعيد بن جبیر جماعة من علماء الصحابة ومن كبار

التابعين۔

یعنی یہ موقوف اثر صحیح ہے سعید نے علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو اور کبار تابعین کو پایا

ہے۔

(امام الکلام ص ۲۳۸ و مجموعہ رسا ئلہ الکنوی ص ۲۰۸ ج ۳)

مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ جب تابعی کانوا یفعلون او کانوا یقولون

کہے تو صحابہ کرام مراد ہوتے ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۲۸)
جس سے معلوم ہوا کہ امام سعید بن جبیر خود بھی سری و جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور صحابہ کرام سے بھی وہ یہی نقل کرتے ہیں،

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا اثر:

حنظلة بن المغيرة قال سالت حمادا عن القراءة خلف الامام في الظهر الاولى والعصر

فقال كان سعيد بن جبیر یقرأ فقلت ای ذلك احب اليك فقال ان تقرأ۔

امام حنظلہ بن مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد بن ابی سلیمان سے ظہر و عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا امام سعید بن جبیر پڑھا کرتے تھے، میں نے کہا آپ کی پسندیدہ رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تم پڑھا کرو (جزء القراءة ص ۳۲)

امام مکحول دمشقی کا اثر:

عن ابن جابر و سعيد بن عبدالعزيز و عبدالله بن العلاء قالوا فكان مكحول يقرأ في المغرب والعشاء والصبح بفتحة الكتاب في كل ركعة سرا قال مكحول اقرأها فيما جهره الامام اذا قرأ بفتحة الكتاب وسكت، سراً فان لم يسكت اقرأ بها قبله وبعد ه لانتتر كها على كل حال۔

امام ابن جابر امام سعید بن عبدالعزیز اور امام عبداللہ بن العلاء تینوں روایت کرتے ہیں کہ امام مکحول مغرب و عشاء اور صبح کی نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ آہستہ پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے کہ امام جب بلند آواز سے پڑھے اور سکتہ کرے تو سورت فاتحہ آہستہ پڑھو اور اگر امام سکتہ نہ کرے تو اس سے پہلے یا بعد یا ساتھ فاتحہ پڑھو فاتحہ کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو۔

(ابوداؤد کتاب الصلاة باب من ترك القراءة في صلاته بفتحة الكتاب الحديث ۸۲۵)

امام حسن بصری کا اثر:

(۱) منصور عن الحسن انه كان يقول اقرأ خلف الامام في كل صلوة بفاتحة الكتاب في نفسك۔

امام منصور بیان کرتے ہیں کہ امام حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے تمام نمازوں میں سورہ فاتحہ آہستہ پڑھا کرو (کتاب القراءة ص ۷۵ والسنن الکبریٰ ص ۱۷۱ ج ۲)

(۲) یونس عن الحسن انه كان يقول اقرأ خلف الامام في كل ركعة بفاتحة الكتاب في نفسه۔

امام یونس بیان کرتے ہیں امام حسن بصری فرمایا کرتے تھے امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱)

امام عروہ بن زبیر کا اثر:

(۱) عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان يقرأ خلف الامام اذا لم يجهر فيه الامام بالقراءة۔
امام هشام بن عروہ اپنے والد امام عروہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ امام جب جہری قرأت نہیں کرتے تھے تو امام عروہ بن زبیر امام کے پیچھے پڑھتے تھے۔

(موطا امام مالک ص ۶۸ باب القراءة خلف الامام فيما لا يجهر فيه القراءة)

(۲) عن شريك بن ابى نمر عن عروة بن الزبير قال اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قرأت بام القرآن او بعد ما يفرع من السورة التي بعدها۔

امام شریک بن ابی نمر کہتے ہیں کہ امام عروہ بن زبیر نے فرمایا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا ہے تو میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں یا جب امام اگلی سورت سے فارغ ہوتا ہے تو تب پڑھتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۴ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۹۱)

(۳) عن هشام بن عروة عن ابيه انه قال يابني اقرأ في سكتة الامام فانه لا تتم صلوة الا بفاتحة الكتاب۔

امام هشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد عروہ بن زبیر نے کہا کہ بیٹے امام کے سکتے میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔

(کتاب القراءة ص ۸۴)

(۴) عن هشام عن ابيه قال يا بني اقرأ فيما يسكت الامام واسكتوا فيما جهر ولا يتم صلاة لا يقرأ فيما بفاتحة الكتاب فصاعدا مكتوبة ومستحبة۔

امام ہشام فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد امام عروہ بن زبیر نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے جب امام سکتہ کرے تو تم پڑھو اور جب آواز سے پڑھے تو خاموش رہو نماز سورہ فاتحہ اور اس سے کچھ اوپر کے بغیر پوری نہیں ہونی نماز خواہ فرضی ہو یا نفل۔

(جزء القراءة مترجم ص ۱۲۰)

امام شععی کا اثر:

(۱) مالک بن مغول قال سمعت الشعبي يحسن القراءة خلف الامام۔

امام مالک بن مغول فرماتے ہیں کہ میں نے امام شععی سے سنا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کو پسند

کرتے تھے (کتاب القراءة ص ۸۵ والسنن الكبرى ص ۱۷۲ ج ۲)

(۲) اسماعیل بن سالم عن الشعبي قال سمعته يقول القراءة خلف الامام في الظهر

والعصر نور للصلوة۔

امام اسماعیل بن سالم فرماتے ہیں کہ میں نے امام شععی سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ظہر و عصر کی نماز

میں امام کے پیچھے پڑھنا نماز کے لیے نور ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱)

(۳) ابو اسحق الشیبانی عن الشعبي انه كان يقول اقرأ خلف الامام في الظهر والعصر

في الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب وسورة وفي الاخرين بفاتحة الكتاب۔

امام ابو اسحاق شیبانی فرماتے ہیں کہ امام شععی فرمایا کرتے تھے کہ ظہر و عصر کی نماز میں امام کے

پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اگلی سورہ بھی پڑھا کرو اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ

فاتحہ پڑھا کرو۔

(کتاب القراءة ص ۸۵ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱ والسنن الكبرى ص ۱۷۲ ج ۲)

(۴) ابن ابی خالد عن الشعبي قال اقرأ في خمسهن يقول الصلوات كلها۔

امام ابن ابی خالد سے روایت ہے کہ امام شععی نے کہا کہ پانچوں نماز میں قرأت کرنی چاہیے۔

(کتاب القراءة ص ۸۶)

امام مجاہد کا اثر:

عن ليث عن مجاهد اذا نسي فاتحة الكتاب لا يعتد تلك الركعة۔

امام لیث امام مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر فاتحہ بھول جائے تو اس رکعت

کو شمار نہ کیا جائے (جزء القراءة مترجم ص ۴۱)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
 قال مجاهد اذا لم يقرأ خلف الامام اعاد الصلاة۔
 امام مجاہد کا کہنا ہے کہ جب امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے تو نماز کو دوبارہ پڑھا جائے (جزء
 القراءة مترجم ص ۳۳)

امام عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کا اثر:

حصین قال صليت الى جنب عبیدالله بن عبد الله بن عتبة قال فسمعتہ یقرؤ خلف
 الامام الخ۔
 امام حصین فرماتے ہیں کہ میں نے امام عبید اللہ کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے ان سے سنا کہ وہ امام
 کے پیچھے قرأت کر رہے تھے۔
 (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۳ ج ۱ و کتاب القراءة ص ۸۶ مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۱ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۷۵)

امام قاسم بن محمد کا اثر:

اسامة عن القاسم بن محمد كان رجال آئمة یقرؤن وراء الامام۔
 امام اسامہ راوی ہیں کہ امام قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے آئمہ کرام امام کے پیچھے قرأت
 کرتے تھے۔
 (کتاب القراءة ص ۱۸۴ و بیہقی ص ۱۶۱ ج ۲ و جزء القراءة ص ۳۲)

امام ابوالملیح کا اثر:

عن یحیی بن ابی اسحاق قال صليت المغرب والحکم بن ایوب امامنا و ابو ملیح الی
 جنب ابن اسامة فسمعتہ یقرأ بفاتحة الكتاب فلما سلم الامام قلت لابی ملیح تقرأ خلف
 امام وهو یقرأ سمعت شیئا قلت نعم۔
 امام یحیی بن ابی اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز حکم بن ایوب کے پیچھے پڑھی اور ابولمیح
 ابن اسامہ کے پہلو میں کھڑے تھے میں نے ان سے سنا کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ رہے تھے جب امام نے
 سلام پھیرا تو میں نے ابولمیح سے کہا کہ تم امام کے پیچھے جبکہ وہ قرأت کر رہا ہوتا ہے، قرأت کرتے ہو؟ تو
 انہوں نے کہا کہ تم نے کچھ سنا ہے؟ میں نے کہا ہاں!
 (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۵ ج ۱)

امام زہری کا اثر:

عن معمر عن الزہری قال یقرأ وراء الامام بفاتحة الكتاب وسورة اخرى في الظهر والعصر في الركعتين الاوليين۔

امام معمر امام زہری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ظہر و عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی جائے،
(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۳ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۸۲)
مصنف کے خطی نسخہ میں، وراء، کا لفظ ساقط ہے مولانا اعظمی نے بھی حاشیہ میں صراحت کی ہے۔
امام بیہقی نے (کتاب القراءة ص ۱۲۳) میں امام زہری سے نقل کیا ہے وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

امام سعید بن مسیب کا اثر:

امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سعید بن مسیب امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔
(جزء القراءة مترجم ص ۳۸)

عن قتادة عن سعيد بن المسيب انه قال يقرأ الامام ومن خلفه في الظهر والعصر فاتحة الكتاب۔

امام قتادہ سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ امام و مقتدی ظہر و عصر میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱)

امام حکم بن عتبہ کا اثر:

حدثنا ابن ابی عنية عن ابيه عن الحكم قال اقرأ خلف الامام فيما لم يحجر في الاوليين بفاتحة الكتاب وسورة وفي الاخرين بفاتحة الكتاب۔

ابن ابی عنیہ اپنے والد (عبدالملک بن حمید بن ابی عنیہ) سے روایت کرتے ہیں کہ امام جن نمازوں میں آواز سے قرأت نہیں کرتا ان کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک سورت بھی پڑھو اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۴ ج ۱)

امام اوزاعی کا اثر:

العباس بن الولید بن مزید اخباری ابی قال کان الاوزاعی یقول یحق علی الامام ان یسکت بعد التکبیر الاولیٰ استفتاح الصلوة وسکتة بعد قرأة فاتحة الكتاب یقرأ من خلفه بفاتحة الكتاب فان لم یمکن قرأ معه بفاتحة الكتاب اذا قرأ بها واسرع القرأة ثم استمع۔

امام ولید بن مزید کہتے ہیں کہ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ امام پر لازم ہے کہ وہ تکبیر اولیٰ کے بعد سکتہ کرے اور ایک سکتہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد کرے تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لے، پھر اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے ساتھ پڑھے اور جلدی پڑھے، پھر قرأت سنے، (کتاب القرأة ص ۸۶)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاد امام عطاء بن ابی رباح کا اثر:

عن ابن جریج عن عطاء قال اذا کان الامام یجهر فلیبا در بام القرآن او لیقرأ بعد ما یسکت فاذا قرأ فلینصتوا کما قال عزوجل۔

امام ابن جریج امام عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب امام بلند آواز سے پڑھے تو فاتحہ پڑھنے میں جلدی کرو یا اس وقت پڑھو جب وہ خاموش ہو، اور جب پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے موافق خاموش رہو۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۳ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۸۸)۔

عن ابن جریج عن عطاء قال انا اقراء مع الامام فی الظهر والعصر بام القرآن و سورة قصیرة ثم اهلل واسبح، قلت اسمع من الی جنبی قرأتی؟ قال: مع الامام؟ قال: قلت نعم، قال: لا۔

امام ابن جریج امام عطاء سے نقل کرتے ہیں میں ظہر و عصر کی نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اور کوئی اور چھوٹی سی سورت کی قرأت کرتا ہوں پھر میں تحلیل و تسبیح کہتا ہوں، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا میں اپنے پہلو والے کو سناؤں؟ انہوں نے کہا کہ امام کے ساتھ ہوتے ہوئے؟ میں نے کہا ہاں، تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۱۳۳ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۸۶)۔

قارئین کرام! مذکورہ آیات قرآن اور احادیث نبوی علیہ التحیة والسلام سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز سورہ فاتحہ کے بغیر ناقص اور غیر مکمل ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قرأت کی ابتدا فاتحہ سے کرتے (حدیث نمبر ۷۰، ۷۱، ۷۲) اور امت مرحومہ کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا

ہے، ویسے ہی تم بھی نماز پڑھو۔ (حدیث نمبر ۷۳) اس کے برعکس کسی صحیح تو کجا حسن حدیث سے بھی صریحاً ثابت نہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر سورہ فاتحہ کے نماز پڑھی ہو، بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں (حدیث نمبر ۵۱ تا ۵۲) اور بعض احادیث میں تو سورہ فاتحہ کو ہی نماز قرار دیا ہے (حدیث نمبر ۷۶، ۷۷) اور اس کے بغیر نماز کو خداج قرار دیا ہے اور مقتدی کو بھی پڑھنے کا حکم صادر فرمایا ہے (حدیث نمبر ۱۰، ۹) خاص جہری نمازوں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے کہ امام پیچھے فاتحہ پڑھو (حدیث نمبر ۳۳ تا ۳۴) اور فرمایا کہ مقتدی کی بھی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی (حدیث نمبر ۳۵ تا ۳۶) آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ سارے قرآن کا عوض ہے مگر اس کا کوئی عوض نہیں ہے، (حدیث نمبر ۲۵) چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات اور تقریری احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ صرف سورہ فاتحہ پر اقتصار تو جائز ہے، مگر فاتحہ کے بغیر نماز نہیں (حدیث نمبر ۲۶ تا ۳۰) اس قدر اہمیت تھی کہ اگر آپ جلدی جلدی نماز پڑھتے تو ام المومنین سوال کرتی تھیں کہ آیا آپ نے سورہ فاتحہ کی قرأت بھی کی ہے یا نہیں (حدیث نمبر ۳۱) حدیث نمبر ۷۴ سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابی کو نماز میں گفتگو سے منع فرمایا تو ساتھ ہی فرمایا کہ نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے، اور یہ واقعہ بھی امام کے پیچھے مقتدی سے تعلق رکھتا ہے، گویا صحابی کو امام کے پیچھے تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن کی نبی مکرم صلی اللہ علیہ نے تعلیم دی ہے، حدیث نمبر ۷۵، ۷۶ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حالت نماز میں نمازی اللہ تعالیٰ سے محو گفتگو ہوتا ہے، اور حدیث نمبر ۶ میں اس کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ خاموشی کا نام کلام نہیں ہوتا، اگر حدیث نمبر ۶ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو قرأت سورہ فاتحہ ثابت ہو رہی ہے۔ حدیث نمبر ۷۷ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نمازی اپنے لیے نماز پڑھتا ہے اور عبادت بدنیہ میں نیابت خود احناف کے نزدیک بھی جائز نہیں اور قرآن کی آیت نمبر ۳ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے قرآن اور اس حدیث کو سامنے رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی کو امام کی قرأت کفایت نہیں کرتی، حدیث نمبر ۷۹ سے معلوم ہوا کہ نمازی قرأت کو آہستہ کرے کیونکہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کو سنانا ہے جب قرأت ہی نہ کرے تو سنانا کیسے ہوگا، حدیث نمبر ۷۷ سے معلوم ہوا کہ امام جیسے کرے ویسے ہی تم بھی کرو اگر امام پر قرأت ہے تو مقتدی کی بھی ثابت ہوئی، حدیث نمبر ۸۰ میں نبی مکرم ﷺ نے جو صحابی کو نماز سکھلائی اس میں قرأت کا بھی حکم فرمایا، اور حدیث نمبر ۸۱ میں اسکی وضاحت آگئی ہے کہ وہ سورہ فاتحہ ہے، اس کے علاوہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے صحابہ کرام نے بلند آواز سے قرأت کی تو آپ نے بلند پڑھنے سے تو منع فرمایا مگر سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا، (حدیث نمبر ۳۳، ۳۵،

۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۵، ۶۶۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار بھی آپ کے سامنے ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ امت مرحومہ کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا نسل در نسل تو اتر چلا آ رہا ہے۔

اکابر احناف کی تصریحات:

علامہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

واما الامام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فالمحقق عندی من مذہبہ انہ جہر عن القرأۃ فی الجہریۃ واجاز بہافی السریۃ کما نقلہ صاحب الہدایۃ عن محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ وان انکرہ الشیخ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ حیث قال لم اجده فی الموطا و کتاب الاثار قلت والصواب ما ذکرہ صاحب الہدایۃ فان تناقل المشائخ بروایۃ یکفی ثبوتہا ولا یشرط ان تكون مکتوبۃ فی الاوراق ایضاً فقد تكون روایۃ عن امام وتنقل علی اللسنة ولا توجد فی الکتب واختار ابن الہمام رحمہ اللہ الکراہۃ تحریماً مطلقاً وانما تحیت عنہ لمکان الاختلاف فی نقل مذہبنا۔

یعنی میرے نزدیک امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے جہری میں قرأت سے منع کیا ہے اور سری میں اجازت دی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور اگرچہ شیخ ابن ہمام نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ موطا اور کتاب الاثار میں یہ قول مذکورہ نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ صحیح یہی ہے جو صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے، مشائخ کا روایت سے نقل کرنا اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور اس کا اوراق میں تحریر ہونا ضروری نہیں جبکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام سے ایک بات زبان زد عام ہوتی ہے اور کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہوتا نیز ابن ہمام نے قرأت کو مکروہ تحریمی کہا ہے لیکن ہمارے مذہب میں چونکہ اختلاف ہے اسی بنا پر میں نے اس رائے سے اجتناب کیا ہے۔ (فیض

الباری ص ۲۷۲ ج ۲)

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

روی عن محمد انہ استحسن قرأۃ الفاتحۃ للموتم فی السریۃ ومثلہ عن ابی حنیفۃ صرح بہ فی الہدایۃ والمجتبی شرح مختصر القدوری وغیرہما وهذا هو مختار کثیر من مشائخنا وعلی هذا فلا ینکرا استحسانہا فی الجہریۃ اثناء سکنات الامام یشرط ان لا یخل بالسماع۔

امام محمدؐ سے مروی ہے کہ سری میں مقتدی کے لیے الحمد پڑھنا بہتر ہے اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سے بھی مروی ہے جیسا کہ ہدایہ اور مجتبیٰ شرح قدوری وغیرہ میں ہے اور یہی ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک پسندیدہ ہے، لہذا جہری کے سکتات میں بھی قرآءۃ سے انکار نہیں کیا جاسکتا، بشرطیکہ سماع میں خلل واقع نہ ہو۔ (عمدہ الرعاہ ص ۱۷۳ ج ۱)

مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

ہدایہ جو حنفی فقہ کی مشہور کتاب اور داخل درس ہے، میں یہ قول مذکور ہے کہ امام محمدؐ نے احتیاطاً سری نمازوں میں قرآءۃ فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے، ہدایہ سے زیادہ کون سی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہوگی۔ (فاتحۃ الکلام فی القرآءۃ خلف الامام ص ۶۱، مندرجہ احسن الفتاویٰ ص ۲۲۳ ج ۳)

دو صفحات آگے چل کر فرماتے ہیں:

مولانا عبدالحی ملا جیون کی عبارات میں امام محمد کے قول کا حوالا صراحتہ موجود ہے، اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحتہ مذکور ہے، اور اس میں کسی کا نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرآءۃ سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرآءۃ فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں۔ (فاتحۃ الکلام ص ۶۳ و احسن الفتاویٰ ص ۲۲۵ ج ۳)

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

جب اس کو اس قدر خصوصیت بالصلوۃ ہے تو اگر سکتات میں اس کو پڑھ لو تو رخصت ہے، اور قلیل آیات ہیں محل ثناء میں ختم ہو سکتی ہیں اور خلط قرآءۃ امام کے نوبت نہیں آتی۔ (سننیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل گنگوہی ص ۵۶ طبع گوجرانوالہ ۱۹۹۲ء)

فصل دوم

واذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (۷-۲۰۳)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۹)

الجواب: اولاً: اس آیت کا مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، کس لفظ کا یہ معنی ہے کہ مقتدی امام کے اقتدا میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ عموم میں قرآءۃ خلف الامام بھی داخل ہے، تو یہ بات خود حنیفہ کے خلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اگر مقتدی بعد میں ملا ہو تو علمائے احناف میں سے بعض تو جہری میں بھی ثناء یعنی سبحانک اللہم وبحمدک، الخ پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، (منیۃ المصلیٰ ص ۸۶ و فتاویٰ عالمگیری ص ۹۱ ج ۱ و السعایہ ص ۱۶۰ ج ۲) اور

مبسوق قرأت کی حالت میں بھی جماعت میں شامل ہو تو اسے تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہنے کا حکم دیتے ہیں۔
(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵۱ ج ۱۰ البحر الرائق ص ۷۲ ج ۲)۔

حنفی عموماً تشہد میں درود کے بعد امام و مقتدی ”رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ“ پڑھتے ہیں جماعت کے ہوتے ہوئے یہ حضرات صبح کی سنتیں پڑھ لیتے ہیں، الغرض اگر اس آیت سے عموم مراد لیا جائے تو اس پر خود حنفی بھی پورے نہیں اترتے،

ثانیاً: یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی کیونکہ یہ سورہ الاعراف کی آیت ہے جو بالاتفاق مکی ہے، اس آیت کے نزول کے بعد بھی صحابہ کرام نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب مدینہ منورہ میں ہجرت ہوئی تو آیت ﴿قَوْمِ اللّٰہِ قَاتِنِیْ﴾ (البقرہ آیت ۲۳۹)۔

نازل ہوئی تو تب نماز میں کلام سے منع کیا گیا جیسا کہ سیدنا زید بن علیؓ سے صحیح حدیث مروی ہے۔
(بخاری ص ۱۶۰ ج ۱ کتاب العمل فی الصلاة باب ما ینہی من الکلام فی الصلاة الحدیث ۱۲۰۰) و مسلم ص ۲۰۴ ج ۱ کتاب المساجد باب تحريم الکلام فی الصلاة ونسخ ماکان من حقه، الحدیث ۱۲۰۳)
امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں کہ:

فقد ثبت بحديثه هذا ان نسخ الکلام فی الصلوٰۃ کان بالمدينة بعد قدوم رسول اللہ ﷺ من مکة۔

(یعنی سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں کلام کرنے کا نسخ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا رسول مکرم ﷺ کا مکہ سے مدینہ میں آنے کے بعد۔
(شرح معانی الآثار ص ۳۰۴ ج ۱)

(۲) علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری ص ۲۶۹ ج ۷ میں (۳)، ملا علی القاری نے، مرقاة ص ۲۹ ج ۳ میں (۴) ابن ترکمانی نے الجوہر النقی ص ۳۶۱ ج ۲ میں (۵) مولانا عبدالحی نے، امام الکلام ص ۱۳۵ و مجموعۃ رسائل الكنوی ص ۱۲۰ ج ۳ میں (۶) علامہ نیوی نے، حاشیہ آثار السنن ص ۱۷۳ میں (۷) مولانا رشید احمد گنگوہی نے، الکوکب الدری ص ۱۷۵ ج ۱ میں (۸) مولانا شبیر احمد عثمانی نے، فتح الملہم ص ۱۲۸ ج ۲ میں (۹) مولانا ظلیل احمد سہارنپوری نے، بزل المجہود ص ۹۶، ۱۱۰ ج ۲ میں (۱۰) مولانا محمد یوسف بنوری نے، معارف السنن ص ۵۰۹ ج ۳ میں (۱۱) مولانا ظفر احمد تھانوی نے، اعلاء السنن ص ۲۶ ج ۵ میں (۱۲) مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے اوجد المسالك ص ۲۹۶ ج ۱ میں (۱۳) مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے، حاشیہ الکوکب الدری ص ۱۷۵ ج ۱ میں (۱۴) مولوی غلام رسول سعیدی نے، شرح صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۲ میں (۱۵) مولانا تقی عثمانی نے، درس ترمذی ص ۱۵۴ میں اور (۱۶) مولانا سرفراز

خان صفدر صاحب نے احسن الکلام ص ۱۹۳ ج ۱ میں لکھا ہے کہ۔

نماز میں کلام کرنے کی ممانعت مدینہ میں نازل۔

یہ ڈیڑھ درجن کے قریب حوالے دیوبندی اکابرین کے ہیں، اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس آیت سے تو نماز میں کلام کی ممانعت بھی ثابت نہیں ہوتی چہ جائے کہ قرأت قرآن کی ممانعت ثابت ہو۔

ثالثاً: جب قرآن پڑھا جا رہا ہو اس وقت قرآن پڑھا جانا، ناجائز نہیں، امت مرحومہ میں نسل در نسل متواتر یہ عمل چلا آرہا ہے کہ مسجد کے ہال میں متعدد حضرات تلاوت قرآن کرتے ہیں بعض آہستہ تو بعض بلند آواز سے بھی پڑھتے ہیں، قرآن کو حفظ کرتے وقت تمام معلم اونچی آواز سے قرأت کرتے ہیں، علاوہ ازیں قرآن سے ثابت ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت بعض کلمات کہے جاسکتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا﴾ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۷-۱۰۸)

جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں کہ ﴿سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا﴾ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۷-۱۰۸)

﴿وَإِذْ أَسْمَعُوا مَا نُزِّلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ (المائدة آیت ۸۳-۸۴)

جب یہ لوگ وہ (قرآن) سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے حق کو پہچان کر زار زار رونا شروع کر دیتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں، ﴿رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ (۵-۸۳، ۸۴)

﴿الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ﴾ (القصص آیت ۵۲، ۵۳)

جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے، وہ ایمان لاتے اس کتاب پر اور جب ان پر پڑھی جاتی ہے تو بول اٹھتے ہیں ﴿آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ﴾ (۲۸-۵۳، ۵۲)

ان آیات بینات سے ثابت ہوا کہ تلاوت قرآن کے وقت قرآن پڑھنا، استماع و انصات کے منافی نہیں ہے۔

شان نزول کی روایات:

(۱) عن یسیر بن جابر قال صلی ابن مسعود فسمع ناس یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما انکم تفقہوا اما انکم ان تعقلو واذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا کما امرکم اللہ (تفسیر طبری ص ۱۰ ج ۹)

حضرت یسیر بن جابر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم سمجھ اور عقل سے کام لو، جب قرآن کریم کی قرأت ہوتی ہے تو تم اسکی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، (حدیث اور اہل حدیث ۲۹۹)

الجواب: اولاً: آپ نے بددیانتی کی ہے، راوی یسیر بن جابر نہیں بلکہ بشیر بن جابر ہے، تفسیر طبری میں بشیر ہی ہے کسی نسخہ میں یسیر نہیں، تمام قدیم نسخوں میں بشیر ہی ہے، اور جس نسخے کا انوار صاحب نے حوالہ دیا ہے اس میں بھی بشیر ہی ہے۔ بلکہ جدید مطبوعہ نسخوں میں بھی بشیر ہے۔

(دیکھئے تفسیر ابن جریر ص ۱۹۲ ج ۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ ۲۰۰۵ء و صفحہ ۱۶۱ جلد ۶ رقم الحدیث ۱۰۵۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۹ء)۔

ایسا ہی تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲ میں حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو بحوالہ تفسیر طبری سے نقل کیا ہے، اور بشیر بن جابر ہی نقل کیا ہے، مگر انوار خورشید صاحب نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر بددیانتی کرتے ہوئے اسے، یسیر بنا دیا ہے، بددیانتی کی وجہ یہ ہے کہ بشیر بن جابر مجھول الحال ہے، کتب رجال میں اس کا تذکرہ تک نہیں ہے، الغرض یہ روایت بوجہ جہالت بشیر ضعیف ہے،

ثانیاً: اسکی سند میں الحاربی (عبدالرحمن بن محمد) ہے جو گولققہ و صدوق ہے مگر مدلس ہے، جیسا کہ امام عقیلی امام مجلسی اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے،

(تہذیب ص ۲۶۶ ج ۶ و تقریب ۳۱۹ و طبقات المدلسین ص ۴۰)

اور روایت بھی معنعن ہے، الغرض یہ روایت جہالت بشیر اور تدلیس حاربی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثالثاً: روایت کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں کہ پڑھنے والوں نے بلند آواز سے پڑھا تھا، فسمع اناس، لوگوں کو قرأت کرتے سنا، سنا تب ہی جاتا ہے جب بلند آواز سے پڑھا جائے، اور یہ منازعت کی صورت ہے جو بلاشبہ منع ہے،

(۲) عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ واذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا یعنی فی الصلوٰۃ المفروضة۔ (کتاب القراءۃ للبيهقي ص ۸۸)

حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد، واذا قرى القرآن: الاية، کے متعلق مروی ہے کہ یہ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۰)

الجواب: اولاً: گویا نوافل اس سے مستثنیٰ ہیں مگر آپ تو نوافل میں بھی قرآن کے قائل نہیں۔

ثانیاً: فرض نماز کے کس رکن کے متعلق نازل ہوئی ہے، امام کے بارے میں یا مقتدی کے حق میں، روایت میں اس کا تذکرہ تک نہیں ہے۔

ثالثاً: سنداً بھی ضعیف ہے، اس میں راوی عبداللہ بن صالح متکلم فیہ ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ کانت فیہ غفلة (تقریب ص ۱۷۷) امام نسائی اور ابن مدینی، صالح بن محمد اور امام احمد نے اس پر جرح کی ہے۔ (تہذیب ص ۲۵۸ ج ۵ و میزان ص ۴۴۰ ج ۲) اور علامہ مارذینی حنفی نے (الجوہر النقی ص ۳۰۹ ج ۱) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

رابعاً: روایت کا متن بھی محل نظر ہے کیونکہ سورہ الاعراف نبوت کے دسویں سال نازل ہوئی تھی جیسا کہ (مجمع البحار ص ۵۳۰ ج ۲) میں ہے حالانکہ نماز نبوت کے بارہویں سال معراج کی رات فرض ہوئی تھی۔

(۳) عن ابن عمر قال کانت بنو اسرائیل اذا قرأت ائمتهم جاہوہم فکفرہ اللہ ذلک لہذہ الامة قال و اذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتو۔

(الدر المنثور ص ۱۵۶ ج ۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے امام جب قرأت کرتے تو بنی اسرائیل ان کی مجاہبت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس امت کے لیے ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۰)

الجواب: اولاً: ہمارے بھائی نے اس قول کو نقل کر کے وضاحت نہیں کی کہ اس سے حنفیہ کا مسلک کس طرح ثابت ہوتا ہے، پھر ترجمہ روایت میں بھی بات واضح نہیں کی، یہ فقط جہلا کو مغالطہ دینے کے لیے نقل کر دی گئی ہے، ورنہ اس روایت کا زیر بحث مسئلہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں محترم نے، جاہوہم، کا معنی ان کی مجاہبت کرتے تھے، کیا ہے، حالانکہ ان کا حق تھا کہ اس لفظ کا اردو میں معنی کرتے کیونکہ اسی لفظ سے ان کا استدلال تھا، سنئے جو ب بمعنی جواب آتا ہے۔ (قاموس ص ۶۶ و مجمع بحار الانوار ص ۳۹۹ ج ۱) اس لغوی معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو معنی یہ ہے کہ ان کو جواب دیتے تھے۔

جیسے ہمارے ہاں مشاعرہ کے وقت شاعر کا شعر سن کر اسے داد دی جاتی ہے، اور بعض خطیب حضرات وعظ نصیحت بھی جواب کے بغیر نہیں کرتے، مگر انوار خورشید صاحب بھولے پن سے بات کا بنگلہ بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

ثانیاً: درمنثور میں یہ روایت، ابو اسحاق، سے نقل کی گئی ہے، یہ کتاب معروف ہے اور نہ ہی متداول، جو اس روایت کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے۔

(۴) عن عبد الله بن المغفل في هذه الآية واذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا قال في

الصلوة۔

(كتاب القراءة للبيهقي ص ۸۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ آیت کریم، واذا قرى القرآن کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۰)

الجواب: اولاً: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر آگے جرح بھی کی تھی جسے محترم نے نقل نہیں کیا، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسکی سند میں ہشام بن زیاد راوی ہے جس پر سند مختلف ہو گئی ہے، اور یہ خود، لیس بالقوی ہے۔ (كتاب القراءة ص ۸۷) اسے عبداللہ بن احمد، ابوزرعہ، ابن معین، ابو حاتم، دارقطنی، ابن سعید، عجل، یعقوب بن سفیان نے ضعیف قرار دیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کلام کیا گیا ہے، ابو داؤد فرماتے ہیں غیر ثقہ ہے ترمذی کہتے ہیں اسکی تضعیف کی گئی ہے نسائی اور ازدی متروک کہتے ہیں، امام ابو الولید اس کے ہمسایہ تھے وہ فرماتے ہیں کہ حفص منقری سے اس نے حسن بصری کی کتاب لی تھی اور اس سے امام حسن بصری سے روایت کرتا ہے (گویا ان سے سماع ثابت نہیں) اور اس کی حسن بصری سے روایات منکر ہیں (خیر سے یہ روایت بھی حسن سے ہی ہے) امام ابن حبان فرماتے ہیں ثقاہت سے من گھڑت اور وضعی روایات نقل کرتا ہے۔

اس سے احتجاج کرنا جائز نہیں (تہذیب ص ۳۹ ج ۱۱ و میزان ص ۲۹۸ ج ۴)

ثانیاً: اس کی سند اور متن میں بھی اضطراب ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب القراءة میں تفصیل درج کی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف و مضطرب ہے۔

شان نزول کے متعلق دعویٰ اجماع:

فرماتے ہیں، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (فتاویٰ کبزی ص ۱۶۸ ج ۲) میں فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر اجماع ذکر کیا ہے یہ آیت، واذا قرى القرآن الآية، نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے نیز اس پر بھی اجماع نقل کیا ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی پر قرأت

واجب نہیں ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۱)

محترم اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، آپ نے خود ایک ایسا قول نقل کیا ہے جس کا یہ مفہوم ہے کہ جواب دینے کی نفی میں نازل ہوئی ہے، اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ من اجماع الناس علی انها نزلت فی الصلوة و فی الخطبة۔
لوگوں کا اجماع ہے کہ یہ نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(مجموع فتاویٰ ص ۳۱۲ ج ۲۲)

علاوہ ازیں جیسے نزول کے متعلق انہوں نے اجماع ذکر کیا ہے ایسے ہی جبری میں بوقت قرأت مقتدی پر قرأت کے عدم وجوب پر بھی اجماع ذکر کیا ہے، حالانکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مذہب بھی مسلم ہے کہ

يقراً خلف الامام بكل حال، ہر حال میں خلف الامام میں قرأت کی جائے۔ (فتاویٰ کبریٰ ص ۴۱ ج ۲) الغرض شان نزول کے متعلق دعویٰ اجماع درست نہیں ہے۔
مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

ان الروایات عن الصحابة ومن بعدهم فی شان نزولها مختلفة،
اس آیت کے شان نزول کے متعلق صحابہ کرام اور تابعین عظام سے مختلف روایات آئی ہیں۔

(امام الکلام ص ۱۱۰ و مجموعۃ رسائل ص ۱۰۴ ج ۲)

اس کے بعد انہوں نے ان آثار کو کتب احادیث و تفسیر سے مفصل نقل کیا ہے۔
آخر میں بطور خلاصہ فرماتے ہیں،

فهذه الاثار تشهد انهم اختلفوا فی سبب نزول الایة علی اقوال احدها انها نزلت فی سماع الخطبة، وثانیها، انها نزلت فی القرأة فی الصلوة، و ثالثها، انها نزلت نسخاً للتکلم فی الصلوة، ورابعها، انها نزلت فی الاذکار خلف الامام عند آیات الترغیب والترہیب، وخامسها، انها عامة لكل سامع القرآن، سواء كان فی الصلوة او فی الخطبة، و سادسها، انها نزلت فی القرأة فی الصلوة و الخطبة جميعاً۔

یعنی یہ آثار گواہی دے رہے ہیں کہ شان نزول میں مختلف اقوال ہیں (۱) یہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۲) قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۳) اس کا تعلق نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے ہے (۴) خلف الامام آیات ترغیب و ترہیب کے جواب کی ممانعت پر نازل ہوئی ہے (۵) یہ حکم عام ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے خواہ نماز ہو یا خطبہ اسے سنا جائے (۶) نماز اور خطبہ دونوں اس کا شان نزول ہیں۔

(امام الکلام ص ۱۱۶، ۱۱۵ و مجموعۃ رسائل الکنوی ص ۱۰۸ ج ۳)
ان چھ اقوال کے علاوہ بھی اقوال ہیں (۷) اس کے مخاطب نبی مکرم ﷺ ہیں کہ نزول قرآن کے وقت ساتھ ساتھ نہ پڑھیں (۸) کفار مخاطب ہیں، امام الکلام میں مولانا لکھنوی نے آئمہ مفسرین کے ان اقوال کو ذکر کیا ہے، آخری قول کے تو بعض دور حاضر کے اکابر احناف بھی مؤید ہیں، چنانچہ مولانا عبدالمجید دریا آبادی نے (تفسیر ماجدی ص ۲۷۳) میں اور پیر کرم شاہ بھیروی نے (ضیاء القرآن ص ۱۱۹ ج ۲) میں دھڑلے سے لکھا ہے کہ کفار مخاطب ہیں۔ (۹) جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی کہتے ہیں۔ میرے نزدیک واذا قرئ القرآن فاستمعوا له جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قرأت فی الصلوٰۃ مراد نہیں ہے۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے، تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی ملک کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔
(الکلام الحسن ص ۲۱۲ ج ۲، مطبوعۃ المکتبۃ الاشرفیۃ جامعہ اشرفیۃ لاہور)۔

مرفوع روایات

(۹، ۷، ۶، ۵) عن ابی موسیٰ الاشعری قال ان رسول اللہ ﷺ خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیئومکم احدکم فاذا کبر فکبر واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔

(الحديث بروایت الجریر عن سلیمان عن قتادہ) مسلم ص ۱۷۴ ج ۱)
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے سے قبل اپنی صفوں کو درست کر لو، تم میں سے ایک تمہارا امام بنے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم والا الضالین، کہے تو تم آمین کہو،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۱)

الجواب: اولاً: جس ترتیب سے محترم نے الفاظ روایت نقل کیے ہیں اس ترتیب سے مسلم میں قطعاً نہیں اگر انوار صاحب مسلم سے بعینہ ترتیب دکھا دیں تو ہماری طرف سے انہیں مسلم شریف کا نسخہ (بشرطہ کہ اسے پڑھنے کا وعدہ کریں) ہماری طرف سے تحفہ دیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

ثانیاً: انوار صاحب نے یہ روایت مسلم سے نقل کی ہے اور ساتھ ہی وضاحت کی ہے کہ بروایت جویر عن سلیمان عن قتادہ مگر آگے چل کر اسی سند سے، (مسند احمد ص ۴۱۵ ج ۴) ابو عوانہ، اور ابن ماجہ، سے نقل کر کے علیحدہ علیحدہ نمبر ۶، ۷، ۹ کے تحت متن روایت کو درج کیا ہے، حالانکہ ان چاروں

کتابوں کی سند ایک ہی ہے، صرف جریر سے نیچے کے راوی الگ الگ ہیں۔

سنئے واذا قرأ فانصتوا، کے الفاظ بیان کرنے میں سلیمان منفرد ہے، امام مزی فرماتے ہیں۔

فی حدیث التیمی من الزیادة واذا قرأ فانصتوا ولم یذکر هذا اللفظ غیرہ، یعنی سلیمان تمیمی کی روایت میں و اذا قرأ کے الفاظ زیادہ ہیں اس کے علاوہ کسی راوی نے قتادہ سے ان الفاظ کو نقل نہیں کیا (تحفة الاشراف ص ۴۱ ج ۶ (۸۹۸۷) لہذا مؤلف کا یہ حق تو بنتا تھا کہ سلیمان تمیمی کے متابع ذکر کرتا اور ان کو علیحدہ علیحدہ نمبر کے تحت بیان کرتا، لیکن اصول حدیث کے مطابق منفرد کی روایت مختلف کتب حدیث سے نقل کر کے عوام الناس کو مغالطہ دینا، قابل تعریف اور علمی کارنامہ نہیں بلکہ خیانت اور جہالت ہے بالخصوص جب ایسی روایت جس کے متعلق آئمہ جرح و تعدیل اور اکابر محدثین کی آرا بھی ہوں کہ یہ فلاں راوی کا تفرد ہے اس سے عمداً چشم پوشی کرنا درست نہیں، اگر انوار صاحب کہہ دیں گے یہ بات تو درست ہے کہ ان چاروں کتابوں میں جریر عن سلیمان عن قتادہ سے مروی ہے لیکن چار کتابوں میں تو آئی ہے، رافم کہتا ہے کہ چار کیا آپ کے پیرو مرشد مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب نے (احسن الکلام ص ۲۳۶ ج ۱) میں اس پر ۴۶ کتابوں کے حوالے نقل کیئے ہیں، لہذا آپ ان تمام کتب سے نقل کر کے ۴۶ احادیث بنا ڈالتے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا یقیناً نہیں کیا تو وجہ فرق بیان کریں،

ثالثاً: واذا قرأ فانصتوا، کے الفاظ اس روایت میں شاذ ہیں، کیونکہ قتادہ سے امام ہشام دستوائی امام سعید بن ابی عروبہ امام ہمام، امام ابو عوانہ امام ابان امام عدی بن عمار امام معمر بن راشد امام حجاج بن حجاج امام شعبہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور وہ تمام ان الفاظ کو نقل نہیں کرتے جیسا کہ امام دارقطنی نے (السنن دارقطنی ص ۳۳۱ ج ۱) میں حافظ ابو علی نيساپوری (بحوالہ کتاب القراءة ص ۸۹) اور نووی نے (شرح صحیح مسلم ص ۷۵ ج ۱) میں صراحت کی ہے، بلاشبہ سلیمان تمیمی ثقہ ہے مگر وہ قتادہ کے حفاظ شاگردوں میں نہ تھے۔

جیسا کہ امام ابن رجب نے (شرح العلل للترمذی ص ۴۳۸ تا ۴۳۹) میں صراحت کی ہے اور ثقہ جب اپنے سے اوثق کی یا ثقات کی مخالفت کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے تفصیل کے لیے دیکھئے (شرح نخبة الفکر ص ۳۶ و تدریب الراوی ص ۱۰۷ و جامع التحصیل ص ۴۲ و نصب البرایہ ص ۳۳۶ ج ۱ وغیرہ) اور شاذ ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔

رابعاً: اگر کہا جائے کہ سلیمان راوی ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ ہر زیادتی مقبول نہیں ہوتی جب ثقہ اوثق کے مخالف روایت کرے تو وہ شاذ ہوتی ہے۔ مزید برآں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثقہ کی زیادت قابل قبول نہیں، کوثری لکھتا ہے۔

(اذا ورد حدیثان صحیحان فی احدہما زیادۃ اسم شخص بین رجال السنۃ او زیادۃ لفظ فی المتن وفي الاخر نقصهما فابو حنیفۃ یرد الزوائد الی الناقص فی المتن والسند)۔
یعنی جب دو حدیثیں ہوں ایک کی سند میں راوی کا اضافہ ہو یا اس کے متن میں کسی لفظ کا اضافہ ہو اور دوسری میں وہ اضافہ نہ ہو تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ زائد کو ناقص کی طرف لوٹاتے ہیں، سند میں ہو خواہ متن میں ہو،

(تانیب الخطیب ص ۳۳۳) مزید ملاحظہ ہو، ص ۲۴۴ وشرح علل الترمذی لابن رجب ص ۲۴۳)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت شاذ ہے اور شاذ ضعیف روایت کی ایک قسم ہے،

(۸) عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ الامام فانصتوا واذ قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔

(صحیح ابو عوانہ ص ۱۳۳ ج ۲)

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم والضالین، کہے تو تم آمین کہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۲)

الجواب: اولاً: اسکی سند میں سہل بن بجر، راوی مجہول ہے، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مولوی ظفر احمد تھانوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا، احسن الکلام ص ۲۳۸ ج ۱ محدث گوندلوی مرحوم فرماتے ہیں کہ راوی سہل بن بجر الجند یساپوری نہیں بلکہ سری بن سہل ہے، (خیر الکلام ص ۳۰۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ شاید یہ سری بن عاصم ہے جو اپنے دادا سہل کی طرف منسوب ہوتا ہے، اسے ابن عدی، یسرق الحدیث، ابن خراش نے کذاب اور ازدی نے متروک قرار دیا ہے۔

(لسان المیزان ص ۱۲ ج ۳)

دوسرا راوی اس میں، عبداللہ بن رشید، ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ (لیس بالقوی وفيہ جہالة) یعنی قوی نہیں اور اس میں جہالت پائی جاتی ہے (المغنی ص ۳۳۸ ج ۱)
امام بیہقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لا یحتج بہ، اس سے احتجاج نہ کیا جائے (لسان المیزان ص ۲۸۵ ج ۳)
تیسرا راوی اس کی سند میں، ابو عبیدہ ہے، امام دارقطنی رضی اللہ عنہ نے ضعیف اور ابن خراش نے کہا ان راویوں میں سے نہیں جن پر اعتماد ہو سکتا ہے، عقلی نے ضعفاء میں شمار کیا ہے، امام شعبہ اس پر اعتماد نہ کرتے تھے۔

(لسان المیزان ص ۱۶ ج ۵ والجرح والتعديل ص ۴۲۰ ج ۴ ق ۱) والمغنی ص ۵۴۲ ج ۲)

الغرض یہ روایت جہالت اور متکلم فیہ راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر

فکبر واواذ قرأ فانصتوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللهم ربنا لك الحمد،

(نسائی ص ۱۰۷ ج ۱ ومصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم، اللهم ربنا لك الحمد، کہو،

انوار صاحب اسی حدیث کو نمبر ۱۱ میں (نسائی ص ۱۰۷ ج ۱) سے نقل کیا ہے، نمبر ۱۲ میں (ابن ماجہ ص ۶۱) سے نقل کیا ہے، نمبر ۱۳ میں (مسند احمد ص ۳۷۶ ج ۲) سے نقل کیا ہے۔

الجواب: اولاً: محترم نے ایک ہی روایت کو نمبر بڑھانے کی غرض سے چار بنا دیا ہے، ان تمام کتابوں کی سند میں، محمد بن عجلان ہے، اگر انوار خورشید صاحب نے، ابن عجلان سے نیچے کے راویوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے درج کیا ہے تو تب بھی درست نہیں، ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے، نسائی اور ابن ابی شیبہ کا آپ نے اکٹھا حوالہ دیا ہے حالانکہ ابن ماجہ اور مصنف ابن ابی شیبہ کی سند ایک ہے کیونکہ امام ابن ماجہ نے ابو بکر بن ابی شیبہ سے روایت لی ہے۔

(دیکھئے تحفة الاشراف ص ۳۴۴ ج ۹)

مگر ہمارے انوار صاحب علی حدیث میں اتنے کمزور ہیں کہ سند کے فرق کو سمجھتے ہی نہیں،

ثانیاً: محترم کی پیش کردہ چاروں اسناد میں، محمد بن عجلان مدلس راوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے انہیں تیسرے طبقہ میں شمار کرتے ہوئے، ابن حبان سے ان کا مدلس ہونا نقل کیا ہے۔

(طبقات المدلسین: ۴۴)

علامہ حلبی نے بھی، التبيين میں اسے مدلس قرار دیا ہے اور حافظ العلاء کی کتاب (الجامع التحصیل ص ۱۲۵) سے نقل کیا ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ ابن عجلان تدلیس کرتا ہے، حافظ ابو محمد مقدسی، حافظ ذہبی اپنے اجوزہ میں اور حافظ سیوطی نے، اسما من عرف بالتدلیس، میں اسے مدلسین میں شمار کیا ہے، اور حنفی مذہب کے سرخیل امام طحاوی نے (مشکل الآثار ص ۱۰۰، ۱۰۱ ج ۱) میں مدلس قرار دیا ہے، علامہ سندھی حدیث، نہی عن اقامة الحدفی المساجد، کے تحت حاشیہ ابن ماجہ میں علامہ بوصری کی زوائد سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عجلان مدلس ہے، (حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۲۷ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے۔

ثالثاً: محمد بن عجلان پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث مختلف ہو گئی تھیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

صدوق الا انه اختلطت عليه احاديث ابى هريرة، کہ ابن عجلان صدوق ہے مگر اس پر ابو هريره کی احاديث تملط ہوگئی تھیں (تقریب ص ۳۱۱)

یہی وجہ ہے کہ آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے، اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ ابن عجلان کے تخالط سے ہیں، امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

ليست هذه الكلمة بالمحفوظة وهومن تخالط ابن عجلان وقد رواه خارجة بن مصعب ايضاً وتابع ابن عجلان وخارجة ايضاً ليس بالقوى۔

یہ کلمہ اذا قرأ فانصتوا، محفوظ نہیں بلکہ یہ ابن عجلان کے تخالط میں سے ہے، اور اسے خارجه بن مصعب نے بھی روایت کیا ہے مگر وہ بھی قوی نہیں، (علل الحدیث ص ۱۶۴ ج ۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی (کتاب القراءة ص ۱۱۱ و بیہقی ص ۵۷ ج ۲) میں اس کلام کو نقل کیا ہے، عباس دوری امام ابن معین سے بیان کرتے ہیں، یہ روایت کوئی چیز نہیں اور ثابت نہیں (تاریخ ابن معین ص ۳۰۰ ج ۳ رقم النص ۲۲۳۶ و کتاب القراءة ص ۱۱۰) امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

اس روایت میں، اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ محفوظ نہیں، (العلل للدارقطنی) امام بخاری امام ابن خزیمہ امام ابوداؤد اور امام بیہقی رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (کتاب القراءة ص ۱۱۲)۔

الغرض یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں، گو آئمہ جرح و تعدیل میں اس امر میں اختلاف ہے کہ اس میں وہم کس راوی کا ہے لیکن اس کے غیر محفوظ ہونے میں مذکورہ تمام آئمہ متفق ہیں۔

اور خود اکابر احناف نے اعتراف کیا ہے کہ ابن عجلان کو سیدنا ابو ہریرہ کی روایات میں اختلاط ہے،

(معارف السنن ص ۷۴ ج ۳)

یہی وجہ ہے کہ ابن عجلان اس روایت کو کبھی تو عن زید بن اسلم عن ابی صالح عن ابو ہریرہ بیان

کرتے ہیں (سنن نسائی ص ۱۰۷ ج ۱ کتاب الافتتاح باب تاویل قوله عزوجل واذنا قرئ القرآن فاستمعوا له

وانصتوا لعلکم ترحمون، الحدیث ۹۲۲، ۹۲۳ و ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب اذا قرا الامام فانصتوا،

الحدیث ۸۴۶، و ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۲۷ ج ۱ و ابوداؤد و کتاب الصلاة باب الامام یصلی

من قعود، الحدیث ۶۰۴ و مسند احمد ص ۴۲۰ ج ۲) وغیرہ میں، اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ ہیں مگر اسی سند

سے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۳ ج ۱ و ص ۴۲۵ ج ۲) میں روایت ہے مگر اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ

نہیں) اور کبھی عن ابیہ عن ابی ہریرہ بیان کرتا ہے۔ (مسند احمد ص ۳۷۶ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۳۰ ج ۱

و کتاب القراءة ص ۱۱۱) اور کبھی عن ابیہ عن الاعمش عن ابی ہریرہ بیان کرتا ہے (کتاب

القرآء ص ۱۱۱) لیکن اس میں، اذا قرأ فانصتوا، کے الفاظ نہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت، (بخاری ص ۱۰۱ ج ۱) میں بواسطہ (شعیب عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ) نقل کی ہے مگر اس میں اس زیادت کا ذکر نہیں ہے، گویا خود ابن عجلان کبھی اس زیادہ کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اسے بیان نہیں کرتے، اسی بنا پر امام دارقطنی اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے ابن عجلان کی تخالط میں شمار کیا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ ابن عجلان پر سوء حفظ کی وجہ سے کلام ہے، بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے (میزان س ۶۴۴ ج ۳ والمغنی ص ۶۱۲ ج ۲ و دیوان الضعفاء ص ۲۸۲ و مقدمہ فتح الباری ۸۵۹) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

مسئلہ حمایت میں بددیانتی:

مولانا انوار خورشید صاحب نے ص ۳۰۴ پر نمبر ۱۰ کے تحت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو مسند احمد سے نقل کیا ہے، مگر حدیث کے پورے متن میں سے صرف چند الفاظ کو نقل نہیں کیا، وہ الفاظ یہ ہیں۔

فاذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده، فقلوا ربنا ولك الحمد، واذا صلى جالسا فصلوا جلوسا اجمعون۔

یعنی جب امام رکوع کرے تو تم رکوع کروں اور جب امام سمع الله لمن حمده، کہے تو تم، ربنا ولك الحمد، کہو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

(مسند احمد ص ۳۷۶ ج ۲)

ان الفاظ میں امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم بھی تھا اور یہ الفاظ حنفیہ کے خلاف تھے، کیونکہ ان کے نزدیک اگر امام بوجہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو مقتدی بہر حال کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

(اعلاء السنن ص ۲۶۵ ج ۴ و درس ترمذی ص ۱۲۲ ج ۲ و حدیث اور اہل حدیث ص ۹۲)۔

مولانا محترم نے ان الفاظ کو حنفی مسلک کے خلاف جان کر، ان کا نقل کرنا مناسب نہ جانا اس لیے انہوں آدھی حدیث لکھ کر اپنا اُلوسیدھا کر لیا۔

(۱۴) عن انس ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قرأ الامام فانصتوا۔

(کتاب القرآء ص ۱۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم

خاموش رہو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۵)

الجواب: یہ روایت بھی صحیح نہیں بلکہ اس کے راوی، حسن بن علی بن شیبہ المعمری کی غلطی کا نتیجہ ہے حسن موقوف کو مرفوع کر دیا کرتے تھے اور متون و اسناد میں غلطی سے الفاظ بڑھا دیا کرتے تھے، امام ابن عدی فرماتے ہیں،

رفع الاحادیث وہی موقوفة وزادفی المتون اشیاء لیست فیہا۔

(لسان المیزان ص ۲۲۳ ج ۲)۔

جب حسن معمری نے یہ الفاظ بیان کیے تو اہل بغداد نے امام عبدان بن محمد کو لکھا کہ معمری بطریق ابی الاشعث ہمیں یہ روایت بیان کرتے ہیں تو اسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ ابی الاشعث نے ہمیں بھی یہ حدیث بیان کی ہے، مگر اس میں، اذا قرأ فانصتوا، کے الفاظ نہیں ہیں (لسان المیزان ص ۲۲۴ ج ۲ و ابن عدی ص ۷۴۹ ج ۲)

بلکہ کتاب القراءة ص ۱۱۳ میں ہے کہ امام عبدان نے فرمایا کہ ہمیں، محمد بن بکار، اسماعیل بن سیف اور ابو الاشعث نے روایت بیان کی ہے، اور وہ تینوں اس زیادتی کو بیان نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

غلط فیہ الحسن بن علی المعمری ولہ من امثال ذلک افراد منکرۃ۔

یعنی اس میں حسن معمری نے غلطی کی ہے، اس کے علاوہ بھی اس کی منکر روایات ہیں جن میں وہ

منفرد ہے۔ (کتاب القراءة ص ۱۱۳)

پھر امام موسیٰ بن ہارون نے بھی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، یہ ملحوظ رہے کہ امام دارقطنی نے موسیٰ کو اوثق و اشبت قرار دیا ہے (لسان المیزان ص ۲۲۴ ج ۲)

(۱۵) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما صلوة الظهر فقرا معہ رجل من الناس فی نفسه فلما قضی صلاته قال هل قرأ معی منکم احد قال ذلک ثلثنا فقال له الرجل نعم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا کنت اقرأ بسبح اسم ربک الاعلی قال مالی انازع القرآن امام یکفی احدکم قرأ امامہ انما جعل لامام الیؤتم بہ فاذا قرأ فانصتوا۔

(کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۱۴)

حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب اپنے جی ہی جی میں آپ کے ساتھ قرأت کرنے لگے نماز پوری ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے، تین دفعہ آپ نے یہ سوال کیا، ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں، سبح اسم ربک الاعلیٰ، پڑھ رہا تھا، آپ

نے فرمایا کیا ہو گیا کہ مجھے قرآن کی قرأت میں کشمکش میں ڈالا جاتا ہے، کیا تمہیں امام کی قرأت کافی نہیں امام تو بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہذا جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۵، ۳۰۶)

الجواب: امام بیہقی نے آگے اس کے متن اور سند دونوں پر کلام کیا تھا جسے محترم نے نقل نہیں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو روایت کیا ہے مگر اس میں، فی نفسہ، کے الفاظ نہیں ہیں (اس واقعہ کی تفصیل آگے نمبر ۲۴ میں آرہی ہے) اور اسکی سند میں، عبدالمعمر اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم دو معروف ضعیف راوی ہیں۔ (کتاب القرأت ص ۱۱۴، ۱۱۵)

اب آئیے اس کے پہلے راوی، عبدالمعمر بن بشیر کو لیتے ہیں، امام ابن معین، امام غلیلی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اسے کذاب کہا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ سخت منکر الحدیث ہے اس سے احتجاج کرنا جائز نہیں، دارقطنی ضعیف قرار دیتے ہیں ابن عدی کہتے ہیں اس کی مرویات کا کوئی متابع نہیں، ابن یونس نے منکر الحدیث کہا ہے، حاکم کہتے ہیں امام مالک اور عبداللہ بن عمر سے موضوع روایات نقل کرتا ہے، ابو نعیم کہتے ہیں کہ مناکیر روایت کرتا ہے۔

امام ترمذی بن معین فرماتے ہیں کہ میں اس کے پاس آیا اور اس نے مجھے ایک سو کے لگ بھگ روایات کا مجموعہ دکھایا جس میں وہ ابو مودود سے روایت کرتا تھا، میں نے کہا کہ کیا تو نے ان روایات کو ابو مودود سے سنا ہے؟ تو کہنے لگا ہاں

قلت اتق الله فان هذه كذب وقمت ولم اكتب عنه شيئا۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر یہ سب کذب وافترا ہے اور میں کھڑا ہو کر چلا آیا) اور اس سے

کچھ بھی نہ لکھا (لسان المیزان ص ۷۵ ج ۴ و میزان ص ۶۶۹ ج ۲)

عبدالمعمر نے یہ روایت عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے روایت کی ہے، اور عبدالرحمن کو تمام آئمہ جرح و تعدیل نے ضعیف کہا ہے، امام احمد ضعیف اور ابن معین ہیچ محض کہتے ہیں امام بخاری اور ابو حاتم رضی اللہ عنہما ضعیف کہتے ہیں امام علی بن مدینی سخت ضعیف کہتے ہیں۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں زید کی ساری اولاد ہی ضعیف ہے امام نسائی امام ابو زرعہ ضعیف کہتے ہیں، ابن حبان فرماتے ہیں اخبار کو الٹ پلٹ دیتا تھا، موقوف کو مرفوع اور مرسل کو متصل بنا دیتا تھا، جس کی وجہ سے چھوڑ دیئے جانے کا مستحق ہو گیا ابن سعد فرماتے ہیں کثرت سے روایات بیان کرتا ہے مگر سخت ضعیف ہے، ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اہل علم اس کی مرویات سے بوجہ سوء حفظ کے احتجاج نہیں کرتے، ساجی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں حدیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک نہایت درجہ کا ضعیف ہے، امام حاکم اور ابو نعیم فرماتے ہیں کہ اپنے والد سے موضوع روایات روایت کرتا ہے (خیر سے یہ روایت بھی والد

سے نقل کی ہے) ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔ (تہذیب ص ۱۶۱، ۱۶۲ ج ۶ و تہذیب الکمال ص ۴۰۴ ج ۴)۔

الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

(۱۲) عن عطاء الخرساني قال كتب عثمان رضي الله عنه الى معاوية رحمة الله اذا قمتم الى الصلوة فاستمعوا وانصتوا فاني سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول للمنصت الذي لا يسمع مثل اجر السامع المنصت۔ (كتاب القراءة للبيهقي ص ۱۱۵)۔

حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضي الله عنه نے حضرت معاویہ

کو لکھا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص خاموش رہے اور اسے سنائی نہ دے اس کے لیے ایسا ہی اجر ہے جیسا اس شخص کے لیے جسے سنائی دے اور وہ خاموش رہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۶)

الجواب: امام بیہقی نے اسے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ منقطع ہے، (راقم عرض کرتا ہے کہ یہ منقطع اس لیے ہے کہ عطاء خراسانی کی سیدنا عثمان رضي الله عنه سے ملاقات و سماع ثابت نہیں) اور اس کے راوی ایسے ہیں جن سے احتجاج نہیں کیا گیا اور صحیح یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضي الله عنه پر یہ موقوف ہے اور اس میں خطبہ جمعہ کے وقت استماع و انصات کا حکم ہے، اس کے بعد امام بیہقی نے بمع سند اسے نقل کیا ہے

(كتاب القراءة ص ۱۱۶)

علاوہ ازیں امام بیہقی نے اسے تعلیقاً نقل کیا ہے سند درج نہیں کی، جو اسکی صحت کا مدعی ہے وہ پوری سند دکھائے، امام عبدالرزاق نے، (المصنف ص ۱۳۲ ج ۲) (۲۷۸۲) میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے مرفوع نقل کیا ہے مگر مرسل ہے اور اس کے راوی عبدالرحمن کے متعلق پچھلی روایت میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱۷) عن علي رضي الله عنه قال سأل رجل النبي صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ خلف الامام ام انصت قال لا بل انصت

فانه يكفيك۔

(كتاب القراءة للبيهقي ص ۱۶۳)

حضرت علی رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں یا خاموش رہوں، آپ نے فرمایا خاموش رہو کیونکہ تمہیں امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۶)

الجواب: امام بیہقی نے آگے ہی صراحت کی ہے کہ اسکی سند میں حارث الاعور کذاب ہے اور اس

سے نیچے کے دوراوی، محمد بن سالم اور قیس بن ربیع بھی اسی کے قریب قریب مجروح ہیں۔
(کتاب القراءۃ ص ۱۶۳، ۱۶۴)

اب آئیے کتب رجال سے ان تینوں راویوں کے حالات ملاحظہ کریں، حارث بن عبد اللہ خبیث العقیدہ رافضی تھا (تقریب ص ۶۰) اسے امام شعی ابراہیم نخعی اور محمد بن شبیبہ علی بن مدینی وغیرہ آئمہ نے کذاب کہا ہے، (تہذیب ص ۱۲۶ ج ۲)

دوسرا راوی محمد بن سالم ہے، امام احمد اسکی تضعیف کرتے ہیں حفص بن غیاث نے اسکی روایات کو ترک کر دیا تھا، عمرو بن علی اسے ضعیف و متروک کہتے ہیں اور ابن ابی خیمہ نے ضعیف کہا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں محدثین نے اس پر کلام کیا ہے امام ابن مبارک اس سے روایت لینے سے منع کرتے تھے، ابو حاتم نے ضعیف اور منکر الحدیث قرار دیا ہے، نسائی کہتے ہیں ثقہ نہیں اسکی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، جو زجانی غیر ثقہ کہتے ہیں ابن عدی کہتے ہیں کہ اسکی روایات کا ضعف واضح ہے، ابن سعد کہتے ہیں کثیر الحدیث اور ضعیف ہے، امام احمد فرماتے ہیں امام شعی سے موضوع روایات نقل کی ہیں (خیر سے یہ روایت بھی امام شعی سے ہی روایت کی ہے) امام یعقوب نے ضعیف کہا ہے اور اسکی مرویات سے خوش نہ تھے، امام دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص ۱۷۶، ۱۷۷ ج ۹)

محمد بن سالم سے روایت کرنے والا، قیس بن ربیع ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

صدوق تغیر لما کبر و ادخل علیہ ابنہ مالیس من حدیثہ فحدث بہ۔

یعنی صدوق ہے، جب بڑھاپے میں پہنچا تو حافظ خراب ہو گیا اور اسکے بیٹے نے ایسی روایات کو اس (کی کاپی میں) داخل کر دیا جو اسکی روایات نہ تھیں اور قیس نے (انہیں نوٹ بک سمجھ کر) بیان کر دیا (تقریب ص ۲۸۳)

یہی بات امام ابو داؤد طیالسی اور ابن حبان فرماتے ہیں، امام احمد سے اس کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ روایات میں خطائیں کرتا تھا اس لیے محدثین نے ترک کر دیا ہے جرح کا یہ سبب ہے، کبار آئمہ نے اسے ضعیف و متروک اور منکر الحدیث کہا ہے۔ (تہذیب ص ۳۹۴ ج ۲)

اس سے نیچے کا راوی غسان بن الربیع ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں، نیک و صالح تھا مگر احادیث میں حجتہ نہیں، امام دارقطنی ضعیف کہتے ہیں (میزان ص ۳۳، ۳۰)

اس سے نیچے کی سند کا حال راقم کو معلوم نہیں ہو سکا، لیکن مذکورہ دلائل ہی اس روایت کے من گھڑت ہونے کے لیے کافی ہیں، بھلا جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو دوسرا سخت ضعیف اور متروک ہو تیسرا سببی الحفظ اور چوتھا، لیس حدیثہ بحجتہ، ہو اس روایت کے موضوع یا کم از کم سخت ضعیف ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے، امام دارقطنی نے (السنن ص ۳۳۰ ج ۱) میں روایت مذکورہ کو ضعیف

قرار دیا ہے،

(۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ انصرف من صلاة جهر فيها بالقرأة فقال هل قرأ معی منکم احد انفا فقال رجل نعم انا يا رسول الله قال فقال رسول الله ﷺ انى اقول مالى انازع القرآن فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه رسول الله ﷺ بالقرأة حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى عليه وسلم۔
(موطا امام مالك ص ۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے، ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ میں نے قرأت کی ہے، حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہی تو میں (اپنے جی میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی منازعت کیوں ہو رہی ہے، اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کیا کرتے تھے لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کر دی تھی۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۷)

الجواب: اولاً: محترم انوار خورشید صاحب نے مکر اسی حدیث کو نمبر ۱۹، ۲۰ میں ابن ماجہ سے اور نمبر ۲۱ میں ترمذی سے اور نمبر ۲۲ میں ابوداؤد سے اور نمبر ۲۳ میں نسائی سے نقل کر کے ایک ہی روایت کو چھ دلائل باور کرایا ہے، حالانکہ ان تمام اسناد کا مدار امام زہری پر ہے۔

(تحفة الاشراف ص ۲۸۷ ج ۱۰)

ثانیاً: مالی انازع القرآن تک حدیث مرفوع ہے، آگے کا جملہ، فانتهى الناس عن القرآن۔ الخ کا جملہ مدرج ہے اور امام زہری تابعی کا قول ہے، امام زہری کی عادت تھی کہ اپنا قول حدیث مرفوع میں ملا دیا کرتے تھے، جیسا کہ امام طحاوی نے (المعتصر ص ۱۲۵) میں صراحت کی ہے، اور آئمہ محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ زہری کا قول ہے، اور مرفوع حدیث میں مدرج ہے۔
(۱) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فانتهى الناس عن القرأة وهو من كلام الزهري حدثنا الحسن بن الصباح قال حدثنا مبشر عن الاوزاعي قال الزهري فاتعظ الناس بذلك فلم يكونوا يقرؤن فيما جهر، ادرجوه فى حديث النبي ﷺ، وليس هو من حديث ابى هريرة، والمعروف عن ابى هريرة، انه كان يامر بالقرأة۔

یعنی فانتهى الناس عن القرأة زہری کا کلام ہے، حسن بن صباح نے مجھ سے بیان کیا کہ اس سے مبشر نے اور وہ امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ امام زہری نے فرمایا، اس سے لوگوں نے نصیحت حاصل

کی تو جہری میں قرأت خلف الامام ترک کردی اور اس جملہ کو (لوگوں نے) حدیث نبوی میں درج کر دیا ہے، اور یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معروف ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(التاریخ الصغير ص ۲۰۷ ج ۱)

(۲) امام ابو داؤد نے (سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب من رأى القراءة اذا لم يجهر زیر حدیث ۸۲۷) میں (۳) امام ابن حبان نے (صحیح ابن حبان زیر رقم الحدیث ۱۸۴۷) میں (۴) امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص ۱۰۸ ج ۲ و کتاب القراءة ۹۶) میں (۵) علامہ خطابی نے (معالم السنن مع المنذری ص ۳۹۱ ج ۱) میں (۶) حافظ ابن حجر نے (التلخیص الحبیر ص ۲۳۱ ج ۱ والنکت ص ۸۲۳ ج ۲) میں (۷) ملا علی القاری حنفی نے (مرقاۃ ص ۳۰۲ ج ۲) میں (۸) علامہ نیوی حنفی نے (آثار السنن کے حاشیۃ التعلیق الحسن ص ۱۱۲) میں (۹) علامہ سیوطی نے (الدرج الی المدرج (کی چھٹی حدیث) میں (۱۰) ابن عربی نے (عارضۃ الاحوذی ص ۱۰۸ ج ۲) میں، فانتهی الناس عن القراءة، کے جملہ کو امام زہری کا قول قرار دیا ہے، ان کے علاوہ امام ترمذی امام یعقوب بن شیبہ امام خطیب بغدادی امام ابن ملقن وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے بلکہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

هذا متفق عليه عند الحفاظ المتقدمين والمتأخرين۔

یعنی اس کے مدرج ہونے پر پہلے اور پچھلے تمام حفاظ (محدثین) متفق ہیں، (مرقاۃ ص ۳۰۲ ج ۲) جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ قول مدرج ہے تو اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انوار خورشید صاحب نے زہری کے قول سے استدلال کیا ہے یا مرفوع حدیث سے؟ اگر زہری کے قول سے استدلال کیا ہے تو یہ استدلال غلط ہے کیونکہ تابعی کا قول حجت نہیں (راجع مقدمہ)

ثالثاً: رہا مرفوع حدیث کا جملہ، مالی (انازع القرآن) یعنی میرے ساتھ قرآن میں منازعت کیوں ہو رہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ قرأت وہ ممنوع ہے جس سے امام کے ساتھ منازعت ہو، اور منازعت تب ہی ہوتی ہے جب اونچی آواز سے پڑھا جائے، عربی لغت کے مسلم امام علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں۔

وفي الحديث انه ﷺ صلى يوم فلما سلم من صلاته قال مالي انازع القرآن اي اجازب في قرأته وذلك ان بعض المامومين جهر خلفه فنازعه قرأته فشغله فنهى عن الجهر بالقراءة في الصلاة خلفه۔

حدیث میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ایک روز نماز پڑھائی، جب آپ علیہ التحیۃ والسلام نے سلام پھیرا تو فرمایا میرے ساتھ قرآن کی منازعت کیوں ہو رہی ہے یعنی قرأت میں کش مکش کیوں ہو رہی

ہے، اور یہ اس لیے ہوا تھا کہ مقتدیوں میں سے بعض نے آپ علیہ السلام کے پیچھے بلند آواز سے پڑھا تھا، جس سے قرآن میں منازعت ہوئی، جس پر آپ علیہ السلام نے اپنے پیچھے جبراً (بلند آواز) پڑھنے سے روک دیا (لسان العرب ص ۳۰۲ ج ۸ مادہ نزع)

یہی معنی، امام ابن حبان نے (صحیح ابن حبان زیر رقم الحدیث ۱۸۴۸) میں ابن عبد البر نے، (التہدید ص ۵۳ ج ۱۱) میں علامہ طاہر پٹنی نے، مجمع بحار الانور ص ۸۰۴ ج ۴ میں امام خطابی نے (معالم السنن ص ۳۹۲ ج ۱) میں ابن اثیر نے (النهاہ ص ۴۱ ج ۵) میں علامہ زنجیری نے (الفائق ص ۲۶۹ ج ۲) میں علامہ قرطبی نے (تفسیر ص ۱۲۲ ج ۱) میں علامہ شوکانی نے (نیل الاوطار ص ۲۱۷ ج ۲) میں کیئے ہیں،

حنفی مذہب کے نامور وکیل مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں،

غایۃ مافیہ ان النبی ﷺ قال مالی انازع القرآن فہو ان دل علی النهی فانما یدل علی النهی القرآۃ المفصیۃ الی المنازعۃ فی الجہریۃ۔

یعنی اس میں زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا، مالی انازع القرآن، میرے ساتھ قرآن میں منازعت کیوں ہو رہی ہے، اگر یہ جملہ ممانعت پر ڈال ہے تو یہ جہری نمازوں میں منازعت کا باعث بننے والی قرأت کی ممانعت کی دلیل ہے۔

(غیث الغمام ص ۱۷۹ و رسائل الكنوی ص ۱۵۸ ج ۳)

آئمہ لغت اور شارحین حدیث کی یہ تمام تر تصریحات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ منازعت اسی صورت میں ہوتی ہے جب بلند آواز سے پڑھا جائے، اسی سے نبی مکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے اور یہ ہم بھی جبراً پڑھنا ناجائز کہتے ہیں۔

رابعاً: امام زہری کا قول مرفوع احادیث کا معارض نہیں ہو سکتا۔

خاصاً: فانتھی الناس، کے الفاظ سے فقط جہری نمازوں میں قرأت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ ملا علی القاری حنفی نے، (مرقاۃ ص ۳۰۲ ج ۲) میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے (امام الکلام ص ۱۶۸ و مجموعہ رسائل الكنوی ص ۱۵۰ ج ۳) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص ۲۴۸ ج ۳) میں حتیٰ کہ مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے لکھا ہے کہ

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت میں یہ قطعی ہے (احسن الکلام ص ۲۷۹ ج ۱) سوال یہ ہے کہ پھر سری میں فاتحہ خلف الامام کی یہ دلیل کیوں نہیں جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ اثر ان الفاظ سے بھی روایت کیا ہے۔

فانتھی الناس عن القرآۃ فیما جہر بہ الامام و قرؤا فی انفسہم سرا فیما لا یجہر فیہ

الامام۔

یعنی لوگ جب امام جہری قرأت کرتا تو اس حالت میں خاموش رہتے اور جب آہستہ پڑھتا تو وہ بھی پڑھتے تھے۔ (جزو القراءة ص ۱۳)

(۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶) عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ صلى الظهر فجعل رجل يقرأ خلفه بسبح اسم ربك الاعلى فلما انصرف قال ايكم قرأ او ايكم القارى قال رجل انا فقال قد ظنت ان بعضكم خالجيها۔

(مسلم ۱۷۲ ج ۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک صاحب آپ کے پیچھے سج اسم ربك الاعلى، پڑھنے لگے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے قرأت کی ہے یا تم میں سے کون قاری ہے، ایک صاحب بولے میں، آپ نے فرمایا مجھے خیال ہوا کہ تم میں سے کوئی مجھے خلیجان میں ڈال رہا ہے، انوار صاحب نے مکرر اس روایت کو نسائی کے حوالے سے نمبر ۲۶، ۲۵ کے تحت ذکر کیا ہے (حدیث

اور اہل حدیث ص ۳۱)

الجواب: اولاً: زیر بحث مسئلہ فاتحہ کا ہے مگر انوار صاحب دلیل اگلی سورت کے ملانے کی دے رہے ہیں، غور کیجئے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مناسبت ہے؟

ثانیاً: صحابی نے بلند آواز سے، سبح اسم ربك الاعلى، پڑھی تھی، امام بیہقی فرماتے ہیں۔

ثم ان كان كره النبي ﷺ من قرأته شيئاً فانما كره جهره بالقراءة خلف امام الاتراه قال ايكم قرأ بسبح اسم ربك الاعلى، فلو لا انه رفع صوته بقراءة هذه السورة والالم يسم له ما قرأ ونحن نكره للما موم رفع الصوت بالقراءة خلف الامام فاما ان يترك اصل القراءة فلا۔

پھر اگر صحابی کی قرأت کو نبی مکرم ﷺ نے مکروہ جانا ہے تو امام کے پیچھے جہراً قرأت کو مکروہ جانا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کس نے سبح اسم ربك الاعلى، کو پڑھا ہے، اگر صحابی نے سورۃ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا تھا تو آپ علیہ التحیة والسلام سورت کا نام لیکر نہ کہتے جو صحابی نے پڑھا تھا، اور ہم بھی امام کے پیچھے مقتدی کو بلند آواز سے قرأت کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، نہ کہ اصل قرأت کو ہی چھوڑ دیا جائے۔

(کتاب القراءة ص ۱۴۲)

الغرض نبی مکرم ﷺ نے بلند آواز پر ٹوکا ہے نہ کہ مطلق قرأت سے منع کیا ہے، اس حدیث کو سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے صرف قنادہ روایت کرتے ہیں، اور آپ کے شاگرد امام شافعی نے سوال کیا کہ قلت لقتادة كانه كرهه قال لو كرهه لهدى عنه۔

شاید نبی علیہ السلام نے قرأت کو برا جانا تو امام قتادہ نے کہا کہ اگر برا جانتے تو اس سے منع کرتے ابو داؤد کتاب الصلاة، باب من رأى القراءة اذا لم يجهر، الحدیث (۸۲۸) گویا راوی حدیث نے بھی اسے بلند آواز سے پڑھنے پر محمول کیا ہے اور خفیہ کا اصول ہے کہ راوی زیادہ جانتا ہے کہ خبر میں کیا ہے۔ آئمہ لغت نے بھی اس کا یہی معنی کیا ہے، علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی التوفیٰ ۹۸۶ھ فرماتے ہیں۔

خلج فیہ، جہر خلفہ قاری فقال خالجیہا، ای، ناز عنیہا، کانہ ینزعها من لسانہ، ولا یدل علی منع القراءة لا نہ انما انکر الجہر بل فیہ انہم کانوا یقروو نہا خلفہ۔

یعنی خلج کا مفاد یہ ہے کہ پڑھنے والے نے آپ کے پیچھے بلند آواز سے پڑھا تھا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، خالجیہا، یعنی مجھ سے جھگڑا کر رہا تھا جیسا کہ وہ میری زبان سے الفاظ قرآن چھین رہا ہے، تو یہ الفاظ نبوی قرأت خلف الامام کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتے، کیونکہ آپ علیہ السلام نے اس شخص پر انکار بلند آواز کے پڑھنے پر کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے پڑھتے تھے۔

(مجمع بحار الانوار ص ۸۳ ج ۲)

یہی معنی علامہ ابن عبدالبر نے، (التمہید ص ۵۲ ج ۱۱) میں نووی نے شرح (صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱) میں اور علامہ شوکانی نے، (نیل الاوطار ص ۲۲۹ ج ۱) میں کیئے ہیں، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ صحابی نے بلند آواز سے پڑھا تھا، اور یہ ہمارے نزدیک بھی ممنوع ہے، لاشک فیہ،

لطیفہ

امام بیہقی کا مذکورہ استدلال جہر پر اتنا مؤثر اور جاندار تھا کہ اس کا جواب ناممکن تھا مگر، ملا آنباشد کہ چپ نہ شد، پر عمل کرتے ہوئے مولانا غلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں، قتادہ سے اس روایت کو، حجاج بن ارطاة، شعبہ اور سعید بن ابی عروہ نے روایت کیا ہے اور سورت کا نام صرف سعید کی روایت میں ہے، چونکہ جماعت کی روایت میں سورۃ کا نام نہیں لہذا یہ الفاظ ہی ثابت نہیں (بذل المجہود ص ۵۸ ج ۲) انا للہ وانا الیہ راجعون،

حالانکہ من قرا سبح اسم ربك الاعلیٰ، کے الفاظ ایک جماعت حفاظ نے امام قتادہ سے روایت کیے ہیں، مثلاً: (۱) امام شعبی، (سنن نسائی رقم الحدیث ۹۱۸) و ابو عوانہ ص ۱۳۲ ج ۲) (۲) امام ابو عوانہ، (نسائی ۹۱۹ و مسلم ص ۱۲۲ ج ۱ رقم الحدیث ۸۸۷) (۳) امام سعید (ابوداؤد رقم الحدیث ۸۲۹ و ابو عوانہ ص ۱۳۲ ج ۱ و مسند احمد ص ۴۲۶ ج ۴) (۴) امام اسماعیل بن مسلم (مسند حمیدی رقم الحدیث ۸۳۵) (۵) امام معمر، (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ۲۷۹۹) (۶) حماد بن سلمہ (طبرانی کبیر ص ۲۱۱ ج ۱۸) بلکہ امام

قائدہ کے استاد امام زرارة، سے یہی الفاظ امام قائدہ کے ہم سبق امام خالد نے بھی روایت کیے ہیں، اس جماعت حفاظ کے بالمقابل حجاج بن ارطاة کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے، جو عند الحدیث متکلم فیہ ہے اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ علامہ سہارنپوری کی بات قطعی طور پر غلط ہے۔

(۲۷) عن عبد الله بن بجينة و كان من اصحاب رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ قال هل قرأ أحد منكم معي أنفا قالوا نعم قال اني اقول مالي انازع القرآن فانتهى الناس عن القراءة معه حين قال ذلك۔ (مسند احمد ص ۳۴۵ ج ۵)

حضرت عبد اللہ بن بجینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے ارشاد فرمایا تب ہی تو میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے قرآن کریم کی قرأت میں منازعت اور کشمکش کیوں کی جا رہی ہے، آپ نے جب یہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کے ساتھ قرأت ترک کر دی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۴)

الجواب: اولاً: یہ روایت منقول ہے، امام زہری کے بھتیجے سے خطا ہوئی ہے، اصل روایت، عن ابن اکیمة عن ابی ہریرة تھی جسے اس نے عن عبدالرحمن بن ہوزع عن عبداللہ بن بجینہ کے واسطے سے بیان کر دیا ہے،

امام یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں۔

هذا خطأ لاشك فيه ولا ارتياب ورواه مالك ومعمرو ابن عيينة والليث بن سعد ويونس والزيدي كلهم عن الزهري عن ابن اكيمة عن ابی هريرة۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ یہ روایت غلط ہے، امام مالک امام معمر امام ابن عیینہ امام یونس امام زبیری اسے زہری عن ابن اکیمة عن ابی ہریرہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۱۵۹ ج ۱ و کتاب المعرفة والتاریخ ص ۲۱۵ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۱۲۱)

امام محمد بن یحییٰ زہلی ابن معین اور امام بزار بھی یہی فرماتے ہیں کہ ابن انخی الزہری سے غلطی ہوئی

(کتاب القراءة ص ۱۲۱ و تاریخ ابن معین ص ۱۵۴ ج ۳ مجمع الزوائد ص ۱۱۰ ج ۲)

ثالثاً: ابن انخی الزہری (محمد بن عبد اللہ) راوی مجروح و متکلم فیہ ہے اور اس نے جو روایات اپنے چچا زہری سے روایت کی ہیں ان میں خطا کی ہے۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

ردی الحفظ كثير الوهم يخطئ عن عمه في الروايات ويخالف فيما يروى عن الاثبات

فلا يجوز الاحتجاج به اذا انفرد۔

ردی حافظے والا کثرت سے وہم کرنے والا اور اپنے چچا زہری کی روایات میں خطا کرتا ہے، اور ثقافت کی مخالفت کرتا ہے، لہذا جب منفرد ہو تو اس سے احتجاج نہ کیا جائے۔

(المجروحین ص ۲۴۹ ج ۲ وفی نسخة الآخر ص ۲۵۸ ج ۲)۔

امام ساجی فرماتے ہیں کہ اپنے چچا زہری کی بعض روایات میں منفرد ہے جس میں اسکی کسی نے، بھی متابعت نہیں کی، امام محمد بن یحییٰ زہلی نے امام زہری کے تلامذہ میں اسے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ جب پہلے اور دوسرے طبقہ میں اختلاف ہو تو پہلے طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(تہذیب ص ۲۷۹ ج ۹)

پہلے گزر چکا ہے کہ امام زہری کے حفاظ تلامذہ نے ابن اخی الزہری کے برعکس یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے، الغرض یہ روایت مقلوب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے،

(۲۸) عن عبد اللہ (بن مسعود) قال کانوا یقرؤن خلف النبی ﷺ فقال خلطتم علی

القرآن۔

(الجوہر النقی ص ۱۶۲ ج ۲ وطحاوی ص ۱۴۹ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے آپ نے ارشاد فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کی قرأت خلط ملط کر دی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۳)

الجواب: اولاً: اسکی سند میں ابو اسحاق راوی مدلس ہے، امام نسائی امام ابن حبان امام حسین کراہیسی امام شعی امام ابن مدینی نے اسے مدلس قرار دیا ہے (تہذیب ص ۶۶ ج ۸)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، مشہور بالتدلیس (طبقات المدلسین ص ۴۲)

امام معن بن عیسیٰ امام عبداللہ بن مبارک اور مغیرہ فرماتے ہیں کہ اعمش اور ابو اسحاق نے تدلیس کی بناء پر اہل کوفہ کی روایات کو نقصان پہنچایا ہے (تہذیب ص ۶۷ ج ۸ و میزان ص ۲۴۴ ج ۲) امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص ۲۰۲ ج ۱ و ص ۱۳۷ ج ۶) میں امام ابن خزیمہ نے (صحیح ابن خزیمہ ص ۱۵۲ ج ۲) میں امام ابن جریر نے (تہذیب الاثر ص ۱۹۴ ج ۱) میں علامہ العلاء نے (جامع التحصیل ص ۱۲۴) میں دیوبندیت کے محدث عظیم علامہ حبیب اللہ اعظمی نے (تعلیق علی المطالب العالیہ ص ۳۳۳ ج ۴) میں اور مولوی حبیب اللہ ڈیروی نے، (نور الصباح ص ۱۳۷) میں کہا ہے کہ ابو اسحاق مدلس ہے، اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: روایت کے الفاظ، خلطتم علی القرآن، اس بات کی دلیل ہیں کہ پڑھنے والوں

نے اونچی آواز سے پڑھا تھا، امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

هذا يحتمل ان يكون هذا في الصلاة الجهر وهو الظاهر لانهم لا يخلطون الا برفع

اصواتهم فلا حجة فيه للكوفيين۔

یعنی اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ واقعہ جہری نماز کا ہو، اور ظاہر یہی ہے کہ کیونکہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کی تھی تو وہ لوگ قرآن کو خلط ملط اونچی آواز کے ساتھ پڑھنے سے ہی کر سکتے تھے لہذا اس روایت میں کوفیوں (حنفیوں) کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے،

(التمہید لما فی الموطا من المعانی والا سانید ص ۴۶ ج ۱۱)

یہی بات شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے (مجموع فتاویٰ ص ۲۸۴ ج ۲۳) اور اس روایت کے بعض طرق میں بھی واضح صراحت ہے کہ

عن عبد الله قال كان الناس يجهرون بالقرأة خلف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال لهم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خلطتم على القرآن، الحدیث۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بلند آواز سے پڑھتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا ہے۔

(الحدیث، ابو یعلیٰ ص ۱۷۶ ج ۵ رقم الحدیث ۵۳۷۶)

ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

عن عبد الله قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لقوم كانوا يقرؤون القرآن فيجهرون به، خلطتم على القرآن۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایسی) قوم کے لیے ارشاد فرمایا جو قرآن کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے، کہ تم نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا ہے۔

(سنن دار قطنی ص ۳۴۱ ج ۱)

الغرض یہ روایت جہاں سنداً ضعیف ہے وہاں ہی معنوی اعتبار سے حنفیہ کے مؤید نہیں۔

(۲۹) عن جابر بن عبد الله قال صلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم باصحابه الظهر او العصر فلما انصرف قال من قرأ خلفي بسبح اسم ربك الاعلى فلم يتكلم احد فردو ذلك ثلثا فقال رجل انا يا رسول الله قال لقد رأيتك تخالجنى او قال تنازعنى القرآن من صلى منكم خلف الامام فقرأه له قرأه۔

(كتاب القرأة للبيهقي ص ۱۲۵)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ظہر یا عصر کی نماز

پڑھائی، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میرے پیچھے سبح اسم ربك الاعلیٰ، کس نے پڑھی ہے؟ آپ نے تین دفعہ یہ سوال کیا ایک صاحب بولے میں نے یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ تو مجھے قرأت قرآن کے متعلق خلیان میں ڈال رہا ہے یا یہ فرمایا کہ کش کش میں ڈال رہا ہے، تم میں سے جو بھی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اسکی قرأت ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱۳)

الجواب: اولاً روایت معنوی طور پر حنفیہ کے موافق نہیں جیسا کہ پہلے، خالجنی کے معنی و مفہوم کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں، ایسا ہی سورت کا نام لیکر نبی ﷺ کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ پڑھنے والے نے بلند آواز سے پڑھا تھا، تفصیل گزر چکی ہے ثانیاً سند میں ابو ولید راوی ہے امام بیہقی امام ابن خزیمہ دارقطنی اور علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ مجھول ہے۔

(کتاب القراءة ص ۱۲۸ و سنن دارقطنی ص ۳۲۵ ج ۱، التمهید ص ۴۸ ج ۱۱)

اس روایت میں مزید متروک راوی بھی ہیں، تفصیل اگلی روایت میں آرہی ہے۔

الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے ثالثاً اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ من کان له امام کا شان و ردد و سورہ فاتحہ نہیں بلکہ اگلی سورت ہے، اور اس بات کا اعتراف مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی کیا ہے۔

امام الکلام ص ۲۰۸ و مجموعہ رسائل کنوی ص ۱۸۲ ج ۳)

(۳۰) عن جابر بن عبد الله ان رجلاً قرأ خلف النبي ﷺ في الظهر او العصر فاوى اليه رجل فنهاه فلما انصرف قال أتنها نى ان اقر اخلف النبي ﷺ فذاكر ذلك حتى سمع النبي ﷺ فقال رسول الله ﷺ من صلى خلف الامام فان قرأته له قرأة۔ (کتاب القراءة للبيهقي ص ۱۲۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کی، اثنائے نماز میں ایک آدمی نے اشارہ سے اس کو قرأت سے منع کیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو قرأت کرنے والے نے منع کرنے والے سے کہا کہ تم مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کرنے سے کیوں روکتے ہو؟ وہ دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی گفتگو سن لی اور ارشاد فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۴)

الجواب: اسکی سند میں بھی ابو ولید، راوی ہے، سلسلہ سند یہ ہے، قال عبد الله بن شداد عن ابی الوليد عن جابر (کتاب القراءة ص ۱۲۶ نیچے سے دوسری سطر) اور اس کے متعلق گزشتہ روایت میں گزر چکا ہے کہ مجھول ہے، علاوہ ازیں اسکی سند میں قاضی ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ ہیں، جو سبھی الحفظ ہیں

تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳۱) عن جابر بن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له

قراءة۔ (موطا امام محمد ص ۹۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت ہی اسکی قراءت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۴)

الجواب: یہ روایت بھی ضعیف ہے اس پر دو وجہ سے کلام ہے (۱) اس کے بیان کرنے والے امام محمد ہیں جو کمزور حافظ کی وجہ سے ضعیف ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

لیعنہ السنائی وغیرہ من قبل حفظہ یعنی امام نسائی وغیرہ نے انہیں حفظ کی وجہ سے کمزور کہا ہے

(میزان ص ۵۱۳ ج ۳)

(۲) امام محمد اسے اپنے استاد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ بھی ضعیف ہیں

امام مسلم فرماتے ہیں۔

”مضطرب الحدیث لیس له کبیر حدیث صحیح“ مضطرب الحدیث ہیں ان کی

زیادہ روایتیں صحیح نہیں۔

(کتاب الکنی بحوالہ ارواء الغلیل ۲۷۸ ص ۲۸۰ و تاریخ بغداد ص ۴۲۱ ج ۱۳)۔

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں۔

لو کان بین یدی ماسالته عن شئی وروی خمسین حدیثا اخطا فیها

اگر میرے سامنے ہوں تو میں ان سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کروں گا انہوں نے پچاس

احادیث بیان کی ہیں اور ان میں خطا کی ہے (تاریخ بغداد ص ۴۲۰ ج ۱۳)

امام نسائی فرماتے ہیں۔

ابو حنیفہ لیس بالقوی فی الحدیث وهو کثیر الغلط و اخطاء علی قلة رواياته۔

امام ابو حنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہیں اور بہت کم روایات بیان کرنے کے باوجود اکثر غلطیاں

کرتے ہیں۔ (کتاب الضعفاء للسنائی ص ۳۱۰)

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

کان ابو حنیفہ یتیم فی الحدیث، امام ابو حنیفہ حدیث میں یتیم ہیں۔

(قیام اللیل ص ۲۱۲ و تاریخ بغداد ص ۴۱۵ ج ۱۳)

کان ابو حنیفہ مسکینا فی الحدیث کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں مسکین ہیں۔

(الجرح والتعریل ص ۴۴۰ ج ۴ قسم اول، عمدہ الرعاہ ص ۱۷۳ ج ۱)۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

لم يكن الحديث صناعة حدث بمائة وثلاثين حديثا مسانيد ماله حديث في الدنيا غيرها
اخطاء منها في مائة وعشرين حديثا امان يكون قلب اسناده او غير متنه من حيثه لا يعلم فلما
غلب خطاؤ علي صوابه استحق ترك الاحتجاج به في الاخبار

یعنی حدیث امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فن نہ تھا انہوں نے ایک سو تیس مسند روایات بیان کی ہیں ان کے
علاوہ اور ان کی روایات نہیں ہیں اور ان میں سے ایک سو بیس کی اسانید و متون کو بیان کرنے میں انہوں
نے غلطی کی ہے لہذا جب ان کی خطائیں زیادہ ہیں تو ان کی احادیث سے استدلال صحیح نہیں (

المجروحین ص ۲۲ ج ۳ وفی نسخة الآخری ص ۴۰۶ ج ۲)

امام ابن عدی فرماتے ہیں۔

ابو حنیفة له احادیث صالحة وعامة مايرويه غلط وتصحيح وزیادات فی اسانیدھا
ومتونها وتصحيح فی الرجال وعامة مايرويه كذلك لا نه ليس هو من اهل الحديث ولا
يحمل عن من يكون هذه صورته فی الحديث۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی احادیث صالحہ ہیں مگر عموماً جو وہ روایت کرتے ہیں ان میں تصحیف و اغلاط
کے علاوہ اسانید و متون میں زیادات ہیں اور ان کی عموماً روایات اسی طرح کی ہیں کیونکہ وہ اہل حدیث
(محدثین) میں سے نہ تھے جس کی حدیثوں کا یہ حال ہو اس سے روایت نہیں لینی چاہیے

(الکامل لابن عدی ص ۴۷۹ ج ۷)

علامہ ابن عبدالبر کا کلام آگے آ رہا ہے کہ امام ابو حنیفہ سینی الحفظ ہیں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں
حدیث میں ضعیف ہیں انکی احادیث لکھی نہ جائیں۔

(تاریخ بغداد ص ۳۲۰ ج ۱۳)

امام شافعی نے بھری مجلس میں امام محمد کے سامنے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو انہوں نے مرتد
کے بارہ میں موقوفاً بیان کی ہے کو ضعیف کہا ”حاضرین نے تائید کی“ امام محمد بھی جواب نہ دے سکے جس
کی پوری تفصیل کتاب (الام ص ۱۴۰ ج ۴) میں دیکھی جاسکتی ہے امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ
امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ غیر ثقہ اور غیر مامون ہے

(تاریخ بغداد ص ۴۱۷ ج ۱۳ والمجروحین ص ۷۱ ج ۳) امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حدیث میں ضعیف ہیں۔

(تاریخ بغداد ص ۲۱۸ ج ۱۳ وعقیلی ص ۲۸۵ ج ۲)

امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہی مرجیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے سکتوا عنه وعن رایہ وعن حدیثہ

ان کی رائے اور حدیث سے خاموشی اختیار کی گئی ہے (تاریخ کبیر ص ۴ ج ۴ ق ۲) امام سبکی القطان نے بھی ضعیف کہا ہے (تاریخ بغداد ص ۱۶ ج ۳) امام ابو نعیم اصفہانی فرماتے ہیں بہت خطائیں اور غلطیاں کرتے تھے (کتاب الضعفاء ص ۱۵۴)

الغرض امام ابو حنیفہ بحیثیت راوی ضعیف ہیں۔ اور ان کی مذکورہ بیان کردہ روایت منکر ہے ایک جماعت حفاظ نے اسے مرسل بیان کیا ہے امام صاحب نے اسے متصل بیان کرنے میں غلطی کی ہے حافظ ابن عبر البر فرماتے ہیں

وقد روى هذا الحديث ابو حنيفة عن موسى بن ابى عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبدالله عن النبي ﷺ ولم يسنده غير ابى حنيفة وهو سيئ الحفظ عند اهل الحديث وقد خالفه الحفاظ فيه سفیان الثوری وشعبة وابن عيينة وجرير فرووه عن موسى بن ابى عائشة عن شداد مرسلًا والصحيح فيه الارسال وليس مما يحتج به۔

یعنی حدیث من کان لہ امام کو ابو حنیفہ نے موسی بن ابی عائشہ سے روایت کیا ہے اور وہ عبداللہ بن شداد سے اور وہ جابر بن عبداللہ سے اور وہ نبی مکرم ﷺ سے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے بھی اس حدیث کو مسنداً روایت نہیں کیا اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اہل حدیث کے نزدیک سیئ الحفظ ہیں اور حفاظ راویوں مثلاً سفیان ثوری شعبة ابن عیینہ اور جریر نے ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے اور اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ مرسل ہے اور مرسل سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔

(التمهید لمافی الموطامن المعانی والا سانید ص ۴۸ ج ۱)

امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

ولم يذكر في هذا لاسناد جابرا غير ابى حنيفة وروى هذا الحديث سفیان الثوری وشعبة و اسرائیل بن یونس و شریک و ابو خالد الدلانی و ابو الاحوص و سفیان بن عیینة و جریر بن عبد الحمید و غیر ہم عن موسی بن ابی عائشہ عن عبد الله بن شداد مرسل عن النبي ﷺ وهو الصواب

یعنی اس سند میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کیا اور اس حدیث کو سفیان ثوری، شعبة، اسرائیل، ابو خالد، ابو احوص، سفیان بن عیینہ، اور جریر وغیر ہم نے (سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے کے بغیر) مرسل روایت کیا ہے اور مرسل ہی (طریق) درست ہے (سنن وارقطنی ص ۳۲۵ ج ۱)

حافظ ابن عدی فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں ابو حنیفہ نے جابر بن عبداللہ کا واسطہ زیادہ کیا ہے (یعنی موصولاً روایت کیا ہے) اور جریر سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابو الاحوص، شعبة، زائدہ، زہیر، ابو

عوانہ، ابن ابی لیلیٰ، قیس، اور شریک وغیرہم نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے ہاں حسن بن عمارہ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرح مسند روایت کیا ہے مگر حسن ابو حنیفہ سے بھی زیادہ ضعیف ہے (۶۱ کمال لابن عدی ص ۲۴۷ ج ۷) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ موسیٰ بن ابی عائشہ کے تلامذہ جو حافظ و متقن ہے اور علم حدیث کے خوب جاننے والے ہیں مثلاً شعبہ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم ہیں اور سفیان ثوری جو علم حدیث میں اہل عراق کے امام و متقن اور حافظ ہیں اور عراق والوں میں اس زمانہ میں حافظے حدیث میں شعبہ اور سفیان کے مثل کوئی حافظ حدیث نہ تھا ان سب لوگوں نے اور ان کے علاوہ اور ایک جماعت نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور اس کا مرسل ہونا ہی محقق ہے۔

(کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۲۸)

امام ابن جوزی امام یحییٰ بن معین امام خطیب بغدادی امام ابو حاتم وغیرہم بھی یہی کہتے ہیں کہ موسیٰ بن ابی عائشہ کے تمام حفاظ شاگرد مرسل روایت کرتے ہیں اسے مسند روایت کرنے میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی ہے دیکھئے علی الترتیب،

(العلل المتناہیہ ص ۴۳۲ ج ۱ ومن کلام ابی زکریا یحییٰ بن معین ص ۱۲۱ والفقیة والمتفقا ص ۲۲۲ ج ۱ وعلل الحدیث ص ۱۰۴ ج ۱)

الغرض اسے مسنداً بیان کرنے میں امام ابو حنیفہ سے غلطی ہوئی ہے بلاشبہ وہ ہمارے متقدمین میں سے ہیں مگر انسان ہی خطا و نسیان کرتا ہے،

آپ کے شاگرد امام عبداللہ بن مبارک نے امام ابو حنیفہ سے اس روایت کو مرسل ہی روایت کیا ہے (کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۲۴)

غور کیجئے کہ ایک طرف محدثین کی تصریحات ہیں جماعت حفاظ کی موافقت بھی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے تو ظاہر ہے کہ موافقت والی روایت ہی قابل قبول ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مرسل ہے جو ضعیف ہوتی ہے

(۳۲) عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل من کان له امام فقراء ته له قراءة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کی اقتد کی تو امام قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۵)

الجوب اسکی سند میں ابو زبیر راوی ہے جو مدلس ہے حافظ ابن حجر نے (طبقات المدلسین ص ۲۵) میں حافظ صلاح الدین کیٹگری نے (جامع التحصیل ص ۱۲۶) میں علامہ ذہبی نے (میزان ص ۳۷ ج ۴) میں

علامہ الحزری نے (خلاصہ ص ۲۵۶ ج ۲) میں علامہ ماردینی حنفی نے (الجوہر النقی ص ۱۳۷ ج ۷) میں کوثری حنفی نے (الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۲۲) میں مولانا عبدالعزیز گوجرانوالوی نے (بغیۃ الالمعی ص ۲۴ ج ۲) میں اور ابو غدہ نے (حاشیہ قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۶۱) میں ابو زبیر کو مدلس قرار دیا ہے علامہ عبدالقادر قرشی حنفی فرماتے ہیں کہ حفاظ نے کہا ہے کہ ابو زبیر سیدنا جابر بن عبداللہ سے تدلیس کرتا ہے لہذا اس کی کوئی ایسی روایت جو صیغہ عن سے ہو قبول نہ کی جائے گی۔

(کتاب الجامع ملحقہ الجواهر المضیہ ص ۴۲۹ ج ۲)

مولانا ظفر احمد تھانوی نے بھی اعلاء السنن کے مقدمہ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۲۴) میں علامہ قریشی کی عبارت ذکر کی ہے اور صحیح مسلم کی بعض مععن روایات پر حرف گیری کی ہے خلاصہ کلام یہ کہ ابو زبیر مدلس ہے اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے لہذا ضعیف ہے،

(۳۳) عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من كان له امام فقراءة الامام له قراءة

(مسند احمد بن منیع بحوالہ فتح القدیر ص ۲۹۰ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کی اقتدا کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۰)

الجواب اولاً ابن ہمام حنفی مسلک کی پاسداری میں الفاظ نبوی میں حک و اضافہ تک کر لیا کرتے تھے (تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ ص ۵۹ ج ۱ کی مراجعت کریں) یہاں پر ایک مزید مثال دی جاتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیث میں وضاحت ہے کہ مرد کا جنازہ پڑھاتے وقت امام سر کے مقابل کھڑا ہو جب کہ عورت کے جنازہ میں وسط میں کھڑا ہو۔ (ترمذی کتاب ماجاء ابن یقوم الامام من الرجل والمرأة، الحدیث ۱۰۳۲) اس کے برعکس حنفیہ کا موقف ہے کہ مرد و عورت کے تفریق کئے بغیر امام میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔ امام طحاوی فرماتے ہیں۔

عم ابی یوسف عن ابی حنیفہ قال یوم من الرجل والمرأة بحذا لصدور۔

یعنی قاضی ابو یوسف امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (جنازہ کی امامت کراتے وقت امام) مرد و عورت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔

(شرح معانی الآثار ص ۳۳۰ ج ۱)

فقہ حنفیہ کی تمام متداول کتب، متون و شروح اور فتاویٰ میں یہ قول منقول ہے، مگر یہ مسئلہ قطعی طور پر غلط ہے، اس پر حنفیہ کے پاس قیاس فاسد کے سوا کوئی دلیل شرعی موجود نہیں، حدیث صحیح مرفوع تو کجا

کوئی ضعیف بھی نہیں بلکہ کسی صحابی کا اثر بھی ثابت نہیں۔ اس کا بے دلیل ہونا ابن ہمام کو کھٹکا تو جھٹ ایک روایت وضع کر دی، آپ بھی ملاحظہ کریں،

(یعارض ہذا بما روی احمد ان ابوغالب قال صلیت خلف انس علی جنازہ فقام حیال صدراہ۔)

یعنی اس روایت (ترمذی) کی معارض مسند احمد کی یہ روایت ہے کہ ابوغالب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پیچھے جنازہ پڑھا تو وہ سینے کے برابر کھڑے ہوئے (فتح القدیر ص ۸۹ ج ۲)۔

حالانکہ مسند احمد تو کجا کسی بھی حدیث کی کتاب میں۔ صدرہ کے الفاظ نہیں، یہ ابن ہمام کی اختراع ہیں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انوار صاحب کے محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام اپنے مؤقف و مذہب کی وکالت میں الفاظ نبوی میں حک و اضافہ کرنے کی مرض کا شکار تھے۔ ایسے راوی محدثین کے نزدیک متروک اور غیر ثقہ ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ جھوٹا بہانا کر لیں کہ یہ ان کا سہو ہے۔ انوار صاحب کے اس بے نور عذر کو اگر قبول بھی کر لیا جائے تو تب بھی ابن ہمام کم از کم سیئی الحفظ تو قرار پاتا ہے اور سیئی الحفظ راویوں کی بات کو متابعت کے بغیر قبول نہیں کیا جاتا۔ گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ابن ہمام نے سند بنا کر مسند احمد بن منیع کا نام جڑ دیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسند احمد بن منیع میں یہ روایت سرے سے ہے ہی نہیں، دلیل اسکی یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے، المطالب العالیہ، میں جن آٹھ کتابوں کی زوائد روایات کو جمع کیا ہے ان میں ایک مسند احمد بن منیع بھی شامل ہے مگر حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ، میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا علاوہ ازیں مسند احمد بن منیع کی روایت اسحاق الازرق عن سفیان و شریک کے واسطہ سے بیان کی جاتی ہے (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۱) اور امام دارقطنی نے (السنن ص ۳۲۳ ج ۱) میں اسحاق الزرق کی روایت کو بواسطہ امام ابو حنیفہ متصل بیان کیا ہے اور ہم روایت نمبر ۳۱ میں وضاحت کر آئے ہیں کہ ایک درجن کے قریب محدثین اس روایت کو مرسل بیان کرتے ہیں اور اسے مسنداً بیان کرنے میں امام ابو حنیفہ سے غلطی ہوئی ہے،

خلاصہ کلام یہ مسند احمد بن منیع کے حوالے سے جو روایت ابن ہمام نے بیان کی ہے یہ کذب و افتراء ہے جو اس کی سچائی کا دعویٰ کرتا ہے وہ مسند احمد بن منیع سے اس کا وجود ثابت کرے،

(۳۳) عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من كان له امام فقرأه الامام له قرأه

(کتاب القراءة ص ۱۳۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کی اقتداء کی

تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۰)
الجواب اولاً: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت راوی، یحییٰ بن نصر نے دو غلطیاں کی ہیں مرسل کو مسنداً کر دیا ہے اور متن میں رد و بدل کر دیا ہے، جس کی وجہ سے احتجاج سے گر گئی ہے۔
 (کتاب القراءۃ ص ۱۳۸)

(امام احمد نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اسکی حقیقت آگے آرہی ہے) یحییٰ بن نصر کو امام عقیلی نے منکر الحدیث کہا ہے (الضعفاء الکبیر ص ۴۳۳ ج ۴) امام ابو زرہ فرماتے ہیں بیچ محض ہے، امام احمد فرماتے ہیں جہمی ہے اور ابو حاتم کہتے ہیں۔ یلینہ عندی قدم رجالہ۔
 (میزان ص ۴۱۲ ج ۴ والجرح والتعديل ص ۱۹۳ ج ۲۴)

مولانا ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء السنن ص ۱۰۹ ج ۷) میں یحییٰ بن نصر، کو ضعیف قرار دیا ہے یحییٰ سے روایت کرنے والا، عاصم بن عصام روای ہے جس کو امام دارقطنی نے مجهول کہا ہے (لسان المیزان ص ۲۲۰ ج ۳) الغرض یہ روایت منکر ہے اور بوجہ جہالت عاصم قابل احتجاج نہیں ہے۔

(۳۵) عن عبدالله بن شداد بن الہاد قال ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العصر قال فقراً رجل خلفه فغمزه الذی یلیہ فلما ان صلی قال لم غمز تنی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امک فکر ہت ان تقرأ خلفه فسمعه النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من کان له امام فان قرأته له قراءۃ۔
 (موطا امام محمد ص ۹۸)

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں امامت کرائی، اور ایک شخص نے آپ کے پیچھے قرأت کی، جو نمازی اس کے ساتھ کھڑا تھا اس نے اس کا ذرا بدن دبایا تاکہ یہ قرأت سے باز آجائے، جب نماز ہو چکی تو اس نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں دبایا تھا منع کرنے والے نے کہا کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے قرأت کر رہے تھے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ تم بھی قرأت کرو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۶)

الجواب اولاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عبداللہ بن شداد گو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے، مگر آپ علیہ السلام سے سماع ثابت نہیں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے بلکہ عجل اور خطیب نے انہیں کبار تابعین میں شمار کیا ہے، (تہذیب ص ۲۵۲ ج ۵) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ لہ روایۃ ولیس لہ سماع، یعنی عبداللہ بن شداد کو روایت ہے سماع نہیں۔
 (الاصابة ص ۴۳ ج ۳)

ایسے افراد جو روایت کے لحاظ سے صحابی ہیں اور روایت کے اعتبار سے نہیں ان کی روایات مرسل

ہوتی ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

أوراه على بعد أو في حال الطفولية وان كان شرف الصحبة حاصلًا للجميع ومن ليس له منهم سماع منه فحد يثه مرسل من حيث الرواية وهم مع ذلك معد ودون في الصحابة، اور (اسی طرح اس کا درجہ زیادہ ہوگا) جس نے آپ علیہ التحیة والسلام کو دور سے دیکھا ہو یا جس نے بچپن میں آپ کو دیکھا ہو اور اگرچہ ان سب کو شرف صحبت حاصل ہے اور ان میں سے جسے براہ راست سماع آپ علیہ السلام سے نہیں اس کی حدیث مرسل ہوگی لیکن شرف صحبت کی وجہ سے وہ صحابہ کرام میں شمار ہوگا۔ (گوان صحابہ کی تعداد) چند ایک ہی ہے۔

(نزهة النظر شرح نخبة الفكر ص ۱۰۱)

اور فتح الباری ص ۲ ج ۷ میں تحریر کرتے ہیں جو حضرات مراہیل کو قبول نہیں کرتے وہ ان صحابہ کی مرسل روایات کو بھی قبول نہیں کرتے، یہی بات حافظ سخاوی نے کہی ہے جسے مولانا عبدالعزیز نے نقل کر کے تائید کی ہے (بغیة المعی ص ۵۱ ج ۲)

عبداللہ بن شداد بھی ان صحابہ میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کو سن تمیز سے پہلے دیکھا تھا۔ حافظ ابن حجر نے، الاصابہ، میں انہیں دوسرے طبقہ کا شمار کیا ہے، جن کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ ان کی احادیث محققین محدثین کے نزدیک مرسل کے قبیل سے ہے۔

(الاصابہ ص ۱۳ ج ۱)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ گو عبداللہ بن شداد روایت کے لحاظ سے صحابی ہیں لیکن روایت کے لحاظ سے تابعی ہیں، جس سے لازم آیا کہ یہ روایت مرسل ہے ہمارے موقف کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ گزشتہ صفحات میں روایت نمبر ۳۱ کے سلسلہ میں ہم اکابر محدثین مثلاً امام بخاری، ابن عدی، دارقطنی، خطیب بغدادی، ابن عبدالبرؒ وغیر ہم سے نقل کرائے ہیں وہ اسے مرسل قرار دیکر ناقابل حجت کہتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن شداد کی روایت کا حکم ان کے نزدیک مراہیل صحابہ کا نہیں بلکہ مراہیل تابعی کا ہے، الغرض یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(۳۶) عن ابی الدرداء ا قال سئل رسول اللہ ﷺ ا فی کل صلاة قراءة قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت هذه فقال لی رسول اللہ ﷺ و كنت اقرب القوم الیه مااری الامام اذا ام القوم الکفاهم۔

(دارقطنی ص ۳۳۲ ج ۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتما ب ﷺ سے سوال کیا گیا، کیا ہر نماز میں قرأت ہے آپ نے فرمایا ہاں، ایک انصاری بولے پھر قرأت ضروری ہوگی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ اہل مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے قریب میں تھا آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۷)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں معاویہ بن صالح سے روایت کرنے والا زید بن حباب ہے اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

كان صدوقا وكان يضبط الالفاظ معاوية بن صالح لكن كان كثير الخطاء، وه صدوق ہے اور معاویہ کے الفاظ کو ضبط رکھتا تھا، لیکن کثرت سے خطائیں کرتا تھا۔

(تہذیب ص ۳۰۴ ج ۳)

اور یہاں بھی اس نے خطا کی ہے، الفاظ، ما اری الامام اذا قام القوم الا كفاهم، مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں، امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

كذا قال وهو وهم من زيد بن الحباب والصواب فقال ابو الدرداء، ما اری الامام الا قد كفاهم۔

یعنی اسی طرح ہی کہا گیا ہے (حالانکہ یہ الفاظ) زید کا وہم ہیں صحیح یہ ہے کہ، میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہے، سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(سنن دارقطنی ص ۳۳۴ ج ۱)

امام نسائی فرماتے ہیں۔

هذا عن رسول الله ﷺ خطا انما هو قول ابى الدرداء
یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان قرار دینا غلط ہے بلکہ یہ ابو درداء کا قول ہے،

نسائی کتاب الافتتاح باب اکتفاء الماموم بقراءة الامام رقم الحديث ۹۲۴

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں۔

اس جملہ کا رسول اللہ ﷺ کی طرف انتساب ہی صحیح نہیں کیونکہ یہ آپ کیسے فرما سکتے ہیں کہ میرا خیال ہے یا میرا گمان ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی اس معاملہ میں (معاذ اللہ) متردد تھے، اگر آپ کو بھی دین کے معاملہ میں شک ہے تو دوسرا کون ہے جسے یقین ہو سکتا ہے یقیناً یہ جملہ حضرت ابو الدرداء کا ہے کہ انہی سے اس قسم کا

شک وریب کا اظہار ہو سکتا ہے۔ (کتاب القراءة للبيهقي ص ۱۴۷ و ۱۴۸)

علاوہ ازیں، زید بن حباب اسے موقوف بھی روایت کرتا ہے

(مسند احمد ص ۴۴۸ ج ۶ و کتاب القراءة ص ۱۴۷)۔

اگر کہا جائے کہ (بیہقی ص ۱۲۶ ج ۲) میں زید کا متابع ابو صالح کا تب لیٹ ہے تو جواب اس کا یہ

ہے کہ ابو صالح کثیر الغلط ہے محدثین نے اس پر بڑی سخت جرح کی ہے کذاب، لیس بثقة، ذاہب الحدیث، وغیرہ مگر عموماً محدثین نے کہا ہے کہ اس کا سبب خالد بن شیخ تھا، جو اس کا پڑوسی تھا، اور حدیثیں وضع کرتا تھا، چنانچہ وہ حدیثیں لکھ کر ابو صالح کے گھرانے کی کتابوں میں پھینک دیتا، ابو صالح انہیں اپنی ہی روایات سمجھ کر خالد کی بے اصل روایات بیان کرتے تھے اور اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ سند و متن میں وہ غلطیاں کر جایا کرتے تھے، (میزان ص ۴۱ ج ۲)

الغرض مرفوع بیان کرنے والے مجروح اور متکلم فیہ راوی ہیں جبکہ اس کے برعکس موقوف روایت کرنے والے، امام عبدالرحمن بن مہدی، امام عبداللہ بن وہب اور امام حماد بن خالد، وغیرہ ہیں (کتاب القراءة للبخاری ص ۱۴۸)

کتب الرجال میں موقوف روایت کرنے والوں کے حالات معلوم کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام ثقہ، ثبت، عارف، وغیرہ ہیں، امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر حلیفہ کہہ سکتا ہوں کہ عبدالرحمن بن مہدی سے زیادہ کسی کو حدیث جاننے والا نہیں دیکھا۔ (کتاب القراءة للبخاری ص ۱۴۷)

حافظ ابن حجر فرماتے، ثقة حافظ عارف بالرجال والحدیث قال ابن مدینی ما رایت اعلم منه (تقریب ص ۲۱۰) عبداللہ بن وہب کے متعلق فرماتے ہیں، الفقیہ ثقة حافظ عابد (تقریب ص ۱۹۳) غور کیجئے ایک طرف اتنے جلیل القدر حافظ امام ہیں دوسری طرف کثیر الغلط راوی ہیں، اگر بالفرض ان کی ثقافت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ نبوی حنفی نے، (آثار السنن ص ۱۱۶) میں مذکورہ اثر کو موقوف نقل کر کے حاشیہ میں امام دارقطنی اور نسائی کا کلام نقل کر کے مرفوع کی نفی کی ہے، علامہ زیلعی نے، (نصب الرایہ ص ۱۷، ۱۸ ج ۲) میں امام نسائی اور دارقطنی کا کلام نقل کر کے سکوت کیا ہے، مولانا عبداللہ لکھنوی حنفی نے (غیث الغمام ص ۱۵۴ و ۱۵۵ و مجموعہ رسائل الکنوی ص ۱۳۹ ج ۳) میں اس کے مرفوع ہونے کی پر زور نفی کی ہے اور اس پر تمام وارد اعتراضات کے تسلی بخش جوابات تحریر کیے ہیں۔

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ مانا کہ موقوف ہی ہے پھر بھی سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جو صحابی رسول ہیں، تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سری و جہری نمازوں میں امام کی اقتدا میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے پہلے موقف سے رجوع کر لیا تھا دلیل اس کی یہ ہے کہ زیر بحث اثر زمانہ نبوی کا ہے اور ہمارا پیش کردہ بعد کا ہے، علاوہ ازیں اگر آپ آثار صحابہ کو جہت باور کراتے ہیں تو کیا وجہ ہے اس انصاری صحابی کا قول قبول نہیں کرتے جس نے فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام سن کر کہا تھا واجب ہوگی۔

(۳۷) عن ابی ہریرہؓ قال من کان له امام فقرأه الامام له قرأه۔

(کتاب القراءۃ للبيهقي ص ۱۷۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأ

ت ہی مقتدی کی قرأت ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۷)

الجواب: اولاً: جہاں سے آپ نے روایت نقل کی ہے وہاں آگے امام بیہقی امام دارقطنی سے نقل

کرتے ہیں کہ اسکی سند میں دوراوی، اسماعیل بن ابراہیم شمی اور محمد بن عباد رازی ضعیف ہیں امام بخاریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابن نمیر فرماتے ہیں کہ اسماعیل (ضعیف جدا) سخت ضعیف ہے،

(کتاب القراءۃ ص ۱۷۰)

ثانیاً: صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ سری و جہری میں فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے، فصل

اول میں تفصیل گزر چکی ہے،

(۳۸) عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من کان له امام فان قرأه الامام له قرأه۔

(کتاب القراءۃ ص ۱۵۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس کے لیے امام

ہو تو امام کی قرأہ ہی اس کی قرأہ ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۸)

الجواب: محترم انوار خورشید صاحب شاید آپ کی عینک پرانی ہوگئی ہے، ذرا اس کا نمبر تبدیل

کر کے لگائیے اور کتاب القراءۃ کے مذکورہ صفحے کو پڑھ لیجئے امام بیہقی فرماتے ہیں۔ امام ابو عبداللہ

فرماتے ہیں (اسکی سند میں) خارجہ بن مصعب ہے جو غیث بن ابراہیم جیسے کذاب راویوں سے تدلیس

کرتا ہے، اس کی حدیث میں کثرت سے مناکیر ہیں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، امام یحییٰ بن معین

فرماتے ہیں کہ خارجہ بیچ محض ہے امام احمد اس سے حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے امام بخاریؒ

فرماتے ہیں امام وکیع نے اسے چھوڑ دیا تھا یہ غیث بن ابراہیم سے تدلیس کرتا ہے (کتاب

القراءۃ ص ۱۵۶) خارجہ کو آئمہ جرح و تعدیل نے کذاب و متروک قرار دیا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں

اسکی احادیث میں من گھڑت اور جعلی روایات بھی ہیں۔

(تہذیب ص ۲۷۸ ج ۲ والمجروحین ص ۲۸۸ ج ۱)

(۳۹) عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال تکفیک قرأه الامام خافت او جهر۔

(دارقطنی ج ۳۳۱ ص ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

تجھے امام کی قرأہ کافی ہے، چاہے وہ آہستہ آواز سے قرأت کرے یا اونچی آواز سے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۷)

الجواب: امام دارقطنی نے آگے ہی لکھا ہے کہ اس کا راوی عاصم قوی نہیں اور مرفوع بیان کرنا عاصم کا وہم ہے، امام بیہقی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے عاصم قوی نہیں اور اسے مرفوع بیان کرنے میں اس سے وہم ہوا ہے، اور امام حسن بن علی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے راوی عون بن عبد اللہ کا ابن عباس سے سماع نہیں۔

(کتاب القراءة ص ۱۷۲) ابن سعد فرماتے ہیں کہ عون کثیر الارسال ہے (تہذیب ص ۱۷۲ ج ۸) عاصم کو امام بخاری رضی اللہ عنہ، فیہ نظر، کہتے ہیں نسائی اور دارقطنی غیر قوی فرماتے ہیں (میزان ص ۳۰۳ ج ۲) الغرض یہ روایت منقطع ہونے کے علاوہ سنداً ضعیف ہے

(۲۰) عن انس بن مالك ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال من كان له امام فقراءة الامام له قراءه۔

(کتاب القراءة ص ۱۰۳)۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۸)

الجواب: اولاً: معلوم نہیں انوار صاحب نے اس روایت کا ترجمہ کیوں نہیں کیا؟
ثانیاً: یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے سند میں ایک جماعت مجھول راویوں کی ہے۔
امام بیہقی فرماتے ہیں۔

وضعها بعض المجہولین من روائہا، یعنی اس کے بعض مجھول راویوں نے اسے وضع کیا ہے (کتاب القراءة ص ۱۰۴) امام بیہقی نے پوری سند درج نہیں کی صرف اشارہ کیا ہے، اور جتنا اشارہ دیا ہے، اس میں، رجاء بن ابی رجاء، راوی مجھول ہے خود امام بیہقی نے ابتدا ہی اس سے کی ہے ثم احتج باسناد مظلم، پھر آگے روایت نقل کی ہے۔

(۲۱) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ ثم اقبل بوجهه فقال اتقروا اماما یقرافسکتوا فسالہم ثلثا فقالوا انا لنفعل قال فلانفعلوا۔

(طحاوی ص ۱۰۰ ج ۱ و کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۰۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو نماز پڑھائی (نماز سے فارغ ہو کر) آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم قرأت کرتے ہو جبکہ امام قرأت کر رہا ہوتا ہے، صحابہ کرام چپ رہے، آپ نے تین بار یہی سوال کیا تو صحابہ کرام بولے کہ ہم ایسا ہی کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایسے مت کرو (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۸)

الجواب: یہ روایت مختصر ہے، امام بیہقی نے آگے ہی مفصل روایت درج کی ہے اور نصف درجن کے قریب کتب احادیث میں اور متعدد طرق سے یہ حدیث مروی ہے،

جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله وسلم صلى باصحابه فلما قضى صلوته اقبل عليهم بوجهه فقال اتقروُن في صلوتكم خلف الامام والامام يقرأ فسكتوا فقالها ثلاث مرات فقال قائل او قائلون انا لنفعل ذلك قال فلا تفعلوا وليقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه۔

یعنی سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک دفعہ نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کیا تم نماز میں امام کے پیچھے قرات کرتے ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے آپ نے یہ الفاظ تین بار کہے، کہنے والے نے یا کہنے والوں نے (یعنی ایک صحابی نے یا تمام نے) کہا کہ ہم ایسا ہی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو ہاں البتہ سورہ فاتحہ کو اپنے نفس میں ضرور پڑھا کر، (کتاب القراءۃ للبيهقي ص ۱۵۲ والسنن الكبرى ص ۱۶۲ ج ۲ و ابن حبان رقم الحديث ۱۸۴۱) و مواردالظمان ص ۱۲۶ (۴۵۸) و طبرانی الاوسط ص ۳۲۹ ج ۳ رقم الحديث ۲۷۰۱) و مسند ابو يعلى ص ۱۹۳ ج ۳ رقم الحديث ۲۷۹۷) و معجم ابو يعلى ص ۱ صلی رقم الحديث ۳۰۳) و دارقطنی ص ۱ ج ۳۴۰)

قارئین کرام انصاف کریں کہ یہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی دلیل ہے یا ترک فاتحہ کی؟ رہی طحاوی وغیرہ کی روایت تو اس میں اختصار ہے۔
مولانا عبدالحمی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

اخرجه ابن حبان عن انس مثله وزاد في اخره واليقرا احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه ومن المعلوم ان الروايات بعضها يفسر بعضها فدل ذلك على ان في رواية الطحاوي اختصارا۔
یعنی ابن حبان نے اسی طرح سیدنا انس سے یہ روایت کی ہے اور اس کے آخر میں یہ بھی ہے ولیقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه (ہاں البتہ سورہ فاتحہ کو اپنے نفس میں ضرور پڑھا کرو) اور بعض روایات بعض کی تفسیر کرتیں ہیں یہ دلیل ہے کہ طحاوی کی روایت میں اختصار ہے

(امام الکلام ص ۱۸۰ و مجموعہ رسائل الکنوی ص ۱۵۹ ج ۳)

اس سے ملتے جلتے الفاظ میں اس بات کا اظہار انہوں نے، (السعایہ ص ۳۰۳ ج ۲) میں بھی کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اگر آخری جملہ استثنائی نہ بھی ہو تب بھی یہ قرأت خلف الامام کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتا (غیث الغمام ص ۱۸۱ و مجموعہ رسائل ص ۱۶۰ ج ۳)

(۴۲) عن النواس بن سمعان قال صليت مع رسول الله ﷺ صلاة الظهر وكان عن يميني رجل من الانصار فقراء خلف النبي ﷺ وعلي يساري رجل من مزينة يلعب بالحصى فلما قضى صلوته قال من قرأ خلفي قال الانصاري انا يا رسول الله قال فلا تفعل من كان له

امام فان قرأه الامام له قرأه وقال للذی یلعب بالحصا هذا حظك من صلواتك۔

(کتاب القراءه للبيهقي ص ۱۷۶)

نواس بن سمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، میری داہنی طرف ایک انصاری صحابی تھے، انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کی اور میرے بائیں جانب قبیلہ مزنیہ کے ایک صاحب تھے جو کنکریوں سے کھیل رہے تھے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے انصاری بولے میں نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا ایسا مت کرو کیونکہ جو امام کی اقتداء کرے تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہوئی ہے جو صاحب کنکریوں سے کھیل رہے تھے، ان سے فرمایا تمہیں نماز سے یہی

حصہ ملا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۹)

الجواب: محترم انوار خورشید صاحب امام بیہقی نے روایت درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسکی سند باطل ہے اور سند میں محمد بن اسحاق عکاشی کذاب ہے احادیث وضع کر کے امام اوزاعی اور آئمہ کی طرف منسوب کرتا تھا (کتاب القراءه ص ۱۷۷)

عکاشی سے روایت کرنے والا، سلیمان بن سلمہ بخاری ہے اس کے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔ متروک ہے، ابن جنید کذاب کہتے ہیں، نسائی، لیس بشی (پہچ محض) فرماتے ہیں خطیب فرماتے ہیں۔ ضعف میں مشہور ہے۔

(لسان المیزان ص ۹۳ ج ۲۰۹ ج ۳)

ان سے نیچے کے دورادی، عبداللہ بن حماد (اگر یہ قطعی ہے تو غیر ثقتہ ہے) تاریخ بغداد ص ۴۴ ج ۹) ورنہ مجھول ہے اور اس سے روایت کرنے والا حسین بن نبھان بھی مجھول ہے خود امام بیہقی نے کہا ہے کہ اسکی سند میں مجھول راوی ہیں (کتاب القراءه ص ۷۷) الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے

(۴۳) عن يحيى بن عبدالله بن سالم العمري ويزيد بن ابي عياض ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال

من كان منكم له امام فائتم به فلا يقرآن معه فان قرأته له قرأته۔

(کتاب القراءه للبيهقي ص ۱۸۳)

یحییٰ بن عبداللہ اور یزید بن ابی عیاض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کے لیے امام ہو اور وہ اس کی اقتداء کرے تو مقتدی اس کے ساتھ ہرگز قرأت نہ کرے کیونکہ امام کی قرأت ہی اسکی قرأت ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۹)

الجواب: یحییٰ اور یزید دونوں ہی اتباع تابعین سے ہیں، گویا یہ روایت مرسل سے بھی گئی گزری (معصل) ہے، پھر یزید کو تو امام مالک نے کذاب یحییٰ بن معین نے، لیس بشی، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متروک کہا ہے یحییٰ بن عبداللہ کے متعلق امام بیہقی نے فیہ نظر۔ یعنی اس میں جرح ہے (کتاب القراءه

(۱۸۳ ص)

یگی کونسانی نے، مستقیم الحدیث کہا ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کر کے کہا ہے، ربما غرب، دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے، ساجی اور ابن معین نے، صدوق ضعیف الحدیث کہا ہے،

(تہذیب ص ۱۴۰ ج ۱۱)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت اتباع تابعین کی معطل ہے جو دلیل شرعی بننے کے قابل نہیں ہے۔ پھر اس کے بیان کرنے والوں میں ایک کاذب اور دوسرا صدوق ہے، ایسے کی بات احادیث صحیحہ کے بالمقابل کون سنتا ہے۔

(۴۴) عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى عليه وسلم انه قال من صلى ركعة فلم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا وراء الامام،

(طحاوی ص ۱۴۹ ج ۱ و مصنف عبدالرزاق ص ۱۲۰ ج ۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے نماز کی کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

(۴۵) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ كل صلوة لا يقرأ فيها بام الكتاب

فہی خداج الا وراء الامام۔

(کتاب القراءۃ ص ۱۳۶ و دارقطنی ص ۳۲۷ ج ۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۰)

الجواب: مؤلف نے یہاں دو غلطیاں کی ہیں (۱) ایک روایت کو دوبار نقل کیا ہے حالانکہ یہ ایک ہی ہے اور اسے مرفوع بیان کرنے میں، یگی بن سلام، راوی منفرد ہے، (۲) مصنف عبدالرزاق کی نسبت بھی ٹھیک نہیں انوار خورشید صاحب نے اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لیے یہ حیلہ کیا ہے کہ مصنف کا حوالا غلط دیا ہے، حالانکہ مصنف میں یہ روایت تو ہے مگر موقوف ہے دیوبندیوں کے محقق شہیر صاحب عینک لگا لیجئے، اور پڑھئے،

عبدالرازق عن مالك و عن وهب بن كيسان قال سمعت جابر بن عبد الله يقول، من صلى ركعة فلم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل، الامع الامام،

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۲۱ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۴۵)

ثانیاً: امام بیہقی نے، (کتاب القراءة ص ۱۳۶) میں اور دارقطنی نے، (السنن ص ۱۷۳۲ ج ۱) میں صراحت کی ہے کہ یحییٰ بن سلام راوی متکلم فیہ اور امام مالک سے مرفوع بیان کرنے میں اس نے غلطی کی ہے، علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

لم یرو هذا الحدیث احد من رواة الموطأ مرفوعاً وانما هو فی الموطأ موقوف علی جابر من قوله وانفرد یحیی بن سلام برفعه عن مالک ولم یتابع علی ذلك والصحیح فیہ انه من قول جابر،

یعنی موطا کے راویوں میں سے کسی نے بھی اسے مرفوع بیان نہیں کیا بلکہ موطا میں بھی یہ موقوف ہے اسے مرفوع بیان کرنے میں یحییٰ بن سلام منفرد ہے اور کسی نے بھی ان کی متابعت نہیں اور صحیح اور خالص حق بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے،

(التہذیب لمافی الموطأ من المعانی والاسانید ص ۴۸ و ۴۹ ج ۱۱)

امام مالک رحمہ اللہ سے اس اثر کو تقریباً ستر تلامذہ موقوف روایت کرتے ہیں صرف یحییٰ بن سلام اسے مرفوع نقل کرتا ہے اور اصول حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ جب ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی وہ روایت منکر ہوتی ہے، امام طحاوی حنفی ایک جگہ پر یحییٰ بن سلام کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

من ذلك حدیث یحیی بن سلام عن شعبة وهو حدیث منکر لا یشتبہ اهل العلم بالروایة

لضعف یحیی بن سلام عندہم وابن ابی لیلی وفساد حفظہما

یعنی ان سے ایک یحییٰ بن سلام عن شعبة کی حدیث ہے مگر وہ حدیث منکر ہے اہل علم اسے صحیح نہیں کہتے یحییٰ بن سلام اور ابن لیلی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کہ ان دونوں کا حافظہ خراب تھا، (شرح

معانی الآثار ص ۹۸ ج ۱) مزید دیکھئے (اعلاء السنن ص ۳۰۰ ج ۱۰)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت منکر ہے لہذا اس سے استدلال باطل ہے۔

(۳۶) عن ابن عباس قال قال رسول علیہ وسلم کل صلاة لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب

فلا صلاة له الا وراء الامام،

(کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نہیں ہوتی سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۰)

الجواب: اسکی سند میں بالترتیب تین راوی مجھول ہیں (۱) بالویۃ بن محمد ابو العباس (۲) اس کا

استاد، محمد بن شادل (۳) علی بن کیسان، علی کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سند کے علاوہ اور کسی روایت میں اس کا نام نہیں سنا، علاوہ ازیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ (پہلی فصل میں فتویٰ نقل کیا جا چکا ہے) صریح فتویٰ منقول ہے کہ نماز خواہ جہری ہو یا سری امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو، (کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۷۳)

(۴۷) عن بلال قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان لا اقرأ خلف الامام

(کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۷۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں امام کے پیچھے قرات نہ کروں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۰)

الجواب: اولاً امام بیہقی نے امام حاکم سے نقل کیا ہے کہ

هذا باطل والثوری تبرأ الی عزوجل منه، یہ حدیث باطل ہے اور امام سفیان ثوری اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بری الذمہ ہیں۔

(کتاب القراءة ص ۱۷۶ وکنز العمال ص ۱۳۵ ج ۸ رقم الحدیث ۲۲۹۴۱) مطبوعہ النشر السنہ ملتان)

اسکی سند میں، اسماعیل بن الفضل، راوی کذاب ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے، ذیل الموضوعات میں اور ابن عراق نے (مقدمہ تنزیحہ الشریعہ ص ۳۹) میں لکھا ہے، نیز دیکھئے۔ (قانون الموضوعات ص ۲۴۱)

ثانیاً: دوسرا راوی اس میں، الاعمش ہے، امام نسائی، اور کراچیسی نے اسے مدلس قرار دیا ہے (طبقات المدلسین ص ۳۳) اور یہاں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے روایت مروی ہے،

ثالثاً: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا راوی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں اور ان کا سیدنا بلال سے سماع نہیں ہوا، جو اس کا مدعی ہے وہ دلیل بیان کرے، کیونکہ، عبدالرحمن، خلافت فاروقی کے آخری چھ سال سے پہلے کچھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (مراسل ابن ابی حاتم ص ۱۲۷) اور اسی سال سیدنا بلال کی وفات شام میں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن کا سیدنا بلال سے سماع ثابت نہیں، (بحوالہ نصب الراية ص ۲۶۷ ج ۱)

امام شافعی اور امام بیہقی نے بھی سماع سے انکار کیا ہے (معرفة السنن ص ۲۰۶ ج ۱) الغرض یہ روایت منقطع ہے، جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو، تدلیس کا پہلو بھی موجود ہو اور سلسلہ سند بھی منقطع ہو، اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے،

(۴۸) عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ ما كان من صلاة يبجهر فيها الامام بالقراءة

۴ فلیس لاحد ان یقرأ معہ۔ (کتاب القراءة ص ۱۲۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نماز میں امام جہر سے قرات کرتا ہو اس میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امام کے ساتھ قرات کرے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۱)

الجواب اولاً: یہ روایت منکر و شاذ ہے امام بیہقی فرماتے ہیں۔

ہذہ روایۃ منکرۃ لم اجدها فیما جمع من ہذہ الاخبار..... غیر ان النفس نافرۃ عن ہذہ

الروایۃ لشذو ذہا عن الروایات الصحیحۃ عن ابی ہریرۃ۔

یعنی یہ روایت منکر ہے، میں نے مجموعہ اخبار میں اسے کہیں نہیں پایا اور طبیعت بھی اس روایت سے نفرت کرتی ہے کیونکہ سیدنا ابو ہریرہؓ کی صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے،

(کتاب القراءة ص ۱۲۲)

اسکی سند میں احمد بن سلیمان النجاد راوی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

قال الدار قطنی حدث من کتاب غیرہ بمالم یکن فی اصولہ قال الخطیب کان قد عمی

فی الآخر فلعل بعض الطلبة قرأ علیہ ذلك،

امام دارقطنی فرماتے ہیں، غیر کی کتاب سے ایسی حدیثیں بیان کر جاتے ہیں جو ان کے اصول میں نہیں ہوتی تھیں، خطیب کہتے ہیں وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے غالباً ایسی روایات ان کے بعض طلبہ

نے ان پر پڑھی ہوں (لسان المیزان ص ۱۸۰ ج ۱)

علامہ ابن عراق حافظ ذہبی سے نقل کرتے ہیں کہ

فی سندہ ابو بکر النجاد وقد عمی بآخرہ وجوز الخطیب ان یکون ادخل علیہ شیء

فیحتمل ان یکون ہذا مما ادخل علیہ۔

اسکی سند میں ابو بکر (احمد بن سلیمان) النجاد ہے جو آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے اور

خطیب نے اس پر کچھ روایات داخل کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے پس احتمال ہے کہ یہ روایت ایسی ہو جو کسی نے اسکی روایات میں داخل کر دی ہو۔

(تنزیۃ الشریعۃ ص ۱۵۱ ج ۲)

سیوطی نے، (اللالی المصنوعہ ص ۱۱۰ ج ۲) میں ابو بکر احمد بن سلیمان النجاد کے واسطے سے

ایک روایت ذکر کے لکھا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں مگر روایت موضوع ہے، یہ ملحوظ رہے کہ بعض دفعہ سند صحیح ہوتی ہے مگر متن موضوع ہوتا ہے علامہ سیدٹی فرماتے ہیں کہ

و کثیراً ما یکون الحدیث ضعیفاً و اھیوا و الاسناد صحیح۔

اور کتنی ہی روایات ضعیف اور واہی ہیں جن کی سند صحیح ہے، (تدریب الراوی ص ۴۸ ج ۱) اس کے بعد حافظ سیوطی نے، تاریخ ابن عساکر، سے ایک مثال بھی پیش کی ہے کہ سند صحیح ہے لیکن متن وضعی ہے، ایسا ہی یہاں ہے کہ اسکی سند صحیح ہے مگر متن وضعی ہے، کہ ابو بکر النجاد کے کسی کاذب شاگرد نے ان پر پڑھ دی ہو، جسے بعد میں انہوں نے بیان کر دیا، لہذا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متواتر احادیث کے بالمقابل اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔

ثانیاً: اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے نماز سری ہو خواہ جہری ہوا، (تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے) اور حنفیہ کا معروف قاعدہ ہے کہ راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اعتبار راوی کے عمل کا ہوگا۔ روایت کا نہیں،

ثالثاً: زیادہ سے زیادہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں بوقت قرات مقتدی قرات نہ کرے، الفاظ (فلیس لاحد ان یقرأ معہ)، کسی کے لیے لائق نہیں کہ امام کے ساتھ قرات کرے، لہذا اگر سلکات میں قراءت کرے تو اس روایت کے منافی نہیں ہے،

رابعاً: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ جہراً نہ پڑھے، یا امام کے ساتھ سورہ فاتحہ سے اگلی قراءت نہ کرے۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۲۲)

(۴۹) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل صلاة لا یقرأ فیہا بام الکتاب فہی خداج الاصلۃ خلف امام۔

(کتاب للبیہقی ص ۱۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۱)

الجواب: امام بیہقی نے آگے ہی لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں عبدالرحمن بن اسحاق راوی ہے، جسے امام یحییٰ بن معین نے ضعیف اور امام احمد نے منکر الحدیث کہا ہے پھر یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ کی روایت کے خلاف ہے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فاتحہ خلف الامام کے متعلق فتویٰ معروف ہے امام ابو بکر فرماتے ہیں کہ یہ روایت منقول ہے، (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۷۱)

عبدالرحمن کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں کہ اسکی روایت لکھی جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے، امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ ثقات کی مخالفت کرے تو اس کے حافظہ پر اعتماد نہ کیا جائے، امام دارقطنی ضعیف کہتے ہیں۔ حاکم اور عبدالحق کہتے ہیں قابل احتجاج نہیں، ابن عدی فرماتے ہیں اسکی بعض

روایات منکر ہیں جس میں اس کی کسی نے بھی متابعت نہیں کی، سعدی کہتے ہیں حدیث میں اسکی تعریف نہیں ہوئی۔

(تہذیب ص ۱۳۸ ج ۶ و ۱۳۹ میزان ص ۴۸ ج ۲)

الغرض یہ روایت قابل احتجاج نہیں

ثانیاً: اس روایت میں، الاصلۃ خلف امام کا جملہ مدرج ہے دیوبندیوں کے خاتم الحفاظ سید انور صاحب کا شمیری فرماتے ہیں۔

فالا سناد حسن والزیادة مدرجة، یعنی اسکی سند تو حسن ہے مگر یہ زیادت مدرج ہے۔

(فصل الخطاب ص ۲۰۳)

(۵۰) عن الشعبي قال قال رسول الله ﷺ لا قراءة خلف الامام،

(دارقطنی ص ۳۲۰)

امام شعبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام کے پیچھے قراءت جائز نہیں (حدیث

اوز اہل حدیث ص ۳۲۱)

الجواب اولاً: یہ روایت، دارقطنی، کے مذکورہ صفحہ میں قطعاً نہیں، معلوم نہیں انوار صاحب نے کس رسالے سے نقل کر کے نام دارقطنی کا لکھ دیا ہے۔

ثانیاً: یہ روایت قابل احتجاج نہیں، امام شعبی کبار اتباع تابعین سے ہیں امام مالک اور امام سفیان ثوری کے ہم عصر ہیں، تو ان کی بیان کردہ روایت مرسل سے بھی گئی گزری (معصل) ہے لہذا حجت نہیں۔

مقلد انوار صاحب یہ روایت دارقطنی کے صفحہ ۳۳۰ پر ہے اور امام شعبی سے روایت کرنے والا راوی محمد بن سالم، ضعیف ہے (تقریب ص ۲۹۸) امام مسلم اور نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے (الضعفاء والمترکین رقم الترجمة ۵۱۵ واکنی ص ۲۹) ابن حبان فرماتے ہیں کہ اسناد الٹ پلٹ دیتا تھا اور ثقات سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جو ان کی مرویات سے نہیں (المجربین ص ۲۲۲ ج ۲ میں) الغرض یہ روایت باطل ہے۔

(۵۱) عن ابن عباس قال لما مرض رسول الله ﷺ مرضه الذي مات فيه كان في بيت

عائشة فقال ادعوا لي عليا قالت عائشة ندعوك ابا بكر قال ادعوه قالت حفصة يا رسول الله ندعوك عمر قال ادعوه قالت ام الفضل يا رسول الله ندعوك العباس قال نعم، فلما اجمعوا رفع رسول الله ﷺ راسه فنظر فسكت فقال عمر قوموا عن رسول الله ﷺ ثم جاء بلال يؤذنه بالصلوة فقال مروا ابا بكر فليصل بالناس فقالت عائشة يا رسول الله ان ابا بكر رجل رقيق حصر ومتى لا يبرك يبكي والناس يبكون فلو امرت عمر يصلني بالناس فخرج ابو بكر فصلني بالناس فوجد رسول الله ﷺ من نفسه خفة فخرج يهادي بين رجلين ورجلاه

تخطان فی الارض فلما رآه الناس سبحوا بابی بکر فذهب لیتاً خر فامی الیه النبی ﷺ ای مکانک فجاء رسول اللہ ﷺ فجلس عن یمنه وقام ابو بکر وکان ابو بکر یأتم بالنبی ﷺ والناس یأتمون بابی بکر قال ابن عباس واخذ رسول اللہ ﷺ من القراءة من حیث کان بلغ ابو بکر، الحدیث۔

(ابن ماجہ ص ۸۸ وطحاوی ص ۲۷۶ ج ۱ ومسند احمد ص ۲۳۲ ج ۱ ودار قطنی ص ۳۹۸ ج)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ حضرت عائشہ کے گھر میں تھے، آپ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، حضرت عائشہ بولیں کہ ابو بکر کو بلا دیں؟ آپ نے فرمایا بلا دو، حضرت حفصہ بولیں یا رسول اللہ عمر، رضی اللہ عنہ کو بھی بلا لیں، آپ نے فرمایا بلا لو، حضرت ام فضل بولیں یا رسول اللہ عباس کو بھی بلا لیں، آپ نے فرمایا ہاں، جب یہ سب حضرات جمع ہو گئے تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھا کر دیکھا اور خاموش ہو گئے حضرت عمر کہنے لگے اس وقت آپ کے پاس سے اٹھ جاؤ، پھر حضرت بلالؓ نے آ کر آپ کو نماز کی اطلاع کی، آپ نے فرمایا ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ بولیں یا رسول اللہ ابو بکر بہت نرم دل ہیں جب آپ کو نہیں دیکھیں گے تو رونے لگیں گے، اور لوگ بھی رو دیں گے، اگر عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دیں تو اچھا ہو، لیکن حضرت ابو بکر تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے تکلیف میں کچھ تخفیف محسوس کی تو آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے پاؤں سے زمین میں لکیریں پڑ رہی تھیں جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو (حضرت ابو بکر کو متنبہ کرنے کے لئے) سبحان اللہ کہا حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر ہی ٹھہرو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر کے پاس پہنچے اور آپ کے دائیں جانب بیٹھ گئے، حضرت ابو بکر کھڑے ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کرنے لگے اور لوگ حضرت ابو بکر کی اقتداء کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے قرأت اسی جگہ سے شروع فرمائی جس جگہ حضرت ابو بکر پہنچے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۱ تا ۳۲۴)

الجواب اولاً: اسکی سند میں ابواسحاق راوی ہے اور روایت نمبر ۲۸ کے جواب میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ابواسحاق مدلس ہے،

علامہ سندھی حنفی مرحوم نے مذکورہ روایت پر حاشیہ لکھا ہے کہ

وفي الزوائد اسنادہ صحیح ورجاله ثقات الا ان اباسحاق اختلط بآخر عمره وکان مدلسا وقد رواه بالنعنة وقد قال البخاری لا یدکر لابی اسحاق سماعاً من ارقم بن

شرا جیل،

یعنی علامہ بصری کے زوائد میں ہے کہ اس کے راوی ثقہ اور سند صحیح ہے مگر ابو اسحاق کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا اور موصوف تدلیس کرتے تھے اور اسے معنعن روایت کیا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق کا ارقم بن شرا جیل سے سماع ذکر نہیں ہوا۔

(حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۷۳ ج ۱)

الغرض یہ روایت معنعن ہے لہذا ضعیف اور ناقابل حجت ہے،

ثانیاً: علامہ سندھی کے مذکورہ کلام سے یہ بھی ثابت ہو کہ ابو اسحاق مخلط بھی تھے، علامہ برہان الدین حلبی نے، (الاغتباط ص ۲۷۳) میں، ابن الکیالی نے، (الکواکب النیرات ص ۳۴۱) میں حافظ ابن الصلاح، (مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح ص ۴۲۴) میں نووی نے (مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۸) میں حافظ سخاوی نے (القول البدیع ص ۱۰۴) میں ابو اسحاق کے اختلاط کی صراحت کی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اختلاط باخروہ (تقریب ص ۲۶۱) مقدمہ فتح الباری ص ۴۳۱ و ۴۶۳) میں بھی ابو اسحاق کو مخلط قرار دیا ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں ابو اسحاق باخروہ اختلاط فکل من سمع منه باخروہ فلیس سماعہ باجود مایکون۔

یعنی ابو اسحاق کو آخر میں اختلاط ہو گیا تھا پس جس نے بھی آخر میں سنا ہے اس کا سماع اچھا نہیں ہے (علل الحدیث ص ۱۰۳ ج ۱) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ابو اسحاق مخلط تھے تو اب سنئے کہ ابو اسحاق سے مذکورہ روایت نقل کرنے والے، زکریا اور اسرائیل ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسرائیل نے ابو اسحاق سے آخری عمر میں سنا تھا اور وہ ابو اسحاق کی روایت میں کمزور ہے (میزان ص ۲۷۳ ج ۲) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اسرائیل، زکریا، اور زہیر کی روایات ابو اسحاق سے تقریباً ایک جیسی ہیں ابو اسحاق کے تلامذہ تو سفیان اور شعبہ ہیں (میزان ص ۲۰۹ ج ۱) مولانا سرفراز خان صفدر فرماتے ہیں۔ زہیر اگرچہ ثقہ تھے لیکن محدثین نے اسکی تصریح کی ہے کہ ان کی وہ حدیث جو ابو اسحاق کے طریق سے ہوگی وہ ضعیف ہے (گل دستہ توحید ص ۱۴۱ مطبوعہ مکتبہ صفدریہ ۱۹۹۳) اوپر امام ابن معین کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ زہیر اور اسرائیل اور زکریا کی روایات ایک جیسی ہیں، جس سے لازم آتا ہے کہ یہ روایت دیوبندی خراد پر بھی ضعیف ہے واضح رہے کہ زکریا وغیرہ کی جو روایات صحیحین میں ہیں ان کے ثقہ متابع موجود ہیں تفصیل کے لیے (توضیح الکلام ص ۴۲۴ ج ۲) کی مراجعت کریں، جبکہ زیر بحث روایت بخاری و مسلم کے خلاف ہونے کے علاوہ ان کا کوئی متابع موجود نہیں۔

ثالثاً: ابو اسحاق کی اس روایت میں اختلاف ہے، (مسند احمد ص ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۳۵۶ جلد اول میں ہے، فجلس الی جنب ابی بکر عن یسارہ،، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے

بائیں جانب بیٹھ گئے، جبکہ ابن ماحہ ص ۸۸ میں ہے، فجلس عن یمنہ، کہ نبی مکرم ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دائیں جانب بیٹھ گئے، جس سے ثابت ہوا کہ اسے بیان کرنے میں ابو اسحاق اختلاط کا شکار ہوئے ہیں، جس طرح متن میں اضطراب ہے اسی طرح سند میں بھی اختلاط کا شکار ہوئے ہیں، کبھی ارقم بن شراحیل عبداللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں اور کبھی عباس سے روایت کرتے ہیں (گواہ بن عباس کی بوجہ تدریس و اختلاط ابو اسحاق ضعیف ہے اور عباس بن عبدالمطلب کی قیس بن ربیع کی بنا پر ضعیف ہے) الغرض یہ روایت بوجہ اضطراب بھی ضعیف ہے۔

رابعاً: یہ روایت صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ کے خلاف ہے جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے تھے، بخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیؤتم بہ، الحدیث (۲۸۷) و مسلم کتاب الصلاة باب الامام اذا عرض له عنذر..... الحدیث (۹۳۶) ظاہر ہے کہ ظہر کی نماز میں ایسا ممکن نہیں کہ لوگوں کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قرأت کا پتا لگتا کہ یہاں تک پہنچی ہے اور پھر اسی جگہ سے رسول اللہ ﷺ نے شروع کی ہے، الغرض یہ روایت صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ابن عباس کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ کوئی جہری نماز تھی، امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں۔

لان تلك الصلاة كانت يجهر فيها بالقرأة ولولا ذلك لما علم رسول الله ﷺ الموضوع الذي انتهى اليه ابو بكر من القرأة ولا علمه من حلف ابى بكر۔

یعنی یہ وہ نماز تھی جس میں قرأت بلند آواز سے ہوتی ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول مکرم ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی منہائے قرأت کا پتا نہ چلتا اور نہ ہی انہیں علم ہوتا جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے۔ (شرح معانی الاثار ص ۲۷۸ ج ۱ باب صلوة الصحيح خلف المريض)

خامساً: اس حدیث میں کئی امور ایسے ہیں جو نبی مکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں اور بالاتفاق کسی اور کے لیے جائز نہیں، امام طحاوی حنفی امام محمد سے نقل کرتے ہیں کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ امام مریض ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو اس کی اقتداء جائز نہیں خواہ امام رکوع و سجدہ بھی کرے، اور نبی مکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے ایام میں جو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام پیچھے کھڑے ہو کر اقتدا کر رہے تھے تو یہ آپ علیہ التحیہ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس میں آپ نے ایسے کام کیے ہیں جو آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں ایک تو یہ کہ آپ علیہ السلام نے قرأت وہاں سے شروع کی جہاں سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ختم کی تھی دوسرا یہ کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک ہی نماز میں پہلے امام تھے پھر مقتدی اور یہ بھی بالاتفاق کسی کے لیے جائز نہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کچھ ایسے امور ہیں جو آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں،

(شرح معانی الاثار ص ۲۷۸ ج ۱ باب صلوة الصحيح خلف المريض)

امام طحاوی کی اس عبارت سے واضح ہے کہ مرض الموت کی اس نماز میں چند باتیں ایسی ہیں جو نبی مکرم ﷺ سے ہی خاص ہیں۔ اس آخری نماز سے ثابت ہوتا ہے کہ افضل کے آنے پر مفعول پیچھے ہٹ کر مقتدی بن جائے اور افضل وہاں سے ہی قرات شروع کر دیں جہاں سے مفعول نے ختم کی تھی مگر یہ بالاتفاق جائز نہیں، مولانا ظفر احمد تھانوی نے تو علامہ ابن عبدالبر کے حوالے سے اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ آپ علیہ السلام سے مخصوص ہے،

(اعلا السنن ص ۶۷۵ ج ۴)

سادساً: انوار خورشید صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہی ذکر ہے کہ آپ نے وہاں سے قرات شروع کی جہاں پر ابو بکرؓ نے ختم کی تھی، جس سے لازم آتا ہے کہ تکبیر تحریرہ نہیں کہی تھی، حالانکہ یہ حنفیہ کے نزدیک بھی فرض ہے اگر یہ کہا جائے کہ تکبیر تحریرہ تو کہی ہوگی، تو ہم کہتے ہیں فاتحہ بھی پڑھی ہوگی، دلیل وہی آپ والی،

سابعاً: ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی مکرم ﷺ امامت کے ارادہ سے تشریف لائے تھے، روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ علیہ السلام سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھے تھے، اگر مقتدی کی نیت سے تشریف لاتے تو پہلے دائیں جانب بیٹھتے امام طحاوی فرماتے ہیں۔

اس نماز کے افعال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ امام تھے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھے تھے، اور یہ امام کی جگہ ہے اگر ابو بکرؓ امام ہوتے تو نبی علیہ السلام دائیں جانب بیٹھتے، پس جب آپ بائیں جانب بیٹھے اور ابو بکرؓ دائیں جانب تھے تو یہ دلیل ہے کہ نبی مکرم ﷺ ہی امام تھے اور ابو بکر مقتدی تھے (شرح معانی الاثار ص ۲۷۸ ج ۱)

جب یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی کہ آپ ﷺ امام تھے، اور امام پر سورہ فاتحہ تو حنفیہ کے نزدیک بھی واجب ہے جیسے منفرد پر واجب ہے لہذا یہ آپ کی دلیل نہیں۔

رسول مکرم ﷺ پر افترا

مقلد انوار خورشید صاحب فرماتے ہیں، مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے وقت حضرت ابو بکرؓ سورہ فاتحہ کے بعد سورہ شروع کر چکے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نماز بغیر فاتحہ کے پڑھائی

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴۵)

یہ تمام قصہ جھوٹا اور نبی مکرم ﷺ پر افترا ہے مقلدانوار خورشید کیا پوری دنیا کی حقیقت جمع ہو جائے تو یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ کو ختم کر کے اگلی سورت شروع کر چکے تھے، اور نبی مکرم ﷺ نے اگلی سورت سے ہی قرأت شروع کی تھی، یہ انوار خورشید کا نبی مکرم ﷺ پر بہتان اور افترا ہے، یقین جائیے کہ اگر کوئی وضعی اور من گھڑت روایت بھی ایسی ہوتی تو مولانا سرفراز خان صاحب صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم یہ نہ لکھتے۔

سورہ فاتحہ اگر مکمل نہ ہوئی ہوگی تو اس کا اکثر حصہ تو یقیناً پڑھا جا چکا ہوگا،

(احسن الکلام ص ۱۰۵ ج ۱ طبع چہارم ۱۹۹۲ء)

ہوگی، جا چکا ہوگا، کے الفاظ پر غور کریں، اگر کسی حدیث میں یہ الفاظ تھے کہ سورہ فاتحہ کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اگلی سورت شروع کر چکے تھے اور رسول مکرم ﷺ نے اگلی سورت سے ہی قرأت شروع کر دی تھی تو دیوبندیوں کے شیخ الحدیث صاحب ہوگی، ہوگا، سے کام نہ چلاتے، انوار صاحب ہمارا برادرانہ مشورہ ہے کہ اس سے توبہ کر لیں، آپ حقیقت کی خدمت کرتے کرتے نبی مکرم ﷺ پر افترا کر کے اپنے لیے جہنم تیار نہ کریں، آپ ہم سے اختلاف کا حق رکھتے ہیں، لیکن نبی مکرم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کی آپ کو قطعاً اجازت نہیں جب تک دنیا میں اہل حدیث زندہ ہیں تب تک کوئی کاذب مفتری اور دجال و کذاب روایت وضع کر کے اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے ہم بفضلہ تعالیٰ محدثین کے مقدس گروہ کی امین جماعت ہیں ہم اپنی ذات کے متعلق تو سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن اپنے پیارے آقا و مولیٰ سیدی نبی مکرم ﷺ (فداہ ابی وامی و جسدی و کل ما عندی) پر افترا نہیں سہہ سکتے، مفتری خواہ کتنا ہی با اثر اور عالم و فاضل اور محقق زماں کیوں نہ ہو اسے درایت کے میزان پر رکھ کر بغیر کسی مصلحت کے اسے متروک و کذاب اور خائن قرار دیں گے۔

ان نمبروں کے تحت انوار خورشید صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث

نقل کی ہے کہ جب قاری، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہتا ہے اور اس کے پیچھے کا مقتدی آمین کہتا ہے الحدیث (مسلم ص ۱۷۶ ج ۱) جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو الحدیث (بخاری ص ۹۴۷ ج ۲) جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہے تو تم آمین کہو، الحدیث۔

(نسائی ص ۱۰۷) (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۴ و ۳۶۵)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ آمین کی احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امام کو قاری (قرات کرنے والا) فرمایا نیز آپ نے حکم دیا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہے تو تم آمین کہو اس سے ثابت ہوا کہ قرات فقط امام کا کام ہے مقتدی کا نہیں (حدیث اور اہل حدیث

(ص ۳۴۰)

الجواب اولاً: جب قاری، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہے تو تم بھی آمین کہو، یہاں لفظ قال (کہے) سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ بلند آواز سے کہنا مراد ہے، ایسا ہی، فقال من خلفہ آمین (تو مقتدی بھی آمین کہے) بھی بلند آواز سے کہنا ہی مراد ہے، لیجے جناب آپ فاتحہ کی بجائے، آمین، بالجہر کو بھی قبول کر بیٹھے، اسے کہتے ہیں، روزے معاف کروانے آئے اور نمازیں گھلے پڑ گئیں،

ثانیاً: یہ استدلال دراصل اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ اس میں مقتدی اور امام کے معمولات میں تفریق و تقسیم ہے، حالانکہ یہاں فقط مقتدی کو آمین کے وقت سے آگاہ کرنا ہے، اگر امام کا فریضہ صرف قرأت اور مقتدی کا آمین کہنا ہے تو پھر یہ حدیث کے خلاف ہے،

اذا امن الامام فامنوا، کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔

بخاری کتاب الاذان باب جهر الامام بالتامین، الحدیث (۷۸۰) ومسلم کتاب الصلاة باب التسمیع والتحمید والتامین، رقم الحدیث (۹۱۰)

حنفیہ کا بھی یہی موقف ہے کہ امام آمین کہے، حالانکہ اگر آپ کے مذکورہ استدلال کو تسلیم کر لیا جائے کہ امام و مقتدی کی علیحدہ علیحدہ ڈیوٹی بتلانا ہے تو یہ حدیث کے بھی خلاف ہے اور حنفیہ کے بھی۔

(۵۵) عن الحسن عن ابی بکر انہ انتہی الی النبی ﷺ وهو راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال ذادک حرصاً ولا تعد۔

(بخاری ص ۱۰۸ ج ۱)

حضرت حسن بصری حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس (مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں) پہنچے تو آپ رکوع میں جا چکے تھے چنانچہ یہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ آہستہ چلتے صف میں مل گئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا کرنا،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۰)

الجواب اولاً: آپ کو اعتراف ہے کہ آئندہ ایسا کرنے سے نبی مکرم ﷺ نے منع فرمایا، لہذا آپ وضاحت کریں کہ آپ کا استدلال صحابی کے عمل سے ہے، یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ کا استدلال صحابی کے عمل سے ہے مگر غور کیجئے کہ جس فعل سے نبی علیہ السلام منع کر رہے ہیں اس سے آپ استدلال کر رہے ہیں۔ باقی رہا آپ کا یہ عذر کہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا

(ص ۳۴۶) گزارش ہے کہ ضد اور تعصب اور تقلید ایک طرف رکھ کر ذرا غور کریں کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کہنا اور تکبیر تحریمہ کے بعد بقدر قرأت مفروضہ قیام فرض ہے۔

(السعیابہ ص ۱۱۰ ج ۲) اگر آپ کہہ دیں کہ تکبیر تحریمہ اور قیام بقدر قرأت مفروضہ بھی کیا ہوگا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ نبی مکرم نے صحابی کو یہ بھی کہا تھا،

صل ما درکت واقض ما سبقك، کہ جتنا حصہ پالیا وہ پڑھ اور جو رہ گیا وہ پورا کر،

(فتح الباری ص ۲۱۳ ج ۲)

لہذا ثابت ہوا کہ صحابی نے اس رکعت کو بھی شمار نہ کیا ہوگا، دلیل وہی آپ والی، اگر آپ کا، ہوگا، درست ہے تو ہمارا، ہوگا، کیوں غلط ہے؟ دلیل بیان کریں۔

ثانیاً: طبرانی اور طحاوی کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو رکوع کی حالت میں ہی چلتے ہوئے صف میں شامل ہوئے (بحوالہ فتح الباری ص ۲۱۳ ج ۲)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر رکوع کی حالت میں اس طرح چلتے ہوئے صف میں مل جائے تو رکعت ہو جائے گی (عمدة القاری ص ۵۰ ج ۶)

مگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف اس کے برعکس ہے کہ اگر تین یا اس سے زیادہ قدم چلے تو نماز باطل ہو جائے گی، عالم گیری میں ہے "ولو كان مقدار صفین ان مشی دفعة واحدة فسدت الصلاة، یعنی اگر دو صف کی مقدار ایک ہی دفعہ چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی، (فتاویٰ عالم گیری ص ۱۰۳ ج ۱) مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔ اگر قبلہ کی طرف ایک آدھ قدم آگے بڑھ گئی یا پیچھے ہٹ آئی لیکن سینہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھرا تو نماز درست ہوگی لیکن اگر سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ جائے گی تو نماز نہ ہوگی، (بہشتی زیور ص ۲۲ حص دوم) مگر سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ تو مسجد میں داخل ہوتے ہی رکوع میں چلے گئے تھے فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۵۶، ۵۷) ان نمبروں کے تحت محترم انوار خورشید صاحب نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کی احادیث نقل کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرأة الحمد لله رب العلمین، سے شروع کرتے تھے (۳۲۶) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ قرأت میں شامل ہے، اور مقتدی کو قرأت سے منع کیا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ مقتدی نہ سورہ فاتحہ پڑھے اور نہ ہی کوئی دوسری سورت ملخصاً (حدیث اور اہل حدیث ۳۴۷)

الجواب اولاً: یہ استدلال دو چیزوں پر مبنی ہے (۱) قرأت کی ممانعت (۲) اور سورہ فاتحہ قرأت ہے، مگر ہم گزشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں کہ ممانعت قرأت کی جملہ روایات شاذ و منکر ہیں اور بعض تو موضوع تک ہیں لہذا پہلے کسی صحیح حدیث سے مقتدی کا قرأت نہ کرنا ثابت کریں،

ثانیاً: القراءۃ بمعنی حروف وکلمات کو ترتیل میں جمع کرنا آتا ہے، (المفردات القرآن ص ۲۰۷) بخاری سے باب القراءۃ والعرض علی المحدث کا بغور مطالعہ کریں، یہ آپ کے دعویٰ کی تردید کے لیے کافی ہے کہ قرآۃ فقط تلاوت قرآن کو ہی کہتے ہیں،

ثالثاً: کس نے کہا تھا کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کو قرآۃ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا بات کو خلط ملط نہ کریں، آپ نے جو استدلال کیا ہے، اس کے موافق دلیل یہ دیں کہ قرآۃ فقط سورہ فاتحہ کی تلاوت کو کہتے ہیں اگلی سورۃ کو اگر پڑھا جائے تو وہ قرآۃ نہیں، مگر افسوس کہ آپ دعویٰ اور دلیل کے فرق کو سمجھے بغیر احادیث نقل کرتے ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دلیل عام سے حکم خاص ثابت نہیں ہوتا ہاں البتہ دلیل خاص کی بنا پر حکم عام سے استثناء ہو جایا کرتا ہے، ان بات کو ذہن میں رکھ کر غور کریں کہ اگر آپ کی پیش کردہ روایات، اذا قراء فانصتوا، کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی فصل اول میں بیان کردہ احادیث کی بنا پر فاتحہ اس سے خارج ہے،

(۵۸) عن عبادة بن الصامت يبلغ به النبي ﷺ قال لا صلوة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب

فصاعداً قال سفیان لمن یصلی وحده

(ابو داؤد ص ۱۱۹ ج ۱)

حضرت عبادة بن صامتؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ اور نہ پڑھے، حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو (ص ۲۲۶) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں، اس حدیث کے راوی حضرت سفیان بن عیینہؓ اور ان کے ساتھ امام احمد بن حنبلؓ دونوں حضرات صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ یہ تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد اور ترمذی میں موجود ہے، اگر ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کے بیان سے صرف نظر کر لیا جائے تب بھی خود اس حدیث میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ منفرد کے لیے ہے۔

اول یہ کہ اس حدیث میں فصاعداً کا لفظ موجود ہے جس کا مطلب ہے کچھ مزید اس لفظ کے ہوتے ہوئے حدیث کا ترجمہ ہوگا کہ اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید قرأت نہ کرے، اور اس پر اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید قرأت منفرد ہی کرتا ہے، مقتدی نہیں۔

دوم: یہ کہ اس حدیث کے ترجمہ پر غور کیا جائے، حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ، اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ قرأت نہ کرے، یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورہ نہ پڑھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ منفرد کے لیے ہے، مقتدی کے لیے نہیں کیونکہ سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورہ پڑھنا منفرد کا کام

ہے، مقتدی کا نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۷، ۲۴۸)

الجواب اولاً: اول و دوم دونوں عبارات پر غور کریں پہلے اور دوسرے ترجمہ میں کھلا تناقض ہے، پہلے کے مطابق مفہوم یہ بنتا ہے کہ فاتحہ اور اگلی سورۃ کے بغیر نماز جائز نہیں دوسرے کے موافق مفہوم یہ بنتا ہے کہ سورۃ فاتحہ سے اگلی سورۃ کے بغیر نماز جائز نہیں، مگر انوار خورشید صاحب دونوں کا ایک ہی مفہوم بیان کرتے ہیں افسوس انوار صاحب ان پر نمبر تو علیحدہ علیحدہ لگاتے ہیں مگر بات ایک بیان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، محترم اگر ان سے بات ایک ہی بنتی تھی تو آپ نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کیا ہے۔

ثانیاً: فصاعداً: کی زیادتی شاذ ہے، اس روایت کو امام سفیان بن عیینہ نقل کرتے ہیں اور امام سفیان بن عیینہ کی روایت (بخاری ص ۱۰۴ ج ۱ و مسلم ص ۱۶۹ ج ۱) میں فصاعداً کے بغیر مروی ہے اور امام ابن عیینہ سے تقریباً ڈیڑھ درجن کے قریب حفاظ شاگرد اس زیادتی کے بغیر نقل کرتے ہیں، ابو داؤد میں ابن عیینہ سے نقل کرنے والے ان کے شاگرد (۱) قتیبہ (۲) ابن سرح ہیں قتیبہ کی روایت بھی دوسری کتابوں میں موجود ہے اور اس میں بھی فصاعداً کے الفاظ نہیں لہذا یہ لفظ اصول حدیث کے مطابق شاذ ہے۔

ثالثاً: اگر اس لفظ کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی اس سے فاتحہ سے زائد کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، علامہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

ثم زعم الاحناف مراد الحدیث وجوب الفاتحة ضم السورة ولكنه يخالف اللغة فان ارباب اللغة متفقون على ان ما بعد الفاء يكون غير ضروري وصرح به سيويه في الكتاب في باب الاضافة۔

یعنی احناف نے اس حدیث کے معنی یہ لیے ہیں کہ فاتحہ کے ساتھ سورت بھی واجب ہے، لیکن یہ لغت کے خلاف ہے کیونکہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ ف، کے بعد غیر ضروری حکم ہوتا ہے اور امام سیویہ نے الکتاب کے باب الاضافہ میں اس کی صراحت کی ہے۔

(العرف الشذی ص ۱۵۰)

اس سے ثابت ہوا کہ انوار صاحب نے جو معنی کیے ہیں وہ قطعاً غلط ہیں۔

رابعاً: آپ نے حدیث کو منفرد کے لیے خاص قرار دیا ہے، بغرض دلیل امام ابن عیینہ اور امام احمد کا قول نقل کیا ہے ہم اس سے فوق اور بزرگ ہستی سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو پیش کرتے ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ اس سے امام و منفرد دونوں مراد لیتے ہیں، فصل اول میں ان کا فتویٰ صحیح سند سے نقل کیا جا چکا ہے، مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ امام

کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا، (احسن الکلام ص ۱۰۶ ج ۲)

خلفائے راشدین کے آثار

عن عبدالرزاق عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن القراءة خلف الامام قال واخبرنی اشیاخنا ان علیا قال من قراء خلف الامام فلا صلاة له قال واخبرنی موسیٰ بن عقبہ ان رسول اللہ ﷺ وابوبکر وعمرو عثمان كانوا ینہون عن القراءة خلف الامام۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۹ ج ۲)

امام عبدالرزاق عبدالرحمن بن زید سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ مجھے بہت سے مشائخ نے خبر دی ہے کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوئی اور موسیٰ بن عقبہ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۸)

الجواب اولاً: اسے بیان کرنے والا عبدالرحمن بن زید، راوی سخت ضعیف ہے، تفصیل مرفوع روایات کے سلسلہ میں نمبر ۱۵ کے تحت گزر چکی ہے۔

ثانیاً: عبدالرحمن نے سیدنا علیؑ کا قول بعض مشائخ سے نقل کیا ہے، یہ مبہم مشائخ کون ہیں، عین ممکن ہے کہ یہ کوئی خبیث العقیدہ اور دجال و کذاب ہوں، بالخصوص جب ہم سیدنا علیؑ کا صحیح سند کے ساتھ فتویٰ اس کے مخالف نقل کر چکے ہیں۔

ثالثاً: خبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام اور باقی تینوں خلفاء الراشدین کا فتویٰ عبدالرحمن نے، موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے جو پانچویں طبقہ کا راوی ہیں جن کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کا سماع صحابہ کرام سے ثابت نہیں، لہذا یہ روایت منقطع و مرسل ہے اور بوجہ عبدالرحمن سلسلہ سند بھی ضعیف ہے۔

رابعاً: انوار خورشید وضاحت کرے جس قدر صحابہ کرام تابعین عظام اور فقہاء و محدثین امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے۔ کیا ان کی نمازیں بے کار اور ردی کے مال میں گنیں، اور جب ان کی نماز ہو قبول نہ ہوئی تو بے نمازی کے متعلق بھی ذرا فتویٰ صادر کر دیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان

(۱) عن نافع و انس بن سرین قال قال عمر بن الخطاب تكفيك قراءة الامام

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱)

امام نافع اور انس بن سرین فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہیں امام کی قرأت کافی ہے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۸ ج ۲)

الجواب اسکی سند میں ایوب بن خوط ابوامیہ البصری راوی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن مبارک نے اسے ترک کر دیا تھا، ابن معین فرماتے ہیں اسکی مرویات لکھی ہی نہ جائیں امام نسائی، دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے، ازدی نے کذاب، عمرو بن علی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے اس کی روایت لکھی نہ جائے کذاب لوگوں میں سے نہ تھا لیکن کثرت سے خطائیں اور وہم کرتا ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں ضعیف اور واہی الحدیث ہے اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن یونس نے اسے مہتمم بالکذب کہا ہے، ساجی کہتے ہیں اہل علم کا اسکی روایات کو ترک کرنے پر اتفاق ہے یہ باطل روایات بیان کرتا ہے، عقیدۃ کے لحاظ سے قدری تھا احکام اور غیر احکام میں حجت نہیں، ابن حیان فرماتے ہیں، سخت منکر الحدیث ہے مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے، ابن قتیبہ فرماتے ہیں، لا یزال الرجل الخ حدیث اس نے وضع کی تھی،

(تہذیب ص ۳۵۲ ج ۱) جس روایت کی سند میں راوی کذاب ہو اس کے من گھڑت اور باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے،

(۲) عن القاسم بن محمد قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لا یقرأ خلف الامام جہرا ولم

یجہر۔

(کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۸۴)

حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے امام جہر سے کرے یا نہ کرے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۹)

الجواب اولاً: یہ روایت منکر ہے یا شاذ۔ امام بیہقی نے اسکی پوری سند درج نہیں کی۔ صرف سند کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس میں، محمد بن یزید، راوی ہے جو مول بن اسماعیل سے روایت کرتا ہے، یہ محمد بن یزید کون ہے اس طبقہ کے متعدد راوی کذاب و متروک اور غیر فہم ہیں جیسا کہ میزان، لسان

وغیرہ کتب رجال میں ہے۔ پھر سفیان کی تدلیس کا شبہ بھی ہے۔

ثانیاً: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت دراصل ابن عمر سے ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کس راوی نے اسے ابن عمر سے عمر میں تصدأً بدلا ہے یا وہم سے، جامع سفیان ثوری میں یہ روایت اس طرح ہے۔
اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ و ابو سعید محمد بن موسیٰ قال ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا اسيد بن عاصم ثنا الحسين بن حفص عن سفیان ثنا اسامة عن القاسم بن محمد قال كان ابن عمر لا يقرأ خلف الامام جهر اولم يجهر وكان رجال ائمة يقرؤن وراء الامام هكذا رواه الجماعة عن سفیان الثوری، ورواه هذا الرجل عن ابی سعید باسنادہ و ترك منه قول القاسم بن محمد و كان رجال آئمة يقرأون وراء الامام وليس من الانصاف ان يذكر من اقاويل السلف ما يوافق مذهبه و يترك ما يخالفه

یعنی امام قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے اور بڑے بڑے آئمہ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے، ایک جماعت حفاظ نے امام سفیان ثوری سے اسی طرح نقل کیا ہے، اور یہ شخص ابو سعید سے (اس کے برعکس) روایت کرتا ہے اور امام قاسم کے قول، اور آئمہ کبار امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، کو چھوڑ دیا ہے اور یہ انصاف نہیں کہ سلف کے اقوال کو جو موافق ہوں نقل کیا جائے اور جو مخالف ہوں اسے چھوڑ دیا جائے۔

(کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۸۴)

یقیناً یہ بددیانتی کسی حنفی کذاب کی نے ہوگی، جیسے انوار صاحب نے صفحہ ۳۳۳ پھر اور ان کے بزرگ مولانا سرفراز خاں صفدر نے کی ہے کہ مذکورہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کتاب القراءت سے نقل کیا ہے،

(احسن الکلام ص ۲۷۱ ج ۱)

مگر اگلے الفاظ کہ بڑے بڑے آئمہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔ ندید افسوس ناک حرکت یہ کہ، (احسن الکلام ص ۱۶۳ ج ۲ طبع چہارم) میں ان الفاظ کو نقل کر کے لکھا کہ

اس کی سند میں اسامہ ہے امام احمد ان کو لیس ہشٹی کہتے ہیں نسائی لیس بالقوی کہتے ہیں ابو حاتم کہتے ہیں ان سے احتجاج صحیح نہیں امام یحییٰ بن سعید نے ان کو ضعیف سمجھ کر بالآخر مطلقاً ترک کر دیا تھا، امام ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی احادیث کا محدثین نے انکار کیا ہے، امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ترک کر دیا تھا (اتنی بلفظہ،)

غور کریں ایک مقام پر اسے صحیح جان کر استدلال کیا ہے تو دوسری جگہ خوب رد کر دیا ہے، انوار خورشید صاحب اگر امام بیہقی کے قول پر اعتماد نہیں کرتے تو نہ کریں مگر اپنے شیخ الحدیث کی تحقیق پر تو اعتماد کریں، واضح

رہے اسامہ بن زید ثقہ ہے، تفصیل کے لیے، (دین الحق ص ۱۰۴ ج ۱) کی مراجعت کریں۔
ثالثاً: ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تفصیل آگے آرہی ہے،

(۳) اخبرنا محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف

الامام

(موطا امام محمد ص ۹۸)

محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ کاش کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈال دیئے جائیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۹)
الجواب اولاً: اسکی سند میں ابن عجلان راوی ہے، جو سنی الحفظ کے علاوہ مدلس بھی ہے، تفصیل روایت نمبر ۱۰ میں گزر چکی ہے،

ثانیاً: ابن عجلان صغار تابعین سے ہے جن کا سماع حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

(۱) عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ من قرأ خلف الامام فقد

اخطأ الفطرة،

(دارقطنی ص ۳۳۲ ج ۱ و ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱)

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی

اس نے فطرت کو کھو دیا (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۲۹)

الجواب اولاً: اسکی سند میں محمد بن سلیمان راوی ہے، جو مضطرب الحدیث ہے، اسکی متعدد روایات میں اضطراب پایا جاتا ہے، امام ابن عدی نے جہاں اسکی روایات میں اضطراب ثابت کیا ہے وہاں ہی زیر بحث روایت کا بھی ذکر کیا ہے (الاکمال ص ۲۲۳۲ ج ۲) علامہ ذہبی نے بھی (میزان ص ۳۶۹ ج ۳) میں یہ روایت ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے، دارقطنی میں گو اس کا قیس بن ربیع راوی متابع موجود ہے لیکن قیس بھی مضطرب الحدیث ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں اس کی ایسی روایات کی نشان دہی کی ہے گو بعض محدثین نے اسے ثقہ و صدوق کہا ہے، مگر امام نسائی نے اسے متروک اور غیر ثقہ کہا ہے، امام علی بن مدینی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ابن معین دارقطنی ابو احمد الحاکم ابن سعد نے ضعیف بھی کہا ہے،

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں،

صدوق تغیر لما کبر وادخل علیه ابنه ماليس من حدیثه فحدث به،
 صدوق ہے جب عمر بڑی ہوئی تو حافظہ متغیر ہو گیا ہے اور اس کے بیٹے نے اسکی کتاب میں ایسی
 روایات داخل کر دیں جو اسکی نہ تھیں اور وہ (قیس) انہیں بیان کر دیتا (تقریب ص ۲۸۳)
 امام عبدالرحمن مہدی امام ابن نمیر امام ابو داؤد طیالسی اور امام ابن حبان نے بھی یہی کہا ہے کہ اس کا
 بیٹا لوگوں کی مرویات کو والد کی کتاب میں داخل کر دیتا تھا اور قیس انہیں اپنی روایات سمجھ کر بیان کر دیتا
 تھا۔ (تہذیب ص ۳۹۴ ج ۸)
 ثانیاً: واضح رہے کہ دارقطنی میں قیس بن ربیع کی روایت میں، عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، واقع ہے یہ
 تصحیف ہے، دلیل اسکی یہ ہے کہ امام بیہقی نے (کتاب القراءة ص ۱۶۷) میں امام دارقطنی کے واسطے سے
 قیس کی روایت درج کی ہے اور اس میں عبداللہ بن ابی لیلیٰ راوی ہے، اور عبداللہ کا حال اگلی روایت
 کے سلسلہ میں آ رہا ہے۔

(۲) عن داؤد بن قیس عن محمد بن عجلان قال قال علی من قراء مع الامام فلیس علی

الفطرة۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۸ ج ۲ و طحاوی ص ۱۵۰ ج ۱)

الجواب اولاً: طحاوی اور مصنف کی سند ایک نہیں کیونکہ مصنف کی روایت ابن عجلان سے ہے اور
 طحاوی کی روایت عبداللہ بن ابی لیلیٰ سے ہے، مگر انوار صاحب ایسے خبطی واقع ہوئے ہیں کہ انہیں سند
 کے متعلق ابتدائی معلومات بھی غالباً نہیں۔

پہلے عبدالرزاق کی سند کا حال دیکھئے کہ اس کا راوی ابن عجلان ہے جو مدلس ہونے کے علاوہ سیئی
 الحفظ ہے (تفصیل مرفوع احادیث کے سلسلہ میں روایت نمبر ۱۰ میں گزر چکی ہے) اور صنیر تابعی ہے حافظ
 ابن حجر نے اس کو پانچویں طبقہ میں شمار کیا ہے، جس کا کبار صحابہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت
 نہیں، الغرض یہ منقطع ومرسل ہونے کی علاوہ سنداً ضعیف ہے۔

ثانیاً: طحاوی نے، حدثنا فهد قال ثنا ابو نعیم قال سمعت محمد بن عبدالرحمن بن ابی
 لیلیٰ ومرعلی دار ابن الاصبھانی قال حدثنی صاحب هذه الدار وكان قد قراء علی ابی
 عبدالرحمن عن المختار بن عبداللہ بن ابی لیلیٰ (شرح معانی الآثار ص ۱۵۰ ج ۱) امام بیہقی فرماتے
 ہیں کہ اسکی سند میں اضطراب ہے، انہوں نے اس پر مفصل بحث بھی کی ہے۔

(دیکھئے کتاب القراءة)

امام دارقطنی نے بھی اسے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ، لا یصح اسنادہ (سنن
 دارقطنی ص ۳۳۲ ج ۱) امام ابوعلی الحافظ فرماتے ہیں، هذا حدیث مضطرب الاسناد، یعنی یہ

روایت مضطرب الاسناد اور فاسد ہے، امام ابن خزیمہ نے اس کو کذب و زور، یعنی جھوٹی روایت قرار دیا ہے اور اس روایت کا سہارا لینے والوں کو، جاہل و متجاہل کہا ہے۔

(کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۶۹)

امام عقیلی نے (الضعفاء الکبیر ص ۲۳۱۶) میں اس روایت پر کلام کیا ہے علامہ ذہبی نے منکر قرار دیا ہے (میزان ص ۴۸۳ ج ۲) امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

لا اصل له عن علی..... وابن ابی لیلی هذا رجل مجهول لا اعلم له شیئا یرویہ عن علی غیر هذا الحرف المنکر الذی یشہد اجماع المسلمین قاطبة ببطلانه و ذلك ان اهل الصلاة لم یختلفوا من لدن الصحابة الی یوم هذا ممن ینسب الی العلم منهم ان من قراء خلف الامام تجرئه،

یعنی اس کی کوئی اصل نہیں، ابن ابی لیلی مجہول ہے، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منکر روایت کے علاوہ اس کی کوئی اور روایت منقول نہیں مسلمانوں کا اجماع اس کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے، کیونکہ مسلمان ہمارے دور تک اس پر متفق ہیں کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کی نماز کفایت کرتی ہے۔

(المجروحین ص ۵ ج ۲ وفی نسخه الاخری ص ۴۹۷ ج ۱)

ابن ہمام نے، (فتح القدیر ص ۲۹۶ ج ۱) میں، علامہ زیلعی نے، (نصب الرایہ ص ۱۳ ج ۲) میں مولانا عبداللہ لکھنوی نے (امام الکلام ص ۲۲ و مجموعہ رسائل الکنوی ص ۲۴ ج ۳) میں امام ابن حبان کی مذکورہ جرح نقل کر کے سکوت کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اسے باطل کہنے میں ابن حبان کی موافقت کرتے ہیں۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وروی عن علی بن ابی صالح عن الاصبہانی عن المختار بن عبد اللہ بن ابی لیلی عن ابيه عن علی من قراء خلف الامام فقد اخطاء الفطرة وهذا لا یصح لانه لا یعرف المختار ولا یدری انه سمعه من ابيه ام لا وابوه من علی ولا یحتج اهل الحدیث بمثله

یعنی سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی اثر، (من قراء خلف الامام) الخ صحیح نہیں کیونکہ مختار کا حال معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس نے اپنے باپ سے اور اس کے باپ نے سیدنا علی سے اس اثر کو سنا ہے یا نہیں، اور محدثین اس قسم کے اثر سے احتجاج نہیں کرتے۔

(جزء القراءۃ ص ۳۶ مترجم)

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

کل ماروی عن علی فی هذا الباب فمنقطع لا یثبت ولا یتصل ولیس عنہ فیہ حدیث

متصل حدیث عبداللہ بن ابی لیلیٰ وهو مجهول،

یعنی سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الامام کے متعلق جو کچھ مروی ہے وہ کل کا کل منقطع غیر ثابت اور غیر متصل ہے اور اس بارے میں عبداللہ بن ابی لیلیٰ کے اثر کے علاوہ اور کوئی اثر متصل سیدنا علی سے مروی نہیں ہے اور عبداللہ بن ابی لیلیٰ مجهول ہے (التمہید ص ۵۱ ج ۱۱)
الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول

(۱) عن ابی وائل قال جاء رجل الی عبداللہ (بن مسعود) فقال یا ابا عبدالرحمن اقرأ

خلف الامام؟ قال انصت للقرآن فان فی الصلوة شغلاً و سیکفیک ذلك الامام

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۸ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱ و کتاب القراءة للبيهقي ص ۱۴۶ و

موطا امام محمد ص ۹۶)

حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا (قرأت) کے وقت خاموش رہو کیونکہ نماز میں امام قرأت میں مشغول ہے اور تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۰)

الجواب یہ اثر سنداً صحیح ہے، لیکن اس میں صرف جہری نمازوں میں قرأت امام کے وقت انصت کا حکم ہے، لہذا اگر سکلتا اور سری نماز میں پڑھ لیا جائے تو اس اثر کی مخالفت لازم نہیں آتی، خود سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے (تفصیل پہلے فصل میں گزر چکی ہے) اور اس اثر کے الفاظ بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ فقط جہری نمازوں کے متعلق ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔

فهذا فی صلوة یجہر الامام فیہا بالقراءة و انما یقال انصت للقرآن لما یسمع منه لا

لما لا یسمع منه۔

تو یہ ان نمازوں کے متعلق ہے جن میں امام قرأت بلند آواز سے کرتا ہے سیدنا ابن مسعود نے کہا قرآن کے لیے انصت کرو یہ اس وقت ہی ہے جب امام کی قرأت سنئے تاکہ جب امام کی قرأت سنئی ہی نہ جائے (کتاب القراءة ص ۱۴۶)

(۲) عن علقمة بن قیس ان عبد الله بن مسعود كان لا يقرأ خلف الامام فيما يجهر فيه

و فيما يخافت فيه في الاولين ولا في الاخرين، الحديث۔

(موطا امام محمد ص ۴۹)

حضرت علقمہ بن قیس سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں نہ پہلی رکعتوں میں نہ آخری رکعتوں میں

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۰)

الجواب اس کی سند میں، محمد بن ابان بن صالح القرظی راوی ہے، امام احمد امام ابن معین امام بخاری امام ابن حبان رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، امام نسائی نے، لیس بثقة، یعنی ثقہ نہیں امام ابو حاتم نے، لیس بالقوی یکتب حدیثہ ولا یحتج (یعنی قوی نہیں اس کی روایات کو لکھا تو جائے مگر ان سے احتجاج نہ کیا جائے) کہتے ہیں (لسان المیزان ص ۳۱ ج ۵)

امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ

كان ممن يقلب الاخبار وله الوهم الكثير في الاثار۔

حدیثوں کو بدل دیتا تھا اور حدیثوں میں اس کے بکثرت اوہام ہیں (المجروحین ص ۲۶۰ ج ۲) محمد بن ابان نے یہ روایت حماد بن ابی سلیمان سے لی ہے، جو مختلط ہیں، اور علامہ پیشی نے صراحت کی ہے کہ شعبہ، سفیان، اور ہشام دستوائی کے علاوہ باقی حضرات نے اس سے اختلاط کے بعد سنا ہے، اور ان کی روایات مقبول نہیں، (مجمع الزوائد ص ۱۱۹ ج ۱) الغرض یہ روایت ضعیف ہے

(۳) عن علقمة بن عبد الله قال قال لان اعرض على جمرا لغضا احب الي من ان اقرء

خلف الامام۔

(كتاب القراءة ص ۱۴۵ و موطا امام محمد ص ۹۸)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا مجھے جنڈ درخت کے جلتے کوٹلوں کو منہ میں لے لینا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۱)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، عمرو بن عبدالغفار راوی ہے، جس کے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں، متروک الحدیث ہے، ابن عدی کہتے ہیں وضع احادیث سے متہم ہے، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں میں نے اسے رافضی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا تھا،

عقیلی منکر الحدیث قرار دیتے ہیں، ابن عدی کہتے ہیں اس نے مناقب اہل بیت میں احادیث وضع کی ہیں۔ عقیلی ابن عدی اور حافظ ذہبی اور ابن حجر نے اسکی چند باطل روایات کی نشاندہی کی ہے۔ (الضعفاء الكبير ص ۶۸۲ ج ۳ و میزان ص ۲۷۲ ج ۳ و لسان ص ۳۶۳ ج ۴ و الجرح والتعديل ص ۶۴۲ ج ۳ قسم دوم حصہ اول والکامل لابن عدی ص ۶۹۷ ج ۵)

ثانیاً: انوار خورشید صاحب نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کو امام محمد کے موطن ص ۸۹ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، حالانکہ موطن میں یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں بلکہ علقمہ بن قیس کا قول ہے، خود انوار صاحب نے ۳۳۸ پر موطن ص ۸۹ سے اس قول کو نقل کر کے علقمہ کا ہی کہا ہے واضح رہے کہ علقمہ تابعی ہیں، تابعی کے قول کو صحابی کا قول باور کرنا بددیانتی ہے، علاوہ ازیں اسکی سند میں جرح ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

(۴) عن علقمة عن ابن مسعود قال لیت الذی یقرأ خلف الامام ملی، فوہ ترابا۔

(طحاوی ص ۱۵۰ ج ۱ و مصنف عبدالرزاق ص ۸۳۱ ج ۲)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کاش کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴۱)

الجواب اولاً اسکی سند میں حدیث بن معاویہ راوی متکلم فیہ ہے، امام بن معین فرماتے ہیں بیچ محض ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں اسکی بعض حدیث میں ضعف ہے، امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں محدثین نے اس کی بعض روایات پر کلام کیا ہے امام نسائی اور ابن سعد نے ضعیف کہا ہے امام ابو داؤد طیالسی کہتے ہیں اس کا بھائی (زبیر بن معاویہ) اس سے راضی نہ تھا (بوجہ نالائق ہونے) دارقطنی کہتے ہیں اس پر وہم کا غلبہ ہے، ابن حبان کہتے ہیں منکر الحدیث اور قلت روایت کے باوجود کثرت سے وہم کرتا ہے، بزار فرماتے ہیں سبکی الحفظ ہے (تہذیب ص ۱۹۱ ج ۲ و میزان ص ۴۶۷ ج ۱)

علاوہ ازیں اسکی سند میں ابو اسحاق ہے جو مدلس ہے (تفصیل مرفوع روایات کے سلسلہ میں نمبر ۲۸ کے تحت گزر چکی ہے) اور اس کا علقمہ سے سماع بھی ثابت نہیں، جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے (کتاب القراءۃ ص ۱۸۷)

علامہ ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں

ان ابا اسحاق عن علقمة منقطع لانه رآه ولم يسمع منه وقال احمد بن عبد الله العجلي لم يسمع ابو اسحاق من علقمة شياً۔

یعنی ابو اسحاق کی علقمہ سے روایت منقطع ہے اس لیے کہ ابو اسحاق نے علقمہ کو دیکھا ہے لیکن اس سے سنا نہیں اور امام احمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علقمہ سے ابو اسحاق نے کچھ بھی نہیں سنا (الجوہر

(النقی ص ۱۰۲ ج ۱)

الغرض یہ روایت منقطع اور ضعیف ہے۔

ثانیاً: انوار صاحب نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مصنف عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ مصنف میں یہ قول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ اسود بن یزید تابعی کا ہے خود انوار صاحب نے مصنف ۱۳۸ ج ۲ سے صفحہ ۳۴۰ پر اسود کا ہی قول نقل کیا ہے لیکن یہاں خبط ملاحظہ کریں کہ حدیث بن معاویہ کی طرح انہیں بھی اختلاط ہو گیا ہے (اسود کے قول کا جواب آگے آ رہا ہے انشاء اللہ)

(۵) عن عبد الله بن مسعود انه قال يافلان لا تقراء خلف الامام الا ان يكون امام لا

يقراء۔

(مجمع الزوائد ص ۱۱۰ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے فلاں امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کر الا یہ کہ کوئی قرأت نہ کرتا ہو (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۱)

الجواب اولاً پہلے عربی عبارت 'الا ان يكون امام لا يقراء' پر غور کریں پھر انوار خورشید صاحب نے جو معنی کیا ہے سے دیکھئے کہ کیا یہ عربی عبارت کا معنی ہے، نہیں قطعاً نہیں بلکہ اثر کے الفاظ کا یہ معنی ہے کہ مگر یہ کہ امام پڑھتا نہ ہو ان الفاظ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ جبری میں نہ پڑھا کرو ہاں البتہ سڑی نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرو خود انوار صاحب نے مئی ۱۹۹۳ء ذی قعدہ ۱۴۱۳ کی مطبوعہ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۱) میں یہ معنی کیا ہے الا یہ کہ کوئی ایسا امام ہو جو قرأت نہ کرتا ہو یہ اشاعت غالباً پہلی ہے پھر معلوم نہیں کہ انہوں نے خود یا کسی کے مشورہ سے ایسا امام ہو جو کے الفاظ کاٹ دیئے ہیں اس تحریف کی ابتدا کس ایڈیشن سے شروع ہوئی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے میرے پاس آخری ایڈیشن چودھواں ہے جون ۲۰۰۲ء کا مطبوعہ ہے اس میں یہ تحریف موجود ہے ہم ارباب عقل و خرد کی عدالت میں یہ کیس پیش کرتے ہیں کہ آخر مولانا صاحب نے یہ تحریف کیوں کی ہے یقیناً اس لیے کی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کی آخری رکعتوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنی ثابت ہوتی ہے مزید یہ کہ منفرد کو تمام نمازوں اور رکعتوں میں قرأت کرنے کا حکم بھی ثابت ہوتا ہے یہ چیز انوار خورشید صاحب کے بدعی مسلک و مذہب اور عقیدہ کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے تحریف کر کے اپنا الوسیدھا کیا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سہواً ہوا ہے اس لیے کہ پہلے صحیح کر کے پھر غلط معنی کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ عمداً تحریف کی ہے افسوس پندرہویں صدی میں ایسے بددیانت اور خائن بھی مؤلف و مصنف بن بیٹھے ہیں واضح رہے کہ اس کی سند میں جرح ہے مگر انوار صاحب پر حجت ہے کیونکہ انہوں نے اس کو دلیل بنایا ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابو حمزہ راوی ہے جو ابراہیم نخعی سے روایت نقل کر رہا ہے۔

(طبرانی کبیر ص ۲۶۴ ج ۹ رقم الحدیث ۹۳۱۲)

امام احمد فرماتے ہیں ضعیف الحدیث ہے دوسری بار کہا متروک الحدیث ہے ابن معین فرماتے ہیں 'بیچ محض ہے اس کی روایت لکھی ہی نہ جائے جو زجانی اور دارقطنی کہتے ہیں سخت ضعیف ہے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضعیف ذاہب الحدیث ہے ابو حاتم کہتے ہیں لیسن بقوی ترمذی کہتے ہیں کہ اس میں حفظ کی بنا پر کلام کیا گیا ہے نسائی کہتے لیسن بثقة حاکم کہتے لیسن بالقائم خطیب فرماتے ہیں اس سے حجت نہ پکڑی جائے، عقیلی کہتے ہیں کہ اس کا کوئی متابع نہیں، ابن عدی فرماتے ہیں خاص کر جب ابراہیم سے روایت کرے تو اس کا کوئی متابع نہیں ہوتا۔

(تہذیب ص ۳۹۵ ج ۱۰)

ایسے ضعیف و متروک اور ذاہب الحدیث کی روایت کو انوار صاحب دلیل بناتے ہیں اور اس میں بھی معنوی تحریف کرتے ہیں، یہ جہالت کا ہی کرشمہ ہو سکتا ہے واضح رہے کہ اس کی سند میں مزید کئی چیزیں بھی قابل گرفت ہیں مگر ہم انہیں پر ہی اکتفا کرتے ہیں، امید ہے کہ انوار صاحب اپنی بددیانتی کے متعلق ضرور غور کریں گے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل

انوار خورشید صاحب نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے جو اقوال نقل کیے وہ ضعیف ہیں یا پھر مجمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ صرف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے نہ پڑھتے تھے سری نمازوں میں پڑھتے تھے تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے۔
مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

والرابع ان بعضها محمولة علی ترک القراءة فی الجہریة فقط لا فی السریة کاتر ابن عمر و غیرہ علی ما مر فلا یصح سنداً للحنفیة۔

یعنی چوتھا اعتراض یہ ہے کہ بعض آثار صرف جہری نمازوں میں فاتحہ کے ترک پر محمول ہیں نہ کہ سری میں جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا اثر ہے، جیسے پہلے گزر چکا ہے لہذا یہ حنفیہ کے لیے دلیل صحیح نہیں۔

(اما الکلام ص ۲۲۱ و مجموعة رسائل اللکنوی ص ۱۹۴ ج ۳)

امام مالک رضی اللہ عنہ نے بھی (الموطا ص ۶۸) باب ترک القراءة خلف الامام فیہا یجہر فیہ میں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

اب ترتیب وار انوار صاحب کی ہیرا پھریاں اور بددیانتیاں ملاحظہ کریں۔

(۱) امام نافع کے واسطے سے (موطا امام محمد ص ۹۴) سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ امام کی قرأت ہی کافی ہے (ص ۳۳۲) مگر اس کی سند میں عبدالرحمن بن عبداللہ المسعودی راوی مختلط ہے (تقریب ۲۰۵) جتنی دیر تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ امام محمد نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے اتنی دیر تک یہ روایت قابل احتجاج نہیں، علاوہ ازیں امام محمد پر حافظہ کی وجہ سے کلام ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) (مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۱۰۷) سے ایک اثر نقل کیا ہے لیکن مصنف میں 'تکفیک' کا لفظ نہیں اور اس لفظ کے بغیر انوار صاحب کا استدلال نہ بنتا تھا لہذا انہوں نے اپنے پاس سے اس لفظ کو متن روایت میں داخل کر کے تحریف لفظی کا ارتکاب کیا ہے، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نے حاشیہ میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہاں سے 'تکفیک' کا لفظ ساقط ہو گیا ہے انہوں نے صرف خدشہ کا اظہار کیا تھا انوار صاحب نے یقین کے ساتھ متن میں داخل کر دیا، مزید ستم یہ کیا کہ اس پر امام بیہقی کی (کتاب القراءة ص ۱۵۷) کا حوالہ بھی دے دیا، حالانکہ مصنف عبدالرزاق کی سند و متن اور ہے اور کتاب القراءة کی سند و متن دوسرا ہے، اگر انوار صاحب کتاب القراءة سے اپنے درج کردہ الفاظ دکھا دیں تو ہم انہیں انعام کے طور پر کتاب القراءة کا ایک نسخہ دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

(۳) مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج ۲ سے نقل کرتے ہیں کہ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ابن عمر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔ (ص ۳۳۲) سند میں داؤد بن قیس صنعانی راوی ہے، جس کی عدالت مطلوب ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب الکمال ص ۲۴۲۵ ج ۲) اور ابن حبان توثیق بیان کرنے میں متساہل ہے۔ الغرض روایت ضعیف ہے۔ مزید برآں یہ کہ اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو فاتحہ سے اگلی قرأت جہر پر محمول ہے۔

(۴) صفحہ ۳۳۳ پر انوار صاحب کتاب القراءة ص ۱۸۴ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں مگر اس کا اگلا جملہ کہ 'بڑے بڑے امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں' اس کے متعلق ہم پہلے بھی اشارہ کر آئے ہیں کہ اس گناہ کا ارتکاب مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے بھی کیا ہے اور جہاں اس جملہ کو نقل کیا ہے وہاں اس کی سند پر بھی جرح کر دی ہے۔

اس کی پوری تفصیل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آثار کے تحت گزر چکی ہے

(۵) صفحہ ۲۲۲ پر طحاوی ص ۱۰۰ ج ۱ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرو لیکن اس کی سند میں بکر بن عمرو المعافری راوی ہے، ابن حبان کے علاوہ اس

کی کسی نے توثیق نہیں کی، امام ابن قطعان فرماتے ہیں کہ اس کی عدالت معلوم نہیں
(تہذیب ص ۴۸۶ ج ۱)
الغرض یہ قول ضعیف ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول:

(۱) عطاء بن یسار انہ اخبرہ انہ سال زید بن ثابت عن القراءۃ مع الامام فقال لا قراءۃ
مع الامام فی شئی

(مسلم ص ۲۱۰ ج ۱ و نسائی ص ۱۱۱ ج ۱)

حضرت عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت سے امام کے ساتھ قرأت
کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی نماز میں کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی
(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۴) انوار صاحب مکرر اسی روایت کو (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱)
سے نقل کیا ہے۔

الجواب اولاً: آپ نے پوری حدیث درج نہیں کی، آگے ہے، و زعم انہ قرأ علی رسول
اللہ ﷺ والنجم و اذا ہوی فلم یسجد، یعنی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے
رسول اللہ ﷺ پر سورۃ والنجم اذا ہوی کو تلاوت کیا تو آپ نے اسے سن کر سجدہ نہ کیا۔ (مسلم رقم
الحدیث ۱۲۹۸)

حالانکہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے اور سورہ والنجم میں بھی سجدہ تلاوت ہے۔
(فتح الملہم ص ۱۶۶ ج ۲) الغرض حدیث کے ان الفاظ سے سجدہ تلاوت کے وجوب کی نفی ہوتی
تھی جسے انوار صاحب ہضم کر گئے ہیں

ثانیاً: اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف قرأت کا ہے اور قرأت کا لفظ سورہ فاتحہ سے اگلی سورت کو
پڑھنے پر بھی بولا جاتا ہے لہذا سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول اگلی سورت کے لیے ہی ہے جیسا کہ امام
بیہقی نے (کتاب القراءۃ ص ۱۸۶) میں صراحت کی ہے

(۳) عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت وابن عمر کانا لا یقرآن خلف الامام۔
(مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج ۲)۔

ابن ذکوان سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر دونوں امام کے پیچھے
قرأت نہیں کرتے تھے
(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۴)

الجواب اولاً ذکوان ذ کے ساتھ ہے، مصنف میں بھی 'ذ' کے ساتھ ہے مگر انوار صاحب متن اور ترجمہ میں 'ز' کے ساتھ تحریر کرتے ہیں، امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں شکر یہ سے صحیح کر لیں گے۔ ان شاء اللہ۔

ثانیاً ذکوان کے تین بیٹے تھے، سہیل، صالح، اور عباد ان تینوں میں صالح حسن درجہ کا راوی ہے، مسلم اور ترمذی میں فضائل مدینہ پر اس کی ایک روایت ہے۔

دوسرا بیٹا عباد جو عبد اللہ کے نام سے معروف ہے، یہ متکلم فیہ ہے امام علی بن مدینی نے بیچ محض کہا ہے، ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔ (تہذیب ص ۲۶۳ ج ۵)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، لیکن الحدیث ہے۔ (تقریب ص ۱۷۷)

تیسرا بیٹا سہیل ہے اسے امام یحییٰ بن معین نے کذاب اور متعدد اہل علم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ (لسان المیزان ص ۱۲۴ ج ۳ و میزان ص ۲۴۲ ج ۲)

ان تینوں میں سے کون مراد ہے اگر انوار صاحب اس کی وضاحت کریں گے تو ہم ان کے شکر گزار ہوں گے ان شاء اللہ جہاں تک ہم نے غور فکر کیا تو آخری دونوں میں سے کوئی ایک ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ ان سے روایت کرنے والے امام سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں (تفصیل مسئلہ رفع الدین میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آرہی ہے) اور یہاں بھی انہوں نے تدلیس کر کے راوی کا عیب چھپایا ہے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ثالثاً: ابناء ذکوان کا سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ سے سماع ثابت نہیں آئے جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے کہ ابو صالح ذکوان کی بھی بعض صحابہ سے ملاقات اور سماع نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۵۰) الغرض یہ روایت منقطع اور مرسل ہے،

(۴) عن موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت یحدثہ عن جدہ انہ قال من قرأ خلف الامام فلا صلاة له۔

(موطا امام محمد ص ۱۰۰ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱ و مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۷ ج ۲)

حضرت زید بن ثابت کے پوتے موسیٰ بن سعد سے مروی ہے کہ ان کے دادا حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اسکی نماز نہیں ہوئی،

(۵) عن موسیٰ بن سعد عن ابن زید بن ثابت عن ابیہ زید بن ثابت قال من قرأ ورا الامام فلا صلاة له۔

(کتاب القرآۃ للبیہقی ص ۱۸۵)

حضرت موسیٰ بن سعد اپنے والد سے اور وہ اپنے والد حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اسکی نماز نہیں ہوئی۔

(حدیث اور اہل حدیث ۳۳۴)

الجواب اولاً: غور کریں کہ سند میں اضطراب ہے، مگر انوار صاحب بے سوچھے سمجھے دھڑا دھڑا روایات نقل کر رہے ہیں، محترم اگر آپ عقل کے پیچھے لٹھ لیے نہیں پھرتے تو غور کریں، عن موسیٰ بن سعد عن ابن زید بن ثابت عن ابیہ زید بن ثابت، کا جو آپ نے معنی کیا ہے کیا وہ درست ہے، نہیں قطعاً نہیں، سنئے درست معنی یہ ہے، موسیٰ زید کے بیٹے سے اور وہ اپنے والد زید سے روایت کرتا ہے، یہ تو ہوا پہلا طریق دوسرے میں وہ اپنے دادا سے براہ راستہ روایت کرتا ہے تیسرا طریق یہ ہے۔

عن موسیٰ بن سعد عن ابیہ عن زید بن ثابت۔

(کتاب القراءة ص ۱۸۵)

یعنی موسیٰ روایت کرتا ہے سعد سے اور وہ اپنے والد زید سے روایت کرتا ہے،

ظاہر ہے کہ یہ کھلا اضطراب ہے۔

ثانیاً: ان راویوں کا سماع بھی ثابت نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

لا یعرف لهذا الاسناد سماع بعضهم من بعض ولا یصح مثله۔

یعنی اس اثر کی سند کے بعض راویوں کا سماع بعض سے معلوم نہیں، اور اس طرح کی روایت صحیح

نہیں۔ (جزء القراءة و نصب الراية ص ۲۰ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۱۸۶)

ثالثاً: موسیٰ بن سعد کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی۔ (تہذیب ص ۳۴۵ ج ۱۰)

امام بخاری رحمہ اللہ نے (التاریخ لکبیر ص ۲۸۵ ج ۴ ق ۲ میں امام ابو حاتم نے، (الجرح والتعديل ص ۱۲۵ ج ۴ ق ۱) میں اسے ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعديل بیان نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی مستور ہے، حافظ ابن حجر نے، تقریب میں مقبول لکھا ہے، جس کا مطلب ہے متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے، اور یہاں متابعت ثابت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

قول زید بن ثابت من قراء خلف الامام فلا صلاة له منکر لا یصح عنه وقد اجمع

العلماء علی من قرأ خلف الامام فصلاته تامة ولا اعادة عليه۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول کہ جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے اس کی نماز صحیح نہیں منکر ہے، یہ ان سے صحیح ثابت نہیں اور علماء کا اجماع ہے جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے اس کی نماز مکمل ہے اس پر اس کا

لوٹانا ضروری نہیں۔ (الاستذکار ص ۱۹۳ ج ۲)

اکابر علمائے دیوبند بھی فاتحہ پڑھنے سے نماز کے باطل ہونے کا موقف نہیں رکھتے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں۔

لہذا ہرگز تارک قرآۃ خلف الامام کی صلوٰۃ فاسد و ناقص نہ ہوگی جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے،

(سبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل ص ۸۰ ناشر مکتبہ فاروقیہ گو بند گڑھ گوجرانوالہ ۱۹۹۲ء)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں، ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرأت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرأت کی اجازت دیتے ہیں۔

(فاتحہ: الکلام ص ۶۳ مندرجہ احسن الفتاویٰ ص ۳۳۰ ج ۳)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فرمان:

(۱) اخبرنا داؤد بن قیس الفراء المدنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انه ذکر له ان سعدا قال و ددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرة۔

(موطا امام محمد ص ۹۸)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی داؤد بن قیس فرامدی نے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے کسی بیٹے نے ان سے ذکر کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۰)

الجواب اولاً: ولد سعد، کا معنی سعد کا بیٹا نہیں بلکہ آپ کی نسل میں سے کوئی فرد مراد ہے مولانا عبدالحی الکنزوی نے حرف، و، پر ضمه ڈال کر اس طرف اشارہ بھی کیا تھا مگر انوار صاحب نے توجہ نہیں دی، سنئے ولد کا معنی آئمہ لغت نے نسل کا فرد کیا ہے، حدیث میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قبیلہ بنو تمیم کی ایک عورت قید تھی تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

أعتقیها فانها من ولد اسماعیل۔ اسے آزاد کر دے کہ بنی تمیم سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

(بخاری زقم الحدیث ۲۰۴۳ و مسلم رقم الحدیث ۶۴۰۱)

غالباً انوار صاحب اس کا یہ معنی کریں کہ اس عورت کو آزاد کر دے کہ یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون،

ثانیاً: جب یہ ثابت ہو گیا کہ ولد سعد کا معنی آپ کی نسل سے کوئی ایک شخص مراد ہے، سوال پیدا ہوتا ہے یہ شخص کون ہے؟ اس کی تعین فریق ثانی کی طرف سے تا حال نہیں ہوئی، ممکن ہے کہ انوار

صاحب یہ کہہ دیں کہ صحابی کی نسل ثقہ ہی ہوگی، ہم کہتے ہیں کہ انہیں قرآن کی تلاوت سعادت سمجھ کر کرنی چاہیے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ سیدنا نوح علیہ السلام کا بھی ایک بیٹا کافر تھا، علاوہ ازیں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا ہی بیٹا، عمر بن سعد تھا جس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

(میزان ص ۱۹۸ ج ۲ و تہذیب ص ۴۵۱ ج ۷)

عبداللہ بن اسحاق، سیدنا سعد کا پڑپوتا ہے مگر مستور ہے۔ (تقریب ص ۱۸۱)

ایک دوسرا پڑپوتا عثمان بن عبدالرحمن، متروک و کذاب ہے (تقریب ص ۲۳۵)

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالکلی لکھنوی مرحوم نے علامہ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ ہذا

حدیث منقطع لا یصح، یہ حدیث منقطع ہے اور صحیح نہیں ہے (التعلیق المجد ص ۹۹)

(۲) عن ابی نجاد عن سعد قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس

کے منہ میں انگارہ ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۵)

الجواب اولاً: راوی ابی نجاد نہیں بلکہ ابن بجاد ہے، مصنف میں تصحیف ہوئی ہے، دلیل یہ ہے کہ

مصنف کے مطبوعہ نسخہ میں، قیس عن ابی نجاد ہے، حالانکہ صحیح داؤد بن قیس عن ابن بجاد ہے، دیکھئے

(احسن الکلام ص ۳۹۲ و توضیح الکلام ص ۷۲۸ ج ۲)

ثانیاً: امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابن نجاد مجھول ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔ (جزء القراءة

ص ۳۷ مترجم) علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں،

واما ماروی عن سعد بن ابی وقاص انه قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ

جمرة لا یصح ولا نقله ثقہ۔

یعنی سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں

چنگاری ہو، یہ منقطع ہے صحیح نہیں اور کسی ثقہ نے اس کو نقل نہیں کیا۔

(التہذیب ص ۵۰ ج ۱۱)

ثانیاً: صحابہ کرام تابعین عظام اور تبع تابعین، فقہاء و محدثین اور امت کا ایک کثیر حصہ فاتحہ خلف

الامام کا قائل ہے، حتیٰ کہ احتیاطاً پڑھ لینے کو بعض حنفی بھی جائز کہتے ہیں،

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب فرماتے ہیں،

پس جب اس کو اس قدر خصوصیت بالصلوة ہے تو اگر سکتا میں اس کو پڑھ لو تو رخصت ہے اور یہ

قدر قلیل آیات ہیں محل ثنا میں ختم بھی ہو سکتی ہیں۔

(سیبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل ص ۵۶)

سوال یہ ہے کہ کیا ان سب کے منہ میں آگ کی چنگاری کی آپ حضرات خواہش رکھتے ہیں، اوروں کو جانے دیجیے مولانا گنگوہی کے متعلق کچھ ارشاد فرمادیں جو سکتا اور محل ثنا میں پڑھنے کی رخصت دے رہے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان:

(۱) عن ابی حمزۃ قال قلت لابی بن عباس اقرا والامام بین یدی فقال لا۔

(طحاوی ص ۱۰۱ ج ۱)

ابوحزہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا میں اس صورت میں قرأت کر سکتا ہوں کہ امام میرے آگے ہو، آپ نے فرمایا نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۲۳۵)

الجواب اولاً: اسکی سند میں، حماد بن سلمہ، راوی ہیں جو مختلط ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں تغیر حفظہ باخرہ (تقریب ص ۸۲) اور حماد سے روایت کرنے والے عبدالغفار بن داؤد ہیں اور ان کے متعلق جتنی دیر تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ انہوں نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے تب تک اسکی روایت قابل احتجاج اور صحیح نہیں، آئمہ فن مختلط کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ قبل از اختلاط سنا ہے یا بعد از اختلاط تو اسکی روایت مقبول نہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح وغیرہ کتب میں اسکی صراحت ہے، مولانا طلیل احمد سہارنپوری ایک روایت کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ اکابر آئمہ، احمد، بخاری زہلی، ابوداؤد، ابو حاتم، دارقطنی، اشرم، ترمذی وغیرہ نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ اسے مرفوع بیان کرنے میں حماد نے غلطی کی ہے (بذل المجهود ص ۳۰۴ ج ۲) مزید دیکھئے نصب الرایہ ص ۲۸۶ ج ۱) دیوبندی مکتب فکر کے معروف عالم حافظ حبیب اللہ ڈیروی نے (نور الصباح ص ۲۳۵ میں حماد پر جرح کی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: فصل اول میں ہم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ قرأت خلف الامام کا فتویٰ نقل کر چکے ہیں۔

(۲) عن عکرمۃ عن ابن عباس انه قیل له ان ناسا یقرؤن فی الظهر والعصر فقال لو کان

لی علیہم سبیل لقلعت السنتم ان رسول اللہ ﷺ قرأ فکانت قرأته لنا قرأۃ وسکوته لنا سکوتاً۔

(طحاوی ص ۱۴۱ ج ۱)

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ ظہر و عصر میں قرأت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میرا ان پر بس چلے تو میں ان کی زبانیں کھینچ لوں، رسول اللہ ﷺ نے قرأت کی سو آپ کی قرأت ہماری قرأت تھی اور آپ کا سکوت ہمارا سکوت تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۶)

الجواب اس اثر کو امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت پر پیش کرنا جہالت ہی نہیں بلکہ شرارت ہے، کیونکہ مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے بارے سرے سے اس کا کوئی جوڑ نہیں، مگر انوار صاحب شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر پوری بددیانتی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر میرا بس چلے تو میں امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کی زبان ہی کھینچ لوں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴۹)

اثر کے الفاظ پر غور کریں اس میں مطلق ظہر و عصر میں قرأت کے متعلق سوال ہے اور اس سوال کا ہی انہوں نے جواب دیا ہے، امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق نہ سوال ہے اور نہ ہی خلف الامام کے متعلق جواب ہے، بات یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلے یہی موقف تھا کہ ظہر و عصر میں سرے سے قرأت ہی نہیں پھر جب انہیں صحابہ کرام سے اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس موقف سے رجوع کر لیا۔ امام طحاوی نے بھی اس اثر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، چنانچہ انہوں نے پہلے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ

ان سے کسی نے پوچھا کیا ظہر و عصر میں نبی مکرم ﷺ پڑھتے تھے تو انہوں نے کہا نہیں، سائل نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ آہستہ آہستہ پڑھتے ہوں (لعلہ کان یقرافی نفسہ) تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ہی شر من الاولیٰ یہ بات تو پہلی بات سے بھی بڑی ہے، (یہ روایت ابو داؤد کتاب الصلاة باب قدر القراءة فی صلاة الظهر والعصر رقم الحدیث ۸۰۸) میں بھی موجود ہے) اس کے بعد امام طحاوی نے وہ اثر نقل کیا ہے، جسے مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے نقل کیا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فذهب القوم الی هذه الاثار التي رويناها فقلدوا وها وقالوا لانرى ان یقرا احد فی الظهر والعصر البتة۔

یعنی ایک جماعت انہی آثار کی بنا پر اس بات کی قائل ہے کہ ظہر و عصر کی نماز میں قرأت بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ (شرح معانی الاثار ص ۱۴۱ ج ۱)

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی منقول ہے چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ ہیں،

لا ادری اکان رسول اللہ ﷺ يقرأ في الظهر و العصر ام لا۔

یعنی مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے یا نہیں، یہ روایت طحاوی کے علاوہ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۸۰۹) باب مذکورہ میں بھی موجود ہے، امام طحاوی ان دونوں اقوال پر محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

فهذا ابن عباس يخبر في هذا الحديث انه لم يتحقق عنده ان رسول الله ﷺ لم يكن يقرأ فيهما و انما امر بترك القراءة فيما تقدمت روايتنا له عنه لأن رسول الله ﷺ لم يكن يقرأ في ذلك فاذا انتفى ان يكون قد تحقق ذلك عنده عن النبي ﷺ انتفى ما قال من ذلك لان غيره قد تحقق قراءة رسول الله ﷺ فيهما مما سنذكره في موضعه من هذا الباب ان شاء الله تعالى مع ان قد روى عن ابن عباس من راية ما يدل على خلاف ذلك كما حدثنا علي بن شيبه قال ثنا يزيد بن هارون قال انا اسماعيل بن ابي خالد عن العيزار ابن حريث عن ابن عباس قال اقرء خلف الامام بفاتحة الكتاب في الظهر و العصر قال ابو جعفر فهذا ابن عباس قد روى عنه من رايه ان الماموم يقرأ خلف الامام في الظهر و العصر وقد رأينا الامام تحمل عن الماموم ولم نرا الماموم تحمل عن الامام شيئاً فاذا كان الماموم يقرأ فالامام احرى ان يقرأ۔

یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ مجھے تحقیق نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر میں قرأت نہیں کرتے تھے (یا کرتے تھے) اور بلاشبہ انہوں نے قرأت نہ کرنے کا بھی حکم فرمایا جیسا کہ پہلے ہم نے ان سے روایت کیا ہے، پس جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرأت کی نفی کی تھی تو انہیں اس کا یقین نہ تھا، اور جب دوسروں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے تو انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا جیسا کہ ہم ان شاناً اللہ ذکر کریں گے، اس کے ساتھ ساتھ ان سے اس کے خلاف بھی مروی ہے، جیسا کہ ہم سے علی بن شیبہ نے بیان کیا اور وہ بیان کرتے ہیں یزید بن ہارون نے انہیں خبر دی اسماعیل بن ابی خالد سے اور وہ نقل کرتے ہیں عیزار بن حریث سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ ظہر و عصر میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں ان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ظہر و عصر میں امام کے پیچھے (فاتحہ) پڑھے اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام مقتدی کی قرأت کا تو متحمل ہوتا ہے مگر مقتدی امام کی قرأت کا متحمل نہیں ہوتا، پس جب مقتدی پڑھے تو امام زیادہ حقدار ہے کہ وہ ظہر و عصر میں پڑھے۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۴۱ ج ۱ باب القراءة

فی الظهر و العصر)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلے یہی موقف تھا کہ ظہر و عصر میں مطلق قرأت نہیں خواہ امام ہو یا مقتدی پھر انہیں اس میں تردد ہوا بالآخر آپ ظہر و عصر کی نماز میں مقتدی کو بھی قرأت فاتحہ کا حکم دینے لگے، علامہ کاسانی حنفی بھی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے رجوع کر چکے ہیں۔

فقد مح رجوعه عنه فانه روى ان رجلا ساله وقال اقرا خلف امامي فقال امامي صلاة الظهر والعصر فنعيم۔

اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا رجوع صحیح ہے، کیونکہ ان سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں ظہر و عصر کی نماز میں پڑھو۔

(بدائع الصنائع ص ۳۲۰ ج ۱)

مولانا خلیل احمد سمار پوری حنفی دیوبندی ابوداؤد کی شرح میں تحریر کرتے ہیں۔

فالظاهر ان ابن عباس نفى القراءة اولاً لانه لم يعلم بها ثم تردد فى ذلك ثم لما علم بعد ذلك من الصحابة انه صلی اللہ علیہ وسلم كان يقرأ فيها اثبت القراءة وقد حققه الطحاوى بما لا مزيد عليه۔
یعنی ظاہر بات یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلے قرأت کی نفی کرتے تھے کیونکہ انہیں اس کا علم نہ تھا، پھر وہ اس میں متردد رہے پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل معلوم ہوا کہ آپ ظہر و عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے تو آپ قرأت کے قائل ہو گئے، اس مسئلہ کی طحاوی نے خوب تحقیق کی ہے جس پر زیادتی کی گنجائش نہیں۔

(بذل المجہور ص ۴۶ ج ۲)

اس تمام تر تفصیل کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ مذکورہ اثر سے انوار صاحب کا استدلال تحریف معنوی اور لفظی ہے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا قول

(۱) مالك عن ابى نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول من صلى ركعة

لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا وراء الامام۔

(موطا امام مالك ص ۶۶ و ترمذی ص ۷۱)

حضرت امام مالک ابونعیم وهب بن کيسان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز

ہی نہیں پڑھی الایہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۶)

الجواب اولاً انوار صاحب نے حدیث کے معنی میں بددیانتی کی ہے، سنئے اثر کے الفاظ،، من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل، کا معنی ہے، جس کسی نے ایک رکعت بھی نماز پڑھی اور اس میں فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہ پڑھی۔

مولانا سرفراز خان صفدر نے، (احسن الکلام ص ۳۳۱ ج ۱) میں مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبندی نے (فاتحة: الکلام فی القراءة خلف الامام ص ۲۱) میں مولانا عبدالقیوم دیوبندی نے، (توضیح السنن ص ۵۹۹ ج ۱) میں ماسٹر امین نے، (تحقیق مسئلہ قرأت خلف الامام مندرجہ مجموعہ رسائل ص ۷۹ ج ۱) میں یہی معنی کیا ہے مگر انوار صاحب ان تمام کے برعکس یہ معنی کرتے ہیں، جس نے نماز پڑھی انج، بددیانتی اس لئے کی ہے کہ ان الفاظ کا یہ مفاد تھا کہ جس نے نماز کی ایک رکعت میں بھی اگر فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی، اور یہ چیز مبتدعین دیانہ کے بدعی مسلک کے خلاف تھی کیونکہ ان کے نزدیک نماز کی آخری دو رکعت میں سورہ فاتحہ تو کجا سرے سے قرأت ہی واجب نہیں، اگر تھوڑی دیر قیام کر کے رکوع کر لیا تو نماز صحیح ہے (خود انوار صاحب نے صفحہ ۳۳۱ پر اس مسئلہ کے جواز کے لیے ایک مستقل باب باندھا ہے) لیکن اس اثر سے اس موقف کی پرزور تردید ہوتی تھی، جس سے جان چھڑانے کے لیے انوار صاحب نے بددیانتی اور تحریف معنوی کا سہارا لیا ہے، انا لله وانا الیہ راجعون اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ اثر اگر ہمارے خلاف ہے تو خفیوں کے بھی موافق نہیں، فما کان جوابکم فہو جوابنا۔

ثانیاً: فصل اول میں ہم نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے، لہذا یہ اثر جہری نمازوں پر محمول ہے،

(۲) عن عبید اللہ بن مقسم قال سالت جابر بن عبد اللہ اتقراء خلف الامام فی الظہر

والعصر شیاً فقال، لا۔

(مصنف عبدالزاق ص ۱۴۱ ج ۲)

حضرت عبید اللہ بن مقسم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ کیا آپ ظہر و عصر میں امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۷)

الجواب: اولاً کیا نہیں پڑھتے تھے؟ آپ کا دعویٰ ہے کہ قرآن نہیں پڑھتے تھے، ہم کہتے ہیں کہ اثر کے الفاظ، شیاً، کا تو آپ نے خود معنی، کچھ، کیا ہے جس سے علی الاطلاق نفی ہوتی ہے، مگر آپ شخص سے

کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ اثر میں اس کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں، مطلب یہ کہ امام کے پیچھے کچھ بھی نہ پڑھتے تھے، چلو چھٹی ہوئی، تکبیرات انتقال سے، رکوع و سجدات کی تسبیحات سے، تشہد اور درود سے۔

ثانیاً: ہماری پیش کردہ روایات سے ثابت ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے جبکہ زیر بحث اثر کا اگر یہ مقصد تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قرأت نہ کرتے تھے تو تب بھی یہ فاتحہ سے اگلی سورت پر محمول ہے گویا نفی اگلی سورت کی ہے اور ثبوت فاتحہ کا ہے۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فرمان

عن كثير بن مرة عن ابي الدرداء قال قال قام رجل فقال يا رسول الله ﷺ آفي كل صلوة قرآن قال نعم فقال رجل من القوم و جب هذا فقال ابو الدرداء يا كثير وانا الى جنبه لارى الامام اذا ام القوم الا قد كفاهم۔

(طحاوی ص ۱۴۸ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۳۲ ج ۱ و مسند احمد ص ۴۴۸ ج ۶)

حضرت کثیر بن مرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایک صاحب اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر نماز میں قرأت ہے، آپ نے فرمایا ہاں، لوگوں میں سے ایک صاحب بولے کہ پھر تو قرأت واجب ہوگئی، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے کثیر میں اس کے پہلو ہی میں تھا میں نے کہا کہ میرا خیال تو یہی ہے کہ جب امام لوگوں کی امامت کرتا ہے، تو اس کی قرأت ہی لوگوں کو کافی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۸)

الجواب فصل اول میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کرتے تھے، نماز خواہ جہری ہوتی یا سری، ان دونوں آثار کو ملانے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے فاتحہ تو پڑھا کرتے تھے لیکن اگلی سورت نہ پڑھا کرتے۔

تابعین کے اقوال

علقمہ بن قیس:

کتاب الاثار بروایت امام محمد ص ۲۲، حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں قرأت نہیں کی، نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں نہ پہلی رکعتوں نہ پچھلی رکعتوں میں

نہ سورہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورۃ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۸)

الجواب اولاً: امام عبدالرحمن مہدی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (محدثین) ابراہیم کا علقمہ سے سماع کا انکار کرتے تھے (مرا سیل ابن ابی حاتم ص ۹) لہذا یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

ثانیاً: سند میں حماد بن ابی سلیمان راوی ہے جو کہ مختلط ہیں، علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ حماد کی وہی روایت مقبول ہے جو ان کے تلامذہ، شعبہ سفیان ثوری، اور ہشام دستوائی بیان کریں جو ان کے علاوہ ہیں ان کا سماع اختلاط کے بعد کا ہے (مجمع الزوائد ص ۱۱۹ ج ۱) یہی بات امام احمد فرماتے ہیں۔ (تہذیب ص ۱۶ ج ۳)

زیر بحث روایت حماد سے مذکورہ تینوں میں سے کسی ایک نے بھی نقل نہیں کی لہذا روایت ضعیف ہے۔

(۲) موطا امام محمد ص ۹۸، حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت علقمہ بن قیس نے فرمایا کہ میں انگارے منہ میں لے لوں یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ امام کے پیچھے قرأت کروں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۸)

الجواب اولاً: ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ابراہیم کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں لہذا یہ روایت بھی مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے

ثانیاً: سند میں کبیر بن عامر راوی ضعیف ہے۔ (تقریب ص ۴۷)

(۳) مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۹ ج ۲، ابو اسحاق سے مروی ہے کہ حضرت علقمہ بن قیس نے فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس کا منہ بھر دیا جائے ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس کا منہ مٹی سے یا آگ کے انگارے سے بھر دیا جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۹)

الجواب امام ابو حاتم امام ابو زرعد اور امام شعبہ فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع نہیں ہے، خود ابو اسحاق سے کسی نے پوچھا کہ امام شعبہ کہتے ہیں کہ آپ نے علقمہ سے سماع نہیں کیا تو امام ابو اسحاق نے کہا کہ درست کہتے ہیں۔

(مرا سیل ابن ابی حاتم ص ۱۴۵) الغرض یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

عمر بن میمون:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، میں مالک بن عمارہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے بے شمار اصحاب و تلامذہ سے جن میں عمرو بن میمون بھی ہیں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو ان سب نے جواب دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۳۹)

الجواب اس کی سند کا راوی مالک بن عمارہ مجہول ہے، علامہ نیوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں، فیہ مالک بن عمارہ لم اقف من هو، کہ اس میں مالک بن عمارہ ہے جس کا مجھے علم نہیں کہ کون ہے (التعلیق الحسن ص ۱۱۷) علاوہ ازیں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ساری نمازوں میں فاتحہ پڑھتے تھے، لہذا ان کے اپنے عمل کے بالمقابل تلامذہ کا قول مرجوح ہے۔

اسودہ بن یزید:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اسودہ بن یزید نے فرمایا کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے منہ میں آگ کی چنگاری ڈال لوں بجائے اس کے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں جبکہ مجھے علم ہے کہ وہ پڑھتا ہے۔

مصنف عبدالرزاق ص ۱۲۸ ج ۲ حضرت اسودہ بن یزید فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۹، ۳۴۰)

الجواب پہلی روایت میں ابراہیم نخعی اور دوسری روایت، الاعمش، راوی مدلس ہے اور سماع کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے، ہم ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ساری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے، تو کیا شاگرد رشید کا یہ فتویٰ اپنے استاد محترم کے حق میں (معاذ اللہ) صحیح ہے، علاوہ ازیں فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ تو صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا، بعض اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کرتے تھے، تو کیا ان سب کے متعلق انوار صاحب (استغفر اللہ) یہی نظریہ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم اکابر علمائے دیوبند سے مولانا گنگوہی کا ایک فتویٰ بھی پہلے نقل کر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمادیں۔

سوید بن غفلہ:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، ولید بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سوید بن غفلہ سے سوال کیا کہ ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں، فرمایا نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴۰)

الجواب اس سے مراد سورہ فاتحہ سے اگلی سورت کی قرأت مراد ہے، یا امام کے پیچھے بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت پر محمول ہے تاکہ قول تابعی اور احادیث مرفوعہ صحیحہ کے درمیان موافقت ہو جائے۔

سعید بن مسیب:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ امام کے پیچھے بالکل

خاموشی اختیار کرو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۴)

الجواب اثر کے الفاظ ہیں، انصت للامام، امام کے لیے خاموشی اختیار کرو، مگر انوار صاحب اس کا معنی کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے خاموشی اختیار کرو، انا للہ وانا الیہ راجعون محترم جو آپ دعویٰ کر رہے ہیں وہ فضول ہے، اثر میں صرف امام کے لیے خاموشی کا کہا گیا ہے یہ پیش امام کے کلام پر بھی محمول ہو سکتا ہے، خطبہ جمعہ کے لیے بھی امکان ہے، علاوہ ازیں انصت پڑھنے کے منافی نہیں تفصیل گزر چکی ہے علاوہ ازیں سند میں قنادہ مدلس ہے اور روایت بھی معتصیہ قنادہ کی تدلیس کی صراحت مرفوع روایات کے سلسلہ میں کر دی گئی ہے۔

سعید بن جبیر:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، ابو بشر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے؟ فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت نہیں کی جاسکتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱-۳) **الجواب** اولاً: اس کی سند میں ہشیم بن بشیر راوی مدلس ہے، (طبقات المدلسین ص ۴۷) علامہ ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں۔ ہشیم مدلس و قد عرف ان عنعنۃ المدلس قادحۃ فی الصحۃ، یعنی ہشیم مدلس ہے اور یہ بات معروف ہے کہ مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہے۔

(الجوہر النقی ص ۳۳۷ ج ۷)

ثانیاً: اس ضعیف اثر کے بالمقابل ہم صحیح سند کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ سعید بن جبیر جہری و سری میں فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے، لہذا صحیح کے بالمقابل ضعیف ناقابل حجت ہے۔

ابراہیم نخعی:

(۱) (مصنف بن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱) حضرت مغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی امام کے پیچھے قرأت کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ تجھے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۱)

الجواب: ابراہیم سے نقل کرنے والا راوی، مغیرہ بن مقسم ہے، جو مدلس ہے (طبقات المدلسین ص ۴۶) اور سماع کی صراحت نہیں، مغیرہ سے، ہشیم بن بشیر نقل کرتا ہے اور یہ بھی مدلس ہے جیسا کہ اوپر والے اثر میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) موطا امام محمد ص ۹۸ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اول وہ شخص جس نے امام کے پیچھے

قرأت کی وہ ایسا آدمی تھا جس پر بدعتی ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔

الجواب اولاً مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں، ابراہیم نخعی فقہا کوفہ میں سے ہیں۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قرأت خلف الامام شروع کی وہ متہم تھا، ممکن ہے کہ کوئی خارجی یا قدری ہو، اس سے پہلے اہل کوفہ کا عمل عبداللہ بن مسعود کے موافق تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے ابراہیم نخعی کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ اور حجاز میں بھی قرأت خلف الامام کرنے والا مبتدع یا متہم تھا۔

(فاتحة الكلام في القراءة خلف الامام ص ۱۸۱۷، و مندرجہ احسن الفتاوی ص ۱۷۹ ج ۳)
ثانیاً: اگر انوار صاحب کی اس سے تسلی نہیں ہوئی تو پھر سن لیجئے کہ امام محمد خود متہم ہے، امام یحییٰ بن معین اور ابن حبان نے کذاب قرار دیا ہے۔

(ابن عدی ص ۲۱۸۳ ج ۵ ولسان ص ۱۲۲ ج ۵ و المجر و حین ص ۲۷۶ ج ۲)
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ فاسق ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴۱)

الجواب اولاً مصنف کے مطبوعہ نسخہ کے متن میں، شاق، کا لفظ ہے جو بمعنی مخالفت آتا ہے، اثر کا مطلب یہ ہے کہ امام کی مخالفت کرتا ہے، اگر اسے شق سے مشتق تسلیم کیا جائے تو یہ بمعنی مشکل آتا ہے، دریں صورت اثر کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والا مشکل میں مبتلا ہوتا ہے، مگر انوار صاحب اس کا معنی فاسق کرتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ حاشیہ میں نسخہ کا نشان دیکر لکھا ہے، فاسق، یعنی ایک نسخہ میں فاسق کا لفظ ہے، لیکن انوار صاحب نقل تو شاق، کرتے ہیں مگر معنی فاسق کرتے ہیں، ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ تصنیف کی بجائے کسی فاضل سے ترجمہ قرآن ضرور پڑھیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذٰلک بانہم شاقوا اللہ، (الانفال ۱۳) یہ اس لیے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے۔

ثانیاً: اس کی سند میں عبدالملک بن ابی سلیمان راوی مجہول ہے، کتب رجال میں تلاش بسیار کے باوجود ان کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا، دوسرا راوی، اکیل ہے۔ اسے ڈھبی نے (تاریخ الاسلام ص ۳۷۷ ج ۳) میں امام بخاری رحمہ اللہ نے (التاریخ الکبیر ص ۶۵ ج ۲) اور ابو حاتم نے (الجرح والتعدیل ص ۳۳۸ ج ۲) میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ موصوف مستور الحال ہیں، الغرض یہ روایت سنداً سخت ضعیف ہے۔

(۳) الجوہر النقی ص ۱۶۹ ج ۶، حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی بدعت ایجاد کی ہے، اور وہ (صحابہ کرام اور تابعین) امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴۲)

الجواب: اولاً: جوہر الثقی والے نے اس اثر کو ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے مگر ابن ابی شیبہ کو دیکھ لیا گیا ہے اور اس میں یہ اثر نہیں،

ثانیاً: ابن ترکمانی نے جو سند نقل کیا ہے، اس میں، الأعمش، راوی ہے جو زبردست مدلس ہے، امام دارقطنی، نسائی، کرابیسی وغیرہ اہل علم نے اسے مدلس قرار دیا ہے (طبقات المدلسین ص ۳۳) اور یہاں تحدیث کی صراحت نہیں۔

ثالثاً: ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص) الغرض اقوال صحابہ کے لیے یہ اثر مرسل ہے۔

رابعاً: فصل اول میں ہم نے صحابہ کرام تابعین عظام فقہاء و محدثین اور اکابر احناف سے فاتحہ خلف الامام پڑھنا ثابت کر دیا ہے، تو کیا یہ تمام حضرات بدعتی و فاسق اور عقل و علم سے کورے تھے۔
لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

خلاصہ کلام

انوار صاحب قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے، اور نہ ہی قرآن و سنت سے یہ ثابت کر سکے ہیں کہ جو حضرات فاتحہ پڑھتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، اور جو دلائل نقل کئے ہیں وہ تمام کے تمام ضعیف و معلول اور غیر ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ کسی ایک صحابی کا قول پیش نہیں کر سکے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنی چاہئے یا پڑھنے والے کی نماز باطل اور فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ غیر متعلقہ یا شاذ و ضعیف ہے۔

مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی مرحوم فرماتے ہیں۔

لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النہی عن قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام وکل ما ذکر وہ مرفوعاً اما لا اصل له واما لا یصح۔

یعنی کسی بھی مرفوع حدیث صحیح میں قرأت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں آئی، اور جو بھی مرفوعاً ذکر کرتے ہیں یا وہ بے اصل ہے یا وہ صحیح نہیں۔ (التعلیق المجد ص ۹۹)

یہی بات انہوں نے، امام الکلام ص ۲۸۲ میں کہی ہے، ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

فظهر انه لا یوجد معارض لا حدیث تجویذ القراءۃ خلف الامام مرفوعاً

پس ظاہر ہو گیا کہ ان میں کوئی بھی حدیث قرأت خلف الامام کے جواز کی احادیث کے معارضہ و

مقابلہ کی نہیں پائی جاتی۔ (التعلیق المجد ص ۹۹)

(۳۲) باب رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی

فصل اول

(۱) عن ابی قتادة، قال، بينما نحن نصلی مع النبی ﷺ اذ سمع جلبة الرجال فلما صلی قال، ما شانکم؟ قالوا، استعجلنا الی الصلاة، قال، فلا تفعلوا، اذا أتیت الصلاة فعلیکم بالسکينة فما ادرکم فصلوا، وما فاتکم فاتموا۔

سیدنا ابو قتادہ (حارث بن ربیع) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں آپ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنی، نماز کے بعد فرمایا کیا آواز تھی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نماز کے لیے جلدی دوڑ کر آئے تھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا (آئندہ) ایسا نہ کرنا جب تم نماز کے لیے آؤ تو اطمینان اور سہولت کو لازم کر لو جتنی نماز پالواتی (امام کے ساتھ پڑھ لو) اور جتنی نماز جاتی رہے وہ بعد میں پوری کرو۔

بخاری کتاب الاذان باب قول الرجال فاتقنا الصلاة الحديث ۶۳۵ و مسلم کتاب المساجد باب استجاب اتیان الصلاة بوقار و سکينة الحديث ۱۳۶۳

(۲) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلاة وعلیکم بالسکينة والوقار، ولا تسرعوا فما ادرکم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم تکبیر کی آواز سنو تو نماز کے لیے چلتے ہوئے آؤ اور آہستگی اور سہولت کو اپنے اوپر لازم کر لو، دوڑو نہیں، پس جتنی نماز ملے وہ پڑھ لو جو جاتی رہے اس کو پورا کرو۔

(بخاری کتاب الاذان باب لا یسعی الی الصلاة ولیا تھا بالسکينة والوقار، الحديث ۶۳۶)

(۳) عن ابی هريرة قال اذا درکت القوم رکوعا لم تعد بتلك الرکعة۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم جماعت کے ساتھ اس حالت میں شریک ہو کہ وہ رکوع میں ہوں، تو تم اس رکعت کو شمار نہ کرو۔

(جزء القراءة مترجم ص ۱۲۷۰)

(۵۴) قال ابو سعید لا یرکع احدہم حتی یقرأ بام القرآن، قال البخاری وکانت عائشة

تقول ذلك۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی رکوع نہ کرے جب تک ام القرآن نہ

پڑھ لے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

یہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ (جزء القراءة مترجم ص ۷۰)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوگی۔ مرفوع احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز کے لیے آتے ہوئے سکون وقار سے آنا چاہئے، نماز کا جو حصہ جماعت کے ساتھ ملے وہ پڑھ لیا جائے اور جو رہ جائے وہ ادا کیا جائے، مدرک رکوع کا قیام اور قرأت دونوں ہی فوت ہو گئیں لہذا اس رکعت کا اعداد بھی ضروری ہے، قیام تو خود حنفیہ کے نزدیک امام و مقتدی دونوں پر فرض ہے اور سابقہ باب کی احادیث سے مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی ضروری ثابت ہوتا ہے لہذا جب قیام و قرأت اس سے فوت ہو گئے تو اس کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی حکم نبوی وہ اسے ادا کرے گا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آثار سے بھی ثابت ہوا کہ مدرک رکوع کی وہ رکعت نہ ہوگی۔

فصل دوم

(۱) عن الحسن عن ابی بکرۃ انه انتہی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو راکع فرکع قبل ان یصل الصف فذکر ذلك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال زادک اللہ حرصا ولا تعد۔ (بخاری ص ۱۰۸)

حضرت حسن بصری حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس (مسجد نبوی میں) پہنچے تو آپ رکوع میں چاچکے تھے، چنانچہ صف میں ملنے سے قبل ہی وہ رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ چلتے ہوئے صف میں مل گئے) نبی علیہ السلام کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۵۴)

الجواب ولأ: اس حدیث کا جواب باب سابق کی فصل دوم میں حدیث نمبر ۵۵ کے تحت تفصیل سے گزر چکا ہے، وہاں سے ہی دیکھ لیا جائے، دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

ثانیاً: حنفیہ کا اس حدیث سے استدلال تب درست ہے جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع میں ملنے والی رکعت کو شمار کیا تھا اور دوبارہ نہیں پڑھی تھی، اگر اس کا ثبوت نہیں قطعاً نہیں تو پھر یہ حنفیہ کی دلیل کیسے ہوگی۔

ثالثاً: انوار صاحب بہت ہی فضول انسان ہیں کہ جس فعل سے اللہ کے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما رہے ہیں، اسی سے یہ استدلال کر رہے ہیں، نماز میں کلام کرنا منع ہے، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، مگر صحابی نے نماز میں کلام کیا، نماز پوری ہونے پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو مسئلہ سمجھایا کہ نماز،

تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے، ان هذا الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، یعنی یہ نماز انسانوں کی باتوں میں سے کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتی (مسلم رقم الحدیث ۱۱۹۹) باب سابق کی فصل اول میں حدیث نمبر ۷۴ کے تحت ہم یہ مفصل نقل کر چکے ہیں۔ اور خود انوار صاحب نے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۳۰) میں اسے درج کیا ہے، اس حدیث پر غور کیجئے کہ نبی مکرم ﷺ نے صحابی کو مسئلہ تو سمجھایا ہے مگر نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ صحابی کو مسئلہ کا علم نہ تھا، جس کی بنا پر سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کی نماز تو ہو گئی، مگر اب کوئی مسئلہ کو جاننے والا اس حدیث سے استدلال کرے کہ نبی علیہ الصلاة والسلام نے گو نماز میں کلام سے منع کیا ہے مگر نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، ایسے مجتہد صاحب کو آپ کیا جواب دیں گے، جو بھی دیں گے وہی ہماری طرف سے سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سمجھ لینا۔

(۲) عن زید بن وہب قال دخلت انا وابن مسعود المسجد والامام رابع فرکعنا ثم مضینا حتی استوینا بالصف فلما فرغ الامام قمت اقصی فقال قدا درکتہ۔ (معجم طبرانی کبیر ص ۲۷۱ ج ۹)

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تو امام رکوع میں جا چکا تھا، چنانچہ ہم بھی رکوع میں چلے گئے اور آہستہ چلتے چلتے صف میں مل گئے، جب امام فارغ ہوا تو میں اٹھ کر (وہ رکعت) قضا کرنے لگا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ بھئی تم نے وہ رکعت پالی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۵۲)

الجواب اولاً: اثر کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں کہ امام رکوع میں تھا جب ہم مسجد میں داخل ہوئے، فرکعنا، ہم نے بھی بلا توقف رکوع کیا، ثم مضینا حتی استوینا، پھر ہم چلتے چلتے صف میں جا کر شامل ہوئے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی حنفی اس طرح کرنے کے قائل ہیں کہ با وضو ہو کر مسجد میں گئے تو پیش امام رکوع میں تھا تو مسجد میں داخل ہوتے ہی رکوع کر لیا جائے اور پھر صف میں جا کر شامل ہو کر نماز پڑھ لی جائے، اور اسی حالت میں رکوع سے ملنے کو رکعت شمار کیا جائے، یقین جاننے کہ حنفی اس کے قطعاً قائل نہیں، ان کے نزدیک نماز میں پیدل چلنا نماز کو باطل کر دیتا ہے، فقہ حنفی کی تمام متداول کتب میں، فصل فیما یفقد الصلاة، کے تحت اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، مثلاً دیکھئے، مستملی ص ۱۲۰ و فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۳ ج ۱ و ہدایہ مع فتح القدیر ص ۲۸۶ ج ۱ وغیرہ، حتی کہ دیوبندی علماء کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

دیکھئے احسن الفتاویٰ ص ۴۱۴ ج ۳ و فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۵۶ ج ۳) مولانا اشرف علی تھانوی

صاحب فرماتے ہیں، کسی ضرورت کی وجہ سے اگر قبلہ کی طرف ایک آدھ قدم آگے بڑھ گئی یا پیچھے ہٹ آئی لیکن سینہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھرا تو نماز درست ہوگئی لیکن اگر سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ جائے گی تو نماز نہ ہوگی۔ (بہشتی زیور ص ۲۲ حصہ دوم)

مگر زید بن وہب اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما تو مسجد میں داخل ہوتے ہی رکوع میں چلے گئے اور پے در پے چلتے ہوئے صف میں ملے، فقہ حنفی کے فتویٰ کے موافق تو ان کی نماز ہی باطل ہے، مگر انوار خورشید صاحب کتنے بھولے پن سے اسے فقہ حنفی کی تائید میں نقل کرتے ہیں۔

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ صف میں ملنے سے پہلے کی نماز تو باطل ہوئی مگر جب صف میں مل گئے تو وہاں سے ہی نماز کی ابتدا ہوگئی، لہذا یہ ہمارے موافق ہے، راقم عرض کرتا ہے کہ یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اور قیام فرض ہے، اور اس صورت میں یہ دونوں ہی ساقط ہو گئیں، بہر حال یہ اثر خود حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا

ثالثاً: فصل اول میں ہم آثار صحابہ کرام نقل کر چکے ہیں کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہ ہوگی، اور جس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہو، وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے، مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔

رابعاً: اس اثر میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ امام زید بن وہب نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا موقف تسلیم کر لیا تھا، اس میں صرف اتنا ہے کہ سیدنا زید جب رکوع میں ملنے والی رکعت کو دہرانے لگے تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، قد ادرکتہ۔

جس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے وہ رکعت دہرائی تھی، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے موقف کی طرف رجوع نہیں کیا، اگر کرتے تو اس کا ذکر ہوتا، اور امام زید بن وہب جلیل القدر تابعی ہیں۔ جنہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات میں اسلام قبول کیا پھر حضور علیہ السلام کی طرف ہجرت کی، ابھی راستہ میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

(تہذیب ص ۴۶۷ ج ۳)

ایسے جلیل الشان تابعی نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت اٹھائی ہوگی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے خلفائے الراشدین سے ان کی روایات تو صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے رکوع کی رکعت کو دہرانا اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھا تھا۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۳) عن علي و ابن مسعود قالوا من لم يدرك الركعة فلا يعتد بالسجدة

(معجم طبرانی کبیر ص ۲۷۰ ج ۹)

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں نے فرمایا کہ جس نے (امام کو) رکوع (میں) نہ پایا اس کے سجدہ (میں) پانے کا اعتبار نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۴)

الجواب اولاً: اس کی سند میں ہبیر بن یریم راوی متکلم فیہ ہے، امام احمد نے لا باس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں) کہا ہے، امام نسائی نے لیس بالقوی (قوی نہیں) قرار دیا ہے، ابن خراش نے ضعیف اور امام ابن معین نے مجہول کہا ہے اور امام ابو حاتم نے، شبیہ مجہول، کہتے ہیں۔

(تہذیب ص ۱۲۴ ج ۱)

حافظ ابن حجر نے، (تقریب ص ۲۲۳) میں، لا باس بہ، کہا ہے، ایسے راویوں کی روایت متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی، سند میں دوسری خرابی یہ ہے کہ ہبیر سے نقل کرنے والے ابو اسحاق ہیں اور ابو اسحاق سے اسرائیل نے روایت نقل کی ہے، اور باب سابق کی فصل دوم میں روایت نمبر ۵۱ کے جواب میں ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ ابو اسحاق مخلط ہیں اور اسرائیل نے ابو اسحاق سے سماع اختلاط کے دور میں کیا ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: امام طبرانی نے یہ روایت امام عبدالرزاق کی سند سے نقل کی ہے اور، (مصنف عبدالرزاق ص ۲۸۱ ج ۲ رقم الحدیث ۲۳۷۱) میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے۔

عن علی وابن مسعود قالا، من لم یدرک الرکعة الاولى فلا یعتد بالسجدة۔
یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلی رکعت نہ پائی اس کے سجدہ پانے کا بھی اعتبار نہیں۔

اس متن کے موافق اثر کا یہ معنی بنتا ہے کہ اگر دوسری یا تیسری رکعت میں جماعت سے ملا تو اسے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، حالانکہ فریقین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے، الغرض یہ روایت سنداً ضعیف ہے اور متن کے لحاظ سے مضطرب ہے۔

(۳) عن خارجة بن زید بن ثابت ان زید بن ثابت کان یرکع علی عتبة المسجد و وجہہ الی القبلة ثم یمشی معترضاً علی شقه الایمن ثم یعتد بها ان وصل الی الصف اولم یصل۔
(طحاوی ص ۲۷۲ ج ۱)

حضرت خارجه بن زید، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مسجد کی دہلیز میں قدم رکھتے ہی قبلہ رو ہو کر رکوع میں چلے جاتے پھر (بحالت رکوع) دائیں طرف (صف کی طرف) چل

پڑتے اور اس رکوع سے پوری رکعت شمار کرتے چاہے آپ صف تک پہنچتے یا نہ پہنچتے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۰)

الجواب سند میں، عبدالرحمن بن ابی الزناد، راوی ہے جو مدینہ سے چلے جانے کے بعد بغداد میں مخلط ہو گئے (تقریب ص ۲۰۲) جو شخص اس اثر کی صحت کا مدعی ہے وہ ثابت کرے کہ عبدالرحمن سے روایت نقل کرنے والے راوی (ابن ابی مریم) نے ان سے تغیر حفظ سے پہلے سماع کیا ہے۔

ثانیاً: اس اثر میں، طحاوی کا استاذ ابن ابی داؤد ہے اس کی بحوالہ توثیق ثابت کی جائے، تمام متداول کتب رجال اس کے حالات سے خاموش ہیں، اور ایک زمانہ بیت چکا ہے کہ علماء اہل حدیث کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے، دیکھئے البرہان العجیب ص ۳۲؛ مگر تاحال حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب نظر سے نہیں گزرا۔

- ثالثاً: ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ احناف اس طرح صف میں ملنے کے خلاف ہیں لہذا اس اثر کو انوار اصحاب کا اپنے موقف پر پیش کرنا غلط ہے۔

(۵) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا جنتم الى الصلاة و نحن سجدوا فاسجدوا ولا تعتدوا شيئا ومن ادرك الركعة فقد ادرك الصلاة۔

(ابو داؤد ص ۱۲۹ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۲۱۶ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدہ میں جا چکے ہوں تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس رکعت کو شمار نہ کرو البتہ جس نے رکوع پالیا اس نے نماز (کی وہ رکعت) پالی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۰)۔

الجواب اولاً: رکعتہ کا لفظ جب قیام کے بالمقابل آئے تو تب اس کا معنی رکوع ہوتا ہے اور جب سجدہ کے ساتھ آئے تو تب اس کا معنی رکوع سے لیکر سجدہ تک ہوتا ہے، اور جب مطلقاً رکعتہ بولا جائے تو اس سے مراد پوری ایک رکعت ہوتی ہے، اور اسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ زیر بحث حدیث میں، رکعتہ، بمعنی رکوع لینے پر کوئی قرینہ نہیں ہے، لہذا انوار خورشید صاحب کا اس روایت سے استدلال باطل ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، یحییٰ بن ابی سلیمان راوی ہے، امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں، مضطرب الحدیث اور غیر قوی ہے، ابن خذیمہ نے مجہول قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص ۱۲۸ ج ۱۱)

ثالثاً: اس میں انقطاع کا بھی شبہ ہے، جیسا کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے 'جزء القراءة' میں اشارہ کیا ہے کہ یحییٰ بن ابی سلیمان نے زید اور ابن المقبری سے سماع کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس سے حجت قائم ہو سکتی

ہے (جزء القراءۃ ص ۲۶) الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

(۶) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه۔

(صحيح ابن خزيمة ص ۴۵ ج ۳ و صحيح ابن حبان ص ۳۰۲ ج ۴)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کے رکوع میں اٹھنے سے پہلے رکوع کو پالیا اس نے وہ رکعت پالی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۶)

الجواب امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں، یحییٰ بن حمید، راوی مجہول ہے اور اس کی کسی نے متابعت نہیں کی (جزء القراءۃ ص ۹۸) امام ابن یونس اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی صرف یہی ایک حدیث مروی ہے اس کے علاوہ مجھے کسی اور حدیث کا علم نہیں ہوا، امام دارقطنی کا کہنا ہے ضعیف ہے۔

(لسان المیزان ص ۲۵۰ ج ۲ و الکامل ص ۲۶۸ ج ۷)

ثانیاً: امام عقیلی فرماتے ہیں، قبل ان یقیم الامام صلبه، کا جملہ امام زہری کا قول ہے، جسے یحییٰ نے متن حدیث میں داخل کر دیا ہے۔

ثالثاً: یحییٰ نے یہ روایت قرہ بن عبدالرحمن سے نقل کی ہے اسے امام احمد نے سخت منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام یحییٰ نے ضعیف اور ابو حاتم امام نسائی نے، یس بالقوی کہا ہے، امام ابو زرعہ کہتے ہیں کہ مناکیر روایت کرتا ہے، ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس کی احادیث میں نکارت ہے۔

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، اور جماعت محدثین نے یہ حدیث امام زہری سے ان الفاظ سے نقل کی ہے۔

من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة۔

یعنی جس نے رکعت کو پالیا اس نے نماز کو پالیا،

بخاری رقم الحدیث ۵۸۰ و مسلم رقم الحدیث ۱۳۷۱ و تا ۱۳۷۳ و تحفة الاشراف ص ۳۵ ج ۱۱)
ایک جماعت حفاظ کے بالمقابل اس ضعیف و مجہول کی روایت کو پیش کرنا علم و دیانت کے خلاف ہے۔

(۷) مالك انه بلغه ان ابا هريرة كان يقول من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة ومن فاتته

ام القرآن فقد فاتته خير كثير۔

(موطا امام مالك ص ۷)

حضرت امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے تھے کہ جس نے رکوع پالیا اس نے

سجدہ پالیا اور جس سے ام القرآن فوت ہوگئی اس سے خیر کثیر فوت ہوگئی۔

(۸) مالک انہ بلغہ ان عبد اللہ بن عمرو زید بن ثابت کانا یقولان من ادرك الركعة فقد

ادرك السجدة۔

(موطا امام مالک ص ۷)

حضرت امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت دونوں فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے رکوع پالیا اس نے سجدہ بھی پالیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۶)

الجواب یہ اقوال بلا سند ہیں، اور بلا سند اقوال دین میں حجت نہیں ہوتے، امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں، الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔

یعنی اسناد دین میں سے ہے، اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۲)

مولانا سرفراز خان صفدر حنفی دیوبندی ایک مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے الجھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے استدلال میں اس اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔ (احسن الکلام ص ۴۰۳ ج ۱)

ایک نرالی دلیل مولانا انوار خورشید صاحب نے بحوالہ اعلاء السنن ص ۳۰۵ ج ۴ علامہ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۸)

حالانکہ جمہور کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، حنفیہ کی اصول کی تمام متداول کتب میں صراحت ہے کہ اولہ شرعیہ چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس، ان چاروں پر غور کریں، جمہور ان چار اولہ میں آتے ہیں، نہیں قطعاً نہیں، تو پھر اس کا نقل کرنا کہاں تک درست ہے، خاکسار نے، دین الحق ص ۲۵ ج ۲ میں فقہ حنفیہ کے بیس مسائل کی نشان دہی کی ہے جو قرآن و سنت کے علاوہ جمہور امت کے خلاف ہیں۔ ان بیس مسائل کا انوار صاحب جو جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے اس مسئلہ کا سمجھ لینا۔

(۳۳) باب آخری دو رکعتوں میں قرأت

فصل اول

(۱) عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

بخاری کتاب الاذان باب وجوب القراءة للامام والماموم (الحديث ۷۰۶، مسلم کتاب الصلاة باب وجوب القراءة الفاتحة الحديث ۸۷۴)

(۲) عن ابی ہریرة عن النبی ﷺ قال من صلی صلاة لم یقرأ فیها بام القرآن فہی خداج، ثلاثا۔ غیر تمام الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، تین بار یہ ارشاد فرمایا۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب وجوب القراءة الفاتحة الحديث ۸۷۸)

(۳) عن رفاعة بن رافع الزوقی، وكان من اصحاب النبی ﷺ، قال جاء رجل و رسول الله ﷺ جالس فی المسجد، فصل قریباً منه ثم انصرف الی رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ اعد صلاتک فانک لم تصل، قال، فرجع فصلى کنحو مما صلی، ثم انصرف الی رسول الله ﷺ فقال له اعد صلاتک فانک لم تصل، فقال یا رسول الله ﷺ علمنی کیف اصنع؟ قال اذا استقبلت القبلة فکبر ثم اقرأ بام القرآن ثم اقراء بما شئت فاذا رکعت فاجعل راحتیک علی رکتیک و امدد ظهر و مکن لركوعک فاذا رفعت راسک فاقم صلبک حتی ترجع العظام الی مفاصلها و اذا سجدت فمکن لسهوکک فاذا رفعت راسک فاجلس فخذ اليسرى ثم اصنع ذلك فی کل رکعة و سجدة۔

سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ جو اصحاب نبی ﷺ سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آپ کے قریب ہی نماز پڑھی پھر پلٹ کر آپ علیہ السلام کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ لوٹ کر گیا اور پہلے کی طرح ہی نماز پڑھ کر دوبارہ نبی مکرم ﷺ کی طرف پلٹا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے نماز سکھائیے کہ میں کیسے پڑھوں؟، آپ علیہ السلام نے فرمایا

جب تو قبلہ کی طرف (وضو کر کے) متوجہ ہو، تو اللہ اکبر کہہ پھر سورہ فاتحہ پڑھ پھر جو تیرا جی چاہے، جب رکوع کرے تو اپنی دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ، اور اپنی پیٹھ کو پھیلا اور برابر رکھ، اور اپنے رکوع میں فرار پکڑ، جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی کمر کو سیدھا کر حتیٰ کہ تیری تمام ہڈیاں اپنے مقام پر لوٹ جائیں اور جب سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں ٹھہر جا۔ جب سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنی بائیں ران پر (دونوں سجدوں کے درمیان) بیٹھ پھر اسی طرح ہر رکعت کو ادا کر۔

(مسند احمد ص ۳۴۰ ج ۴ واللفظ له، ابو داؤد کتاب الصلاة باب صلاة من یقیم صلبه فی الركوع والسجود، الحدیث ۸۵۹، وجزء القراءة مترجم ص ۶۰)

(۴) عن ابی قتادة ان النبی ﷺ كان یقرأ فی الظهر فی الاولین بام الكتاب و سورتین و فی الرکتین الاخریین بام الكتاب و یسمعن الایة و یطول فی الرکعة الاولی مالا یطیل فی الرکعة الثانیة و هكذا فی العصر و هكذا فی الصبح۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں (ہر ایک رکعت میں) پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے (کبھی) ایک آدھ آیت ہم کو سنا دیتے تھے، اور پہلی رکعت دوسری رکعت سے لمبی پڑھتے اور ایسا ہی عصر اور نماز فجر میں کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب یقرأ فی الاخریین بفاتحة الكتاب، الحدیث ۷۷۶)

(۵) عن قتادة ان النبی ﷺ كان یقرأ فی الرکتین الاولین من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب و سورة و یسمعن الایة احياناً و یقرأ فی الرکتین الاخریین بفاتحة الكتاب۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک سورہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھار ہم کو ایک آدھ آیت سنا بھی دیتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب القراءة فی الظهر والعصر، الحدیث ۱۰۱۳)

(۶) عن رفاعه بن رافع الانصاری قال كان رسول الله ﷺ یقرأ فی الرکتین الاولین بفاتحة الكتاب و سورة و فی الاخریین بفاتحة الكتاب۔

سیدنا رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ ایک مزید) سورہ کی بھی قرأت کرتے جبکہ آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھتے تھے۔

(مسند امام اسحاق بن راہویہ بحوالہ نصب الراية ص ۴۲۳ ج ۱)

(۷) عن عائشة ان النبي ﷺ كان يقرأ في الاخيرين بفاتحة الكتاب۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز کی آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے۔

(المعجم الاوسط ص ۲۰۰ ج ۶ الحدیث ۵۰۳۱)

(۷) عن عائشة ان النبي ﷺ كان يقرأ في الاخيرين بفاتحة الكتاب يعني من الظهر و

العصر۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ظہر و عصر کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی ہی قرأت کرتے تھے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص ۳۷۶ ج ۶ رقم الحدیث ۵۸۰۱)

(۸) عن جابر بن عبدالله قال سنة القراءة في الصلاة ان يقرأ في الاوليين بام القرآن و

سورة و في الاخيرين بام القرآن۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں قرأت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ ایک مزید) سورت کی بھی قرأت کی جائے اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھی جائے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص ۱۱۴ ج ۹ رقم الحدیث ۹۲۴۴)

(۹) عن ابی مالک الاشعری ان النبي ﷺ كان يقرأ في كلهن يعني الاربع من الظهر

والعصر۔

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ ظہر و عصر کی چاروں رکعات میں قرأت کرتے تھے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص ۲۹۱ ج ۳ رقم الحدیث ۳۴۳۷)

(۱۰) عن ابی قتادة ان النبي ﷺ كان يقرأ في الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب و سورة

و في الاخيرين بفاتحة الكتاب۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتے تھے اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۲ ج ۱)

(۱۱) عن ابی عبدالله الصنابحی انه قال قدمت المدينة في خلافة ابی بکر فصليت وراءه

المغرب فقرأ في الركعتين الاوليين بام القرآن و سورة من قصار المفصل ثم قام في الثالثة

فد نوت منه حتى ان يثابى لتكاد ان تمس ثيابه فسمعته قرأ بام القرآن و بهذه الآية، ربنا لا
تزرغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

امام ابی عبداللہ ضاحجی سے روایت ہے کہ میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ آیا
اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں مغرب کی نماز ادا کی، آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ
اور ایک ایک مفصل (چھوٹی سورتوں میں سے) پڑھی، پھر جب تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو
میں ان کے قریب ہو گیا حتیٰ کہ قریب تھا کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں کو چھو جائیں گے میں نے سنا
کہ وہ (تیسری رکعت میں) سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔

ربنا لا تزرغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

(موطا امام مالك ص ۶۳ باب القراءة في المغرب والعشاء، و بيهقي ص ۶۴ ج ۲)

(۱۲) عن عبد الله بن حكيم قال صليت خلف ابى بكر المغرب فلما قعد فى الركعة
الثانية كان على الجمر حتى قام فقرأ فاتحة الكتاب، ثم قال، ربنا لا تزرغ قلوبنا بعد اذ
هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

(آل عمران ۸)۔

امام عبداللہ بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں مغرب کی نماز
پڑھی، جب آپ دوسری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے تو ایسے بیٹھے جیسے جلتے کوٹلا پر بیٹھے ہوں، یہاں
تک کہ آپ کھڑے ہوئے تو سورہ فاتحہ کی قرأت کی پھر ربنا لا تزرغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب
لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب، کی تلاوت کی۔

(شعيب الايمان للبيهقي ص ۵۰۷ ج رقم الحديث ۸۶۵)

(۱۳) حدثنا ابو بكر قال حدثنا عبدالالا على عن عمه عن الزهري عن عبيدالله بن ابي رافع عن
على انه كان يقول يقرأ الامام و من خلفه فى الظهر و العصر فى الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب
و سورة و فى الاخرين بفاتحة الكتاب۔

امام عبداللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظہر و عصر کی پہلی دو
رکعتوں میں امام اور مقتدی دونوں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک ایک سورت کی بھی قرأت کریں اور آخری دو
رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کریں۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص ۳۷۱ ج ۱ و كتاب القراءة ص ۷۴)

(۱۴) اخبرنا يعقوب ثنا المعلى عن يزيد بن زريع عن معمر عن الزهري عن عبيد الله بن
ابى رافع عن على انه كان يقرأ خلف الامام فى الظهر و العصر فى الركعتين

الاولین بفاتحة الكتاب و سورة و فی الرکتین الاخرین بفاتحة الكتاب۔
امام عبید اللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حکم فرمایا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ) ایک ایک سورت بھی پڑھی جائے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرے۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۱۶۸ ج ۲ و کتاب القراءة ص ۷۴)

(۱۵) عن عثمان بن سعيد سمع عبید اللہ بن عمرو عن اسحاق بن راشد عن الزهري عن عبید اللہ بن ابی رافع مولى بنی هاشم حدثه عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اذا لم يجهر الامام فی الصلوات فاقرأ بام الكتاب و سورة اخرى فی الاولین من الظهر والعصر، و بفاتحة الكتاب فی الاخرین من الظهر والعصر و فی الاخرة من المغرب و فی الاخرین من العشاء۔

امام عبید اللہ بن ابی رافع سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جن نمازوں میں امام بلند آواز سے قرأت نہ کرے تو ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کی بھی قرأت کرے، جبکہ ظہر و عصر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرے۔

(جزء القراءة للبخاری مترجم ص ۱۷)

(۱۶) اخبرنا ابو عبد الله الحافظ انبا ابو بكر بن اسحاق الفقيه انبا عبد الله بن محمد انبا اسحاق بن ابراهيم انبا يزيد ابن هارون انبا سفیان بن حسين عن الزهري عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی و عن مولى لهم عن جابر قال لا يقرأ الامام و من خلفه فی الاولین بفاتحة و سورة و فی الاخرین بفاتحة الكتاب۔

امام عبداللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ دونوں کا کہنا ہے کہ امام و مقتدی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ) ایک ایک سورت کی قرأت کرے اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کریں۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۱۶۸ ج ۲ و اللفظ له و مستدرک حاکم ص ۲۳۹ ج ۱ و سنن دار قطنی ص ۳۲۲ ج ۱)

(۱۷) حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن ايوب عن ابن سيرين قال، كانوا يقرؤون فی الظهر والعصر فی الرکتین الاولین بفاتحة الكتاب و ما تيسر و فی الاخرین بفاتحة الكتاب۔

امام محمد بن سيرين (تابعی) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتے تھے اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۲ ج ۲ رقم الحديث ۲۶۷۱)

(۱۸) حدثنا حفص عن اشعب عن ابن سيرين قال كانوا يقولون اقرؤ في الاولين بفاتحة الكتاب و سورة و في الاخرة بفاتحة الكتاب۔

امام محمد بن سيرین (تابعی) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت پڑھا کرو اور آخری (رکعتوں) میں صرف سورہ فاتحہ کی ہی قرأت کیا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۱ ج ۱)

(۱۹) عن ذکوان ان عائشة كانت تقرأ في الاخرين بفاتحة الكتاب۔

امام ذکوان (تابعی) سے روایت ہے کہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (نماز کی) آخری دو رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتی تھیں۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۱ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۶۳)

(۲۰) عن محمد عن عائشة انها كانت تقرأ في صلوة النهار في الركعتين الاولين بفاتحة الكتاب و سورة و في الاخرين بفاتحة الكتاب۔

امام محمد (بن ابی بکر صدیق القرشی المدنی) فرماتے ہیں کہ (میری بہن) ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دن کی نمازوں کی پہلی رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتی اور آخری رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۲ ج ۱)

(۲۱) عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذ صلى وحده يقرأ في الاربع جميعا في كل ركعة بام القرآن و سورة من القرآن وكان احيانا يقرأ بالسورتين و الثلث في الركعة الواحدة من صلوة الفريضة و يقرأ في الركعتين من المغرب كذلك بام القرآن و سورة سورة۔ امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز اکیلے پڑھتے تو چاروں رکعتوں میں ہی سورت فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتے تھے، اور کبھی کبھار فرض نماز کی ایک ہی رکعت میں دو دو تین تین سورتوں کی قرأت کرتے تھے، اور مغرب کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت پڑھتے تھے۔

(موطا امام مالک ص ۶۳ باب القراءة في المغرب والعشاء)

(۲۲) عن جابر بن عبد الله قال كنا نقرأ في الظهر والعصر خلف الامام في الركعتين الاولين بفاتحة الكتاب و سورة و في الاخرين بفاتحة الكتاب۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اور ایک سورت کی قرأت کرتے ہیں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

(ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوة باب القراءة خلف الامام، الحدیث ۸۴۳) و بیہقی ص ۱۷۰ ج ۲)

(۲۳) عن عبيد الله بن مقسم قال سألت جابر بن عبد الله قال، اما انا فاقرا في الركعتين الاوليين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب و سورة وفي الاخرين بفاتحة الكتاب۔
امام عبید اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے (قرأت نماز کے متعلق) سوال کیا تو انہوں نے کہا میں ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کی قرأت کرتا ہوں جبکہ آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۱ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۶۱)

(۲۴) عن خالد بن معدان ان ابا الدرداء كان يقول اقرافي الركعتين من الظهر والعصر والعشاء الاخرة في كل ركعة بام القرآن و سورة و في الركعة الاخرة من المغرب بام القرآن۔

خالد بن معدان سے روایت ہے کہ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ہیں کہ ظہر و عصر اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور مزید ایک ایک سورہ کی قرأت کرو جبکہ سورہ فاتحہ ہر رکعت میں پڑھو اور مغرب کی آخری رکعت میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۲ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۶۴)

(۲۵) ان ابا الدرداء كان يقول اقرؤا في الركعتين الاوليين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب و سورة و في الاخرين بفاتحة الكتاب و في الركعة الاخرة من صلوة المغرب و في الاخرين من العشاء بام الكتاب۔

ترجمہ اوپر گزر چکا ہے

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۰ ج ۱)

(۲۶) عن العيزار ابن حريث قال سمعت ابن عباس يقول لا تصلين صلاة حتى تقرأ بفاتحة الكتاب في كل ركعة۔

امام عیزار بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نہ نماز پڑھی جائے یہاں تک کہ اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۴ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۲۸)

(۲۷) عن عبد الرحمن الاعرج انه سمع ابا سعيد الخدري قرأ بام القرآن في كل ركعة۔
امام عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۳ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۲۴)

(۲۸) عن ابی امیة الاسدی قال قال عبادة بن الصامت اقرأ بام القرآن فی کل رکعة۔
امام ابو امیہ اسدی کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نماز کی ہر ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۴ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۲۷)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار آپ کے سامنے ہیں، ان سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

اولاً: سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ثانیاً جس صحابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی تھی اسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔
خود اللہ کے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے، بلکہ روایت نمبر ۱۷، ۱۸ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

قارئین کرام ہم نے تابعین کے اقوال کو عمداً چھوڑ دیا ہے، ورنہ اس پر بیسیوں اکابر تابعین کے فتاویٰ ہم پیش کر سکتے ہیں، ہم اپنے دین و ایمان کی ٹھکنی کی بنا پر پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ کسی حدیث صحیح مرفوعہ تو کجا حسن حدیث سے بھی آخری رکعتوں میں قرأت کی بجائے تسبیحات کہنا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، ایسا ہی کسی صحابی رسول سے یہ فتویٰ بسند صحیح ثابت نہیں ہے، حنفیہ کا مؤقف صرف ابراہیم نخعی سے ثابت ہے، بھلا ان صحیح صریح اور مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام کے بالمقابل ابراہیم نخعی کے قول کی حیثیت ہی کیا ہے۔ بلاشبہ وہ ہمارے اسلاف میں سے ہیں مگر دین میں حجت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ابراہیم نخعی کے بیسیوں مسائل سے اختلاف کیا ہے، تفصیل کے لیے، (اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات ص ۴۱۴ ج ۱) کی مراجعت کریں۔

فصل دوم

انوار خورشید کی عیارانہ جیاں:

(۵ تا ۱) مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے، صفحہ ۳۶۱ تا ۳۶۳ پر پانچ مرفوع احادیث نقل کی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ اگلی سورت بھی پڑھتے تھے جبکہ آخری دو رکعت میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے، ایک حدیث اس مفہوم کی بھی نقل کی ہے کہ آخری دو رکعتوں

کو پہلی رکعتوں کی نسبت ہلکی پڑھتے تھے، ان احادیث کا یہ قطعاً مفاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخری دو رکعتوں میں قرأت نہ کرتے تھے، جیسا کہ حنفیہ کا موقف ہے بلکہ ان احادیث سے تو حنفیہ کا رد ہوتا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں جیسا کہ ہم فصل اول میں وضاحت کر چکے ہیں، مگر انوار خورشید صاحب نے اپنے حواریوں میں واہ کروانے اور میں مار خان کہلانے کے لیے یہ چال چلی ہے ان احادیث کو نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی نے فرض نماز کی دوسری یا ایک رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی خاموش کھڑا رہا یا سورہ فاتحہ کی جگہ تسبیح کہہ لی تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۶)

قارئین کرام ہم فصل اول میں یہ تمام احادیث نقل کر چکے ہیں، ان کو مکرر ملاحظہ کیجئے اور غور کیجئے کہ کن الفاظ کا یہ مفہوم ہے جو انوار صاحب بیان کر رہے ہیں، یقین جانیے یہ بددیانتی اور الفاظ حدیث میں تحریف معنوی ہے، کوئی دیوبندی ان احادیث سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ جو انوار صاحب دعویٰ کر رہے ہیں، اس نادان دل میں یہ بات کون ڈالے کہ ان احادیث میں تو صاف الفاظ میں وضاحت ہے کہ آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے، مگر دیوبندیوں کا یہ بقلم خود محقق ان سے فاتحہ نہ پڑھنے کا استدلال کر رہا ہے، انوار صاحب کا یہ استدلال بالکل یہودی طریق فکر کا آئینہ دار ہے، اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔

(۲) عن ابراهيم ان ابن مسعود كان لا يقرأ خلف الامام وكان ابراهيم يا خذبه وكان ابن مسعود اذا كان اماماً قرأ في الركعتين الاوليين ولا يقرأ في الاخرين بشئى۔

(معجم طبرانی کبیر ص ۲۶۳ ج ۹)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے، ابراہیم نخعی خود بھی اسی پر عمل کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب امام بنتے تھے تو صرف پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرتے تھے دوسری رکعتوں میں نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۴)

الجواب اولاً ابراہیم نخعی کا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع و ملاقات نہیں ہے، حیشی اس اثر کے تحت فرماتے ہیں۔

وابراهيم لم يدرك ابن مسعود، یعنی اس کی سند میں ابراہیم نخعی ہے جس نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ص ۱۱۱ ج ۲ و فی نسخة الاخری ص ۱۱۴ ج ۲)

الغرض یہ روایت منقطع ہے۔

ثانیاً: اس کے برعکس سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن ابن سیرین أن ابن مسعود كان يقرأ في الظهر و العصر في الركعتين الاوليين بفاتحة

الكتاب و سورة في كل ركعة و في الاخرين بفاتحة الكتاب۔

امام ابنسیرین فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ظہر و عصر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک مزید سورہ کی بھی قرأت کرتے تھے اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

(معجم طبرانی کبیر ص ۲۶۳ ج ۹ رقم الحدیث ۹۳۰۶ و ابن ابی شیبہ ص ۳۷۰ ج ۱)

ہیشمی فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ابن سیرین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ص ۱۱۷ ج ۲)

انوار صاحب وضاحت کریں کہ انہوں نے اس روایت کی بجائے پہلی روایت کو کس دلیل سے راجح قرار دیکر درج کیا ہے؟ اگر یہ منقطع ہے تو پہلی بھی منقطع ہے، لیکن انوار صاحب کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں،

سنئے پڑھنے کی روایت راجح ہے کیونکہ یہ مرفوع اجادیت کے موافق ہے علاوہ ازیں پڑھنے کی روایت کے راوی ثقہ ہیں جبکہ نہ پڑھنے کی روایت ضعیف ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سند میں، حماد بن سلمہ، مخلط ہے۔ (تقریب ص ۸۲)

دلائل سے ثابت کیا جائے کہ حماد سے روایت کرنے والے راوی، حجاج بن منہال نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے، اگر یہ ثابت نہ ہو تو مخلط کی ایسی روایات ضعیف قرار پاتی ہیں دوسری خرابی اس سند میں یہ ہے کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت حماد بن ابی سلیمان سے نقل کی ہے اور حماد بن ابی سلیمان بھی مخلط ہے، ہیشمی فرماتے ہیں۔

لا يقبل من حديث حماد الامارواه عنه القدماء شعبة وسفيان الثوري والد ستواني و من عدا هؤلاء روا عنه بعد الاختلاط۔

یعنی حماد بن ابی سلیمان کی صرف وہی حدیث قبول کی جائے گی جو ان سے ان کے قدام تلامذہ روایت کرتے ہوں مثلاً امام شعبہ امام سفیان ثوری اور امام دستوائی، ان کے علاوہ جو راوی روایت کرتے ہیں وہ اختلاط کے بعد روایت کرتے ہیں۔

(مجمع الزوائد ص ۱۲۴ ج ۱)

علامہ ہیشمی کی اس صراحت سے ثابت ہوا کہ حماد بن ابی سلیمان سے حماد بن سلمہ کا سماع اختلاط

کے دور کا ہے الغرض یہ روایت ضعیف ہے اور آخری رکعتوں میں قرأت کرنے کی روایت گو منقطع ہے مگر سلسلہ سند صحیح ہے لہذا قرأت کرنے والی رائج ہے۔

(۷) عن عبید اللہ بن ابی رافع قال کان یعنی علیاً یقرأ فی الاولین من الظهر والعصر

بام القرآن و سورة ولا یقرأ فی الاخرین

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۰ ج ۲)

حضرت عبید اللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۴)

الجواب اس روایت میں، اختصار ہے، جبکہ مفصل روایت میں، آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام عبدالرزاق نے یہ روایت، عن معمر عن الزہری عن عبید اللہ بن ابی رافع، کی سند سے نقل کی ہے، جبکہ امام معمر سے، امام عبدالاعلیٰ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۰ ج ۱) امام یزید بن زریج (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۶۸ ج ۲) امام اسحاق بن راشد (جزء القراءة مترجم ص ۱۷) ایسے ہی امام معمر کے ہم سبق امام سفیان بن حسین بھی امام زہری سے یہ روایت نقل کرتے ہیں (بیہقی ص ۱۶۸ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۲۲ ج ۱) ان سب میں آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، اور الحدیث یفسر بعضہ لبعض، کے اصول کے ماتحت عبدالرزاق کی روایت میں اختصار ہے۔

خود امام زہری کا قول بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے جو امام عبدالرزاق نے اس اثر کے تحت ہی نقل کیا ہے کہ۔

قال الزہری و کان جابر بن عبد اللہ یقرأ فی الرکتین الاولین من الظهر والعصر بام

القرآن و سورة و فی الاخرین بام القرآن، قال الزہری والقوم یقتدون بامامہم۔

یعنی امام زہری فرماتے ہیں کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید ایک سورہ بھی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے امام زہری فرماتے ہیں لوگ اپنے اماموں کی قرأت کی پیروی کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۰ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۵۶)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس روایت میں اختصار ہے، مولانا عثمی نے بھی مصنف کے حاشیہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پڑھنے والی روایات ہم سابقہ فصل میں مفصل درج کر چکے ہیں۔

(۸) عن ابی اسحاق عن علی و عبد اللہ انہما قالوا افرأ فی الاولین و سبح فی الاخرین۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۲ ج ۱)

ابو اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں نے فرمایا کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کر اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کہہ لے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۵)

الجواب یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ ابو اسحاق کا سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ ابو اسحاق سے روایت کرنے والا، شریک بن عبداللہ نخعی کوئی ہے، اور یہ مختلط ہے (تقریب ص ۱۳۵) اور ابن حبان نے صراحت کی ہے کہ یزید بن ہارون اور اسحاق ازرق کے علاوہ باقی راویوں نے شریک سے آخری دو رکعتوں میں سماع کو فہم میں کیا ہے، جس میں کثرت سے اوہام ہیں۔ (ثقات

ابن حبان ص ۴۴۴ ج ۶)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۹) عن علی قال یسیح و یکبر فی الاخرین تسبیحتین۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۶۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخری دو رکعتوں میں (نمازی) تسبیح و تکبیر کہہ لے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۵)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے، تسبیحتین، کے لفظ کا معنی چھوڑ دیا ہے، ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ دو تسبیحات کہہ کر رکوع میں جا سکتا ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک تین تسبیحات کی مقدار میں آخری دو رکعتوں کا قیام فرض ہے (مستملی ص ۲۷۷) مگر مذکورہ اثر میں دو تسبیحات کا ذکر ہے، جس سے لازم آیا کہ حنفیہ کے مطلوب قیام سے یہ ۳۳ فیصد کم ہے، ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فرض میں نقص آنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ خود حنفیہ کے نزدیک بھی اثر علی رضی اللہ عنہ قابل قبول نہیں، اس حقیقت پر مٹی ڈالنے کے لیے انوار صاحب نے یہ چال چلی بلکہ بددیانتی کی کہ مخالف الفاظ کا معنی ہی ہضم کر گئے آخر کہنہ مشفق مصنف ہیں۔ اپنی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہیں، لیکن ہم اس سفید ریش مصنف کو ناصحانہ مشورہ دیتے ہیں کہ حنفیت کا دفاع ضرور کریں غلط بیانی اور بددیانتی کو ترک کر دیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں، حارث الاعور، راوی رافضی ہے جو احادیث میں ضعیف ہے امام شعبہ نے کذاب تک کہا ہے (تقریب ص ۶۰) الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہونے کے علاوہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

(۱۰) عن ابراہیم قال ما قرأ علقمة فی الرکعتین الاخرین حرفاً قط۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۱ ج ۲)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہ آخری دو رکعتوں میں کوئی حرف بھی نہیں پڑھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۵)

الجواب ابراہیم نخعی مدلس ہے جیسا کہ امام حاکم نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۲۸) جبکہ اس اثر کو نقل کرنے میں ابراہیم نے سماعت کی صراحت نہیں کی۔ ابراہیم سے روایت کو نقل کرنے والے، حماد بن ابی سلیمان راوی مخطط ہے اور فصل ہذا کی روایت نمبر ۶ میں ہم صراحت کر چکے ہیں کہ صرف امام شعبہ وغیرہ نے ہی ان سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے باقی نے حالت اختلاط میں ان سے روایات لی ہیں، جبکہ زیر بحث روایت میں ان سے روایت کرنے والے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں جو قدیم السماع نہیں علاوہ ازیں خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بھی ضعیف اور سنی الحفظ ہیں تفصیل مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت ابراہیم کی تدلیس، حماد کے اختلاط اور امام ابو حنیفہ کے سنی الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۱) عن ابراہیم قال اقرأ فی الاولین بفاتحة الكتاب و سورة و فی الاخرین سبح۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۱ ج ۲)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ تو پہلی دو رکعتوں میں تو سورہ فاتحہ اور دوسری سورت دونوں پڑھ، اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کہہ لے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۵)

الجواب سند میں گو کلام ہے مگر ہم کہتے ہیں ابراہیم نخعی کا واقعی یہی مذہب و مسلک اور تحقیق تھی کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت کی بجائے تسبیح ہے، مگر یہ ایک صغیر تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بالمقابل حجت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب کوئی ایک مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت نہیں، جو آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نقل کیے ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں، یا پھر ان میں اختصار ہے، ہاں صرف ابراہیم نخعی کا قول حنفیہ کے مؤید ہے مگر اس سے بھی آخری دو رکعتوں میں قرأت کی ممانعت و حرمت ثابت نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود انوار صاحب فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے فرض نماز کی دوسری دو یا ایک رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی خاموش کھڑا رہا یا سورہ فاتحہ کی جگہ تسبیح کہہ لی تو بھی اسکی نماز ہو جائے گی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول و عمل سے یہ بات ظاہر ہے، اور دور صحابہ کے مفتی حضرت ابراہیم نخعی کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۶)

پہلے خورشید صاحب کے دلائل پڑھیے پھر اس تحریر پر غور کیجئے کہ مولانا صاحب نے کتنا کھلا اور واضح مغالطہ دیا ہے، کس حدیث کا یہ معنی ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت کی بجائے تسبیح و تکبیر اور

خاموش کھڑے رہنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے؟ یقین جائیے کہ انوار صاحب نے کوئی ایسی حدیث نقل نہیں کی اور نہ ہی کر سکتے ہیں، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ضعیف ہونے کے علاوہ ان کے ایک صحیح مرسل قول کے خلاف بھی ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک قول میں اختصار ہے باقی ضعیف ہیں، ابراہیم نخعی کا قول ثابت ہے مگر یہ تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ہمیں جب کوئی حدیث صحیح الاسناد مل جاتی ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کے اقوال ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرتے ہیں، اور ان کے دائرہ سے باہر نہیں نکلتے البتہ جب معاملہ تابعین کا آتا ہے تو ان سے مزاحمت کرتے ہیں۔

(الجواهر المضية ص ۲۵۰ ج ۲)

واما اذا انتهی الامر الی ابراہیم والشعبي والحسن و عطاء فاجتهد كما اجتهدوا۔
یعنی جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح (وغیرہ تابعین) کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی کرتا ہوں۔

(مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۲۰)

دیکھا آپ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان تابعین کے فتاویٰ کو اجتہاد کہہ کر قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، مگر انوار صاحب ابراہیم نخعی کو، دور صحابہ کے مفتی، کا لقب دیکر پوری امت مرحومہ کو قرآن و سنت اور آثار صحابہ چھڑانے کا درس دیتے ہیں، پھر مزید اپنی طرف سے حک و اضافہ کرتے ہوئے، خاموش کھڑے رہنا، کو اپنی طرف سے داہل کرتے ہیں، یہ قرآن و سنت کی واضح نصوص کے بالمقابل قیاس باطل اور شریعت سازی ہے۔

(۳۲) باب اونچی آواز سے آمین کہنا فصل اول

(۱) عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا امن الامام فامنوا، فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کرگئی اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(بخاری کتاب الاذان باب جهر الامام بالتامين، الحديث ۷۸۰، و مسلم كتاب الصلاة باب التسميع والتحميد والتامين، الحديث ۹۱۵)

(۲) عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا امن القارى فامنوا فان الملائكة تومن فمن وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بلاشبہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، بس جس کی آمین فرشتوں سے موافق ہوگئی اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب التامين، الحديث ۶۴۰۲)

(۳) حدثنا محمد بن كثير اخبرنا سفيان عن سلمة عن حجر ابى العباس الحضرمي عن وائل بن حجر قال كان رسول الله ﷺ اذا قراء ولا الضالين قال، آمين ورفع بها صوتہ۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب، ولا الضالين، پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب التامين وراء الامام، الحديث ۹۳۲ و دارمی ص ۳۱۵ ج ۱)

(۴) حدثنا ابو عبد الرحمن السلمی انبا احمد بن محمد بن عبدوس الطرئفی ثنا معاذ بن جبل بن نجدة ثنا خلاد بن يحيى انبا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن العباس عن وائل بن حجر قال كان النبی ﷺ اذا قال آمين رفع بها صوتہ۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ جب آمین کہتے تو بلند آواز سے کہتے تھے۔

(بيهقي ص ۵۷ ج ۲)

(۵) حدثني يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابن زنجويه حدثنا الفريابي ثنا سفيان عن

سلمة بن کھیل عن حجر عن وائل بن حجر سمع النبي ﷺ يرفع صوته بآمين اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ جب، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہتے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص ۳۲۴ ج ۱ کتاب الصلاة باب التامین فی الصلاة بعد فاتحة الكتاب والجهر بها)

(۲) حدثنا مخلد بن خالد الشعيري حدثنا ابن نمير حدثنا علي بن صالح عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر انه صلى خلف رسول الله ﷺ فجهر بآمين وسلم عن يمينه و عن شماله حتى رايت بياض خده۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتد میں نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے بلند آواز سے آمین کہی اور دائیں بائیں سلام پھیرا حتیٰ کہ میں نے آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب التامین وراء الامام، الحدیث ۹۳۳)

(۷) قال ابو عيسى حدثنا ابو بكر محمد بن ابان حدثنا عبدالله بن نمير حدثنا العلاء بن صالح الاسدي عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر عن النبي ﷺ نحو حديث سفيان عن سلمة بن كهيل۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاة باب ما جاء فی التامین، الحدیث ۲۴۹)

(۸) حدثنا بندار (محمد بن بشار) حدثنا يحيى بن سعيد و عبدالرحمن بن مهدي قالا حدثنا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين وقال آمين ومدبها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، پڑھا تو آمین کہی اور آواز کو بلند کیا۔

(ترمذی کتاب الصلاة باب ما جاء فی التامین، الحدیث ۲۴۸)

(۹) حدثنا عبدالله حدثني ابي ثنا وكيع ثنا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت النبي ﷺ قرأ، ولا الضالين، فقال آمين بمدبها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ نے، ولا الضالین پڑھنے (کے بعد) آمین کو بلند آواز سے کہا۔

(مسند احمد ص ۳۱۶ ج ۴)

(۱۰) حدثنا عبدالله بن ابي داؤد السجستاني حدثنا عبدالله بن سعيد الكندري ثنا وكيع

والمحاربى قالانا سفیان عن سلمة بن كهيل عن حجر ابى العنيس وهو ابن عنيس عن وائل بن حجر قال سمعت النبي ﷺ اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال آمين يمد بها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

(سنن دار قطنی ص ۳۳۳ و ۳۳۴ ج ۱)

(۱۱) اخیرنا ابو عبدالله الحافظ حدثني علي بن حمشاد ثنا يزيد بن عبيد بن ابراهيم بن ابى الليث ثنا الاشجعي عن سفیان فذكر باسناد مثله وقال: زایت رسول الله عليه وسلم لما قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال آمين، يمد بها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہتے تو آمین کہتے (اور) آواز کو بلند کرتے تھے۔

(بیہقی ص ۵۷ ج ۲ کتاب الصلاة باب جهر الامام بالتأمين)

(۱۲) اخیرنا عبدالله بن محمد الازدی قال حدثنا اسحاق بن ابراهيم قال اخبرنا وهب بن جرير و عبد الصمد قالالا شعبة عن سلمة بن كهيل قال سمعت حجراً ابا العنيس يقول حدثني علقمة بن وائل عن وائل بن حجر انه صل مع رسول الله ﷺ قال فوضع اليد اليمنى على اليد اليسرى فلما قال ولا الضالين، قال، آمين، وسلم عن يمينه و عن يساره۔

امام شعبہ اپنی سند سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھا اور جب آپ علیہ التحیۃ والسلام نے، ولا الضالین، کہا تو آمین کہا، اور (آخر میں) دائیں بائیں سلام پھیرا۔ (صحیح

ابن حبان رقم الحدیث ۱۸۰۲)

(۱۳) اخیرنا ابو عبدالله الحافظ في الفوائد الكبير لابی العباس وفي حديث شعبة ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا ابراهيم بن مرزوق البصرى ثنا ابو الوليد ثنا شعبة عن سلمة بن كهيل قال سمعت حجراً ابا العنيس يحدث عن وائل (بن حجر) الحضرمي انه صلى خلف النبي ﷺ فلما قال ولا الضالين، قال آمين رافعا بها صوته۔

امام شعبہ، سلمہ بن کہیل کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی جب ولا الضالین کہا تو آمین کو بلند آواز سے کہا۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۵۷ ج ۱)

امام بیہقی نے، معرفۃ السنن والاثر، میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(نصب الراية ص ۳۶۹ ج ۱)

(۱۳) حدثنا ابن نمير عن العلاء بن صالح عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عبيس عن وائل بن حجر انه صلى خلف النبي ﷺ فلما قرأ فاتحة الكتاب جهر بآمين قال وسلم عن يمينه وعن يساره حتى رايت بياض خده۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی جب آپ علیہ التحیۃ والسلام نے سورہ فاتحہ کی قرأت کی تو آمین کو جہری کہا، اور دائیں اور بائیں سلام پھیرا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۹ ج ۱)

(۱۵) اخرجه الحميدى من طريق سفیان عن سعيد المقبرى عن ابى هريرة قال كان رسول الله ﷺ اذا قال ولا الضالين رفع صوته وقال آمين حتى يسمع من يليه من الصف الاول۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین کہتے تو بلند آواز سے آمین کہتے حتیٰ کہ پہلی صف میں جو آپ کے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

(بحوالہ، الحبل المتين ص ۱۷ مؤلفہ علامہ ظہیر احسن نیموی دیوبندی؛ مندرجہ ابکار المنن ص ۱۸۸) وفتح الباری ص ۲۶۴ ج ۲ و فی نسخۃ الآخری ص ۲۱۰ ج ۲، و زرقانی ص ۱۸ ج ۱)

(۱۶) اخبرنا محمد بن عبد الله بن عبدالحكم عن شعيب حدثنا الليث حدثنا خالد عن ابن ابی هلال عن نعيم المجرم قال صليت وراء ابى هريرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بام القرآن حتى اذا بلغ، غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقال آمين، فقال الناس، آمين، ويقول كلما سجد، الله اكبر، واذا قام من الجلوس في الاثنتين، قال، الله اكبر، واذا سلم قال، والذي نفسى بيده انى لا شبهكم صلاة برسول الله ﷺ۔

امام نعيم بن مجرم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ پڑھی پھر سورہ فاتحہ کی قرأت کی، اور ولا الضالین، پر پہنچے تو آمین کہی، اور مقتدیوں نے بھی آمین کہی، جب سجدہ کرتے تو، اللہ اکبر کہتے، دو رکعت پڑھ کر جب کھڑے ہوئے تو تب بھی اللہ اکبر، کہا، اور جب سلام پھیرا تو کہا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بے شک میں نماز میں تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتا ہوں۔

(سنن نسائی کتاب الافتاح باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم، الحديث ۹۰۴) دارقطنی ص ۳۰۶ ج ۱ و بیہقی ص ۴۶ ج ۲ ابن خذیمہ ص ۲۵۱ ج ۱ و ابن حبان رقم الحدیث (۱۷۹۸) و مستدرک للحاکم ص ۲۳۲

ج ۱ و شرح معانی الآثار ص ۱۳۷ ج ۱ و بخاری (تعلیقاً) ص ۱۰۸ ج ۱)
ابن حبان، ابن خذیمہ، حاکم، ذہبی، بیہقی، دارقطنی، حافظ ابن حجر اور علامہ نیوی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(نصب الرایہ ص ۳۳۵ ج ۱ و فتح الباری ص ۲۱۲ ج ۲ و تغلیق التعلیق ص ۳۲۱ ج ۲ و آثار السنن ص ۹۴)
(۱۷) عن بلال انه قال قال يا رسول الله! لا تسبقني بآمين۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھ سے آمین کہنے میں سبقت نہ لے جایا کریں۔

(ابو داؤد کتاب الصلاہ باب التامین وراء الامام، الحدیث ۹۳۷) و مسند احمد ص ۱۰، ۱۲ ج ۱ و مستدرک للحاکم ص ۲۱۹ ج ۱ و بیہقی ص ۵۶ ج ۲ و طبرانی کبیر ص ۳۶۶ ج ۱ و مصنف عبدالرزاق ص ۹۶ ج ۲ (۲۶۳۶)

(۱۸) عن سلمان ان بلال قال للنبي ﷺ لا تسبقني بآمين

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے عرض کی کہ مجھے سے آمین کہنے میں سبقت نہ لے جایا کریں۔

(طبرانی کبیر ص ۲۵۳ ج ۶ رقم الحدیث ۶۱۳۶)

ملاحظہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پہلے نبی مکرم ﷺ سورہ فاتحہ کی قرأت ختم کر کے آمین کہہ لیتے تھے، جس پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درخواست حضور علیہ السلام سے کی تھی، علامہ پٹنی مرحوم فرماتے ہیں۔

لا تسبقني بآمين لعل بلالا كان يقرأ الفاتحة في السكنة الاولى من سكتتي الامام فر بما يبقی عليه منها شئی و رسول الله ﷺ قد فرغ من قرأتها فاستمهله بلال في التامین بقدر ما يتم فيه بقية السورة حتى ينال بركة موافقته في التامین۔

(مجمع بحار الانوار ص ۱۱۹ ج ۱)

(۱۹) حدثنا اسحاق بن منصور اخبرنا عبد الصمد بن عبد الوارث حدثنا حماد بن سلمة حدثنا سهيل بن ابى صالح عن ابیه عن عائشة عن النبي ﷺ قال، ما حسد تكم اليهود علی شئی ما حسد تكم علی السلام والتامین۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہود کسی چیز میں تم سے حسد نہیں کرتے جتنا کہ سلام اور آمین کہنے پر کرتے تھے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب الجهر بآمين، الحدیث ۸۵۶) و ادب المفرد للبخاری ص ۲۵۶ باب فضل السلام، الحدیث ۹۸۸)

(۲۰) اخبرنا ابو زكريا بن ابی اسحاق المزكي انبا عبد الباقي بن قانع القاضي ببغداد ثنا

اسحاق بن الحسن الحرابی ثنا مسلم بن ابراہیم ثنا عبد اللہ بن میسرۃ ثنا ابراہیم بن ابی حدة عن مجاہد عن محمد بن الاشعث عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ لم يحسدونا اليهود بشئى ما حسدونا بثلاث التسليم والتامين واللهم ربنا لك الحمد۔
 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود کو جتنا ہماری تین چیزوں سے حسد ہے اور کسی سے نہیں ہے، (۱) سلام (۲) آئین (۳) اور اللہم ربنا لك الحمد (بیہقی ص ۵۶ ج ۲) سند ضعیف ہے۔

(۲۱) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ما حسد تكم اليهود على شئى ما حسد تكم على آمين فاكثروا من قول آمين۔
 سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود نے اتنا حسد تم سے کسی بات پر نہیں کیا جتنا آمین پر کیا ہے، تو بہت آمین کہو۔

(ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب الجهر بآمين الحديث ۷۰۷)
 (۲۲) عن معاذ بن جبل قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ان اليهود قوم سمئوا دينهم وهم قوم حسد ولم يحسدوا لمسلمين على افضل من ثلاث رد السلام و اقامة الصوف وقولهم خلف امامهم فى المكتوبة آمين، الحديث۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہود ایسی قوم ہے جو اپنے دین سے اکتا گئے ہیں، اور وہ ایک حاسد قوم ہے اور وہ حسد نہیں کرتے مسلمانوں پر مگر ان کی تین بہتر چیزوں پر (۱) سلام کے جواب سے (۲) نماز میں اقامت صفوف سے (۳) اور فرض نمازوں میں اپنے اماموں کے پیچھے آمین کہنے سے، الحدیث

(المعجم الاوسط للطبرانی ص ۴۷۴ ج ۵ رقم الحديث ۴۹۰۷)

واسنادہ حسن (مجمع الزوائد ص ۱۱۶ ج ۲)

(۲۳) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ انهم لا يحسدونا على شئى كما يحسدونا على يوم الجمعة التى هداانا الله لها وصلوا عنها وعلى القبلة التى هداانا الله لها وصلوا عنها وعلى قولنا خلف الامام، آمين، الحديث

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ بلاشبہ یہود کو جتنا ان چیزوں پر حسد ہے اور کسی ہماری چیز پر نہیں (۱) جمعہ کے دن پر، جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور یہ اس سے گمراہ ہو گئے (۲) اور قبلہ پر جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہماری راہ نمائی کی اور ان کو گمراہ کر دیا (۳) اور ہمارا امام کے پیچھے

آمین کہنے پر الحدیث -

(مسند احمد ص ۱۳۴، ۱۳۵ ج ۲ و بیہقی ص ۵۶ ج ۲)

(۲۳) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ان اليهود قوم حسد وهم لا يحسدو نا على

شئى كما يحسدو نا على السلام و على آمين، الحدیث

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود ایک حاسد قوم ہے، اور

وہ ہماری کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین پر کرتے ہیں، الحدیث

(صحیح ابن خزیمہ ص ۲۸۸ ج ۱ رقم الحدیث ۵۷۴)

(۲۵) ثنا یحییٰ بن آدم قال ثنا شريك عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر انه

سمع النبی ﷺ يقول فى الصلاة آمین۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو نماز میں، آمین کہتے ہوئے سنا۔

(مسند احمد ص ۳۱۸ ج ۴ رقم الحدیث ۱۸۳۸۹)

(۲۶) ثنا اسود بن عامر ثنا شريك عن ابی اسحاق عن علقمة بن وائل عن ابیه قال

سمعت النبی ﷺ یجهر بآمین۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آمین کو بلند آواز سے

کہتے۔

(مسند احمد ص ۳۱۸ ج ۴ رقم الحدیث ۱۸۳۹۰) و بیہقی ص ۵۸ ج ۲)

(۲۷) اخبرنا یحییٰ بن محمد بن عمرو بالفسطاط قال حدثنا اسحاق بن ابراهیم بن

العلاء الزبیدی قال حدثنا عمرو بن الحارث قال حدثنا عبدالله بن سالم عن الزبیدی قال

اخبرنى محمد بن مسلم عن سعيد بن المسيب و ابى سلمة عن ابى هريرة كان رسول

الله ﷺ اذا فرغ من قراءة ام القرآن رفع صوته وقال آمین۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (نماز میں) جب قرأت سورہ فاتحہ سے فارغ

ہوتے تو آواز کو بلند کر کے، آمین، کہتے تھے۔

(صحیح ابن حبان ص ۱۷۴ ج ۴ رقم الحدیث ۱۸۰۳ مطبوعہ مکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل) و موارد الظمان

ص ۱۲۷ رقم الحدیث ۴۶۲)

(۲۸) ثنا محمد بن اسماعیل الفارسی ثنا یحییٰ بن عثمان بن صالح ثنا اسحاق بن ابراهیم

حدثنى عمرو بن الحارث حدثنى عبدالله بن سالم عن الزبیدی حدثنى الزهرى عن ابى سلمة

و سعيد عن ابى هريرة قال كان النبی ﷺ اذا فرغ من قراءة ام القرآن رفع صوته وقال آمین،

هذا اسناد حسن۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہتے تھے (امام دارقطنی فرماتے ہیں) اس کی سند حسن ہے۔
(سنن دارقطنی ص ۳۳۰ ج ۱)

(۲۹) اخبرنا علی بن محمد بن عبد اللہ بن بشران العدل ببغداد انبا علی بن محمد المصری ثنا یحییٰ بن عثمان بن صالح ثنا اسحاق بن ابراہیم الزبیدی اخبرنا عمر و بن الحارث ثنا عبد اللہ بن سلام عن الزبیدی قال اخبرنی الزہری عن ابی سلمة و سعید ان ابا ہریرة قال کان رسول اللہ ﷺ اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته فقال آمین و کذاک رواہ ابو الاحوص القاضی عن اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی، و اخبرنا ابو بکر بن الحارث قال قال علی بن عمر الحافظ هذا اسناد حسن، یرید اسناد هذا الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سورہ فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کرتے اور آمین کہتے تھے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم سے اس روایت کو امام ابو حوص قاضی نے بھی روایت کیا ہے، اور مجھے امام ابو بکر نے خبر دی ہے کہ امام دارقطنی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔
(بیہقی ص ۵۸ ج ۲)

(۳۰) ابو احمد بکر بن محمد الصیر فی بمر و ثنا ابو لاحوص محمد بن الہیثم القاضی ثنا اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی اخبرنی عمرو بن الحارث عن عبد اللہ بن سالم عن الزبیدی قال اخبرنی الزہری عن ابی سلمة و سعید عن ابی ہریرة قال کان رسول اللہ ﷺ اذا فرغ من ام القرآن رفع صوته فقال آمین، هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه بهذا اللفظ، و وافقه الذہبی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سورہ فاتحہ (کی قرأت سے) فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہتے، (امام حاکم فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے ان الفاظ سے اسے روایت نہیں کیا، علامہ ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی موافقت کی ہے۔
(مستدرک للحاکم ص ۲۲۳ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب کان اذا فرغ من ام القرآن رفع صوته فقال آمین)

(۳۱) عن علی قال کان النبی ﷺ اذا قال، ولا الضالین قال، آمین، یرفع بها صوته، ابن جریر و صححہ و ابن شاہین۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ جب، ولا الضالین، کہتے تو، آمین کہتے اور اس کے ساتھ آواز کو بلند کرتے تھے، ابن جریر اور ابن شاہین نے اسے روایت کیا ہے اور ابن جریر نے

کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (کنز العمال ص ۵۹ ج ۸ رقم الحدیث ۲۲۱۸۳)

(۳۲) عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ كان اذا قال ولا الضالين قال آمين ورفع بها صوته۔ سيدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالين، کہتے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہتے تھے۔ (سنن دارقطنی ص ۳۳۵ ج ۱)

(۳۳) حدثنا هذبة حدثنا هارون بن موسى النحوي عن ثابت عن ابن ام الحصين عن جدته انها سمعت النبي ﷺ يقرأ مالك يوم الدين فقراً حتى بلغ ولا الضالين قال آمينف۔ سيدہ ام حصین رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ، مالک یوم الدین، پڑھتے، یہاں تک جب، ولا الضالين، پر پہنچتے تو آمین کہا۔ (کتاب المعجم لابو یعلیٰ ص ۲۵۲)

(۳۴) اخبرنا النضر بن شميل ثنا هارون الاور عن اسماعيل بن مسلم عن ابى اسحاق عن ابن ام الحصين عن امه انها صليت خلف رسول الله ﷺ فلما قال ولا الضالين قال آمين فسمعتة وهي في صف النساء۔

سيدہ ام حصین رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی جب آپ نے، ولا الضالين، کہا تو آمین کی آواز کو میں نے عورتوں کی صف میں سنا۔ (مسند اسحاق بن راہویہ بحوالہ نصب الراية ص ۳۷۱ ج ۱)

(۳۵) حدثنا عبدالقدوس انا الحجاج عن عبدالجبار عن ابيه انه سمع النبي ﷺ يقول آمين۔ عبدالجبار اپنے والد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے (مرسلًا) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کو آمین کہتے سنا۔ (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۴)

(۳۶) حدثنا يحيى بن ابى بكر ثنا زهير ثنا ابو اسحاق عن عبدالجبار بن وائل عن وائل قال رایت رسول الله ﷺ وصليت خلفه فقراً غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين، يجهر، الحديث۔

سيدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی، آپ نے، غیر المغضوب عليهم ولا الضالين، پڑھا تو بلند آواز سے آمین کہی۔ (مسند احمد ص ۳۱۸ ج ۴)

(۳۷) حدثنا عثمان بن عمر الضبي ثنا عبدالله بن رجاء ثنا اسرائيل عن ابى اسحاق عن عبدالجبار بن وائل عن ابيه انه صلى مع النبي ﷺ فلما قرأ بفتحة الكتاب فقال غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال آمين ورفع بها صوته۔

عبدالجبار اپنے والد سيدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی

اقتداء میں نماز پڑھی، جب آپ نے سورہ فاتحہ کی قرأت کی تو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، (کے بعد) آواز کو بلند کر کے آمین کہا۔

(المعجم الكبير للطبرانی، ص ۲۱ ج ۲۲ رقم الحدیث ۳۲)

(۳۸) اخبرنا قتيبة حدثنا ابو الاحوص عن ابى اسحاق عن عبد الجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فلما افتتح الصلاة كبر و رفع يديه حتى حاذنا اذنيه ثم يقرأ بفاتحة الكتاب فلما فرغ منها قال، آمين يرفع بها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی جب آپ نے نماز کو شروع کیا تو تکبیر تحریمہ کہی اور دونوں ہاتھوں کو اٹھایا حتی کہ کانوں کے برابر ہو گئے پھر سورہ فاتحہ کی قرأت کی جب اس سے فارغ ہو گئے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہا۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع الیدین خیال الاذنین، الحدیث ۸۸۰)

(۳۹) حدثنا محمد بن الصباح و عمار بن خالد الواسطي قال حدثنا ابو بكر بن عياش عن ابى اسحاق عن عبد الجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت مع النبی ﷺ فلما قال، ولا الضالین، قال آمین، فسمعناها منه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی، جب آپ نے، ولا الضالین، کہا تو، آمین، بولا، جسے میں نے آپ سے سنا۔

(ابن ماجہ کتاب اقامة الصلوات باب الجهر بآمین، الحدیث ۸۰۰)

(۴۰) حدثنا عبد الله بن جعفر بن خشيش ثنا الحسن بن احمد بن ابى شعيب ثنا محمد بن سلمة عن ابى عبد الرحيم عن زيد بن ابى انيسة عن ابى اسحاق عن عبد الجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت خلف رسول الله عليه وسلم قال فلما قال، ولا الضالین، قال، آمین، مدبها صوته هذا اسناد صحيح۔

عبد الجبار اپنے والد سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی، جب آپ نے، ولا الضالین کہا تو بلند آواز سے آمین کہا (امام دارقطنی فرماتے ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

(سنن دارقطنی ص ۳۳۰ ج ۱)

اس سلسلہ میں مزید اسناد بھی پیش کی جاسکتی ہیں امید ہے ان چالیس اسناد سے (جو انوار صاحب سے تین گنا زیادہ ہیں) ہی قارئین کرام کی تسلی و تشفی ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

آثار صحابہ کرام

(۱) عبدالرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء، آمین؟ قال لا ادعها ابداء، قال، اثرام القرآن فی المكتوبة والتطوع؟ قال ولقد كنت اسمع الائمة يقولون علی اثرام القرآن، آمین، هم انفسهم ومن وراء هم حتی ان للمسجد للجة۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح (تابعی) سے آمین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو آمین کو فرضی و نظمی نمازوں میں کبھی بھی سورہ فاتحہ کے بعد کہنا نہیں چھوڑتا، میں نے آئمہ سے سنا کہ وہ خود بھی سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد اور ان کے پیچھے مقتدی بھی آمین کہتے حتی کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج جاتی۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۷ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۴۳)

مولانا ظفر احمد تھانوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ جب تابعی، يفعلون، یا يقولون، کے الفاظ کہے تو اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوتے ہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۲۸)

لہذا امام عطاء بن ابی رباح کے الفاظ، الائمة يقولون، سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اس کی مزید تائید ان کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

(۲) عن عطاء قال ادرکت ماتین من اصحاب النبی ﷺ فی هذا المسجد اذا قال الامام

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سمعت لهم رجعة بآمین۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں میں نے اس مسجد (بیت اللہ) میں دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہتا تو سب کے سب بلند آواز سے آمین کہتے، جس سے مسجد گونج جاتی تھی۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۵۹ ج ۲)

(۳) عبدالرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال قلت له، أكان ابن الزبير يوم من علی اثرام

القرآن؟ قال، نعم، ويؤمن من وراءه حتى ان للمسجد للجة الحدیث۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا کہ آیا سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد آمین کہتے، انہوں نے کہا ہاں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے (تمام) مقتدی بھی آمین کہتے تھے حتی کہ مسجد میں گونج ہوتی۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۶ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۴۰)

اس سلسلہ میں مزید موقوف احادیث بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم ان تین پر ہی اکتفا کرتے ہیں، ان آثار سے ثابت ہوا کہ آئین کو بلند آواز سے کہنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، دوسرے اثر میں دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صراحت ہے اور پہلے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں، جن کو امام عطاء نے دیکھا ہے۔ تیسرے میں تو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام ہے یہ سلسلہ اسناد بالکل صحیح و درست ہے، اس کے برعکس آئین کو آہستہ کہنا کسی صحابی سے ثابت نہیں، انوار صاحب نے جن آثار کی نشان دہی کی ہے ان کی حقیقت فصل دوم میں آرہی ہے، صحیح احادیث اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی تابعی کا قول یا علماء و محدثین کے اقوال پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس بحث کو ہم اپنے ایک مخالف کے قول پر ختم کرتے ہیں، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

لقد طفنا كما طفتم سيننا، بهذا البيت طرا اجمعينا، فوجدنا بعد التامل والا معان ان القول بالجهر بأمين هو الاصح لكونه مطابقا لما روى عن سيد بنى عدنان و رواية الخفض عنه ضعيفة لا توازي روايات الجهر ولو صحت وجب ان تجمل على عدم القرع العنيف كما اشار اليه ابن الهمام وای ضرورة داعية الى حمل روايات الجهر على بعض الاحيان او الجهر للتعليم مع عدم ورود شئى من ذلك فى رواية۔

جس طرح تم نے اس گھر کا طواف کیا ہے اسی طرح ہم نے بھی سب کے ساتھ کئی برس اس کا طواف کیا ہے، پس ہم نے غور و فکر کے بعد یہی بات محسوس کی ہے کہ بلند آواز سے آئین کہنی ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سید بنی عدنان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے اور آپ سے آہستہ کہنے کی روایت ضعیف ہے جو بلند آواز سے آئین کہنے کی احادیث کا مقابلہ نہیں کرتی، اگر وہ صحیح بھی ہو تو ضروری ہے کہ انہیں اس بات پر محمول کیا جائے کہ بہت زور سے آئین نہ کہی جائے جیسا کہ ابن ہمام نے (فتح القدير ص ۲۵۷ ج ۱ میں) اس طرف اشارہ کیا ہے، اور کون سی ضرورت تقاضا کرتی ہے کہ اونچی آواز سے آئین کہنے کی روایات کو بعض اوقات یا تعلیم کے پر محمول کیا جائے، جبکہ اس کے متعلق کوئی چیز مروی نہیں۔

(السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية ص ۱۷۶ ج ۲)

موطا امام محمد کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

ولانصاف ان الجهر قوى من حيث الدليل۔

یعنی انصاف یہ ہے کہ اونچی آواز سے آئین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے۔

(التعليق المجدد ص ۱۰۳)

فصل دوم

مولانا انوار صاحب نے دلائل دینے سے پہلے مقلد ہو کر اجتہاد کرتے ہوئے یہ دلیل درج کی ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفا ہے، اور آمین ذکر ہے اور ذکر میں بھی اصل اخفا ہے، ان دونوں باتوں سے ہمیں علی الاطلاق اتفاق نہیں، قرآن و حدیث سے دعا اور ذکر کا بلند آواز سے کرنا بھی ثابت ہے ہم پہلے انوار صاحب کے دلائل نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتے ہیں بعد میں دعا اور ذکر کا بلند آواز سے کرنا ثابت کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ بہر حال مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ

(قال الله تعالى، قد اجيبت دعوتكما، الآية، ۱۰: ۸۹)

قبول ہو چکی دعا تمہاری

أخرج ابو الشيخ عن ابى هريرة رضي الله عنه قال قال كان موسى عليه السلام اذا دعا امن هارون على دعائه يقول آمين۔

ابو الشيخ نے حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دعا کرتے تو ہارون علیہ السلام آمین کہتے۔

أخرج ابن جرير عن ابن زيد رضي الله عنه قال قال كان هارون عليه السلام يقول آمين فقال الله قدا جيت دعوتكما فصار التامين دعوة صار شريكه فيها۔

(الدر المنثور فى التفسير بالماثور ص ۳۱۵ ج ۳)

ابن جریر نے ابن زید رضي الله عنه سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہارون علیہ السلام (چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر) آمین کہتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'قد اجيبت دعوتكما' قبول ہو چکی دعا تمہاری، لہذا آمین کہنا بھی دعا ہوا جس میں ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوئے۔

عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم اعطيت آمين فى الصلوة و عند الدعاء لم يعط احد قبلى الا ان يكون موسى كان موسى يدعو و هارون يؤمن فاختموا الدعاء بآمين فان الله يستجيب لكم۔

(تفسير القرآن العظيم للامام ابن كثير ص ۳۱ ج ۱)

حضرت انس رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آمین عطا کی گئی ہے نماز میں بھی، یہ مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملی سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ دعا مانگتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین

کہتے تھے، لہذا تم لوگ دعا کو آمین کے ساتھ ختم کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو قبول فرمائیں گے۔

قال عطاء آمین دعاء، بخاری ص ۱۰۷ ج ۱ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً خفیة (۵۵)۔

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تدلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے۔

وقال تعالیٰ اذ نادى ربه ندآء خفياہ (۳:۱۹)۔

جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

روى القرطبي عن مجاهد و جعفر الصادق و هلال بن يساف ان آمين اسم من اسماء

اللہ تعالیٰ۔

(تفسیر القرآن العظیم ص ۳۱ ج ۱)

امام قرطبی نے حضرت مجاہد، و جعفر الصادق اور ہلال بن یساف رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ آمین

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

ان اللہ تعالیٰ و اذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خیفقو دون الجهر من القول الآیة (۷)

(۲۰۵)

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑ گڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر

بولنے سے کم ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۶۸ تا ۳۷۰)

الجواب اولاً قارئین کرام غور فرمائیے کہ اگر انوار صاحب کے پاس صریحاً کوئی دلیل آمین کو آہستہ

کہنے کی ہوتی تو اسے درج کرتے ان تکلفات میں نہ پڑتے کہ آمین دعا اور ذکر ہے اور ان دونوں میں

اصل اخفا ہے، لہذا آمین آہستہ کہنا چاہئے۔

ثانیاً انوار صاحب آخر دو متضاد باتیں کیوں کہتے ہیں، ایک طرف فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے پھر

ان کے مخالف اس کا ذکر ہونا بھی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا تناقض ہے، کیونکہ دعا میں طلب اور

سوال ہوتا ہے جبکہ ذکر اس سے خالی ہوتا ہے۔

ثالثاً: آپ نے جو اتنی بڑی لمبی تحریر لکھی ہے ان دلائل میں سے کس کا یہ معنی و مفہوم ہے کہ آمین

آہستہ کہنا چاہئے۔

رابعاً: مانا کہ دعا اور ذکر میں اصل اخفا ہے مگر اس کا یہ معنی کہ کسی جگہ اور مقام پر بھی ذکر اور دعا بلند

آواز سے کہنا جائز نہیں، خالص مغالطہ اور سونے صد غلط بیانی ہے از ان ذکر ہے مگر بلند آواز سے کہی

جاتی ہے، ایسا ہی جہری نمازوں میں امام قرأت بلند آواز سے کرتا ہے، تکبیرات انتقال بھی بلند آواز سے کہتا ہے، حج کے موقعہ پر تلبیہ بلند آواز سے کہنا مسنون ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد رسول الله ﷺ الحديث

یعنی فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمول تھا۔

(بخاری کتاب الاذان باب الذكر بعد الصلاة، الحديث ۸۴۱ و مسلم کتاب المساجد باب الذكر بعد الصلاة، الحديث ۱۳۱۸)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا سنت سے ثابت ہے، بعض دعائیں بھی نبی مکرم ﷺ سے بلند آواز سے کرنا ثابت ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ علیہ السلام کا خدمت گزار تھا اور آپ سے اکثر سنتا کہ فرماتے

اللهم ان اعوذ بك من الهم والحزن والعجز والكسل والبخل والجبن و ضلع الدين الحديث

یعنی الہی میں حزن، غم، عجز، سستی، بزدلی، اور قرض وغیرہ سے تیسری پناہ مانگتا ہوں۔

(بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من غلبة الرجال، الحديث ۶۳ ۶۲)

بلند آواز سے دعا کرنے کا متعدد احادیث میں ذکر ہے۔ تفصیل کے لیے، حضرت استاذی المکرم کی تالیف (خیر البراہین ص ۱۵۹) کا مطالعہ کریں۔ جہری نماز میں امام سورہ فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھتا ہے، اور سورہ فاتحہ فی نفسہ دعا ہے جیسا کہ خاکسار نے، دین الحق ص ۳۶۶ ج ۱ میں متعدد دلائل سے ثابت کر دیا ہے اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا کہ گو ذکر اور دعا میں اصل اخفا ہے مگر جہاں اور جس مقام پر ان کا بلند آواز سے کہنا ثابت ہے وہ اس ضابطہ سے خارج ہیں۔ لہذا اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آمین دعا اور ذکر ہے تو تب بھی اس کا بلند کہنا ناجائز نہ ہوگا کیونکہ فصل اول کی صحیح احادیث کی بنا پر آمین اس سے خارج ہے۔

خامسا: محترم نے جو روایات سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق بیان کی ہیں یہ سب کی سب بلا سند اور من گھڑت ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حرم نے، محلی بالاثار ص ۲۹۶ ج ۲ میں صراحت کی ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۲ میں ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت اصل میں صحیح ہی نہیں، اب ترتیب وار انوار صاحب کی درج کردہ روایات کا حال ملاحظہ کریں۔ محترم نے پہلی روایت بحوالہ درمنثور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ”ابوالشیخ“ سے نقل کی ہے۔

لیکن یہ کتاب نہ معروف نہ ہی متداول، ہمیں یہ روایت امام عبدالرزاق کی، (مصنف ص ۹۹ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۵۱) سے ملی ہے، اور سند میں، بشر بن رافع ابوالاسباط النخزانی راوی ضعیف ہے (تقریب ص ۴۴) اور اس کا استاد اور سیدنا ابو ہریرہ سے نقل کرنے والا راوی ابو عبد اللہ دوسی ہے اور مجہول ہے (میزان ص ۵۳۵ ج ۴)

دوسری روایت محترم نے ابن زید کی نقل کی ہے اور 'رضی اللہ عنہ' کی علامت لگا کر اسے صحابی باور کرایا ہے، حالانکہ یہ اتباع تابعین سے ہیں، امام ابن جریری کی درج کردہ سند یہ ہے۔

حدثنی یونس قال اخبرنی ابن وهب قال قال ابن زید۔

(تفسیر ابن جرید ص ۱۸۶ ج ۱۱ طبع دار احیاء التراث ۲۰۰۱ء)

کتب رجال کی مراجعت کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عبد اللہ بن وہب، زید کے دو بیٹوں، اسامہ بن زید اور عبدالرحمن بن زید سے روایت کرتے ہیں اور یہ امام مالک کے معاصر ہیں، صحابی نہیں بلکہ اتباع تابعین سے ہیں۔

تیسری روایت محترم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع نقل کی ہے اور تفسیر ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے، یہ روایت امام ابن خزیمہ نے اپنی (صحیح ص ۱۶۶ ج ۲ رقم الحدیث ۱۵۸۶) میں نقل کی ہے اور سند میں زربی راوی ضعیف ہے۔

(تقریب ص ۱۰۷) علامہ البانی نے اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ص ۲۵ ج ۴ رقم ۱۵۱۶)

انوار خورشید کے مقلد بھائی عبدالرزاق مہدی نے تفسیر ابن کثیر کے حاشیہ میں لکھا ہے، "ضعیف"

یعنی یہ روایت ضعیف ہے۔

(حاشیہ ابن کثیر ص ۱۳۹ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

خلاصہ کلام، انوار صاحب نے بیان روایات بین کی ہیں، ایک مرفوع اور دوسری موقوف اور یہ دونوں ہی ضعیف ہیں، تیسری روایت اتباع تابعین سے، عبدالرحمن، یا اسامہ کا قول ہے، جو گو سند کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن ایسی غیبی اخبار کے میں اتباع تابعین کے اقوال کی حیثیت نہ ہونے کی برابر ہے کیونکہ خبر کی صحت کی تصدیق ثابت نہیں۔

علاوہ ازیں یہ تمام روایات انوار صاحب کے موقوف کے خلاف ہیں، کیونکہ انوار صاحب ان سے آمین کو دعا ثابت کر کے آمین کو آہستہ کہنا ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان روایات کا یہ مفاد ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دعا کو بلند آواز سے کیا تھا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام دل میں ہی دعا کر رہے تھے تو سیدنا ہارون علیہ السلام کو کیسے علم ہوا کہ موسیٰ

علیہ السلام نے فلاں دعائیہ جملہ کہا ہے۔ جس پر مجھے آمین کہنی ہے، یہ صورت بالکل اسی طرح کی ہے جس طرح دیوبندی و بریلوی مساجد میں امام بلند آواز سے دعا کرتے ہیں اور مقتدی حضرات بلند آواز سے آمین کہتے ہیں، اسی طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بلند آواز سے دعا کی اور سیدنا ہارون علیہ السلام نے بلند آواز سے آمین کہی، مگر انوار صاحب حاطب اللیل کی طرح اپنے اور بیگانے میں تمیز نہیں کرتے، صرف زیادہ دلائل جمع کرنے کی فکر میں ان چیزوں کو بھی نقل کرتے جاتے ہیں جس سے قصر حقیقت زمین بوس ہوتا ہے۔

سادساً: آپ نے امام عطاء بن ابی رباح تابعی کا قول نقل کرنے میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے، سنئے پورا اثر آپ کے خلاف ہے، وہ فرماتے ہیں۔

آمین دعا امن ابن الزبیر و من وراء حتی ان للمسجد للجة۔

آمین دعا ہے اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے مقتدیوں نے اس زور سے آمین کہی کہ مسجد گونج گئی۔

(بخاری کتاب الاذان باب جہر الامام بالتأمين)

غور کریں امام عطاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بلند آواز سے آمین کو کہنا نقل کرتے ہیں۔ مگر انوار صاحب صرف پہلے فقرہ سے اخفا پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ اے جی آپ کی یہ زالی دلیل صحابہ کرام کو معلوم نہ تھی۔

سابعاً: آمین دعا نہیں بلکہ تابع اور مہر دعا ہے، سیدنا ابو زہیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان آمین مثل الطابع علی الصحیفة، یعنی آمین کتاب پر مہر کی طرح ہے،

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب التامين وراء الامام، الحدیث ۹۳۸)

انوار صاحب نے آمین کو دعا اور ذکر ثابت کرنے کے لیے تابعین اور آئمہ کے اقوال نقل کیے ہیں جو صحابی کے قول کے بالمقابل ناقابل حجت ہیں، بالخصوص جب سیدنا ابو زہیر رضی اللہ عنہ کا استدلال مرفوع حدیث ان ختم بامین فقد اوجب یعنی اگر دعا آمین پر ختم ہو تو قبول ہوگی سے ہے۔

(ابو داؤد رقم الحدیث ۹۳۸ باب سابق)

تاسعاً: سیدنا زکریا علیہ السلام کا آہستہ آواز سے دعا کرنا، بلند کرنے کی ممانعت پر دلیل نہیں۔ ہاں دعا کو چیخ چیخ کر نہیں کرنا چاہیے، عاجزی و انکساری کو ملحوظ رکھا جائے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ دعا کا بلند آواز سے کرنا ہی ناجائز و حرام ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جہر مفرط نہ ہو، ارشاد بانی ہے۔

ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلاً۔

(الایہ بنی اسرائیل ۱۱۰)

اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو (۱۰: ۱۱۰)

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

انزل ذلك في الدعاء

یعنی یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر باب ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها، الحدیث ۴۷۲۳)

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ دعا درمیانی آواز سے کرنی چاہئے کہ نہ جہر مفرط ہو اور نہ ہی اتنی آہستہ کہ اسے سرگوشی قرار دیا جائے۔

احادیث سے استدلال

۴۳۳۲: انوار صاحب نے، (صحیح مسلم ص ۱۷۷ ج ۱) سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی (صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ۱) سے سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی، (مسلم ص ۱۷۶ ج ۱) سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی، مکرر (مسند احمد ص ۲۳۳ ج ۲ نسائی ص ۱۰۷ ج ۱ داری ص ۲۲۸ ج ۱ صحیح ابن خزیمہ ص ۲۸۹ ج ۱) سے نقل کیا ہے کہ جب امام، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہے تو تم آمین کہو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۲۳۷)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ امام کے، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہنے پر مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم فرمایا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام بلند آواز سے آمین نہیں کہتا ورنہ اس کے ولا الضالین، کہنے پر آمین کہنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ (ص ۳۸۴)

الجواب سابقہ فصل میں ہم صحیح صریح مرفوع احادیث نقل کر چکے ہیں کہ جب امام آمین کہے تو تب مقتدی آمین کہے، اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ، الحدیث یفسر بعضہ لبعض، یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے لہذا ان الفاظ کی موجودگی میں آپ کا استدلال باطل ہے۔ کیونکہ صریح کے بالمقابل اشارۃً النص ناقابل حجت ہوتی ہے۔

(۵) عن الحسن ان سمرة بن جندب و عمران بن حصین تذاکرا فحدث سمرة بن جندب انه حفظ عن رسول اللہ ﷺ سکتین سکتا اذا کبر و سکتا اذا فرغ من غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فحفظ سمرة وانکر علیہ عمران بن حصین فکتبا فی ذالک الی ابی بن کعب وکان فی کتابہ الیہما اوفی رده علیہما ان سمرة قد حفظ۔

(ابو داؤد ص ۱۱۳ ج ۱ و ترمذی ص ۵۹ ج ۱)

حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عمران بن حصین کا آپس میں مذاکرہ ہوا، حضرت سمرہ نے بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا (نماز میں) دو مرتبہ خاموش ہونا یاد رکھا ہے، ایک جب کہ آپ تکبیر تحریمہ کہہ چکے دوسرے جب آپ، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، پڑھ کر فارغ ہوتے، حضرت عمران بن حصین نے اس کا انکار کیا، پھر ایسا ہوا کہ ان دونوں حضرات نے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا۔ حضرت ابی بن کعب نے اپنے جوابی خط میں لکھا کہ سمرہ نے صحیح یاد رکھا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۳) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ پہلا سکتہ ثناء کے لیے اور دوسرا سکتہ آمین کو آہستہ کہنے کے لیے تھا (ص ۳۸۴)

الجواب اولاً: یہ روایت سنداً منقطع اور متناً مضطرب ہے، تفصیل حسب ذیل ہے،

امام حسن بصری سے یہ چھ طرق سے مروی ہے، (۱) اشعث عن الحسن، اس میں الفاظ ہیں۔ انہ کان یسکت سکتین اذا استفتح واذا فرغ من القراءة کلھا، یعنی دو سکتے کرتے تھے ایک شروع نماز میں دوسرا جب پوری قرأت سے فارغ ہوتے،

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب السکتة عند الافتتاح، الحدیث ۷۷۸)

(۲) قتادہ عن الحسن، اس کا ایک طریق تو وہی ہے جو انوار صاحب نے بیان کیا ہے دوسرا طریق سعید بن قتادہ، سے ہے، جس کے الفاظ ہیں، اذا دخل فی صلاة و اذا فرغ من القراءة ثم قال بعد واذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، یعنی ایک سکتہ نماز کے شروع میں اور دوسرا قرأت سے فارغ ہو کر، امام قتادہ نے بعد میں کہا کہ جب، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین، کہتے تو سکتے کرتے تھے۔

(ابو داؤد رقم الحدیث ۷۸۰ باب سابق)

(۳) حمید بن الحسن، اس طریق میں یہ الفاظ ہیں۔

کان النبی ﷺ سکتان سکتة حین یکبر و سکتة حین یفرغ من قرآته۔

یعنی نبی مکرم ﷺ دو سکتے کرتے تھے ایک تکبیر تحریمہ کے وقت اور دوسرا جب قرأت سے فارغ ہوتے تھے۔

(سنن دارمی ۳۱۳ ج ۱ کتاب الصلاة باب فی السکتین، الحدیث ۱۲۴۳، و مسند احمد ص ۱۰۱۲۰ ج ۵)

(۴) یونس عن الحسن، اس کے الفاظ ہیں، قال سمرہ فظت سکتین فی الصلاة، سکتة قبل القراءة و سکتہ عند الركوع، یعنی ایک سکتہ قرأت سے پہلے اور دوسرا سکتہ رکوع کرنے کے وقت، (ابن ماجہ کتاب اقامت الصلاة باب فی سکتی الامام، الحدیث ۸۴۵ و ابو داؤد رقم الحدیث ۷۷۷) یہ

روایت یونس بن عبید سے، اسماعیل نے نقل کی ہے، جبکہ یونس سے یہی روایت، یزید بن زریج، نے بھی نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں، واذا فرغ من قراءة السورة سكت هنية (مسند احمد ص ۲۳۱ ج ۵) جبکہ یونس نے یونس سے، واذا قال ولا الضالین سکت ایضا هنية (مسند احمد ص ۲۳ ج ۵) ودارقطنی ص ۲۳۶ ج ۱) کے الفاظ سے روایت کیا ہے

(۵) منصور بن المعتمر عن الحسن، کے طریق سے، ہیثم عن یونس، کی مثل الفاظ مروی ہیں۔

(مسند احمد ص ۲۳ ج ۵)

(۶) عمرو عن الحسن، کے طریق میں یہ الفاظ مروی ہیں، کان لرسول اللہ ﷺ ثلاث سكتات، اذا افتتح التكبير حتى يقرأ الحمد، واذا فرغ من الحمد حتى يقرأ السورة واذا فرغ من السورة حتى يركع۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے تین سکتات تھے، ایک تکبیر تحریمہ کے وقت دوسرا سورہ فاتحہ کے بعد اور تیسرا اگلی سورت کی قرأت کے بعد۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۵ ج ۱)

ان چھ طریق پر غور کریں تو ان میں کھلا اضطراب ہے، اگر اصول حدیث کی روح سے ان الفاظ میں ترجیح کا راستہ اپنایا جائے تو اشعث اور حمید کی روایت راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ثقہ کی زیادت ہے جو قابل قبول ہوتی ہے، مزید ان دونوں کے متون میں دوسرے راویوں کی نسبت اضطراب نہیں ہے۔

اور معتمر کی روایت تفرد اور اختلاف کی وجہ سے مرجوح ہے، اور قرأت فاتحہ پر سکتہ کرنے کی روایات اور اشعث وغیرہ کی روایات میں اختلاف نہیں ہے، الغرض ترجیح بھی دی جائے تو پوری قرأت کے بعد سکتہ والی روایات راجح ہیں، اور یہ انوار صاحب کے استدلال کے خلاف ہے،

ثانیاً: تمام طرق کا دارو مدار، حسن بصری، پر ہے جو سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ حسن کا سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع مختلف ہے، حسن نے سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے صرف عقیقہ کی روایت سنی ہے (سنن دارقطنی ص ۳۳۶ ج ۱) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ حسن کا سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے، (تخصیص مستدرک ص ۲۱۵ ج ۱) علامہ ابوبکر الجصاص حنفی فرماتے ہیں کہ یہ روایت غیر ثابت ہے (احکام القرآن ص ۵۰ ج ۳) علامہ البانی فرماتے ہیں، ضعیف ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۲۸۵ ج ۲) (۵۰۵) یہ ملحوظ رہے کہ حسن مدلس بھی ہے جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۲۹) زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ اسماعیل کی روایت اس بات کی دلیل ہے کہ منقطع ہے، قال سمرہ، کے الفاظ سے یہی اشارہ ملتا ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے اس روایت کو ترمذی کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور ترمذی کی روایت میں وضاحت موجود ہے کہ یہ سکتہ سانس لوٹانے کے لیے تھا، ان الفاظ کو انوار صاحب نے بددیانتی کر کے نقل نہیں کیا، کیونکہ ان سے انوار صاحب کے استدلال باطل، سکتہ آمین کے لیے کرتے تھے، کارد ہوتا تھا۔

۶ تا ۱۱: ان نمبروں کے تحت، انوار خورشید صاحب نے، مسند احمد، دارقطنی، ابو داؤد طیالسی، مستدرک حاکم بیہقی، اور ترمذی سے سیدنا واکل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے جب، غیر المغضوب علیہم و الضالین، کہا تو آمین کہی، وخفض بہا صوتہ، اور آواز پست کر دی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۳ تا ۳۷۵)

الجواب اولاً: قارئین کرام یہ ایک ہی حدیث ہے، اور ان الفاظ کا دارودمدار امام شعبہ پر ہے، اب ترتیب وار مذکورہ کتب احادیث سے ہم اسناد نقل کرتے ہیں،

(۱) حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابو الاشعث ثنا يزيد بن زريع ثنا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر ابى العنيس عن علقمة ثنا وائل او عن وائل بن حجر - (سنن دار قطنی ص ۳۳۴ ج ۱)

(۲) ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر ابى العنيس قال سمعت علقمة يحدث عن وائل او سمعه حجر من وائل - (مسند احمد ص ۳۱۶ ج ۴)

(۳) حدثنا ابو داؤد قال حدثنا شعبة قال اخبرني سلمة بن كهيل قال سمعت حجرا ابا العنيس قال سمعت علقمة بن وائل يحدث عن وائل قد سمعت من وائل - (مسند ابو داؤد طیالسی ص ۱۳۸ (۱۰۲۴))

(۴) اخبرنا ابو بكر بن اسحاق الفقيه و ابو عبدالله الصفار الزاهد و علي بن حمشاد العدل قالوا ثنا اسماعيل بن اسحاق القاضي ثنا سليمان بن حرب و ابو الوليد قالوا، ثنا شعبة عن سلمة بن كهيل قال سمعت حجرا ابا العنيس يحدث عن علقمة بن وائل عن ابيه - (مستدرک للحاکم ص ۲۳۲ ج ۲)

(۵) اخبرنا ابو بكر بن فورك انبا عبدالله بن جعفر ثنا يونس بن حبيب ثنا ابو داود الطيالسی ثنا شعبة اخبرني سلمة بن كهيل قال سمعت حجرا ابا العنيس قال سمعت علقمة بن وائل وقد سمعته من وائل - (السنن الكبرى للبيهقي ص ۵۷ ج ۲)

(۶) وروی شعبہ هذا الحديث عن سلمة بن كهيل عن حجابي العنيس عن علقمة بن

وائل عن ابيه۔

(ترمذی ص ۵۸ ج ۱ زیر رقم الحديث ۲۴۸)

قارئین کرام فیصلہ کریں، ان تمام اسناد کا دار و مدار امام شعبہ پر ہے، مگر افسوس کہ انوار صاحب نے ایک ہی سند اور متن کو چھ مختلف کتب حدیث سے نقل کر کے علیحدہ علیحدہ دلیل و حدیث باور کرایا ہے۔

ثانیاً: امام شعبہ کی یہ روایت شاذ ہے، کیونکہ سلمہ بن کہیل سے یہی حدیث امام سفیان ثوری اور دیگر راویوں نے بھی نقل کی ہے۔

اور ان تمام نے یہ الفاظ بیان کیئے ہیں کہ آمین کو بلند آواز سے کہا، جیسا کہ ہم سابقہ فصل میں نقل کر چکے ہیں۔ امام شعبہ بلاشبہ ثقہ ہیں مگر امام سفیان ثوری ان سے اوثق ہیں اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی وہ روایت شاذ ہوتی ہے، اب آئیے آئمہ محدثین کے فیصلے ملاحظہ کریں کہ امام شعبہ سے امام سفیان ثوری اوثق ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

سفیان احفظ للاسناد و اسماء الرجال من شعبه۔

یعنی سند اور راویوں کے نام یاد رکھنے میں سفیان ثوری شعبہ سے احفظ ہیں۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

وهو احفظ من شعبه، یعنی سفیان ثوری شعبہ سے احفظ ہیں۔

(تقدمه الجرح والتعديل ص ۶۶)

امام یحییٰ بن سعید اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ

اذا خالف شعبه فالقول قول سفیان۔

یعنی جب امام سفیان ثوری کی امام شعبہ کی مخالفت کریں تو اس وقت امام سفیان ثوری کے قول کو لیا

جائے گا (نصب الرایة ص ۳۶۹ ج ۱ و تہذیب ص ۱۱۳ ج ۴)

امام بوزرعہ فرماتے ہیں۔

كان الثوري احفظ من شعبه في اسناد الحديث و في متنه۔

متن حدیث اور اسناد حدیث میں امام سفیان ثوری شعبہ سے احفظ ہیں۔

(تقدمه الجرح والتعديل ص ۶۶)

امام صالح جذرہ فرماتے ہیں۔ سفیان احفظ من شعبی، یعنی سفیان ثوری شعبہ سے احفظ ہیں۔

(شرح علل ترمذی ص ۱۲۵)

آئمہ جرح و تعدیل کے ان اقوال سے ثابت ہوا کہ امام شعبہ سے سفیان زیادہ حافظے اور یاد رکھنے والے ہیں، خود امام شعبہ فرماتے ہیں۔

سفیان احفظ منی، سفیان مجھ سے حفظ میں بہت بڑھ کر ہیں، (تقدمہ الجرح و التعدیل ص ۶۵) ان دلائل سے ثابت ہوا کہ شعبی کی روایت شاذ ہے، یہی وجہ ہے کہ آئمہ حدیث نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں امام شعبی سے اخفی بہا صوتہ، کہنے میں غلطی ہوئی ہے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں۔

سمعت محمدا يقول حديث سفیان اصح من حديث شعبة في هذا و اخطا شعبة في مواضع من هذا الحديث فقال خفض بها صوتہ و انما هو مدبها صوتہ قال ابو عيسى و سالت ابازرعة عن هذا الحديث فقال حديث سفیان هذا اصح قال روى العلاء بن صالح الاسدى عن سلمة بن كهيل نحو رواية سفیان۔

یعنی میں نے امام بخاری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ سفیان کی حدیث شعبی کی روایت سے زیادہ صحیح ہے اور شعبی نے اس مقام پر متعدد غلطیاں کی ہیں (جن میں سے ایک یہ ہے کہ) مدبها صوتہ (نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آواز کو کھینچا) کی بجائے، خفض بها صوتہ (اپنی آواز کو ہلکا کیا) کہا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوزرعہ سے اس روایت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ سفیان کی روایت زیادہ صحیح ہے اور فرمایا کہ امام سفیان ثوری کی طرح علاء بن صالح نے بھی سلمہ بن کھیل سے، مدبها صوتہ، کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

(ترمذی مع تحفه ص ۲۱۲ ج ۱)۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں: ويقال انه وهم فيه لان سفیان الثوری و محمد بن سلمة بن كهيل وغيرهما رواه عن سلمة وقالوا ورفع صوتہ وهو الصواب۔ اور کہا گیا ہے کہ امام شعبی کو اس حدیث میں غلطی لگی ہے، اس لئے کہ سفیان ثوری اور محمد بن سلمہ وغیرہ نے سلمہ بن کھیل سے روایت کیا ہے۔ اور ان تمام نے رفع صوتہ (اپنی آواز کو بلند) کے الفاظ روایت کیے ہیں۔ اور یہی درست ہے۔ (سنن دارقطنی ص ۳۳۴ ج ۱) امام بیہقی فرماتے ہیں۔

قدا جمع البخاری وغیرہ من الحفاظ علی ان شعبة اخطا في هذا الحديث۔ یعنی امام بخاری رضی اللہ عنہ وغیرہ حفاظ حدیث کا اجماع ہے کہ امام شعبی نے اس حدیث میں غلطی کی ہے۔ ثالثاً: امام شعبی نے امام سفیان ثوری وغیرہ کی موافقت میں، رفع بها صوتہ (یعنی آئین کو بلند آواز

سے کہا) کے الفاظ سے بھی روایت بیان کی ہے۔ (السنن الكبرى للبيهقي ص ۵۷ ج ۲)
 امام بیہقی، معرفۃ السنن و الآثار میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، (نصب الرایۃ ص ۳۶۹ ج ۱)
 الغرض امام شعبی کی مذکورہ روایت شاذ ہے اور انہیں حقائق کی بنا پر آئمہ فن نے صراحت کی ہے کہ
 سفیان ثوری وغیرہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔
 (التخلیص الحبیبر ص ۲۳۷ ج ۱)

آثار صحابہ کرام

سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا قول

(۱) عن ابراهيم قال قال عمر اربع يخفين عن الامام التعود و بسم الله الرحمن الرحيم
 و آمين والهم ربنا لك الحمد

(کنز العمال ص ۲۷۴ ج ۸)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے (۱)
 اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) آمین (۴) اللہم ربنا لک الحمد، (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۶)
 الجواب اولاً: صاحب کنز العمال نے یہ روایت، تہذیب الآثار لابن جریر سے نقل کی ہے تہذیب
 الآثار تو ہمارے پیش نظر نہیں

ثانیاً: ابراہیم نخعی کی ولادت بھی شہادت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ستائیس سال بعد ہوئی تھی، کیونکہ امام
 ابراہیم نخعی بالاتفاق ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ (تہذیب ص ۱۰۰ ج ۱)

جبکہ شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۲۳ھ میں ہوئی تھی، جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت مرسل ہے۔
 ثالثاً: امام محمد نے کتاب الآثار میں اسے ابراہیم نخعی کا قول بواسطہ امام ابو حنیفہ عن حماد عن
 ابراہیم نقل کیا ہے۔ (جامع مسانید ص ۳۲۲ ج ۱)

(۲) روی ابو معمر عن عمر بن الخطاب انه قال يخفي الامام اربعا التعود و بسم الله
 الرحمن الرحيم و آمين وربنا لك الحمد۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ ص ۴۲۰ ج ۱)

حضرت ابو معمر (حضرت ابراہیم نخعی کے استاذ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے
 فرمایا امام چار چیزوں کو آہستہ کہے (۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) آمین (۴) اللہم ربنا لک الحمد۔
 (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۶)

الجواب: یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے، کتب حدیث و آثار میں اس اثر کی کوئی اصل نہیں جو اس کی

صحت کا مدعی ہے وہ اس کا ثبوت پیش کرے، ہدایہ اور اس کے شارحین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نقل حدیث میں غیر ثقہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔ تفصیل کے لیے، دین الحق ص ۲۵۳ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

(۳) وروینا عن عبدالرحمن بن ابی لیلی ان عمر بن الخطاب قال یخفی الامام اربعا التعوذ و بسم الله الرحمن الرحيم و آمین وربنا لك الحمد۔
(محلّی لابن حزم ص ۲۰۶ ج ۲)

(ابن حزم کہتے ہیں کہ) ہم نے روایت کیا ہے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے (۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) آمین (۴) اللہم ربنا لك الحمد۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۶)

الجواب اولاً: امام ابن حزم نے اس روایت کو تعلیقاً درج کیا ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ سند درج کرے۔

ثانیاً: بلاسند ہونے کے علاوہ یہ روایت منقطع بھی ہے، امام ابن معین امام ابو حاتم امام علی بن مدینی امام شعبہ امام خلیل اور ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلی کا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، (تہذیب ص ۳۳۵ ج ۶) امام نسائی فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلی لم یسمع من عمر، یعنی ابن ابی لیلی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔

(سنن نسائی ص ۱۵۹ ج ۱)

(۴) عن ابی وائل قال قال کان عمر و علی لا یجھران بسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتأمين۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ص ۱۴۰ ج ۱)

ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تو بسم اللہ اور اعوذ باللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اور نہ ہی آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔

انوار صاحب نے مکرر اسی روایت کو، (الجوہر النقی ص ۴۸ ج ۲) سے نقل کیا ہے تیسری بار (معجم طبرانی کبیر ص ۲۶۳ ج ۹) سے نقل کر کے ۶۵ کا نمبر دیا ہے اور نمبر ۶ پر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے، سرنی لگائی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۷)

الجواب اولاً: قارئین کرام یہ تینوں آثار دراصل ایک ہی اثر ہے، صرف ضعیف و متروک راویوں

نے نمبر ۶ میں سیدنا عمر فاروق کی بجائے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے، اب مذکورہ تینوں کتب سے پہلے اس کی سند ملاحظہ کریں۔

ابو بکر بن عیاش عن ابی سعد عن ابی وائل قال کان عمر و علی۔

(طحاوی ص ۱۴۰ ج ۱)

(۲) قال الطبری فی تہذیب الآثار انا ابو کریب نا ابو بکر بن عیاش عن ابی سعید عن

ابی وائل قال لم یکن عمر و علی۔

(الجوہر النقی ص ۴۸ ج ۲)

(۳) ثنا ابو بکر بن عیاش عن ابی سعد البقال عن ابی وائل قال کان عمر و ابن

مسعود۔

(طبرانی کبیر ص ۲۶۳ ج ۹)

قارئین کرام ان اسناد پر غور کریں، یہ علیحدہ علیحدہ ہیں یا صرف ایک ہی سند ہیں بلاشبہ ابو بکر سے نیچے کے راوی مختلف ہیں، مگر ابو بکر اور ابو سعید اسے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت متن کے لحاظ سے مضطرب ہے، طحاوی اور تہذیب الآثار میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے جبکہ طبرانی کی روایت میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جگہ پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام ہے، مزید تفصیل سادساً کے تحت آرہی ہے۔

ثالثاً: ابو سعید ضعیف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے امام نسائی امام ابن عدی اور امام ابن عیینہ رحمہم اللہ نے ضعیف کہا ہے، ابن معین فرماتے ہیں، بیچ محض ہے، امام ابو زرہ فرماتے ہیں جھوٹ نہیں بولتا صادق ہے لیکن لین الحدیث ہے، ساجی کہتے ہیں کہ صدوق تو ہے مگر اس میں ضعف ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کثیر الوہم اور فاش اغلاط کرتا ہے۔ (تہذیب ص ۷۱ ج ۴)

رابعاً ابو سعید مدلس بھی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

من اتباع التابعین ضعیف مشہور بالتدلیس وصفہ بہ احمد و ابو حاتم والدارقطنی۔
یعنی اتباع تابعین کے ضعیف راویوں سے ہے تدلیس کرنے میں مشہور ہے امام احمد، ابو حاتم اور دارقطنی نے اس کے مدلس ہونے کی صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۵۴)

خامساً: اس کی سند میں، ابو بکر بن عیاش راوی مختلط ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

لما کبر ساء حفظہ و کتابہ صحیح، یعنی بڑھاپے میں حافظ خراب ہو گیا تھا، البتہ کتاب (سے) جو روایت بیان کرتے ہیں وہ صحیح ہے (تقریب ص ۳۹۶) فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ یہ روایت انہوں نے کتاب سے بیان کی ہے۔

انوار صاحب جو اباً مغز ماری کرنے سے پہلے (آثار السنن ص ۱۲۵) کا مطالعہ ضرور کر لیں، کیونکہ آپ کے محدث شمیر جناب علامہ نبوی نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے۔
سادساً: پہلے ثانیاً کے تحت تفصیل گزر چکی ہے کہ اس اثر کا متن مضطرب ہے، یہاں مزید ایک چیز کی نشان دہی کی جاتی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام ہشیم نے بھی یہ اثر ابو سعید البقال سے بواسطہ ابو وائل نقل کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں۔

عن عبد الله انه كان يخفى بسم الله الرحمن الرحيم والاستعاذة وربنا لك الحمد۔
سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، بسم اللہ، اعوذ باللہ، اور ربنا لک الحمد، آہستہ کہتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۱ ج ۱)

اس روایت پر غور کریں، اس میں آمین کا سرے سے ذکر ہی نہیں، کیا معلوم ابو بکر نے آمین کا اضافہ بوجہ اختلاط کر دیا ہو، الغرض یہ روایت متن کے لحاظ سے مضطرب ہے۔ قارئین کرام جس روایت کا متن مضطرب ہو، ایک راوی مختلط ہو، دوسرا بالاتفاق ضعیف ہو، پھر اس میں تدلیس کا شبہ بھی ہو، اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

(۷) عن علقمة والاسود كليهما عن ابن مسعود يخفى الامام ثلاثا التعوذ وبسم الله

الرحمن الرحيم، و آمين۔ (محلّی ابن حزم ص ۲۰۶ ج ۲)

حضرت علقمہ اور اسود دونوں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام تین چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے، اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۸)

الجواب امام ابن حزم نے، محلی بالا آثار ص ۲۸۰ ج ۲ مسئلہ ۳۲۳ میں اس کی پوری سند درج نہیں کی صرف اشارہ کیا ہے، جس میں خیر سے ایک راوی ابو حمزہ میمون الاعمور ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ضعیف الحدیث ہے دوسری بار فرمایا متروک الحدیث ہے، ابن معین کہتے ہیں بیچ محض ہے اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں، امام جوز جانی اور دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہے، امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لیس ذالک، ایک مرتبہ کہا ضعیف اور ذاہب الحدیث ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں اس کی روایات البتہ لکھی جائے، ترمذی فرماتے ہیں اس کے حفظ کی وجہ سے اس میں بعض اہل علم نے کلام کیا ہے، امام نسائی کہتے ہیں لیس بٹھہ (ثقة نہیں) ابو احمد کا کہنا ہے لیس بالقائم (پختہ نہیں) خطیب فرماتے ہیں، اس سے حجت قائم نہیں ہوتی، امام عقیلی فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی متابع موجود نہیں، ابن عدی کہتے ہیں کہ خاص ابراہیم نخعی سے روایت کرنے میں اس کا کوئی متابع موجود نہیں، (یہ روایت بھی نخعی سے ہی ہے) تہذیب ص ۳۹۵ ج ۱۰ و میزان ص ۲۳۲ ج ۴ و الکامل لابن عدی ص ۲۴۰ ج ۶ و عقیلی ص ۱۸۷

۴ ج و الجرح و التعديل ص ۲۳۶ ج ۸ و التاريخ الكبير ص ۳۲۳ ج ۴ ق ۲) الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے،

ابراہیم نخعی کا قول: مصنف عبدالرزاق ص ۸۷ ج ۲ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۳۶ ج ۲) میں ہے کہ امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں آمین۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۸)

الجواب اولاً: مصنف ابن ابی شیبہ میں وضاحت ہے کہ امام ان پانچ چیزوں کو پوشیدہ کہے، ان میں سے ایک، اللهم ربنا لك الحمد، کا بھی ذکر ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام ان کلمات کو آہستہ کہے گا، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک امام صرف، سمح اللہ لمن حمدہ، کہے، اللهم ربنا لك الحمد، نہ کہے (درس ترمذی ص ۵۰ ج ۲) جس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم نخعی کا یہ قول خود حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔ لہذا اس اثر کو بنیاد بنا کر اہل حدیث کو طعون کرنے والے خود اس الزام میں ہمارے ساتھ شامل ہیں فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیاً: ابراہیم نخعی کے ان اقوال کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ امام ان کلمات (سبحانك اللهم وبحمدك، اغوذ بالله، بسم الله، آمین، اور ربنا لك الحمد کو آہستہ کہے گا مگر مقتدی ان کو جہری پڑھے، ورنہ امام کی تخصیص بے کار محض ہے، حالانکہ اس بات کے حنفی بھی قائل نہیں۔ فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۳۵) باب مسئلہ رفع الیدین

فصل اول

(۱) حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلاة و اذا كبر للركوع و اذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك ايضا وقال سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد، و كان لا يفعل ذلك في السجود۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے کندھوں کے برابر، اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سראقدس اٹھاتے تو تب بھی کندھوں کے برابر تک رفع الیدین کرتے اور، سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولك الحمد، کہتے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین فی التکبیرة الاولى مع الافتتاح سواء، رقم الحدیث ۷۳۵)

(۲) مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و اذا كبر للركوع و اذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك وقال سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد، و كان لا يفعل ذلك في السجود۔

امام مالک، ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں وہ امام سالم سے اور وہ (اپنے والد) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سראقدس اٹھاتے تو تب بھی کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، اور (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولك الحمد، کہتے تھے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(موطا امام مالک، بروایة ابن قاسم ص ۱۱۳، رقم الحدیث ۹، مطبوعة دار الشروق جدہ ۱۹۸۸)

(۳) اخبرنا مالك حدثنا الزهري عن سالم بن عبد الله بن عمران عبد الله ابن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذاء منكبيه و اذا كبر للركوع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه ثم قال سمع الله لمن حمده، ثم قال ربنا ولك الحمد۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سראٹھاتے تو تب بھی رفع یدین

کرتے تھے، پھر کہتے، سمع الله لمن حمدہ، پھر فرماتے، ربنا ولك الحمد۔
(موطا امام مالک بروایۃ محمد بن حسن شیبانی ص ۸۷ باب افتتاح الصلوٰۃ)

(۴) اخبرنا قتيبة عن مالك عن ابن شهاب عن سالم عن عبد الله بن عمران رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع رفعها كذلك، وقال، سمع الله لمن حمدہ، ربنا ولك الحمد، وكان لا يفعل ذلك في السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے، اور (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع الله لمن حمدہ ربنا ولك الحمد، کہتے تھے۔
(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع الیدین حذو منکبین، الحدیث ۸۷۹)

(۵) اخبرنا الحسن بن سفيان حدثنا حبان بن موسى اخبرنا عبد الله بن المبارك عن مالك عن ابن شهاب عن سالم عن ابن عمران رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و اذا كبر للركوع و اذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك ايضاً وقال سمع الله لمن حمدہ ربنا ولك الحمد، وكان لا يفعل ذلك في السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور سمع الله لمن حمدہ ربنا ولك الحمد کہتے تھے۔ اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحيح ابن حبان رقم الحديث ۱۸۵۸)

(۶) اخبرنا عثمان بن عمر انا مالك عن الزهري عن سالم عن ابيه هو ابن عمران رسول الله ﷺ كان اذا دخل الصلاة كبر و رفع يديه حذو منكبيه و اذا ركع كبر و رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع فعل مثل ذلك، ولا يرفع بين السجدين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو، اللہ اکبر، کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(سنن دارمی ص ۳۱۶ ج ۱ کتاب الصلاة باب رفع الیدین فی الركوع والسجدة، الحدیث ۱۲۵۰)

(۷) حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا يونس عن الزهري قال

اخبرنی سالم بن عبد الله عن ابيه انه قال رايت رسول الله صلى عليه وسلم اذا قام في الصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع ويفعل ذلك اذا رفع راسه من الركوع ويقول، سمع الله لمن حمده، ولا يفعل ذلك في السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور اسی طرح ہی کرتے جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمده، کہتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا کبروا اذا رکع و اذا رفع رقم الحدیث ۷۳۶)

(۸) حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرنا سالم بن عبد الله ان عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما قال رايت النبي صلی اللہ علیہ وسلم افتتح التكبير في الصلاة فرفع يديه حين يكبر حتى يجعلهما حذو منكبيه و اذا كبر للركوع فعل مثله، و اذا قال، سمع الله لمن حمده، فعل مثله، وقال ربنا ولك الحمد، ولا يفعل ذلك حين يسجد ولا حين يرفع راسه من السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز کا افتتاح تکبیر سے کرتے اور جب اللہ اکبر کہتے تو رفع یدین کندھوں کے برابر کرتے تھے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور (رکوع سے اٹھ کر) جب سمع اللہ لمن حمده، کہتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور (بعدہ) ربنا ولك الحمد، پڑھتے، اور جب سجدہ کرتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب الی این یرفع یدیه، رقم الحدیث ۷۳۸)

(۹) حدثني محمد بن رافع حدثنا عبد الرزاق اخبرنا ابن جريج حدثني ابن شهاب عن سالم بن عبد الله ان ابن عمر قال كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام للصلاة رفع يديه حتى تكون بحذو منكبيه ثم كبر فاذا اراد ان يركع فعل مثل ذلك، و اذا رفع من الركوع فعل مثل ذلك ولا يفعله حين يرفع راسه من السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح کرتے اور سجدوں سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبیین ... رقم الحدیث ۸۶۲)

(۱۰) حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا يعقوب ثنا ابن اُحى ابن شهاب عن عمه حدثني سالم بن عبد الله ان عبد الله قال كان رسول الله صلى عليه وسلم اذا قام الى الصلاة يرفع يديه حتى اذا كانتا حذو منكبيه كبر، ثم اذا اراد ان يركع رفعهما حتى يكون حذو منكبيه كبر وهما كذلك ركع ثم اذا اراد ان يرفع صلبه رفعهما حتى يكونا حذو منكبيه، قال سمع الله لمن حمده، ثم يسجد ولا يرفع يديه في السجود ويرفعهما في ركعة و تكبيرة كبرها قبل الركوع حتى تنقضى صلاته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو تکبیر تحریمہ کہتے، پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، تکبیر کہتے اور رکوع اسی ہی طرح کرتے، پھر جب رکوع سے اپنی کمر سیدھی کرنے کا ارادہ کرتے تو تب بھی رفع یدین کرتے، یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو کہتے، سمع الله لمن حمده، پھر سجدہ کرتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے اور اسی طرح ہی رفع یدین کرتے ہر رکعت میں اور ہر تکبیر کے ساتھ جو رکوع سے پہلے کہتے تھے یہاں تک آپ کی نماز پوری ہو جاتی۔ (مسند احمد ص ۱۳۴ ج ۲)

(۱۱) حدثني عبد الله حدثني ابي ثنا اسماعيل بن ابراهيم أنا معمر عن الزهري عن سالم بن عبد الله عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ يرفع يديه اذا دخل الى الصلاة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع ولا يفعل ذلك في السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے نماز میں داخل ہوتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ (مسند احمد ۴۷ ج ۲)

(۱۲) حدثنا محمد بن المصفي الحمصي حدثنا بقية حدثنا الزبيدي عن الزهري عن سالم عن عبد الله بن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلاة رفع يدين حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر وهما كذلك فيركع ثم اذا اراد يرفع صلبه رفعهما حتى تكونا حذو منكبيه ثم قال سمع الله لمن حمده، ولا يرفع يديه في السجود و يرفعهما في كل تكبيرة يكبرها قبل الركوع حتى تنقضى صلاته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر تکبیر کہتے تو اسی طرح ہاتھوں کو اٹھاتے اور رکوع کرتے پھر جب

رکوع سے کمر سیدھی کرنے کا ارادہ کرتے تو کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے اور، سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے، سجدوں کے درمیان میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے تمام تکبیروں میں رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ کی نماز پوری ہو جاتی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب رفع الیدین فی الصلاة رقم الحدیث ۷۲۲)

(۱۳) اخبرنا ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان انباء احمد بن عبید الصفار ثنا عبید بن شریک و ابن ملحان قال ثنا یحییٰ بن بکیر ثنا الیث عن عقیل عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ عن ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام للصلوة رفع یدیه حتی تکون حدو منکبیه ثم یکبر فاذا اراد ان یرکع فعل مثل ذلك و اذا رفع من الرکوع فعل مثل ذلك ولا یفعل حین یرفع راسه من السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ جب دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو پھر اللہ اکبر کہتے جب رکوع لرتے تو اسی طرح ہی رفع یدین کرتے اور جب رکوع کر کے اٹھتے تو تب بھی اسی کیفیت سے رفع یدین کرتے اور سجدہ سے اٹھتے وقت نہ کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ ص ۷ ج ۲، کتاب الصلوٰۃ باب رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع راسه منه)

(۱۴) حدثنا ابو محمد یحییٰ بن اسحاق بن سافری و احمد بن الولید الفحام قالوا ثنا زکریا بن عدی قال انباء ابن المبارک عن یونس و معمر و عبید اللہ و محمد بن ابی حفصہ عن الزہری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة و اذا رکع و اذا رفع رأسه من الرکوع ولا یفعل ذلك بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور سجدوں کے بیچ نہ کرتے تھے۔

(مسند ابو عوانہ ص ۹۱ ج ۲، کتاب الصلاة باب رفع الیدین)

(۱۵) عبد الرزاق عن عبد اللہ بن عمر عن ابن شہاب عن سالم قال کان ابن عمر اذا قام الی الصلاة رفع یدیه حتی یکون حدو منکبیه و اذا رکع رفعهما فاذا رفع راسه من الرکعة رفعهما و اذا قام من مثنی رفعهما ولا یفعل ذلك فی السجود قال یخبرهم ان رسول اللہ ﷺ کان یفعله۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور جب دوسری رکعت سے اٹھتے (اور تیسری شروع کرتے) تو کندھوں

کے برابر رفع یدین کرتے تھے امام سالم فرماتے ہیں کہ (میرے والد) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ نبی مکرم ﷺ بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۶۸ ج ۲، رقم الحدیث ۲۵۱۹)

(۱۶) حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزهري قال اخبرني سالم بن عبد الله عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و إذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع ولا يرفع بين السجدين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(مسند الحمیدی ص ۵۱۵ ج ۱، رقم الحدیث ۶۲۶، بہ تحقیق حسین سلیم اسد حنفی مطبوعہ دارالثقا دمشق،)

(۱۷) حدثنا ابو علي محمد بن احمد بن الحسن ثنا بشر بن موسى ثنا الحمیدی ثنا سفیان بن عینة ثنا الزهري اخبرني سالم ابن عبد الله عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و إذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع ولا يرفع بين السجدين اللفظ للحمیدی۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کندھوں کے برابر کرتے تھے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے۔ (امام ابو نعیم اصبہانی فرماتے ہیں کہ) الفاظ حدیث امام حمیدی کی روایت کے ہیں۔

(المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ص ۱۲ ج ۲، رقم الحدیث ۸۵۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

(۱۸) حدثنا يحيى بن يحيى التميمي و سعيد بن منصور و ابو بكر بن ابي شيبة و عمرو الناقد و زهير بن حرب و ابن نمير كلهم عن سفیان بن عینة، واللفظ ليحيى، قال اخبرنا سفیان بن عینة عن الزهري عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي منكبيه و قبل ان يركع و إذا رفع من الركوع ولا يرفعهما بين السجدين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ

والسلام جب نماز کا افتتاح کرتے اور رکوع کرنے سے پہلے اور جب رکوع سے اٹھتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور سجدوں میں نہ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب استحباب رفع الیدین۔۔ رقم الحدیث ۸۶۱)

(۱۹) اخبرنا اسحاق بن ابراہیم عن سفیان عن الزہری عن سالم عن ابیہ قال کان النبی

ﷺ اذا افتتح الصلاة کبر و رفع یدیه و اذا رکع و بعد الركوع و لا یرفع بین السجدةین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ افتتاح نماز اور رکوع کرتے وقت اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کیا کرتے تھے، اور سجدوں میں نہ کرتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب التطبيق باب ترک ذلك بین السجدةین، رقم الحدیث ۱۱۴۵)

(۲۰) حدثنا احمد بن حنبل حدثنا سفیان عن الزہری عن سالم عن ابیہ قال رایت

رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع یدین حتی یحاذی منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الركوع، و قال سفیان مرة، و اذا رفع راسه، و اکثر ما کان یقول و بعد ما یرفع راسه من الركوع، و لا یرفع بین السجدةین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ جب نماز کا افتتاح کرتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ علیہ الصلاة والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کرتے، اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے، راوی حدیث امام سفیان بن عیینہ کبھی تو ان الفاظ سے بیان کرتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے، اور اکثر یہ الفاظ روایت کرتے، رکوع کے بعد، رفع یدین کرتے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب رفع الیدین فی الصلاة، رقم الحدیث ۷۲۱)

(۲۱) حدثنا قتیبہ و ابن ابی عمر قالا، حدثنا سفیان بن عیینہ عن الزہری عن سالم عن

ابیہ قال رایت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاة یرفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع، و زاد ابن ابی عمر فی حدیثه، و کان لا یرفع بین السجدةین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔ راوی حدیث امام ابن ابی عمر نے یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاة باب رفع الیدین عند الركوع، رقم الحدیث ۲۵۰)

(۲۲) قال ابو عیسیٰ حدثنا الفضل بن الصباح البغدادی حدثنا سفیان بن عیینة حدثنا الزهري بهذا الاسناد نحو حدیث ابن ابی عمر۔
(ترمذی باب سابق رقم الحدیث ۲۵۶)

(۲۳) حدثنا علی بن محمد و هشام بن عمار و ابو عمر الضریر قالوا، حدثنا سفیان ابن عیینة عن الزهري عن سالم عن ابن عمر قال رايت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع، ولا يرفع بين السجدين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب رفع یدین اذا رکع و اذا رفع رأسه من الركوع، رقم الحدیث ۸۰۸)
(۲۴) اخبرنا سفیان عن الزهري عن سالم عن ابيه قال رايت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي منكبيه و اراد ان يركع و بعد ما يرفع ولا يرفع بين السجدين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے۔

(مسند الشافعی ص ۳۶۶ ملحقہ کتاب الام آخری جلد مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ)

(۲۵) اخبرنا ابو طاهر نا ابو بکرنا عبد الجبار بن العلاء العطارنا سفیان قال سمعت الزهري يقول سمعت سالما يخبر عن ابيه، ح، و حدثنا علی بن حجر السعدی و علی بن خشرم و سعید بن عبد الرحمن المخدومی و عتبة بن عبد الله الیحمدی و الحسن بن محمد و یونس بن عبد الاعلی الصدفی و محمد بن رافع و علی بن الازهر و غیرہم قالوا، نا سفیان عن الزهري عن سالم عن ابيه قال رايت رسول الله ﷺ يرفع يديه اذا افتتح الصلاة حتى يحاذي منكبيه و اذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع من الركوع ولا يرفع بين السجدين هذا لفظ ابن رافع۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آپ علیہ الصلوٰۃ

والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ ص ۲۹۴ ج ۱، رقم الحدیث ۵۸۳)

(۲۲) اخبرنا الحسن بن سفیان قال حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير و ابو الربيع الزهراني قال حدثنا سفیان عن الزهري عن سالم عن ابيه قال رايت النبي ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه فاذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع، ولا يرفع بين السجدين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا ہے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان ص ۱۴۹ ج ۴ رقم الحدیث ۱۸۶۱، مطبوعہ المكتبة الاثرية)

(۲۷) ثنا سعدان بن نصر المخذومي ثنا سفیان بن عيينة عن الزهري عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي منكبيه و اذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع من الركوع ولا يرفع بين السجدين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تھے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۶۹ ج ۲)

(۲۸) حدثنا عياش قال حدثنا عبد الاعلى قال حدثنا عبيد الله عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما كان اذا دخل في الصلاة كبر و رفع يديه و اذا ركع رفع يديه و اذا قال سمع الله لمن حمده، رفع يديه و اذا قام من الركعتين رفع يديه، و رفع ذلك ابن عمر الى النبي صلى الله عليه وسلم۔

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے تو رفع یدین کرتے تھے، اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے تھے اور اپنے اس عمل کو نبی مکرم ﷺ تک مرفوع کرتے تھے (یعنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایسا ہی کرتے تھے)

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین، رقم الحدیث ۷۳۹)

(۲۹) حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد بن عبد الله عن خالد عن ابی قلابه انه رأى مالك بن الحويرث اذا صلى كبر ورفع يديه و اذا اراد ان يركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه و حدث ان رسول الله ﷺ صنع هكذا۔

امام ابو قلابہ تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے (رفع یدین کرتے) اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے (اور سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ) بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح (رفع یدین) کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا کبر و اذا رکع و اذا رفع رقم الحدیث ۷۳۷)

(۳۰) حدثنا يحيى بن يحيى اخبرنا خالد بن عبد الله عن خالد عن ابی قلابه انه رأى مالك بن الحويرث اذا صلى كبر ثم رفع يديه و اذا اراد ان يركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه و حدث ان رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا

امام ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر تحریمہ کہتے پھر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے اور بیان فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح ہی کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب استحباب رفع الیدین ... رقم الحدیث ۸۶۴)

(۳۱) حدثنا ابو كامل الجحدري حدثنا ابو عوانة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما اذنيه و اذا ركع رفع يديه حتى يحاذي بهما اذنيه و اذا رفع راسه من الركوع فقال سمع الله لمن حمده، فعل مثل ذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کانوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تو تب بھی کانوں تک رفع یدین کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمده کہتے اور اسی طرح ہی رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح مسلم باب

سابق رقم الحدیث ۸۶۵)

(۳۲) حدثنا حفص بن عمر حدثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال رايت النبي ﷺ يرفع يديه اذا كبر و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع

حتیٰ یبلغ بہما فروع اذنیہ۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر تحریمہ کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کانوں کی لوت تک پہنچ جاتے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من ذکرانہ یرفع یدیہ اذا قام من الثننین رقم الحدیث ۷۴۵)

(۳۳) اخیرنا محمد بن عبدالا علی حدثنا خالد حدثنا شعبۃ عن قتادة قال سمعت نصر ابن عاصم عن مالک بن الحویرث وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کان اذا صلی رفع یدیہ حین یکبر حیال اذنیہ واذا اراد ان یرکع واذا رفع راسہ من الرکوع۔

امام نصر بن عاصم بیان کرتے ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے وہ (نسائی کے ایک نسخہ میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب نماز پڑھتے اور تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع یدین حیال الاذنین رقم الحدیث ۸۸۱ و نسائی ص ۱۴۰ ج ۱ مطبوعہ مجتہاتی)

(۳۴) حدثنا ابو قلابۃ قال ثنا عبد الصمد بن عبدالوارث و ابو الولید (ح و حدثنا) ابو امیۃ قال ثنا ابو الولید کلاهما عن شعبۃ عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالک بن الحویرث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلاة رفع یدیہ حدو اذنیہ و اذا رکع و اذا رفع راسہ من الرکوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند ابی عوانہ ص ۹۴ ج ۲)

(۳۵) اخیرنا ابو الولید الطیالسی ثنا شعبۃ عن قتادة عن نصر ابن عاصم عن مالک بن الحویرث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا کبر رفع یدیہ حتیٰ یحاذی اذنیہ و اذا اراد ان یرکع و اذا رفع راسہ من الرکوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ کانوں

کے برابر ہو جاتے۔

(سنن دارمی ص ۳۱۷ ج ۱، کتاب الصلاة باب فی رفع الیدین فی الركوع و السجود، رقم الحدیث ۱۲۵۱)

(۳۶) حدثنا محمد بن جعفر بن رمیس ثنا محمد بن حسان قال نا عبدالرحمن بن مهدی ثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان رسول الله صلى عليه وسلم كان يرفع يديه اذا استفتح الصلاة و اذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص ۴۹۲ ج ۱ کتاب الصلاة باب ذکر التکبیر و رفع الیدین عند الافتتاح و الركوع و الرفع منه، رقم الحدیث ۱۵)

(۳۷) حدثنا ابو داؤد قال حدثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يرفع يديه اذا افتتح الصلاة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند ابو داود طیالسی ص ۱۷۶ رقم الحدیث ۱۲۵۳)

(۳۸) اخبرنا ابو خليفة قال حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن حويرث ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا كبر رفع يديه اذا دخل في الصلاة حتى يحاذي بهما اذنيه و (اذا) ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۸۶۰)

(۳۹) حدثنا عمر بن حفص السدوسي ثنا عاصم بن علي قالوا ثنا شعبة عن قتادة ثنا نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا كبر رفع يديه اذا دخل في الصلاة حتى يحاذي بهما اذنيه و (اذا) ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر رفع یدین کرتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔

(المعجم الكبير للطبرانی ص ۲۸۴ ج ۱۹ رقم الحدیث ۶۲۵)

(۳۰) حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا يحيى بن سعيد عن شعبة ثنا قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث وكان من اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يرفع يديه اذا دخل في الصلاة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع الى اذنيه۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کرتے تھے۔ (مسند احمد ص ۵۳ ج ۵)

(۳۱) حدثنا حميد بن مسعدة حدثنا يزيد بن زريع حدثنا هشام عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا كبر رفع يديه حتى يجعلهما قريباً من اذنيه و اذا ركع صنع مثل ذلك و اذا رفع راسه من الركوع صنع مثل ذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کرتے تھے۔ جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلوات باب رفع اليدين اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع، رقم الحدیث ۸۵۹)

(۳۲) حدثنا بشر بن موسى قال ثنا الحميدى قال ثنا معاذ بن هشام الدستوائي قال ثنا ابي عن قتادة عن نصر بن عاصم الليثي عن مالك بن الحويرث ان نبي الله صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا دخل في الصلاة كبر ثم رفع يديه حتى يجعلها حياال اذنيه وربما قال حذاء اذنيه فاذا ركع فعل مثل ذلك و اذا رفع رأسه من الركوع فعل مثل ذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے پھر رفع یدین کرتے حتیٰ کہ آپ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر کرتے (راوی حدیث) کبھی اسی طرح بیان کرتے کہ حتیٰ کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح (رفع یدین) کرتے تھے۔

سند ابو عوانه ص ۹۴ ج ۲ کتاب الصلاة باب ذكر الاخبار المتضادة للباب الذي قبله في رفع اليدين)

(۳۳) حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا عبد الصمد و ابو عامر قالانا ثنا هشام عن قتادة عن

نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا اكبر رفع يديه حتى يجعلهما قريباً من اذنيه و اذا ركع صنع مثل ذلك و اذا رفع راسه من الركوع فعل مثل ذلك۔
سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو رفع یدین کرتے تھے حتی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں ہاتھوں کو کانوں کے قریب کرتے اور جب رکوع کرتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔
(مسند احمد ص ۵۳ ج ۵ رقم الحدیث ۲۰۱۲)

(۳۴) حدثنا احمد بن بشير بن حبيب البيروتي ثنا عبد الحميد بن بكار ثنا سعيد بن بشير عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال رايت رسول الله ﷺ يرفع يديه اذا اكبر حتى يحاذي بهما اذنيه و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔
سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے۔
(المعجم الكبير للطبرانی ص ۲۸۵ ج ۱۹ رقم الحدیث ۶۲۸)

(۳۵) حدثنا ابن نمير عن ابن ابي عروبة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال رايت النبي ﷺ يكبر و يرفع يديه اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع حتى يحاذي بهما فروع اذنيه۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۴ ج ۱)

(۳۶) حدثنا حبيب بن الحسن ثنا يوسف القاضي ثنا محمد بن المنهال ثنا يزيد بن زريع ثنا سعيد عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال كان رسول الله صلى عليه وسلم اذا اكبر رفع يديه يحاذي بها فروع اذنيه و اذا ركع كذلك و اذا رفع راسه من الركوع بذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کانوں کی لو کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور اسی طرح جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔ (المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ص ۱۳ ج ۲ رقم الحدیث ۸۶۲)

(۴۷) اخبرنا یعقوب بن ابراہیم قال حدثنا ابن علیہ عن ابن ابی عروبہ عن قتادۃ عن نصر بن عاصم عن مالک بن الحویرث قال رايت رسول الله ﷺ حين دخل في الصلاة رفع يديه وحين ركع وحين رفع راسه من الركوع حتى حاذتا فروع اذنيه۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جس وقت رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ ہاتھ کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع الیدین حیال اذنین رقم الحدیث ۸۸۲)

(۴۸) اخبرنا علی بن حجر حدثنا اسماعیل عن سعید عن قتادۃ عن نصر بن عاصم اللیثی عن مالک بن الحویرث قال رايت رسول الله ﷺ يرفع يديه اذا كبر و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع حتى بلغت فروع اذنيه۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتیٰ کہ ہاتھ کانوں کی لو کو پہنچ جاتے۔

(سنن نسائی کتاب التطبيق باب رفع الیدین للركوع حذاء فروع الاذنين رقم الحدیث ۱۰۲۰)

(۴۹) حدثنا زهير بن حرب حدثنا عفان حدثنا همام حدثنا محمد بن جحادة حدثني عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولی لهم انهما حدثاه عن ابيه وائل بن حجر انه رأى النبي ﷺ رفع يديه حين دخل في الصلاة، كبر، وصف همام حياال اذنيه، ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب ثم رفعهما ثم كبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده، رفع يديه، فلما سجد سجدتين كفيه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہوئے تو تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا، (راوی حدیث امام) ہمام نے کانوں تک رفع یدین کرنے کا بتلایا ہے، پھر کپڑا لپیٹ لیا اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا اور جب رکوع کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے اور رفع یدین کیا پھر (رکوع کے لیے) تکبیر کہی اور رکوع کیا اور جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ، کہا تو رفع یدین کیا اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(مسلم کتاب الصلاة باب وضع يده اليمنى على اليسرى.... الحدیث ۸۹۶)

(۵۰) اخبرنا سويد بن نصر اخبرنا عبد الله بن مبارك عن قيس بن سليم العنبري حدثني علقمة بن وائل قال حدثني ابي قال صليت خلف رسول الله ﷺ فرايته يرفع يديه اذا افتتح

الصلاة و اذار كع و اذا قال سمع الله لمن حمده، هكذا، و اشار قيس الى نحو الاذنين- سيدنا وائل بن حجر رضي الله عنه بيان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی، میں نے دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نماز شروع کی تو رفع یدین کیا اور جب رکوع کیا تو رفع یدین کیا اور جب (رکوع سے سر اٹھایا) تو سمع اللہ لمن حمده، کہا اور رفع یدین اسی طرح کیا، (راوی حدیث امام) قیس نے کانوں کے برابر کی طرف اشارہ کیا۔

(سنن نسائی کتاب التطبيق باب رفع الیدین عند الرفع من الركوع، رقم الحدیث ۱۰۵۶)

(۵۱) حدثنا ابو محمد بن حيان ثنا ابو يعلى ثنا ابو خيثمة ثنا عفان ثنا همام ثنا محمد بن جحادة عن عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولی لهم انهما حدثاه عن ابيه و ائل انه رأى- عليه رسول الله صلى الله عيله وسلم رفع يديه حين دخل فى الصلاة كبر، و وصف همام، حيال اذنيه، ثم التحف بثوبه، ثم وضع يده اليمنى على اليسرى، فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب، ثم رفعهما فكبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده، رفع يديه، فلما سجد سجدتين كفيه-

سيدنا وائل بن حجر رضي الله عنه بيان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ رفع یدین کیا جب نماز میں داخل ہوئے اور تکبیر تحریمہ کہی، ہمام راوی نے کانوں تک بیان کیا ہے، پھر کپڑا لپیٹ لیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو کپڑے سے دونوں ہاتھ باہر نکالے پھر رفع یدین کیا، تکبیر کہی اور رکوع کیا، جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمده کہا تو رفع یدین کہا، جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(المسند المستخرج لابی نعیم ص ۲۴ ج ۲ کتاب الصلاة باب وضع اليمين على الشمال فى الصلاة رقم الحدیث ۸۸۹)

(۵۲) حدثنا معاوية بن صالح و محمد بن اسماعيل الصائغ و عثمان بن خرزاد و الصغاني قالوا ثنا عفان قال ثنا همام قال ثنا محمد بن جحادة قال حدثني عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولی لهم انهما حدثاه عن ابيه و ائل بن حجر انه رأى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رفع يديه حين دخل فى الصلاة فكبر و وصف همام حيال اذنيه، ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب ثم رفعهما و كبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجدتين كفيه-

سيدنا وائل بن حجر رضي الله عنه بيان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہوئے تکبیر تحریمہ کہی رفع یدین کیا (راوی حدیث) ہمام نے کانوں کے برابر تک بیان کیا، پھر کپڑا

لیٹ لیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو ہاتھوں کو کپڑے سے باہر نکال کر رفع یدین کیا اور تکبیر کہی اور رکوع کیا، جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ، کہا تو رفع یدین کیا جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(مسند ابو عوانہ ص ۹۷ ج ۲)

(۵۳) اخبرنا ابو الحسين بن بشران بغداد انبا ابو جعفر محمد بن عمرو الرزاز ثنا جعفر بن محمد بن شاکر ثنا عفان ثنا ہمام ثنا محمد بن جحادة عن عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولیٰ لهم انهما حدثاه عن ابيه وائل ابن حجر انه رأى النبی ﷺ حين دخل فی الصلوة کبر قال ابو عثمان وصف ہمام حیال اذیہ یعنی رفع الیدین ثم التحف بشوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری فلما اراد ان یرکع اخرج یدیه من الثوب و رفعهما فکبر فلما قال سمع الله لمن حمدہ رفع یدیه فلما سجد سجد بین کفیه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہوئے تو اللہ اکبر کہا اور رفع یدین کیا۔ راوی ابو عثمان کہتے ہیں کہ ہمام نے کانوں کے برابر رفع یدین کرنا بیان کیا ہے۔ پھر اپنے ہاتھ کپڑے سے لپیٹ کر دائیں کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو کپڑے سے ہاتھ نکال کر رفع یدین کیا اور اللہ اکبر کہا اور جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو رفع یدین کیا، جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۱ ج ۲، کتاب الصلوة باب رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع الرأس منه)

(۵۴) حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا يونس بن محمد ثنا عبد الواحد ثنا عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر الحضرمي قال اتيت النبي ﷺ فقلت لا نظرن كيف يصلي، قال، فاستقبل القبلة فکبر و رفع یدیه حتی کانتا حذو منکبیه قال ثم أخذ شماله بيمينه قال فلما اراد ان یرکع رفع یدیه حتی کانتا حذو منکبیه فلما رکع وضع یدیه علی رکبتيه فلما رفع راسه من الرکوع رفع یدیه حتی کانتا حذو منکبیه الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی مکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز (کا طریقہ) دیکھوں گا، کیسے پڑھتے ہیں۔ سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریرہ کہی اور رفع یدین کیا حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو گئے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع یدین کندھوں کے برابر کیا اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا اور پھر جب رکوع سے اٹھنے کا ارادہ کیا تو کندھوں کے برابر رفع یدین کیا،

الحدیث۔ (مسند احمد ص ۳۱۶ ج ۴)

(۵۵) اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبد الله بن المبارك عن زائدة قال حدثنا عاصم بن كليب قال حدثني ابي ان وائل بن حجر اخبره قال قلت لأنظرن الي صلاة رسول الله ﷺ كيف يصلي؟ فنظرت اليه فقام فكبر و رفع يديه حتى حاذتا بأذنيه ثم وضع يده اليمنى على كفه اليسرى والرسغ والساعد فلما اراد ان يركع رفع يديه مثلها قال و وضع يديه على ركبتيه ثم لما رفع راسه رفع يديه مثلها ثم سجد فجعل كفيه بحذاء أذنيه، ثم قعد و افترش رجله اليسرى و وضع كفه اليسرى على فخذه و ركبته اليسرى و جعل حد مرفقه الايمن على فخذه اليمنى ثم قبض اثنتين من أصابعه و حلق حلقة ثم رفع اصبعه فرأيته يحركها يد عوبها۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کیسے پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی پھر رفع یدین کیا کانوں کے برابر پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی کیفیت سے رفع یدین کیا، اور (رکوع میں) دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، پھر جب رکوع سے سر اٹھایا تو رفع یدین اسی طرح کیا، پھر سجدہ کیا تو اپنی ہتھیلیوں کو کانوں کے برابر رکھا، (سجدہ سے اٹھ کر) بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے، اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اپنی ران اور گھٹنے پر رکھی، اور دائیں ہاتھ کی کہنی دہنی ران پر جمائی پھر دو انگلیوں کو بند کر کے ایک حلقہ باندھ لیا (انگلی اور انگوٹھے سے) اور گلے کی انگلی کو اوپر اٹھالیا تو میں نے دیکھا کہ اس کو حرکت دے رہے تھے اور اس سے دعا کر رہے تھے۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب موضع اليمين من الشمال في الصلاة، الحديث ۸۹۰)

(۵۶) حدثنا مسدد حدثنا بشر بن المفضل عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الي صلاة رسول الله ﷺ كيف يصلي قال فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فكبر فرفع يديه حتى حاذتا اذنيه ثم اخذ شماله بيمينه فلما اراد ان يركع رفعهما مثل ذلك ثم وضع يديه على ركبتيه فلما رفع راسه من الركوع رفعهما مثل ذلك، الحديث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (جب میں نبی مکرم ﷺ کے پاس دوبارہ آیا تو میں نے دل میں) کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا کیسے پڑھتے ہیں، سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو گئے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی طرح رفع یدین کیا، پھر (رکوع میں) ہاتھوں کو گھٹنوں کے اوپر رکھا اور جب رکوع سے سر اقدس کو اٹھایا تو اسی طرح رفع یدین کیا، الحدیث،،

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب رفع اليدين في الصلاة، الحديث ۷۲۶)

(۵۷) اخبرنا اسماعیل بن مسعود قال حدثنا بشر بن المفضل قال حدثنا عاصم بن کلیب عن ابيه عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الی صلاة رسول الله ﷺ کیف یصلی فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فرفع یدیه حتی حاذنا اذنیه ثم اخذ شماله بيمينه فلما اراد ان یرکع رفعهما مثل ذلك و وضع یدیه علی رکتیه فلما رفع رأسه من الرکوع رفعهما مثل ذلك،، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی نماز کو ضرور دیکھوں گا کیسے پڑھتے ہیں۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے قبلہ رخ ہو کر (تکبیر تحریمہ کہی) کانوں کے برابر رفع یدین کیا، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ لیا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی طرح رفع یدین کیا اور (رکوع میں) گھٹنوں پر ہاتھوں کو رکھا اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھایا تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کیا۔

الحدیث (سنن نسائی کتاب السہویاب موضع المرفقین رقم الحدیث ۱۲۶۶)

(۵۸) حدثنا بشر بن معاذ الضریر حدثنا بشر بن المفضل حدثنا عاصم ابن کلیب عن ابيه عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الی رسول الله ﷺ کیف یصلی فقام فاستقبل القبلة فرفع یدیه حتی حاذنا اذنیه فلما رکع رفعهما مثل ذلك فلما رفع رأسه من الرکوع رفعهما مثل ذلك۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں ضرور نبی کریم ﷺ کو دیکھوں گا وہ نماز کیسے پڑھتے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے قبلہ رخ ہو کر (تکبیر تحریمہ کہی) اور رفع یدین کیا حتیٰ کہ ہاتھ کانوں کے برابر ہو گئے، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع یدین اسی طرح ہی کیا، اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کیا۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب رفع یدین اذا رکع و اذا رفع رأسه من الرکوع رقم ۸۶۷)

(۵۹) حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا عبد الصمد ثنا زائدة ثنا عاصم بن کلیب اخبرنی ابی ان وائل بن حجر الحضرمی اخبره قال قلت، لا نظرن الی رسول الله ﷺ کیف یصلی، قال، فنظرت الیه قام فکبر و رفع یدیه حتی حاذنا اذنیه ثم وضع یدیه الیمنى علی ظهر کفه الیسری والر سغ والساعد ثم قال، لما اراد ان یرکع رفع یدیه مثلها و وضع یدیه علی رکتیه ثم رفع رأسه فرفع یدیه مثلها الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (جب میں مدینہ طیبہ مکر آیا تو میں نے دل میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو ضرور دیکھوں گا، کیسے پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ جب آپ علیہ

الصلوة والسلام نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو کانوں کے برابر رفع یدین کیا پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کبھی اور بازو پر رکھا، پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی طرح رفع یدین کیا اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، پھر رکوع سے سر اٹھایا تو اسی طرح رفع یدین کیا، الحدیث (مسند احمد ص ۳۱۸ ج ۴)

(۶۰) حدثنا الحمیدی قال ثنا سفیان قال ثنا عاصم بن کلیب الحضرمی قال سمعت ابی یقول سمعت وائل بن حجر الحضرمی قال رایت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه و اذا رکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع، الحدیث۔
سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے، الحدیث (مسند الحمیدی ص ۳۹۲ ج ۲ رقم الحدیث ۸۸۵)

(۶۱) حدثنا الحسن بن اسماعیل ثنا علی بن شعیب ثنا سفیان بن عیینة عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال رایت النبی ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه حتی حاذتا منکیبہ و حین اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع، الحدیث۔
سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے اور اس وقت جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، الحدیث، (سنن دارقطنی ص ۲۹۰ ج ۱)

(۶۲) اخبرنا ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان ابنا احمد بن عیید الصفار ثنا عفان بن عمر (وفی نسخة عثمان بن عمرو) الضبی ثنا مسدد ثنا عبد الواحد یعنی ابن زیاد ثنا عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر الحضرمی قال اتیت النبی ﷺ فقلت لا نظرن کیف یصلی فاستقبل القبلة و کبر و رفع یدیه حتی کانتا حذو منکیبہ ثم اخذ شماله بيمينه فلما اراد ان یرکع رفع یدیه حتی کانتا حذو منکیبہ فلما رکع وضع یدیه علی رکتیه فلما اراد ان یرفع رفع یدیه حتی کانتا حذو منکیبہ، الحدیث،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور میں نے (دل میں) کہا کہ میں ضرور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کو دیکھوں گا، کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریر کی اور رفع یدین کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو گئے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع یدین کندھوں کے برابر کیا اور (رکوع میں) ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھانے کا ارادہ کیا تو کندھوں کے برابر رفع

یدین کیا، الحدیث۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۷۲ ج ۲، كتاب الصلوة باب رفع اليدين عن الركوع و عند رفع الداس منه)
(۶۳) اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا علي بن حمشاذ (قال و اخبرني) ابو سعيد احمد بن يعقوب الثقفي قالانا محمد بن ايوب انابنا مسدد انبا خالد بن عبد الله ثنا عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر ان النبي ﷺ قام الى الصلوة فكبر و رفع يديه حتى حاذى بهما اذنيه و اخذ شماله بيمينه فلما اراد ان يركع رفع يديه فلما رفع راسه من الركوع رفع يديه، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز کی طرف کھڑے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی اور کانوں کے برابر تک رفع یدین کیا اور دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ کر (باندھ) لیا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کیا جب رکوع سے سر اقدس اٹھایا تو تب بھی رفع یدین کیا، الحدیث،

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۱۳۱ ج ۲، كتاب الصلوة باب ما روى في تحليق الوسطى بالا بهام)
(۶۴) حدثنا ابو داؤد قال حدثنا سلام بن سليم قال ثنا عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل الحضرمي قال صليت خلف النبي ﷺ فقلت لا حفظن صلواته فافتح الصلاة فكبر و رفع يديه حتى بلغ اذنيه و اخذ شماله بيمينه فلما اراد ان يركع كبر و رفع يديه كما رفعهما حين افتتح الصلاة و وضع كفيه على ركبتيه حتى رفع فلما رفع راسه من الركوع رفع يديه كما رفعهما حين افتتح الصلاة، الحدیث،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی اور (دل میں) کہا کہ میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کو یاد رکھوں گا، آپ نے نماز شروع کی تو تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو گئے، اور دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ کر (باندھ لیے) جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو افتتاح نماز کی طرح رفع یدین کیا، اور (رکوع میں) گھٹنوں پر ہتھیلیاں رکھیں حتیٰ کہ رکوع سے کھڑے ہو گے، جب رکوع سے اٹھے تو افتتاح نماز کی طرح رفع یدین کیا، الحدیث،

(مسند ابو داؤد طیالسی ص ۱۳۷، رقم الحدیث ۱۰۲۰)

(۶۵) حدثنا احمد بن حنبل حدثنا ابو عاصم الضحاك بن مخلد و حدثنا مسدد حدثني يحيى، وهذا حديث احمد، قال اخبرنا عبد الحميد يعني ابن جعفر اخبرني محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حميد الساعدي في عشرة من اصحاب رسول الله ﷺ منهم ابو

قتادة قال ابو حميد انا اعلمكم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قالوا فلم؟ فوالله، ما كنت باكثرنا له تبعة، ولا اقدمنا له صحبة، قال بلى، قالوا، فاعرض، قال، كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلاة يرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه، ثم كبر حتى يقر كل عظم في موضعه معتد لا ثم يقرا، ثم يكبر فيرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه، ثم يركع ويضع راحتيه على ركبتيه ثم يعتدل فلا يصب راسه ولا يقنع، ثم يرفع راسه فيقول، سمع الله لمن حمده، ثم يرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه معتدلا ثم يقول، الله اكبر، ثم يهوى الى الارض فيحاج في يديه عن جنبيه، ثم يرفع راسه ويشئ رجله اليسرى فيقعد عليها ويفتح اصابع رجله اذا سجد، ثم يسجد ثم يقول، الله اكبر، ويرفع راسه ويشئ رجله اليسرى فيقعد عليها، حتى يرجع كل عظم الى موضعه، ثم يصنع في الاخرى مثل ذلك، ثم اذا قام من الركعتين كبر و رفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه كما كبر عند افتتاح الصلاة ثم يصنع ذلك في بقية صلاته، حتى اذا كانت السجدة التي فيها التسليم اخر رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الايسر، قالوا، صدقت هكذا كان يصلي ﷺ.

امام محمد بن عمرو بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بیان کر رہے تھے جن میں سے ایک سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا آپ لوگوں میں سے سب سے زیادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں، انہوں نے کہا یہ کس طرح؟ اللہ کی قسم آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے زیادہ اتباع نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی ہم سے پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں یہ درست ہے، تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اچھا (نماز کا طریقہ) بیان کرو، سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور پھر تکبیر کہتے اور جب ہر ایک ہڈی اعتدال سے اپنی جگہ پر آ جاتی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرأت شروع کرتے پھر تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور ہتھیلیوں کو اپنے اپنے گھٹنے پر رکھتے اور کمر سیدھی کرتے یعنی سر کو پیٹھ کے برابر کرتے نہ جھکاتے اور نہ پنیچے رکھتے، پھر سمع اللہ لمن حمده، کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر سیدھے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتے اور زمین کی طرف جھکتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے اس کے بعد سجدہ سے سر اٹھاتے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اور سجدہ کے وقت انگلیوں کو کھلا رکھتے، پھر دوسرا سجدہ کرتے، اللہ اکبر، کہہ کر سجدہ سے سر اٹھاتے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اس قدر کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آ جاتی پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے پھر جب دو رکعتوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ

کہ رفع یدین کرتے جس طرح شروع نماز میں کرتے تھے، پھر باقی نماز بھی اسی طرح پڑھتے یہاں تک کہ جب آخری سجدے سے فارغ ہوتے جس کے بعد سلام ہوتا ہے، تو اپنا بایاں پاؤں ایک طرف نکالتے اور بائیں کولہے پر بیٹھتے، یہ طریقہ نماز سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ تو نے بالکل سچ کہا، رسول اللہ ﷺ اسی طرح ہی نماز پڑھتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب افتتاح الصلاة، رقم الحدیث ۷۳۰، و ابن حبان ص ۱۷۷ ج ۴ رقم الحدیث ۱۸۷۳)

(۲۶) حدثنا محمد بن بشار و محمد بن المثنیٰ قالا، حدثنا یحییٰ بن سعید القطان حدثنا عبد الحمید بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی قال سمعته وهو فی عشرة من اصحاب النبی ﷺ احدہم ابو قتادة بن ربعی یقول انا اعلمکم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قالوا، ما كنت اقدمنا له صحبة ولا اكثرنا له اتيانا، قال، بلى، قالوا، فاعرض، فقال، كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلاة اعتدل قائما و رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه فاذا اراد ان يركع رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ثم قال، الله اكبر، ثم قال، سمع الله لمن حمده، و رفع يديه و اعتدل، حتى يرجع كل عظم في موضعه معتدلا، ثم هوى الى الارض ساجدا، ثم قال، الله اكبر ثم جافى عضديه عن ابطيه و فتح اصابع رجليه ثم ثنى رجله اليسرى وقعد عليها ثم اعتدل حتى يرجع كل عظم في موضعه معتدلا ثم هوى ساجدا، ثم قال، الله اكبر ثم ثنى رجله و قعد و اعتدل حتى يرجع كل عظم في موضعه ثم نهض، ثم صنع في الركعة الثانية مثل ذلك حتى اذا قام من السجدة كبر و رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه، كما صنع حين افتتح الصلاة ثم صنع كذلك حتى كانت الركعة التي تنقضي فيها صلاته اخر رجله اليسرى وقعد على شقه متوركا، ثم سلم۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا جبکہ وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا آپ نبی ﷺ کی صحبت میں نہ ہم سے پہلے آئے اور نہ ہی ہم سے زیادہ آپ کی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آمد و رفت تھی، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات تو درست ہے، تب صحابہ کرام نے کہا، بیان کرو، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے اور رفع یدین کندھوں کے برابر کرتے جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو تب بھی کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرتے اور اعتدال کے ساتھ رکوع

کرتے نہ سر کو جھکاتے اور نہ ہی اونچا کرتے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے پھر سمع اللہ لمن حمد کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور اعتدال سے کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پہنچ جاتی پھر سجدہ کے لیے زمین کی طرف جھکتے اور اللہ اکبر کہتے، اور بازوؤں کو بغلوں سے علیحدہ رکھتے اور پاؤں کی انگلیاں نرمی کے ساتھ قبلہ رخ کر دیتے پھر بایاں پاؤں موڑ کر اس پر اعتدال سے بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پہنچ جاتی، پھر سجدہ کے لیے سر جھکاتے اور، اللہ اکبر، کہتے پھر کھڑے ہو جاتے اور ہر رکعت میں اسی طرح کرتے یہاں تک جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، جیسا کہ شروع نماز میں کیا کرتے، پھر اسی طرح کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی آخری رکعت آ جاتی تو بائیں پاؤں کو نکال کر سرین پر بیٹھ جاتے اور پھر سلام پھیر دیتے۔

(ترمذی کتاب الصلاة باب ما جاء فی وصف الصلاة رقم الحدیث ۳۰۴، مسند احمد ص ۴۲۴ ج ۵، ابن حبان ص ۱۶۹ ج ۴ رقم الحدیث ۱۸۶۱، و ابن خذیمہ ص ۲۹۷ ج ۱ رقم الحدیث ۵۵۸۷)

(۶۷) اخیر نا محمد بن عبد الرحمن بن محمد حدثنا عمرو بن عبد اللہ الاودی حدثنا ابو اسامہ حدثنا عبد الحمید بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء قال، سمعت ابا حمید الساعدی یقول کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلاة استقبال و رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکیبہ ثم قال اللہ اکبر و اذا رکع کبر فرفع یدیه حین رکع ثم عدل صلبه و لم یصوب راسه و لم یقنعه ثم قال سمع اللہ لمن حمدہ و رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکیبہ ثم اعتدل حتی رجع کل عظم الی موضعه معتدلا ثم هوی الی الارض فقال اللہ اکبر و سجدو جافی عضدیہ عن جنبیہ و استقبال با طرف اصابع رجليه القبلة ثم رفع راسه وقال اللہ اکبر و ثنی رجله اليسرى وقعد علیها و اعتدل حتی رجع کل عظم الی موضعه معتدلا ثم قال اللہ اکبر ثم عاد فسجد ثم رفع راسه وقال اللہ اکبر ثم ثنی رجله اليسرى ثم قعد علیها حتی رجع کل عظم الی موضعه ثم قام فصنع فی الاخری مثل ذلك، حتی اذا قام من الركعتین کبر وصنع کما صنع فی ابتداء الصلاة حتی اذا كانت السجدة التي تكون خاتمة الصلاة رفع راسه منهما و اخر رجله وقعد متوركا علی رجله صلی اللہ علیہ وسلم۔

سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ رخ (ہو کر تکبیر کہتے) اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے اور رکوع کرتے وقت رفع یدین بھی کرتے تھے، پھر رکوع میں اپنی پیٹھ کو سیدھا کرتے سر کو نہ اونچا کرتے اور نہ جھکاتے تھے، پھر سمع اللہ لمن حمد کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر معتدل ہو

کر کھڑے ہو جاتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جاتی، پھر زمین کی طرف جھکتے تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور سجدہ میں بازوؤں کو بغلوں سے علیحدہ رکھتے، اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے اور تکبیر کہتے اور بائیں پاؤں موڑ کر اس پر اعتدال سے بیٹھ جاتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پہنچ جائے، پھر اللہ اکبر کہتے اور سجدہ کرتے پھر سر کو سجدہ سے اٹھاتے اور تکبیر کہتے اور بائیں پاؤں موڑ کر اس پر بیٹھ جاتے حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتی پھر کھڑے ہوتے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح ہی کرتے یہاں تک کہ جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اسی طرح ہی (رفع یدین) کرتے جیسا کہ شروع نماز میں کرتے تھے، یہاں تک جب وہ سجدہ آ جاتا جو آخر نماز میں ہوتا ہے جب اس سے سر اقدس اٹھاتے تو بائیں پاؤں نکال کر سرین پر بیٹھ کر تورک کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۸۶۷ ص ۱۷۳ ج ۴)

(۶۸) حدثنا هشيم انا عبد الحميد بن جعفر الانصاري عن محمد بن عمرو بن عطاء القرشي قال رايت ابا حميد الساعدي مع عشرة رهط من اصحاب النبي ﷺ فقال ألا أحدثكم عن صلوة النبي ﷺ قالوا هات قال فرايته اذ اكبر عند فاتحة الصلوة رفع يديه و اذا ركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه ثم يمكث قائما حتى يقع كل عظم في موضعه ثم يهبط ساجدا و يكبر۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء قرشی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہما کو دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں آپ سے نبی مکرم ﷺ کی نماز نہ بیان کرو؟ انہوں نے کہا آئیے (بیان کیجئے) تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ افتتاح نماز کے وقت جب اللہ اکبر کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تب بھی رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تب بھی رفع یدین کرتے تھے، پھر کھڑے رہتے حتیٰ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتی پھر سجدہ کے لیے جھکتے اور تکبیر کہتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۵ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب من کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ)

(۶۹) حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابو عامر حدثنا فليح بن سليمان حدثنا عباس ابن سهل الساعدي قال اجتمع ابو حميد و ابو اسيد الساعدي و سهل بن سعد و محمد بن مسلمة فذكروا صلاة رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ قام فكبر و رفع يديه ثم رفع حين كبر للركوع ثم قام فرفع يديه و استوى حتى رجع كل عظم الى موضعه۔

امام عباس بن سهل فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابو اسید ساعدی اور سهل بن سعد اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تذکرہ کیا، سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہما

نے کہا کہ میں آپ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی تو رفع یدین کیا، پھر جب رکوع کی تکبیر کہی تو رفع یدین کیا پھر جب رکوع سے کھڑے ہوئے تو تب بھی رفع یدین کیا، اور سیدھے کھڑے رہے حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آگئی۔ (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب رفع الیدین اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع رقم الحدیث ۸۶۳، والفظ له، و ابن حبان ص ۱۷۵ ج ۴ رقم الحدیث ۱۸۶۸)

(۷۰) حدثنا الحسن بن علی الخلال حدثنا سليمان بن داود الهاشمي حدثنا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن موسى بن عقبه عن عبد الله بن الفضل عن عبد الرحمن الاعرج عن عبيد الله بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب عن رسول الله ﷺ انه كان اذا قام الى الصلاة المكتوبة رفع يديه حذو منكبيه ويصنع ذلك اذا قضى قرأته و اراد ان يرکع ويصنع اذا رفع راسه من الركوع ولا يرفع يديه في شئ من صلاته وهو قاعد فاذا قام من سجدين رفع يديه كذلك، الحدیث۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، جب قرأت سے فارغ ہوتے اور رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے، اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے، اور نماز میں جو حصہ بیٹھ کر ادا فرماتے اس میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ اور جب دو رکعت پڑھ کر (تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الدعوات باب منه (ای ما جاء في الدعاء عند افتتاح الصلاة بالليل) رقم الحدیث ۴۲۳، و ابو داؤد کتاب الصلاة باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء رقم الحدیث ۷۶۱، و باب من ذکر انه يرفع يديه اذا قام من الثلثين رقم الحدیث ۷۴۴، و ابن خزيمة ص ۲۹۵ ج ۱، رقم الحدیث ۵۸۴، مسند احمد ۹۳ ج ۱۔)

(۷۱) حدثنا العباس بن عبد العظيم العنبري حدثنا سليمان بن داود ابو ايوب الهاشمي حدثنا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن موسى بن عقبه عن عبد الله بن الفضل عن عبد الرحمن الاعرج عن عبيد الله بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب قال كان النبي ﷺ اذا قام الى الصلاة المكتوبة كبر و رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه و اذا اراد ان يرکع فعل مثل ذلك و اذا رفع راسه من الركوع فعل مثل ذلك و اذا قام من السجدين فعل مثل ذلك۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو

تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تب بھی رفع یدین اسی طرح کرتے تھے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب رفع الیدین اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع رقم الحدیث ۸۶۴)

(۷۲) انا ابو طاہر انا ابو بکرنا ابو زہیر عبدالمجید بن ابراہیم المصری نا شعیب یعنی ابن یحییٰ التجیبی اخبرنا یحییٰ بن ایوب عن ابن جریج عن ابن شہاب عن ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث انه سمع ابا ہریرۃ یقول کان رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاة کبر، ثم جعل یدیه حدو منکیبہ و اذا رکع فعل مثل ذلك و اذا سجد فعل مثل ذلك، ولا یفعله حين یرفع راسه من السجود، و اذا قام من الرکعتین فعل مثل ذلك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر تحریمہ کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور جب رکوع کرتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب سجدہ کرتے تو (رکوع کے بعد) رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تب بھی رفع یدین کرتے۔

(صحیح ابن خزیمة ص ۳۴۴ ج ۱ رقم ۶۹۴)

(۷۳) عن ابی ہریرۃ انه قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کبر للصلاة جعل یدیه حدو منکیبہ و اذا رکع فعل مثل ذلك و اذا رفع للسجود فعل مثل ذلك و اذا قام من الرکعتین فعل مثل ذلك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے تکبیر (تحریمہ) کہتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب (رکوع سے) سجدہ کے لیے سر اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب افتتاح الصلاة رقم الحدیث ۷۳۸)

(۷۴) عن ابی موسیٰ الاشعری قال هل اریکم صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فکبر و رفع یدیه ثم کبر و رفع یدیه للركوع ثم قال سمع اللہ لمن حمدہ ثم رفع یدیه ثم قال هكذا فاصنعوا ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھاؤں پس آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہہ کر رفع یدین کیا پھر تکبیر کہی اور رکوع کے لیے رفع یدین کیا پھر (جب رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو رفع یدین کیا، اور فرمایا کہ اس طرح (نماز میں رفع یدین) کیا کرو اور آپ نے سجدوں میں رفع یدین نہ کیا۔

(سنن دار قطنی ص ۲۹۲ ج ۱ کتاب الصلاة باب نکر التکبیر و رفع الیدین عند الافتتاح والركوع والرفع منه)
 (۷۵) عن عطاء بن ابی رباح قال صلیت خلف عبد الله بن الزبیر فكان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع فسالته فقال عبد الله بن الزبیر صلیت خلف ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فكان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع وقال ابو بکر صلیت خلف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فكان یرفع یدین اذا افتتح الصلوة و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع، رواه ثقات۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن زبیر کی اقتدا میں نماز پڑھی آپ نماز شروع کرتے وقت رکوع کرنے سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، میں نے ان سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی، وہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، امام بیہقی فرماتے ہیں اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۷۳ ج ۲ کتاب الصلوة باب رفع الیدین عند الركوع و عند رفع الراس منه)
 (۷۶) عن ابی الزبیر قال رایت جابر بن عبد الله یرفع یدیه اذا کبر و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع ولم یرفع بین ذلك، فقلت له، ما هذا؟ قال هكذا رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلی۔

امام ابو زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور (سجدوں کے) درمیان نہ کرتے امام ابو زبیر فرماتے ہیں میں نے آپ سے کہا کہ یہ کیا ہے، تو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا۔

(مسند السراج ص ۶۲ رقم الحدیث ۹۲)

(۷۷) عن انس قال رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند ابو یعلیٰ ص ۵۰ ج ۴ رقم الحدیث ۳۷۸۱)

(۷۸) عن انس بن مالك قال صلیت و راء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فکلهم

کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة و اذا کبر للركوع و اذا رفع راسه یکبر للسجود -
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے، یہ تمام کے تمام نماز کو شروع کرتے وقت اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے اور سجدہ کے لیے تکبیر کہتے تھے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص ۲۳۹ ج ۷ رقم الحدیث ۶۴۶۰، وقال هیثمی فیہ ابراہیم بن محمد الاسلمی وهو ضعیف، مجمع الزوائد ۲/۱۰۵)

(۷۹) عن ابن عمر کان النبی ﷺ اذا دخل فی الصلاة کبر و رفع یدیه حدو منکبیه و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تب بھی رفع یدین کرتے۔

(التغلیق التعلیق ص ۳۰۵ ج ۲)

(۸۰) عن ابن عمر انه کان یرفع یدیه حین یفتح الصلاة و اذا رکع و اذا استوی قائما من رکوعه حدو منکبیه و یقول کان رسول اللہ ﷺ یفعل ذلك۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سیدھے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور بیان فرمایا کرتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی یہ (رفع یدین) کرتے تھے۔ (التغلیق التعلیق ص ۳۰۶ ج ۲)

(۸۱) نا محمد بن عصمة نا سوار بن عمارة نارديح بن عطيه عن ابی زرعة عن ابی عبد الجبار بن معج قال رایت ابا هريرة فقال لا صلین بکم صلاة رسول الله ﷺ لا ازید فیها ولا انقص، فاقسم بالله و ان كانت لهی صلاته حتی فارق الدنيا قال فقامت عن یمینه لا نظر کیف یصنع فابتدا فکبر و رفع یدیه ثم رکع فکبر و رفع یدیه ثم سجد کبر ثم سجد و کبر حتی فرغ من صلاته قال اقسام بالله ان كانت لهی صلاته حتی فارق الدنيا۔

ابو عبد الجبار سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے کہا کہ البتہ میں آپ کو ضرور رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھاؤں گا، اس میں زیادہ کروں گا نہ کم، پس انہوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر کہا کہ آپ کی، یہی نماز تھی حتیٰ کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، راوی نے کہا پس میں آپ کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا تا کہ دیکھوں کہ آپ کیا کرتے ہیں، پس انہوں نے نماز کی ابتدا کی، اللہ اکبر کہا اور رفع الیدین کیا پھر (رفع یدین کیا اور) رکوع کیا، پس تکبیر کہی (رکوع کے بعد) اور رفع

الیدین کیا پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی پھر سجدہ کیا اور اللہ اکبر کہا حتی کہ آپ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی نماز تھی حتی کہ آپ علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔

(المعجم لابن الاعرابی ص ۲۲۶ ج ۱ رقم الحدیث ۱۴۲)

(۸۲) حدثنا حصین بن وهب الار سوفي ثنا زكريا بن نافع الار سوفي ثنا عباد بن عباد الخواص ثنا ابو زرعة يحيى بن ابى عمرو السيانى عن ابى عبد الجبار و اسمه عبد الله بن معج عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال لا صلین بکم صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان استطعت لم ازد ولم انقص فکبر فشهر بیدیه فرکع فلم یطل ولم یقصر ثم رفع راسه فشهر بیدیه ثم کبر فسجد۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ضرور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھا کرتا ہوں گا، حتی الوسع اس میں نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی پس انہوں نے اللہ اکبر کہا اور رفع الیدین کیا پس آپ نے رکوع کیا، نہ طویل اور نہ ہلکا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا (رکوع سے) رفع الیدین کیا، پھر اللہ اکبر کہا پس سجدہ کیا۔ (مسند الشامیین للطبرانی ۳۰ ج ۲ رقم الحدیث ۸۶۸)

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ

(۱) عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان اذا دخل فی الصلاة کبر ورفع یدیه و اذا رکع رفع یدیه و اذا قال سمع الله لمن حمدہ رفع یدیه و اذا قام من الرکعتین رفع یدیه و رفع ذلك ابن عمر الى النبی صلی الله علیه وسلم۔

امام نافع بیان کرتے ہیں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو رفع یدین کرتے اور اپنے اس عمل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین رقم الحدیث ۷۲۹)

(۲) عن محارب بن دثار عن ابن عمر انہ کان یرفع یدیه کلما رکع و کلما رفع، فقلت ما هذا؟ فقال کان رسول الله ﷺ اذا قام فی الرکعتین فکبر رفع یدیه۔

امام محارب بن دثار فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کرتے، میں نے آپ سے کہا یہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند ابو یعلیٰ ص ۲۶۰ ج ۵ رقم الحدیث ۵۶۴۴)

(۳) عبد الرزاق عن ابن جریج قال اخبرنی حسن بن مسلم قال سمعت طاؤسا وهو یسال عن رفع الیدین فی الصلاة فقال، رایت عبد الله، و عبد الله، و عبد الله یرفعون ایدیہم فی الصلاة، لعبد الله بن عمر، و عبد الله بن عباس و عبد الله بن الزبیر۔

امام حسن بن مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے خودنا امام طاؤس رحمہ اللہ سے نماز کے اندر رفع یدین کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو نماز کے اندر رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۶۹ ج ۲ رقم الحدیث ۲۵۲۵)

(۴) عن ابو الزبیر ان رایہ ابن عمر و عبد الله بن الزبیر یرفعان ایدیہما اذا کبر فی الصلاة و اذا رفاعا رؤوسہما من الرکوع۔

امام ابو زبیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ

جب نماز میں (رکوع کے لیے) تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(مسائل الامام احمد بن حنبل روایۃ ابنہ عبد اللہ ص ۲۴۴ ج ۱)

(۵) عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان اذا رای رجلا لا یرفع یدیه اذا رکع و اذا رفع رماہ

بالحصی۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کو دیکھتے کہ وہ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتا تو اسے کنکریاں مارتے۔

(جزء رفع الیدین مترجم ص ۲۴ و فی نسخۃ الاخری ص ۴۴)

سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ

عن ابی قلابۃ انه رأى مالک بن الحویرث اذا صلی کبر و رفع یدیه و اذا اراد ان یرکع رفع یدیه و اذا رفع راسه من الرکوع رفع یدیه، الحدیث۔

امام ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب بھی نماز پڑھتے تکبیر تحریمہ کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب بھی رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو رفع یدین کرتے اور جب بھی رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذ اکبر و اذا رکع و اذا رفع، رقم الحدیث ۷۳۷ صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب استحباب رفع الیدین ... رقم الحدیث ۸۶۴)

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

عن حطان بن عبد اللہ بن ابی موسیٰ الاشعری قال، هل اریکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فکبر و رفع یدیه، ثم کبر و رفع یدیه للركوع ثم قال سمع اللہ لمن حمدہ ثم رفع یدیه ثم قال، هكذا فاصنعوا ولا یرفع بین السجدةین۔

امام حطان بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھ کر دکھاؤں؟ پس آپ نے اللہ اکبر کہہ کر رفع یدین کیا پھر (رکوع کے وقت) پر اللہ اکبر کہہ کر رفع الیدین کیا پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رفع یدین کیا اور فرمایا کہ اسی طرح کرو، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کیا۔

(سنن دارقطنی ص ۲۹۲ ج ۱ کتاب الصلوات باب ذکر التکبیر و رفع الیدین (رقم الحدیث ۱۶)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

قال عبد اللہ بن الزبیر صلیت خلف ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فكان یرفع یدیه اذا افتتح

الصلوة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے۔
(السنن الكبرى للبيهقي ص ۷۳ ج ۲ و قال رواه ثقات)

سیدنا عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما

عن عطاء بن ابي رباح قال صليت خلف عبد الله بن الزبير فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلو و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔
امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے، آپ نماز شروع کرتے وقت رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے۔
(السنن الكبرى للبيهقي ص ۷۳ ج ۲ و قال رواه ثقات)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

عن ابي حمزة قال رايت ابن عباس يرفع يديه اذا افتتح الصلوة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔
ابو حمزہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔
(مصنف ابن ابي شيبة ص ۲۳۵ ج ۱، و جزو رفع الیدین ص ۲۷)

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ

عن عطاء قال رايت ابا سعيد الخدري و ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبير يرفعون ايديهم نحو حديث الزهري۔
امام عطاء فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوسعید خدری سیدنا ابن عباس سیدنا ابن زبیر اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم کو میں نے دیکھا ہے یہ تمام امام زہری (سے مروی) حدیث کے مطابق رفع الیدین کرتے تھے۔
(مصنف ابن ابي شيبة ص ۲۳۵ ج ۱)
نوٹ: امام زہری کی حدیث ابتدا میں گزر چکی ہے، وہاں سے ایک نظر دیکھ لی جائے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رفع الیدین کرنا

اخبرنا محمد بن عبد الله حدثني محمد بن صالح حدثنا يعقوب بن يوسف الاخرم حدثنا الحسن بن عيسى ابنا ابن المبارك ابنا عبد الملك بن ابى سليمان عن سعيد بن جبيرانه سئل عن رفع الیدین فی الصلوٰۃ فقال هو شئ یزین به الرجل صلواته وکان اصحاب رسول الله ﷺ یرفعون فی الافتتاح وعند الركوع واذارفعوا رؤوسهم۔

امام سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ سے رفع الیدین کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ نماز کی زینت ہو جاتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شروع نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۰ ج ۲)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(۱) عن عاصم الاحول قال رايت انس بن مالك رضی اللہ عنہ اذا افتتح الصلوٰۃ كبر ورفع يديه ويرفع كلما ركع ورفع راسه من الركوع۔

امام عاصم احول فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے اور جب بھی رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔ (جزو الرفع الیدین للبخاری ص ۲۷)

(۲) عن حميد عن انس انه كان يرفع يديه اذا دخل في الصلوٰۃ و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

حمید سے روایت ہے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۰ ج ۱ کتاب الصلوات باب من كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰۃ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

عن عطاء قال صليت مع ابى هريرة رضی اللہ عنہ فكان يرفع يديه اذا كبر و اذا رفع۔ امام عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، آپ (رکوع کے لیے) تکبیر کہتے، وقت اور (رکوع سے) اٹھتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

(حدیث الیدین ص ۲۷)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

ان ابا المصعب مشرع بن ہاعان المعافری حدثہ انه سمع عقبہ بن عامر الجہنی یقول
انه یکتب فی کل اشارۃ یشیرھا الرجل بیدہ فی الصلوۃ بكل اصبع حسنة او درجة۔
سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے، اسے ہر
(مسنون) اشارہ کے بدلے ایک انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے

(المعجم الكبير للطبرانی ص ۲۹۷ ج ۱۷ رقم الحدیث ۸۱۹)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے قوی ہے، ہمارے فاضل دوست شیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ محدث
حضور نے نہایت محققانہ بحث کی ہے، باذوق حضرات مراجعت کریں، (نور العینین ص ۱۷۶) علامہ بیہقی
نے، (مجمع الزوائد ص ۱۰۳ ج ۲، وفی نسخہ الاخری ص ۱۰۶ ج ۲)، میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اور یہ
روایت حکما مرفوع ہے، کیونکہ اس میں قیاس و رائے کو دخل نہیں، اور بعض روایات میں مرفوع بھی مروی
ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے

(سلسلہ الاحادیث الصحیحہ ص ۸۴۸ المجلد السابع القسم الثاني رقم الحدیث ۳۲۸۶)
واضح رہے کہ یہ روایت مسئلہ رفع الیدین کے متعلق ہی ہے، جیسا کہ علامہ بیہقی نے اسے رفع
الیدین کے باب میں ذکر کیا ہے اور امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا یہی مفہوم سیدنا عقبہ
رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔

(معرفة السنن والآثار ص ۵۶۲ ج ۱ رقم الحدیث ۷۹۲)

آثار تابعین عظام

امام ابو قلابہ تابعی

عن خالد ان ابا قلابہ کان یرفع یدیه اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع
امام ابو قلابہ تابعی رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۵ ج ۱)

امام محمد بن سیرین تابعی

عن ابن عون قال کان محمد یرفع یدیه اذا دخل فی الصلوۃ و اذا رکع و اذا رفع راسه

من الركوع۔

امام محمد بن سیرین تابعی نماز شروع کرتے ہوئے اور رکوع کرتے وقت اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۰ ج ۱)

امام وہب بن منبہ تابعی

عن داود بن ابراہیم قال رأیت وهب بن منبه اذا كبر في الصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو اذنيه و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

داؤد بن ابراہیم (ثقہ راوی الجرح والتعديل ۴۰۶/۳) کہتے ہیں کہ میں نے امام وہب بن منبہ کو دیکھا کہ وہ جب نماز میں تکبیر (تحریمہ) کہتے تو کانوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۶۹ ج ۲ رقم الحدیث ۲۵۲۴)

قال رأیت وهب بن منبه يرفع يديه في الصلاة اذا كبر و اذا ركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه ولا يفعل ذلك في السجود۔

(داؤد بن ابراہیم) کہتے ہیں کہ میں نے وہب بن منبہ کو دیکھا جب وہ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو تب بھی رفع یدین کرتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ (التمهيد لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص ۲۲۸ ج ۹)

امام سالم بن عبد اللہ امام قاسم بن محمد امام عطاء امام مکحول

عن عكرمة بن عمار قال رأیت سالم بن عبد الله و القاسم بن محمد و عطاء و مكحول يرفعون ايديهم في الصلوة اذا ركعوا و اذا رفعوا۔

عکرمہ بن عمار فرماتے ہیں کہ میں نے امام سالم بن عبد اللہ امام قاسم بن محمد امام عطاء امام مکحول کو دیکھا وہ نماز میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع اليدين ص ۴۹ واللفظ له والتمهيد ص ۲۱۸ ج ۹)

نعمان بن ابی عیاش

عن عبد الله بن عجلان قال سمعت النعمان بن ابی عیاش یقول لكل شیئی زینة وزینة

الصلوة ان ترفع يديك اذا كبرت و اذا ركعت و اذا رفعت راسك من الركوع۔
ابن عجلان کہتے ہیں کہ میں نے امام نعمان بن ابی عیاش سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہے اور نماز کی زینت یہ ہے کہ تکبیر (تحریمہ) اور رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے تو رفع یدین کرے۔ (جزء رفع الیدین ص ۴۸)

امام طاؤس

عن الحكم قال رایت طاؤسا کبر فرفع یدیه حذو منکبیه عند التکبیر و عند رکوعه و عند رفع راسه۔
حکم فرماتے ہیں کہ میں نے امام طاؤس کو دیکھا کہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی اور رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے کندھوں کے برابر رفع یدین کیا۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۴ ج ۲)

خليفة راشد عمر بن عبد العزيز

حدثنا محمد بن يوسف ثنا عبد الاعلیٰ بن مسهر ثنا عبد الله بن العلاء بن زبر ثنا عمرو بن مهاجر قال کان عبد الله بن عامر یسالنی ان استأذن له علی عمر بن عبد العزيز فا ستأذنت له علیه فقال الذی جلد اخاه فی ان یرفع یدیه ان کنا لنؤدب علیه و نحن غلمان بالمدينة فلم یاذن له۔

عمرو بن مهاجر نے کہا کہ عبد اللہ بن عامر مجھے کہتے کہ میں انہیں عمر بن عبد العزیز کے پاس لے جاؤں میں نے عمر بن عبد العزیز سے جب اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا یہ عبد اللہ بن عامر وہی ہے جس نے اپنے بھائی کو رفع الیدین کرنے پر مارا تھا، ہمیں تو رفع الیدین سکھایا جاتا تھا جبکہ ہم مدینہ میں بچے تھے، پس عمر بن عبد العزیز نے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔
(جزء رفع الیدین قلمی نسخہ ص ۶ بحوالہ نور العینین ص ۱۶۸ و مطبوع ص ۲۶ و فی نسخة الاخری ص ۴۷)

سعيد بن جبیر

عن عبد الملك بن ابی سلیمان عن سعید بن جبیر انه سئل عن رفع الیدین فی الصلوة فقال هوشی یزین به الرجل صلوته و کان اصحاب رسول الله ﷺ یرفعون فی الافتتاح و عند الركوع اذا رفعوا رؤوسهم۔

امام سعید بن جبیر سے رفع الیدین کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایسی چیز ہے جس کے ساتھ انسان اپنی نماز کو زینت دیتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شروع نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۰ ج ۲)

مذکورہ احادیث و آثار کا خلاصہ

جس رفع الیدین کے رد میں انوار صاحب نے اپنی کتاب میں مستقل باب تحریر کیا ہے اسے حسب ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

- (۱) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حدیث نمبر ۲۸ تا ۷۹، ۸۰۔
- (۲) سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۸ تا ۲۹۔
- (۳) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۹ تا ۶۳۔
- (۴) سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ، بتصدیقہ، حدیث نمبر ۶۵، ۶۶۔
- (۵) سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۶۵ تا ۶۹۔
- (۶) سیدنا ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ، بتصدیقہ حدیث نمبر ۶۹۔
- (۷) سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، بتصدیقہ حدیث نمبر ۶۹۔
- (۸) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۰ تا ۷۱۔
- (۹) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۲ تا ۷۳۔
- (۱۰) سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۴۔
- (۱۱) سیدنا عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما، حدیث نمبر ۷۵۔
- (۱۲) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۵۔
- (۱۳) سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۶۹۔
- (۱۴) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، حدیث نمبر ۷۶۔
- (۱۵) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۷ تا ۷۸۔

(۱۶ تا ۱۹) چند نامعلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ابو حمید رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھے۔
اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں، حسب ذیل آئمہ کرام نے رفع الیدین کی احادیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

(۱) الکتانی، (۲) ابن الجوزی، (۳) ابن حجر (۴) زکریا الانصاری (۵) محمد مرتضیٰ زبیدی (۶)

ابن حزم (۷) سیوطی (۸) العراقی (۹) السخاوی (۱۰) موفق الدین ابن قدامہ (۱۱) الشمس الدین بن قدامہ (۱۲) ابن تیمیہ (۱۳) عبد العزیز القرہادی۔

علی الترتیب دیکھئے: ”نظم المتنثر من الحدیث المتواتر ص ۹۶، ۹۷، فتح الباری ص ۲۰۳ ج ۱، لفظ اللالی المتنثرہ فی الاحادیث المتواترہ ص ۶۰۷، حاشیہ لفظ اللالی ص ۳۰۵ جلاء العینین ص ۲۵، القواعد النورانیہ ص ۲۸ کوثر النبی ص ۱۰ الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ محدث حضور فرماتے ہیں۔ امام اصطرغی، سیوطی، اشرف علی تھانوی دیوبندی اور محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی وغیرہم کے نزدیک ہر وہ حدیث متواتر ہے جسے کم از کم دس راوی بیان کریں دیکھئے تدریب الراوی، قطف الازہار المتنثرہ، بوادر النواہر ص ۱۳۶ تحفہ قادیانیت ص ۷۷۔

لہذا رفع الیدین کا اثبات قطعی الثبوت ہے، اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے۔

(نور العینین ص ۱۱۳)

مذکورہ آحادیث و آثار کا نتیجہ

گذشتہ پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ

(۱) رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں۔

(۲) نبی مکرم ﷺ رفع الیدین کرتے تھے۔

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفع الیدین کرتے تھے۔

(۴) تابعین رفع الیدین کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ

میں امام عطاء بن ابی رباح جلیل القدر تابعی رفع الیدین کرتے تھے۔ جو سیدہ عائشہ سیدہ ام سلمہ سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہن اور سیدنا ابو ہریرہ سیدنا ابن عباس سیدنا حکیم بن حزام سیدنا رافع بن خدیج سیدنا زید بن ارقم سیدنا زید بن خالد جہنی سیدنا صفوان بن امیہ سیدنا عبد اللہ بن زبیر سیدنا عبد اللہ بن عمرو سیدنا ابن عمر سیدنا معاویہ سیدنا ابوسعید اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، ان کا بیان ہے میں نے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا (دیکھا) ہے (سیر اعلام النبلاء ص ۵۵۲ ج ۵) یہ مکہ مکرمہ کے مفتی تھے۔ ذہبی نے سیر میں انہیں، الامام شیخ الاسلام مفتی الحرم، کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنہیں دیکھا ہے ان میں سے عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں دیکھا۔

(میزان الاعتدال ص ۳۸۰ ج ۱)

خلفائے بنی امیہ کی طرف سے حکم تھا کہ مکہ مکرمہ میں عطاء کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔

(تہذیب الکمال ص ۱۶۸ ج ۵)

مدینہ طیبہ

میں امام سالم بن عبد اللہ رفع الیدین کرتے تھے، کون سالم؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پوتا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا، ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا، مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک یہی امام سالم تھے۔

علامہ ذہبی ان کے متعلق تحریر کرتے ہیں، الامام الزاہد، الحافظ، مفتی المدینۃ (سیر ص ۳۸۲ ج ۵) امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے فقہاء میں سے ہیں، قاضی ان سات فقہاء کے فتاویٰ سے قبل فیصلہ نہ کرتا تھا، امام احمد اور اسحاق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سب سے زیادہ صحیح سند زہری عن سالم عن ابیہ ہے (ایضاً ص ۳۸۵) اسی مدینہ میں امام قاسم بھی رفع الیدین کرتے تھے، کون قاسم؟ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے، سیدنا ابن عباس ابن عمر، ابو ہریرہ، رافع بن خدیج، عبد اللہ بن خطاب، عبد اللہ بن عمرو، رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کے شاگرد، ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں، الامام القدوة الحافظ الحجۃ عالم و قنہ بالمدينة مع سالم و عكرمة (سیر ص ۵۳۲ ج ۵) امام تکلی بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو مدینہ میں نہیں دیکھا جو قاسم پر کسی کو فضیلت دیتا ہو، امام ابو زناد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالم نہیں دیکھا، امام مالک فرماتے ہیں اس امت کے فقہاء سے ایک قاسم بھی ہیں۔ (تہذیب الکمال ص ۸۲ ج ۶ و سیر ص ۵۳۶)

مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

پھر سیدنا عمر بن عبد العزیز سے کون ہے جو ناواقف ہے، علم و فضل زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ امیر المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہے، ذہبی نے انہیں الامام الحافظ العلامة المجتہد الزاہد العابد امیر المؤمنین القرشی الاموی المدنی ثم المصری، کے عالی شان القاب سے یاد کیا ہے، (سیر اعلام النبلاء ص ۵۷۶ ج ۵)

امام مزنی فرماتے ہیں کہ المدنی ثم الدمشقی امیر المؤمنین الامام العادل۔

(تہذیب الکمال ص ۳۶۸ ج ۵)

امت مرحومہ نے انہیں خلیفہ راشد کا خطاب دیا ہے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان سے زیادہ کسی کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نہیں دیکھا (سیر) انہوں نے منکر رفع الیدین سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اسی مدینہ طیبہ میں سیدنا زید بن صامت

انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے امام نعمان بن ابی عیاش رفع الیدین کرتے تھے، جن کے حق میں امام ابو بکر بن منجویہ نے کہا ہے، کان سخیا کبیرا من افاضل ابناء اصحاب رسول اللہ ﷺ یعنی صحابہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے فاضل اور بہت بڑے سخی تھے۔ (تہذیب الکمال ص ۳۴۸ ج ۷)

سیدنا جابر بن عبد اللہ سیدنا عبد اللہ بن عمر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کے شاگرد ہیں۔

کوفہ: میں امام سعید بن جبیر رفع الیدین کرتے تھے، جو سیدنا انس بن مالک، سیدنا ضحاک بن قیس، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر، سیدنا عبد اللہ بن مغفل سیدنا عدی بن حاتم سیدنا ابو سعید خدری سیدنا ابو مسعود انصاری سیدنا ابو موسیٰ اشعری سیدنا ابو ہریرہ، اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں، جعفر بن ابی مغیرہ راوی ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اہل کوفہ میں سے کوئی ایک مسئلہ پوچھتا تو آپ اسے کہتے کیا آپ کے ہاں ابن ام الدہماء (سعید بن جبیر) نہیں ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۲۹۰ ج ۵) و تذکرۃ الحفاظ ص ۷۶ ج ۱ و حلیۃ الاولیاء ص ۳۰۳ ج ۴)۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ انوار صاحب نے سنن ترمذی کی ایک عبارت سے ترک رفع الیدین پر اہل کوفہ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، جو قطعی طور پر غلط ہے، اہل کوفہ کا وہ اجماع ہی کیا ہے، جس میں سعید بن جبیر جیسا محدث و فقہی شامل نہیں خود امام ترمذی نے باب رفع الیدین عند الركوع کے تحت امام سعید بن جبیر کا مذہب رفع الیدین کرنے کا بیان کیا ہے، اور امام ترمذی علم رجال سے اتنے لاعلم نہیں انہیں یہ خبر ہی نہ ہو کہ سعید بن جبیر کوفہ کا رہنے والا ہے، لہذا انوار صاحب نے امام ترمذی کی عبارت کا جو مفہوم سمجھا ہے اور قارئین کو سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ قطعی طور پر غلط ہے، اور غالباً انوار صاحب اتنا تو جانتے ہیں کہ کسی ایک فرد کے اختلاف کرنے سے بھی اجماع منعقد نہیں ہوتا، الغرض انوار صاحب کا ترک رفع الیدین پر اہل کوفہ کے اجماع کا دعویٰ قطعی طور پر غلط و باطل اور مردود ہے۔

شام میں امام مکحول رفع الیدین کرتے تھے، سیدنا محمود بن ربیع سیدنا انس کے شاگرد ہیں، امام زہری کہتے ہیں عالم دین چار ہیں، مدینہ میں سعید بن مسیب کوفہ میں عامر شععی بصرہ میں حسن اور شام میں مکحول۔ (تہذیب الکمال ص ۲۱۸ ج ۷)

یمن میں امام طاؤس رفع الیدین کرتے تھے، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا زید بن ارقم، سیدنا سراقہ بن مالک، سیدنا صفوان بن امیہ، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر، سیدنا عبد اللہ بن شداد، سیدنا عبد اللہ بن عمرو، سیدنا ابو ہریرہ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں، زہد و تقویٰ اور حفظ و ضبط میں کمال تھا، بالا تفاق ثقہ راوی ہیں۔ اور یمن کے دوسرے محدث ہمام بن منبہ

کے بھائی وہب بھی رفع الیدین کرتے تھے، ابوسعید نعمان بن بشیر، جابر، ابن عمر، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں۔ بخاری میں ان کی روایت ہے۔

عراق کے شہر بصرہ میں امام محمد بن سیرین تابعی رہائش پذیر تھے، جلیل القدر تابعی ہیں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے خادم تھے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمران بن حصین، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، اور امام عمران بن حصین امام یونس بن عبید امام ابن عون اور خالد الحدادی جیسے جلیل القدر محدثین و فقہاء کے استاد ہیں۔ پھر اسی شہر کے رہنے والے امام ابو قلابہ بھی رفع الیدین کرتے تھے، سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ثابت بن ضحاک، حذیفہ بن یمان، مالک بن حویرث رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، اور جلیل القدر آئمہ مثلاً ایوب سختانی، ثابت بنائی، حسان بن عطیہ، حمید الطویل، خالد الحدادی، سلیمان بن داؤد، عاصم احول، عمرو بن میمون کے استاد ہیں۔

یہ تمام لوگ اپنے دور کے جید اور نامور آئمہ دین تھے، جو علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے، ہماری اس پوری بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ خیر القرون کے سنہری دور میں رفع الیدین پر آئمہ و محدثین کا عمل تھا۔

لہذا مقلد انوار صاحب کا یہ دعویٰ کہ ابتداء اسلام میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی رفع الیدین ہوا ہے، لیکن بعد میں یہ رفع الیدین باقی نہیں رہا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۲۲) قطعی طور پر باطل و مردود قرار پاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ وفات تک رفع الیدین کرتے رہے

قارئین کرام آپ مرفوع احادیث میں حدیث نمبر ۷۲، ۷۳ میں حدیث پڑھ آئے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے، یہ روایت دراصل امام زہری کی اس حدیث کا تتمہ اور اختصار ہے، جسے نسائی نے، معمر عن الزہری، عن ابی بکر بن عبد الرحمن و ابی سلمہ عن ابی ہریرہ، روایت کیا ہے، اور اس میں تکبیرات انتقال کا ذکر ہے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام یہی نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ (سنن نسائی رقم الحدیث ۱۱۵۷)

اس حدیث کی متعدد دیگر بھی اسناد ہیں اور بخاری میں مختصر و مطول مروی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کرتے اور بعد از رکوع رفع الیدین کرتے رہے حتیٰ کہ اس دنیا سے تشریف لے گئے، ممکن ہے انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ یہ دو علیحدہ احادیث ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام زہری

تک یہ روایت ایک ہی ہے۔ آگے امام زہری کے شاگردوں میں اختلاف ہے، کوئی ایک ٹکڑا روایت کرتا ہے اور کوئی دوسرا اور کوئی دونوں کو جمع کر دیتا ہے، انوار صاحب کے محدث کبیر جناب علامہ کاشمیری فرماتے ہیں۔

جان لو کہ احادیث کو ٹکڑوں کی صورت میں جمع کیا گیا ہے، پس ایک ٹکڑا ایک راوی کے پاس ہوتا ہے جبکہ دوسرا دوسرے راوی کے پاس، لہذا احادیث کی تمام اسناد اور متون کے حاصل مجموعہ پر عمل کیا جائے، اور ہر ٹکڑے کو مستقل حدیث نہ بنایا جائے (فیض الباری ص ۴۰۰ ج ۳)

مولوی احمد رضا خاں بریلوی لکھتا ہے۔

صد ہا مثالیں اس کی پائے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں کوئی پوری کوئی ایک ٹکڑا کوئی دوسرا ٹکڑا کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح جمع طرق سے پوری بات کا پتا چلتا ہے۔ (عاجز البحرین مندرجہ فتاویٰ رضویہ ص ۳۰۱ ج ۵ طبع جدید)

اسی طرح یہی حدیث امام زہری کے پاس مکمل شکل میں تھی، ابن جریج نے ایک رفع الیدین کا بیان کر دیا، معمر نے تکبیرات کا بیان کر دیا۔ الغرض راویوں کی یہ عادت ہے کہ کبھی روایت میں اختصار کرتے ہیں اور کبھی طویل بیان کر دیتے ہیں، مثلاً یہی روایت بخاری ص ۱۱۰ ج ۱ میں شعیب عن الزہری کی سند سے مروی ہے، اور اس میں۔

انی لا قربکم شہا بصلوۃ رسول اللہ ﷺ ان کانت ہذہ لصلاتہ حتی فارق الدنیا۔

(باب یہوی بالتکبیر حین یسجد رقم الحدیث ۸۰۳)

کے الفاظ ہیں جبکہ صفحہ ۱۰۸ جلد اول میں عقیل عن الزہری کی سند سے ہے، جس میں مذکورہ الفاظ نہیں، (باب التکبیر اذا قام من السجود، رقم الحدیث ۷۸۸) جبکہ چند سطور پر یہی روایت مالک عن ابن شہاب کی سند کے ساتھ انتہائی مختصراً مروی ہے (رقم الحدیث ۷۸۵) ان اسانید اور متون کو علیحدہ علیحدہ احادیث قرار دینا صحیح نہیں، الغرض ابن خزیمہ اور نسائی وغیرہ کی روایت ایک ہی ہے۔

پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما رفع الیدین کرتے تھے، جیسا کہ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہم تفصیل درج کر آئے ہیں اور اس رفع الیدین والی نماز کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی نماز کو وفات تک قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ مرفوع احادیث کے سلسلہ میں ہم روایت نمبر ۸۱، ۸۲ میں نقل کر آئے ہیں۔

(۲) سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی رفع الیدین کے بقا و دوام کی دلیل ہے کیونکہ وہ نبی ﷺ کے پاس آخری دور میں تشریف لائے، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ویسے ہی نماز پڑھنا۔

(۳) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی متاخر اسلام ہیں اور انہوں نے دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کا سفر

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کا طریقہ سیکھنے کے لیے کیا ہے، جیسا کہ ہم دین الحق ۳۳۹ ج ۱ میں تفصیل عرض کر چکے ہیں۔

(۴) پھر رفع الیدین کی احادیث میں، اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع، کے الفاظ آتے ہیں یعنی جب بھی رکوع کرتے اور جب بھی رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کرتے تھے، اور اذا جب ظریفہ و شرطیہ ہو تو عموم کے لیے ہوا کرتا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ جب بھی رکوع کرتے اور جب بھی رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے، اگر نماز میں رکوع کا بقاء دوام ہے، تو رفع الیدین کا بھی ہے

(۵) رفع الیدین کی احادیث میں، کان، کا لفظ ہے، اور کان کا لفظ دوام پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ علامہ زبیلی حنفی نے، (نصب الرایہ ص ۳۱ ج ۱) میں مولوی ظفر احمد تھانوی نے، (اعلاء السنن ص ۷۷۷، ۹۴، ۲۳۹ ج ۱) میں صراحت کی ہے۔

(۶) رکوع سے پہلے اور بعد از رکوع رفع الیدین کی ممانعت پر تمام روایات من گھڑت اور باطل ہیں جبکہ کرنے کی صحیح ہیں، لہذا رفع الیدین کا دوام و بقاء ثابت ہے۔

ائمہ کرام اور رفع الیدین

دین میں اصل حجت قرآن و حدیث اور اجماع ہے، چونکہ انوار صاحب نے بزرگان دین سے بھی عدم رفع الیدین ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، لہذا ہم ان کی تسلی و تشفی کے لیے اسے بیان کر رہے ہیں۔

(۱) امام مالک بن انس رحمہ اللہ

آپ سے چھ شاگردوں (۱) اشھب (۲) ولید بن مسلم (۳) سعید بن ابی مریم (۴) ابو مصعب (۵) ابن وہب (۶) ابن عبدالحکم نے رفع الیدین کرنا نقل کیا ہے۔

(التنہید ص ۲۱۳ ج ۹ و الاستذکار ص ۴۰۴ ج ۱)

امام خطابی اور بغوی نے وضاحت کی ہے کہ امام مالک کا آخری عمل رفع الیدین کا ہے (معالم السنن ص ۱۹۳ ج ۱ و شرح السنۃ ص ۲۳ ج ۳) بلکہ امام ابو العباس قرطبی نے لکھا ہے کہ رفع الیدین کرنا امام مالک کا آخری عمل ہے۔ (طرح التثریب ص ۲۰۴ ج ۱)

اس کے برعکس صرف ابن القاسم نے امام مالک سے ترک رفع الیدین روایت کیا ہے اور ابن عبدالحاکم نے اس پر تنقید کی ہے لہذا یہ روایت شاذ ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو امام مالک کا آخری عمل رفع الیدین کرنے کا ہی ہے۔ (دیکھئے زرقانی علی موطا ص ۱۰۷ ج ۱)

(۲) امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ

آپ فرماتے ہیں۔ ہم ہر ایک نمازی کو حکم دیتے ہیں، خواہ وہ امام ہے یا مقتدی یا منفرد مرد ہے یا عورت وہ نماز شروع کرتے ہوئے اور رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرے۔

(کتاب الام ص ۲۰۵ ج ۱ کتاب الصلاة باب من یخالف فی رفع الیدین فی الصلاة)

(۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ کو دیکھا ہے وہ رکوع سے پہلے اور بعد میں شروع نماز کی طرح رفع الیدین کانوں تک کرتے تھے، اور بعض اوقات شروع نماز والے رفع الیدین سے ذرا تقصیر کر کے رفع الیدین کرتے تھے، اور میں نے امام احمد رحمہ اللہ کو کہتے سنا جب ان سے کہا گیا کہ ایک شخص رفع الیدین کی نبی ﷺ کی یہ احادیث سنتا ہے۔ اور پھر رفع الیدین نہیں کرتا کیا اس کی نماز پوری ہو جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا پوری نماز ہونے کا تو مجھے معلوم نہیں ہے، ہاں وہ فی نفسہ نقص

والی نماز ہے۔ (مسائل احمد لابی داؤد السجستانی ص ۳۳ طبع اولی)

(۴) امام اوزاعی رحمہ اللہ

آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جس سنت پر علماء حجاز علماء بصرہ اور علمائے شام کا اجماع ہے وہ شروع نماز، رکوع کے وقت اور رکوع سے سجدہ کی لیے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کا کرنا ہے، صرف کوفیوں نے امت مسلمہ کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔

(التمہید لمافی المؤطا من المعانی والاسانید ص ۲۲۶ ج ۹)

- | | | |
|------|------------------------------|---------------------------------------|
| (۵) | امام علی بن عبد اللہ المدینی | (نسخہ من نسخ صحیح البخاری ص ۱۰۲ ج ۱) |
| (۶) | امام اسحاق بن راہویہ | (ترمذی، ومعرفۃ السنن والاثار) |
| (۷) | عبد اللہ بن مبارک | (تاویل مختلف الحدیث ص ۶۶) |
| (۸) | محمد بن یحییٰ الزہلی | (صحیح ابن خزیمہ ص ۲۹۸ ج ۱) |
| (۹) | عبد الرحمن بن مہدی | (طبقات احمد ثین باصہان ص ۹۶ ج ۱) |
| (۱۰) | ابو الولید طلیسی | (المعجم لابن الاعرابی ص ۴۱۰، ۴۱۱ ج ۲) |
| (۱۱) | عبد اللہ بن زبیر الحمیدی | (جزء رفع الیدین ص ۲۸) |
| (۱۲) | یحییٰ بن معین | ایضاً |
| (۱۳) | علی بن الحسین | ایضاً ص ۲۷ |
| (۱۴) | یحییٰ بن یحییٰ | ایضاً |
| (۱۵) | عیسیٰ بن موسیٰ | ایضاً |
| (۱۶) | کعب بن سعد | ایضاً |
| (۱۷) | محمد بن سلام، | ایضاً |
| (۱۸) | عبد اللہ بن محمد المسندی | ایضاً |
| (۱۹) | محمد بن نصر المروزی | (مقدمہ اختلاف العلماء ص ۱۵) |
| (۲۰) | ابو احمد الحاکم | (شعار اصحاب الحدیث ص ۴۷) |

(۲۱) امام بخاری

خلاصہ یہ کہ آئمہ مسلمین کی کثرت میں بھی اہل الدائے حضرات بہت پیچھے ہیں ایک دو اماموں سے رک کا ثابت ہو جانا رفع الیدین کے منسوخ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

نور العینین ص ۲۳۹

مسئلہ رفع الیدین پر آئمہ محدثین کی کتب

- (۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جزء رفع الیدین تحریر کی
- (۲) امام ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی نے چار جلدوں میں ایک کتاب، رفع الیدین فی الصلوٰۃ، لکھی ہے (مقدمہ اختلاف العلماء ص ۱۵)
- (۳) امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار البصری صاحب المسند الکبیر نے مسئلہ رفع الیدین پر ایک کتاب لکھی ہے۔
- (التحییر فی المعجم الکبیر لابی سعد السمعانی ص ۱۷۹ ج ۱)
- (۴) حلیۃ الاولیاء کے مصنف حافظ ابو نعیم نے بھی رفع الیدین کے اثبات پر کتاب لکھی ہے۔
- (سیر اعلام النبلاء ص ۳۰۶ ج ۱۹)
- (۵) امام تقوی الدین السبکی کا، جزء رفع الیدین مطبوع ہے جبکہ اس کے برعکس متقدمین میں سے کسی ایک محدث نے بھی ترک رفع الیدین پر کتاب تحریر نہیں کی، ہم متاخرین کی بات نہیں کرتے کیونکہ اصل مسئلہ متقدمین کا ہے۔

دیوبندی و بریلوی علماء کے پیر طریقت ابن عربی کا فیصلہ

ابن عربی پاک و ہند کے تمام احناف کے تصوف میں پیرومرشد ہیں بالخصوص فرقہ دیوبندیہ کی حیاتی پارٹی اور بریلوی مکتب فکر میں ان کی خاص پزیرائی ہے۔

اور مؤلف حدیث اور اہل حدیث تو ابن عربی وغیرہ کے خلاف بات کرنے پر موت آنے کا قائل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شہید ملت علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے ابن عربی وغیرہ کے خلاف ایک کتاب تحریر کی تھی، اب اگلی داستان خود انوار صاحب کی زبانی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں۔

تصوف اور صوفیاء کرام سے بھی آپ کو نفرت تھی، چنانچہ آپ نے وفات سے چند روز پہلے تصوف اور صوفیاء کے خلاف عربی میں کتاب لکھی، التصوف منشاء و مصدرہ، اور اس کے چند روز بعد ہی ارشاد خداوندی،، جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو اس سے میرا اعلان جنگ ہے،، کا شکار ہو گئے (مقدمہ رسائل اہل حدیث ص ۶۴ حصہ اول)۔ اس تمہید کے بعد اب آپ ابن عربی کا فیصلہ ملاحظہ کیجئے، فرماتے

و اما المواضع التي ترفع فيها الايدي في الصلاة فمن قائل عند تكبيرة الاحرام فقط و من قائل عند تكبيرة الاحرام و عند الركوع و عند الرفع من الركوع و من قائل يرفعها عند السجود و عند الرفع من السجود وهو حديث وائل بن حجر و من قائل اذا قام من الركعتين

وهو رواية مالك بن الحويرث عن النبي ﷺ واما أنا فرأيت رسول الله ﷺ في رواية مبشرة فامرني أن أرفع يدي في الصلاة عند التكبيرة الاحرام و عند الركوع و عند الرفع من الركوع۔

اور وہ مقامات جہاں پر نماز میں رفع الیدین کرنے (میں اختلاف ہے) تو بعض کا کہنا ہے کہ فقط تکبیر تحریمہ کے وقت کی جائے، بعض کا خیال ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور بعض کے نزدیک سجدہ کرتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے، اور یہ وائل بن حجر کی روایت ہے اور بعض کے نزدیک دو رکعت پڑھ کر جب کھڑا ہو، یہ نبی ﷺ سے مالک بن حورث رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اور جہاں تک میرا تعلق ہے، تو میں نے ایک مبشرہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے تکبیر تحریمہ اور رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے کا حکم دیا۔

(الفتوحات المکیہ ص ۵۳۷ ج ۱ باب ۶۹ فی معرفة اسرار الصلاة فصل بل وصل فی رفع الایدی فی الصلاة طبع دار احیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۹۹۸ء۔)

فصل دوم

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث

(۱) حدثنا عبد الله بن ايوب المخرمي و سعدان بن نصر و شعيب بن عمرو في آفرين قالوا ثنا سفيان بن عيينة عن الزهري عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى يحاذي بهما وقال بعضهم حذو منكبيه و اذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع لا يرفعهما وقال بعضهم ولا يرفع بين السجدين والمعنى واحد۔ (صحيح ابو عوانه ص ۹۰ ج ۲)

حضرت امام زہری حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے موٹھوں تک اور جب آپ ارادہ فرماتے کہ رکوع کریں اور رکوع سے سر اٹھا لینے کے بعد آپ رفع الیدین نہ کرتے، بعض راویوں نے کہا ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع الیدین نہ کرتے مطلب سب راویوں کی روایت کا ایک ہی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۰)

الجواب اولاً: متن روایت میں دیوبندیوں نے تحریف کی ہے، دراصل عبارت، ولا یرفعہما وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین، درست ہے، خود انوار صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں صحیح ابو عوانہ کے خطی نسخہ کا عکس دیا ہے، جس میں حرف، واؤ، موجود ہے، آپ کے مطبوعہ اور خطی نسخے کے اختلاف نے ثابت کر دیا کہ مبتدعین دیا نہ محرف و بددیانت ہیں۔

ثانیاً: آپ نے متن روایت کا معنی غلط کیا ہے، صحیح معنی یہ ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے، یہاں تک ہاتھ برابر ہو جاتے، بعض راویوں نے کہا ہے کہ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے تھے اور نہ رفع الیدین کرتے، اور بعض راویوں نے کہا ہے کہ اور نہ رفع الیدین کرتے دونوں سجدوں کے درمیان، معنی ایک ہی ہے۔

انوار صاحب، و اذا اراد، میں حرف واؤ ہے جس کا تعلق سابقہ عبارت سے ہے اور پہلی عبارت کا اس پر عکس ہے، اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه، جب افتتاح نماز کے وقت رفع الیدین کرتے تھے تو رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھ کر بھی کرتے تھے، کیونکہ واؤ عاطفہ ہے اور ولا یرفعہما پہلے جملے کی جزا نہیں بلکہ اس کا تعلق بعد کی عبارت سے ہے، اور امام ابو عوانہ نے جس طرح کیفیت رفع الیدین میں راویوں کا اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح انہوں نے بعد میں راویوں کا اختلاف بتایا ہے۔ بعض نے، لا یرفعہما، کہا ہے اور بعض، ولا یرفع بین السجدتین، کہا ہے، اور اس کی امام ابو عوانہ کے الفاظ، والمعنی واحد، (یعنی معنی و مفہوم ایک ہی ہے) سے بھی تائید ہوتی ہے، اگر اسے ماقبل کی جزا قرار دیا جائے جیسا کہ انوار صاحب نے معنی کیا ہے، تو پھر اس کے بعد، وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین والمعنی واحد، میں بعض کا ذکر کر کے کس جملہ سے تعرض و اختلاف کا اشارہ ہے اور یہاں کونسے دو لفظ ہیں کہ فرمایا جا رہا ہے کہ معنی ایک ہی ہے۔ اگر یہاں دو لفظ نہیں تو، معنی واحد، کہنے کا کیا مطلب؟

ثالثاً: امام ابو عوانہ نے یہ روایت عبد اللہ بن ایوب، سعدان بن نصر اور شعیب بن عمرو قالوا ثنا سفیان بن عیینہ کی سند سے بیان کی ہے۔

اب دیکھئے کہ دیگر کتب احادیث میں کوئی روایت ان کے واسطے سے جو آئی ہے تو وہ کس طرح ہے، سعدان عن سفیان کے واسطے سے یہی روایت امام بیہقی نے روایت کی ہے، جس کے الفاظ ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی منکیبہ و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع من الركوع ولا یرفع بین السجدتین۔

(السنن الكبرى للبيهقي ص ۶۹ ج ۲)

ابوعوانہ کی روایت اور بیہقی کی روایت کے الفاظ کا مقابلہ کریں، یہاں صرف رواۃ کے اختلاف کا ذکر نہیں، گویا سعدان کی روایت میں 'حتی یحاذی منکبہ' اور 'ولا یرفع بین السجدتین' کے الفاظ ہیں۔ یہ طریق اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ لا یرفعہما سے مراد محض راویوں کے درمیان اختلاف کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس روایت کے بعد امام ابوعوانہ نے اپنے دعویٰ پر دوسری روایت یہ ذکر کی ہے۔

حدثنا الربیع بن سلیمان عن الشافعی عن ابن عیینة بنحوه ولا یفعل بین السجدتین۔

کہ ربیع بن سلیمان نے امام شافعی کے واسطے سے امام ابن عیینہ سے یہ روایت اسی طرح نقل کی ہے، اور اس میں 'ولا یفعل بین السجدتین' کے الفاظ ہیں، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ روایت کے پہلے حصے کو قریب المعنی بتلانے کے بعد آخری الفاظ کے اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ پہلی روایت میں 'لا یفعل بین السجدتین' ہے۔ اب آئیے ربیع عن الشافعی، کی روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں، جو خود امام شافعی نے اپنی کتاب، الام، میں ذکر فرمائے ہیں، اور سرفہرست رفع یدین کے مسئلے میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، الفاظ ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلاة یرفع یدیه حتی یحاذی منکبہ و اذا اراد ان

یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین۔

(کتاب الام ص ۹۰ ج ۱) مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص ۲۳

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث اثبات رفع الیدین کی زبردست دلیل ہے۔

(۲) حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزهري قال اخبرني سالم بن عبد الله

عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذو منکبہ و اذا اراد ان

یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین

(مسند حمیدی ص ۲۷۷ ج ۲)

امام زہری فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سالم بن عبد اللہ نے اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے موٹھوں تک اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر اٹھا لیتے تو پھر رفع یدین نہ کرتے اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان کرتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۲)

الجواب اولاً: یہ روایت دیوبندیوں کی وضع کردہ ہے، اس کا سہرا ان کے محقق شہیر مولوی حبیب الرحمن الاعظمی کے سر پر ہے، اگر کہا جائے کہ دارالعلوم دیوبند کی لائبریری میں مسند حمیدی کا ایک قلمی نسخہ

ہے جس میں یہ عبارت اسی طرح ہے اور اعظمی نے اسی نسخہ کو اصل بنا کر شائع کیا ہے۔

(مقدمہ مسند حمیدی للاعظمی ص ۳)

جواباً عرض ہے کہ یہ نسخہ طبعی طور پر غلط ہے، اس کا کوئی صفحہ پیش کیجئے ہم بفضلہ تعالیٰ اس میں غلطی ثابت کر دیں گے انشاء اللہ، ہمارے فاضل دوست شیخ حافظ زبیر علی زئی محدث حضور و حفظہ اللہ نے اس میں تقریباً چار صد اغلاط کی نشان دہی کی ہے (جو مکتبہ دار السلام کی طرف سے شائع ہو رہا ہے) خود اعظمی نے بعض مقامات پر تسلیم کیا ہے کہ یہاں تحریف ہوئی ہے، مثلاً ص ۱۱۵ء، اور کئی مقامات پر اعظمی نے دیوبندی نسخہ کو رد کر کے نسخہ ظاہریہ (تاریخ نوشتہ ۶۸۹ھ مقدمہ مسند حمیدی ص ۱) سے تصحیح کی ہے۔

(ص ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷)

خود انور خورشید کے نزدیک یہ نسخہ ناقص ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انہوں نے سند درج کرتے وقت امام سفیان کا واسطہ بھی ڈالا ہے، حالانکہ مطبوعہ نسخہ میں یہ واسطہ قطعاً نہیں، اور سفیان کا واسطہ گرا ہوا ہے، اور معلق کتاب کو بھی اس کا علم نہ تھا، کیونکہ غلطیوں کا جو چارٹ کتاب کے آخر میں ہے اس میں اس غلطی کا ازالہ نہیں کیا گیا، اس پر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اعتراض کیا کہ مسند حمیدی کے مطبوعہ نسخہ میں، حدثنا الحمیدی، کے بعد قال حدثنا سفیان، کا واسطہ ہوا ساقط ہے، جس کا اعتراف خود ڈیروی صاحب کو بھی ہے، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر حروف جوڑنے والے کی غلطی سے، قال حدثنا سفیان، کے الفاظ چھوٹ سکتے ہیں تو کاتب سے یہاں بعض الفاظ ذکر کرنے میں غلطی کیوں ناممکن ہے۔

(مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص ۲۵)

اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے دیوبندیوں نے مسند حمیدی کو دوبارہ گوجرانوالہ سے شائع کیا، اڈریس تو پہلا ہی رہنے دیا البتہ، قال حدثنا سفیان، کا سند میں اضافہ کر دیا، مسند حمیدی کا یہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، اضافہ شدہ نسخہ میں یہ سطر دوسرے خط سے ہی علیحدہ ہے، پوری کتاب ٹائپ شدہ ہے جبکہ یہ سطر کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئے ہے، باقی کتاب اور اس سطر کی کتابت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ کتاب کی ٹائپ جلی حروف میں ہے اور اضافہ شدہ سطر باریک خط سے ہے۔

ثانیاً: مسند الحمیدی کا نسخہ ظاہریہ، حسین سلیم اسد کی تحقیق سے چھپ چکا ہے جس میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزہری قال اخبرنی سالم بن عبد اللہ عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حنو منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجلتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد بھی رفع الیدین کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہ کرتے تھے۔

(مسند الحمیدی ص ۵۱۰ ج ۱، رقم الحدیث ۶۲۶ مطبوعہ دارالسقا دمشق ۱۹۹۷ء)

یہ بات ملحوظ رہے کہ دمشق سے شائع ہونے والی مسند الحمیدی کا حسین سلیم اسد معتدل حنفی ہے، امام ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی التوفی ۲۱۹ھ کی روایت کو امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی التوفی ۳۳۰ھ نے اپنی کتاب میں نقل کر کے کہا ہے کہ ”اللفظ للحمیدی“ یعنی یہ الفاظ امام حمیدی کی روایت کے ہیں۔

(المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ص ۱۲ ج ۲، رقم الحدیث ۸۵۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء)

امام ابو نعیم نے روایت کا جو متن درج کیا ہے وہی نسخہ ظاہریہ (تحقیق حسین سلیم اسد) کا متن ہے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ دیوبندیوں کا شائع شدہ نسخہ غلط ہے اور صحیح نسخہ سے معلوم ہوا کہ یہ روایت رفع الیدین کرنے کی دلیل ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب کہتے ہیں کہ یہ ان کا سراسر بہتان ہے احناف اس جیسے گھناؤ نے فعل کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے، مزیداری کی بات یہ ہے کہ مسند حمیدی کا قلمی نسخہ میاں نذیر حسن صاحب کے دو شاگردوں حافظ نذیر حسین عرف زین العابدین اور محی الدین زینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اور یہ دونوں غیر مقلد تھے، یہ قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کی لائبریری میں محفوظ ہے

(حاشہ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۱)

انوار صاحب کا اس تحریف سے انکار کرنا اور پھر اسے مجہول الحال افراد کی طرف منسوب کر کے غیر مقلد قرار دینا، ڈھٹائی ہے، ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ یہ انوار صاحب کا کذب ہے، وضاحت کی جائے کہ انہوں نے کب میاں صاحب سے کسب فیض کیا اور ان کی علمی حیثیت کیا تھی، کتب تراجم میں ان کے حالات نہیں ملتے محض شاگرد ہونے سے ان کا اہل حدیث ہونا ثابت نہیں ہوتا، مولوی عمر اچھری روپڑی خاندان کا شاگرد تھا۔ مفتی محمد حسن صاحب علمائے غزنویہ کے شاگرد رشید تھے مگر کٹر دیوبندی تھے۔ کتب رجال میں کئی ایسے بدعتی و کذاب راوی آپ کو مل جائیں گے جو جلیل القدر آئمہ محدثین کے شاگرد تھے امام عبد الرزاق کا بھتیجا ابراہیم اپنے چچا سے من گھڑت و باطل روایات نقل کرتا ہے، اسماعیل التیمی، امام مالک امام مسعر بن کدام اور ابن ابی ذئب سے موضوعات روایت کرتا ہے، اسحاق الکلبلی، امام سفیان ثوری اور امام مالک سے وضعی روایات روایت کرتا ہے، اسحاق طبری، امام

مالک، ابن عیینہ وغیرہ سے احادیث موضوعہ روایت کرتا تھا، احمد بن حسن کوفی، امام وکیع سے، بشر بن ابراہیم انصاری، امام اوزاعی سے، بشر ہلالی، امام مالک سے، بکر بن زیاد باہلی، امام عبد اللہ بن مبارک سے، الجارود، امام سفیان ثوری سے، حارث بن عمیر بصری، امام حمید الطویل سے اور امام جعفر صادق سے من گھڑت و باطل روایات نقل کرتے ہیں، ان کی اگر تفصیل میں جائیں تو بات لمبی ہو جائے گی، اور یہ بات مبتدی حضرات بھی جانتے ہیں کہ مذکورہ متکلم فیہ راوی جو متروک و کذاب ہیں جلیل القدر آئمہ سے جب روایت کرتے تھے تو وہ خود کو ان کا شاگرد ہی باور کراتے تھے۔

لہذا انوار صاحب کا زین العابدین اور محی الدین کو میاں صاحب کا شاگرد قرار دیکر اپنا الوسیدھا کرنا قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ شاگرد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ استاد و شاگرد کے درمیان فکر و نظر کی بھی ہم آہنگی ہے، خود انوار صاحب کا ایک شاگرد حافظ عبید اللہ صاحب نارنگ منڈی میں موجود ہیں اور بفضلہ تعالیٰ اہل حدیث ہیں۔ الغرض یہاں پر تین باتیں محتاج عدالت ہیں۔

الف، حافظ نذیر حسین عرف زید العابدین اور محی الدین زینی کو کسی واضح دلیل سے ثابت کیا جائے کہ وہ میاں صاحب کے شاگرد تھے۔

ب، ان کا اہل حدیث ہونا بھی ثابت کیا جائے، پھر ان کی علمی حیثیت کو بھی بیان کیا جائے، اور عدالت و ثقات بھی مطلوب ہے، کیونکہ محض اہل حدیث ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سبھی الحفظ نہیں ہو سکتا، اختلاط کی اسے بیماری نہیں لگ سکتی۔

ج، مذکورہ تمام صورتوں کو ثابت کرنے کے بعد یہ بھی وضاحت کی جائے کہ انہوں نے مسند حمیدی کا نسخہ کس سے نقل کیا، اور کب نقل کیا، اگر کہا جائے کہ انہوں نے یہ نسخہ میاں صاحب سے نقل کیا تھا، تو یہ صریحاً جھوٹ ہے، کیونکہ دیوبندی نسخہ کی تاریخ نوشت ۱۳۲۳ھ (موافق ۱۹۰۶ء) ہے جیسا کہ مقدمہ مسند میں اعظمی نے وضاحت کی ہے ص ۳ اور تاریخ نوشت سے ٹھیک تین سال قبل میاں صاحب ۱۳۲۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

(نذہ الخواطر ص ۵۰۱ ج ۸) الحیاء بعد المائۃ ص ۲۲۲)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ میاں صاحب کا کتب خانہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں لٹ گیا تھا۔

(الحیاء ص ۶۵)

د، ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھا جائے اور الف، ب، کو ثابت کیا جائے، اور ج، میں مندرجہ خدشات کو بھی دور کر دیا جائے تو تب بھی یہ بات باقی رہ جاتی کہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ زین العابدین اور محی الدین سے اجرت پر کام لیا گیا ہو کہ فلاں نسخہ کے موافق مسند الحمیدی کو نقل کر دیا جائے، اور انہوں نے نقل مطابق اصل یہ کام کیا ہو، اور انہوں نے جس نسخہ سے اسے نقل کیا ہو اس میں دیوبندی اکابرین نے تحریف کی ہو،

رہا انوار صاحب کا اس تحریف سے انکار کرنا اور دلیل یہ دینا کہ احناف اس جیسے گھناؤ نے فعل کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے، قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ کتب احادیث میں بددیانتیاں کرنا دیوبندی گروپ کا امتیازی نشان ہے، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ کی مراجعت کر لیں، جہاں ہم نے متعدد مثالیں دیں ہیں، الفاظ نبوی میں حک و اضافہ کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے، جس کی بیسیوں امثلہ اس کتاب میں آپ کو مل جائیں گی، اور تحفہ حنفیہ میں تو ہم نے اس پر کئی مثالیں دی ہیں، اختصار کے پیش نظر یہاں پر صرف دو مثالیں مزید دی جاتیں ہیں۔

(۱) صحیح احادیث میں صلاة الاوابین، نماز چاشت کو کہا گیا ہے، جیسا سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۶، ۲۰۸ ج ۲) چونکہ بعض احناف کے نزدیک صلاة الاوابین، نماز مغرب کے بعد ہے، اس کی دلیل کے لیے روایت وضع کی کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلی بعد المغرب ست رکعات فهو من الاوابین و تلاته كان للاوابین غفورا۔

(المبسوط للسرخسی بحوالہ حلبی کبیر ص ۳۸۵)

حالانکہ یہ روایت کتب حدیث میں قطعاً نہیں۔

(۲) صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جنازہ پڑھاتے وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں سر کے بالمقابل اور عورت کے جنازہ پر وسط میں کھڑے ہوتے تھے (ابو داؤد رقم الحدیث ۳۱۹۴، ۳۱۹۵) و ترمذی رقم الحدیث ۱۰۳۴، ۱۰۳۵) اس حدیث کے برعکس غیر مقلد امام ابو حنیفہ کا موقف ہے کہ امام میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہو، خواہ میت مرد ہو یا عورت، ابن ہمام مقلد نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ حدیث وضع کی ہے کہ مسند احمد میں ہے۔

ان ابا غالب قال صلیت خلف انس علی جنازة فقام حیاں صدرہ۔

(فتح القدیر ص ۸۹ ج ۲)

حالانکہ ان الفاظ سے یہ حدیث مسند احمد تو کجا کسی بھی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں، یہ حنفیوں کے محقق علی الاطلاق کی وضع کردہ ہے، ان دو مثالوں سے انوار صاحب کا دعویٰ باطل ہو گیا کہ حنفی اس گھناؤ نے فعل کا سوچ بھی نہیں سکتے، محترم آپ صرف سوچ کی نفی کرتے جبکہ آپ اور آپ کے اکابر عملاً تحریف کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کی گاڑی بالخصوص حنفیہ کی چلتی ہی بددیانتی اور ہیرا پھیری سے ہے۔

(۳) عن عبد الله بن عون الخراز ثنا مالك عن الزهري عن سالم عن ابن عمر ان النبي

عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ لَا يَعُودُ

(خلافيات بیہقی بحوالہ نصب الراية ص ۴۰۴ ج ۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع فرماتے وقت رفع الیدین کرتے پھر دوبارہ نہ کرتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۳۹۲)

الجواب اولاً: علامہ زیلعی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

قال البيهقي قال الحاكم هذا باطل موضوع ولا يجوز ان يذكر الاعلى سبيل القدرح-

امام ابن قیم فرماتے ہیں، ومن شتم روائح الحديث علي بعد شهد بالله انه موضوع، جس نے حدیث کی خوشبو دور سے سونگھی ہے وہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (المنار

المنيف في الصحيح والضعيف ص ۱۳۸)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت مقلوب و موضوع ہے۔

(التلخيص الحبير ص ۲۲۲ ج ۱)

ثانياً: امام بیہقی مصنف الخلافيات سے لیکر عبد اللہ بن عون الخراز تک سند معلوم نہیں، ابن عون ۲۳۲

یہ کو فوت ہوئے۔ (تاریخ بغداد ص ۳۶ ج ۱۰)

جبکہ امام بیہقی ۳۸۴ کو پیدا ہوئے (سیر اعلیٰ النبلاء ص ۵۲۹ ج ۱۱) درمیان میں تقریباً ڈیڑھ صدی کا طویل زمانہ محیط ہے، مقلد مولوی عبد الرشید دیوبندی نے بڑی محنت کر کے مغلطائی کی شرح ابن ماجہ سے اس کی سند یوں نقل کی ہے، محمد بن غالب ثنا احمد بن محمد البرانی، ثنا عبد اللہ بن عون الخ

(ماتمس اليه الحاجة ص ۴۸)

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ لیکن یہ سند بھی ناکافی ہے، محمد بن غالب کون اور کیسا ہے؟ اس کی ذمہ داری مدعیان ثبوت حدیث پر ہے، اگر اسے محمد بن غالب متمم تسلیم کر لیا جائے جو احمد بن محمد سے روایت کرتے ہیں تو بھی امام بیہقی کی ان سے ملاقات ناممکن ہے، جبکہ محمد بن غالب متمم کا سن وفات ۲۸۳ھ ہے (تاریخ بغداد ص ۱۴۶ ج ۳ تذکرہ ص ۶۱۵ ج ۲) اور امام بیہقی کا سن ولادت ۳۸۴ھ ہے (تذکرہ ص ۱۱۳۲ ج ۳) گویا متمم امام بیہقی کی ولادت سے ۱۰۱ سال پہلے وفات پا چکے تھے، لہذا سماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مزید یہ کہ محمد بن غالب متمم امام حاکم کے بھی استاد نہیں کیونکہ امام حاکم کا سن پیدائش ۳۲۱ھ ہے (تذکرہ ص ۱۰۳۹ ج ۳) ظاہر ہے کہ امام حاکم کی ولادت سے ۳۸ سال قبل محمد بن غالب وفات پا چکے تھے، لہذا اس روایت کی سند ہی مجہول ہے، رام الحروف نے اس حقیقت کا اظہار جب مؤلف، ماتمس اليه الحاجة، سے کیا تو وہ بھی ششدر رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، البتہ غور و فکر کے بعد جواب دینے کا وعدہ فرمایا، دیدہ باید۔ (مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص ۱۲)

(۴) ابن وہب عن مالک بن انس عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه حدو منکیبہ اذا افتتح التکبیر للصلاة۔

(المدونة الكبرى ص ۶۹ ج ۱)

حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کرتے تھے، موڈ ہوں تک جب کہ آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۲)

الجواب اولاً: اس میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت رفع الیدین نہ کرنے کا ذکر نہیں، رہا یہ معاملہ کہ اس میں کرنے کا ذکر نہیں تو یہ دعویٰ فضول ہے، کیونکہ عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہوتا۔

ثانیاً: یہ روایت مختصر ہے، تفصیلی روایت میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے، ابن وہب کی روایت، (السنن الكبرى للبيهقي ص ۲۹ ج ۲) میں موجود ہے۔ اور ابن القاسم کی روایت موطا امام مالک بروایت ابن القاسم ص ۱۱۳ میں موجود ہے، اور اس کا متن فصل اول میں نمبر ۲ کے تحت گزر چکا ہے ورق الٹ کر دیکھ لیجئے۔

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے حسب ذیل افراد روایت کرتے ہیں، (۱) ابن وہب، (۲) ابن القاسم (۳) یحییٰ بن سعید (۴) ابن ابی اویس (۵) عبد الرحمن بن مہدی (۶) جویریہ بن اسماء (۷) ابراہیم بن طہمان (۸) عبد اللہ بن مبارک (۹) بشر بن عمر (۱۰) عثمان بن عمر (۱۱) عبد اللہ بن یوسف (۱۲) خالد بن مخلد (۱۳) مکی بن ابراہیم (۱۴) محمد بن حسن شیبانی (۱۵) خارجہ بن مصعب (۱۶) عبد المالك بن زياد (۱۷) عبد اللہ بن نافع (۱۸) ابو قرة موسى بن طارق (۱۹) مطرف بن عبد اللہ (۲۰) قتيبة بن سعيد، یہ تمام کے تمام امام مالک سے یہ روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ ہیں کہ۔
ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة حدو منکیبہ و اذا رکع و اذا رفع راسه من الركوع۔

رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا کرتے تھے۔

(التمهید لما فی الموطا من المعنی والاسانید ص ۲۱۰ ج ۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مدونہ کبریٰ کی روایت میں اختصار ہے۔

(۵) حدثنا ابو کریب محمد بن العلاء ثنا محمد بن عبد الرحمن بن محمد المحاربی

ثنا ابن ابی لیلی عن الحاکم عن مقسم عن ابن عباس و عن نافع عن ابن عمر عن النبی

ﷺ قال ترفع الايدي في سبعة مواطن افتتاح الصلوة و استقبال البيت و الصفاء و المروة و الموقفين و عند الحجر۔

(كشف الاستار ص ۲۰۱ ج ۱ و شرح معاني الآثار ص ۵۴ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رفع الیدین سات مقامات پر کیا جائے نماز کے شروع میں بیت اللہ کی زیارت کے وقت صفا و مروہ پر، عرفات اور مزدلفہ میں و قوف کے وقت اور رمی جمار کے وقت۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۳)

الجواب اولاً: اس روایت سے رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کی نفی ثابت نہیں ہوتی، عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوا کرتا، غور کیجئے حنفی عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد میں رفع الیدین کرتے ہیں اور ان کا یہی فتویٰ و عمل ہے۔

(ہدایہ ص ۱۱۹ ج ۱ و شرح نقایہ ص ۱۲۸ ج ۱ و کبیری ص ۵۶۷ و فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵۰ ج ۱ و فتاویٰ شامی ص ۱۷۴ ج ۲ و فتاویٰ قاضی خاں ص ۱۸۵ ج ۱ و شرح و قایہ ص ۲۰۳ ج ۱ و بدائع الصنائع ص ۲۷۷ ج ۱ و البحر الرائق ص ۱۶۱ ج ۲ و درمختار مع رد المختار ص ۱۷۴ ج ۲ و اعلاء السنن ص ۱۴۳ ج ۸ و نماز مسنون ص ۶۸۵ وغیرہ)

جبکہ مذکورہ روایت میں اس کا ذکر نہیں، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

مزید براں یہ کہ تمام حنفی دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں حالانکہ اس کا بھی یہاں ذکر نہیں۔

ثانیاً: سند میں ابن ابی لیلیٰ راوی ضعیف و سببی الحفظ ہے، انوار صاحب کی پیش کردہ کتاب، کشف الاستار، کے حنفی مولوی حبیب الرحمن اعظمی (دیوبندی) نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ ہیشمی نے کہا ہے کہ سند میں ابن ابی لیلیٰ راوی سببی الحفظ ہے اور خورشید صاحب کے محدث کبیر علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ میرے اور جمہور کے نزدیک ضعیف ہے (فیض الباری ص ۱۶۸ ج ۳) مزید تفصیل آگے روایت ۲۳ تا ۲۸ کے جواب میں آرہی ہے، پھر ابن ابی لیلیٰ نے یہ روایت، الحکم، راوی سے نقل کی ہے، اور یہ مدلس ہے جیسا کہ امام نسائی اور دارقطنی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۳۰) علامہ مقدسی اور ذہبی نے اپنے اپنے قصائد میں حکم کو مدلس قرار دیا ہے۔

(ملحقہ طبقات المدلسین ص ۶۹، ۷۰)

اور ابن حبان نے بھی مدلس قرار دیا ہے۔ (الثقات ص ۱۴۴ ج ۴)

اور یہاں انہوں نے سماعت کی صراحت نہیں کی الغرض یہ روایت ابن ابی لیلیٰ کے سببی الحفظ اور حکم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۶) حدثنا احمد بن شعيب ابو عبد الرحمن النسائي انا عمرو بن يزيد ابو بريد الجرمي

ثنا سیف بن عبید اللہ ثنا ورقاء عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال السجود علی سبعة اعضاء الیدين والقدمین والركبتین والوجهة و رفع الایدی اذا رأیت البیت و علی الصفاء و المروة و بعرفة و عند رمی الجمار و اذا اقيمت الصلوة۔

(معجم طبرانی کبیر ص ۴۵۲ ج ۱۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا سجدہ سات اعضاء پر کیا کرو دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنوں، اور پیشانی پر اور رفع یدین اس وقت کیا کرو جب تو بیت اللہ کو دیکھے اور صفا و مروہ پر، و قوف عرفہ کے وقت، رمی جمار کے وقت اور جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۴)

الجواب اولاً: اس روایت میں رکوع کرتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں، اور عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں، خود حنفی بھی قنوت وتر، عیدین کی تکبیرات زوائد اور دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانياً: روایت مذکورہ میں سجدہ کو پیشانی (جہتہ) پر کرنے کو کہا گیا ہے، اس میں ناک داخل نہیں حالانکہ حنفیہ کے نزدیک پیشانی پر اکتفاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(فتاویٰ عالم گبر ص ۷۲ ج ۱ و کبیری ص ۲۸۳ و نماز مسنون ص ۳۶۷)

ثالثاً: عطاء بن السائب مخطوط ہے اور آئمہ محدثین نے صراحت کی ہے کہ عطاء سے اختلاط سے پہلے صرف، شععی، سفیان ثوری، زہیر بن معاویہ، زائدہ، ایوب، اور حماد بن زید نے روایت کی ہے (حماد بن سلمہ کے متعلق اختلاف ہے) باقی تمام راویوں نے اختلاط کے بعد روایت کی ہے، لہذا ان کی

روایات ضعیف ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۴ مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۵۱ھ)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت ضعیف ہے کیونکہ عطاء سے روایت کرنے والا راوی

ورقاء ہے۔

۷۔ ۱۲ ان نمبروں کے تحت انوار مقلد صاحب نے، ترمذی، ابو داؤد نسائی، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ۔ بیہقی طحاوی سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز میں تکبیر تحریرہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، بعد میں نہ کرتے تھے۔

الجواب قارئین کرام یہ روایت سند اور متن کے لحاظ سے ایک ہی ہے، مگر مقلد انوار صاحب نے مختلف کتب احادیث سے نقل کر کے اسے آٹھ روایات باور کرایا ہے، ان تمام کتب احادیث کی سند کو ہم آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

اگلے صفحہ پر دیئے ہوئے جدول کو بنظر غائر ملاحظہ کیجئے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ



علقمہ



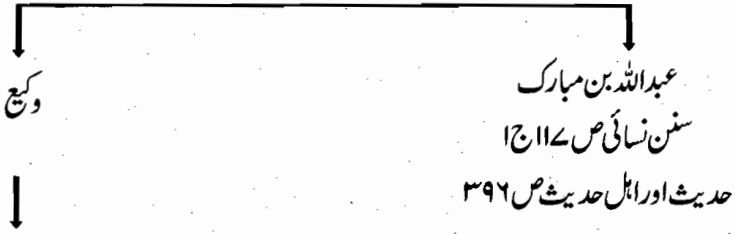
عبدالرحمن بن الاسود



عاصم بن کلیب



سفیان ثوری



<p>↓</p> <p>عثمان بن ابی شیبہ ابوداؤد ص ۱۰۹ ج ۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۶ ج ۱</p> <p>حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷، ۳۹۶</p>	<p>↓</p> <p>نعیم بن حماد طحاوی ص ۱۵۳ ج ۱</p> <p>حدیث اور اہل حدیث ص ۲ - ۳۹۷</p>	<p>↓</p> <p>ھناد ترمذی ص ۵۹</p> <p>حدیث اور اہل حدیث ص ۲ - ۳۹۷</p>	<p>↓</p> <p>محمود بن غیلان نسائی ص ۱۲۰ ج ۱</p> <p>حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۶</p>	<p>↓</p> <p>احمد بن حنبل مسند احمد ص ۳۸۸ ج ۱</p> <p>حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷</p>	<p>↓</p> <p>محمد بن اسماعیل بیہقی ص ۷۸ ج ۲</p> <p>حدیث اور اہل حدیث ص ۲ - ۳۹۷</p>
---	---	--	---	---	---

قارئین کرام

سلسلہ سند پر غور کریں، امام سفیان ثوری تک ایک ہی راوی ہیں اور سفیان ثوری سے، امام عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع روایت کرتے ہیں امام ابن مبارک سے صرف ایک ہی راوی (سوید) نقل کرتا ہے، جبکہ امام وکیع کے چھ شاگرد ہیں۔ اہل حدیث کا اعتراض ابن مبارک اور وکیع سے اوپر کی سند پر ہے، انوار صاحب کا اس روایت کے طرق اکٹھے کرنا بے کار و فضول ہے، کیونکہ جملہ اعتراضات وکیع کے اوپر اوپر ہیں، ہاں اگر وہ کسی ایسی سند یا اسناد کی نشان دہی کراتے جو مرکزی راویوں کے علاوہ ہوتیں تو ایک بات تھی، ہم ان کے ورق گردانی کی قدر کرتے اور ان کی محنت پر غور بھی کرتے۔

ثانیاً: جب آپ نے سند کو بخوبی سمجھ لیا، تو اب آئیے اس پر اعتراضات کی طرف، اس پر پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ اسے بیان کرنے میں عاصم منفرد ہے، اور امام علی بن مدینی کہتے ہیں کہ جب عاصم منفرد ہو تو حجت نہیں ہوتا۔ (میزان ص ۳۰۶ ج ۲ و تہذیب ص ۵۶ ج ۵)

دوسرا اعتراض اس پر یہ ہے کہ اس روایت کو امام سفیان ثوری نے مختصر کیا ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

هذا خطأ يقال وهم فيه الثوري وروى هذا الحديث عن عاصم جماعة فقالوا كلهم ان النبي ﷺ افتتح فرفع يديه ثم ركع فطبق وجعلها بين ركبتيه ولم يقل احدا رواه الثوري۔
یعنی یہ حدیث خطا ہے کہا جاتا ہے کہ ثوری کو اس میں وہم ہوا ہے، کیونکہ ایک جماعت نے عاصم سے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز شروع کی اور رفع الیدین کیا پھر رکوع کیا اور تطبیق کی اور اپنے دونوں (ہاتھوں) کو گھٹنوں کے درمیان رکھا، کسی راوی نے امام ثوری والی بات بیان نہیں کی۔ (علل الحدیث ص ۹۶ ج ۱)

تیسرا اعتراض اس پر یہ ہے کہ امام سفیان ثوری گوشتہ و ثبت ہیں مگر مدلس ہیں۔ اور انہوں نے حدیث کی صراحت نہیں کی، امام سفیان کو حسب ذیل آئمہ جرح و تعدیل نے مدلس قرار دیا ہے۔

(۱) امام عبد اللہ بن مبارک۔ (تہذیب ص ۱۰۲ ج ۴ درحالات سفیان)

(۲) امام یحییٰ بن سعید۔ (تہذیب ص ۲۱۸ ج ۱۱ درحالات یحییٰ بن سعید)

(۳) امام بخاری۔ (علل الکبیر ص ۹۶۶ ج ۲، للترمذی، والتمہید ص ۳۴ ج ۱)

(۴) نسائی۔ (طبقات المدلسین ص ۲۲ رقم ۵۱)

(۵) یحییٰ بن معین۔ (الکفایہ للخطیب ص ۳۶۱)

(۶) ابو محمود المقدسی۔ (قصیدہ فی المدلسین، مندرجہ طبقات المدلسین ص ۷۰ شعر نمبر ۲)

(۷) ابن ترکمانی حنفی، (الجوہر النقی ص ۲۶۲ ج ۸)

(۸) ابن حجر عسقلانی، (طبقات ص ۳۲ و تقریب ۱۹۷)

(۹) علامہ ذہبی، (میزان ص ۱۶۹ ج ۲ و سیر اعلام النبلاء ص ۲۴۲ و ۲۷۴ ج ۷)

(۱۰) صلاح الدین العلانی، (جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۹۹)

(۱۱) حافظ ابن رجب، (شرح علل الترمذی ص ۳۰۸ ج ۱)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ امام سفیان ثوری مدلس ہیں، علامہ العلانی نے تو یہاں تک وضاحت کی ہے کہ، من یدلس عن اقوام مجهول لا یدری من ہم کسفیان الثوری، یعنی سفیان ثوری ایسے مجهول راویوں سے تدلیس کرتے تھے جن کا پتہ بھی نہیں چلتا (جامع التحصیل ص ۹۹) حافظ ذہبی کا کہنا ہے کہ، یدلس عن الضعفاء، یعنی ثوری ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے (میزان ص ۱۶۹ ج ۲) جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ سفیان ثوری مدلس ہیں، تو اب سنئے کہ زیر بحث روایت میں امام سفیان ثوری نے تحدیث کی صراحت نہیں کی بلکہ معنعن مروی ہے، اور مدلس راوی کی روایت سماع کی صراحت کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔ چنانچہ آئمہ جرح و تعدیل نے وضاحت کی ہے کہ ابن مسعودؓ کی مذکورہ روایت ضعیف ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ لم یثبت حدیث ابن مسعود، یعنی ابن مسعودؓ کی طرف منسوب یہ روایت ثابت نہیں۔

(ترمذی ص ۵۹ ج ۱ واللفظ له، والتحقیق لابن جوزی ص ۲۷۸ ج ۱، والتنقیح لابن عبد الہادی ص ۲۷۸ ج ۱ و المجموعہ شرح المہذب للنووی ص ۴۰۳ ج ۳، المغنی لابن قدامہ ص ۲۹۰ ج ۱، ونیل الاوطار للشوکانی ص ۱۸۰ ج ۲) وغیرہ۔

(۲) امام شافعی نے اس روایت کو رد کر دیا تھا کہ یہ ثابت نہیں۔

(فتح الباری ص ۱۷۰ ج ۲ باب رفع الیدین اذا کبر و اذا رفع، و زرقانی شرح موطا ص ۱۰۸ ج ۱)

(۳) امام احمد بن حنبلؓ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(التمہید ص ۲۱۹ ج ۹ و التلخیص الحبیر ص ۲۲۲ ج ۱)

(۴) امام ابو حاتم نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے (علل الحدیث ص ۹۶ ج ۱)

(۵) امام دارقطنی فرماتے ہیں، لم یثبت، (یہ روایت) ثابت نہیں ہے۔

(العلل لدارقطنی ص ۱۷۲، ۱۷۳ ج ۵)

(۶) امام ابن حبان فرماتے ہیں، هو فی الحقیقت اضعف شنی یعول علیہ لان له عللا

تبطله، یعنی یہ روایت سب سے زیادہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی علتیں ہیں جو اسے باطل قرار دیتی ہیں۔

(التلخیص الحبیر ص ۱۲۲ ج ۱)

(۷) امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔ ہذا حدیث مختصر من حدیث طویل و لیس ہو بصحیح علیٰ هذا اللفظ، یعنی یہ روایت ایک طویل حدیث کا اختصار ہے، اور ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، الحديث ۷۴۸ مطبوعه دار السلام و ابو داؤد ص ۱۱۶ ج ۱ بتصحیح مولانا محمود حسن خان دیوبندی مطبوعه مکتبه امدادیہ ملتان و ابو داؤد مع عون المعبود ص ۲۷۳ ج ۱ و ابو داؤد مع بذل المجهود ص ۲۱ ج ۲ و ابو داؤد ص ۱۷۳ ج ۱ مطبوعه حلب ۱۹۵۷ء و مشکوٰۃ ص ۷۷ و التحقيق في اختلاف الحديث ص ۲۷۸ ج ۱ و التمهيد ص ۲۲۰ ج ۹ و التلخيص الحبير ص ۲۲ ج ۱)

(۸) امام یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں، ضعیف ہے۔

(التلخيص الحبير ص ۲۲۲ ج ۱)

(۹) امام ابو بکر بزار فرماتے ہیں، وهو حدیث لا یثبت ولا یحتج به، یعنی یہ حدیث ثابت نہیں اور حجت بھی نہیں۔

(التمهيد ص ۲۲۰، ۲۲۱ ج ۹)

(۱۰) امام محمد بن وضاح فرماتے ہیں۔ رفع یدین نہ کرنے کی تمام روایات ضعیف ہیں۔

(التمهيد ص ۲۲۱ ج ۹)

(۱۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے۔

(التلخيص الحبير ص ۲۲۲ ج ۱ و المجموعه شرح المهذب ص ۴۰۲ ج ۳ و جزء رفع الیدین ص ۳۴)

(۱۲) امام قطان قاسی نے اس زیادت (دوبارہ نہ کرنے) کو خطا قرار دیا ہے۔

(نصب الرايه ص ۳۹۵ ج ۱)

(۱۳) امام ابن الملقن نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(البدر المنير ص ۴۹۲ ج ۳ و حاشیہ جزء رفع الیدین للشيخ الثوري ص ۸۸)

(۱۴) امام حاکم (تہذیب السنن ص ۴۴۹ ج ۲ لا بن قیم و مختصر خلافيات ص ۳۷۸ ج ۱)

(۱۵) امام نووی (تہذیب السنن ص ۴۴۹ ج ۲)

(۱۶) امام دارمی (بحوالہ ایضاً)

(۱۷) امام بیہقی (مختصر خلافيات ص ۳۷۸ ج ۱)

(۱۸) امام محمد بن نصر مروزی (نصب الرايه ص ۳۹۵ ج ۱)

(۱۹) امام ابن قدامہ المقدسی (المغنی ص ۲۹۵ ج ۱)

(۲۰) امام ابن عبد البر (التمهيد ص ۲۲۱، ۲۲۲ ج ۹ و مرعاة ص ۸۳ ج ۳)

یہ تمام بزرگ ہستیاں امت مرحومہ کے نزدیک ثقہ و مستند ہیں، ان کا اس روایت کو بالا تفاق ضعیف و معلول قرار دینا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثاً: پھر یہ روایت اپنے معنی و مفہوم میں بھی انوار صاحب کے موقف کی تائید نہیں کرتی، انوار صاحب نے جس قدر کتب احادیث سے یہ روایت نقل کی ہے۔ ان کے یہ الفاظ ہیں، فلم یرفع یدیدہ الامرة (ابوداؤد ص ۱۰۹ ج ۱) فرفع یدیدہ اول مرة ثم لم يعد (نسائی ص ۱۱۷ ج ۱) فلم یرفع یدیدہ الامرة واحدة

(نسائی ص ۱۲۰ ج ۱ بیہقی ص ۷۸ ج ۲)

ان الفاظ پر غور کریں، اس کا یہ معنی کب بنتا ہے کہ رکوع کرتے وقت اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین نہیں کرتے تھے، اس کا صرف یہ معنی ہے کہ ایک بار رفع الیدین کیا، کب ایک بار کیا، پہلے افتتاح نماز کا بیان ہے، ثابت ہوا کہ نماز شروع کرتے ہوئے رفع الیدین دو تین بار نہیں کیا صرف ایک بار ہی کیا، امام نووی فرماتے۔

ذکر اصحابنا قالوا لو صحح وجب تاویلہ علی ان معناه لا يعود الرفع فی ابتدا استفتاحہ ولا فی اوائل باقی رکعات الصلاة الواحدة و تعین تاویلہ جمعاً بین الاحادیث۔ یعنی ہمارے ساتھیوں نے کہا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی تاویل واجب ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ نماز کے ابتدا میں افتتاح کے وقت دوبارہ رفع الیدین نہ کرتے اور نہ ہی منفرد رکعات باقیہ کو شروع کرتے وقت میں کرتے تھے اور یہ تاویل دو احادیث کو جمع کرنے کے لیے تعین ہو گئی۔

(المجموعہ شرح المہذب ص ۴۰۳ ج ۳)

دیوبندیوں کے شیخ اکبر ابن عربی لکھتا ہے۔

غایۃ المفہوم من حدیث ابن مسعود والبراء بن عازب انہ کان علیہ السلام یرفع یدیدہ عند الاحرام مرة واحدة لا یزید علیہا ای رفع مرة واحدة لم یصنع ذلك مرتین عند الاحرام۔ یعنی ابن مسعود اور براء بن عازب سے مروی روایات کا زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم ہے کہ آپ علیہ السلام تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار رفع الیدین کرتے ایک سے زیادہ بار نہ کرتے یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار ہی رفع الیدین کرتے دوبارہ نہ کرتے تھے۔

(الفتوحات المکیہ ص ۵۳۷ ج ۱ باب ۶۹ طبع دار احیاء التراث ۱۹۹۸ء)

اور دیوبندی ابن عربی کو، شیخ اکبر، قرار دیتے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

تاریخ دعوت و عزیمت ص ۴۱۴ ج ۵ و بوادر النواذر ص ۶۵۲، ۶۵۳، فیض الباری ص ۱۷۴ ج ۱۔

ایک اعتراض

مبتدعین دیاہنہ کا معروف مناظر مولوی ابوبلال محمد اسماعیل جھنگوی لکھتا ہے۔

(۱) بخاری ص ۱۰ ج ۱، (۲) ص ۱۹ ج ۱ (۳) ص ۲۷ ج ۱ (۴) ص ۳۸ ج ۱ (۵) ص ۳۹ ج ۱ (۶) ص ۴۲ ج ۱ (۷) ص ۴۲ ج ۱ (۸) ص ۵۳ ج ۱ (۹) ص ۸۸ ج ۱ (۱۰) ص ۱۱۳ ج ۱
 وغیرہ میں سفیان عن سے روایت کر رہا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص ۱۵۵ ج ۲)
الجواب: قارئین کرام ان تمام احادیث کی اسناد میں سماع کی صراحت ہے، ترتیب وار تفصیل ملاحظہ کریں۔

(۱) یہ روایت امام سفیان ثوری نے، سلیمان بن مهران الاعمش، سے نقل کی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل حدیث کے بعد صراحت کی ہے، تابعہ شعبۃ عن الاعمش، یعنی اعمش سے نقل کرنے میں امام شعبۃ سفیان ثوری کے متابع ہیں، (صحیح بخاری ص ۱۰ ج ۱) چنانچہ آگے چل کر خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے، صحیح بخاری ص ۳۳۲ ج ۱ رقم الحدیث ۲۳۵۹ میں امام شعبۃ کی روایت نقل کی ہے، اور جھنگوی صاحب کو اعتراف ہے کہ متابعت سے تدلیس ختم ہو جاتی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص ۱۰۴ ج ۲)

(۲) بخاری ص ۹۷ ج ۱ رقم الحدیث ۷۰۲ میں امام سفیان ثوری کا متابع، زہیر، موجود ہے اور رقم الحدیث ۶۱۱۰ میں یحییٰ اور رقم الحدیث ۱۵۹ میں عبد اللہ، ہے الغرض اس روایت کو اسماعیل بن ابی خالد سے نقل کرنے میں امام سفیان ثوری کے تین متابع تو صحیح بخاری میں ہیں۔

(۳) سنن ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ، الحدیث ۱۳۸ میں امام سفیان ثوری نے، حدیث زید بن اسلم، کہہ کر تحدیث کی صراحت کی ہے

(۴) صحیح بخاری میں یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے، زیر بحث سند میں امام سفیان نے، حمید، سے روایت نقل کی ہے۔ اور صفحہ ۵۸ رقم الحدیث ۴۰۵ میں حمید سے اسماعیل بن جعفر بھی یہی حدیث روایت کرتا ہے اور صفحہ ۵۹ رقم الحدیث ۴۱۷ میں حمید سے یہی حدیث زہیر بھی نقل کرتا ہے، الغرض صحیح بخاری میں امام سفیان ثوری کے دو متابع موجود ہیں۔

(۵) امام سفیان ثوری نے یہ حدیث، الاعمش، سے نقل کی ہے، اور بخاری ص ۳۹ کے اسی صفحہ رقم الحدیث ۲۵۹ میں ان کا متابع عبد الواحد، موجود ہے، اور اگلے صفحہ ۴۰ رقم الحدیث ۲۵۷ میں، حفص بن غیاث، متابع موجود ہے، اور اسی صفحہ ۴۰ کے باب مسح الید بالتراب لتکون انقی، الحدیث ۲۶۰ میں ہے، حدثنا الحمیدی، قال حدثنا سفیان قال حدثنا الاعمش، میں سفیان ثوری نے تحدیث کی صراحت کی ہے، اسی صفحہ ۴۰ رقم الحدیث ۲۶۶ میں سفیان ثوری کا ابو عوانہ متابع موجود ہے، اگلے صفحہ ۴۱ پر رقم الحدیث ۲۷۲ میں سفیان کا فضل بن مویٰ اور ابو حمزہ متابع موجود ہے، الغرض یہاں امام سفیان ثوری نے تحدیث کی صراحت بھی کی ہے اور صحیح بخاری میں ہی امام سفیان کے چار متابع موجود ہیں۔

(۶) یہ وہی حدیث ہے جس کا ذکر نمبر ۵ میں گزر چکا ہے اور ہم تحدیث کے علاوہ امام سفیان ثوری کے چار متابع بخاری سے دکھا چکے ہیں۔

(۷) یہ حدیث امام سفیان ثوری نے عن منصور عن ابراہیم عن الاسود عن عائشة کے طریق سے بیان کی ہے اور صحیح بخاری ص ۳۹ میں یہی حدیث، حدثنا آدم بن ابی ایاس قال حدثنا ابن ابی ذئب عن الزهري عن عروة عن عائشة (رقم الحدیث ۲۵۰) کی سند سے مروی ہے، اس کے علاوہ بھی کتب احادیث میں اس کی اسناد ہیں دیکھئے (تحفہ الاشراف ص ۱۵۰، ۱۶۱ و ۳۳۷ ج ۱۲) (سنن ابوداؤد کتاب الطہارة باب الوضوء بفضل المرأة الحدیث ۷۷)، میں ہے۔

حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى بن سفيان قال حدثنا منصور عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة، بتائے اس سے بڑھ کر سماع کی اور صراحت کیا ہوتی ہے۔

(۸) امام سفیان ثوری نے یہ حدیث، عن ابی الزناد، سے روایت کی ہے، اور خود امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے چل کر ص ۸۶۶ ج ۲ رقم الحدیث ۵۸۲۱ میں امام سفیان کا امام مالک کو متابع ذکر کیا ہے، اور تیسری سند اس حدیث کی امام بخاری رحمہ اللہ نے ص ۸۲ ج ۱ رقم الحدیث ۵۸۴ میں حفص بن عاصم کے طریق سے ذکر کی ہے، مزید یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی صفحہ ۵۳ ج ۱ رقم الحدیث ۳۶۷ میں یہی حدیث امام ابن شہاب الزہری کی سند سے سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، الغرض یہاں متابعت کے علاوہ دوسری سند ثابت ہونے کے علاوہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی موجود ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے یہی حدیث نقل کی ہے بعد میں امام سفیان ثوری کے طریق سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج کی ہے، لہذا تدلیس کا شبہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۹) امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی صفحہ ۸۸ رقم الحدیث ۶۳۱ ص ۸۷ رقم الحدیث ۶۲۸، میں آپ کی پیش کردہ سند سے پہلے اور بعد امام ایوب کو امام سفیان ثوری کا متابع ذکر کیا ہے، لہذا تدلیس کا شبہ جاتا رہا۔

(۱۰) آپ نے صفحہ غلط تحریر کیا ہے، درست صفحہ ۱۱۲ ہے، امام سفیان نے یہ روایت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے، اور اسی صفحہ پر آپ کی پیش کردہ سند سے آگے اس باب کی دوسری حدیث میں عمرو بن دینار سے یہی حدیث امام شعبہ نے بھی روایت کی ہے اور اگلے صفحہ ۱۱۳ پر، حماد بن زید اور ابو عوانہ امام سفیان ثوری کے متابع موجود ہیں۔ (رقم الحدیث ۸۱۵، ۸۱۶)

الغرض بخاری کے اسی مقام پر امام سفیان ثوری کے تین امام متابع ہیں۔ جس سے تدلیس ختم ہو جاتی ہے، مزید یہ کہ امام محمد بن اسحاق نے، مسند السراج ص ۱۲۹ رقم الحدیث ۳۲۷ میں یہی حدیث عبد الجبار کے واسطے سے امام سفیان سے نقل کی ہے، جس میں انہوں نے سماع کی صراحت کی ہے۔

قارئین کرام اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر سفیان ثوری مدلس ہیں اور جھنگوی

صاحب نے اس سلسلہ میں بخاری کی جن روایات پر اعتراض کیا ہے، غلط اور باطل ہے، کاش جھگڑوی صاحب کتب احادیث کا مطالعہ حدیث فقہی اور اسوہ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے کے لیے کرتے تو ان کے لئے دنیا و آخرت کے لیے مفید تھا مگر اس نالائق نے مقلد ہو کر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے جہاں علوم پر تنقید کر کے خود اپنے علم و فہم کا حدود اربعہ معلوم کروایا ہے، و بس۔

اکابر احناف اور امام سفیان ثوری کی تدلیس

(۱) علامہ ابن ترکمانی نے، الجوہر النقی ص ۲۶۲ ج ۴ میں، (۲) علامہ عینی نے ”عمدة ص ۱۱۲ ج ۳ زیر حدیث (۲۱۴) میں (۳) علامہ نیوی نے، حاشیہ آثار السنن ص ۱۲۶ میں (۴) علامہ ظفر احمد تھانوی نے، اعلاء السنن ص ۲۵۳ ج ۲ میں (۵) علامہ شبیر احمد عثمانی نے، فتح الملہم ص ۵۱ ج ۲ میں (۶) مولانا خلیل احمد نے، بذل المحجود ص ۱۰۳ ج ۲ میں (۷) ماسٹر امین نے، تجلیات ص ۱۱۴ ج ۴ میں (۸) مولانا سرفراز احمد خاں صفدر نے، خزائن السنن ص ۷۷ ج ۲ میں (۹) مولانا تقی عثمانی نے، درس ترمذی ص ۵۲۱ ج ۲ میں (۱۰) مولوی عبد القیوم نے، توضیح السنن ص ۶۱۵ ج ۱ میں (۱۱) مولوی ابو یوسف محمد شریف نے، فقہ الفقہ ص ۱۳۴ میں (۱۲) مولوی عباس رضوی نے، مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹ میں امام سفیان ثوری کو مدس قرار دیا ہے۔

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ سفیان ثوری تدلیس کرتے تھے اور زیر بحث روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو روایت کرنے میں امام سفیان ثوری کا کوئی ثقہ متابع موجود نہیں اور نہ ہی انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ٹھہری۔

(۱۵) ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود ان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لم یعد الی شئی من ذلك ویأثر ذلك عن رسول اللہ ﷺ۔
(جامع المسانید ص ۳۵۰)

حضرت امام ابو حنیفہ حضرت حماد سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی سے اور وہ حضرت اسود سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور وہ اس عمل کو رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے تھے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷.۳)

انوار صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ یہ ایسی سنہری سند ہے کہ جس کے تمام راوی تام الضبط کثیر الملازمة اور اپنے اپنے زمانے کے افتخار الناس ہیں۔ (۲-۳۹۷)

الجواب اولاً: پہلی بددیانتی تو انوار صاحب نے یہ کی ہے کہ سند پوری درج نہیں کی، سنئے سلسلہ

سند یہ ہے، اخرجہ ابو محمد البخاری عن رجاء بن عبد اللہ النهسلی عن شقیق عن ابراہیم عن ابی حنیفہ عن حماد بن ابراہیم عن الاسود الخ۔

(جامع المسانید ص ۳۰۰ ج ۱)

سند کا پہلا راوی ابو محمد البخاری الحارثی کذاب ہے، جو وضع احادیث میں معروف ہے۔ امام ابو سعید فرماتے ہیں کہ احادیث گھڑنے سے متہم ہے، امام احمد سلیمانی کا کہنا ہے کہ سند اور متون میں گڑ بڑ کر کے وضع احادیث کرتا تھا، امام ابو زرعہ رازی نے ضعیف قرار دیا ہے، حاکم فرماتے ہیں کہ ثقات سے عجیب و غریب روایات روایت کرتا ہے، خطیب کہتے ہیں کہ عجب اور منا کیر روایت کرتا ہے (میزان ص ۳۹۶ ج ۲ و لسان ص ۳۴۹ ج ۳) دوسرا راوی، رجاء بن عبد اللہ، مجہول الحال ہے، کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں، حتیٰ کہ مقلد مولوی ظفر احمد تھانوی بھی فرماتے ہیں کہ میں اس کے حالات سے واقف نہیں ہوا، (اعلاء السنن ص ۷۴ ج ۳)، تیسرا راوی شقیق بن ابراہیم ہے۔ جو منکر الحدیث ہے (میزان ص ۲۷۹ ج ۲ و لسان ص ۱۵۱ ج ۳) چوتھا راوی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، ہیں جو سنی الحفظ ہیں، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے، پانچواں راوی، حماد بن ابی سلیمان ہے۔

اور علامہ بیہقی نے صراحت کی ہے کہ حماد سے صرف، شعبہ، سفیان ثوری اور دستوائی نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے اور باقی نے اختلاط کے بعد، (مجمع الزوائد ص ۱۲۳ ج ۱) حماد نے یہ روایت ابراہیم نخعی سے نقل کی ہے اور ابراہیم مدلس ہے (طبقات المدلسین ص ۲۸) اور سماع کی صراحت نہیں جس روایت کی سند میں ایک راوی کذاب ہو دوسرا مجہول ہو تیسرا منکر الحدیث ہو چوتھا سنی الحفظ ہو پانچواں مختلط ہو چھٹا مدلس ہو اور سماع کی صراحت بھی نہ کرے، ایسی روایت کے باطل و موضوع اور من گھڑت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا، میرے فاضل بھائی ابو طاہر محمد زبیر علیزی نے محدث حضر و حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سند پر مختصر جرح کر کے موضوع ہونا لکھا تھا (نور القمرین ص ۱۳) انوار صاحب سے اس جرح کا جواب تو نہ بن سکا مگر بڑی ڈھٹائی اور دلیری سے لکھ دیا کہ اس کے تمام راوی تام الضبط وغیرہ ہیں (ص ۳۹۷ ج ۱) مقلد انوار صاحب دلائل سے ثابت کریں کہ کذاب و مجہول اور سنی الحفظ راوی تام الضبط ہوتے ہیں۔

۱۶-۲۳ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت اس حدیث کو انوار صاحب نے، حدیث اور اہل حدیث ص ۳-۳۹۷ تا ۷-۳۹۷) تک، ابو داؤد، طحاوی، عبد الرزاق مسند ابو یعلیٰ، دارقطنی، مسند احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ کانوں کے قریب تک لیجا کر رفع یدین کرتے پھر (کسی جگہ) نہ کرتے۔

الجواب اولاً: قارئین کرام ہم آپ کے سامنے اس روایت کی سند کو درج کر کے پھر اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔

قارئین کرام انوار صاحب کی درج کردہ اسناد کو ہم نے جدول کی صورت میں تحریر کر دیا ہے، اسے غور سے ملاحظہ کریں، اس کا مدار یزید بن ابی زیاد راوی پر ہے، اور یہ مدلس ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

یزید بن ابی زیاد الکوفی من اتباع التابعین تغیر فی آخر عمره وضعف بسبب ذلك وصفه الدار قطنی والحاکم و غیرهما بالتدلیس۔

یعنی یزید کوئی اتباع تابعین سے ہے، بڑھاپے میں اس کا حافظ متغیر ہو گیا تھا، اسی وجہ سے (آئمہ جرح و تعدیل نے) ضعیف کہا ہے، اس کے مدلس ہونے کی صراحت امام دارقطنی اور حاکم وغیرہ نے کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۴۸)

ثانیاً: یزید سے ثم لم یعد (یعنی دوبارہ رفع یدین نہ کیا) کے الفاظ سے مروی اسناد میں سماع کی صراحت نہیں، ہاں امام شعبہ کی روایت میں سماع کی صراحت ہے مگر اس میں، ثم لم یعد، کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا

ثالثاً: یزید مجروح و متکلم فیہ ہے، اس پر حافظے کی بنا پر کلام ہے، تفصیل حسب ذیل ہے

نمبر	جرح کرنے والے امام	الفاظ جرح	ثبوت جرح
۱	شعبہ	کان یزید بن ابی زیاد رفاعاً	الجرح و التعديل ص ۲۶۵ ج ۹ وغیرہ
۲	ابو حاتم الرازی	لم یکن بالحافظ، لیس بذاک، لیس بالقوی	ایضاً
۳	یحییٰ بن معین	لا یحتج بحدیثہ ضعیف الحديث، لیس بالقوی	ایضاً والکامل لا بن عدی ص ۲۷۲۹ ج ۷
۴	ابوزرعہ	کوفی لین یکتب حدیثہ ولا یحتج به	الضعفاء الکبیر ص ۳۰۰ ج ۳
۵	عبد اللہ بن مبارک	ارم به	ایضاً
۶	وکیع	لیس بشنی	ایضاً
۷	ابو اسامہ	لو حلف عندی خمسين یمیناً قسامه ما صدقته	ایضاً
۸	العقیلی	ذکره فی الضعفاء	ایضاً

۹	النسائی	لیس بالقوی	الضعفاء والمتروکین رقم الترجمہ ۶۵
۱۰	الجوزجانی	سمعتهم یضعفون حدیثہ	احوال الرجال رقم ۱۳۵
۱۱	احمد بن حنبل	حدیثہ لیس بذاك	کتاب العلل و معرفة الرجال ص ۲۳ ج ۲
۱۲	ابن عدی	یزید من شیعة اهل الكوفة مع ضعفه یکتب حدیثہ	الکامل ص ۲۷۳ ج ۷
۱۳	ابن حزم	ضعیف	المحلی ص ۴۸۴ ج ۷
۱۴	البیہقی	غیر قوی	السنن الكبرى ص ۲۶ ج ۲
۱۵	الہیثمی	وهو ضعيف	مجمع الزوائد ص ۷۱ ج ۵
۱۶	ابن کثیر	وهو ضعيف	تفسیر ابن کثیر ۹۸ ج ۲ وص ۱۱۲ ص ۲۰۸ ج ۲
۱۷	ابن الترمذی	مضعف	الجواهر النقی ص ۲۰۸ ج ۲
۱۸	ابو داؤد	لا اعلم احدا ترك حدیثہ وغیره احب الی منه	تهذیب الکیمال ص ۱۵۳۴ ج ۳
۱۹	ابن قانع	ضعیف	تهذیب التهذیب ص ۳۳۰ ج ۱۱
۲۰	الحاکم ابو احمد	لیس بالقوی عندهم	ایضاً
۲۱	البردیحی	لیس هو بالقوی	ایضاً
۲۲	ابن خزیمہ	فی القلب منه	ایضاً
۲۳	الدارقطنی	لا یخرج عنه فی الصحیح، ضعیف یخطی کثیرا ویلقن اذا لقن	ایضاً
۲۴	ابن فضیل	کان من ائمة الشيعة الکبار	ایضاً

۲۵	ابن حجر	ضعیف، کبر فتغیر صاریتلقن وکان شیعیا	تقریب التہذیب
۲۶	الذہبی	مشہور سیئی الحفظ	المغنی فی الضعفاء (۷۱۰۱)
۲۷	ابن مدینی	ضعف امره	الضعفاء الكبير للعقيلي ص ۳۸۰ ج ۴
۲۸	سفيان بن عيينه	لم يكن سفیان يصف يزيد بالحفظ	الام للشافعي ص ۱۰۴ ج ۱
۲۹	ابن حبان	ذکره فی الضعفاء	المجروحين ص ۹۹ ج ۳
۳۰	الحاکم ابو عبید اللہ	کان یذکر بالحفظ فلما کبر ساء حفظه فکان یقلب الاسانید ویزید فی المتون ولا یميز	نصب الرايه ص ۴۰۲ ج ۱

یہ تمام جرحیں راقم نے اپنے فاضل دوست اور محبی و انخی حافظ محمد زبیر حفظہ اللہ محدث حضور کی تالیف، نور العینین ص ۱۳۵ سے اصل مراجع سے مراجعت کے بعد نقل کی ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ آئمہ جرح و تعدیل کے نزدیک یزید ضعیف ہے اور اس پر جرح سوء حفظ کی بنا پر ہے۔
 رابعاً: یزید مختلط بھی ہے، جیسا کہ امام ابن حبان اور ابن سعد نے صراحت کی ہے۔
 (تہذیب التہذیب ص ۱۱ ج ۱)

اور زیر بحث روایت اس نے اختلاط کے زمانہ میں بیان کی ہے۔
 امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔

قال سفیان قال لنا بالكوفة بعد ثم لا يعود قال ابو داؤد روی هذا الحديث هشيم و خالد
 و ابن ادريس عن يزيد لم يذكروا ثم لا يعود۔

یعنی امام سفیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیں کوفہ میں انہوں نے، ثم لا يعود (یعنی افتتاح کے علاوہ رفع یدین نہ کرتے) کے الفاظ کہے، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یزید سے یہی روایت، هشیم، خالد، ابن ادريس نے بھی روایت کی ہے مگر ان کی روایات میں لا يعود کے الفاظ نہیں ہیں۔
 (ابو داؤد ص ۱۰۹ ج ۱)

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ

ثنا یزید بن ابی زیاد بمکة عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه قال سفیان و قدم الکوفة فسمعتہ یحدث به فزاد فیہ ثم لا یعود فظننت انهم لقنوه و کان بمکة یومئذ احفظ منه یوم رایته بالکوفة و قالوا لی انه تغیر حفظه اوساء حفظه

میں نے یزید بن ابی زیاد سے مکہ مکرمہ میں سنا کہ، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے، امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ گیا تو وہاں میں نے یزید سے سنا کہ وہ اسی روایت کو بیان کر رہے تھے اور، ثم لا یعود (دوباراً رفع یدین نہ کی) کے الفاظ کو زیادہ بیان کیا میں خیال کرتا ہوں کہ اہل کوفہ نے انہیں لقمہ دیا، اور وہ کوفہ کی نسبت مکہ میں زیادہ حافظ تھے (امام حمیدی فرماتے ہیں) پھر مجھے انہوں نے کہا کہ یزید کا حافظہ بگڑ گیا تھا یا خراب ہو گیا تھا۔

(مسند حمیدی ص ۲۱۶)

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

و انما لقن یزید فی آخر عمره، ثم لم یعد، فتلقنه و کان قد اختلط۔ یعنی یزید کو آخری عمر میں، ثم لم یعد (دوباراً رفع یدین نہ کرتے) کا لقمہ دیا گیا جسے اس نے اختلاط کی وجہ سے قبول کر لیا۔

(سنن دارقطنی ص ۲۹۴ ج ۱)

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں۔

وحکی ابن عیینة عنه انه حدثهم به قدیما و لیس فیہ، ثم لا یعود، ثم حدثهم به بعد ذلك فذكر فیہ ثم لا یعود، قال فنظرتہ فاذا ملحق بین سطرین، ذكره احمد بن حنبل و الحمیدی، عن ابن عیینة و ذكره ابو داؤد قال ابو عمر، المحفوظ فی حدیث یزید بن ابی زیاد، عن ابن ابی لیلیٰ عن البراء کان رسول الله صلی الله علیه وسلم، اذا افتتح الصلاة، رفع یدیه فی اول مرة، و قال بعضهم فیہ مرة واحدة، و اما قول من قال فیہ، ثم لا یعود فخطأ عند اهل حدیث۔ اور امام سفیان بن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ یزید نے انہیں دور قدیم میں یہ حدیث، ثم لا یعود (یعنی پھر رفع یدین نہ کرتے تھے) کی زیادتی کے بغیر بیان کی تھی، پھر اسکے بعد انہوں نے بیان کی تو یہ الفاظ، ثم لا یعود، (یعنی پھر رفع یدین نہ کرتے تھے) بڑھا دیئے، میں نے دیکھا تو اس نے دونوں سطروں کے درمیان یہ الفاظ (تازہ) لکھے ہوئے تھے، امام ابن عیینہ سے اس بیان کو امام احمد اور حمیدی نے نقل

کیا ہے، ابوداؤد نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث یزید کی سند سے محفوظ الفاظ یہ ہیں کہ
رسول ﷺ جب نماز کو شروع کرتے تو رفع یدین پہلی مرتبہ کرتے، اور بعض راویوں کے الفاظ ہیں ایک مرتبہ ہی کرتے تھے، اور جس نے، ثم لا یعود، کے الفاظ کہے ہیں تو یہ اہل حدیث (محدثین) کے نزدیک خطا ہیں۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ۲۲۵ ج ۹)

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

هذا الخبر عول عليه اهل العراق في نفي رفع اليدين في الصلوة عند الركوع وعند رفع الراس منه وليس في الخبر، ثم لم يعد، وهذه الزيادة لقنها اهل الكوفة يزيدي بن ابي زياد في اخر عمره فتلقن كما قال سفيان بن عيينة انه سمعه قديما بمكة يحدث هذا الحديث باسقاط هذه اللفظة ومن يكن العلم صناعته لا يذكر له الاحتجاج بما يشبه هذا من الاخبار الواهية۔

یعنی اس روایت کو اہل عراق نے رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنے کے لیے پیش کیا ہے، حالانکہ روایت میں، ثم لم يعد، (پھر رفع یدین نہ کرتے تھے) کی زیادتی نہ تھی، اور اس زیادتی کا یزید کو کوفیوں نے اس کی آخری عمر میں لقمہ دیا تھا (اور یزید نے بوجہ اختلاط) اس لقمہ کو قبول کر لیا تھا، جیسا کہ امام سفيان بن عيينة نے بیان فرمایا کہ انہوں نے مکہ میں پہلے دور قدیم میں یزید سے اس حدیث کو سنا تھا جس میں یہ الفاظ نہ تھے (امام ابن حبان فرماتے ہیں) جس شخص کا مشغلہ علم ہو وہ اس طرح کی روایات کو احتجاج کے طور پر کبھی ذکر نہیں کرتا۔

(المجروحین ص ۱۰۰ ج ۲ وفی نسخة الاخری ص ۴۵۱ ج ۲)

اس پوری تفصیل سے یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آگئی ہے کہ، ثم لم يعد، کے الفاظ یزید نے حافظ خراب ہونے کے بعد لقمہ قبول کر کے بیان کیے ہیں یہی وجہ ہے کہ آئمہ جرح و تعدیل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثم لم يعد، کے الفاظ مدرج ہیں۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

واتفق الحفاظ على ان قوله ثم لم يعد مدرج في الخبر من قول يزيدي بن ابي زياد ورواه عنه بدونها شعبة والثوري و خالد الطحان وزهير وغيرهم من الحفاظ، یعنی آئمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثم لا یعود (یعنی دوباراً رفع یدین نہ کی) کے الفاظ حدیث میں یزید کا قول مدرج ہے کیونکہ اس سے امام شعبہ امام سفيان ثوري خالد طحان اور زهير وغيرهم حفاظ حدیث، ثم لا یعود، کے الفاظ کے بغیر روایت کرتے ہیں۔

(التلخیص الحبیبر ص ۲۲۱ ج ۱)

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ امام احمد امام بخاری امام یحییٰ امام دارمی امام حمیدی وغیرہم نے اس روایت کو باطل وضعیف قرار دیا ہے۔

روایت نمبر ۲۲ تا ۲۸) میں انوار صاحب فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے یہ کلمہ نقل کرنے میں یزید بن ابی زیاد بھی اکیلے نہیں ہیں، ان کے ساتھ یہ کلمہ (۱) عیسیٰ (۲) اور حکم بھی نقل کرتے ہیں۔ لہذا شریک کے تفرد اور یزید کی تلقین کو لیکر اعتراض کرنا غلط ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۳۹۷.۳)

آگے صفحہ ۷-۳۹۷ تا ۳۹۷) انوار صاحب نے، ابو داؤد ص ۱۰۹ ج المدونۃ الکبریٰ ۶۹ ج ۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱، مسند ابویعلیٰ ص ۲۲۸ ج ۳، شرح معانی الآثار ص ۱۵۳ ج ۱ سے نقل کیا ہے۔

وکیع عن ابن ابی لیلیٰ عن الحکم وعیسیٰ عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

الجواب: قارئین کرام انوار صاحب نے جو سہارا تلاش کیا ہے یہ ڈوبتے کو تینکے کا سہارا، کے مترادف ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مذکورہ سند میں ابن ابی لیلیٰ (محمد بن عبدالرحمن) راوی ہے جو سبب الحفظ ہے (تفصیل آگے آرہی ہے) اس نے غلطی سے یزید بن ابی زیاد، کی بجائے، عیسیٰ اور حکم کا واسطہ ڈال کر عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت بیان کر دی ہے حالانکہ محمد بن عبدالرحمن نے یہ روایت یزید سے ہی سنی تھی، امام احمد بن حنبل نے محمد بن عبداللہ بن نمیر (ثقتہ امام) سے بیان کیا ہے کہ میں نے محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کی کتاب میں دیکھا تو وہ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد سے روایت کر رہا تھا۔

(کتاب العلل لاحمد بن حنبل ص ۱۴۳ ج ۱ رقم ۶۰۳)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ محمد بن عبدالرحمن نے جن کو کتاب سے روایت املا کروائی ہے انہیں یزید کے واسطہ سے ہی املاء کروائی ہے اور جن کو اپنی یادداشت سے املا کروائی ہے انہیں عیسیٰ و حکم کے واسطہ سے بتائی ہے امام بخاری کے الفاظ ہیں۔

وروی وکیع عن ابن ابی لیلیٰ عن اخیه عیسیٰ والحکم بن عتیبة عن ابن ابی لیلیٰ عن البراء رضی عنہ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه اذا کبر ثم لم یرفع، قال البخاری وانما روی ابن ابی لیلیٰ هذا من حفظه فاما من حدث عن ابن ابی لیلیٰ من کتاب فانما حدث عن ابن ابی لیلیٰ عن یزید فرجع الحدیث الی تلقین یزید و المحفوظ ماروی عنہ الثوری و شعبہ

وابن عیینة قديما۔

یعنی امام وکیع کے طریق سے محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کی روایت عیسیٰ اور حکم کے واسطے سے مروی ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا اور پھر رفع یدین نہ کرتے امام بخاری فرماتے ہیں اس روایت کو محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ نے اپنی یادداشت سے بیان کیا ہے اور جس نے محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کی کتاب سے حدیث روایت کی ہے اس نے یزید کے واسطے سے ہی بیان کی ہے لہذا روایت کا مرجع یزید کی تلقین ہی ٹھہرا اور محفوظ حدیث وہی ہے جو یزید سے امام سفیان ثوری امام شعبہ امام ابن عیینہ نے قدیم دور میں (اس زیادتی کے بغیر) روایت کی ہے۔

(جزء رفع الیدین مترجم ص ۳۲)

خلاصہ کلام یہ کہ عیسیٰ و حکم کا واسطہ محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ نے غلطی سے بڑھایا ہے جب آپ نے اس قدر بات کو سمجھ لیا ہے تو اب آئمہ جرح و تعدیل کی تصریحات ابن ابی لیلیٰ کے متعلق ملاحظہ کریں کہ

امام یحییٰ بن سعید نے ضعیف قرار دیا ہے امام احمد فرماتے ہیں، سینی الحفظ اور مضطرب الحدیث ہے امام شعبہ کہتے ہیں میں نے اس سے بڑھکر کسی کو حافظے کا بدتر نہیں دیکھا مجھ سے اس نے چند روایات بیان کیں جو تمام کی تمام مقلوب تھیں، امام زائدہ نے اسے ترک کر دیا تھا اس سے روایت بیان نہ کرتے تھے، امام ابن معین اسے لیس بذاک، قرار دیتے ہیں امام ابو زرعہ کہتے ہیں قوی نہیں امام ابو حاتم کا کہنا ہے کہ مقام اس کا صدوق ہے مگر سینی الحفظ ہے قضاء میں اشتغال کی وجہ سے اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جھوٹ نہیں بولتا مگر کثرت خطاء کے سبب اس پر انکار کیا گیا ہے اسکی مرویات کو لکھا جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ فاش اغلاط کرتا ہے ردی الحفظ ہے اور اسکی مرویات میں کثرت سے مناکیر ہیں، اسے امام احمد اور یحییٰ نے ترک کر دیا تھا امام دارقطنی کا فیصلہ ہے ردی الحفظ اور کثیر الوہم ہے، امام ابن جریر فرماتے اس سے احتجاج نہ کیا جائے، امام ابن مدینی کا ارشاد ہے سینی الحفظ اور وہی الحدیث ہے امام ابو احمد الحاکم کہتے ہیں۔ اسکی عام احادیث مقلوب ہیں امام ساجی نے اسکی کی قضا میں تعریف کی ہے اور احادیث میں کہا ہے کہ حجت نہیں سینی الحفظ ہے امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ گونفتہی اور عالم ہے مگر حافظ نہیں۔

(تہذیب ص ۳۰۲ ج ۹)

امام نسائی فرماتے ہیں احادیث میں قوی نہیں۔ (الضعفاء للنسائی ص ۵۲۵)

ابن عدی کا کہنا ہے سوء حفظ کے باوجود اسکی روایات کو لکھا جائے۔ (اکمال ص ۲۱۹۵ ج ۶)

سلمہ بن کھیل فرماتے ہیں کہ مجھ پر افترا کرتا ہے۔ (الضعفاء الکبیر للعقبلی ص ۹۹ ج ۴)
 امام بیہقی فرماتے ہیں روایت میں سوء حفظ اور کثرت سے غلطیاں کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
 (السنن الکبریٰ ص ۳۳۴ ج ۵)

علامہ مقدسی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے
 (تذکرۃ الموضوعات ۲۴ و ۹۰)

علامہ ذہبی کہتے ہیں، سبکی الحفظ ہے (میزان ص ۶۱۳ ج ۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس کے سوء
 حفظ کی وجہ سے محدثین اسکی روایات کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں علامہ پیشی نے ضعیف قرار دیا ہے
 (مجمع الزوائد ص ۷۸ ج ۱) ابن قطان نے، سبکی الحفظ، کہا ہے (نصب الرایہ ص ۱۸۲ ج ۲)

حنفی علماء کی تصریحات

امام طحاوی فرماتے ہیں مضطرب الحفظ جدا (یعنی سخت مضطرب حافظے والا ہے)
 (مشکل الآثار ص ۲۲۶ ج ۳) علامہ زیلیعی فرماتے ہیں ضعیف ہے (نصب الرایہ ص ۳۱۸ ج ۱)
 ابن ترکمانی فرماتے ہیں متکلم فیہ ہے۔

(الجوہر النقی ص ۳۴۷ ج ۷)

علامہ نیوی فرماتے ہیں۔ لیس بالقوی (العلیق الحسن ص ۱۵) مولوی انوار شاہ کا شمیری فرماتے
 ہیں، فهو ضعیف عندی کما ذهب الیہ الجمهور (فیض الباری ص ۱۶۸ ج ۳) علامہ بنوری نے
 معارف السنن ص ۲۹۰ ج ۵ میں ضعیف، مولوی خلیل احمد سہار نیوری نے، بذل الجہود ص ۳۷ ج ۹، میں
 کثیر الوهم، قرار دیا ہے۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے
 مروی حدیث میں، ثم لم یعد، کے الفاظ غیر ثابت شدہ اور قول یزید سے مدرج ہیں، اور ان الفاظ کو نقل
 کرنے میں، یزید، کا کوئی ثقفہ متابع موجود نہیں ہے، انوار صاحب نے جن متابع کی نشان دہی کی ہے وہ
 راوی (محمد بن عبدالرحمن) کے سوء حفظ کا نتیجہ ہے۔

۲۹ حدثنا مسدد ثنا یحیی عن ابن ابی ذئب عن سعید بن سمعان عن ابی ہریرة قال قال
 رسول ﷺ اذا دخل فی الصلوة رفع یدیه مدا۔
 (ابو داؤد ص ۱۱۰ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تھے تو خوب
 ہاتھ دراز کر کے رفع یدین کرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰-۳۹۷)

غور کیجئے کہ اس حدیث میں فقط افتتاح نماز میں ہاتھ اٹھانے کی کیفیت کا بیان ہوا ہے باقی تمام طریقہ نماز میں سے کسی کا بھی بیان نہیں حتیٰ کہ تکبیر تحریرہ کا ذکر نہیں، تو کیا اس سے شرائط نماز اور ارکان نماز مثلاً رکوع و سجود قیام و قرأت وغیرہ کا عدم ثابت ہوتا ہے، انوار صاحب خدارا غور کریں آپ عدم رفع پر ایک ایسی دلیل عنایت کرتے ہیں جس سے پوری نماز کے طریقے کا عدم ثابت ہوتا ہے پھر قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو رفع یدین کرتے تھے جیسا کہ فصل اول میں آثار صحابہ کے تحت تفصیل گزر چکی ہے۔ اگر اس سے رفع یدین نہ کرنا ثابت ہوتا تھا تو صحابی رسول جو براہ راست اس فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام کو سماعت کرنے والا ہے اسے تو پتا نہ چلا مگر آپ نے پندرہویں صدی میں آ کر معلوم کر لیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ خیر القرون کے تعامل کو یکسر نظر انداز کر کے کونسی دین و ملت کی خدمت کر رہے ہیں؟

(۳۰) عن نعیم المجرم و ابی جعفر القاری عن ابی ہریرۃ انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة و یکبر كلما خفض و رفع و یقول انا اشہکم صلاة برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(التمہید لما فی المؤمل من المعانی والا سانید ص ۲۱۵ ج ۹)
حضرت ابو نعیم الحکمر اور حضرت ابو جعفر القاری رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رفع یدین تو نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے اور تکبیر ہر اونچ نیچ میں کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ تم سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۷۳۹۷)

الجواب: اس کا جواب بھی اوپر کی روایت کے جواب میں آ گیا ہے کہ عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے، قارئین کرام غور کیجئے کہ اس روایت میں ہر اونچ نیچ پر تکبیر کہنے کا ذکر ہے حالانکہ رکوع سے اٹھتے وقت بالاتفاق تکبیر کی بجائے تسبیح و تحمید، کہنا مسنون ہے۔

جبکہ اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت، سمع اللہ لمن حمد، کہنا ثابت نہیں، اور بدعت ہے، انوار صاحب جس دلیل سے، سمع اللہ لمن حمد، کو مستثنیٰ قرار دیں گے وہی دلیل رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کی ہوگی۔

(۳۱) عن عبد الرحیم بن سلیمان عن ابی بکر النهشلی عن عاصم بن کلیب عن ایبہ عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یرفع یدیه فی اول الصلوۃ ثم لا یعود۔

(العلل الواردة فی الاحادیث النبویة ص ۱۰۶ ج ۴) قلت انفراد برفعه عبد الرحیم بن سلیمان وهو ثقة ناقل)
حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے

تھے، پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۷۳۹۷)

الجواب اولاً: خود امام دارقطنی نے نقل روایت کے بعد لکھا ہے کہ اسے مرفوع بیان کرنے میں عبد الرحیم کو وہم ہوا ہے (العلل لدارقطنی ص ۷۰ ج ۱۰ سطر اول)۔

ثانیاً: امام دارقطنی نے صرف عبد الرحیم سے آگے کی سند بیان کی ہے، نیچے کی نہیں، جو شخص اس کی صحت کا مدعی ہے وہ عبد الرحیم تک سند کی نشاندہی کرے اور امام دارقطنی کی جرح کا جواب دے۔

(۳۲) ثنا الحسين بن احمد بن منصور سجادة ثنا بشر بن الوليد القاضي ثنا كثير بن عبد الله ابو هاشم قال سمعت انس بن مالك يقول قال لي النبي صلى الله عليه وسلم، يا بني اذا تقدمت الى الصلوة فاستقبل القبلة و ارفع يديك و كبر و اقرأ ما بدالك فاذا ركعت فضع كفيك على ركبتيك و فرق بين اصابعك و سبح فاذا رفعت راسك فاقم صلبك حتى يقع كل عضو مكانه و اذا سجدت فامكن جبهتك من الارض و سبح و اذا رفعت راسك فاقم راسك فاذا قعدت فضع عقبك تحت اليتك و اقم صلبك فانها من سنتي و من تبع سنتي فانه مني و من هو مني فهو معي في الجنة۔ (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي ص ۲۰۸ ج ۶)

کثیر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا جب تو نماز کے لیے بڑھے تو تو قبلہ رو ہو جا، رفع یدین کر اور تکبیر تحریر یہ کہہ اور قراءت کر جہاں سے کرنا چاہے پھر جب رکوع میں جائے تو دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھ اور انگلیاں کھلی رکھ اور (رکوع کی) تسبیح پڑھ پھر جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی کمر سیدھی کرے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پہنچ جائے پھر جب تو سجدہ میں جائے تو اپنی پیشانی زمین پر رکھ اور (سجدہ) کی تسبیح پڑھ، پھر جب تو سر اٹھائے تو اپنا سر سیدھا کر لے، پھر جب تو قعدہ کرے تو اپنی ایڑیوں کو سرین کے نیچے کر لے اور کمر کو سیدھا کر لے یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کی پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جو مجھ سے ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۸)

الجواب اولاً: اس روایت میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے، جو انوار صاحب کا دعویٰ اور مسلک و مذہب ہے۔

ثانیاً: یہ روایت باطل ہے، علامہ ابن عدی اور عقیلی نے اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ اس کا راوی کثیر بن عبد اللہ مکر الحدیث ہے۔

(نصب الراية ص ۳۷۲ ج ۱ و ابن عدی ص ۲۰۸ ج ۶ والضعفاء الكبير للعقيلي ص ۸ ج ۴)
اور امام بخاری کا کسی راوی کے متعلق، مکر الحدیث کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے راوی سے ان کے نزدیک روایت لینا جائز نہیں۔

(میزان الاعتدال ص ۶ ج ۱ و تدریب الراوی ص ۲۳۰ و القواعد فی علوم الحدیث ص ۲۵۸)

الغرض کثیر بن عبد اللہ پر شدید جرح ہے، امام بخاری کے علاوہ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ضعیف اور شبہ متروک ہے امام نسائی کہتے ہیں متروک ہے امام حاکم ابو احمد فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے امام حاکم کا کہنا ہے کہ کثیر کا خیال ہے کہ اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے اور ان سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جن کے متعلق دل گواہی دیتا ہے کہ موضوع اور من گھڑت ہیں (تہذیب ص ۲۱۸ ج ۸) الغرض یہ روایت باطل و من گھڑت ہے۔

ثالثاً: اس روایت میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ سجدوں کے درمیان دونوں ایڑیوں کو سرین کے نیچے کرنا مسنون ہے۔ حالانکہ یہ حنفیہ کا مسلک نہیں۔

۳۳ عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا مع نفر من اصحاب النبي ﷺ فذكرنا صلوة النبي صلى الله عليه وسلم فقال ابو حميد الساعدي انا كنت احفظكم لصلوة رسول الله ﷺ رايته اذا كبر جعل يديه حذو منكبيه و اذا ركع امكن يديه من ركبتيه ثم هصر ظهره فاذا رفع راسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه و اذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما و استقبال باطراف اصابع رجليه القبلة فاذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى و نصب اليمنى فاذا جلس في الركعة الاخرة قدم رجله اليسرى و نصب الاخرى و قعد على مقعدته، الحديث۔ (بخاری ص ۱۱۴ ج ۱)

حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید ساعدی کہنے لگے میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر (تحریر) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ موٹھوں کے برابر لے جاتے، اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جمادیتے پھر اپنی کمر (مبارک) جھکا کر سر اور گردن کے برابر کر دیتے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ کمر کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آ جاتی اور جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ بازوں کو بچھاتے نہ سمیٹ کر پہلو سے لگا دیتے اور پاؤں کی انگلیوں کی نوکیں قبلے کی طرف رکھتے پھر جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں آگے کرتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۸-۳۹۹)

الجواب اولاً: یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور ہمارا دین و ایمان ہے، مگر انوار اس کا منکر و مکذب ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس حدیث میں تکبیر تحریر کے وقت ہاتھوں کا کندھوں تک اٹھانا بیان ہوا ہے جبکہ انوار صاحب فرماتے ہیں کہ ہاتھ کانوں تک اٹھانے چاہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۰)

پھر اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آخری تشہد میں تورک کیا (یعنی بائیں پاؤں کو دائیں جانب نکال کر سرین پر بیٹھے) مگر انوار صاحب کے نزدیک یہ غیر مسنون اور ممنوع ہے (ص ۴۶۱) قارئین کرام غور کیجئے کہ مطلب برآری کے لیے اسے رد و ہایت کے لیے قبول کر لیا مگر خود بوجہ تقلید اس کا انکار کر دیا، یہ عمل بالحدیث کا جھوٹا دعویٰ نہیں اور کیا ہے؟

ثانیاً: اس حدیث میں رفع الیدین کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ اس میں رکوع کرتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں، اور یہ مسلمہ اصول ہے، جس سے کتب فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں، مولوی تقی عثمانی مقلد دیوبندی فرماتے ہیں کہ عدم ذکر عدم الشئی کو مستلزم نہیں ہوتا (درس ترمذی ص ۶۲ ج ۲)

ثالثاً: محمد بن عمرو کی یہی حدیث کتب احادیث میں دوسری صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، جس میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، دیکھئے فصل اول حدیث نمبر ۶۵ تا ۶۹ علامہ ابن ترکمانی فرماتے ہیں کہ

زيادة الثقة مقبولة و من لم يذكر الشئ ليس بحجة على من ذكر
یعنی ثقہ کی زیادہ مقبول ہے، اور جس نے کوئی چیز ذکر نہیں کی وہ بیان کرنے والے پر حجت نہیں
(الجوہر التقی ص ۳۱۷)

مولوی سرفراز خان صفدر مقلد فرماتے ہیں، جاننے والوں کی بات نہ جاننے والے کی بات پر راجح ہوگی (احسن الکلام ص ۳۸۰ ج ۱)

الغرض انوار مقلد صاحب کا اس حدیث سے بایں معنی استدلال کہ اس میں تنازع رفع یدین کا ذکر نہیں ہے، قطعی طور پر باطل و مردود استدلال ہے

۳۴ عبد الرحمن بن غنم ان ابا مالك الاشعري جمع قومه فقال يا معشر الاشعريين
اجتمعوا واجمعوا نسائكم و ابنائكم اعلمكم صلوة النبي ﷺ لنا بالمدينة فاجتمعوا و
جمعوا نسائهم و ابنائهم فتوضأ و اراهم كيف يتوضأ فاحصى الوضوء الى اماكنه حتى لما ان
فاء الفيء و انكسر الظل قام فاذن فصف الرجال في ادنى الصف وصف الو لدان خلفهم
وصف النساء خلف الولدان ثم اقام الصلوة فتقدم فرفع يديه فكبر فقراً بفاتحة الكتاب و
سورة يسرهما ثم كبر فركع فقال سبحان الله و بحمده ثلاث مرار ثم قال سمع الله لمن
حمده و استوى قائماً ثم كبر فسجد ثم كبر فانفض قائماً فكان تكبيرة في اول ركعة ست
تكبيرات و كبر حين قام الى الركعة الثانية فلما قضى صلاته اقبل الى قومه بوجهه فقال
احفظوا تكبيرى و تعلموا ركوعى و سجودى فانها صلاة رسول الله ﷺ التي كان يصلى

لنا كذا الساعة من النهار، الحديث - (مسند احمد ص ۳۴۳ ج ۵)

حضرت عبد الرحمن بن غنم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو مالک اشعری نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا اے اشعری قوم جمع ہو جاؤ، اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میں تمہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز سکھا دوں جو آپ ہمیں مدینہ طیبہ میں پڑھایا کرتے تھے، پس آپ نے وضو کیا اور انہیں دکھلایا کہ کیسے وضو کیا جاتا ہے، آپ نے خوب اچھی طرح سے پانی اعضاء وضو تک پہنچایا حتیٰ کہ جب سایہ ظاہر ہو گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اذان دی، امام سے قریب تر مردوں نے صف باندھی، ان کے پیچھے بچوں نے اور بچوں کے پیچھے عورتوں نے، پھر اقامت ہوئی، اور آپ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گئے، آپ نے رفع یدین کیا اور تکبیر تحریمہ کہی پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورت دونوں کو آہستہ سے پڑھا پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور تین مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ کہا، پھر سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو گئے، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے، اس طرح پہلی رکعت میں آپ کی چھ تکبیریں ہوئیں، آپ نے دوسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت تکبیر کہی پھر نماز پوری کر کے اپنے قبیلے والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میری تکبیروں کو یاد کر لو اور میرا رکوع و سجود سیکھ لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اس حصے میں پڑھایا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۰، ۴۰۱)

الجواب اولاً: اس روایت میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنے کا بیان حدیث کے کس لفظ اور سطر میں ہے، محترم اس کی وضاحت کریں، رہا یہ کہ اس میں رفع یدین کرنے کا بیان نہیں تو ہم پہلے بحوالہ بحث کر آئے ہیں کہ عدم ذکر عدم شیء کو مستلزم نہیں اگر انوار صاحب مقلد اس حدیث پر ہی غور کرتے تو اس میں بھی اس کلیہ و ضابطہ کا ذکر موجود ہے، محترم ضد کی پٹی اور تقلیدی تعصب اتار کر اپنی پرانی عینک کو بدل کر ملاحظہ کریں کہ روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں، حتیٰ لمان فاء الفی و انکسر الظل، جب سایہ ظاہر ہو گیا، بلفظ دیگر جب سورج ڈھل گیا، ان الفاظ کا کھلا ہوا یہ مفہوم ہے کہ یہ نماز ظہر تھی کیونکہ سورج کے ڈھلنے پر صرف نماز ظہر ہی ہوتی ہے، جلدی میں یہ نہ کہہ دینا کہ ظہر نہیں بلکہ نوافل کی جماعت تھی، کیونکہ یہ آپ کے خلاف ہے، تداعی کے ساتھ نوافل کی جماعت آپ کے ہاں بدعت ہے، اور اس روایت میں تداعی کے ساتھ جماعت کرانے کا بیان ہے، مزید برآں یہ کہ اس میں اذان و اقامت کہنے کا بھی ذکر ہے جو صرف فرائض کے ساتھ خاص ہے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ نماز ظہر تھی بلکہ مسند احمد ص ۳۳۱ ج ۵ میں وضاحت ہے، فصلی الظہر، یعنی ظہر کی نماز پڑھی، اور کون نہیں جانتا کہ نماز ظہر کی فرض رکعتیں چار ہیں (اگر آپ بھول گئے ہیں تو اپنی کتاب کا صفحہ ۳۰۷ کا مطالعہ کر لینا،) جبکہ اس روایت میں صرف دو رکعتوں کا ذکر ہے، تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ

ظہر کی نماز صرف دو رکعتیں ہیں، مگر کوئی صاحب علم یہ دعویٰ کرنے کو تیار نہیں، وجہ یہی ہے کہ چار کا ذکر نہ ہونے سے چار رکعتوں کی نفی نہیں ہوتی، اسی طرح مسئلہ رفع یدین بھی سمجھ لیجئے اس کا بیان نہ ہونے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی، اگر آپ کے استدلال کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ چونکہ ترازہ رفع یدین کا ذکر اس میں نہیں لہذا اس سے اس کی نفی ہوتی ہے، یہ استدلال اس قدر مصیبتوں اور بلاؤ کو جمع کرے گا کہ ایک عامی آدمی بھی سرپیٹ کر رہ جائے گا، اب ذرا تفصیل سننا اس میں کس کس چیز کا بیان نہیں۔

(۱) قعدہ اولیٰ و آخرہ (۲) تعدیل ارکان (۳) تشہد پڑھنا (۴) لفظ سلام سے نکلنا (۵) نماز میں ہاتھ باندھنا (۶) ثنا پڑھنا (۷) تعویذ پڑھنا (۸) تسمیہ (۹) جلسہ (۱۰) دعائے جلسہ (۱۱) رفع سبائب (۱۲) درود پڑھنا (۱۳) ادعیہ ماثورہ (۱۴) نماز میں کلام نہ کرنا (۱۵) نماز میں مصافحہ نہ کرنا (۱۶) نماز میں سلام کا جواب نہ دینا (۱۷) نماز میں کھانسانہ (۱۸) اپنے امام کے علاوہ کسی کو لقمہ نہ دینا (۱۹) ناپاک جگہ پر نماز نہ پڑھنا (۲۰) تکبیر میں ہمزہ اور باکو لبسا نہ کرنا (۲۱) قرآۃ میں فاش غلطی نہ کرنا (۲۲) قرآن کو موسیقی کی طرز پر نہ پڑھنا (۲۳) نماز میں دنیاوی حاجت نہ مانگنا (۲۴) نماز میں قہقہہ نہ لگانا (۲۵) نماز میں برہنہ ہو جانا (۲۶) نماز میں عمل کثیر کرنا (۲۷) سدل (۲۸) منہ ڈھانپنا (۲۹) جمائی لینا (۳۰) انڈائی لینا (۳۱) اعتجار (۳۲) التفات (۳۳) آنکھوں کا بند کرنا (۳۴) پیشانی سے مٹی اور پسینہ صاف کرنا (۳۵) اقعاء (۳۶) آستین چڑھانا (۳۷) اختصار (۳۸) کسی کو سامنے لیکر نماز پڑھنا (۳۹) آسمان کی طرف منہ کرنا (۴۰) آگ کے سامنے نماز پڑھنا (۴۱) کھانا حاضر ہوتے ہوئے نماز پڑھنا (۴۲) حاقن ہونا (۴۳) امام سے سبقت کرنا (۴۴) آستین کو ہلا کر ہوا لینا (۴۵) نماز میں انگلیوں کو چٹھانا (۴۶) تھبیک (۴۷) سجدہ میں کہنیوں کا زمین پر گرانا (۴۸) چادر وغیرہ کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا (۴۹) مواقع سبوعہ میں نماز پڑھنا (۵۰) نماز میں بالوں کا باندھنا۔

یہ پچاس مسائل پہلا مسئلہ حنفیہ کے نزدیک ارکان نماز میں سے ہے، (کبیر ص ۲۸۹) نمبر ۲ سے لیکر چار تک واجبات نماز ہیں، پانچ سے لیکر ۱۳ تک سنن نماز ہیں، نمبر ۱۴ سے لیکر نمبر ۲۶ تک ان کے نزدیک مفسدات صلوٰۃ ہیں نمبر ۲۷ سے آخر تک مکروہات نماز ہیں۔

مقلد انوار صاحب وضاحت کریں کہ آیا ان کے نزدیک یہ تمام مسائل غیر ثابت شدہ ہیں، اگر نہیں یقیناً نہیں تو صرف مسئلہ رفع یدین ہی کا اس میں ذکر نہ ہونے سے غیر ثابت اور متروک کیوں ہے، وجہ فرق صاف اور بین بتائیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں، شہر بن حوشب راوی متکلم فیہ ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدوق تو ہے مگر کثرت سے اوہام کرتا ہے (تقریب ۱۴۷)

ثالثاً: اس حدیث میں فقط تکبیرات انتقال اور رکوع و سجود کی تعلیم دینا مقصود ہے، پوری نماز کا طریقہ

بتلانا پیش نظر نہیں، خود سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ اَحْفَظُوا تَكْبِيرِي وَتَعَلَّمُوا رُكُوعِي وَسُجُودِي فَانْهَاجَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میری تکبیروں کو یاد کر لو اور میرا رکوع و سجدہ سیکھ لو، کیونکہ یہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی وہ نماز ہے (ترجمہ انوار خورشید)

اس لیے راوی حدیث نے پوری نماز کی بجائے صرف مقصود کو سامنے رکھ کر حدیث بیان کر دی ہے۔
رابعاً: اس حدیث کے بعض طرق میں صراحت ہے کہ سیدنا ابو مالک رضی اللہ عنہ نے قرأت جہری کی تھی (مسند احمد ص ۳۴۲ ج ۵) انوار صاحب وضاحت کریں کہ کیا ان کے نزدیک ظہر کی نماز میں قرأت جہری ہے؟
 (۳۵) عن عباد بن الزبير ان رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه في اول الصلوة ثم لم يرفعهما في شئ حتى يفرغ۔

(خلافیات بیہقی بحوالہ نصب الراية ص ۴۰۴ ج ۱)

حضرت عباد بن زبیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب نماز شروع فرماتے تھے تو ابتداء نماز میں رفع یدین کرتے تھے، پھر نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نماز سے فارغ ہو جاتے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۲)

الجواب اولاً: نصب الراية میں صراحت کی ہے کہ عباد تابعی ہیں، لہذا یہ روایت مرسل ہے، اور مرسل ضعیف کی ایک قسم ہے، راجع مقدمہ،

ثانیاً: سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے، ہمارے دوست شیخ زبیر علی زئی محدث حضور و حفظہ اللہ نے آج سے کئی برس قبل کا مطالبہ کر رکھا ہے کہ اس کا تعین مطلوب ہے، مگر مقلدانوار صاحب نے اس پر دم نہیں مارا پھر اس کی سند میں، حفص بن غیاث راوی مدلس ہے، جیسا کہ امام احمد اور دارقطنی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۲۰) علامہ مقدسی نے اپنے قصیدہ میں (شعر نمبر ۹) میں مدلس قرار دیا ہے، اور زبیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں، اور اسے بیان کرنے والا راوی عباد بن الزبیر نامعلوم ہے، (ملاحظہ رہے کہ یہ عبد اللہ بن الزبیر کا بیٹا نہیں ہے) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔

(المنار المنيف ص ۱۳۹ رقم ۳۱۰)

(۳۶) عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال مالي اراكم رافعي

ایدیکم کانھا اذنا ب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة۔ (مسلم ص ۱۸۱ ج ۱)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (حجرہ مبارک سے نکل کر) ہمارے پاس تشریف لائے (اور ہمیں رفع یدین کرتے ہوئے پا کر) فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں تمہیں اس اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے پاتا ہوں جیسے بد کے ہوئے گھوڑوں کی دین اٹھی ہوئی ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔

(۳۷) عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله ﷺ ونحن يعني رافعوا ايدينا في الصلوة فقال ما بالهم رافعين ايديهم في الصلوة كانها اذنان الخيل الشمس اسكنوا في الصلوة۔

(نسائی ص ۱۳۳ ج ۱)

حضرت جابر بن سمرة فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے، اس حال میں کہ ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے، آپ نے فرمایا انہیں کیا ہو گیا کہ نماز کے اندر اس طرح رفع یدین کر رہے ہیں جیسے بدکے ہوئے گھوڑوں کی دھنکی اٹھی ہوئی ہوں نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۲)

الجواب اولاً: اگر اس کا یہی معنی و مفہوم ہے جو مقلد انوار خورشید بیان کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام حنفی اپنی اقبالی ڈگری سے گھوڑے قرار پاتے ہیں، کیونکہ یہ قوت میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، بلکہ ہر نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب دوسرا سجدہ کرتے ہیں تو رانوں سے ہاتھوں کو اٹھا کر زمین پر رکھتے ہیں اور جب پہلا سجدہ مکمل کر کے اٹھتے ہیں تو ہاتھوں کو زمین سے اٹھا کر رانوں پر رکھتے ہیں، جب دوسری تیسری اور چوتھی رکعت شروع کرتے ہیں تو ہاتھوں کو ارسال کی حالت سے اٹھا کر باندھتے ہیں، یہ پانچ مقامات پر جو ہاتھ اٹھاتے ہیں اسے عربی زبان میں، رفع الیدین، ہی کہتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ، واذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه، اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے، امام نسائی نے اس پر باب باندھا ہے، (باب رفع الیدین عن الارض قبل الركبتين) یہ روایت ضعیف ہے، تفصیل کے لیے (ارواء الغلیل ۳۵۷)، کی مراجعت کریں، لیکن اس سے اور امام نسائی کے تبویب باب سے ثابت ہوا کہ دوسرا سجدہ کر کے اٹھتے ہوئے جو زمین سے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ اسے عربی میں، رفع الیدین، ہی کہتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ تمام حنفی شریرا اور بدکے ہوئے گھوڑے ہیں، اگر انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ ان مقامات پر ہاتھوں کو اٹھانا رفع یدین نہیں کہلاتا، تو یہ اتنا بڑا جھوٹ اور کذب ہے، شاید انوار خورشید کے علاوہ دنیا میں کوئی اور نہ بول سکتا ہو، ثابت ہوا کہ ان مقامات پر ہاتھ اٹھانے کو بھی رفع یدین ہی کہتے ہیں، جب اس قدر مقامات پر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں تو آخر انوار خورشید کے پاس کونسی دلیل ہے جس کی رو سے ان جگہوں کی بجائے اس حدیث کو رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کے رفع یدین پر لگا رہا ہے۔

ثانیاً: جس طرح قرآن اپنی تفسیر کرتا ہے اسی طرح حدیث بھی حدیث کی تفسیر کرتی ہے، سیدنا جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کنا اذا صلینا مع رسول اللہ ﷺ قلنا، السلام علیکم ورحمة اللہ، و اشار بیدہ الی الجانین فقال رسول اللہ ﷺ علام تو مون بایدیکم کانها اذنا بخیل شمس؟ انما یکفی احدکم ان یضع یدہ علی فخذہ، ثم یسلم علی اخیہ من علیٰ یمنہ و شمالہ۔
ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو اختتام نماز پر، السلام علیکم ورحمة اللہ کہتے ہوئے، ہاتھ سے دونوں جانب اشارہ بھی کرتے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم اپنے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے ہو جیسے شریگھوڑوں کی دہلیز ہوتی ہیں، تم میں سے جب کوئی نماز ختم کرے تو اپنے بھائی کی طرف منہ کر کے صرف زبان سے، السلام وعلیکم ورحمة اللہ، کہے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

(مسلم کتاب الصلاة باب الامر بالسکون فی الصلاة و النهی ... الحدیث ۹۷۰)

اس مفصل حدیث نے انوار صاحب کی پیش کردہ مجمل اور مختصر روایت کی وضاحت کر دی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ بھی کرتے تھے، اس سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا، تمام اکابر محدثین کرام نے اس حدیث کو تشہد پر محمول کیا ہے، سلف صالحین میں سے ایک شخص بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا جس نے اس حدیث سے رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کے نسخ کا استدلال کیا ہو، اس کے برعکس امام نسائی امام ابو داؤد امام شافعی نے اس پر سلام کے باب باندھے ہیں، حنفیہ میں سے امام محمد نے، الحجۃ علی اہل المدینۃ، میں امام طحاوی نے، شرح معانی الآثار میں اس پر سلام کا باب ہی قائم کیا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ

یہ بات مشہور ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس حدیث کا تعلق تشہد کے ساتھ ہے اسی کے

قریب امام ابن حبان کا کہنا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۲۲۱ ج ۱)

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور مقلد انوار صاحب کے شیخ الہند مولوی محمود حسن خان فرماتے ہیں، اذنا بخیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں، کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم بوقت سلام اشارہ بالید بھی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا (الورد الشذی ص ۶۳)

مقلد مولوی محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے، حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے اور رفع عند السلام سے متعلق ہے، کیونکہ ابن القبطیہ (راوی حدیث) کی روایت میں سلام کے وقت کی جو تصریح موجود ہے اس کی موجودگی میں ظاہر اور مبادر یہی ہے کہ حضرت جابر کی

یہ حدیث رفع عند السلام ہی سے متعلق ہے، اور دونوں حدیثوں کو الگ الگ قرار دینا جبکہ دونوں کا راوی بھی ایک ہے اور متن بھی قریب قریب ہے، بعد سے خالی نہیں، حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے اور رفع عند السلام کے متعلق ہے، ابن قبطیہ کا طریق مفصل ہے، اور دوسرا طریق مختصر اور مجمل، لہذا دوسرے طریق کو پہلے طریق پر ہی محمول کرنا چاہئے شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس حدیث کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا (درس ترمذی ص ۳۷۲ ج ۲ طبع کراچی (۱۹۹۲ء))

(۳۸) عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن حین یفتح الصلوٰۃ و حین یدخل المسجد الحرام فی نظر الی البیت و حین یقوم علی الصفا و حین یقوم علی المروۃ و حین یقف مع الناس عشیۃ عرفۃ و بجمع و المقامین حین یرمی الجمرۃ۔

(معجم طبرانی کبیر ص ۳۸۵ ج ۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، رفع یدین نہ کیا جائے مگر سات مقامات میں جب نماز شروع کی جائے اور جب مسجد حرام میں داخل ہوتے ہوئے بیت اللہ پر نظر پڑے، اور جب صفا و مروہ پر کھڑا ہو اور عرفات میں بعد از زوال جب لوگوں کے ساتھ وقوف کرے اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور جمرتین کی رمی کرتے وقت۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۳)

الجواب اولاً: چلو چھٹی ہوئی، قنوت میں ہاتھ اٹھانے سے عیدین کی تکبیرات زوائد میں رفع یدین کرنے سے، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے، اگر انوار صاحب ان کے لیے کوئی دلیل رکھتے ہیں، تو وہی ہماری دلیل ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، ابن ابی لیل راوی ضعیف و سبکی الحفظ ہے، اور حکم بن عتیہ کی تدلیس ہے، تفصیل روایت نمبر ۲۲۳ تا ۲۸ کے جواب میں گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

تبصرہ بلا تبصرہ: الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ فرماتے ہیں۔

جناب انوار خورشید نے کل اڑتیس مرفوع روایات پیش کی ہیں، ان میں سے دس (۵۴، ۲۳، ۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷) موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

ان روایات میں سے رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع الیدین کے نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، ان میں سے نمبر ۲۲ مختصر نمبر ۲۳ ضعیف نمبر ۳۲ باطل نمبر ۳۴ مشکوک فیہ ہے، باقی روایات بلحاظ سند صحیح ہیں، لیکن ان سے رفع الیدین کا نہ کرنا یا کرنا یا نسخ بالکل ثابت نہیں ہوتا، باقی اٹھائیس روایات کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے، نمبر ۲۱ تحریف نمبر ۳ باطل و موضوع نمبر ۶ تا ۱۲ ضعیف نمبر ۱۵ موضوع نمبر ۱۶ تا ۲۲ ضعیف نمبر ۲۳ تا ۲۸ ضعیف نمبر ۳۱ ضعیف نمبر ۳۵ ضعیف و مرسل اور نمبر ۳۸ ضعیف ہے، ان میں بعض روایات کو آٹھ مرتبہ اور بعض کو سات دفعہ ذکر کیا گیا ہے۔ (نور القمرین مندرجہ نور العینین ص ۲۲۲)۔

آثار صحابہ کرام

خلفاء راشدین کے آثار

(۱) نا اسحق بن ابی اسرائیل نا محمد بن جابر عن حماد عن ابراہیم عن علقمة عن عبد اللہ قال صلیت مع النبی ﷺ و مع ابی بکر و مع عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا ایدیہم الا عند التکبیرة الاولى فی افتتاح الصلوٰۃ قال اسحاق بہ ناخذ فی الصلوٰۃ کلہا۔

(دارقطنی ص ۲۹۵ ج ۱ بیہقی ص ۷۹ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی، ان سب نے رفع یدین نہیں کیا، مگر پہلی تکبیر کے وقت نماز کے شروع میں، محدث اسحاق بن اسرائیل کہتے ہیں ہم بھی اسی کو اپناتے ہیں پوزی نماز میں۔

(۲) عن علقمة انه قال صلیت خلف عبد اللہ بن مسعود فلم یرفع یدیہ عند الرکوع و عند رفع الراس من الرکوع فقلت له لم لا ترفع یدیک فقال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ و خلف ابی بکر و عمر فلم یرفعوا ایدیہم الا فی التکبیرة التي تفتتح بہا الصلوٰۃ۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۲۰۷ ج ۱)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کیا، میں نے پوچھا کہ آپ رفع الیدین کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی ہے، ان سب نے رفع یدین نہیں کیا مگر اسی تکبیر میں جس سے نماز شروع ہوتی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۴)

الجواب اولاً: بدائع الصنائع سے جو روایت محترم نے نقل کی ہے، یہ بلا سند ہے، کاسانی نے کسی کتاب کا حوالہ دیئے بغیر اسے درج کیا ہے اور کتب فقہ حنفیہ میں ایسی متعدد احادیث ہیں جو من گھڑت اور باطل ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی بحوالہ نشاندہی کرے، ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ یہ روایت کاسانی نے وضع کی ہے، کتب احادیث میں اس کا نام و نشان نہیں ہے اور فقہائے احناف نقل حدیث میں قابل اعتماد نہیں، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ حصہ اول کی مراجعت کریں، الغرض یہ دلیل تو تب ہوگی جب اس کا ثبوت ہوگا، سرے دست تو آپ نے اسے درج کر کے حنفیوں کے اکابر کی روایات سازی کی ایک مزید دلیل کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے، اللہ آپ کا بھلا کرے۔

ثانیاً: دوسری روایت بیان کرتے ہوئے مقلد انوار خورشید یہ بھول گیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن جابر یمامی راوی ہے، اور یہ وہی راوی ہے جس نے امام ابو حنیفہؒ پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے میری لائبریری سے حماد بن ابی سلیمان کی تصانیف کردہ کتب کو چرا لیا تھا۔ (الجرح و التعديل ص ۴۰۰ ج ۸)

اگر مؤلف حدیث اور اہلحدیث کے نزدیک ابن مسعود کی روایت معتبر ہے تو یہ بھی مان لے کہ ابو حنیفہ کتب چور تھا، اگر انوار صاحب کتب چوری کو جھوٹا الزام قرار دیتے ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی من گھڑت اور جھوٹی ہے، اور جہاں سے آپ نے اسے نقل کیا ہے وہاں ہی امام دارقطنی اور بیہقی نے صراحت کی ہے، اسے بیان کرنے میں محمد بن جابر منفرد ہے، اور یہ ضعیف ہے۔

(سنن دارقطنی ص ۲۹۰ ج ۱ و سنن بیہقی ص ۸۰ ج ۲)

امام احمد نے اس روایت کو منکر کہا ہے اور سختی کے ساتھ اس کا انکار کیا ہے، (کتاب العلل ص ۱۴۴ ج ۱) امام حاکم فرماتے ہیں ضعیف ہے (معرفۃ السنن والاثر ص ۴۲۰ ج ۱)

ابن عراق، ابن القیم، ابن القیسرانی، شوکانی، اور ابن جوزی نے اسے من گھڑت اور باطل قرار دیا ہے۔

(تنزیة الشریعہ ص ۱۰۱ ج ۲، المنار المنیف ص ۱۳۸، الفوائد المجموعہ ص ۲۹ تذکرۃ الموضوعات ص ۷۸ الموضوعات کبیر ص ۹۶ ج ۲)

محمد بن جابر کو امام یحییٰ بن معین امام نسائی، امام ابن مہدی امام یعقوب بن سفیان امام عجل امام دارقطنی امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی روایت نہیں کرتا مگر اس سے بھی بدتر امام عمرو بن علی فرماتے ہیں کثیر الوہم و متروک الحدیث ہے امام ابو زرعہ کہتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک ساقط الحدیث ہے، امام ابو حاتم کہتے ہیں اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، تلقین (لقمہ) کو قبول کر لیتا تھا، امام بخاری کہتے ہیں قوی نہیں اس پر کلام کیا گیا ہے، منا کیر روایت کرتا ہے، (تہذیب الکمال ص ۲۶۰ ج ۶ و تہذیب التہذیب ص ۸۹ ج ۹)

علامہ زبیلی حنفی نے، (نصب الراہ ص ۶۱ ج ۱) میں مقلد مولوی خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے (بذل الجھود ص ۱۱۱ ج ۱) میں اور مقلد مولوی سرفراز خان صفدر نے، (خرائن السنن ص ۱۷۳ ج ۱) میں محمد بن جابر کو ضعیف و سببی الحفظ اور متروک قرار دیا ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں۔

رواہ ابو یعلیٰ و فیہ محمد بن جابر الیمامی و قد اختلط علیہ حدیثہ و کان یلقن فیتلقن یعنی اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور سند میں محمد بن جابر یمامی راوی ہے اس پر اس کی حدیث غلط ملط ہو گئی تھی اور لقمہ کو قبول کر لیتا تھا (مجمع الزوائد ص ۱۰۱ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ محمد بن جابر مختلط بھی ہے، اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ اس روایت کو ان کا متاخر شاگرد اسحاق بن اسرائیل روایت کرتا ہے، کیونکہ محمد بن جابر ۷۷ھ کے چند سال بعد فوت ہوا تھا

(تقریب ص ۲۹۲) جبکہ اسحاق ۱۵۱ھ کو پیدا ہوا (تہذیب ص ۱۹۶ ج ۱) جو اس بات کا قرینہ ہے کہ محمد بن جابر کے آخری شاگردوں میں سے اسحاق ہے، پھر محمد بن جابر کا استاد، حماد بن ابی سلیمان بھی مختلط ہے جیسا کہ ابن سعد نے صراحت کی ہے (تہذیب ص ۱۵ ج ۳) اور علامہ بیہمی فرماتے ہیں کہ حماد سے صرف شعبہ سفیان ثوری دستواری نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے باقی لوگوں نے حالت اختلاط میں سماع کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۱۹ ج ۱)

پھر حماد اور اس کا شیخ ابراہیم دونوں مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص ۲۸ ج ۳) اور انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی، اور جس روایت میں دو راوی مختلط ہوں اور روایت بھی حالت اختلاط میں بیان کریں، پھر سند میں تدلیس کا شبہ بھی موجود ہو اس روایت کے من گھڑت اور باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر

(۱) عن الاسود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیه فی شئی من صلوة الاحین الفتح الصلوة، الحدیث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۷ ج ۱)
حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہیں کیا، سوائے ابتداء نماز کے
(۲) عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود۔

(شرح معانی الآثار ص ۱۰۴ ج ۱)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا ہے آپ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۵)
الجواب اولاً: یہ روایت ایک ہی ہے، لیکن انوار صاحب نے اسے دو کتابوں سے نقل کر کے دو اثر باور کرایا ہے، جو کہ قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ اس کے مرکزی راوی ایک ہیں۔

ثانیاً: ہم گذشتہ فصل میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ رفع یدین کرنا ثابت کر آئے ہیں، اور دیوبندیوں کو یہ اصول مسلم ہے کہ جب اثبات و نفی میں تعارض ہو تو ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے۔
ثالثاً: یہ روایت شاذ ہے، جیسا کہ امام حاکم نے صراحت کی ہے (نصب الراية ص ۴۰۵ ج ۱) امام ابو زرہ رازی نے الحسن بن عیاش کے مقابلے میں امام سفیان ثوری کی روایت کو ترجیح دی ہے جس میں پھر نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے (علل الحدیث لابن ابی حاتم ص ۹۵ ج ۱) اور حسن بن عیاش سے امام سفیان ثوری اوثق ہیں، (تقریب ص ۷۱) میں حسن کے متعلق، صدوق لکھا ہے اور سفیان ثوری کے متعلق، ثقہ

حافظ فقیہ عابد امام حجة، کے الفاظ ہیں (تقریب ص ۱۲۸) اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے، اور حسن نے امام سفیان کی مخالفت کی ہے۔
 رابعاً: سند میں، ابراہیم نخعی، مدلس ہے۔

(طبقات المدلسین ص ۲۸ و جامع التحصیل ص ۱۰۴ و معرفة علوم الحدیث ص ۱۰۸)
 اور یہاں انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی بلکہ عن کر کے روایت بیان کی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر

(۱) عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة من الصلوٰة ثم لا یرفع بعد۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۰۴ ج ۱)

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

انوار صاحب نے اس روایت کو مکرر مصنف (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱) سے نقل کیا ہے اور نمبر ۳ (موطا امام محمد ص ۹۰ اور بیہقی ص ۸۹ ج ۲) سے درج کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۶)

الجواب اولاً: یہ ایک ہی روایت ہے کہ ابو بکر نے عاصم بن کلیب سے نقل کی ہے اور وہ اپنے والد سے اور ان کے والد کلیب نے سیدنا علی سے روایت کی ہے، گویا روایت کے مرکزی راوی ایک ہی ہیں، لیکن انوار صاحب نے اسے تین روایات بنا دیا ہے، ہم ان کی مجبوری کو بخوبی جانتے ہیں۔

ثانیاً: اس روایت سے امام سفیان ثوری نے سختی سے انکار کیا ہے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری کتاب الکنی ص ۹ جزء الرفع الیدین ص ۲۳)

امام دارمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند واہی ہے (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۸۰ ج ۲) و مختصر خلائیات (ص ۳۸۸ ج ۱) امام احمد نے اس سے انکار کیا ہے (المسائل ص ۳۲۳ ج ۱) امام بخاری اور ابن اسلقن نے بھی اس حدیث پر جرح کی ہے۔

(شرح الترمذی لابن سید الناس بحوالہ حاشیہ جلاء العینین ص ۴۸)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر

اسے انوار صاحب نے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱ شرح معانی الآثار للطحاوی ص ۱۵۶ ج ۱، مصنف عبد الرزاق ص ۱۷۱ ج ۲) سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۷)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے ایک روایت کو مکرر سے مکرر نقل کر کے تین بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ روایت صرف ایک ہی ہے۔

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۳۲ھ یا ۳۳ھ کو فوت ہوئے (تہذیب ص ۲۵ ج ۶) جبکہ ابراہیم نخعی ان کی وفات سے تین چار سال بعد ۳۷ھ کو پیدا ہوا (تہذیب ۱۵۵ ج ۱) امام شافعی فرماتے ہیں۔

ان ابراہیم النخعی لوروی عن علی و عبد اللہ لم یقبل منه لانه لم یلق واحد منهما۔
یعنی ابراہیم نخعی اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرے تو وہ قبول نہ کی جائے کیونکہ ان میں سے کسی ایک سے بھی اس کی ملاقات ثابت نہیں۔

(کتاب الام ص ۲۷۲ ج ۷ مطبوعہ مصر بحوالہ التحقيق الراسخ ص ۱۴۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر

اخبرنا مالك اخبرني نعيم المجرم و ابو جعفر القاري ان ابا هريرة كان يصلی بهم فكبر كلما خفض و رفع قال ابو جعفر القاري و كان يرفع يديه حين يكبر و يفتح الصلوة۔

(موطا امام محمد ص ۸۸ و کتاب الحجۃ ص ۹۰ ج ۱)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام مالک نے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی نعیم بن مجر اور ابو جعفر القاری دونوں نے کہ حضرت ابو ہریرہ ان کو نماز پڑھاتے تھے تو ہر اونچ نیچ میں تکبیر کہتے تھے ابو جعفر القاری کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رفع یدین نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۷)

الجواب انوار صاحب یہی روایت بحوالہ ابن عبد البر سابقہ اوراق میں مرفوع احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۳۰ پر درج کر آئے ہیں، اور وہاں ہی ہم نے صراحت کی ہے کہ اس میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں، جو اباً عرض کہ عدم ذکر لفظی کو مستلزم نہیں ہوا کرتا، امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ نعیم المجر اور ابو جعفر القاری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے جبکہ عبد الرحمن بن ہرمن نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اور عبد الرحمن کی روایت ابو نعیم کی مجمل روایت کی مفسر ہے، کیونکہ ابو نعیم کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (التہذیب ص ۲۱۶ ج ۹)

قارئین کرام آپ ورق الٹ کر اسے فصل اول سے دیکھ سکتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رفع یدین

کرتے تھے، اس کے بالمقابل ایسی روایت درج کرنا جو مجمل ہے، انصاف نہیں بلکہ بے انصافی اور حقائق کا خون کرنا ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر اعتراض

مقلد انوار صاحب (مسند احمد ص ۴۶ ج ۲) سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمرؓ) کو دیکھا کہ انہوں نے رفع یدین کیا، تکبیر تحریمہ کہتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت میں نے ان سے اس کے متعلق سوال کر دیا انہوں نے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تھا مسند احمد ص ۱۴۶ ج ۲ میں ہے کہ حضرت محارب بن دثار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو میں نے ان سے کہا کہ یہ کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد قیام فرماتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور رفع یدین کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۸)

الجواب اولاً: مقلد انوار صاحب نے اس پر یہ سرنخی لگائی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر سالم اور قاضی محارب کا رفع یدین کرنے پر اعتراض کیا ہے، علی وجہ تسلیم عرض ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بالمقابل سالم اور قاضی محارب کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے، بالخصوص جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے فعل کی دلیل عنایت کرتے ہوئے اسے نبی مکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، بخاری میں ہے کہ امام عکرمہ نے مکہ مکرم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی واپس آ کر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں ایک بوڑھے کے پیچھے نماز پڑھی ہے، پاگل معلوم ہوتا ہے، ہر اونچ نیچ پر تکبیرات (انتقال) کہتا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۷۸۸)

اگر سنت پر محض اعتراض ثابت ہونے سے ہی اس کا متروک ہونا لازم آتا ہے تو انوار صاحب امام عکرمہ کے اعتراض کو بھی پلے باندھ لیں اور تکبیرات انتقال کو کہنا ترک کر دیں۔

ثانیاً: سالم کی روایت میں، جابر جعفی، راوی ہے، جسے انوار صاحب حضرت جابر لکھ کر اوپر رحمہ اللہ کی علامت ڈال رہے ہیں، یہ کذاب و متروک اور خبیث العقیدہ رافضی تھا، صحابہ کرام کو گالیاں دیتا تھا، رجعت علی رضی اللہ عنہ کا قائل تھا، تفصیل مسئلہ فاتحہ میں گزر چکی ہے، انوار صاحب اہل حدیث کے رد کا شوق ضرور رکھے مگر اس کے لیے رافضیوں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی تکلیف نہ کریں کیونکہ آئمہ اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ رافضی مشرک ہیں اور مشرک کے لیے دعائے مغفرت نہ کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تلقین کی ہے، اہل حدیث پر تو جناب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ ان کے فلاں عالم دین نے

حنفیہ کے رد کے لیے فلاں شیعہ مولوی سے حوالوں کی مدد لی تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۱)
لیکن خود جناب اس سے دو ہاتھ آگے، استفادہ کے بعد دعائے مغفرت بھی کرتے ہیں اسے کہتے
ہیں، اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، غیر کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتے ہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر

اس اثر کو انوار صاحب نے تکرار کے ساتھ چار بار نقل کیا ہے، اور اس کی دو سندیں ہیں۔
پہلی سند حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ابتدا نماز کے علاوہ
رفع یدین کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۹، بحوالہ، معرفۃ السنن والاثر
ص ۲۲۸ ج ۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۷ ج ۲ طحاوی ص ۱۵۵ ج ۱)
الجواب اولاً: قنوت وتر کی رفع یدین، عیدین کی تکبیرات زوائد میں رفع الیدین اور دعا کے وقت
رفع یدین سے بھی چھٹی ہوئی، فما کان جوابکم فہو جوابنا۔

ثانیاً ثبوت ونفی میں جب تعارض ہو تو ثبوت مقدم ہوتا ہے، مولوی سرفراز خان صفدر مقلد دیوبندی
فرماتے ہیں کہ یہ بھی طے شدہ قاعدہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے، (احسن الکلام ص ۲۵۹ ج ۱)
حاشیہ میں اس پر امام نووی (شرح صحیح مسلم ص ۵۰ ج ۲) حافظ ابن حجر (شرح نخبہ الفکر ص ۹۴) امام بیہقی
(سنن الکبریٰ ص ۱۶۱ ج ۲) وغیرہ کا حوالہ دیکر محدث گوندلوی کی تردید کرتے ہوئے آخر میں ارشاد
فرماتے ہیں، (اس سے انکار) محض جی بہلانے کا ایک بہانا ہے (حاشیہ احسن الکلام ص ۲۶۰ ج ۱) فصل
اول میں ہم سات معتبر راویوں سے ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کرتے تھے، لہذا
ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

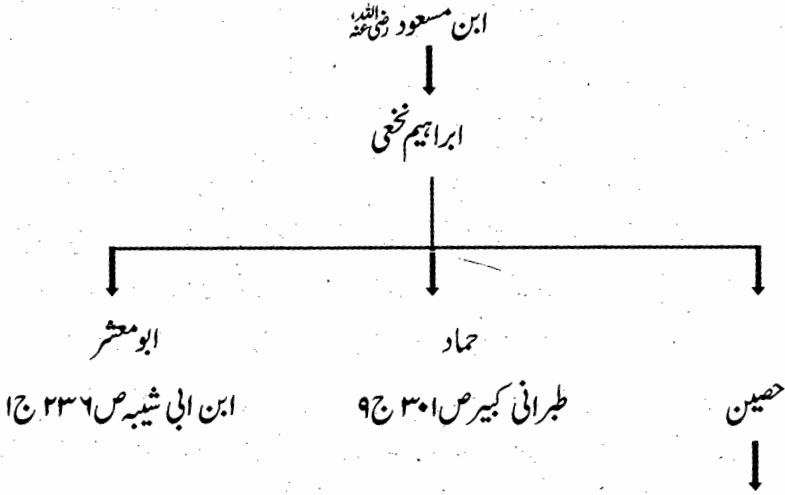
ثالثاً: اس روایت کو امام یحییٰ بن معین نے ابو بکر کا وہم قرار دیتے ہوئے بے اصل قرار دیا ہے
(جزء رفع الیدین ص ۲۵) اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے باطل کہا ہے۔

(مسائل احمد بروایت ابن ہانی ص ۵۰ ج ۱)

حقیقت یہ ہے کہ اسکی سند میں ابو بکر بن عیاش راوی مخطط ہے اور اس نے یہ روایت حالت اختلا
میں بیان کی ہے، جیسا کہ امام بخاری اور امام بیہقی نے صراحت کی ہے، تفصیل کے لیے، دین ا
ص ۳۳۶ ج ۱ کی مراجعت کریں، امام بخاری یہاں پر مفسر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابو بکر
زمانے میں اس روایت کو عن حصین عن ابراہیم عن ابن مسعود، مرسل موقوف بیان کرتا تھا، اور یہ
محفوظ ہے، پہلی بات (زیر بحث روایت) فاش غلطی ہے۔

(جزء رفع الیدین ص ۲۵ و نصب الراہیہ ص ۴۰۹ ج ۱)

اب آئیے حصین سے اس روایت کی تخریج ملاحظہ کریں۔



سفیان ثوری عبد الرزاق ص ۷۱ ج ۲	ابو الاوص طبرانی کبیر ص ۳۰۱ ج ۹	ابو بکر بن عیاش قدیم کمانی نصب الرایہ ص ۳۰۹ ج ۱	سفیان بن عیینہ عبد الرزاق ص ۷۱ ج ۲
-----------------------------------	------------------------------------	---	---------------------------------------

اس جدول پر غور کریں، ابو بکر قدیم میں ابن مسعود سے بواسطہ حصین مرسل روایت بیان کرتا تھا جب بوڑھا ہو گیا حافظے میں خرابی واقع ہوگئی تو بواسطہ حصین سیدنا ابن عمر بیان کرنے لگ گیا، اس بات کو بیان کرنے والے کوئی ایرے غیرے نہیں بلکہ جلیل القدر امام اور محدث ذی شان امام بخاری ہیں، یہاں پر آ کر مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری مقلد نے بڑی دون کی لی ہے کہ ابو بکر بن عیاش سے یہ روایت بیان کرنے والا راوی احمد بن یونس ہے، اور یہ ابو بکر کے قدیم شاگردوں میں سے ہے، دلیل اس کی یہ دی ہے کہ احمد کے واسطہ سے بخاری میں احادیث ہیں (نیل الفرقین ص ۱۱۵) یہاں شاہ صاحب سے بھول ہوئی ہے کیونکہ بحث اس میں نہیں کہ یہ اس کا قدیم شاگرد ہے کہ نہیں، بلکہ بحث اس میں ہے کہ ابو بکر نے یہ روایت حالت اختلاط میں بیان کی ہے، لہذا کوئی ایسی دلیل عنایت کریں جو اس بات کا ثبوت ہو کہ احمد نے یہ روایت اختلاط سے قبل سنی ہو۔ انحضرت ص ۱۱۵، جیسا کہ امام نے کہا ہے، اور بخاری میں ابو بکر کی روایات کے متابعت و شواہد میں، تفصیل کے لیے نور العینین کی مراجعت کریں، جبکہ زیر بحث روایت میں ابو بکر کی کسی نے متابعت نہیں کی، بلکہ حصین سے یہ روایت کرنے میں متعدد ثقہ و ثبت راویوں نے مخالفت کی ہے، مثلاً امام سفیان ثوری امام سفیان بن عیینہ

امام ابو الاحوص وغیرہ نے بلکہ خود قدیم دور میں ابو بکر نے بھی ان کے موافق روایت کی ہے، لہذا حضرت شاہ صاحب کا اعتراض غلط ہے اور یہ روایت بہر نوع باطل ہے۔

دوسری سند امام محمد نے، موطاص ۹۰ میں عبد العزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے کانوں کے برابر اس کے علاوہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۴۰۹)

الجواب اولاً: سند میں محمد بن حسن شیبانی راوی متروک و سببی الحفظ ہے، اسے قاضی ابو یوسف امام یحییٰ بن معین امام اسد بن عمرو نے کذاب کہا ہے امام عبد اللہ بن مبارک سے سوال ہوا کہ محمد بن حسن زیادہ فقیہ ہے یا ابو یوسف؟ انہوں نے فرمایا یہ کہو کہ ان میں سے زیادہ کاذب کون ہے؟

(لسان المیزان ص ۱۲۲ ج ۵ المحلی لا بن حزم ص ۱۷۹ ج ۸ بحوالہ نور العینین ص ۱۶۶)
ثانیاً: دوسرا راوی محمد بن ابان کجھی ہے اور یہ بالاتفاق ضعیف ہے امام ابو داؤد امام یحییٰ بن معین اور ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں، حدیث میں قوی نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس کے حافظے میں کلام کیا ہے، اس پر اعتماد نہ کیا جائے، جوز جانی کہتے ہیں ضعیف الحدیث ہے۔ (میزان ص ۴۵۳ ج ۳ لسان ص ۳۱ ج ۵، التاريخ الكبير للبخاری ص ۳۴ ج ۱، احوال الرجال ص ۷۴ الجرح و التعديل ص ۱۹۹ ج ۷)
الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، پر میمون مکی کا اعتراض

ابو داؤد ص ۱۰۸ ج ۱ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت میمون مکی سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر کو دیکھا کہ انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ابتداء نماز رکوع کو جاتے اور سجدہ میں جاتے اور دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت دونوں ہتھیلیوں سے اشارہ کیا، میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس جا کر کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اور کسی کو بھی اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر تم کو پسند ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز دیکھو تو ابن زبیر کی اقتداء کرو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۱۰)

الجواب اولاً: آپ نے متن روایت کے ترجمہ میں کئی ایک غلطیاں کی ہیں، تفصیل ملاحظہ کریں، الف، حین یرکع و حین یسجد و حین ینہض للقیام فیشیر بیدیه، کا معنی کیا ہے، رکوع کو جاتے اور سجدہ میں جاتے اور دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت دونوں ہتھیلیوں سے اشارہ کیا۔

حین یسجد، کا معنی ہے جب رکوع سے سجدہ کے لیے اٹھتے، حین ینہض للقیام، کا مفہوم ہے

جب پہلے تشہد سے اٹھ کر تیسری رکعت شروع کرتے، فیشیر بیدیدہ کا معنی مولوی خلیل احمد نے، رفع یدین کیا ہے، (بذل المجدود ص ۱۹ ج ۲) ہمارے اس معنی کی تائید امام بیہقی کی وہ روایت ہے جو ہم فصل اول میں امام عطاء بن ابی رباح کے واسطے سے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کر آئے ہیں، اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ایک روایت دوسری روایت کی تفسیر کرتی ہے۔

ثانیاً: رہا میمون مکی کا اعتراض کرنا، جسے انوار صاحب تعجب قرار دیتے ہیں محترم غور کریں، سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بالمقابل میمون مکی کی حیثیت ہی کیا ہے، وہ خلیل القدر صحابی ہیں اور میمون کے متعلق مولوی خلیل احمد سہارنپوری، بذل المجدود ص ۱۹ ج ۲ میں (بحوالہ میزان ص ۲۳۶ ج ۲ خلاصہ ص ۷۵ ج ۳ تقریب ص ۳۵۴) فرماتے ہیں کہ مجہول ہے۔

ثانیاً: یہ روایت ہی ضعیف ہے، سند میں عبد اللہ بن لہیعہ راوی متکلم فیہ ہے اور میمون مکی مجہول ہے۔

اقوال تابعین

عباد بن عبد اللہ بن زبیر کا فرمان

مواہب الطیفہ بحوالہ بسط الیدین لنیل الفرقین ص ۵۳ میں ہے کہ حضرت محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباد بن عبد اللہ بن زبیر کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں ہر اونچ نیچ میں رفع الیدین کرتا رہا، حضرت عباد نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ تم ہر اونچ نیچ میں رفع الیدین کر رہے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ابتداء میں ہی فقط رفع الیدین کرتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کہیں اور رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۴۱۱)

الجواب اولاً: مرفوع روایت نمبر ۳۵ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ روایت سنداً ضعیف اور اس کا طریق مرسل ہے،

ثانیاً: بیان کرنے والا راوی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عباد نہیں جیسا کہ مقلد انوار صاحب نے دعویٰ کیا ہے، غالباً یہ المواہب الطیفہ، میں یا شاہ صاحب کی تالیف، بسط الیدین، میں تصحیف ہوئی ہے، نصب الراية ص ۴۰۴ ج ۱ میں عباد بن الزبیر ہے اور یہی صحیح ہے، اور یہ مجہول ہے۔

اصحاب ابن مسعود اور علی کا عمل

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن

مسعود اور علیؑ کے اصحاب و شاگرد صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۱۲)

الجواب ان اصحاب و شاگردوں کی وضاحت کی جائے کہ کون تھے، کیونکہ علیؑ و عبد اللہؑ کے شاگردوں میں، حارث الاور، جیسے کذاب افراد بھی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مجہول لوگوں سے اپنا دین لینے کو نہیں کہا، مزید برآں یہ کہ اگر یہ اثر ان کے نزدیک حجت ہے، تو حنفی نماز وتر اور عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں۔

امام شععی امام ابو اسحاق اور ابراہیم کا عمل

قال عبد المالك و رأيت الشعبي و ابراهيم و ابا اسحاق لا يرفعون ايديهم الا حين يفتتحون الصلوة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۷ ج ۱)

حضرت عبد المالك بن ابجر فرماتے ہیں کہ میں نے امام شععی ابراہیم نخعی اور ابو اسحاق سمعی کو دیکھا ہے یہ لوگ ابتدا نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۱۲)

الجواب اولاً: یہ تینوں بزرگ تابعی ہیں، اور تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں ہیں، تفصیل مقدمہ میں عرض کر دی گئی ہے۔ ثانیاً: امام شععی قرأت خلف الامام کے قائل تھے، تفصیل کے لیے، توضیح الکلام ص ۵۴۳ ج ۱ کی مراجعت کریں، امام ابراہیم کے بھی اقوال سے بعض مقامات پر خود امام ابو حنیفہؒ نے مخالفت کی ہے، جس کی ۵۳ مثالیں مولانا رئیس احمد ندوی نے (المحاث ص ۴۱۵ ج ۱) میں درج کی ہیں۔ فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

اسود اور علقمہ کا عمل

عن جابر عن الاسود و علقمة، انهما كان يرفعان ايديهما اذا افتتحا ثم لا يرفعون۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت اسود بن یزید اور حضرت علقمہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۱۳)

الجواب اولاً: انوار صاحب کا راوی، حضرت جابر، دجال و کذاب اور خبیث العقیدہ آدمی تھا، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر میں نے کسی شخص کو جھوٹا نہیں دیکھا، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

قیس بن ابی حازم کا عمل

عن اسماعیل قال کان قیس یرفع یدیه اول ما یدخل فی الصلوٰۃ ثم لا یرفعهما۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱)

حضرت اسماعیل فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن ابی حازم ابتدا نماز میں رفع یدین کرتے تھے پھر

اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۴۱۴)

الجواب اسماعیل بن ابی خالد، راوی مدلس ہے، جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے، (طبقات

المدلسین ص ۲۸) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے۔

عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ

عن سفیان بن مسلم الجہنی قال کان ابن ابی لیلیٰ یرفع یدیه اول شئی اذا کبر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۷ ج ۱)

حضرت سفیان بن مسلم جہنی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ صرف ابتداء نماز میں رفع

یدین کرتے تھے، جب تکبیر کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۴۱۴)

الجواب اولاً: ابن ابی لیلیٰ، انوار صاحب نے، عبد الرحمن، مراد لیا ہے، اور عبد الرحمن مراد لینے پر

کوئی دلیل درج نہیں کی، جبکہ ابن ابی لیلیٰ، عبد الرحمن، اور اس کے بیٹے محمد وعیسیٰ اور عیسیٰ کے بیٹے عبد

اللہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ (تقریب ص ۴۴۲)

ثانیاً: سفیان بن مسلم جہنی اور اس کا شاگرد ابن ہشیم دونوں مجہول ہیں، بحوالہ ان کی عدالت وثقات

ثابت کی جائے۔

خیثمہ کا عمل

عن الحجاج عن طلحة عن خیثمہ و ابراہیم قال کان لا یرفعان ایدیہما الا فی بدء الصلاۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱)

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ حضرت خیثمہ اور حضرت ابراہیم نخعی دونوں رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر

نماز کے شروع میں (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۱۴)

الجواب سند میں حجاج بن ارطاة راوی ہے اور یہ مدلس ہے، جیسا کہ ابن مبارک، یحییٰ بن قتان،

یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، ابو حاتم، اور نسائی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۴۹) یہاں

حجاج نے سماع کی صراحت نہیں کی، الغرض روایت ضعیف ہے۔

عدم رفع یدین اور علماء امت

(۱) انوار صاحب نے ترمذی ص ۵۹ سے نقل کیا ہے کہ حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، ص ۴۱۴)

امام سفیان ثوری اصول و فروع میں حنفیہ سے اختلاف رکھتے تھے، مرجعہ کے سخت مخالف اور اعمال کو جزو ایمان قرار دیتے تھے، امام ابو حنیفہؒ کو اسلام دشمن سے تعبیر کرتے تھے، جب انہیں یہ خبر ملی کہ ابو حنیفہ کا انتقال ہو گیا ہے تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا (تاریخ بغداد ص ۴۵۳ ج ۱۳) اگر آپ کے نزدیک ان لوگوں کے اقوال بھی حجت ہیں تو سب سے پہلے حنفیت کو ہی ترک کر دیں۔

(۲) دوسرا قول اسحاق بن ابی اسرائیل کا سنن (دارقطنی ص ۲۹۵ ج ۱) سے نقل کیا ہے (۴۱۵) اسحاق بحیثیت راوی صدوق قسم کا ہے، اس کا شمار آئمہ کبار میں نہیں ہوتا، امام بغوی فرماتے ہیں قلیل العقل آدمی تھا (تہذیب ص ۱۹۶ ج ۱) اور کم عقل انسان کا عمل اسلام میں کیا وزن رکھتا ہے۔

(۳) امام محمدؒ کے موطا ص ۸۸ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ ابتدا نماز کے علاوہ کسی جگہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے ص ۴۱۵)

امام محمد کے متعلق چند اوراق پہلے جرح گزر چکی ہے، مزید برآں یہ کہ آپ دعا قنوت اور عیدین میں تکبیرات زوائد میں کیوں رفع یدین کرتے ہیں جبکہ آپ کا امام صرف ابتداء نماز میں ہی کرتا تھا۔

(۴) المدونۃ الکبریٰ ص ۶۸ ج ۱ میں ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا رفع یدین کو نماز کی کسی بھی تکبیر میں نہ جھکتے ہوئے نہ اٹھتے ہوئے سوائے ابتداء نماز کے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۱۵)

المدونہ کے مؤلف کی گو بہت سے اماموں نے تعریف و توثیق کی ہے مگر امام ابو یعلیٰ فرماتے ہیں کہ محدثین کرام اس کے حافظے پر خوش نہیں ہوئے۔

(الارشاد ص ۶۹ ج ۱)

اس کے برعکس امام مالک سے ان کے حفاظ تلامذہ نے رفع یدین کرنا نقل کیا ہے،

(۱) اشعب (۲) ولید بن مسلم (۳) سعید بن ابی مریم (۴) ابو معصب (۵) ابن وہب (۶) ابن

عبدالکحیم۔

(التمہید ص ۲۱۳ ۲۱۲ ۲۱۱ ج ۹ و المحلی ص ۳ ج ۳)

بلکہ خود امام مالک موطا میں رفع یدین کی حدیث لائے ہیں، موطا کی روایت کے بالمقابل مدونہ کی

بلا سند بات قطعی طور پر ناقابل قبول ہے۔

(۵) ترک رفع یدین پر اہل مدینہ کے اجماع کا بھی انوار صاحب نے دعویٰ کیا ہے ص ۳۱۶ مگر اس پر کوئی دلیل نقل نہیں کی غیر متعلقہ عبارات درج کی ہیں مگر نفس مسئلہ کے متعلق ایک بھی دلیل نہیں دی، رہا آپ کا ابن رشد مالکی سے نقل کرنا تو وہ بے سود ہے، کیونکہ یہ پانچویں صدی ہجری کے عالم ہیں، اور امام مالک کے تلامذہ کے بالمقابل ان کی بات قابل قبول نہیں ہے۔

(۶) التعلیق المجدد ص ۹۱ میں ہے کہ امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کا ترک رفع یدین پر اجماع ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۸)

امام محمد بن نصر مروزی کی اصل کتاب پیش کریں، ادھر ادھر سے بے سند حوالے درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) طحاوی ص ۱۵۶ ج ۱ میں ہے کہ ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی فقہی کو رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱)

ابو بکر بن عیاش کا ضعیف ہونا گزر چکا ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(۸) شرح مسلم ص ۱۶۸ ج ۱ میں نووی فرماتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ کا رفع یدین بالاتفاق مستحب ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی کے نزدیک واجب نہیں (ص ۳۱۹)

اگر کسی چیز کے وجوب کی نفی کرنے سے اس کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ تو انہوں نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کو بھی واجب نہیں بلکہ مستحب ہی قرار دیا ہے، فما كان جوابكم فهو جوابنا، محترم وجوب کی نفی سے سنت کی نفی لازم نہیں آتی۔

ملفوظ

ان آٹھ نمبروں میں انوار صاحب نے جو زیب رقم فرمایا ہے، اگر ان تمام دعووں کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی حدیث صحیح مرفوع متصل کو ان آٹھ چیزوں کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا، جو اس بات کا مدعی ہے وہ ثبوت پیش کرے۔

ایک کفریہ مطالبہ

فرماتے ہیں کہ کسی بھی صحیح و صریح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے رکوع والے رفع یدین کا حکم دیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۲۳)

اس مطالبہ میں آپ کو یہ مسلم ہے کہ فعلی حدیثیں موجود ہیں، کیونکہ آپ نے صرف قولی حدیث کا مطالبہ کیا ہے، یہ مطالبہ کرتے ہوئے مقلد انوار صاحب کو ڈوب کر چاہیے تھا کہ کیسی فضول شرط لگا رہا ہوں، اس شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا فعل حجت نہیں، کیا آپ قرآن و حدیث میں سے یہ چیز ثابت کر سکتے ہیں کہ نبی کا فعل نہیں صرف قول حجت ہے، نہیں قطعاً نہیں۔

چلو قرآن کی کوئی آیت آپ کو نہیں ملی اور حدیث رسول بھی میسر نہیں ہوئی تو کسی صحابی کا قول ہی پیش کر دیں، آپ کو مزید رعایت دیتے ہیں، پوری امت مرحومہ میں سے کسی محدث و فقہی کا قول ہی دکھا دیں، اگر یہ بھی نہ ملے تو اپنے اکابرین میں سے کسی کا فتویٰ ہی لے آئیے، ہاں دیوبندی مولوی کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ محض مجادلہ و مکابرہ کرنے والا ہی نہ ہو بلکہ کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث ہو۔ اگر آپ کسی دیوبندی کا فتویٰ بھی نہ دکھا سکے، یقیناً نہیں دکھا سکے، تو پھر ہم درد دل سے آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس کفر سے توبہ کر کے تجدید ایمان کر لیں، اس ناصحانہ بات کے بعد آئیے ہم آپ کو حکم بھی دکھا دیتے ہیں۔

عبداللہ بن قاسم فرماتے ہیں۔

بينما الناس يصلون في مسجد رسول الله ﷺ اذ خرج عليهم عمرو بن الخطاب فقال اقبلوا على بوجوهكم اصلى بكم صلوة رسول الله ﷺ التي كان يصلى ويامر بها فقام مستقبل القبلة و رفع يديه حتى حاذا بهما منكبيه و كبر ثم نهض بصره ثم رفع يديه حتى حاذا بهما منكبيه ثم كبر و ركع و كذلك حين رفع، قال للقوم هكذا كان رسول الله ﷺ يصلى بنا۔

لوگ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ (اچانک) ان کے پاس سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا لوگو! اپنے چہرے میری طرف کرو میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھتے تھے اور جس کا حکم دیتے تھے، پس آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور اپنے کندھوں تک رفع الیدین کیا اور تکبیر کہی پھر آپ نے اپنی نظر جھکا لی، پھر آپ نے رفع الیدین کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو گئے پھر آپ نے تکبیر کہی پھر رکوع کیا اور اسی طرح رفع الیدین کیا جب رکوع سے کھڑے ہوئے، آپ نے (نماز کے بعد لوگوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔

(شرح ترمذی لا بن سید الناس ص ۲۱۷ ج ۲ و اللفظ له، و مسند الفاروق لا بن کثیر ص ۱۶۶ و

نصب الراية ص ۴۱۶ ج ۱)

رفع الیدین کرنا ضروری ہے

- قارئین کرام پوری بحث آپ کے سامنے ہے، اس سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔
- (۱) رفع الیدین کرنے کی احادیث صحیح بخاری و مسلم میں ہیں جبکہ ترک کی کوئی روایت ان کتب میں موجود نہیں۔
- (۲) رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی حدیث صحیح و حسن سند کے ساتھ ثابت نہیں بلکہ تمام روایات ضعیف و معلول ہیں۔
- (۳) کسی صحابی سے ترک رفع الیدین ثابت نہیں۔
- (۴) رفع الیدین کرنے کی احادیث متواتر ہیں۔
- (۵) بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کرنا صحیح و حسن سند کے ساتھ ثابت ہے
- (۶) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین نہ کرنے والے کو کنکریاں مارتے تھے، اس کے برعکس کسی صحابی سے رفع الیدین کرنے پر مارنا ثابت نہیں۔
- (۷) سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے منکر رفع الیدین سے ملاقات نہیں کی، جبکہ کسی تابعی سے بوجہ رفع الیدین ملاقات نہ کرنا ثابت نہیں۔
- (۸) متعدد علماء امت نے رفع الیدین کو نماز کی زینت قرار دیا ہے، جبکہ کسی ایک عالم نے بھی ترک رفع الیدین کو نماز کی زینت قرار نہیں دیا۔
- (۹) اہل سنت کے مستند علماء نے رفع الیدین کے اثبات پر کتابیں تحریر کی ہیں جبکہ متقدمین میں سے کسی عالم نے ترک رفع الیدین پر کتاب نہیں لکھی۔
- (۱۰) رفع الیدین کرنے پر ہر انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے، بلفظ دیگر اگر دن میں صرف فرض رکعات کا حساب لگایا جائے تو ۴۳۰ نیکیاں یا درجے ملتے ہیں۔

وَأَتَى بِنَبِيِّ الْحَقِّ



المین پور بازار، فیصل آباد
041-2624007
0300-6628021

مکتبہ اہل حدیث

